بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد بیستم

20

1 نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

2 آباءِ انبیاء کے "موحّد" ہونے پر کلام

مصنف

مُفتی محمّد رضوان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 20

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

(2)...آباءِ انبیاء کے ''موحّد'' ہونے پر کلام

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد20)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: ربیع الاول 1444ھ- اکتوبر 2022ء

صفحات: 816

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست رسالہ اول

(نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق)

تفصیلی فہرست رسالہ دوم

(آباءِ انبیاء کے ”موحّد“ ہونے پر کلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

''مجلسِ فقہی'' ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی بیسویں جلد کے مضامین ورسائل، بحمداللہ تعالیٰ نظرِ ثانی وغیرہ کے متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہے ہیں۔

اس جلد میں درجِ ذیل دو تحقیقی، علمی اور تفصیلی موضوعات پر مشتمل رسائل شامل ہیں:

(1)...نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

(2)...آباءِ انبیاء کے ''موحّد'' ہونے پر کلام

مزید کئی جلدوں کے رسائل ومضامین پر بھی بحمداللہ تعالیٰ نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ وغیرہ کا کام جاری ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو بصدق واخلاص مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران سے منسلک مختلف اہلِ علم نے اس جلد کے رسائل کا مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، جن میں سے بعض امور سے مؤلف نے کلی، یا جزوی اتفاق کیا، اور بعض پر مؤلف کو شرح صدر نہ ہوا، اس لیے اس میں حسبِ منشاء ترمیم، یا اس کی توضیح کی، اور اس طرح کی جزوی چیزوں میں نیک نیتی کے ساتھ، حسبِ ذوق وحسبِ استعداد، اختلاف، شرعی وفقہی اعتبار سے مذموم نہیں۔

اراکینِ مجلس نے ان رسائل کو تحقیق پر مبنی اور وقت کے اہم موضوعات پر مشتمل محسوس کیا۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور علمی وفقہی دنیا میں اعتدال کے قائم ہونے اور غلو، یا افراط وتفریط سے حفاظت کا باعث بنے، اور اس سلسلہ میں سعی وکاوش کرنے والے جملہ حضراتِ اہلِ علم کے لیے مغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ ہو۔ آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ناظم)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(9)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

10/صفرالمظفر/1443ھ 07/ستمبر/2022ء بروز بدھ

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

نہار منہ پانی پینے سے متعلق مروی احادیث وروایات کی اسنادی تحقیق
اور نہار منہ پانی سے متعلق شرعی وطبی حکم پر کلام

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان
www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	
18	**تمہید** (من جانبِ مؤلف)	
19	**نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق**	
//	**سوال:**	
//	**جواب:**	
//	حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث	
22	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث	
25	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث	
28	سحری یا افطاری، پانی سے کرنا	
32	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہار منہ ''نبیذ'' نوش فرمانا	
34	نہار منہ پانی پینے سے متعلق اہلِ علم و ماہرین کا قول	
36	**خلاصۂ کلام**	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

کچھ عرصہ سے صبح نہار منہ پانی پینے سے متعلق مختلف باتیں سننے کومل رہی تھیں۔

ایک طبقہ کا کہنا یہ ہے کہ روزانہ صبح نہار منہ پانی پینا صحت کے لیے بہت مفید اور کئی بیماریوں کی شفاء کا ذریعہ ہے، اور جتنا زیادہ پانی پیئے گا، اتنا ہی مفید ہوگا، جبکہ متعدد مستند اطباء نہار منہ پانی پینے کو صحت کے لیے نقصان دہ اور کمزوری پیدا ہونے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض احادیث میں نہار منہ پانی پینے کو کمزوری پیدا ہونے، یا جسم سے چربی ختم ہونے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، ان احادیث کی بھی بعض لوگوں کی طرف سے تبلیغ وتشہیر کی جاتی ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے بندہ نے ایک سوال کے جواب میں اس مسئلہ پر کچھ تفصیلی کلام کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں اس سلسلہ میں وارِد احادیث وروایات اور ان کی اسناد ومطالب پر کلام کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ طبی اعتبار سے بھی اس مسئلہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو افراط وتفریط سے محفوظ رکھ کر اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط

محمد رضوان خان

24/محرم الحرام/1439ھ 15/اکتوبر/2017ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

سوال:

بعض لوگوں سے سنا ہے کہ احادیث میں نہار منہ پانی پینے کی ممانعت آئی ہے۔
آپ سے ان احادیث کی تحقیق کی درخواست ہے۔
امید ہے کہ مدلل جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

کسی حدیث میں نہار منہ پانی پینے کی ممانعت، یا نہار منہ پانی پینے کا حکم نہیں آیا، لہٰذا نہار منہ پانی پینے کو شرعاً سنت، یا ثواب سمجھنا، یا مکروہ وممنوع وغیرہ سمجھنا درست نہیں۔

البتہ بعض احادیث میں نہار منہ پانی پینے کو بدن میں کمزوری کا باعث قرار دیا گیا ہے، لیکن اولاً تو یہ احادیث سند کے اعتبار سے مضبوط ومعتبر نہیں، جس کی وجہ سے ان پر عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے، دوسرے نہار منہ پانی پینے کی ممانعت بعض اطباء سے منقول ہے، جو کہ ایک طبی مسئلہ ہے، اس کو شرعی مسئلہ سمجھنا درست نہیں۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

امام طبرانی کی ''المعجمُ الاوسط'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ جس نے نہار منہ پانی پیا، تو اس کی طاقت کم ہو جائے گی۔ [1]

---

[1] حدثنا عبيد الله بن محمد بن خنيس الدمياطى قال: نا محمد بن مخلد الرعينى قال: نا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن عطاء بن يسار، عن أبى سعيد الخدرى، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من شرب الماء على الريق انتقصت قوته.
لم يرو هذه الأحاديث عن زيد بن أسلم إلا ابنه عبد الرحمن، تفرد بها: أبو أسلم "
(المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ٤٦٤٦، ج٥ ص ١٥١، باب العين)

مذکورہ حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن مخلد، رعینی راوی ضعیف ہیں۔ [1]

محمد بن مخلد کے بارے میں علامہ ذہبی نے ابنِ عدی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ باطل احادیث کو روایت کرتا ہے، اور یہ "مُنکَرُ الحدیث" ہے، اور اس راوی کی سند سے مروی بعض روایات کذب اور جھوٹ پر مشتمل ہیں۔ [2]

اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے دارقطنی سے محمد بن مخلد کے بارے میں "متروکُ الحدیث" ہونا نقل کیا ہے۔

---

[1] رواه الطبراني في الأوسط، وفيه محمد بن مخلد الرعيني، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، ج۵ص ۸۶، تحت رقم الحديث ۸۲۹۲، كتاب الطب،باب شرب الماء على الريق)

[2] محمد بن مخلد، أبو أسلم الرعيني الحمصي.

عن مالک وغيره.

قال ابن عدى :حدث بالاباطيل، من ذلک :عن مالک، عن أبي حازم، عن سهل -مرفوعاً :دغهم يا عمر، فإن التراب ربيع الصبيان.

ومن ذلک :محمد بن مخلد، حدثنا إسماعيل بن عياش، عن ثعلبة بن مسلم، عن شعوذ بن عبد الرحمن، عن خالد بن معدان، عن عبادة بن الصامت، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصخرة صخرة بيت المقدس على نخلة، والنخلة على نهر من أنهار الجنة، تحت النخلة آسية امرأة فرعون، ومريم بنت عمران تنظمان سموط أهل الجنة إلى يوم القيامة.

رواه أبو بكر محمد بن أحمد الواسطي (الخطيب)في فضائل بيت المقدس بإسناد مظلم إلى إبراهيم بن محمد عن محمد بن مخلد.

وهو كذب ظاهر(ميزان الاعتدال،للذهبي، ج۴،ص ۳۲، تحت رقم الترجمة ۸۱۵۱)

محمد بن مخلد، أبو أسلم الرعيني الحمصي(الوفاة: 200-211 هـ)

عن :محمد بن الوليد الزبيدي، وأبي معيد حفص بن غيلان .ولعله آخر من حدث عنهما.

وعنه :محمد بن مصفى، وسعد بن محمد البيروتي، وأزهر بن زفر، وإبراهيم بن محمد بن يوسف الفريابي، وبكر بن سهل، وغيرهم، وله أيضا عن مالک، وإسماعيل بن عياش.

قال ابن عدى :هو منكر الحديث عن كل من يروى.

وقال البغوى :يحدث عن مالک وغيره بالبواطيل.

قال أبو حاتم :لم أر له حديثا منكرا(تاريخ الإسلام،للذهبي، ج۵،ص ۴۵۱، تحت رقم الترجمة ۳۸۳)

اور بعض حضرات سے محمد بن مخلد کے بارے میں صالح ہونا بھی مروی ہے، لیکن اکثر محدثین نے ان پر سخت جرح کی ہے۔ [1]

علاوہ ازیں مذکورہ حدیث کے ایک دوسرے راوی ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم'' پر بھی محدثین نے جرح فرمائی ہے۔ [2]

---

[1] محمد بن مخلد أبو أسلم الرعينى الحمصى.عن مالک، وغيره.
قال ابن عدى: حدث بالأباطيل.
من ذلک: عن مالک، عن أبى حازم عن سهل رضى الله عنه مرفوعا: دعهم يا عمر فإن التراب ربيع الصبيان.
ومن ذلک: محمد بن مخلد حدثنا إسماعيل بن عياش، عن ثعلبة بن مسلم عن شعوذ بن عبد الرحمن عن خالد بن معدان عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصخرة صخرة بيت المقدس على نخلة والنخلة على نهر من أنهار الجنة تحت النخلة آسية امرأة فرعون ومريم بنت عمران تنظمان سموط أهل الجنة إلى يوم القيامة.
رواه أبو بكر محمد بن أحمد الواسطى الخطيب فى فضائل القدس بإسناد مظلم إلى إبراهيم بن محمد، عن محمد بن مخلد وهو كذب ظاهر .انتهى.
وقال ابن عدى: منكر الحديث عن كل من روى عنه.
وقال الدارقطنى فى غرائب مالک: محمد بن مخلد أبو أسلم متروک الحديث .
قلت: ومضى له فى ترجمة عبد الواحد بن محمد الأشج ذكر .
قال ابن أبى حاتم: سألت أبى عنه فقال: لم أر فى حديثه منكرا.
وقال الخليلى: يروى عن مالک أحاديث تفرد بها وهو صالح (لسان الميزان،لابن حجر العسقلانى،ج۷،ص ۴۹۶،۴۹۷، تحت رقم الترجمة ۷۳۹۰)

[2] ت ق :عبد الرحمن بن زيد بن أسلم القرشى، العدوى، المدنى، مولى عمر بن الخطاب، أخو عبد الله بن زيد بن أسلم، وأسامة بن زيد بن أسلم...........قال عمرو بن على : لم أسمع عبد الرحمن بن مهدى يحدث عنه
وقال أبو طالب ، عن أحمد بن حنبل :ضعيف.
وقال أبو حاتم سألت أحمد بن حنبل، عن ولد زيد بن أسلم أيهم أحب إليک؟ قال :أسامة .قلت: ثم من؟ قال :عبد الله ثم ذكر عبد الرحمن، وضجع فى عبد الرحمن.
وقال أبو الحسن الميمونى :سمعت أبا عبد الله يقول :عبد الله بن زيد بن أسلم، أثبت من عبد الرحمن .قلت :أثبت؟ قال :نعم، قلت :فعبد الرحمن؟ قال :كذا ليس مثله .وضعف أمره قليلا.
وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : سمعت أبى يضعف عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، وقال :روى حديثا منكرا :أحلت لنا ميتتان ودمان.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کے پیشِ نظر مذکورہ حدیث کا شدید ضعیف ہونا راجح معلوم ہوتا ہے، اور اگر صرف ضعیف ہونا تسلیم کیا جائے، تو بھی اس کو طبی حکم سمجھنا چاہیے، شرعی حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

امام طبرانی کی ''المعجمُ الاوسط '' میں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون مذکور ہے کہ جس نے نہار منہ پانی پیا، تو اس کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :ليس حديثه بشىء.
وقال البخارى ، وأبو حاتم : ضعفه على بن المدينى جدا .
وقال أبو داود : أولاد زيد بن أسلم كلهم ضعيف، وأمثلهم عبد الله.
وقال النسائى : ضعيف..........وقال أبو زرعة : ضعيف.
وقال أبو حاتم : ليس بقوى فى الحديث، كان فى نفسه صالحا، وفى الحديث واهيا .وقال فى موضع آخر : هو أحب إلى من ابن أبى الرجال.
وقال أبو أحمد بن عدى : له أحاديث حسان .وهو ممن احتمله الناس، وصدقه بعضهم .وهو ممن يكتب حديثه(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال،للمزى،ج١٧،ص١١٤ الٰى ١١٩، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٣٨٢٠)

"ت ق عبد الرحمن "بن زيد بن أسلم العدوى مولاهم المدنى..........قلت وقال ابن حبان كان يقلب الأخبار وهو لا يعلم حتى كثر ذلك فى روايته من رفع المراسيل وإسناد الموقوف فاستحق الترك وقال ابن سعد كان كثير الحديث ضعيفا جدا وقال ابن خزيمة ليس هو ممن يحتج أهل العلم بحديثه لسوء حفظه هو رجل صناعته العبادة والتقشف ليس من أحلاس الحديث وقال الساجى ثنا الربيع ثنا الشافعى قال قيل لعبد الرحمن بن زيد حدثك أبوك عن جدك أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال أن سفينة نوح طافت بالبيت وصلت خلف المقام ركعتين قال نعم قال الساجى وهو منكر الحديث وقال الطحاوى حديثه عند أهل العلم بالحديث فى النهاية من الضعف وقال الحربى غيره أوثق منه وقال الجوزجانى أولاد زيد ضعفاء وقال الحاكم وأبو نعيم روى عن أبيه أحاديث موضوعة وقال ابن الجوزى أجمعوا على ضعفه(تهذيب التهذيب،لا بن حجر العسقلانى،ج٦،ص١٧٧ الٰى ١٧٩ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٣٦١)

[1] حدثنا محمد بن أبى غسان، ثنا أبو نعيم عبد الأول المعلم، ثنا أبو أمية الأيلى، عن زفر بن واصل، عن أبى سلمة، عن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث کو ابنِ عساکر نے بھی تاریخِ دمشق میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
جس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند اور متن غریب ہے۔ [1]
اور مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کی سند میں ایسے راوی پائے جاتے ہیں، جن کو میں پہچانتا نہیں ہوں۔ [2]
مذکورہ حدیث کی سند میں ایک راوی ''عبدالاول ابونعیم مصری'' موجود ہے، جس کے بارے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من كثر ضحكه استخف بحقه، ومن كثرت دعابته ذهبت جلالته، ومن كثر مزاحه ذهب وقاره، ومن شرب الماء على الريق انتقضت قوته، ومن كثر كلامه كثر سقطه، ومن كثر سقطه كثرت خطاياه، ومن كثرت خطاياه كانت النار أولى به.

لا يروى هذا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بهذا الإسناد، تفرد به عبد الأول المعلم "(المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ٦٥٥٧، ج٦ ص ٣٣٤، باب الميم)

[1] طاهر بن محمد بن سلامة بن جعفر أبو الفضل بن القاضي أبي عبد الله القضاعي المصرى حدث بأطرابلس وبيت المقدس سنة ثلاث وستين وأربعمائة وحدث عن أبي محمد بن النحاس والقاضي أبي مطر علي بن عبد الله بن الحسن بن أبي مطر الاسكندراني روى عنه هبة الله بن عبد الوارث الشيرازى وأبو القاسم مكي بن عبد السلام بن الحسين أنبأنا أبو الحسن علي بن المسلم الفقيه ثنا أبو القاسم مكي بن عبد السلام بن الحسين بن القاسم بن محمد الرميلي المقدسي لفظا بدمشق أنا القاضي أبو الفضل طاهر بن محمد بن سلامة بن جعفر بن علي القضاعي المصرى قدم علينا رسولا إلى القسطنطينية أنا القاضي أبو مطر علي بن عبد الله بن الحسن بن أبي مطر الاسكندراني بمصر أنا أبو الحسين علي بن الغطاف بن محمد بن الغطاف المصرى نا أبو غلابة محمد بن غسان الفارضي نا عبد الأول المعلم نا أبو أمية الأيلي عن وصم بن واصل عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) من كثر ضحكه استخف بحقه ومن كثرت دعابته ذهبت جلالته ومن كثر مزاحه ذهب وقاره ومن شرب الماء على الريق ذهب بنصف قوته ومن كثر كلامه كثر سقطه ومن كثر سقطه كثرت خطاياه ومن كثرت خطاياه كانت النار أولى به.

غريب الإسناد والمتن(تاريخ دمشق،لابن عساكر ،ج٢٤،ص ٤٥٦، تحت رقم الترجمة ٢٩٥٧، حرف الطاء)

[2] رواه الطبراني في الأوسط في حديث طويل هو في الزهد، وفي إسناده من لم أعرفهم(مجمع الزوائد، ج٥ص٨٧، تحت رقم الحديث ٨٢٩٣، كتاب الطب،باب شرب الماء على الريق)

میں علامہ ذہبی نے فرمایا کہ یہ جھوٹی باتیں روایت کرتا ہے۔ [1]

بعض دیگر اہلِ علم حضرات نے اس سے مروی بعض احادیث کو منکر اور غریب قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] عبد الأول بن عبد الله المصرى المعلم أبو نعيم يروى عن ابن وهب بلايا هو آفتها وعنه محمد بن عبد الله بن عرس (المغنى فى الضعفاء ،للذهبى، ج ا ،ص ٣٦٥، تحت رقم الترجمة ٣٤٥٣، حرف العين)

[2] عبد الأول بن موسى (وقيل :ابن عبد الله) بن إسماعيل المرادى، أبو نُعَيم المِصرى، المؤدّب (المعلّم)روى عن :عبد الله بن وهب، وسفيان بن عيينة.

وروى عنه :محمد بن عبد الله بن عِرُس المصرى. توفى سنة (250) هـ.

قال الطبرانى فى المعجم الأوسط (رقم 4656)" :حدثنا محمد ابن عبد الله بن عِرُس، قال :حدثنا أبو نعيم عبد الأول بن عبد الله المعلِّم، قال :حدثنا عبد الله بن وهب، قال :حدثنا ابنُ لهيعة، قال : حدثنى واهب بن عبد الله المَعَافِرى، قال :سمعت عقبة بن عامر الجهنى يقول :رأيتُ رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أخذ بيد عَمِّه العباس، ثم قال" :يا عباس، إنه لا تكون نبوّة إلا كانت بعدها خلافة، وسيلى من ولدك فى آخر الزمان سبعة عشر؛ منهم السفاح، ومنهم المنصور، ومنهم المهدى، وليس بمهدى، ومنهم الجموح، ومنهم العاقب، ومنهم الواهن من ولدك، وويلٌ لأمتى منه، كيف يعقرها ويُهلكها ويَذْهَبُ بأموالها هو وأتباعُه على غير دين الإسلام؟ !فإذا بويع لِصَبِيَّه، فعند الثامن عشر انقطاعُ دولتهم، وخروجُ أهل المغرب من بيوتهم."

قال الطبرانى عقبه" :لا يُروى هذا الحديث عن عقبة بن عامر إلا بهذا الإسناد، تفرّد به ابنُ لهيعة."

قلت :هذا حديثٌ شديد النكارة، شبه موضوع .ولولا أنه من حديث ابن وهب عن ابن لهيعة مُصَرِّحًا بالسماع، لقلنا إنه من تخليطات ابن لهيعة .فلم يَبْقَ إلا عبد الأول هذا، وتلميذه محمد بن عبد الله بن عِرُس (ولم أجد ترجمة ابن عِرس هذا إلا عند ابن ماكولا فى الإكمال: 184 - 183 /6)؛ فأحدهما تُلْقَى عليه تبعة هذا الحديث المنكر.

وله حديث آخر غريب؛ قال الطبرانى فى المعجم الأوسط (رقم 6465)" :حدثنا محمد بن عبد الله بن عِرُس، قال :حدثنا أبو نعيم عبد الأول المُعَلِّم، قال :حدثنا عبد الله بن وهب، قال :حدثنى أسامة بن زيد الليثى، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-شَرُّ قَتيلٍ قُتِلَ بين صَفَّين :أحدُهما يطلبُ المُلْكَ."

قال الطبرانى عقبه" :لم يرو هذا الحديث عن محمد بن المنكدر إلا أسامة بن زيد، ولا عن أسامة إلا ابنُ وهب، تفرّد به عبد الأول المعلِّم."

فيبدو أن عبد الأول هذا مكثرٌ من الغرائب، على قلّة شُهرته، وعدم معرفته بين أهل الحديث بطلب العلم!!

ولذلك قال عنه الهيثمى فى المجمع " :(188 - 187 /5)لم أعرفه.

وانظر ترجمته فى :تاريخ الإسلام للذهبى (321)، والمقتنى فى سرد الكنى للذهبى (رقم 6271).(ذيل لسان الميزان رواة ضعفاء أو تكلم فيهم، لم يذكروا فى كتب الضعفاء والمتكلم فيهم،لحاتم بن عارف بن ناصر الشريف العونى،ص١٠٦ الى ١٠٨، تحت رقم الترجمة ١٢٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث

علامہ ابنِ عدی نے اپنی کتاب ''الکامل فی ضعفاء الرجال ''میں ''عاصم بن سلیمان عبدی'' کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نہار منہ پانی پینا (جسم سے) چربی کو ختم کردیتا ہے۔

لیکن خود علامہ ابنِ عدی نے عاصم بن سلیمان عبدی کو حدیث گھڑنے والوں کی فہرست میں شمار کیا ہے، اوراس کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے، جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔

اسی کے ساتھ علامہ ابنِ عدی نے امام نسائی سے ''عاصم بن سلیمان عبدی'' کے بارے میں متروکُ الحدیث ہونا نقل کیا ہے، نیز علامہ ابنِ عدی نے فرمایا کہ عاصم بن سلیمان سے مروی عام احادیث سند یا متن کے اعتبار سے منکر ہیں، اوران کی حدیث میں ضعف واضح ہے۔[1]

---

[1] عاصم بن سليمان العبدى بصرى يعرف بالكوزى قبيلة بالبصرة.
يعد فيمن يضع الحديث ويكنى أبا عمر من بنى كوز.
قال عمرو بن على وعاصم بن سليمان الكوزى كان يضع الحديث ما رأيت مثله قط يحدث بأحايث ليس لها أصول سمعته يحدث عن هشام بن حسان عن محمد، عن أبى هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب الماء على الريق يفقد الشحم.
قال له أبو قتادة وكان ممن يطلب معناه الرجل يبزق فى الدواة ثم يكتب منها فقال، حدثنا سعيد بن أبى عروبة، عن قتادة، عن أبى سنان الأعرج، عن ابن عباس كان يبزق فى الدواة ثم يكتب منها قال له بن عباس كان أعمى، قال :كان لا يرى به بأسا.
وحدثنى عن نافع، عن ابن عمر أنه كرهه.
قال النسائى عاصم بن سليمان الكوزى متروك الحديث ....ولعاصم هذا غير ما ذكرت من الحديث وعامة أحاديثه وما يروى مناكير إما متنا أو إسنادا والضعف بين على أخباره(الكامل فى ضعفاء الرجال،لا بن عدى، ج٦،ص ٤١٢ الىٰ ٤١٧، تحت رقم الترجمة ١٣٨٦)
عاصم بن سليمان أبو عمر العبدى.
يعرف ب "الكوزى "، من بنى كوز قبيلة بالبصرة.
قال الفلاس :كان يضع الحديث، ما رأيت مثله قط، يحدث بأحاديث ليس لها أصول، سمعته

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابنِ حبان نے عاصم بن سلیمان کی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ موضوع ومنگھڑت احادیث کو روایت کرتا ہے، جس کی حدیث کو تعجب کے طور پر ہی لکھنا حلال ہے۔ [1]

اور بھی کئی محدثین نے مذکورہ حدیث کو شدید ضعیف، یا موضوع قرار دیا ہے۔ [2]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نہار منہ پانی پینے سے طاقت کم ہونے وغیرہ کی احادیث اسناد

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يحدث عن هشام بن حسان عن محمد عن أبى هريرة يرفعه " :شرب الماء على الريق يعقد الشحم." !

وقال النسائى :متروك الحديث.

وقال ابن عدى :يعد فيمن يضع الحديث، وعامة أحاديثه وما يرويه مناكير إما متنا وإما / إسنادا، والضعف بين على أخباره(مختصر الكامل فى الضعفائل للمقريزى،ص ۵۷۱، تحت رقم الترجمة ۱۳۸۶)

[1] عاصم بن سليمان الكوزى أبو محمد العبدى من أهل البصرة يروى عن هشام بن حسان وعاصم الأحول وداود بن أبى هند والبصريين روى عنه الحريثى والحسن بن عرفة وأهل العراق وهو صاحب حديث شرب الماء على الريق يعقد الشحم يرويه عن هشام بن حسان عن بن سيرين عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم ومن روى مثل هذا كان ممن يروى الموضوعات عن الأثبات لا يحل كتابة حديثه إلا على جهة التعجب(المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين،لمحمد بن حبان، ج۲،ص ۱۲۶، تحت رقم الترجمة ۷۲۰، باب العين)

[2] قال ابن عراق الكنانى:

(حديث) شرب الماء على الريق يعقد الشحم (خط) من حديث أبى هريرة من طريق عاصم بن سليمان الكوزى وهو المتهم به(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج۲ ص ۲۴۱، تحت رقم الحديث ۳۰، كتاب الأطعمة، الفصل الاول)

وقال ابن قتيبة الدينورى:

وقد يعيبهم الطاعنون بحملهم الضعيف، وطلبهم الغرائب، وفى الغريب الداء.

ولم يحملوا الضعيف والغريب، لأنهم رأوهما حقا، بل جمعوا الغث والسمين والصحيح والسقيم، ليميزوا بينهما، ويدلوا عليهما، وقد فعلوا ذلك فقالوا فى الحديث المرفوع: " شرب الماء على الريق، يعقد الشحم "هو موضوع، وضعه عاصم الكوزى.

وفى حديث ابن عباس: " أنه كان يبصق فى الدواة، ويكتب منها ."موضوع، وضعه عاصم الكوزى(تأويل مختلف الحديث، لابن قتيبة الدينورى"المتوفى:276 هـ"، ص۱۲۸ ،تمييز الأحاديث الموضوعة للتحذير فيها)

کے اعتبار سے ضعف، بلکہ شدید ضعف سے خالی نہیں۔
شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی مذکورہ احادیث کو سند کے اعتبار سے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]
اور اگر مذکورہ کسی حدیث کو بالفرض معتبر بھی مانا جائے، تب بھی اس کو ایک طبی درجہ میں رکھا جائے گا، اس کو شرعی حکم سمجھنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں نہار منہ پانی پینے کو جسمانی و بدنی

---

[1] (من شرب الماء على الريق؛ انتقصت قوته). ضعيف جدا.
أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط (1/285/4783) "بإسناد الحديث الذي قبله عن أبي سعيد الخدري مرفوعا .وقال":لم يروه عن زيد بن أسلم إلا ابنه عبد الرحمن، تفرد به أبو أسلم ."
قلت :وكلاهما ضعيف جدا؛ كما تبين من تخريجنا للحديث الذي قبله.ولذلك؛ لم يحسن الهيثمي مرة أخرى حين اقتصر في "المجمع "(5/87) على إعلاله بمحمد بن مخلد الرعيني فقط، وبقوله فيه":ضعيف !"وحاله أسوأ من ذلك؛ كما تقدم بيانه في الذي قبله.
ثم أشار إلى أن له شاهدا من حديث أبي هريرة، فأقول :أخرجه الطبراني في "الأوسط " (2/103/ 1/6701) فقال :حدثنا محمد بن أبي غسان :ثنا أبو نعيم عبد الأول المعلم :ثنا أبو أمية الأيلي عن زفر بن واصل عن أبي سلمة عن أبي هريرة مرفوعا بلفظ: "من كثر ضحكه؛ استخف بحقه، ومن كثرت دعابته؛ ذهبت جلالته، ومن كثر مزاحه؛ ذهب وقاره، ومن شرب على الريق؛ انتقصت قوته، ومن كثر كلامه؛ كثر سقطه، ومن كثر سقطه؛ كثرت خطاياه، ومن كثرت خطاياه؛ كانت النار أولى به ."وقال":لا يروى إلا بهذا الإسناد؛ تفرد به عبد الأول المعلم ."
قلت :ولم أعرفه، ويحتمل أنه الذي في "ثقات ابن حبان "(8/425):
"عبد الأول بن حكيم الحلبي، يروي عن مسرة بن معبد اللخمي ...روى عنه سعيد بن واقد الحمراني ."ذكره فيمن روى عن أتباع التابعين .وهذا من هذه الطبقة .والله تعالى أعلم.وأبو أمية الأيلي وشيخه زفر لم أعرفهما أيضا؛ فهو إسناد مظلم .وقال الهيثمي (7/87و 10/302)": وفيه جماعة لم أعرفهم ."وعزاه السيوطي في "الجامع الكبير "لابن عساكر،وقال":وقال :غريب الإسناد والمتن ."
وكذا في "شرح الإحياء "(7/455) ، والظاهر أنه نقله عنه.
وقد روي مختصرا من حديث ابن عمر، وتقدم برقم 4643(سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٦٠٣٢)

کمزوری ہونے کا باعث ٹھہرایا گیا ہے، جو کہ ایک طبی حکم ہے، ثواب، یا گناہ وغیرہ قرار نہیں دیا گیا۔

لہٰذا مذکورہ احادیث پر عقیدہ رکھنا، یا ان کو جرح کے بغیر روایت کرنا راجح معلوم نہیں ہوتا۔

سحری یا افطاری، پانی سے کرنا

ہماری گزشتہ بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کئی احادیث میں سحری اور افطاری محض پانی سے کرنے کا ذکر آیا ہے، اگرچہ اس کو کھانے کی چیز سے ثانوی درجے میں رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ سحری وافطاری کے وقت انسان عادتاً خالی پیٹ ہوتا ہے، جس سے ایک درجہ میں خالی پیٹ پانی پینے کا شرعاً جواز ثابت ہوتا ہے، اگر شرعی ممانعت ہوتی، تو ان اوقات میں بھی پانی پینے کی اجازت نہ دی جاتی۔

اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِجَرْعَةٍ مِّنْ مَّاءٍ

(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۴۷۶. ج۸ص ۲۵۴، كتاب الصوم، باب السحور، ذكر الأمر بالاقتصار على شرب الماء لمن أراد السحور) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو، اگرچہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو (ابنِ حبان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسَّحُوْرُ أَكْلُهُ بَرَكَةٌ، فَلَا تَدَعُوهُ، وَلَوْ أَنْ يَّجْرَعَ أَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَاءٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية ابن حبان)

وَمَلائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٠٨٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کا کھانا باعثِ برکت ہے، تو تم اسے نہ چھوڑو، اگر چہ تم میں سے کوئی پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ پی لے، کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لجهالة حال أبی رفاعة(حاشية مسنداحمد)

[2] عن أنس، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال :تسحروا ولو بجرعة من ماء(مسند أبی يعلى، رقم الحديث ٣٣٤٠)

قال حسين سليم أسد الدارانی :إسناده ضعيف(حاشية مسند ابی يعلیٰ)

حدثنا وكيع ، عن شعبة ، عن خالد ، عن عبد الله بن الحارث ، عن رجل من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم ، قال : تسحروا ولو حسوة من ماء (مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ٩٠١٠)

حدثنا حسين بن علی ، عن زائدة ، عن هشام ، عن حفصة ، قالت :تسحروا ولو بشربة من ماء ، فإنها قد ذكرت فيه دعوة(مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ٩٠١٢)

عبد الرزاق قال أخبرنا معمر عن خالد الحذاء عن أبی الوليد عبد الله بن الحارث الأنصاری أن نفرا من أصحاب النبی صلى الله عليه و سلم قالوا تسحروا ولو بجرع من ماء (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٧٥٩٩)

البتہ درجِ ذیل حدیث کی سند غیر معمولی ضعیف ہے۔

حدثنا سليمان بن أحمد، ثنا أحمد بن النضر العسكری، ثنا سعيد بن حفص النفيلی، ثنا محمد بن محصن العكاشی، عن إبراهيم، عن أبی أمامة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم بارك لأمتی فی سحورها، تسحروا ولو بشربة من ماء، ولو بتمرة، ولو بحبات زبيب، فإن الملائكة تصلی عليكم تفرد به عن إبراهيم العكاشی وهو محمد بن إسحاق(حلية الاولياء لابی نعيم، ج٥ص ٢٤٦ ، تحت ترجمة "إبراهيم بن أبی عبلة" ،مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ١٦)

قال ابن حجر:

محمد ابن محصن العكاشی نسب إلى جده الأعلى وهو محمد ابن إسحاق ابن إبراهيم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلٰى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٢٣٥٦، كتاب الصوم، باب مايفطر عليه، ترمذی، رقم الحديث ٦٩٦؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٢٦٧٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مغرب کی) نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے اور اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں، تو چند خشک کھجوروں سے افطار کیا کرتے تھے، اور اگر وہ بھی میسر نہ ہوتیں، تو پانی کے چند

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن محمد ابن عكاشة ابن محصن الأسدى كذبوه من الثامنة ق(تقريب التهذيب، ص٥٠٥، رقم الترجمة ٦٢٦٨)

وقال المزى:

محمد بن محصن العكاشى ، هو محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن عكاشة بن محصن العكاشى.الأسدى نسب إلى جده الأعلى.............

قال البخارى عن يحيى بن معين: كذاب.وقال أبو حاتم:مجهول.

وقال فى موضع آخر: كذاب.وقال البخارى:منكر الحديث.

وقال ابن حبان:شيخ يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره فى الكتب إلا على سبيل القدح فيه.وقال الدارقطنى:متروك، يضع.

وروى له أبو أحمد بن عدى أحاديث، ثم قال:وهذه الأحاديث مع غيرها مما لم أذكره لمحمد بن إسحاق العكاشى كلها مناكير موضوعة .

روى له ابن ماجه حديثا عن إبراهيم بن أبى عبلة، عن عبد الله بن الديلمى، عن حذيفة "لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلاة ... "الحديث(تهذيب الكمال للمزى، ج٢٦ص ٣٧٢ الىٰ ٣٧٤ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٥٥٨٣)

[1] قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

وقال شعيب الارنؤوط:

اسناده صحيح(حاشية سنن ابى داؤد)

وقال ايضاً:

إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

گھونٹ سے افطار کرلیا کرتے تھے (ابوداؤد؛ ترمذی)

حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ، فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ، فَلْيَحْسُ حُسْوَةً مِنْ مَاءٍ (موارد الظمآن الى زوائد ابنِ حبان، رقم الحديث ٨٩٢، كتاب الصيام، باب على أى شيء يفطر؟) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی افطار کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ کھجور پر افطار کرے، اور اگر وہ میسر نہ ہو، تو پانی کے چند گھونٹ سے افطار کرلے (موارد الظمآن)

حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت میں درج ذیل الفاظ مروی ہیں:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ (سنن الترمذى، رقم الحديث ٦٩٥، ابواب الصوم، باب ما جاء ما يستحب عليه الإفطار، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٦٩٩؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٦٢٢٥) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی افطار کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ کھجور پر افطار کرے، اور اگر کھجور میسر نہ ہو، تو اسے چاہیے کہ پانی پر افطار کرے، کیونکہ وہ انتہائی پاکیزہ چیز ہے (ترمذی، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَجَدَ تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَيْهِ،

---

[1] قال حسين سليم اسد الدارانى: إسناده جيد (حاشية موارد الظمآن)

[2] قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط: صحيح من فعل النبى – صلى الله عليه وسلم –، وهذا إسناد حسن فى الشواهد (حاشية سنن ابنِ ماجه)

وَمَنْ لَا، فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ، فَإِنَّهٗ طُهُوْرٌ (صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٢٠٦٦، كتاب الصيام، باب استحباب الفطر على الماء إذا أعوز الصائم الرطب , والتمر جميعا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو کھجور میسر ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ کھجور پر افطار کرے، اور جسے کھجور میسر نہ ہو، تو اسے چاہیے کہ پانی پر افطار کرے، کیونکہ وہ انتہائی پاکیزہ چیز ہے (ابنِ خزیمہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہار منہ ''نبیذ'' نوش فرمانا

بعض حضرات کو نہار منہ پانی پینے کے مسنون ہونے کا ان احادیث سے شبہ ہوا ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہار منہ ''نبیذ'' والا مشروب نوش فرمانے کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكٰى أَعْلَاهُ وَلَهٗ عَزْلَاءُ، نَنْبِذُهٗ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهٗ عِشَاءً، وَنَنْبِذُهٗ عِشَاءً فَيَشْرَبُهٗ غُدْوَةً (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٠٠٥ "٨٥" كتاب الأشربة، باب إباحة النبيذ الذى لم يشتد ولم يصر مسكرا)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مشکیزے میں نبیذ بناتے تھے اور اس مشکیزے کے اوپر کے حصہ کو باندھ دیتے تھے اور اس مشکیزے میں نیچے سے (پانی لینے کے لئے ٹونٹی نما) سوراخ تھا، صبح کو ہم نبیذ بھگوتے تو رسول اللہ صلی

---

[1] قال أبو بكر ابنِ خزيمة: هذا لم يروه عن سعيد بن عامر , عن شعبة إلا هذا (صحيح ابنِ خزيمة، حواله بالا)

وقال الألباني: إسناده صحيح وقد أعل بما لا يقدح وصححه الحاكم والذهبى ويشهد له حديث سلمان بن عامر الآتى بعده وهما مخرجان فى الإرواء 922 معللين وقد صححهما جماعة (تعليق ابنِ خزيمة ، حواله بالا)

اللہ علیہ وسلم شام کو پی لیتے اور شام کو نبیذ بھگوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو پی لیتے تھے (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

ثُمَّ تَنبِذُ لَهُ بِاللَّيلِ فَإِذَا أَصبَحَ تَغَدّٰى فَشَرِبَ عَلٰى غَدَائِهِ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۳۷۱۲، کتاب الأشربة، باب فی صفة النبیذ)

ترجمہ: پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رات میں نبیذ تیار کرتی تھیں، پس جب آپ صبح کرتے، تو اپنے ناشتہ کے ساتھ اس کو نوش فرماتے تھے (ابوداؤد)

مگر مذکورہ شبہ درست نہیں، کیونکہ نبیذ سے مراد ایسا مشروب ہے، جو پانی میں کشمش، منقیٰ، کھجور، چھوارا یا دوسرا کوئی میوہ، وغیرہ ڈال کر تیار کیا جاتا ہے، مثلاً رات کو پانی میں اس طرح کا کوئی میوہ ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور صبح ہونے پر اس مشروب کو استعمال کرلیا جاتا ہے۔ [1]

اس مشروب میں میوے کے ضروری اجزاء اور وٹامنز شامل ہوجاتے ہیں، اور پانی کے ساتھ رقیق اور نرم ہوکر جسم میں اچھے طریقہ سے سرایت کرتے ہیں، اس لیے اس کو خالی پانی کا حکم حاصل نہیں، بلکہ پانی اور غذائی اجزاء سے مرکب مشروب کا حکم حاصل ہے، جیسا کہ آج کل مختلف قسم کے جوس، بازاروں میں دستیاب ہیں، جو محض مشروب نہیں، بلکہ ان میں غذائیت کے اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔

پس نبیذ والی احادیث سے خالی پیٹ پانی پینے کے مسنون ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔

---

[1] عن عائشة، قالت: كنا ننبذ لرسول الله – صلى الله عليه وسلم – فى سقاء، فنأخذ قبضة من تمر، أو قبضة من زبيب، فنطرحها فيه، ثم نصب عليه الماء، فننبذه غدوة فيشربه عشية، وننبذه عشية فيشربه غدوة.

وقال أبو معاوية: نهارا فيشربه ليلا، أو ليلا فيشربه نهارا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۳۹۸)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لجهالة بنانة –ويقال: تبالة (حاشية سنن ابنِ ماجه)

نہار منہ پانی پینے سے متعلق اہلِ علم وماہرین کا قول

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نہار منہ پانی پینے کی کثرت وعادت سے بدن کمزور ہوجاتا ہے۔ [1]

اسی طرح ابنِ قتیبہ نے حکماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نہار منہ پانی پینا عقل میں فتور پیدا کرتا ہے۔ [2]

اورملا علی قاری وغیرہ نے ''مشکاۃُ المصابیح'' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں فرمایا کہ خاص طور پر اہلِ عرب نہار منہ پانی پینے کو صحت کے لیے مُضِر اور نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ [3]

بہشتی زیور میں ہے:

> سوتے اٹھ کر فوراً پانی نہ پیو، اور نہ یکلخت ہوا میں نکلو، اگر بہت ہی پیاس ہے، تو عمدہ تدبیر یہ ہے کہ ناک پکڑ کر پانی پیو، اور ایک ایک گھونٹ کر کے پیو، اور پانی پی کر ذرا دیر تک ناک پکڑے رہو، سانس ناک سے مت لو۔

---

[1] وقال الشافعی:أربعة تقوی البدن: أکل اللحم، وشم الطیب، وکثرة الغسل من غیر جماع، ولبس الکتان.

وأربعة توهن البدن: کثرة الجماع، وکثرة الهم، وکثرة شرب الماء علی الریق، وکثرة أکل الحامض(الطب النبوی لابن القیم، ص ۳۱۱، فصل فی الحذر من أکل البیض والسمک معا)

وقال الشافعی:أربعة تقوی البدن: أکل اللحم، وشم الطیب، وکثرة الغسل من غیر جماع، ولبس الکتان.

وأربعة توهن البدن: کثرة الجماع، وکثرة الهم، وکثرة شرب الماء علی الریق، وکثرة أکل الحامض(زاد المعاد لابن القیم، ج۴ص ۳۷۵، القسم الثانی والثالث، فصل محاذیر طبیة لابن بختیشوع وبعض الوصایا لغیره)

[2] حدثنا ابن قتیبة؛ قال قالت الحکماء :ثلاثة أشیاء تورث الهزال :شرب الماء علی الریق، والنوم علی غیر وطاء ، وکثرة الکلام برفع الصوت(المجالسة وجواهر العلم،الجزء السابع عشر،المؤلف :أبو بکر أحمد بن مروان الدینوری المالکی، ج۶ص ۳۹، تحت رقم ۲۳۴۹)

[3] أکثر الأمم لا سیما العرب یرون شرب الماء علی الریق بالغا فی المضرة(مرقاة المفاتیح، ج۷ص ۲۷۰۶، کتاب الاطعمة)

اسی طرح گرمی میں چل کر فوراً پانی مت پیو، خاص کر جس کو لُو لگی ہو، وہ اگر فوراً بہت سا پانی پی لے، تو اسی وقت مر جاتا ہے۔

اسی طرح نہار منہ نہ پینا چاہیے (بہشتی زیور، صفحہ ۵۸۶، حصہ نہم ”پانی کا بیان“ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخ طبع: مارچ 2002ء)

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم اپنی مشہور تالیف ”دیہاتی معالج“ میں لکھتے ہیں:

نیند سے جاگنے کے بعد اور خالی پیٹ پانی پینا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر پیاس بہت زیادہ لگی ہو، تو اس کو بجھانے کے لئے تھوڑا پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پی سکتے ہیں (دیہاتی معالج، حصہ اول، صفحہ ۵۰، حفظانِ صحت، اشاعت: دسمبر 2003ء، مطبوعہ: فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، کراچی)

معلوم ہوا کہ اطباء کے نزدیک بیدار ہوتے ہی، بلاضرورت نہار منہ پانی پینا، اور بطورِ خاص اس کی عادت بنالینا مناسب اور صحت کے لیے مفید نہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ طبی مسئلہ ہے، اس کو شرعی حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔

آج کل بعض لوگوں کی طرف سے نہار منہ بہت سا پانی پینے کی بڑی خوبیاں اور فوائد بیان کیے جاتے ہیں، مگر اصل طبی اصولوں کے مطابق وہی بات ہے جو اوپر ذکر کی گئی، ہر نئی تحقیق کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہ آئے دن بدلتی رہتی ہے اور اگر کسی چیز سے نقدی کوئی فائدہ بھی حاصل ہو جائے، لیکن نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے وہ نقصان دہ ہو، اس کو فائدہ مند سمجھنا بھی غلط ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ شرعی اعتبار سے نہار منہ پانی پینا گناہ، یا ثواب نہیں، البتہ بعض احادیث میں نہار منہ پانی پینے کو بدن کی کمزوری اور بعض احادیث میں جسم سے چربی کے ختم ہونے کا باعث قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ احادیث سند کے اعتبار سے کمزور، یا غیر معمولی کمزور معلوم ہوتی ہیں۔
اور بر سبیلِ تسلیم بھی ان احادیث میں طبی مسئلہ بیان کیا گیا ہے، نہ کہ شرعی مسئلہ۔
اور متعدد اطباء و ماہرین کے نزدیک، بلا ضرورت نہار منہ پانی پینا صحت کے لیے مفید نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان

24/محرم الحرام/1439ھ 15/اکتوبر/2017ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

آ باءِ انبیاء کے ''موحّد''

ہونے پر کلام

آ باءِ انبیاء کے مومن وموحد ہونے پر علمی وتحقیقی کلام
اس سلسلے میں اہلُ السنۃ اوراہلِ تشیع کے اختلاف کی تحقیق
''أبوی النبی ''صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معتبر نصوص سے ثابت شدہ موقف کی تائید
اہلُ السنۃ والجماعۃ اور سوادِ اعظم کے موقف پر وارِد ہونے والے شبہات کا علمی وتحقیقی جائزہ

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: آباءِ انبیاء کے ''موحّد'' ہونے پر کلام

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات: ربیع الاول 1444ھ - اکتوبر 2022ء

طباعتِ اول: 780

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی، پاکستان

فون: 051-5507270 -051-5702840

www.idaraghufran.org

فہرست

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

کچھ عرصہ قبل بندہ نے ''شفاعۃُ النبی لأبوی النبی'' کے عنوان سے ایک مفصل تالیف کی تھی، جو دراصل ایک سوال کے جواب پر مشتمل تھی، اور وہ علمی وتحقیقی رسائل کی جلد 12 کے ضمن میں شائع ہو چکی ہے۔

مذکورہ تالیف میں جس مسئلہ پر کلام کیا گیا تھا، اس کے متعلق ایک عرصہ سے بہت سے عوام اور بعض علماء کے مابین افراط وتفریط پائی جاتی تھی، جس کی وجہ سے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کی ضرورت محسوس ہوئی تھی، اور اس مسئلہ کی حساسیت کے پیشِ نظر ممکنہ حد تک، احتیاط کو ملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا، لیکن یہ تحقیق ایسے جذباتی طبقہ کو یہ کیونکر احتیاط پر مبنی معلوم ہوسکتی تھی، جس کے پسندیدہ اور اختیار کردہ قول کی اس میں تضعیف کی گئی تھی، تاہم اس مضمون میں ذکر کردہ دلائل چونکہ کافی حد تک مضبوط اور معقول تھے، اس لیے علمی وتحقیقی اعتبار سے تو ان پر کلام کا راستہ میسر آنا مشکل تھا، لیکن خواہ مخواہ کے لایعنی اور بے سر وپا اعتراضات وشبہات کا تو کبھی سدِ باب نہیں کیا جاسکتا۔

اس دوران صوبہ پنجاب پاکستان کے ایک علاقہ سے کسی مسجد کے ایک مولوی صاحب کی طرف سے اسی قسم کے اعتراضات وشبہات پر مشتمل خط موصول ہوا، جس میں حسبِ روایت لفاظیت کی زیب وزینت اور موجودہ معاشرے میں مرقع ومسجع انداز میں چلتے ہوئے جملوں اور کلموں کا انتخاب کیا گیا تھا، اور اس طرز وطریقہ کو آج کل کی علمی دنیا میں بہت سے لوگ علم و تحقیق کی حدودِ اربعہ، بلکہ منتہائے تحقیق خیال کرتے ہیں۔

جبکہ اس طرزِ عمل سے علمی وتحقیقی شعبہ کو بہت نقصان پہنچا ہے، دیکھا دیکھی دینی مدارس سے وابستہ ایک بڑا حلقہ اسی روش پر چل پڑا۔

اسی لیے مذکورہ خط میں مذکور اعتراضات وشبہات کے علم وتحقیق کی رُو سے نہایت رکیک و کمزور ہونے کے باوجود ان پر کلام کی ضرورت محسوس کی گئی، جو آنے والے مضمون میں ذکر کر دی گئی ہے، جس کی روشنی میں ہم اپنے سابق مفصل مضمون '' **شفاعةُ النبی لأبوی النبی** '' سے نہ صرف یہ کہ متفق ہیں، بلکہ مذکورہ شبہات واعتراضات کے جائزہ وتحقیق کے بعد اپنے اس سابق مضمون کی مزید تقویت اور اس پر شرح صدر محسوس کرتے ہیں۔

یہ ملحوظ رہے کہ آنے والے مضمون میں پہلے ''موصول شدہ خط'' کا عنوان قائم کر کے اس مکمل خط کو نقل کیا گیا ہے، پھر اس کے بعد سرخیاں قائم کر کے مذکورہ خط کے اقتباسات کو مِن وعَن نقل کیا گیا ہے، اور متعلقہ مقامات پر اقتباس مکمل ہونے کے بعد التباس سے بچنے کے لیے ''انتھٰــــی'' کا جملہ تحریر کر دیا گیا ہے، اور پھر اس کے بعد ''**کــلام**'' کے ذیل میں متعلقہ اقتباس پر کلام کیا گیا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو قرآن وسنت کے مطابق راہِ اعتدال کو اختیار کرنے اور افراط وتفریط سے بچنے اور اس پر متحد ومتفق ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

26/ جمادی الاخریٰ/ 1442ہجری۔ بمطابق 09/ فروری/ 2021ء بروز منگل

نظرِ ثانی: 14/ محرم الحرام/ 1444ھ۔ 13/ اگست/ 2022ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

---

[1] پھر مذکورہ جواب کی اشاعت سے قبل، اس کے کچھ عرصہ بعد ایک اور تحریر موصول ہوئی، جو بظاہر ان ہی صاحب کی معلوم ہوتی تھی، جنہوں نے مندرجہ بالا خط تحریر کیا تھا۔

اس کے مستقل جواب کی اگرچہ خاطر خواہ ضرورت نہ تھی، لیکن بعض وجوہات کی بناء پر اس کا جواب بھی ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' کے عنوان سے تحریر کر دیا گیا ہے، جو ایک مستقل مضمون ہے۔ محمد رضوان۔

موصول شدہ خط

باسمہٖ تعالیٰ

مکرمی جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، ہر آن، ہر گھڑی منہاجِ نبوۃ کے مطابق، دین کی اشاعت وترویج کا کام لیں، اور محض اپنی رضاء ورضوان کے حصول کے لیے دینی کاموں کی توفیق نصیب فرما کر دارین کی کامیابیاں نصیب فرمائیں (آمین)

مفتی صاحب! آپ کی ابتداء سے لے کر اب تک تمام نہیں، تو اکثر کتب میرے پاس ہیں، اور ان کتب سے استفادہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

آپ کے تحقیقی رسائل کی تمام مجلدات خرید کی ہیں، نہ صرف خود، بلکہ بعض دوسرے احباب کو بھی ترغیب دی ہے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ کریں، یہ عرض کرنے کا مقصد آپ کو احسان جتلانا نہیں ہے، بلکہ ایک قلبی تعلق کا اظہار ہے۔

ہر ماہ ''التبلیغ'' آتا رہتا ہے، کئی سالوں سے اس کا بھی قاری ہوں، آپ کے قلم سے اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی عمدہ تالیفات کروائی ہیں، یقیناً امت کو اس سے فائدہ ہوا، اور ہوگا۔

جبکہ بعض کتب کے مواد (یا خیالات) سے حضراتِ علماء کو سو فیصد اتفاق نہیں ہوتا، تو آپ اس کا اظہار ماہنامہ ''التبلیغ'' میں کرتے رہتے ہیں، اور اپنا دفاع کرتے ہیں۔

ماہنامہ ''التبلیغ'' کا میں بھی مستقل قاری ہوں، تو میری نظر سے بھی وہ باتیں گزرتی

رہتی ہیں، بعض اوقات دل میں کھٹکا ہوتا، لیکن حسنِ ظن تھا کہ وسیع المطالعہ حضرات کی بعض انفرادی رائے بن جاتی ہے، جو قابلِ تحمل ہو، تو امتِ محمدیہ کے علماء برداشت کر لیتے ہیں، اور خاموشی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

ہر اسلامی مہینہ کے عنوان پر آپ کی کتب قابلِ قدر ہیں، بعض جزوی اختلاف، علماء کو ہوسکتا ہے۔

تحقیقی رسائل کی جلد نمبر ۵ پڑھ کر بے ساختہ آپ کے لیے دعائیں نکلیں، پھر کئی اور نسخے منگوا کر اپنے دوستوں کو متوجہ کیا، **الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ**، آپ نے حق ادا کر دیا، اور اپنے اکابر کا خوب دفاع کیا، نیز ان ہی کی تقلیدی رائے پر مضبوط دلائل فراہم کیے، یقیناً بڑے خاصے کی چیز ہے۔

آپ کی بہت سی تحریریں اور کتب کا مطالعہ کرنے سے آپ سے ایک قلبی تعلق قائم ہوا، اور انسیت بھی ہوئی، اور دل میں آپ سے شرفِ ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے محض اپنی رضا کے لیے عقیدت نصیب فرمائیں (آمین)۔

حال ہی میں آپ کی ''تحقیقی رسائل'' کی جلد نمبر ۱۲، ۱۳ شائع ہونے کی اطلاع بذریعہ ''ماہنامہ التبلیغ'' ہوئی، تو بڑے شوق و ذوق سے منگوائیں، بارہویں جلد کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، تو بے چینی واضطراب بڑھ گیا، اور گردوپیش میں بہت سے فتنے امنڈنے کے خطرات محسوس ہونے لگے ہیں۔

حضور والا! سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ علمائے کرام کا علمی حد تک اختلاف ہوتا ہے، کوئی قابلِ مذمت نہیں، لیکن ایسا انداز اختیار کرنا، جس سے اکابر پر حرف آئے، یقیناً لمحۂ فکریہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا کام لے رہیں ہیں، جس طرح تالیفی سلسلہ جاری ہے،

سو فیصد اتفاق نہ سہی، پھر بھی فکری و اصلاحی پیغام تو پہنچ رہا ہے، لیکن بارہویں جلد لکھ کر تو آپ نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے، اگر یہ کتاب اِدھر اُدھر پھیلی، تو اس کے نتائج کا آپ تحمل نہ کر سکیں گے، اور نہ آپ کے وہم و گمان میں ہوگا کہ یہ کیا طوفان پیدا کرے گی، ہاں سوائے اس کے کہ آپ کسی کے ہاتھوں شعوری طور پر استعمال ہو رہے ہوں، تو اور بات ہے (پھر آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا) بے ادبی معاف، کہیں آپ فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ تو نہیں بن رہے ہیں؟

اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے رفقاء سے بڑے اچھے کام لے رہے ہیں، یہ کتاب لکھ کر آپ نے اپنے خلاف اپنے رفقاء اور خاص کر علمائے دیوبند کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا ہے، یہ کتاب علمائے دیوبند کے خلاف ایک مسئلہ کھڑا کر دے گی۔

علمائے دیوبند اپنی بعض عبارات کے جواب دے کر گویا فارغ ہوئے کہ اس وقت وہ طوفانی لہریں کسی حد تک تھم گئی ہیں، لیکن آپ کا اس مسئلہ پر اس شدت سے اظہارِ خیال ایک طوفان سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کی حفاظت فرمائیں۔

یہ بات نہیں کہ اس مسئلہ پر کلام کیوں فرمایا؟ علمی انداز سے پہلے بھی اس پر کلام ہوا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ متکلمِ اسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز مسلم کی شرح ''فتحُ الملهم'' میں کلام فرمایا، لیکن کس حسنِ ادا سے اس معرکہ کو سَر کر لیا اور قیامت تک اس عنوان سے جو فتنے اٹھ سکتے تھے، اُن کا قلع قمع کر دیا، اور اہلِ علم پر اس مسئلہ کی نزاکت کو واضح کر دیا۔ الا بخیر اولٰی و اسلم۔

(حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ہر طالبعلم کو اپنی درسگاہ پر ناز ہوتا ہے، لیکن علامہ اس شان کے

عالم تھے کہ اُن کی درسگاہ کو اُن پر ناز تھا)

اس مسئلہ میں اکابر کا یہ طرزِ عمل ہے، جبکہ آپ نے چھ سو صفحات اس پر لکھ ڈالے، شاید اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں یہ پہلی ضخیم کتاب ہوگی، جس میں رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اس قدر سخت انداز اختیار کیا گیا ہے، حضرت آپ کی اس تحریر کی وجہ سے ایک بڑے طبقے کی پگڑیاں اچھالی جائیں گی، اللہ اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

حضور والا! ملکی حالات جس بحران کا شکار ہیں، اور جس تسلسل سے مذہبی طبقات کو مذاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر جملہ کفار کی گستاخیوں سے محفوظ نہیں ہیں، آپ کفر کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

مفتی صاحب! ملکی حالات پر گہری نظر رکھیے، اور اپنے مسلک پر بھی رحم کا معاملہ کیجیے، کیا ایسا تو نہیں کہ پسِ پردہ کوئی اور عوامل ہوں، اور آپ کو بطورِ ہتھیار کے استعمال کیا جا رہا ہو، ماضی کے حالات اس پر شاہدِ عدل ہیں کہ بعض شخصیات شعوری، یا غیر شعوری طور پر اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں کھلونا بنے، جب ان بے رحم عناصر کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں، تو ٹشو پیپر کے برابر بھی حیثیت نہیں دیتے، کیا آپ شعوری، یا غیر شعوری طور پر کسی کے ہاتھوں استعمال تو نہیں ہو رہے؟ اگر ایسا نہیں، تو پھر بھی شدت ہے، ایسے حساس مسئلہ پر اعتدال قائم رکھنا چاہیے تھا۔

مفتی صاحب! آپ نے کتاب لکھنے کا سبب یہ بتلایا کہ اس مسئلہ پر ایک مولوی صاحب کسی مسجد میں اظہارِ خیال فرما رہے تھے، اس کی اطلاع آپ کو دی گئی، یا سائل بن کر کسی نے آپ سے سوال کیا، تو آپ بغیر سوچے سمجھے، اس میدان میں کودنے کے لیے تیار ہو گئے، اور اس معرکہ خاردار کا فاتح بننے کی ناکام کوشش کی

(ناکام فاتح اس لیے کہ آپ کو دلائل کی مضبوطی پر اعتماد ہے، لیکن اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ مستقبل بتائے گا)

علمی حلقوں میں اس مسئلہ پر صدائیں بلند نہیں ہو رہی تھیں، اکثر روٹی، کپڑا، مکان والے لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور امت کو ایسے مسائل میں اُلجھاتے ہیں، جس مسجد کا مولوی اس مسئلہ پر کلام کر رہا تھا، اس کا علمی مقام کیا تھا؟ کیا اس درجہ کا عالم تھا کہ اس کا جواب دیا جاتا؟ چلو کلام کر رہا، غلط سہی، یا درست، اس کا بیان تو اس کے مقتدیوں تک محدود تھا، اور آپ کا جواب صرف پاکستان ہی نہیں، پوری دنیا میں جائے گا، اب یہ کیا گُل کِھلاتا ہے، خدا اس امت پر رحم کرے، جس کی ضعف سے پہلے ہی کمر ٹیڑھی ہوئی پڑی ہے۔

عزتِ مآب مفتی صاحب! آپ نے لکھا کہ اس مسئلہ کی وجہ سے اکابر پر طعن و تشنیع ہو رہی تھی، چند وہ حضرات جو علمی حلقوں میں شہرت کے حامل تھے، اُن کا دفاع، جبکہ ردِ عمل میں کثیر کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنوانا کون سا عدل ہے، بالفرض چند اسلاف پر طعن ہو رہا تھا، آپ کے لکھنے سے بند ہو جائے گا، یا اس میں مزید اضافہ ہوگا؟

اگر ان علمی حضرات کو بھی اس معاملہ میں معاف نہیں کیا گیا، اور اُن شخصیات کو ابنِ عربی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے اور علمی حلقوں نے برداشت نہیں کیا۔

تو عام لوگوں جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں، وہ اس بات کو برداشت کریں گے، یا آپ ان کو یہ بات سمجھا سکیں گے؟

کیا اس ملک میں امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی ذاتِ قدسیہ محفوظ ہے؟ کیا اُن پر زبانِ طعن دراز نہیں کی جا

رہی؟ کیا ہماری بعض علمی شخصیات ان سے زیادہ ہیں؟ ہمارے پیارے پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جماعتِ مقدسہ، یا خاندانِ مقدس سے زیادہ ہیں، اگر دفاع کرنا ضروری ہے، تو پہلے اس مورچہ کا سپاہی بننے کی ضرورت ہے۔

آقا نبی محترم ﷺ ہم تیرے غلام ہیں
جو بھی تیرے غلام ہیں، ان کے بھی ہم غلام ہیں
ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے اِن دنوں
مہر و وفا کے نام پہ گردن کٹائے جا

ہم اکابر کے کفش بردار تو اس وجہ سے ہیں کہ وہ رحمت عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں پر فدا تھے، کیا آج آزادئ اظہار رائے کی کمینگی کے عنوان پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں؟ مجلس عزاداری کی چھتری کے نیچے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زہر نہیں اُگلا جا رہا؟ کیا بعض شخصیات کا دفاع ضروری ہے، یا دین کی بنیادوں اور نظریات کا دفاع ضروری ہے، ہمارے اکابر فتنے دباتے آئے، اور اُن کے سامنے سینہ سپر رہے، فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنے، لہٰذا استدعا ہے، یہ امت پہلے پریشان حال ہے، مزید اس کی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب نہ بنئے۔

نہ دلیل ہے، نہ وکیل ہے، رحم کی اپیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب! کون سا مسئلہ تھا، جس پر ہمارے اکابر نے کلام نہیں فرمایا؟ خود آپ کی کتابیں ان کے حوالوں سے بھری پڑی ہیں، اگر یہ مسئلہ بھی اس قدر اہم ہوتا، تو کیا اِس پر اظہارِ خیال نہ کرتے؟

ہمارے اکابر اعلیٰ درجہ کے متقی، باادب تھے، اور زمانوں کی چلتی لہروں کی روانیوں پر نظر رکھنے والے اور نباضِ دہر تھے، ان کو بھی دیکھتے کہ اس مسئلہ میں ان کا موقف

کیا ہے؟

جہاں صرف علمی پندار، عجب اور اپنی رائے پر اصرار ہو (یا اپنے آپ کو جری سمجھا جائے کہ جن مسائل پر دوسرے علماء، حدِ اعتدال قائم رکھتے ہیں، ہم وہاں بھی کلام کرنے سے نہیں گھبراتے)

کہ کسی بڑے سے اس بارے میں مشورہ بھی نہ لیا جائے، جب بندہ طے کر چکا ہے، یہ کام کرنا ہے، تو بھلا ایسوں کو کون روک سکتا ہے؟

میرا اللہ گواہ ہے کہ لکھتے ہوئے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، لیکن یہ تکلیف آنے والے کسی طوفان سے زیادہ نہیں، اللہ کرے، سلسلہ یہیں رُک جائے، ورنہ بڑے امتحان ہیں۔

حضرت مفتی صاحب! آپ کی مشاورتی کونسل بھی اپنی رائے کے اظہار میں آزاد نہیں ہے، بلکہ برائے نام ہے، یا غلام ہے، جیسے پہلی تمام کتابوں پر اُن کے نام ہیں، اس بارہویں جلد پر بھی اُن کے نام درج ہیں، کیا ان تمام افراد میں آپ کا کوئی خیر خواہ نہیں ہے؟ جو آپ کو روکتا، یا کم از کم بارہویں جلد پر اپنا نام درج نہ کرواتا، اس لیے کہ اگر آپ بہت سے امور و مسائل میں دوسرے علماء سے اختلاف کرتے ہیں، تو آپ کی کونسل میں ایک بھی رجلِ رشید نہ تھا، جو اس کتاب کی اشاعت ہی میں اختلاف کر لیتا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہری، گونگی، کونسل ہے، اصل بادشاہی، یا شاہی آپ کی ہے، ورنہ فقہ اکیڈمی (انڈیا) میں ایک مسئلہ پر کتنی مخالف آراء آجاتی ہیں، وہ اُن کو بھی درج کرتے ہیں۔

ہمارے اکابر کا طرزِ عمل، احتیاط و ادب: ہمارے اکابر بڑے ادب والے، عاشق صادق ہیں، ایسے مسائل میں طویل کلام نہیں کیا، بلکہ بڑے محتاط انداز میں کلام کر کے، مسافروں کی طرح اگلی منزل کی جانب چل پڑے۔

ہمارے استادِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ تلمیذ شیخُ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (فاضل دیوبند 1938ء) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے والد کا نام بھی بڑے ادب سے لیتے تھے، درسِ قرآن میں جب اس مقام پر پہنچے، تو کیفیت بدل گئی، رقت طاری ہوگئی، بہت زور دے کر فرمایا، ایمان کی قدر کرو، قدر کرو، ورنہ اتنی قربانیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیتِ دائمی خواجہ ابی طالب کو حاصل نہ ہوسکی، ادب کی وجہ سے خواجہ ابی طالب فرمایا کرتے تھے۔

مناظرِ اسلام حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ جب کسی صحابی کی کسی خطا کا کوئی واقعہ بیان کیا جائے، اور عوام کے ذہن میں شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر یوں کہا کرو کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یوں کیا۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں (بخاری شریف کی شروحات کے حوالے سے) ایک قسط وار مضمون حضرت مولانا محمد عمر فاروق لوہاروی کا شائع ہوا، ایک عظیم محدث حضرت مولانا شبیر الحق صاحب مدظلہم (خیرُ المدارس، ملتان) سے اس کے بارے میں بات کی کہ انہوں نے بڑا علمی اور تاریخی مضمون لکھا ہے، جہاں جہاں سہو ہوا تھا، انہوں نے نشان دہی کی، اور اب اس موضوع پر ایک رسالہ بھی شائع کر دیا، انہوں نے میری مکمل بات اطمینان سے سنی، اور پھر اس پر دو واقعات سنائے، اور آخر میں فرمایا اس طرح کرنے سے اکابر پر بداعتمادی و بدظنی ہوتی ہے، جس مقام پر سہو ہو، وہیں نشان دہی کر دی جائے، الگ سے رسائل اس پر شائع نہیں کرنے چاہییں۔

جب موجودہ اکابر بوجہ ادب کے بڑے اکابر کے بارے میں ایسی عمدہ آراء و

خیالات رکھیں، اور ان کی عظمت کا لحاظ رکھیں، تو خود رحمتِ کائنات کی نسبتوں کا ہمیں کیسے خیال نہیں رکھنا ہوگا؟ یہ بھی تو قابلِ غور ہے۔

اگر کسی شخص کو لوگ بڑا عالم کہیں، اور اس کے سامنے اس کے والد گرامی کو خدانخواستہ اَن پڑھ، گنوار اور جاہل کہیں، اور یہ حقیقت بھی ہو، تو یقیناً اس عالم کو ناگوار ہوگا، ایسے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے روحانی باپ ہیں، تو ان کی نسبت امت، ایسی باتیں جو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی ہوں، کیسے برداشت کرے گی۔

(جبکہ عافیت کی راہ بھی موجود ہے: **قال بعض المحققین: أنہٗ لا ینبغی ذکر ھذا المسئلۃ الا مع مزید الأدب، ولیست من المسائل التی یضر جھلھا، أو یسئل عنھا فی القبر، أو فی الموقف، فحفظ للسان عن التکلم فیھا الا بخیر أولٰی و أسلم**)(فتح الملہم:۱/۵۳۶)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا: بعض محققین کا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ذکر، خاص ادب کے ساتھ کرنا مناسب ہے، اور یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن سے ناواقف ہونا نقصان دہ ہو، یا اس کے متعلق قبر، یا آخرت میں سوال کیا جائے (تحقیقی رسائل:۱۲/۶۲۰)

علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نفیاً و اثباتاً تعرض سے سکوت کیا جائے (تحقیقی رسائل:۱۲/۶۱۵)

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ ''**تقدیس والدی المصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی لکھا ہے۔

محدث وفقیہ حضرت مولانا عبدالخالق نور اللہ مرقدہٗ (ملتانی) نے بھی ایک رسالہ ''رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنتی ہیں'' لکھا ہے، جو مکتبہ حقانیہ نے

شائع کیا ہے۔

پھر بھی جواب یہی ہو کہ دلائل ہیں؟ تو یہ دلائل کیا آج سے قبل نہ تھے، کیا کہیں کسی غار میں پوشیدہ تھے، اور آج آپ کے سامنے آ گئے، جو پہلے لوگ نہ پا سکے تھے، جن اکابر کے آپ نام لیوا ہیں، ان کے مقام وادب کو بھی تو ملحوظِ خاطر رکھتے؟

حضورِ والا! کتنے بڑے بڑے جبال العلم گزر گئے، اور کسی مسئلہ میں دلائل کا زور ایک طرف، انفرادی، یا تحقیقی رائے الگ ہوتی، لیکن امت کے اتحاد واتفاق کی خاطر وہ نجی مجالس تک ہی محدود رہتی تھی۔

محدثُ العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے حضرات کے اس سلسلہ میں نام شمار کرائے جا سکتے ہیں، امت کو آزمائشوں میں مبتلا کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ایسے مسائل کو ہم دل و دماغ میں لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جائیں، اور اس کا اظہار تقریراً یا تحریراً نہ کریں۔

مسئلہ ہٰذا اور علمائے کرام کے مواقف: حضورِ والا! کم از کم یہ تو حقیقت ہے کہ مسئلہ ھذا میں تین آراء ہیں، تینوں آراء علمائے امت کی ہیں، راجح مرجوح کا مسئلہ اپنی جگہ کہ کس کے دلائل وزنی ہیں، یا کس کا رجحان کن دلائل کی طرف ہے، لیکن اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سکوت، یا ناجی ہونے کا عقیدہ بھی علمائے امت نے بیان کیا ہے، آپ نے اس معاملہ میں سخت ترین موقف اپنایا، جو آپ کا ذاتی ہو سکتا ہے، سب علمائے دیوبند، یا سب اسلاف کا نہیں ہے؟

اسی کتاب میں آپ نے ناصر البانی کی کچھ تحریروں سے یہ بھی ظاہر کیا کہ اس سے حدیث کا انکار لازم آتا ہے، یعنی جو موقف آپ کا ہے، اگر اس کو راجح نہ مانا جائے، تو انکارِ حدیث لازم آئے گا، لہٰذا ضروری ہوا کہ جو موقف، رجحان آپ کا

ہے، اسی کو نہ ماننے کی شکل میں ہم دائرۂ اسلام سے بھی شاید نکل جائیں، یہ بھی وضاحت طلب بات ہے کہ آپ ان کے بارے آئندہ کیا حکم لگاتے ہیں؟

یہ بھی ایک سوال ہے، کیا یہ عقیدہ قطعی عقیدہ ہے، اگر قطعی ہے، تو پھر اس میں اختلاف کیوں ہے؟ آپ کی تحریر سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ قطعی ہے، اگر قطعی نہیں، تو اس سے کم درجہ بھی نہیں ہے؟ اگر قطعی نہیں، تو وضاحت ہونی چاہئے؟

آپ نے اپنی کتاب میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ پہلے میری بھی رائے دوسری تھی، اب خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا، تو رائے بدل گئی۔

آپ نے یہ بھی لکھا کہ مطالعہ کے دوران، یا دلائل کو جمع کرنے کے بعد مجھے خود معلوم نہیں ہوتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا، دلائل کے قائم ہونے کے بعد راجح رائے کو اختیار کر لیتا ہوں، اور تقلیدی رائے کو ترک کر دیتا ہوں (تمام عقائد و احکام میں یہی طرز اپنایئے، نتائج سامنے آ ہی جائیں گے) آپ کی یہ بات نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے، بلکہ دوسروں کو بھی ایک سبق دیا جارہا ہے کہ ہم مجتہد بن جائیں، اور تقلید کو ترک کر دیں، اب ترکِ تقلید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے، یا ترکِ تقلید سے اکابر مراد ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشارہ اکابر کی طرف ہے، یہ بھی مجتہدانہ مزاج کی دلیل ہے، ہمارے اکابر تو ایسا راستہ اختیار کرنے سے منع فرماتے ہیں، کیا ہمارے اسلاف نے اس مسئلہ پر کوئی کلام نہیں فرمایا کہ اب آپ کو ضرورت پڑی، حتیٰ کہ تقلید اور عدمِ تقلید کے خیالات آپ کے ذہن میں ابھر کر تحریر کا روپ دھار گئے۔

اس معاملہ میں آپ کی مثال حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی جیسی ہے کہ انہوں نے واقعہ کربلا کو ایک افسانہ بنایا، اور لکھا کہ ''واقعہ کربلا کا حقیقی پسِ منظر نئے مطالعے کی روشنی میں'' یہاں آپ کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے، دلائل کے بعد

تقلیدی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں، تو گویا آپ کے جن اکابر، اسلاف نے عافیت و اعتدال کا راستہ اختیار کیا، وہ غلط تھا، وہ ان دلائل پر غور نہ کر سکے، اب آپ نے ان پر غور کیا، اور نئے مطالعہ کی روشنی میں آپ پر نئے انکشافات ہوئے، اگر امت کو ان سے آگاہ نہ کیا جاتا، تو روزِ محشر آپ ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہوتے، لہٰذا اس کا اظہار ضروری تھا، سو آپ نے کر دیا۔

(اے کاش! آپ اپنی کتاب میں شیخ فاضل انصاری کی بات سے ہی سبق لے لیتے ''البدر الانور فی شرح الفقه الانور'' کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ ''فلیس فی ذکر هذا الأمر فی ذاتہٖ ثواب، والا فی ترکه عقاب أو عتاب'')

شیخ فاضل کا مکمل رسالہ تو آپ کے کام کا تھا، مگر اتنا کچھ لکھنے کے بعد ان کی آخری نصیحت کو آپ نے قابلِ اعتنا نہ سمجھا، اس پر بھی اپنے ریمارکس دے ہی دیئے، کیونکہ نئے مطالعے کی روشنی میں آپ ایک نئی کتاب، امت کو دینے کے لیے بے تاب و بے قرار تھے، اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر جب آپ پر سوال کیا جائے یہ تمام علمائے دیوبند کا مسلک نہیں، تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ میری رائے ہے، لیکن آپ خود دیوبندی نسبت سے مشہور ہیں، اگر آپ فاضلِ دیوبند بھی ہوتے، تو بھی قدیم فضلائے دیوبند کا جو مقام و مرتبہ ہے، آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا، اگر یہی تنگ نظری قائم رہی (آپ حنفی ہونے کے باوجود عام کتب میں بھی ائمۂ اربعہ کے دلائل جمع کر دیتے ہیں، اس کا کیا مطلب و مفہوم ہے، آپ ہی جانتے ہیں، عام قاری اس سے مطمئن ہونے کے بجائے خلجان کا شکار ہو جاتا ہے) بقول آپ کے، مطالعہ کے بعد میں تقلیدی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں، تو مفتی صاحب غیر تقلیدی رائے والے بہت آگے نکل

جاتے ہیں، ایسی باتیں آزاد رائے، گمراہ کن فکر کے ملحدین، اگر کہیں، تو انہیں زیبا ہے، آپ کے ساتھ یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں، آپ کے اس جملہ کو فاسد فکر کے لوگ لے اڑیں گے، بطور ہتھیار کے آپ کے، اور آپ کے اسلاف کے خلاف استعمال کریں گے۔

البتہ غامدی، عثمانی، ناصری فکر کے لوگ یہ باتیں کریں، تو کون شکوہ کر سکتا ہے، اس دین کا محافظ چونکہ اللہ عز وجل ہے، بڑے بڑے اکابر سے نسبتوں کے باوجود، امت کی فکرِ سلیم نے فتنوں کی تخم ریزی کرنے والوں کے افکار و نظریات کو بھی کوئی توجہ نہ دی، الحمد للہ۔

ہمارے اکابر اور مسئلہ ہٰذا: شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فافهم، و بالجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغي ذكر هذا المسئلة الا مع مزيد الأدب، و ليست من المسائل التي يضر جهلها، أو يسئل عنها في القبر، أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير أولى و أسلم (فتح الملهم: ۵۳۶/۱، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مقامِ حجون میں رنجیدہ غمگین اترے (پھر اللہ نے جتنا چاہا، ٹھہرے رہے) جب واپس آئے، تو مسرور تھے، اور مسکرا رہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے

درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کردے، اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کردیا، اور وہ مجھ پر ایمان لائے، اور پھر وفات پائے (ناسخ الحديث و منسوخه لابن شاهين، رقم الحديث: ٦٥٦، باب فى زيارة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قبر امه)

اس روایت کو علامہ سہیلی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ......۵۸۱ھ) نے ''روض الانف'' میں ذکر کیا، اور کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں، اور حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے، مگر موضوع نہیں، اور فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹ھ......۹۱۱ھ) اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احیاءِ ابوین کی حدیث کے بارے میں حضراتِ محدثین کے تین قول ہیں، ابنِ جوزی رحمہ اللہ (۵۱۰ھ......۵۹۷ھ) اور ابنِ دحیہ رحمہ اللہ کہتے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور امام قرطبی رحمہ اللہ (م۶۷۱ھ) کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (نیز ابن حجر مکی، اور حافظ ناصر الدین رحمہ اللہ دمشقی بھی صحیح قرار دیتے ہیں: راقم) علامہ سہیلی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ/۵۸۱ھ) اور ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں، یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں، حضرات اہلِ علم تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کریں زرقانی (شرح مواہب: ۱۸۳/۵)

جس میں احیائے ابوین کی حدیث پر مفصل کلام کیا، اور اس زمانہ کے کسی علامہ کی درایت، محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابلِ التفات نہیں۔

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

حيا الله النبى مزيد فضل　　　على فضل و كان به رؤفا

فاحيا امه و كذا اباه　　　لا يمان به فضلا لطيفا

فسلم نالقدیم بذا قدیر و ان کان الحدیث به ضعیفا

(زرقانی، شریح مواهب: ۱۸۵/۵)

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں، چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں:

و جماعة ذهبو ا الی احیاء ہ ابویه حتی آمنو لا تخرفوا

وروی ابن شاهین حدیثا مسندا فی ذالک لکن الحدیث مضعف

(زرقانی، شرح مواهب: ۱۸۷/۵) (سیرت مصطفی ﷺ: ۴۲۸/۳تا۴۳۰)

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گِلہ بھی سن لے:

آپ نے اپنی کتاب میں بڑے بڑے حضرات کے نام لکھے ہیں، جن کا موقف آپ والا نہیں ہے، مثلاً علامہ قرطبی، علامہ ابنِ عابدین شامی، علامہ زبیدی، ابنِ حجر شافعی، علامہ بیجوری، علامہ بہاؤ الدین، علامہ آلوسی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی شخصیات، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ادب کے دو حوالے، اس کے باوجود آپ کا سفر نہ رکا، بلکہ برابر جاری رہا، آپ کے دلائل ان تمام اکابر کے خلاف ہیں، تو مقابلہ تو شروع ہو گیا، اب بعض علماء (بلکہ عوام میں بھی) اضطراب پیدا ہوگا، یا آپ کے ہم نوا بنیں گے، تو قدیم بزرگوں کے؟ پھر اس کا حاصل ۔۔؟ ملا علی قاری نے بھی یہی کام کیا، کیا اس کے بعد سب علماء ان سے متفق ہو گئے؟ کہ آپ نے پھر اس مسئلہ کو نئے انداز سے اٹھانے کا عندیہ دے دیا، حتیٰ کہ آخر میں علامہ انور شاہ رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو بھی پیش کیا، لیکن ان کا انداز آپ والا تو نہیں ہے۔

اے کاش! آپ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے نام سامنے آ جانے کے بعد اس طویل سلسلہ کو ترک کر دیتے، پھر بذل کی عبارت کو بطورِ رجحان کے اپنے حق میں

پیش کیا، امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا علمی محاکمہ قائم فرمایا۔

آپ نے لکھا: ''لیکن نویں صدی کے آخر میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس حکم لگایا، جس کا علمِ حدیث میں مقام و مرتبہ امام بیہقی رحمہ اللہ سے زیادہ نہیں ہے''۔ (تحقیقی رسائل: ۱۲/)

آپ اپنی عبارات میں مسلم شریف کی حدیث کی تشریح میں علامہ نووی رحمہ اللہ کا کلام پیش فرماتے رہے، لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی فتح الملہم کو متن میں جگہ بھی نہ دی کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس مقام پر کیا کلام کیا؟

اگر آپ کو ناگوار نہ ہو، اور کوئی سائل سوال کر دے کہ آپ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ کو تو تول رہے ہیں، کیا آپ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ کے ہیں؟ اگر اس حدیث پر گزرتے ہوئے، اس مسئلہ کی حساسیت کو انہوں نے پیشِ نظر رکھا، اور احتیاط کا درس دیا، تو آپ نے اس پہلو کو نظر انداز کیوں کیا؟ کیا آپ کا علم ان سے زیادہ ہے، کیا آپ کا تقویٰ ان سے زیادہ ہے؟ کیا آپ کی احتیاط ان سے زیادہ ہے؟ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ ناپا جا رہا ہے، لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ بھی ملحوظِ خاطر رکھتے کہ اس مقام پر علامہ صاحب رحمہ اللہ کس احتیاط کی تلقین کر رہے ہیں؟

یقیناً ان کی رائے، ان کی شرح، ان کا بیان حرزِ جان بنانے والا، اور امت کے حق میں اتحاد و اتفاق کی فضا برقرار رکھنے والا، نیز افتراق، انتشار سے محفوظ راستہ کی نشاندہی تھی، اے کاش! تھوڑے لمحات کے لیے آپ غور کر لیتے، یا آئندہ غور و خوض کا موقع مل جائے، تو امتِ محمدیہ پر شفقت ہوگی۔

حضرت مولانا محمود آلوسی رحمہ اللہ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

واستدل فی الآیة علی الایمان ابویه صلی اللّٰه علیه وسلم کما ذهب الیه کثیر من أجلة اهل السنة و أنا اخشی الکفر علی ما یقول فیهما رضی اللّٰه عنهما علی رغم انف علِیّ القاری و أضر به بضد ذالک الا أنی لا اقول بحجیة الآیة علی هذا المطلب (روح المعانی: پ ۱۹/۱۳۸)

سورہ عبس کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

ولا ینبغی أن یلتفت الیها کما لا یخفیٰ والذی أدین اللّٰه تعالیٰ به نجاة ابویه صلی اللّٰه علیه وسلم، و قد ألفت رسائل فی ذالک رغما لأنف علِیّ القاری ومن وافقه......الخ (روح المعانی: سورہ عبس، پ: ۳۰)

حضرت مولانا ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تفسیرِ مظہری میں لکھتے ہیں:

و قد صنف سیوطی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی اثبات ایمان آباء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، اجمالا، تفصیلا کتابا و ذکر فیه ماله و ما علیه ولخصت منه رسالة فلیرجع الیها (تفسیر مظهری: پ ۱۹، سورة شعراء)

حضرت مولانا ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ ''**تقدیس والدی المصطفیٰ** ﷺ'' بھی لکھا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا واقعہ: ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں شام کے ایک علاقے میں ایسے آدمی کو عامل بنادیا، جس کا باپ ''منانیۃ'' کی عورتوں سے زنا کیا کرتا تھا، یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی، تو انہوں نے اس شخص کو فرمایا کہ تجھے اس بات پر کس چیز نے ابھارا کہ تو نے ایک

ایسے آدمی کو مسلمانوں کے علاقہ میں سے ایک علاقہ میں عامل بنا دیا، جس کا باپ ''منانیۃ'' کے ساتھ زنا کرتا ہے، اس شخص نے جواب میں کہا کہ:

أصلح اللّٰہ أمیر المومنین وما علی ما کان أبوہ کان أبو النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) مشرکا''.

''اللہ امیر المومنین کی اصلاح فرمائے، میرے اوپر اس میں کیا حرج ہے، اس کے باپ میں کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ بھی تو مشرک تھے''۔

اس شخص کو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''آہ'' پھر اپنی گردن جھکالی، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میں اس کی زبان کو کاٹ دوں، کیا میں اس کی گردن اڑا دوں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ''**أقد جعلت ھذا عدلا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم**'' کیا تو نے اس (عامل بنائے گئے) آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرار دے دیا'' جب تک تو زندہ رہے، مجھ سے کوئی کلام مت کرنا۔

ایک دوسری روایت جو ابنِ عساکر نے نقل فرمائی ہے:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد سے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص جو کہ ہمارا عامل ہے، کا باپ ''زندیق'' تھا، تو سلیمان بن سعد نے کہا کہ''**وما یضرک یا أمیر المومنین کان أبو النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کافراً فما ضرہ''۔**

اے امیر المومنین! اس میں آپ کو کوئی ضرر نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی تو کافر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کیا ضرر پہنچا''۔

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شدید غصے میں آ گئے، اور فرمایا کہ:

''ماوجدت لہ مثلاً الا النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فعزلہ''.

تجھ کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہی پیش کرنے کو ملی ہے، پھر حضرت عمر بن

عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد کو معزول کر دیا۔

اگر سوچا جائے، تو دوسرا نتیجہ بھی نکلتا ہے:

جب ایک حقیقت تھی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سزا کیوں دی؟ بقول آپ کے حقیقت کے باوجود ناراض ہو رہے ہیں، تو اپنے زمانے میں وہ اس پر دلائل قائم کر دیتے، آخر اس مسئلہ میں کوئی راز پنہاں تھا، تبھی تو ناراض ہوئے؟ اگر یہ بات کہنا جرم یا بے ادبی نہ تھی، تو ان کو سزا کیوں دی گئی، لہٰذا آپ بھی غور کر لیتے؟

چند تاریخی حقائق: حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر کے بارے میں کچھ تاریخی حقائق بھی پیشِ نظر رکھیں:

''جب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب قربانی سے بچ گئے، تو والد گرامی قدر نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف کی صاحب زادی آمنہ بی بی جو قریش کے تمام خاندان میں ممتاز تھیں، سے شادی کر دی، شادی کے کچھ عرصہ کے بعد آپ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے، واپسی پر مدینہ پہنچے، تو بیمار ہو گئے، بالآخر اسی بیماری میں انتقال ہو گیا، اور مدینہ طیبہ میں دفن ہوئے (طبقاتِ ابن سعد، عنوان عبدالمطلب)

آپ کی قبر مدینہ منورہ میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی، گزشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجدِ نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی، تو میت صحیح سالم تھی، آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی بھی قبریں تھیں، ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں، ان میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا، جنوری 1978ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی تھی (تاریخ مکۃ المکرّمہ، جلد اول، ص ۱۸۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب زید مجدہٗ نے بھی اس پر تھوڑا اشارہ کیا۔

''حضرت عبداللہ ایک ماہ کی بیماری کے بعد وفات پا چکے تھے، اور انہیں نابغہ جعدی کے احاطے میں دفن کر دیا۔

(البداية و النهاية، ۳۸۲/۳، دار الهجر، الکامل فی التاریخ، ۱/۲۱۷، ۲۱۳)

مولانا حاشیہ دے کر مزید لکھتے ہیں:

''راقم نے بعض ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت عبداللہ کی قبر کئی سال پہلے مسجدِ نبوی شریف کی توسیع کے دوران میں دریافت ہوئی تھی، مگر عوام کے فتنے میں پڑ جانے کے خوف سے قبر کے مقام کو مخفی رکھا گیا (واللہ اعلم) (تاریخ امتِ مسلمہ، ۱/۱۳۱)

آپ کا ان علماء پر نقد جو آپ کے فکری ہم نوا نہیں:

(1) ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی (م ۱۹۸ھ) کے نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں (ابتداء ہی سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے)

(2) علامہ قلاباذی رحمہ اللہ (۳۸۰ھ) کے استدلال سے آپ متفق نہیں ہیں (تحقیقی رسائل: ۱۲/۲۴۱)

(3) فقہ اکبر کے حوالے سے جو علماء اس عبارت کے الحاقی ہونے کے قائل ہیں، جیسے شیخ الاسلام البیجوری رحمہ اللہ (۸۲۵ھ) علامہ کوثری رحمہ اللہ (۱۳۷۱ھ) وغیرہ، ان کی بات بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور جو حضرات اس عبارت کو فقہ اکبر کی عبارت مان کر اس کی شرح کرتے ہوئے، اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کی شرح سے آپ کو اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ علامہ بہاؤالدین نے اپنی شرح ''القول الفیصل'' میں لکھا ہے (تحقیقی رسائل: ۱۲/۳۸۴)

آپ کو علامہ بہاؤالدین رحمہ اللہ (۹۵۶ھ) کی تشریح سے اتفاق نہیں ہے، آپ طے کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ کو قطعی بنانا ہے۔

(4) امام طحاوی رحمہ اللہ کا کلام ایک آیت کے تحت پیش کیا، اس میں بھی قطعی طور پر عقیدہ تو ثابت نہیں ہوتا؟

(5) علامہ حلبی رحمہ اللہ (۹۴۵ھ) کا (ناجی ہونے کے قول کو) نوایجاد قول قرار دینا، حالانکہ ان کا اپنا قول ہی نو ایجاد ہے، کیونکہ ان سے قبل ان احادیث و روایات پر کلام ہوتا آیا ہے۔

ان سے قبل علامہ بیجوری رحمہ اللہ (۸۲۵ھ) فقہ اکبر کی عبارت کو مدسوس قرار دے چکے ہیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ بھی اس مسئلہ پر سخت کلام کر چکے۔

اس سے قبل علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ابوین شریفین والی حدیث کو ضعیف قرار دے چکے، مگر موضوع نہیں کہا ہے۔

تو پھر یہ دسویں صدی میں نیا قول کیسے ہوا؟

کبھی آپ کی کتاب سے عیاں ہوتا ہے کہ ایک شافعی عالم (علامہ سیوطی رحمہ اللہ) کی کتاب کو شہرت ملی، لیکن ایک حنفی عالم (ملا علی قاری رحمہ اللہ) کی کتاب مستور رہی (مفہوم)

کیا یہ مسئلہ احناف و شوافع کے درمیان اختلافی ہے، اگر ایسی بات نہیں، تو اس قسم کی بات لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس مسئلہ میں تو حنفی عالم، حنفی عالم سے اختلاف کر رہا ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ اور حضرت ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، حضرات، ملا علی القاری رحمہ اللہ سے متفق نہیں ہیں، جس کی وجہ سے آپ کو حواشی لکھنے پڑے کہ علامہ شامی

سے موافقت نہیں ہوسکتی۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کو کتاب میں غالی، یا غلو کرنے والا لکھا گیا، شاید ان کی اس عبارت کی وجہ سے:

”ولا ینبغی أن یلتفت الیھا کما لا یخفیٰ والذی أدین اللّٰہ تعالیٰ بہ نجاۃ أبویہ ﷺ و قد ألفت رسائل فی ذالک رغما لأنف علِیّ القاری و من وافقہ ...... الخ“ (روح المعانی: سورہ عبس، پ ۳۰)

منفی، مثبت دونوں میں غلو سے بچنا چاہئے، اگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ مثبت رائے میں غالی قرار دیئے جاسکتے ہیں، تو منفی رائے میں چھ سو سے زیادہ صفحات لکھنے کی وجہ سے یہی الزام آپ کو دیا جائے، تو پھر بے جا ہوگا؟

جرح میں آپ کا انداز: جرح میں آپ کا انداز علامہ جوزی رحمہ اللہ سے کم نہیں ہے، حتیٰ کہ البانی سے بھی سخت ہے کہ ایک حدیث کو البانی نے صحیح کہا ہے، آپ نے اسی حدیث کو ضعیف قرار دیا، حالانکہ فضائل کی حدیث تھی، غالبًا حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ترمذی: ص ۹۵ کی حدیث ہے۔

میرے حضرت! بڑے نازک مسئلہ میں آپ نے ہاتھ ڈالا ہے، خدا خیر کرے، اپنے بزرگوں پر اعتماد کیجیے، علمی اختلاف کو اسی حد تک رکھیے، اگر یہ باتیں عوام میں آگئیں، تو کہیں ردائیں تار تار نہ ہوجائیں؟

ایک خطرناک الارم: ناصر البانی کے حوالے سے ایک باب یہ بھی کھلا کہ جو اِن احادیث کو (جو آپ کا مستدل ہیں) راجح قرار نہ دے، تو اس طرح انکارِ حدیث لازم آئے گا، انکارِ حدیث کی وجہ سے کفر لازم آئے گا۔

پھر غضب یہ کہ حاشیہ میں کسی دوسری بحث کے ضمن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت ”ماہنامہ البلاغ“ کے حوالے سے بھی پیش کی کہ

انکارِ حدیث سے کفر لازم آتا ہے۔

تو اب جن علماء کا سکوت، یا ابوین شریفین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ ہے، وہ اس کی زد میں آئیں گے، ان میں بعض تو اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے، تو کیا وہ انکارِ حدیث کے مرتکب ہوئے؟

یہ باتیں بھی قابلِ غور ہیں، یا پھر حکم کو واضح کیا جائے، تاکہ سب علماء پر عیاں ہوجائے......احتیاط کا پہلو بہت احوط واسلم ہے۔

دردمندانہ درخواست: مفتی صاحب! ''التبلیغ'' سے آپ کے اصلاحی پروگراموں کے بارے میں بھی علم ہوتا رہتا ہے، یقیناً جب آپ دوسرے عوام وخواص کی اصلاح کے خواہاں ہیں، تو آپ کا بھی کسی سے اصلاحی تعلق ہوگا، تو اس قسم کے مسائل پر قلم اٹھانے سے قبل ان مرشدین ہی سے مشورہ لے لیا جاتا، تو بہت مفید ہوتا، اور ہم انتشار سے بچ جاتے۔

بعض ضدی طبیعت کے افراد نے ''حدیث کلاب حواب'' پر ناقدانہ کلام فرمایا، اور اسی حدیث کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہٗ اور دیگر علمائے کرام کے بارے میں بڑا نازیبا طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا۔

ہمارے ایک مخلص دوست نے اس کا مدلل جواب لکھا، اور حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں وہ مضمون ارسال فرمایا، انہوں نے ملاحظہ فرمایا، جب اشاعت کی درخواست کی، تو منع فرمادیا کہ اس سے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں (میرے علم کے مطابق انہوں نے ابھی تک شائع نہیں کیا) یقیناً مرشدین موجود ہوں، تو ان سے مشاورت ہی کرلی جائے، یا اگر کوئی مخلص دوست مشورہ دے، تو اس کو قبول کرلیا جائے، تو اس سے علمی شان بلند ہوتی ہے، کم نہیں ہوتی، ہوائے نفس سے کون پاک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے، کبھی انسانی خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے

اپنا جامہ ہی اتر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہوائے نفس کی غلامی سے بچائے (آمین)

خون کے دھبوں سے خدا نے ہمارا دامن پاک رکھا ہے:

مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کو جہاں علم، تقویٰ کی دولت سے سرفراز فرمایا، وہاں افراط وتفریط سے بھی ان کا دامن بچائے رکھا، ان کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی مطلوب ہوتی تھی، اپنے جذبات کو قربان کر کے ملت کے لیے، جو کام بہتر ہوتا، اس کو کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ غالبًا 1948ء کا واقعہ ہے، جب دو قومی نظریہ کا آتش فشاں پھوٹا ہوا تھا، اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، میں نے ایک بیان دینا چاہا، بیان اپنی جگہ صحیح تھا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا تھا کہ اشتعال میں اضافہ ہو، اور کچھ خون خرابہ ہو جائے۔

حضرت مجاہدِ ملت (حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ تعالیٰ) سے تذکرہ کیا، تو فرمایا:

''ہرگز نہیں! خون کے دھبوں سے خدا نے ہمارا دامن پاک رکھا ہے، آپ یہ دھبہ کیوں لگاتے ہیں'' (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری ایک سیاسی مطالعہ، ص ۱۲۷)

اگر مسئلہ ہٰذا کو اس تناظر میں بھی لے لیا جاتا ہے، تو پھر بھی بہت اچھا ہوتا کہ اپنے اوپر، اپنے اکابر پر کیوں طوفان اٹھانا چاہتے ہیں۔

جنت میں سامنا کیسے؟ مفتی صاحب! آپ مجھے بے ادب بھی سمجھیں گے، لیکن میں نسبتِ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجبور ہوں، اپنے اکابر علمائے دیوبند، موجودہ حالات، اور آپ کے بارے میں بھی دلی قلق ہے، اور آپ کے رفقاء کے بارے میں بھی فکر مند ہوں، ایک چنگاری خرمن کو جلانے کے لیے کافی

ہوتی ہے، خدا کے لیے محفوظ راستہ اختیار کیجیے۔

حضرت امام نخعی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد پڑھا، تو آپ کے بارے میں طویل غور وفکر کرتا رہا، کاش! آپ بھی ایسا سوچ لیتے۔

حضرت امام نخعی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''خدانخواستہ میں قاتلانِ حسین میں ہوتا، اور میری مغفرت کر دی جاتی، نیز جنت میں داخل کیا جاتا، تب بھی مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی'' (مجمع الزوائد، ۹/۱۹۴)

آپ کی مغفرت بھی ہو جائے، جنت میں بھی چلے جائیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہو جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کر لیں:

''رضوان میاں! کعبہ بند تھا، حرم مکی سجدوں اور طواف کو ترس رہا تھا، حرم مدنی میں صلاۃ وسلام بند تھا، مسجدِ نبوی کی نمازوں، ریاض الجنۃ کی رونقوں پر پابندی عائد تھی، مساجد مقفل تھیں، میری اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی گستاخیاں ہو رہی تھیں، کیا اس وقت صرف یہی مسئلہ اتنا اہم تھا کہ میرے والدین کو کافر ثابت کرنے پر آپ نے چھ سو (۶۰۰) صفحات کی کتاب لکھ ڈالی؟؟

ماہنامہ التبلیغ کا نیا کارنامہ: ابھی ایک مسئلہ زیرِ غور تھا کہ ''ماہنامہ التبلیغ'' نے دل پر ایک اور چوٹ لگا دی، بندہ اس بات کو سوچتے سوچتے تھک گیا کہ نامعلوم ہمارے حضرت مفتی صاحب کن مسائل کی تبلیغ پر شروع ہو گئے ہیں، عجب بات ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں منفی اسلوب، اور دشمنانِ دین وصحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قدر وسعت ظرفی: (جلد ۱۲ میں سارا زور اس پر صرف کیا گیا کہ ناجی ہونے کا قول روافض کا ہے)

اب انہیں بدبختوں کی وکالت کی جا رہی ہے، اور ان کو مسلمان ثابت کرنے پر زور

صرف ہو رہا ہے۔

جن لوگوں کے کفر پر جمہور کا اتفاق تھا، ان کو مسلمان ثابت کیا جارہا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و ناموس پر کس قدر بے جگری سے قربانیاں دی گئیں، ان کو پسِ پشت ڈال کر اہلِ کفر کو اسلامی دہلیز میں شامل کرنے کی بے سود کوشش (الامان الحفیظ)

یہ عجب بات ہے کہ آپ کے پڑوس میں بدکلامی کے واقعات اور آپ ان گستاخوں کے دفاع میں اپنے ماہنامہ ''التبلیغ'' میں مضمون رقم فرمارہے ہیں؟

اگر آپ کے پاس حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم کا مرتب کردہ ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ'' ہو، تو اس کے صفحہ ۱۹، اور ضمیمہ دوم صفحہ ۵۹۵ پر شیعہ کا حکم ملاحظہ فرمالیں (کیونکہ آپ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا ہے)

نیز آپ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بڑے مضمون شائع کرتے رہے ہیں، خود شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، نیز اس فن کے مجدد و محقق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی فاروقی رحمہ اللہ کی کتب بھی ملاحظہ فرمالی جائیں، نیز حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ شہید کی ''شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم'' بھی بنظرِ عمیق پڑھ لی جاتی۔

آپ پرانے شیعہ علماء کی کتابوں کے حوالے نقل کررہے ہیں، لیکن اس میں یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے۔

☆...... ہمارے علماء دفاعِ اسلام میں جب صلیبیوں کے سامنے سینہ سپر تھے، اگر عیسائیوں کو کچھ مواد ملا، تو اسی طبقہ کی کتب سے، جنہیں آپ مسلمان ثابت کررہے ہیں، جن کو عیسائیوں راہبوں نے اسلام کے خلاف بطورِ ہتھیار و دلائل استعمال کیا؟

☆......کیا انقلابِ ایران کے بعد تحریف شدہ قرآن پاکستان میں شائع اور تقسیم نہ ہوا تھا؟ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں ان پر پابندی لگائی گئی تھی، اب بھی کسی نہ کسی کے پاس اس کی کاپیاں موجود ہوں گی، آپ جیسے محقق سے یہ بات کیسے پوشیدہ ہے۔

☆......جن کی اس وقت فکر کی جارہی ہے، وہ تو وہی تحریف شدہ قرآن چھاپ چکے ہیں، شاید تلاش سے آپ کو مل جائے، اس مسئلہ میں بھی آپ عجلت سے کام لے رہے ہیں۔

کیا حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کا تمام دنیا کے علماء سے لیا گیا فتویٰ، آپ کے پاس نہیں ہے؟ (روافض کے مسئلہ میں بھی قدیم وجدید کی بحث نہ چھیڑیں، ورنہ خالی الذہن ہو کر مطالعہ کریں، اور نتائج کا انتظار کریں، یا روافض کے بارے میں درجہ اختصاص رکھنے والے محققین سے رجوع کریں، تو بہت بہتر ہوگا)

والسلام

....

(5 جمادی الاولیٰ 1442ھ/ 20 دسمبر 2020ء)

مذکورہ خط پر کلام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مولوی............صاحب زیدمجدہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

جناب کا مذکورہ تفصیلی خط موصول ہوا، جس کو بغور ملاحظہ کیا۔

سب سے پہلے تو بندہ، جناب کا ممنون ہے کہ آپ نے اپنے خیالات اور آراء سے بندہ کو آگاہ کیا۔جزاکم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

لیکن جس طرح جناب کا بندہ کے اختیار کردہ ونقل کردہ موقف سے اتفاق کرنا ضروری نہیں، اسی طرح بندہ کا بھی جناب کے اختیار کردہ موقف سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ، اور علمی واختلافی مسائل میں جب تک اختلاف ، نیک نیتی کے ساتھ، اوراپنی حدود میں رہ کر ہو،تو اس میں فی نفسہٖ کوئی برائی نہیں ہوتی ،اجتہادی طور پراس طرح کے اختلافات ہمیشہ اور ہر دور میں ہوتے آئے ہیں، جن میں اہلِ علم حضرات کی طرف سے دلائل کے پیشِ نظر، ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا گیا،اور ایک دوسرے کے خلاف آراء اوران کے دلائل کا پُرزورانداز میں برملا اظہارکیا گیا،لیکن نکیر وتحقیر کے طرزِعمل سے اجتناب کیا گیا۔

البتہ جوحضرات اس طرح کے علمی واختلافی مسائل کی حقیقت وحیثیت سے آگاہ نہیں ہوئے، یاخارجی عوامل سے متاثر ہوئے،ان کے کلام میں بے اعتدالی ظاہر ہوئی،لیکن محقق ومعتدل اہلِ علم حضرات نے حتی الامکان ، اعتدال کوملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا،تاہم اس کے باوجودفردِ بشر ہونے کے پیشِ نظرخطاء وتسامح کا صدور، ناممکنات میں سے نہیں،اوراس خطاء کے خطاء ظاہر ہونے کے بعداس کے خطاء ہونے کوتسلیم وقبول کر لیناہی حق وصواب ہے،ایسی صورت میں اس کوحق وصواب قرار دینا، پہلی خطاء سے بڑی خطاء ہے، جومعصیت وگناہ تک پہنچ جاتی

ہے، اوراس کا پہلی خطاء کی جنس سے تعلق ختم ہوجاتا ہے۔

آنجناب نے اپنے تفصیلی خط میں بندہ کی طرف سے نصوص پر مشتمل مدلل اور باحوالہ مضمون کے مقابلہ میں معقول دلائل تحریر کرنے کے بجائے، بلادلیل، نامعقول، اور غیرمتعلقہ شبہات واعتراضات ذکر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جوعلم وتحقیق کے میدان میں زیادہ کیا، تھوڑی بھی وقعت واہمیت نہیں رکھتے، لیکن افسوس کہ آج کے علمی انحطاط کے دور میں جناب جیسے لوگوں کی طرف سے ایسی بے سروپا، اور بے تکی باتوں کو ہی علم وتحقیق کی حدودِاربعہ خیال کرلیا گیا ہے، جس پر چپ دھار لینا، علم وتحقیق کے شعبہ کی مغلوبیت اوراس کے مقابلے میں برنگِ علم، جہالت وناواقفیت کے پروان چڑھنے کا باعث بن رہا ہے، اس لئے ان کونظرانداز کرنے سے اجتناب کرتے ہوئے کلام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ محققین اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک، انسانوں میں معصوم ذات صرف انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ہے، ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کو یہ درجہ ومقام دینا جائز نہیں، البتہ اہلِ تشیع کا موقف اس سلسلے میں جدا ہے کہ وہ ائمہ اوراہلِ بیت کامخصوص تصور قائم کرکے ان کو مذکورہ عظمت کے مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔

مگر اس بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا قول دلائلِ شرعیہ کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے، جس کی تائید بعض صریح وصحیح احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ امام طبرانی نے احمد بن عمرو بزار سے، انہوں نے زیاد بن ایوب سے، اورانہوں نے ابوعبیدہ حداد سے، اورانہوں نے مالک بن دینار سے، اورانہوں نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِی اللّٰہُ عَنہُمَا، رَفَعَہٗ قَالَ : لَیسَ أَحَدٌ إِلَّا یُؤخَذُ مِنْ قَوْلِہٖ وَیَدَعُ غَیرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۱۹۴۱، ج ۱۱ ص ۱۹۴، باب العین)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان فرمائی کہ ہر شخص کی بات کو قبول بھی کیا جاتا ہے، اور چھوڑا بھی جاتا ہے، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (طبرانی)

علامہ ہیثمی نے ”مجمعُ الزوائد“ میں فرمایا کہ اس کو ”طبرانی“ نے ”معجمُ الکبیر“ میں روایت کیا ہے، اور اس کے رجال ”ثقہ“ ہیں۔ [1]

مذکورہ روایت کے راویوں کا ”ثقہ“ ہونا محدثین سے بھی مروی ہے۔

حضرت مجاہد سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [2]

اور حضرت شعبہ کی سند سے، حضرت حَکم بن عتیبہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [3]

اور محدثین واہلِ علم حضرات سے بھی مذکورہ حدیث اور روایات کے مطابق تفصیل منقول ہے، جن کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی اور شخصیت معصومِ محض شمار نہیں ہوتی، اور اس مسئلے میں اہلِ تشیع کا، اہلُ السنۃ سے اختلاف ہے کہ وہ اہلِ بیت اور اپنے مخصوص اماموں کی معصومیت کے قائل ہیں۔ [4]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج ا ص ۱۷۹، تحت رقم الحديث ۸۴۰، باب الاجتهاد)

[2] حدثنا محمد بن أحمد بن موسى العدوى، ثنا إسماعيل بن سعيد الكسائى، أخبرنا سفيان، عن عبد الكريم، عن مجاهد، قال: ليس أحد إلا يؤخذ من قوله ويترك إلا النبى صلى الله عليه وسلم (حلية الاولياء لابى نعيم الاصبهانى، ج ۳ص ۳۰۰، تحت ترجمة "مجاهد بن حبر "فمن الطبقة الأولى من التابعين)

[3] حدثنا عبد الوارث بن سفيان، ثنا قاسم بن أصبغ، ثنا أحمد بن زهير قال: حدثني أبى، ثنا سعيد بن عامر قال: نا شعبة، عن الحكم بن عتيبة قال: ليس أحد من خلق ا لله إلا يؤخذ من قوله ويترك إلا النبى صلى ا لله عليه وسلم (جامع بيان العلم وفضله، لا بن عبد البر، ج۲ ص ۹۲۵، باب ذكر الدليل من أقاويل السلف على أن الاختلاف خطأ وصواب، رقم الحديث ۱۷۶۱)

[4] وكل أحد يؤخذ من قوله ويترك ما عدا رسول الله صلى ا لله تعالى عليه وسلم (روح المعانى، ج ۱۱، ص ۷۶، سورة لقمان)

وأما الرافضة فإنهم إن شهدوا شهدوا بما لا يعلمون وشهدوا بالزور الذى يعلمون أنه كذب فهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہاں تک کہ علامہ سیوطی، جن سے زیرِ بحث مسئلے میں مختلف تسامحات صادِر ہوئے، اور آج تک آنجناب جیسے حضرات اس مسئلے میں ان ہی کے متبع کہلاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما قال الشافعي رحمه اللّٰه تعالى ما رأيت قوما اشهد بالزور من الرافضة.

وإن الإمام الذى شهد له بالنجاة إما أن يكون هو المطاع فى كل شىء وإن نازعه غيره من المؤمنين أو هو مطاع فيما يأمر به طاعة اللّٰه ورسوله وفيما يقوله بإجتهاد إذا لم يعلم أن غيره أولى منه ونحو ذلک.

فإن كان الإمام هو الأول فلا إمام لأهل السنة بهذا الإعتبار إلا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فإنه ليس عندهم من يجب أن يطاع فى كل شىء إلا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهم يقولون كما قال مجاهد والحكم ومالک وغيرهم كل أحد يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ويشهدون لإمامهم أنه خير الخلائق ويشهدون بأن كل من ائتم به ففعل ما أمر به وترک ما نهى عنه دخل الجنة وهذه الشهادة بهذا وهذا هى أتم من شهادة الرافضة للعسكرين وأمثالهما بأن من أطاعهما دخل الجنة(المنتقى من منهاج الاعتدال فى نقض كلام أهل الرفض والاعتزال، للذهبى، ص١٦٥، ١٦٦، الفصل الثانى فى المذهب الواجب الإتباع)

وما زال العلماء الاقران يتكلم بعضهم فى بعض بحسب اجتهادهم، وكل أحد يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم(ميزان الاعتدال فى نقد الرجال،للذهبى، ج۴، ص۳۰۴، تحت ترجمة:هشام بن عمار السلمى، رقم الترجمة ۹۲۳۴)

وإن كان إماما عظيما فى هذا الشأن فالغلط لا يسلم منه بشر والكمال لله تعالى وكل أحد يؤخذ من قوله ويترک إلا النبى صلى الله عليه وسلم(شرح صحيح مسلم ،للنووى، ج۵،ص ۷۲،كتاب المساجد ومواضع الصلاة،باب السهو فى الصلاة والسجود له)

وإن كان إماما عظيما، فإن الغلط لا يسلم منه بشر، والكمال لله سبحانه، وكل أحد يؤخذ من قوله ويترک إلا النبى -صلى الله عليه وسلم(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۲، ص۸۰۳، كتاب الصلاة ، باب السهو)

اتفق المسلمون على أن كل أحد من الناس :يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن كانوا متفاضلين فى الهدى والنور والإصابة(مجموع الفتاوى، ج۲،ص۲۲۷، كتاب توحيد الربوبية، فصل:فى ذكر بعض ألفاظ ابن عربى التى تبين ما ذكرنا من مذهبه فإن أكثر الناس قد لا يفهمونه)

فإن أهل الحق والسنة لا يكون متبوعهم إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحى يوحى فهو الذى يجب تصديقه فى كل ما أخبر؛ وطاعته فى كل ما أمر وليست هذه المنزلة لغيره من الأئمة بل كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم .فمن جعل شخصا من الأشخاص غير رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحبه ووافقه كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وإن كان إماما عظيما فى هذا الشأن فالغلط لا يسلم منه بشر والكمال للّٰه تعالى وكل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (تنوير الحوالك شرح موطأ مالك، لجلال الدين السيوطى، ج ا ، ص ۸۹، باب وقوت الصلاة)

ترجمہ: اگرچہ کوئی اس شان کا عظیم امام ہو، تب بھی بشری غلطی سے وہ محفوظ نہیں، اور کامل ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، اور ہر ایک کے قول کو لیا بھی جائے گا، اور چھوڑا بھی جائے گا، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (تنویر الحوالک)

یہی بات علامہ زرقانی نے بھی ''شرحُ الزرقانی'' میں نقل کی ہے۔

(ملاحظہ ہو: شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالک، ج ا ، ص ۳۵۴، کتاب الصلاة ، باب ما يفعل من سلم من ركعتين ساهيا)

اب آنجناب کے خط میں مذکور تمام نکات پر الگ الگ بالاستیعاب کلام کیا جاتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من أهل السنة والجماعة ومن خالفه كان من أهل البدعة والفرقة (مجموع الفتاوى، ج۳، ص ۳۴۶، ۳۴۷، كتاب مجمل اعتقاد السلف، فصل فى ان العبادة متعلقة بطاعة الله ورسوله)

وأما الأشخاص الذين خالفوا بعض ذلك على الوجوه المتقدمة فيعذرون ولا يذمون ولا يعاقبون. فإن كل أحد من الناس قد يؤخذ من قوله وأفعاله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم. وما من الأئمة إلا من له أقوال وأفعال لا يتبع عليها مع أنه لا يذم عليها (مجموع الفتاوى، ج ۱۰، ص ۳۸۳، كتاب علم السلوك، فصل فيما يقع من امور تخالف الشرع من بعض الصوفية والانكار عليها)

وقد اتفق سلف الأمة وأئمتها على أن كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم. وهذا من الفروق بين الأنبياء وغيرهم فإن الأنبياء صلوات الله عليهم وسلامه يجب لهم الإيمان بجميع ما يخبرون به عن الله عز وجل وتجب طاعتهم فيما يأمرون به؛ بخلاف الأولياء فإنهم لا تجب طاعتهم فى كل ما يأمرون به ولا الإيمان بجميع ما يخبرون به؛ بل يعرض أمرهم وخبرهم على الكتاب والسنة فما وافق الكتاب والسنة وجب قبوله وما خالف الكتاب والسنة كان مردودا وإن كان صاحبه من أولياء الله وكان مجتهدا معذورا فيما قاله له أجر على اجتهاده. لكنه إذا خالف الكتاب والسنة كان مخطئا وكان من الخطإ المغفور إذا كان صاحبه قد اتقى الله ما استطاع (مجموع الفتاوى، ج ۱۱، ص ۲۰۸، كتاب التصوف، فصل فى انه ليس شرط ولى الله ان يكون معصوما لا يغلط ولا يخطئ ، الانبياء تجب طاعتهم بخلاف الاولياء)

اکثر کتب و تحقیقی رسائل سے متعلق تاثرات

جناب نے اپنے خط کے شروع میں لکھا ہے کہ:

''مفتی صاحب! آپ کی ابتداء سے لے کر اب تک تمام نہیں، تو اکثر کتب میرے پاس ہیں، اوران کتب سے استفادہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

آپ کے تحقیقی رسائل کی تمام مجلدات خرید کی ہیں، نہ صرف خود، بلکہ بعض دوسرے احباب کو بھی ترغیب دی ہے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ کریں، یہ عرض کرنے کا مقصد آپ کو احسان جتلانا نہیں ہے، بلکہ ایک قلبی تعلق کا اظہار ہے''۔انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر آنجناب نے بندہ کی اکثر کتب ملاحظہ کی ہوں، تو ان میں یہ طرزِ عمل امتیازی طور پر موجود ہے کہ حتی الامکان تحقیق کا اہتمام کیا جائے، اور جب تک تحقیق ممکن ہو، اس وقت تک محض تقلیدِ جمود کو اختیار نہ کیا جائے، اور جب اپنے کسی سابق قول کا مرجوح، یا قابلِ توضیح ہونا، واضح ہوجائے، تو اس کی وضاحت کی جائے۔

بطورِ خاص علمی و تحقیقی رسائل کا اصل مقصود کسی مسئلہ پر علمی اعتبار سے تحقیق کر کے اس کو اہلِ علم حضرات کے لیے شائع کرنا ہی ہے، اسی وجہ سے اس سلسلہ کا نام ''علمی و تحقیقی رسائل'' تجویز کیا گیا ہے۔

شروع میں خیال تھا کہ اس طرح کے علمی و تحقیقی مضامین کو عربی زبان میں ہی شائع کیا جائے، تا کہ اس قسم کے مضامین کا دائرہ اہلِ علم حضرات تک محدود رہے، اور حکمت و بصیرت کے ساتھ متعلقہ اہلِ علم حضرات کے واسطہ سے ہی اپنے اپنے حلقہ کے عوام میں یہ تحقیق پہنچے، اور شروع میں بعض مضامین کو عربی زبان میں شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا، لیکن موجودہ دور

کے بہت سے علماء کی علمی سطح کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان کو عربی زبان میں لکھے گئے مضامین سے استفادہ مشکل ہے، اسی وجہ سے متعدد درسِ نظامی کی کتابوں کی شروحات بھی اردو زبان میں تحریر کی جارہی ہیں، پھر اس خیال کے متعلق بہت سے اہلِ علم حضرات کی طرف سے مختلف تجاویز سامنے آئیں، جس کے بعد ان مضامین کو عربی زبان کے بجائے، اردو زبان میں شائع کرنے کا اہتمام شروع کیا گیا، جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے، لیکن اس قسم کے اکثر مضامین کو الگ الگ رسائل میں شائع کرنے کے بجائے، ایک سے زیادہ رسائل کو جمع کر کے حتی الامکان ایک جلد کی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا، تاکہ کسی ایک عنوان سے مسئلہ کی زیادہ شہرت نہ ہو، اور غیر متعلقہ لوگوں تک یہ علمی و تحقیقی امور نہ پہنچیں۔

لیکن بعض موضوعات کے طویل ہونے کی وجہ سے زیادہ رسائل ایک جلد میں شائع کرنا، مشکل ہوا، اس لیے ان کو ایک مستقل جلد کے طور پر بھی شائع کیا گیا۔

اور اب بھی عام طور پر یہ علمی و تحقیقی رسائل خاص ذوق رکھنے والے اہلِ علم حضرات ہی کے زیرِ مطالعہ آتے ہیں، جن پر مختلف اہلِ علم حضرات کی طرف سے تبصرے اور تجزیے بھی سامنے آتے رہتے ہیں، اور الحمد للہ تعالیٰ اکثر و بیشتر مثبت اور حوصلہ افزاء نتائج ہی سامنے آتے ہیں۔

تاہم بعض علماء کی طرف سے کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں اختلافِ رائے کا سامنے آجانا، نہ تو بندہ کے لیے قابلِ تعجب ہوتا، اور نہ ہی قابلِ مذمت کہلاتا، اِلَّا یہ کہ اختلاف کا انداز ہی قابلِ مذمت ہو۔

ماہنامہ ''التبلیغ'' کے متعلق تاثرات

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہر ماہ ''التبلیغ'' آتا رہتا ہے، کئی سالوں سے اس کا بھی قاری ہوں، آپ کے قلم

سے اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی عمدہ تالیفات کروائی ہیں، یقیناً امت کو اس سے فائدہ ہوا، اور ہوگا۔

جبکہ بعض کتب کے مواد (یا خیالات) سے حضراتِ علماء کو سو فیصد اتفاق نہیں ہوتا، تو آپ اس کا اظہار ماہنامہ ''التبلیغ'' میں کرتے رہتے ہیں، اور اپنا دفاع کرتے ہیں۔

ماہنامہ ''التبلیغ'' کا میں بھی مستقل قاری ہوں، تو میری نظر سے بھی وہ باتیں گزرتی رہتی ہیں، بعض اوقات دل میں کھٹکا ہوتا، لیکن حسنِ ظن تھا کہ وسیعُ المطالعہ حضرات کی بعض انفرادی رائے بن جاتی ہے، جو قابلِ تحمل ہو، تو امتِ محمدیہ کے علماء برداشت کرلیتے ہیں، اور خاموشی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

ہر اسلامی مہینہ کے عنوان پر آپ کی کتب قابلِ قدر ہیں، بعض جزوی اختلاف، علماء کو ہوسکتا ہے''۔ انتہیٰ۔

کلام:

آپ کا یہ فرمانا کہ ''بعض کتب کے مواد، یا خیالات سے حضراتِ علماء کو سو فیصد، یا کم فیصد اتفاق نہیں ہوتا، تو آپ اس کا اظہار ماہنامہ ''التبلیغ'' میں کرتے رہتے ہیں، اور اپنا دفاع کرتے ہیں''۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر کچھ علماء کو سو فیصد اتفاق نہیں ہوتا، تو بہت سے علماء کو سو فیصد اتفاق بھی ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ سو فیصد علماء کو اتفاق نہ ہو، جب کہ آپ کے تبصرے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام حضراتِ علماء کو سو فیصد اتفاق نہیں ہوتا، اور آنجناب کا علم تمام علماء کے دائرہ کو محیط ہے نہیں۔

اور جہاں تک ''ماہنامہ التبلیغ'' میں کسی اختلاف کے اظہار کا تعلق ہے، تو ''ماہنامہ التبلیغ'' میں جس چیز کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتی ہو، اس کا اظہار کردیا جاتا ہے، اس میں بھی کسی کا

متعین طور پر نام ظاہر نہیں کیا جاتا، اور تحریری طور پر کسی اختلاف کے اظہار سے یہ بات واضح ہے کہ بندہ اس قسم کے اختلاف کو مخفی رکھنا پسند نہیں کرتا، بلکہ اگر کسی کا اختلاف سامنے آئے، تو اس کی حقیقت اور اس پر کلام کو بھی سامنے لے آتا ہے، تاکہ قارئین کو بندے کے موقف میں کوئی ابہام واجمال نہ رہے، اور اگر بندہ اس اختلاف کو مذکورہ طریقہ پر سامنے نہ لائے، تو اس سے عام قارئین پر یہی تاثر ظاہر ہوگا کہ اس مسئلہ میں بندہ سے کوئی اختلاف کرنے والا نہیں۔

جہاں تک جناب کی طرف سے اپنا دفاع کرنے کے الزام کا تعلق ہے، تو یہ بات خلافِ واقعہ ہے، بندہ کا یہ دفاع کسی ذاتی، یا مالی ونجی لین دین کے مسئلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ دینی مسئلہ کے متعلق ہوتا ہے، اگر کسی کی رائے میں قوت ہو، تو الحمدللہ تعالیٰ اس کو قبول کر لینے میں کوئی مانع نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی کا اختلاف، دلائل کی رُو سے راجح نہ ہو، یا اختلاف محض اعتراض و الزام کے طور پر ہو، تو اس کا جواب دینا، بندہ کا حق ہے، کیونکہ کسی دینی وشرعی مسئلہ پر اعتراض، یا شبہ کا جواب اہلِ علم حضرات کی ذمہ داری میں داخل ہے، یہاں تک کہ کفار کی طرف سے اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات وشبہات کے معقول جوابات بھی امتِ مسلمہ کی دینی ذمہ داریوں میں داخل ہیں، اور بہت سے اعتراضات وشبہات کے جوابات قرآن وسنت میں بھی مذکور ہیں۔

البتہ آج کل جو بہت سے اہلِ علم حضرات کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ وہ دینی مسئلہ میں دلائل کے ذریعہ اختلاف کرنے کے بجائے، ذاتیات پر الزام تراشیاں شروع کر دیتے ہیں، بندہ کی طرف سے ضمنی طور پر اس قسم کی متعدد چیزوں کا جواب بھی اجمالی طور پر شامل ہو جاتا ہے، لیکن اس کا مقصد بھی ایک دینی مسئلے کو ذاتیات کی بھینٹ چڑھانے سے بچنا بچانا اور ”جزاء سیئة سیئة مثلها“ ہوتا ہے، تاکہ اہلِ علم حضرات اس قسم کی چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور دین وعلم اور تحقیق واجتہاد کو ”کھلواڑ“ نہ بنائیں۔

اور آخری درجے میں عرض ہے کہ اگر کسی کی ذات پر کوئی غلط الزام عائد کیا جا رہا ہو، تو اگرچہ

اس کو درگزر کر دینا کارِخیر ہے، لیکن اس کا معقول جواب دینا بھی دوسرے کا حق ہے، جس کو وہ اپنے دائرے میں رہ کر استعمال کرنا چاہے، تو اس پر اعتراض کے کوئی معنیٰ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ویسے تو برائی کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی، لیکن برائی کے جواب میں ''وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' فرما کر اس کی اجازت دی ہے۔

کیا کوئی باعزت اور باحِس شخص اس بات کو پسند کرنے کے لیے آمادہ ہوگا کہ اس کے خلاف، بطورِخاص دینی مسئلے کے متعلق خلافِ واقعہ وخلافِ حقیقت، یا کمزور باتیں منسوب کی جاتی رہیں، جو علمی دیانت داری کے خلاف، اور علمی خیانت کے الزام تک پہنچ جائیں، اور دوسرا چپ سادھ کر بیٹھا رہے، اور دوسروں کے لیے میدان کھلا چھوڑ دے، جو جب چاہیں، جس طرح کی چاہیں، خلافِ واقعہ، یا خلافِ تحقیق باتیں کرتے پھریں، اور گدھے گھوڑے برابر ہو جائیں۔

اگر کچھ علماء اس طرزِعمل کو پسند کرتے ہوں، تو یہ ان کا طرزِعمل ہے، لیکن ہر ایک پر ان کا مذکورہ طرزِعمل حجت نہیں۔

البتہ اس طرزِعمل میں کوئی خلافِ شرع بات سامنے آئے، تو اس پر کلام کرنا چاہیے۔

رہا اعتراض برائے اعتراض کا معاملہ، تو اس کی موجودہ دور میں کوئی کمی نہیں۔

اور رہا آپ کے دل کی اس کھٹک اور حسنِ ظن کا معاملہ کہ وسیعُ المطالعہ حضرات کی بعض انفرادی رائے بن جاتی ہے، تو آپ کو اس کھٹک اور حسنِ ظن کی تحقیق کرنا ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو کہ جس چیز کو آپ باعثِ کھٹک سمجھ رہے ہیں، وہ واقعتاً اس قابل ہے بھی، یا نہیں، اور جس رائے کو آپ انفرادی سمجھ رہے ہیں، اس کو انفرادی رائے سمجھنا، حسنِ ظن میں داخل ہے، یا سوءِ ظن میں داخل ہے، اور وہ انفرادی رائے امتِ محمدیہ کے تمام علماء کے نزدیک انفرادی رائے کہلانے کی مستحق ہے، یا آپ کی اپنی مخصوص سوچ کے حامل علماء کے نزدیک ایسا ہے، اور خاموشی میں عافیت کا سبب، اس رائے کا قابلِ قبول اور دلائل کے لحاظ سے مسکت وراجح

ہونا ہے، یا کچھ اور؟ اور اگر کسی کو اختلاف ہو، تو دینی مسئلے میں انفرادی رائے کے خلاف خاموشی میں عافیت قابلِ تحسین عمل ہے، یا مداہنت میں داخل ہو کر قابلِ مذمت عمل ہے؟

ان امور کی تحقیق کے بغیر ''حسنِ ظن'' کا فیصلہ کر دینا، درست نہیں، ممکن ہے کہ تحقیق کے بعد یہ فیصلہ ''سوءِ ظن'' میں داخل ہو۔

رہا جناب کا آخر میں یہ فرمانا کہ اسلامی مہینے کے عنوان پر بعض جزوی اختلاف، علماء کو ہوسکتا ہے، تو یہاں بھی وہی روِش اختیار کی گئی، کیا اگر بعض علماء کو اختلاف ہوسکتا ہے، تو اس سے تمام علماء کا اختلاف ہونا لازم آتا ہے؟ اور اگر کسی کو اختلاف ہے، تو وہ سامنے لانا چاہیے، تاکہ اس پر غور کیا جاسکے، اگر اس اختلاف میں دلائل کی رو سے کوئی وزن ہوگا، تو قابلِ قبول ہوگا، ورنہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔

مگر اس کی نوبت تو اسی وقت آئے گی، جبکہ کسی کی طرف سے وہ اختلاف، دلائل کے تناظر میں سامنے آئے۔

پسِ پردہ اور پیٹھ پیچھے بیٹھ کر مختلف طرح کی چہ میگوئیاں کرتے رہنے اور انفراد و تفرد کے پہاڑے پڑھتے رہنے سے تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی علم و عمل کے میدان میں یہ طرزِ عمل قابلِ تحسین کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

علمی و تحقیقی رسائل جلد 5 کے متعلق تاثر

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''تحقیقی رسائل کی جلد نمبر ۵ پڑھ کر بے ساختہ آپ کے لیے دعائیں نکلیں، پھر کئی اور نسخے منگوا کر اپنے دوستوں کو متوجہ کیا، **الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ**، آپ نے حق ادا کر دیا، اور اپنے اکابر کا خوب دفاع کیا، نیز ان ہی کی تقلیدی رائے پر مضبوط دلائل فراہم کیے، یقیناً بڑے خاصے کی چیز ہے''۔ انتہٰی۔

کلام :

معلوم نہیں کہ آپ نے علمی و تحقیقی رسائل کی جلد نمبر 5 میں کون سے ایسے مضامین ورسائل ملاحظہ کرلیے کہ جن پر آپ کو تکرار کے ساتھ ''الحمد للّٰہ'' پڑھنے کی ضرورت پیش آئی، اور اس میں کون سے اکابر کا دفاع کیا گیا، اور ان کی تقلیدی رائے پر مضبوط دلائل فراہم کیے گئے؟

علمی و تحقیقی رسائل کی جلد نمبر 5 میں تو مندرجہ ذیل چار رسائل شائع ہوئے ہیں:

(1)... پاکستان کی موجودہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت

(2)... مقدس اوراق کا حکم

(3)... قرآن مجید کو بغیر وضو چھونے کا حکم

(4)... خیرُ بِقاعِ الارض کی تحقیق (یعنی شرعاً افضل ترین قطعۂ زمین کون سا ہے؟)

مذکورہ رسائل میں جس مسئلے کے متعلق، جس رائے، یا موقف کو دلائل کی رو سے راجح سمجھا گیا، اس کو راجح قرار دیا گیا، نہ تو محض تقلیدی رائے کی بنیاد پر دلائل قائم کیے گئے، نہ ہی تقلیدی رائے ہونے کی وجہ سے دلائل کو مضبوط قرار دیا گیا، بلکہ دلائل کی قوت پر رائے کی قوت کا مدار رکھا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ پانچویں جلد کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے رسائل میں بعض ایسی آراء کو بھی دلائل کی رو سے راجح قرار دیا گیا، جن کو موجودہ دور کے بہت سے علماء راجح قرار نہیں دیتے، اور پہلے رسالے میں جس رائے کو راجح قرار دیا گیا ہے، اس کو موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات راجح نہیں سمجھتے، جن میں علمائے دیوبند، یا مسلکِ دیوبند کی طرف منسوب بہت سے افراد بھی شامل ہیں، اور وہ اس رائے کو اپنے اکابر کے خلاف سمجھتے ہیں، جس طرح آپ اس مجوث فیہ رسالے میں راجح قرار دی جانے والی رائے کو اپنے اکابر کے موافق سمجھتے ہوں گے۔ [1]

---

[1] پھر بعد میں اِن صاحب نے خط کے ذریعہ آگاہ کیا کہ ان سے جلد نمبر لکھنے میں تسامح ہوگیا، ان کی مراد جلد نمبر 2 تھی، جو صبح صادق سے متعلق ہے۔ شکر ہے کہ ان کو اکابر کی تقلید واتباع کا جمود جلد ہی یاد آ گیا، حالانکہ اس مسئلہ میں بھی بندہ کا رجحان، دلائل کی بنیاد پر ہوا، محض بزرگوں کی رائے ہونے کی بناء پر نہیں ہوا۔ محمد رضوان۔

قلبی تعلق کا اظہار

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''آپ کی بہت سی تحریریں اور کتب کا مطالعہ کرنے سے آپ سے ایک قلبی تعلق قائم ہوا، اور انسیت بھی ہوئی، اور دل میں آپ سے شرفِ ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے محض اپنی رضا کے لیے عقیدت نصیب فرمائیں (آمین)'' انتھٰی۔

کلام :

اگر یہ قلبی تعلق وانسیت لِلّٰہی ہو، تو باعثِ اجر وثواب ہے، مگر اس تعلق وانسیت کو کسی مجتہد فیہ مسئلے میں موافقت سے مشروط نہیں کرنا چاہیے، جس طرح بہت سے مسائل میں مجتہدین اور ان کے متبعین کو ایک دوسرے سے اختلاف ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود قلبی تعلق اور انسیت بھی قائم ہوتی ہے، جو دراصل ''الحب للّٰہ'' کا مصداق ہوتی ہے، اور وہ کسی مسئلے میں اتفاق ہونے کے ساتھ مشروط نہیں ہوتی، جیسا کہ مبحوث فیہ مسئلے میں بھی ہمیں جس سے محبت ہوگی، وہ اللہ کے لیے محبت ہوگی، خواہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی وقریبی رشتہ دار ہو، یا نہ ہو، یہ مضمون احادیث میں بھی آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

علمی وتحقیقی رسائل جلد 12 کے متعلق تاثر اور حبُّ النبی

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حال ہی میں آپ کی ''تحقیقی رسائل'' کی جلد نمبر ۱۲، ۱۳ شائع ہونے کی اطلاع بذریعہ ''ماہنامہ التبلیغ'' ہوئی، تو بڑے شوق وذوق سے منگوائیں، بارہویں جلد کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، تو بے چینی واضطراب بڑھ گیا، اور گردوپیش میں بہت سے فتنے امنڈنے کے خطرات محسوس ہونے لگے ہیں'' ۔انتھٰی۔

کلام:

اگر جلد نمبر 12 اور 13 کو مخصوص ذہنیت ، اور مخصوص موقف کی بنیاد پر ،شوق وذوق کے ساتھ منگوایا گیا تھا، اور وہ مخصوص موقف متعلقہ کتاب میں دستیاب اور مہیا نہ ہوا، تو بے چینی واضطراب کا ہونا ظاہر تھا، لیکن آپ کی یہ طبعی بے چینی اور اضطراب، کسی موقف کے غلط ہونے کی کوئی شرعی دلیل اور حجت نہیں۔

رہا گردوپیش میں بہت سے فتنے اُمڈ آنے کے خطرات محسوس ہونے کا معاملہ، تو یہ آنجناب کا احساس ہے، اور جناب کا یہ احساس بھی شرعی دلیل اور حجت نہیں، چہ جائیکہ آپ کا یہ احساس واقعہ کے مطابق بھی ہو، پھر اگر آپ کے اس احساس کو کسی درجے میں تسلیم بھی کرلیا جائے، تو اس کی وضاحت ضروری تھی کہ وہ کونسے فتنے ہیں، جن کے اُمڈ آنے کے خطرات آپ کو محسوس ہورہے ہیں؟

بارہویں جلد میں تو ایک مستقل رسالہ ''ختمِ نبوت'' سے بھی متعلق ہے، کیا فتنے اُمڈ آنے کا احساس اس مضمون سے بھی ہوا، اور اگر ہوا تو کس کی طرف سے فتنے اُمڈ آنے کا؟

آیا ختمِ نبوت کے منکرین کی طرف سے، یا کسی اور کی طرف سے؟

اس کے بعد یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مذکورہ جلد میں کون سا موقف، قرآن وسنت کے خلاف اختیار کیا گیا ہے، اور اگر وہ موقف قرآن وسنت اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مطابق ہو، تو اس پر فتنے اُمڈ آنے کے خطرات محسوس ہونے کا کیا مطلب؟

اور اگر پھر بھی آپ کو اس سے اتفاق نہ ہو، تو قرآن وسنت اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے خلاف تو ہر دور میں اہلِ باطل کو اختلاف رہا ہے، اور ان کی طرف سے فتنہ سازی کی کوشش کی جاتی رہی ہے، کیا اس وجہ سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کی قرآن وسنت کے موافق، اس طرح کی دوسری آراء پر اعتراض وشبہ کرنا بھی درست قرار پاسکتا ہے؟

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وہی ہے، جس میں آپ کی لائی

اور بتلائی ہوئی باتوں کی قبولیت واطاعت ہو، خواہ وہ بات کسی کی چاہت اور جذبہ کے موافق ہو، یہ مخالف ہو۔

قرآن مجید میں ایک مقام پراللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ فیصلہ فرمادیا کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (سورة الاحزاب ، رقم الآية ٦)

ترجمہ: نبی ،مؤمنین کے ساتھ ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (سورہ احزاب)

مطلب یہ ہے کہ مومنوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقِ اطاعت ،تمام انسانوں میں سب سے زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَءُ وْا إِنْ شِئْتُمْ:اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (صحيح البخارى،رقم الحديث ٤٧٨١، ج٦ص١١٦، كتاب تفسير القرآن،باب النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم)

ترجمہ: کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ میں سب لوگوں میں دنیا وآخرت کے اعتبار سے اس سے زیادہ تعلق نہ رکھتا ہوں، تم اگر چاہو تو (سورہ احزاب کی) یہ آیت پڑھ لو:

اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ(بخارى)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (صحيح البخارى،رقم الحديث ١٥، كتاب الايمان،باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص (پورا) ایماندار نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میرے ساتھ اپنے والد سے اور اپنی اولاد سے اور سب

آدمیوں سے زیادہ محبت نہ رکھے (بخاری)

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی محبت مطلوب ہے، جو آپ کے بیان کردہ احکامات وارشادات کے تابع ہو، کیونکہ نبی کی بعثت کا اصل مقصود، اس کی اتباع ہی ہوتی ہے، خواہ کسی کام کے حکم سے متعلق ہو، یا ممانعت سے متعلق ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ .إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورة الحشر، رقم الآية ٧)

ترجمہ: اور وہ چیز جو دے تمہیں رسول، تو لے لو تم اُس کو، اور وہ چیز جس سے روکے وہ تم کو، تو رک جاؤ تم، اور ڈرو تم اللہ سے، بے شک اللہ شدید سزا (دینے) والا ہے (سورہ حشر)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا و بیان کردہ احکام پر عمل ضروری ہے، اور اس کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

احادیث میں بھی اس آیت کے یہی معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دَعُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٧٢٨٨، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: میں جب تک تمہیں کسی چیز سے چھوڑے رکھوں (یعنی کسی چیز کا حکم نہ دوں) تو تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی بلا وجہ اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو) بس تمہارے سے پہلے لوگ ان کے بلا وجہ کے سوال اور اپنے نبی پر اختلاف کی

وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، اور جب میں تمہیں خود سے کسی چیز سے منع کروں، تو تم اس سے رک جاؤ، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں، تو اپنی حسبِ قدرت اس پر عمل کرو (بخاری)

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جو بھی بات فرماتے ہیں، وہ وحی کے درجے میں ہوتی ہے۔

چنانچہ سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى.مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى.وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى.إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى(سورۃ النجم، رقم الآيات ۱ الیٰ ۴)

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے۔نہ گمراہ ہوا ہے تمہارا رفیق (وساتھی) اور نہ ہی وہ بہکا۔اور نہ بات کرتا ہے، وہ اپنی خواہش سے۔وہ تو صرف وحی ہے، جو اتاری جاتی ہے (سورہ نجم)

احادیث میں بھی اس مضمون کی وضاحت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ، فَقَالُوْا:إِنَّكَ تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَقَالَ:اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ إِلَّا حَقٌّ(مسند احمد، رقم الحديث ۶۵۱۰)[1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو چیزیں سن لیتا، ان کو میں لکھ لیتا، تاکہ یاد کرسکوں، مجھے قریش کے لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتے ہو، سب لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہیں، بعض اوقات غصہ میں بات کرتے ہیں اور بعض اوقات خوشی میں (اور ایسی باتوں کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے) ان لوگوں کے کہنے کے بعد میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کردی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنِّىْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهٖ: فَإِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: إِنِّىْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا (مسند احمد، رقم الحديث ٨٤٨١)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو ہمارے ساتھ مزاح بھی کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو مزاح میں بھی ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں (مسند احمد)

اس طرح کی آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، مزاح اور غصہ میں بھی حق بات ہی فرمایا کرتے تھے۔

اور اسی بناء پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو اپنی عقل وخواہش کے خلاف

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى من أجل محمد (حاشية مسند احمد)

ہونے کی وجہ سے رَد کرنا درست نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَائَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ(سورة القصص،رقم الآية ٥٠)

ترجمہ: پھر اگر وہ قبول نہ کریں، آپ کی بات کو، تو جان لو کہ وہ صرف اتباع کرتے ہیں، اپنی خواہشات کی، اور کون ہوگا زیادہ گمراہ اس سے، جس نے اتباع کی اپنی خواہش کی، اللہ کی ہدایت کے بغیر، بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو (سورہ قصص)

اور قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(سورة الجاثية،رقم الآية ٢٣)

ترجمہ: کیا پھر تم نے دیکھا، جس نے بنا لیا، اپنا الٰہ، اپنی خواہشِ نفس کو، اور بھٹکا دیا اس کو اللہ نے، علم کے باوجود، اور مہر لگا دی، اس کے کان پر، اور اس کے دل پر، اور اس نے ڈال دیا اس کی آنکھ پر، ایک پردہ، تو کون ہدایت دے گا اس کو، اللہ کے بعد، کیا بھلا نصیحت نہیں پکڑتے تم (سورہ جاثیہ)

اور اسی وجہ سے اپنی خواہشات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کے تابع کیے بغیر کامل مومن ہونا ممکن نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (شرح السنة للبغوى،

ج ا ص ۲۱۳، کتاب الایمان، باب رد البدع والأهواء، الابانة الکبریٰ لابنِ بطة، رقم الحدیث ۲۹۱، السنة لابنِ ابی عاصم رقم الحدیث ۱۴)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات، میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہوجائیں (شرح السنۃ)

مذکورہ حدیث کو علامہ ابنِ حجر اور امام نووی صاحبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: فتح الباری لابنِ حجر، ج ۱۳ ص ۲۸۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، قوله باب ما یذکر من ذم الرأی، الاربعون النوویة، ۱۱۳، الحدیث الحادی والأربعون)

لیکن بعض دیگر حضرات نے اس حدیث کو سند کے لحاظ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: أنِیسُ السَّاری فی تخریج احادیث فَتح البَاری، ج ۳ ص ۱۶۵۴، تحت رقم الحدیث ۴۵۸۴، حرف اللام الالف)

تاہم اس حدیث کے معنیٰ کی تائید دیگر معتبر احادیث کے مفہوم سے ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو: مشارق الأنوار، الوهاجة ومطالع الأسرار البهاجة فی شرح سنن الإمام ابن ماجه، لمحمد بن علی بن آدم بن موسی، ج ا ص ۲۸۲، باب تعظیم حدیث رسول الله –صلی الله علیه وسلم– والتغلیظ علی من عارضه)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح ''فتحُ الباری'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

المراد بالحب هنا الحب العقلی الذی هو إیثار ما یقتضی العقل السلیم رجحانه وإن کان علی خلاف هوی النفس کالمریض یعاف الدواء بطبعه فینفر عنه ویمیل إلیه بمقتضی عقله فیهوی تناوله فإذا تأمل المرء أن الشارع لا یأمر ولا ینهی إلا بما فیه صلاح عاجل أو خلاص آجل والعقل یقتضی رجحان جانب ذلک تمرن علی الائتمار بأمره بحیث یصیر هواه تبعا له ویلتذ بذلک التذاذا عقلیا إذ الالتذاذ العقلی إدراک ما هو کمال وخیر من حیث هو کذلک وعبر الشارع عن هذه الحالة بالحلاوة لأنها

أظهر اللذائذ المحسوسة (فتح الباری، لابن حجر، ج ۱، ص ۶۰ و ۶۱، کتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان)

ترجمہ: یہاں (حلاوتِ ایمان والی حدیث میں) محبت سے مراد، عقلی محبت ہے، جو اس چیز کو ترجیح دینے کا نام ہے، جس کے رجحان کا عقلِ سلیم تقاضا کرے، اگرچہ وہ اپنے نفس کی خواہش کے خلاف ہو، جیسا کہ مریض دوا کو طبعی طور پر ناپسند اور اس سے نفرت کرتا ہے، لیکن اس کی طرف اپنی عقلِ سلیم کے تقاضے کی وجہ سے مائل ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اس کے استعمال پر آمادہ ہوتا ہے، پس جب کوئی شخص اس بات میں تأمل کرے گا کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام اسی چیز کا حکم فرماتے ہیں، جس میں دنیا کی صلاح اور آخرت کی نجات ہوتی ہے، اور عقل اس جانب کے رجحان کا تقاضا کرتی ہے، تو وہ آپ کے حکم کی تعمیل پر اس طرح کمربستہ ہوگا کہ اس کی خواہش اس کے تابع ہوجائے گی، اور اس سے وہ عقلی طور پر محظوظ ہوگا، اس لیے کہ عقلی طور پر محظوظ ہونا، اس چیز کو پانے کا نام ہے کہ وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے کمال اور خیر کی چیز ہوتی ہے، اسی حالت کو شارع علیہ السلام نے ''حلاوت'' سے تعبیر فرمایا، کیونکہ یہ ''حلاوت'' حسی لذتوں پر غالب ہوتی ہے (فتح الباری)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ کی طرف سے اپنے والدین کے متعلق جس فیصلہ سے آگاہ فرمادیا، اور ہمیں وہ حکم اور فیصلہ معتبر سند کے ساتھ پہنچ گیا، اس کی تصدیق کرنا ہی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور ان کی اطاعت واتباع میں داخل ہے، اور اس کو محبت کے منافی، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا باعث سمجھنا، درست نہیں، البتہ کسی کا مقصد، ایذاء پہنچانا ہی ہو، تو وہ اپنے اس مقصد کے مطابق جواب دہ اور قابلِ مؤاخذہ ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں، بلکہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مسئلے میں مکمل اتباع

کے قائل ہیں۔

لہٰذا متشددین اور غالیین کی طرف سے اس پر الزام عائد کرنا درست نہیں، ایسی صورت میں بعید نہیں کہ وہ الزام ان ہی کی طرف لوٹ کر چلا جائے۔ [1]

---

[1] المسألة الثانية عشرة المتشددون يحكمون على والدى المصطفى – صلى الله عليه وآله وسلم – بالنار يوم القيامة.

قال المفتى "ص116": هذه واحدة من قضاياهم التى تسيء المسلمين إذا سمعوا بها، وهى أن مصير والدى المصطفى – صلى الله عليه وآله وسلم – النار يوم القيامة، تلك القضية التى إذا ضممناها لباقى القضايا لشعورنا وكأن مكانة النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى قلوبهم ليست على القدر المطلوب، وكان حبهم للنبى – صلى الله عليه وآله وسلم – لم يصدق.

لا شك أن الحب يتنافى مع رغبة الإيذاء لمن يحب، ولا شك كذلك أن الحديث بسوء عن أبويه – صلى الله عليه وآله وسلم – يؤذى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – وقد قال تعالى: "والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب أليم... "،"إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والآخرة وأعد لهم عذابا مهينا"

ولقد نهانا الله صراحة عن أذية رسول الله – صلى الله عليه وآله وسلم – ومشابهة اليهود – لعنهم الله – فى ذلك فقال تعالى: "ياأيها الذين آمنوا لا تكونوا كالذين آذوا موسى فبرأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيها...اهـ"

الجواب:

أولا: نقول للمفتى: إن القول بأن أبوى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى النار تصديق لقوله – صلى الله عليه وآله وسلم –، وليس إيذاء له – صلى الله عليه وآله وسلم –.

قال الشيخ عطية صقر – رحمه الله –: ولا يضير أن يكون فى أنساب الأنبياء كافرون، فكل امرء بما كسب رهين .

ثانيا: هل اطلع المفتى على قلوب ملايين السلفيين حتى يزعم أن مكانة النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى قلوبهم ليست على القدر المطلوب، وأن حبهم للنبى – صلى الله عليه وآله وسلم – لم يصدق، وأنهم يرغبون فى إيذاء النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – بحديثهم بسوء عن أبويه – صلى الله عليه وآله وسلم –؟!!

ثالثا: هاهنا سؤال لعلماء الأزهر: من المعلوم أن أذية رسول الله – صلى الله عليه وآله وسلم – من الكفر، فهل هذا الكلام من المفتى يعتبر تكفيرا للسلفيين؟ وإن كان الأمر كذلك فهل يحكم المفتى بالكفر على الإمام مسلم الذى روى حديثين يدلان على أن أبوى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى النار، فقد روى مسلم فى صحيحه – وهو أحد أصح كتابين بعد كتاب الله – سبحانه وتعالى – عن أنس – رضى الله عنه –، أن رجلا قال: يا رسول الله، أين أبى؟، قال: فى النار، فلما قفى دعاه، فقال: إن أبى وأباك فى النار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنیادی اختلاف، اہل السنہ کا قول اور ان پر حرف آنے کا انداز

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضور والا! سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ علمائے کرام کا علمی حد تک اختلاف ہوتا ہے، کوئی قابلِ مذمت نہیں، لیکن ایسا انداز اختیار کرنا، جس سے اکابر پر حرف آئے، یقیناً لمحۂ فکریہ ہے'' ۔انتہیٰ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهل يحكم المفتي بالكفر على الإمام النووى – رحمه الله – الذى قال فى شرحه لهذا الحديث من صحيح مسلم فى شرح "باب بيان أن من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربين":

فيه: أن من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تنفعه قرابة المقربين.

وفيه أن من مات فى الفترة على ما كانت عليه العرب من عبادة الأوثان فهو من أهل النار.

وليس هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة، فإن هؤلاء كانت قد بلغتهم دعوة إبراهيم وغيره من الأنبياء – صلوات الله تعالى وسلامه عليهم–.

وقوله – صلى الله عليه وآله وسلم –: إن أبى وأباك فى النار هو من حسن العشرة للتسلية بالاشتراك فى المصيبة، ومعنى (قفى) ولى قفاه منصرفا .

وروى مسلم أيضا عن أبى هريرة – رضى الله عنه – قال: زار النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، فقال: استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت.

قال الإمام النووى – رحمه الله – فى شرحه لهذا الحديث من صحيح مسلم: وفيه النهى عن الاستغفار للكفار .

وقد قال بقول الإمام النووى بكفر والدى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – الإمام مسلم ، والإمام أبو داود صاحب السنن ، والإمام النسائى، والإمام ابن ماجة ، والإمام أبو حنيفة النعمان ، وشمس الدين السرخسى الحنفى ، وزكريا الأنصارى الشافعى ،والقاضى عياض المالكى ، والبيهقى الشافعى وابن الجوزى الحنبلى ، والحافظ ابن كثير الشافعى ، وشهاب الدين القرافى المالكى .

وقد بسط الكلام فى عدم نجاة والدى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – العلامة الحنفى الملا على القارى فى "شرح الفقه الأكبر " وفى رسالة مستقلة أسماها: "أدلة معتقد أبى حنيفة الأعظم فى أبوى الرسول – عليه الصلاة والسلام –"نقل فى أولها قول الإمام أبى حنيفة فى كتابه "الفقه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کلام :

جناب کی جانب سے ایک طرف تو علمی حد تک اختلاف کے قابلِ مذمت نہ ہونے کا حکم لگایا جا رہا ہے، اور دوسری طرف اس میں ایسا انداز اختیار کرنے کو قابلِ مذمت بھی ٹھہرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس میں اکابر پر حرف آئے، لیکن جناب کی طرف سے پوری کتاب میں سے کسی ایک مقام کی بھی کوئی ایسی عبارت نقل نہیں کی جا سکی، جس میں اکابر پر حرف آنے کو گوارا کیا گیا ہو، بلکہ اس کتاب میں تمام تر اختلافات کے باوجود اکابر کی شان میں گستاخی و بے ادبی سے صاف منع کیا گیا ہے۔

اگر آنجناب اپنے مخصوص طبعی جذبات سے نکل کر اور خالی الذہن ہو کر پوری کتاب کا مطالعہ فرماتے، تو آپ کو ایک سے زیادہ مقامات پر اس طرح کی تصریحات دستیاب ہو سکتی تھیں۔

البتہ اگر آنجناب کا مقصود یہ ہو کہ جو رائے قرآن وسنت اور شرعی وفقہی دلائل کی رو سے کمزور اور مرجوح ہو، اس کو محض بعض اکابر کی رائے ہونے کی وجہ سے راجح قرار دے دیا جائے، تو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأكبر": ووالدا رسول الله – صلى الله عليه وآله وسلم – ماتا على الكفر.

وقد أثبت الملا على القارى فى ذلك الكتاب تواتر الأدلة والأحاديث على صحة معنى هذا الحديث وعدم نجاة والدى الرسول – صلى الله عليه وآله وسلم – وقد نقل الإجماع على تلك القضية فقال: وأما الإجماع فقد اتفق السلف والخلف من الصحابة والتابعين والأئمة الأربعة وسائر المجتهدين على ذلك، من غير إظهار خلاف لما هنالك .والخلاف من اللاحق لا يقدح فى الإجماع السابق، سواء يكون من جنس المخالف أو صنف الموافق .

وأخيرا لابد أن يعلم أن هذا الاتهام الصادر من المفتى فى حق السلفيين هو فى الحقيقة متوجه لمن ذكرنا من العلماء لو التزم بذلك المفتى، فهل كل هؤلاء العلماء كانوا يقصدون إيذاء النبى – صلى الله عليه وآله وسلم –، وهل كانوا من المتشددين؟!!

ومرة أخرى فليعلم القارء أين يقف السلفيون وأين يقف المفتى!!!

ومن أراد التوسع فى الرد على شبهات المفتى فى هذه المسألة فليقرأ كتاب العلامة الحنفى الملا على القارى (أدلة معتقد أبى حنيفة الأعظم فى أبوى الرسول – عليه الصلاة والسلام –) (السلفيون وحوار هادء مع الدكتور على جمعة، ص١٢٧ الى ١٣١ ،مناقشة هادئة لبعض مسائل كتاب المفتى،المؤلف :شحاتة محمد صقر)

ہم اس طرزِ عمل کو فیما بیننا و بین اللّٰہ درست نہیں سمجھتے، آنجناب اپنے اور اللہ کے درمیان درست سمجھتے ہوں، تو یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے، ہم جس طرزِ عمل کو درست سمجھتے ہوں، اسی کو اختیار کرنے کے مکلّف ہیں، جس طرح آپ اپنے نزدیک مکلّف ہیں۔

لہٰذا آپ کا یہ نِرا دعویٰ، جو دلیل سے عاری وخالی ہے، ہم پر کیسے حجت ہوسکتا ہے؟

البتہ اگر آپ اپنی مخصوص کیفیت کو ہی اپنے اوپر حجت سمجھتے ہوں، تو اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

ہم اپنے مضمون میں یہ بات واضح طور پر تحریر کر چکے ہیں کہ:

> قرآن وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات بھی ثابت ومعلوم ہوتی ہے کہ دین کے اندر غلو کرنا اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو ومبالغہ آمیزی کرنا اور محبت وعقیدت کے عنوان سے کوئی خلافِ شرع بات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں (علمی وتحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۱۳۳)

پھر کیا چند اکابر کے کسی ایک موقف کو اختیار کر لینے سے وہ تمام اکابر کا موقف کہلائے جانے کا مستحق ہوسکتا ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابۂ کرام کے آثار اور امت کے جمہور جلیلُ القدر سلف اکابر کا موقف اس کے برعکس ہو، اور ان کے خلاف جس انداز میں دوسرا موقف اختیار کیا گیا ہو، اور اس موقف کے حامل کو ملعون، ایذائے رسول کا مرتکب اور نہ جانے کیا کچھ کہا گیا ہو، کیا آنجناب کو ایسا انداز، جمہور جلیلُ القدر سلف اکابر پر کسی قسم کا حرف آنا، اور لمحۂ فکریہ ہونا، معلوم نہ ہوا۔

ہمارے نزدیک یقینی لمحۂ فکریہ یہی ہے، جس کی نقیض کو، جناب یقینی لمحۂ فکریہ قرار دینے کی بے جا کوشش کرتے ہیں۔

قرآن وسنت کی نصوص کے پیشِ نظر، جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباء واجداد اور اسی طرح انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی اولاد کا

مومن وموحد ہونا، ضروری نہیں۔

جبکہ اہلِ تشیع کا قول یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے تمام آباء واجداد، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک، سب کے سب مومن وموحد ہیں۔

اسی وجہ سے نصوص کے پیشِ نظر اہلُ السنۃ والجماعۃ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو مومن وموحد قرار نہیں دیا۔

اور نصوص کے پیشِ نظر مذکورہ بالا افراد کے لئے استغفار کو جائز قرار نہیں دیا۔

اور اہلِ تشیع، نیز بعض متاخرین اہلُ السنۃ والجماعۃ نے تسامح کی بناء پر اس سے اختلاف کیا۔

اس سلسلے میں قرآن وسنت کے دلائل کے پیشِ نظر اہلُ السنۃ والجماعۃ کا قول راجح ہے، جس کی بہت سے متاخرین، اہلُ السنۃ والجماعۃ، اور متعدد اکابر ومشائخِ دیوبند نے بھی پیروی کی ہے، اور ہم بھی اسی قول کو اختیار کرتے، اور ترجیح دیتے ہیں۔

اور اس سلسلے میں جمہور متقدمین ومتاخرین کے بہت سے حوالہ جات ہم اپنے مضمون میں نقل کر چکے ہیں، اور ساتھ ہی احادیث وروایات اور ان کی اسناد پر بھی کلام کر چکے ہیں۔

اگرچہ متقدمین کے زمانے میں نصوص کے مطابق یہ مسئلہ واضح تھا، اور اس پر ان کے زمانہ میں زیادہ کلام کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی، اکثر حضرات تو نصوص کے ذیل میں اس پر کلام کرنے پر اکتفاء فرمالیا کرتے تھے، اور بعض حضرات کی طرف سے اہلِ تشیع کے قول اور ان کے ذکر کردہ دلائل کو بیان کر کے ان کی تردید بھی کردی جاتی تھی۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ بعض اہل السنۃ کو تسامح ہوا، یا واللہ اعلم، اہلِ تشیع کی طرف سے تسامح پیدا کیا گیا اور انہوں نے اہلِ تشیع کے قول اور ان کے دلائل کو اہل السنۃ کا سمجھ کر نقل کیا، جس کی بعض اہل السنۃ کی طرف سے برموقع تردید کی گئی، لیکن بعض کو اس طرف توجہ نہ ہوسکی، اور سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کے موجودہ زمانے میں بعض مسلمانوں کی طرف سے اس پر سخت تشدد پیدا ہوگیا، اور اہل السنۃ کے اصل قول پر سخت نکیر کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اور

نصوص سے ثابت شدہ کفر کے حاملین کے لئے دعاء واستغفار کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔
ایسے حالات میں اس مسئلہ کی اہمیت زیادہ ہوگئی، اور اہل السنۃ کے اصل قول اور اس کے سابق دلائل پر، موجودہ حالات کے تناظر میں مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ کلام کی ضرورت بڑھ گئی، اور ہم نے الحمدللہ تعالیٰ اسی مقصد کے تحت ایک استفتاء کے جواب میں کام کیا، جس پر آنجناب جیسے کرم فرماؤں کی طرف سے بھی الزامات کا سامنا کرنا پڑا۔
اب اس سلسلے میں چند محققین کے حوالہ جات ذکر کیے جاتے ہیں، تاکہ اہلِ انصاف کو معلوم ہو سکے کہ اس سلسلے میں اہل السنۃ اور اہلِ تشیع کے مابین کیا اختلاف ہے؟
ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (المتوفیٰ: 388ھ) ''صحیح البخاری'' کی شرح ''أعلام الحدیث'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ''ارم، فداک أبی وأمی'' کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

قلت: التفدیة من النبی، صلی اللہ علیه وسلم، دعاء، وأدعیته خلیق أن تکون مستجابة، وقد یوهم هذا القول أن فیه إزراء بحق الوالدین، وإنما جاز ذلک، لأن والدیه ماتا کافرین، وسعد رجل مسلم، ینصر الدین، ویقاتل الکفار، فتفدیته بکل کافر جائز غیر محظور (أعلام الحدیث شرح صحیح البخاری، ج۲، ص۱۳۹۷، کتاب الجهاد، باب المجن ومن یترس بترس صاحبه)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ماں باپ کے فدا ہونے کا فرمانا دعاء ہے، اور آپ کی دعاء قبول ہونے کے لائق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس میں والدین کے حق کے ساتھ عیب لگانا ہے، اور یہ اس وجہ سے جائز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور حضرت سعد مسلمان شخص تھے، جنہوں نے دین کی

نصرت کی، اور کفار سے قتال کیا، پس ہر کافر کا فدیہ کرنا جائز ہے، ممنوع نہیں (أعلام الحدیث)

ابو جعفر طبری (المتوفیٰ: 310ھ) ''تفسیر الطبری'' میں فرماتے ہیں کہ:

فأولى القولين بالصواب منهما عندی قول من قال :هو اسم أبيه، لأن اللّٰه تعالى أخبر أنه أبوه .وهو القول المحفوظ من قول أهل العلم دون القول الآخر الذی زعم قائله أنه نعت .فإن قال قائل: فإن أهل الأنساب إنما ينسبون إبراهيم إلى تارح، فكيف يكون آزر اسما له والمعروف به من الاسم تارح؟ قيل له :غير محال أن يكون له اسمان، كما لكثير من الناس فی دهرنا هذا، وكان ذلک فيما مضى لكثير منهم .وجائز أن يكون لقبا، وا للّٰه تعالى أعلم

(تفسير الطبری، ج ۱۱، ص ۴۶۸، ۴۶۹، سورة الأنعام، تحت رقم الآية ۷۴، القول فی تأويل قوله: أتتخذ أصناما آلهة إنی أراک وقومک فی ضلال مبين)

ترجمہ: میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں زیادہ درست قول یہ ہے کہ ''آزر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ''آزر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، اور اہلِ علم حضرات سے یہی قول محفوظ ہے، دوسرا قول محفوظ نہیں، جس کے قائل کا گمان یہ ہے کہ یہ ''آزر'' صفت ہے (نام نہیں)

پھر اگر کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ اہلِ انساب حضرت ابراہیم کی نسبت ''تارح'' کی طرف کرتے ہیں، تو پھر یہ کیسے ہوگا کہ ''آزر'' ان کا نام ہو، جب کہ ان کا مشہور نام ''تارح'' ہے؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ ان کے دو نام

ہوں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگوں کے اس طرح دو نام ہوتے ہیں، اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں بھی اس طرح کے بہت سے لوگ تھے، اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ یہ ان کا لقب ہو، **واللّٰہ تعالیٰ اعلم** (تفسیر طبری)

امام طبری نے تیسری اور چوتھی صدی کے درمیان ''آزر'' کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہونے کا قول اولیٰ بالصواب قرار دیا ہے، اور اہلِ علم حضرات سے بھی اسی قول کا محفوظ ہونا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابنِ حزم (المتوفیٰ: 456 ہجری) ''**الفصل فی الملل والأهواء والنحل**'' میں فرماتے ہیں:

(قال أبو محمد) وذهب بعض الروافض إلى أن لذوى قرابة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فضلا بالقرابة فقط واحتج بقوله تعالى (إن اللّٰه اصطفى آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين ذرية بعضها من بعض) وبقوله عز وجل (قل لا أسألكم عليه أجرا إلا المودة فى القربى) وبقوله تعالى (وأبعث فيهم رسولا منهم)

(قال أبو محمد) وهذا كله لا حجة فيه أما إخباره تعالى بأنه اصطفى آل إبراهيم وآل عمران على العالمين فإنه لا يخلو من أحد وجهين لا ثالث لهما إما أن يعنى كل مؤمن فقد قال ذلك بعض العلماء أو يعنى مؤمن أهل بيت إبراهيم وعمران. لا يجوز غير هذا لأن آزر والد إبراهيم عليه السلام كان كافرا عدو اللّٰه لم يصطفه اللّٰه تعالى إلا لدخول النار (الفصل فى الملل والأهواء والنحل، لابن حزم الظاهرى، ج۴، ص۱۱۷، ۱۱۸، الكلام فى وجوه الفضل والمفاضلة بين الصحابة)

ترجمہ: ابو محمد ابنِ حزم نے فرمایا کہ بعض روافض اس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو، محض قرابت داری کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے ’’إن اللــه اصـطـفى آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين ذرية بعضها من بعض ‘‘اور اللہ عزوجل کے اس قول سے بھی دلیل پکڑی ہے ’’قل لا أسـألكم عليه أجرا إلا المودة في القربىٰ ‘‘اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی دلیل پکڑی ہے ’’وأبعث فيهم رسولا منهم‘‘۔

ابو محمد ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ ان تمام آیات میں (بعض روافض کی) اس بات کی کوئی حجت اور دلیل نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اس بات کی خبر دینا کہ اس نے آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو، عالم والوں پر منتخب فرمایا، تو یہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے خالی نہیں، تیسری صورت کوئی بھی نہیں، یا تو ہر ایک کا مومن ہونا مراد ہو، جو بعض علماء کا قول ہے، یا ابراہیم اور عمران کے مومن اہلِ بیت مراد ہوں، لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں، اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد ’’آزر‘‘ درحقیقت کافر اور اللہ کے دشمن تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دخولِ نار ہی کے لیے منتخب فرمایا (الفصل فی الملل)

علامہ ابنِ حزم نے چوتھی اور پانچویں صدی کے درمیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محض قرابت دار ہونے کی بنیاد پر فضیلت ہونے کے قول کو، بعض روافض کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور پھر اہلِ روافض کے اس قول کی دلیل کے جواب میں، ابراہیم علیہ السلام کے والد ’’آزر‘‘ کے کافر ہونے کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا ہے۔

امام رازی (المتوفیٰ: 606ہجری) اپنی تفسیر میں ’’ولا تسـئـل عن أصحاب الجحيم ‘‘

کے ذیل میں فرماتے ہیں:

روى أنه قال :ليت شعرى ما فعل أبواى؟

فنهى عن السؤال عن الكفرة وهذه الرواية بعيدة لأنه عليه الصلاة والسلام كان عالما بكفرهم ، وكان عالما بأن الكافر معذب، فمع هذا العلم كيف يمكن أن يقول :ليت شعرى ما فعل أبواى

(تفسير الرازى، ج۴،ص ۲۸، ۲۹، سورة البقرة)

ترجمہ: مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش کہ میں جان لیتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟

تو (اس پر مذکورہ آیت نازل فرما کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے متعلق سوال کرنے سے منع کیا گیا۔

لیکن یہ روایت بعید ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کفر کا علم تھا، اور یہ بھی علم تھا کہ کافر معذب ہوتا ہے، پس اس کا علم ہوتے ہوئے، یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ ''کاش میں جان لیتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟'' (تفسیر الرازی)

مذکورہ عبارت میں امام رازی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کافر اور معذب ہونے کی وضاحت فرمادی۔

نیز امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورہ انعام کے ذیل میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

''تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ظاہری آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''آزر'' ہی تھا، اور بعض ملاحدہ نے جو اہلِ نسّاب کے اس قول کو لے کر قرآن مجید میں طعن کیا ہے کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''تارح'' کہا ہے، جس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں، تو یہ درست نہیں،

کیونکہ اہلِ نساب کا یہ قول خطاء پر مبنی ہے، صواب نہیں، اور اس کو اہلِ نساب کا اجماع کہنا بھی ضعیف ہے، کیونکہ یہ ایک دوسرے کی تقلید سے حاصل ہوا ہے، اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ’’تارح‘‘ تھا، تو بھی ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کے یہ دونوں نام ہوں، ان کا اصلی نام ’’آزر‘‘ ہو، اور ’’تارح‘‘ ان کا لقب ہو، اور وہ اس لقب سے مشہور ہوگئے ہوں، اور اصل نام مخفی رہ گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے برعکس معاملہ ہو کہ ’’تارح‘‘ اصل نام ہو، اور ’’آزر‘‘ ان کا غالب لقب ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس غالب لقب کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہو۔

اور یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ ’’آزر‘‘ مخصوص صفت ہو، لیکن ان دونوں جوابوں کی طرف رجوع کرنا، اسی کے نزدیک جائز ہے، جو قرآن مجید کے تھوڑے الفاظ کو غیر لغتِ عربی پر مشتمل ہونے کے جواز کا قائل ہو۔

اور تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آزر بت کا نام ہو، جس کی ابراہیم علیہ السلام کے والد عبادت کرتے ہوں، اور ان کا یہ نام اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے رکھا ہو کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس بت کی عبادت کے ساتھ مختص کرلیا تھا، اور جو کسی کی محبت میں مبالغہ کرے، تو محبوب کے نام کو ’’محبّ‘‘ کا نام قرار دے دیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ اسراء میں ارشاد ہے ’’**یوم ندعوا کل أناس بإمامهم**‘‘۔

یا پھر ’’آزر‘‘ کی عبادت کرنے والا مراد ہو، مضاف کو حذف کر کے، مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہو۔

اور چوتھا جواب بعض حضرات کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ’’تارح‘‘ تھا، اور ’’آزر‘‘ آپ کے چچا تھے، اور چچا پر بعض اوقات والد

کے نام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ بات جان لینی چاہئے کہ اس قسم کے تکلفات کو اختیار کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی، جب کہ کوئی واضح دلیل اس بات کی پائی جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''آزر'' نہیں تھا، دراں حالیکہ اس کی کوئی بھی دلیل نہیں پائی جاتی، تو ہمیں ان تاویلات کی کون سی ضرورت پیش آئی۔

اور ظاہری آیت جس بات پر دلالت کرتی ہے (یعنی آزر کے حضرت ابراہیم کے والد ہونے کا) اس کے صحیح ہونے کی قوی دلیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے اور آپ سے بغض کا اظہار کرنے کے بہت زیادہ حریص تھے، پس اگر (قرآن مجید میں بیان کیا گیا) یہ نسب درست نہ ہوتا، تو یہ بات عادتاً ناممکن تھی کہ وہ اس کی تکذیب سے سکوت اختیار کرتے، اور جب انہوں نے اس کی تکذیب نہیں کی، تو ہم نے یہ بات جان لی کہ یہ نسب صحیح ہے (یعنی ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے والد کا ہی نام ہے)

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ شیعہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں کوئی کافر نہیں تھا، اور انہوں نے اس بات کا بھی انکار کیا ہے کہ ابراہیم کے والد کافر تھے، اور انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ''آزر'' دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، والد نہیں تھے۔

اور شیعہ نے اپنے قول کی چند دلیلیں دی ہیں۔

شیعہ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ انبیاء کے آباء کافر نہیں تھے، جس کی ان کے بقول کئی دلیلیں ہیں، جن میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا سورہ شعراء میں یہ قول ہے کہ

''الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین''۔

جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی روح ایک سجدہ

کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتی رہی، اور اس معنیٰ کے پیشِ نظر یہ آیت اس بات پر دلالت کرے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے، اور اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مسلمان ہونے پر بھی یقین کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ''**وتقلبک فی الساجدین**'' دوسری وجوہات کا بھی احتمال رکھتا ہے، چنانچہ مفسرین نے اس میں دوسری وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے۔

تو (شیعہ کی طرف سے) اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ آیت، سب معنیٰ کا احتمال رکھتی ہے، لہٰذا بعض پر محمول کرنا، بعض پر محمول کرنے سے اولیٰ نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس آیت کو تمام معنیٰ پر محمول کریں، اور اس صورت میں مقصود حاصل ہوجائے گا (کہ آزر، حضرت ابراہیم کے والد نہیں تھے)

اور شیعہ کے مذکورہ قول کی ایک دلیل، نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ ''**لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات**''۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''**إنما المشركون نجس**'' لہٰذا یہ کہنا واجب ہے کہ نبی علیہ السلام کے اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا، جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو ہم (یعنی شیعہ) یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک نہیں تھے، اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ''آزر'' مشرک تھے، تو اس بات پر یقین کرنا واجب ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ''آزر'' کے علاوہ کوئی دوسرے انسان تھے۔

اور (شیعہ کی طرف سے) ''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ''آزر'' کے ساتھ سخت اور جفا والے الفاظ سے خطاب کیا، اور باپ کے ساتھ

جفاوالے الفاظ سے خطاب کرنا جائز نہیں۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا ''آزر'' کو نداء دینے کا ذکر ہے، اور باپ کو اس کے اصل نام سے پکارنا جفاء کی بڑی اقسام میں سے ہے، دوسرے ابراہیم علیہ السلام نے ''آزر'' سے یہ بھی فرمایا کہ ''**إنی أراک وقومک فی ضلال مبین**'' اور یہ جفا کی ایذاء والی عظیم اقسام میں سے ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ''آزر'' دراصل ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔

لیکن (شیعہ کے برعکس) ہمارے اصحاب (یعنی اہلِ سنت) کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، اور ہمارے اصحاب نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اس آیت میں قرآن مجید کی نص، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ''آزر'' کافر تھے، اور وہ براہیم علیہ السلام کے والد تھے، جس کی دلیل سورہ توبہ کی یہ آیت بھی ہے کہ ''**وما کان استغفار إبراهيم لأبيه إلى قوله: فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه**''۔

جہاں تک شیعہ کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ ''**وتقلبک فی الساجدین** '' تو ہم شیعہ کی طرف سے یہ بات پہلے بیان کر چکے کہ یہ آیت تمام وجوہ کا احتمال رکھتی ہے، لیکن ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ بات ناممکن ہے، کیونکہ لفظِ مشترک کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، نیز لفظ کو ایک ساتھ اس کی حقیقت اور مجاز پر محمول کرنا بھی جائز نہیں، جہاں تک نبی علیہ السلام کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''**لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات** '' تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں کوئی گڑ بڑ واقع نہیں ہوئی (یعنی اس روایت کو اگر سند کے اعتبار سے معتبر مانا جائے، تو یہ نسبُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ہونے پر دلالت کرے گی، اس کی ابوی النبی کے ایمان پر

دلالت نہ ہوگی) اور جہاں تک والد کے ساتھ سخت الفاظ کا تعلق ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے زیب نہیں دیتے تھے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ غالبًا ان کے والد نے کفر پر اصرار کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ اس سختی کے مستحق ہوگئے تھے''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] المسألة الثالثة :ظاهر هذه الآية يدل على أن اسم والد إبراهيم هو آزر، ومنهم من قال اسمه تارح .قال الزجاج :لا خلاف بين النسابين أن اسمه تارح، ومن الملحدة من جعل هذا طعنا فى القرآن .وقال هذا النسب خطأ وليس بصواب، وللعلماء هاهنا مقامان:

المقام الأول :أن اسم والد إبراهيم عليه السلام هو آزر، وأما قولهم أجمع النسابون على أن اسمه كان تارح .فنقول هذا ضعيف لأن ذلک الإجماع إنما حصل لأن بعضهم يقلد بعضا، وبالآخرة يرجع ذلک الإجماع إلى قول الواحد والاثنين مثل قول وهب وكعب وغيرهما، وربما تعلقوا بما يجدونه من أخبار اليهود والنصارى، ولا عبرة بذلک فى مقابلة صريح القرآن.

المقام الثانى :سلمنا أن اسمه كان تارح ثم لنا هاهنا وجوه:

الوجه الأول :لعل والد إبراهيم كان مسمى بهذين الاسمين، فيحتمل أن يقال إن اسمه الأصلى كان آزر وجعل تارح لقبا له، فاشتهر هذا اللقب وخفى الاسم .فالله تعالى ذكره بالاسم، / ويحتمل أن يكون بالعكس، وهو أن تارح كان اسما أصليا وآزر كان لقبا غالبا .فذكره الله تعالى بهذا اللقب الغالب.

الوجه الثانى :أن يكون لفظة آزر صفة مخصوصة فى لغتم، فقيل إن آزر اسم ذم فى لغتهم وهو المخطء كأنه قيل، وإذ قال إبراهيم لأبيه المخطء كأنه عابه بزيغه وكفره وانحرافه عن الحق، وقيل آزر هو الشيخ الهرم بالخوارزمية، وهو أيضا فارسية أصلية.

واعلم أن هذين الوجهين إنما يجوز المصير إليهما عند من يقول بجواز اشتمال القرآن على ألفاظ قليلة من غير لغة العرب.

والوجه الثالث :أن آزر كان اسم صنم يعبده والد إبراهيم، وإنما سماه الله بهذا الاسم لوجهين : أحدهما:

أنه جعل نفسه مختصا بعبادته ومن بالغ فى محبة أحد فقد يجعل اسم المحبوب اسما للمحب .قال الله تعالى:"يوم ندعوا كل أناس بإمامهم"

وثانيها :أن يكون المراد عابد آزر فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه.

الوجه الرابع :أن والد إبراهيم عليه السلام كان تارح وآزر كان عما له، والعم قد يطلق عليه اسم الأب، كما حكى الله تعالى عن أولاد يعقوب أنهم قالوا :"نعبد إلهک وإله آبائک إبراهيم وإسماعيل وإسحاق"

ومعلوم أن إسماعيل كان عما ليعقوب .وقد أطلقوا عليه لفظ الأب فكذا هاهنا .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام رازی، سورہ شعراء کی آیت ''وتقلبک فی الساجدین'' کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

واعلم أن الرافضة ذهبوا إلى أن آباء النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كانوا مؤمنين وتمسكوا فى ذلك بهذه الآية وبالخبر.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واعلم أن هذه التكلفات إنما يجب المصير إليها لو دل دليل باهر على أن والد إبراهيم ما كان اسمه آزر وهذا الدليل لم يوجد البتة، فأى حاجة تحملنا على هذه التأويلات، والدليل القوى على صحة أن الأمر على ما يدل عليه ظاهر هذه الآية، أن اليهود والنصارى والمشركين كانوا فى غاية الحرص على تكذيب الرسول عليه الصلاة والسلام وإظهار بغضه، فلو كان هذا النسب كذبا لامتنع فى العادة سكوتهم عن تكذيبه وحيث لم يكذبوه علمنا أن هذا النسب صحيح والله أعلم.

المسألة الرابعة: قالت الشيعة: إن أحدا من آباء الرسول عليه الصلاة والسلام وأجداده ما كان كافرا وأنكروا أن يقال إن والد إبراهيم كان كافرا وذكروا أن آزر كان عم إبراهيم عليه السلام .وما كان والدا له.

واحتجوا على قولهم بوجوه:

الحجة الأولى: أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا ويدل عليه وجوه: منها قوله تعالى:"الذى يراک حين تقوم وتقلبک فى الساجدين"

قيل معناه: إنه كان ينقل روحه من ساجد إلى ساجد وبهذا التقدير: فالآية دالة على أن جميع آباء محمد عليه السلام كانوا مسلمين .وحينئذ يجب القطع بأن والد إبراهيم عليه السلام كان مسلما.

فإن قيل: قوله: وتقلبک فى الساجدين يحتمل وجوها أخر:

أحدها: إنه لما نسخ فرض/ قيام الليل طاف الرسول صلى الله عليه وآله وسلم تلک الليلة على بيوت الصحابة لينظر ماذا يصنعون لشدة حرصه على ما يظهر منهم من الطاعات فوجدها كبيوت الزنابير لكثرة ما سمع من أصوات قرائتهم وتسبيحهم وتهليلهم .فالمراد من قوله:وتقلبک فى الساجدين طوافه صلوات الله عليه تلک الليلة على الساجدين .وثانيها: المراد أنه عليه السلام كان يصلى بالجماعة فتقلبه فى الساجدين معناه: كونه فيما بينهم ومختلطا بهم حال القيام والركوع والسجود.

وثالثها: أن يكون المراد أنه ما يخفى حالک على الله كلما قمت وتقلبت مع الساجدين فى الاشتغال بأمور الدين.

ورابعها: المراد تقلب بصره فيمن يصلى خلفه، والدليل عليه قوله عليه السلام: أتموا الركوع والسجود فإنى أراكم من وراء ظهرى

فهذه الوجوه الأربعة مما يحتملها ظاهر الآية، فسقط ما ذكرتم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

أما هذه الآية فقالوا قوله تعالى :وتقلبك فى الساجدين يحتمل الوجوه التى ذكرتم ويحتمل أن يكون المراد أن اللّٰه تعالى نقل روحه من ساجد إلى ساجد كما نقوله نحن، وإذا احتمل كل هذه الوجوه وجب حمل الآية على الكل ضرورة أنه لا منافاة ولا رجحان.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والجواب: لفظ الآية محتمل للكل، فليس حمل الآية على البعض أولى من حملها على الباقى . فوجب أن نحملها على الكل وحينئذ يحصل المقصود.

ومما يدل أيضا على أن أحدا من آباء محمد عليه السلام ما كان من المشركين قوله عليه السلام: لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات

وقال تعالى: ''إنما المشركون نجس''وذلك يوجب أن يقال: إن أحدا من أجداده ما كان من المشركين.

إذا ثبت هذا فنقول: ثبت بما ذكرنا أن والد إبراهيم عليه السلام ما كان مشركا، وثبت أن آزر كان مشركا.

فوجب القطع بأن والد إبراهيم كان إنسانا آخر غير آزر.

الحجة الثانية: على أن آزر ما كان والد إبراهيم عليه السلام .أن هذه الآية دالة على أن إبراهيم عليه السلام شافه آزر بالغلظة والجفاء .ومشافهة الأب بالجفاء لا تجوز، وهذا يدل على أن آزر ما كان والد إبراهيم، إنما قلنا: إن إبراهيم شافه آزر بالغلظة والجفاء فى هذه الآية لوجهين:

الأول: أنه قرء وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر بضم آزر وهذا يكون محمولا على النداء ونداء الأب بالاسم الأصلى من أعظم أنواع الجفاء .

الثانى: أنه قال لآزر: إنى أراك وقومك فى ضلال مبين وهذا من أعظم أنواع الجفاء والإيذاء .

فثبت أنه عليه السلام شافه آزر بالجفاء، وإنما قلنا: إن مشافهة الأب بالجفاء لا تجوز لوجوه:

الأول: قوله تعالى: ''وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا ''وهذا عام فى حق الأب الكافر والمسلم، قال تعالى:''فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما'' وهذا أيضا عام .

والثانى: أنه تعالى لما بعث موسى عليه السلام إلى فرعون أمره بالرفق معه فقال ''فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى''والسبب فيه أن يصير ذلك رعاية لحق تربية فرعون .فههنا الوالد أولى بالرفق .

الثالث: أن الدعوة مع الرفق أكثر تأثيرا فى القلب، أما التغليظ فإنه يوجب/ التنفير والبعد عن القبول .ولهذا المعنى قال تعالى لمحمد عليه السلام: ''وجادلهم بالتى هى أحسن''فكيف يليق بإبراهيم عليه السلام مثل هذه الخشونة مع أبيه فى الدعوة؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وأما الخبر فقوله عليه السلام :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات.

وكل من كان كافرا فهو نجس لقوله تعالى :إنما المشركون نجس قالوا :فإن تمسكتم على فساد هذا المذهب بقوله تعالى: وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر ،قلنا الجواب :عنه أن لفظ الأب قد يطلق على العم كما قال أبناء يعقوب له :نعبد إلهك وإله آبائك إبراهيم وإسماعيل وإسحاق،فسموا إسماعيل أبا له مع أنه كان عما له،وقال عليه السلام :ردوا على أبي يعني العباس، ويحتمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرابع: أنه تعالى حكى عن إبراهيم عليه السلام الحلم، فقال:"إن إبراهيم لحليم أواه"وكيف يليق بالرجل الحليم مثل هذا الجفاء مع الأب؟

فثبت بهذه الوجوه أن آزر ما كان والد إبراهيم عليه السلام بل كان عما له، فأما والده فهو تارح والعم قد يسمى بالأب على ما ذكرنا أن أولاد يعقوب سموا إسماعيل بكونه أبا ليعقوب مع أنه كان عما له.

وقال عليه السلام: ردوا على أبي يعني العم العباس وأيضا يحتمل أن آزر كان والد أم إبراهيم عليه السلام وهذا قد يقال له الأب .والدليل عليه قوله تعالى:"ومن ذريته داود وسليمان إلى قوله:وعيسى"فجعل عيسى من ذرية إبراهيم مع أن إبراهيم عليه السلام كان جدا لعيسى من قبل الأم .

وأما أصحابنا فقد زعموا أن والد رسول الله كان كافرا وذكروا أن نص الكتاب فى هذه الآية تدل على أن آزر كان كافرا وكان والد إبراهيم عليه السلام .وأيضا قوله تعالى: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلى قوله: فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"وذلك يدل على قولنا.

وأما قوله وتقلبك فى الساجدين:

قلنا: قد بينا أن هذه الآية تحتمل سائر الوجوه قوله تحمل هذه الآية على الكل، قلنا هذا محال لأن حمل اللفظ المشترك على جميع معانيه لا يجوز، وأيضا حمل اللفظ على حقيقته ومجازه معا لا يجوز، وأما قوله عليه السلام: لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات

فذلك محمول على أنه ما وقع فى نسبه ما كان سفاحا، أما قوله التغليظ مع الأب لا يليق بإبراهيم عليه السلام .قلنا: لعله أصر على كفره فلأجل الإصرار استحق ذلك التغليظ .والله أعلم (تفسير الرازى، ج۱۳ ص ۳۱ الى ۳۴، سورة الانعام)

أيضا أن يكون متخذا لأصنام أب أمه فإن هذا قد يقال له الأب قال تعالى :ومن ذريته داود وسليمان إلى قوله :وعيسى.فجعل عيسى من ذرية إبراهيم مع أن إبراهيم كان جده من قبل الأم.

واعلم أنا نتمسک بقوله تعالى :لأبيه آزر وما ذكروه صرف للفظ عن ظاهره.

وأما حمل قوله : وتقلبک فى الساجدين على جميع الوجوه فغير جائز لما بينا أن حمل المشترک على كل معانيه غير جائز.

وأما الحديث فهو خبر واحد فلا يعارض القرآن (التفسير الكبير، ج۲۴، ص۵۳۷، سورة الشعراء)

ترجمہ: اور یہ بات جان لیجیے کہ ''رافضہ'' اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، مومنین تھے، اور ان ''رافضہ'' نے اس سلسلے میں اسی مذکورہ آیت اور حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔

جہاں تک اس آیت سے دلیل پکڑنے کا تعلق ہے، تو انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''وتقلبک فی الساجدین'' اُن وجوہات کا بھی احتمال رکھتا ہے، جو تم نے ذکر کیں، اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتی گئی، جیسا کہ ہم (یعنی رافضہ) کہتے ہیں، اور جب ان تمام وجوہ کا احتمال رکھتی ہے، تو ضروری ہوا کہ اس آیت کو تمام وجوہات پر محمول کیا جائے، اس بات کی ضرورت کی وجہ سے کہ نہ تو ان وجوہات میں کوئی منافات ہے، اور نہ کوئی وجہ راجح ہے۔

جہاں تک روافض کے مذکورہ حدیث سے دلیل پکڑنے کا تعلق ہے، تو وہ حدیث

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ''میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا''

اور ہر وہ شخص جو کافر ہو، تو وہ نجس ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ توبہ میں) قول ہے ''إنما المشركون نجس ''رافضہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر تم اس مذہب پر اللہ تعالیٰ کے (سورہ انعام میں) اس قول سے دلیل پکڑو کہ ''وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر ''تو ہم (یعنی رافضہ) اس کے جواب میں کہیں گے کہ لفظِ ''اب'' کا اطلاق بعض اوقات ''چچا'' پر بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ (سورہ بقرہ میں) یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ''نعبد إلٰهك وإلٰه آبائك إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ''پس انہوں نے اسماعیل کا نام ''اب'' رکھا، باوجویکہ وہ ان کے چچا تھے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تم میرے اوپر، میرے باپ عباس کو لوٹا دو'' اور یہ بھی احتمال ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والا، حضرت ابراہیم کی ماں کا باپ ہو، کیونکہ اس کو بھی بعض اوقات ''اب'' کہہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ (سورہ انعام میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ومن ذريته داود وسليمان الٰى قوله وعيسٰى ''پس عیسٰی علیہ السلام کو ابراہیم کی ذریت قرار دیا، باوجودیکہ ابراہیم، ماں کی طرف سے اُن کے دادا تھے۔

اور یہ بات جان لیجیے کہ (رافضہ کے مقابلے میں) ہم (یعنی اہلُ السنۃ) اللہ تعالیٰ کے قول ''لابيه آزر ''سے استدلال کرتے ہیں، اور رافضہ نے جو بات ذکر کی ہے، وہ لفظ کو ظاہر سے پھیرنا ہے (جس کی کوئی دلیل نہیں)

اور جہاں تک (رافضہ کی طرف سے) اللہ تعالیٰ کے قول ''وتقلبك في الساجدين ''کو تمام وجوہات پر محمول کرنے کا تعلق ہے، تو یہ جائز نہیں، جیسا کہ

ہم بیان کر چکے کہ مشترک کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں۔

اور جہاں تک (رافضہ کی طرف سے پیش کردہ) حدیث کا تعلق ہے، تو وہ خبرِ واحد ہے، جو قرآن کے مقابلے میں نہیں آسکتی (جبکہ اس کا ایک جواب گزشتہ عبارت میں بھی گزر چکا ہے کہ اس سے نسب کی طہارت مراد ہے، عقیدہ کی طہارت مراد نہیں) (تفسیر الرازی)

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ دونوں عبارات میں واضح فرمادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے کافر نہ ہونے کا قول اور سورہ شعراء کی مذکورہ آیت سے اس پر استدلال، بنیادی طور پر اہلِ تشیع کا ہے، اہلُ السنۃ والجماعۃ کا قول اس سے مختلف ہے۔

اور امام فخر الدین رازی ان چند مفسرین واصحابِ علم سے مقدم ہیں، جو بعد میں ہوئے، اور انہوں نے اہلِ تشیّع کے قول کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصحاب کا سمجھ کر نقل کر دیا، جیسا کہ جلالُ الدین سیوطی ''المتوفیٰ: 911ہجری'' کو یہ تسامح ہوا، اور یہ سلسلہ پھر آگے چلتا رہا۔

نیز امام فخرُ الدین رازی، اپنی مذکورہ تفسیر ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

والذی علیه الأکثرون أن آباء محمد علیه الصلاة والسلام کانوا کفارا (تفسیر الرازی، ج ۲۵، ص ۱۳٦، سورة السجدة)

ترجمہ: اور جس بات پر اکثر (اہلُ السنۃ) حضرات کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء ''کفار'' تھے (تفسیر الرازی)

علامہ جلالُ الدین سیوطی (المتوفیٰ: 911ہجری) کو امام رازی کے موقف کو سمجھنے میں سخت تسامح ہوا، اور امام رازی نے جو قول اہلِ تشیع کا ذکر کیا ہے، اور انہوں نے جس قول کی تردید کی ہے، وہ قول علامہ سیوطی نے اہلُ السنۃ کا سمجھ کر نقل کر دیا، اور ساتھ ہی اہلِ تشیع کی طرف سے پیش کردہ دلائل کو بھی اہلُ السنۃ کے دلائل سمجھ کر نقل کر دیا، اور اس کی نسبت امام رازی کی

طرف کردی، اور اس تسامح کا سلسلہ نقل درنقل چلتا رہا، اسی تسامح میں آج تک بہت سے علماء مبتلا ہیں، اور پھر موجودہ دور کے بعض حضرات اوپر سے اپنی ''خطاء'' کو ''صواب'' قرار دینے پر بھی مُصِر ہیں۔

چنانچہ علامہ سیوطی اپنے رسالہ ''مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ'' میں فرماتے ہیں کہ:

المسلک الثانی: أنهما لم يثبت عنهما شرک بل كانا على الحنيفية دين جدهما إبراهيم عليه السلام ، كما كان على ذلک طائفة من العرب كزيد بن عمرو بن نفيل ، وورقة بن نوفل ، وغيرهما ، وهذا المسلک ذهبت إليه طائفة منهم الإمام فخر الدين الرازى.

فقال فى كتابه أسرار التنزيل ما نصه :

قيل إن آزر لم يكن والد إبراهيم بل كان عمه واحتجوا عليه بوجوه : منها أن آباء الأنبياء ما كانوا كفاراً ويدل عليه وجوه ، منها قوله تعالى : " الذى يراک حين تقوم وتقلبک فى الساجدين " قيل معناه أنه كان ينقل نوره من ساجد إلى ساجد ، وبهذا التقدير فالآية دالة على أن جميع آباء محمد صلى اللّٰه عليه وسلّم كانوا مسلمين ، وحينئذ يجب القطع بأن والد إبراهيم ما كان من الكافرين إنما ذاک عمه أقصى ما فى الباب أن يحمل قوله تعالى :" وتقلبک فى الساجدين " على وجوه أخرى .وإذا وردت الروايات بالكل ولا منافاة بينها وجب حمل الآية على الكل، ومتى صح ذلک ثبت أن والد إبراهيم ما كان من عبدة الأوثان .

ثم قال : ومما يدل على أن آباء محمد صلى الله عليه وسلّم ما كانوا مشركين قوله عليه السلام : " لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات " وقال تعالى :" إنما المشركون نجس " فوجب أن لا يكون أحد من أجداده مشركاً .

هذا كلام الإمام فخر الدين بحروفه.

وناهيک به إمامة وجلالة فإنه إمام أهل السنة فى زمانه ، والقائم بالرد على من فرق المبتدعة في وقته ، والناصر لمذهب الأشاعرة فى عصره وهو العالم المبعوث على رأس المائة السادسة ليجدد لهذه الأمة أمر دينها (الحاوی للفتاویٰ، للسیوطی، ج۲، ص ۱۹۸ و ۱۹۹ ،رسالة "مسالک الحنفا فی والدی المصطفی"، رقم الرسالة ۶۸، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ: 1421ھ ، 2000م)

ترجمہ: دوسرا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے شرک ثابت نہیں، بلکہ وہ اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیفیہ پر قائم تھے، جیسا کہ اس پر عرب کی ایک جماعت تھی، مثلاً ''زید بن عمرو بن نفیل'' اور ''ورقہ بن نوفل'' وغیرہ، اور اس مسلک کی طرف ایک جماعت گئی ہے، جن میں امام فخر الدین رازی بھی ہیں۔

جنہوں نے اپنی کتاب ''اسرارُ التنزیل ''میں فرمایا، جس کی عبارت یہ ہے'' کہا گیا ہے کہ ''آزر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے، بلکہ ان کے چچا تھے، اور اس قول کے قائلین نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے، جن میں ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء کے آباء ''کفار'' نہیں تھے، جس کے مختلف دلائل ہیں، ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ''الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی

الساجدین '' کہا گیا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے، دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور اس اعتبار سے یہ آیت اس بات پر دلالت کرے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء، مسلم تھے، اور اس صورت میں یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوگی کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی کافروں میں سے نہیں تھے، وہ صرف آپ کے چچا تھے، اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''**وتقلبک فی الساجدین** '' کو دوسری توجیہات پر محمول کیا جائے، اور جب آپ تمام روایات کو وارد کریں گے، اور ان کے درمیان کوئی منافات بھی نہیں ہوگی، تو آیت کو تمام توجیہات پر محمول کرنا، واجب ہوجائے گا، اور جب یہ بات صحیح ہوجائے گی، تو یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد، بت پرستوں میں سے نہیں تھے''

پھر امام رازی نے فرمایا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، مشرک نہیں تھے، نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''میں پاک صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ '' **إنما المشركون نجس** '' تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا''

یہ امام فخر الدین رازی کا ان ہی کے الفاظ میں کلام ہے۔

اور آپ کو امام فخر الدین رازی کی امامت اور جلالتِ شان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اپنے زمانے میں اہلِ سنت کے امام ہیں، اور اپنے وقت میں اہلِ بدعت فرقوں کی تردید کرنے والے ہیں، اور اپنے زمانے میں مذہبِ اشاعرہ کے مددگار رہیں، اور وہ چھٹی صدی کے سرے پر بھیجے ہوئے عالم ہیں، تاکہ اس امت کے لیے اس کے دین کے معاملے کی تجدید کریں (الحاوی للفتاویٰ)

امام فخر الدین رازی کی اس تالیف کا پورا نام، جس کا علامہ سیوطی نے مذکورہ عبارت میں حوالہ دیا ہے ''أسرارُ التنزیل وأنوارُ التأویل ''ہے، ہم نے اس کتاب کو بالاستیعاب ملاحظہ کیا، جو دس فصلوں پر مشتمل ہے، جس کی پہلی فصل ''اسرار کلمة لاالٰه الا اللّٰه ''کے عنوان سے قائم ہے، جس میں ان الفاظ سے آغاز ہوتا ہے ''قال اللّٰه سبحانهٗ وتعالیٰ لرسوله: فاعلم انه لا الٰه الا اللّٰه ، واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات''

اور اس کی دسویں اور آخری فصل کا عنوان ''أن عقول الخلق قاصرة عن معرفة اللّٰه تعالیٰ ''ہے، اور اس فصل کے آخری الفاظ یہ ہیں ''فالحاصل فیه نفی غیر الحق، ونفی غیر الحق لایکون هو عین وجدان الحق''

امام فخر الدین رازی کی مذکورہ تالیف میں علامہ جلال الدین سیوطی کی نقل کردہ عبارت، کسی مقام پر بھی موجود نہیں ''ومن ادعٰی فعلیه البیان''

(ملاحظہ ہو: أسرار التنزیل وأنوار التأویل ، تالیف: شیخ الاسلام الامام فخر الدین الرازی محمد بن عمر بن الحسین، تحقیق: الدکتوراحمد حجازی السقاء، الناشر: المکتبة الازهریة للتراث، خلف الجامع الازهر الشریف، مصر، سنة الطبع: 1437ھ، 2016م)

البتہ امام فخر الدین رازی نے اس موضوع پر اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر مفصل و مدلل کلام کیا ہے، جس کی عبارات کو پہلے ذکر کیا جا چکا، اور علامہ سیوطی کی مذکورہ عبارت میں امام رازی کی عبارت کے جن اقتباسات کا ذکر ہے، وہ اہلِ تشیع کے قول اور ان کے دلائل سے متعلق ہیں، جن کی خود امام رازی نے تردید فرما دی ہے، جیسا کہ باحوالہ گزرا۔

پس جب علامہ سیوطی کی تصریح کے مطابق امام فخر الدین رازی کی امامت اور جلالتِ شان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اپنے زمانے میں اہلِ سنت کے امام ہیں، اور اپنے وقت میں اہلِ بدعت فرقوں کی تردید کرنے والے ہیں، اور اپنے زمانے میں مذہبِ اشاعرہ کے مددگار ہیں، اور وہ چھٹی صدی کے سرے پر بھیجے ہوئے عالم ہیں، تاکہ اس امت کے لیے اس کے دین کے معاملے کی تجدید کریں۔

تو ہم علامہ سیوطی کے اس موقف کے مطابق ہی عکساً بغیر کسی اجمال وابہام کے کہتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کے مومن ہونے کا قول، بنیادی طور پر شیعہ وروافض کا ہے، جس کی تائید ''شیعہ وروافض'' اور بطورِ خاص ''امامیہ'' کی متعدد کتب سے بھی ہوتی ہے، اوراس کے برعکس اکثر، یا جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کفار تھے، اوراس سلسلے میں شیعہ وروافض کی طرف سے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، وہ جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک راجح نہیں، اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے قول کے دلائل، قرآن وسنت کی رُو سے مضبوط ہیں''۔انتھٰی۔

پس علامہ سیوطی کی تصریح کے مطابق، امام فخر الدین رازی کی امامت اور جلالتِ شان، اور ان کے اپنے زمانے میں اہلِ سنت کے امام، اوراپنے وقت میں اہلِ بدعت فرقوں کی تردید کرنے والے، اور اپنے زمانے میں مذہبِ اشاعرہ کے مددگار ہونے والے، اوراپنے زمانے کے مجدد ہونے کے پیشِ نظر ان کے مذکورہ قول کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، جس میں انہوں نے اہلِ بدعت کے ایک فرقے، شیعہ وروافض کے مذکورہ موقف کی تردید فرمائی ہے۔

اب اگر علامہ سیوطی کی مذکورہ عبارت کو تسامح پر مشتمل قرار نہ دیا جائے، تو جو چاہے قرار دیا جائے، لیکن بہرحال علامہ سیوطی کے اختیار کردہ مذکورہ موقف کا جو مستدل ہے، یعنی امام رازی کی عبارت، وہ خود اُن کے اختیار کردہ موقف کے برخلاف ہے۔

اور علامہ سیوطی کے بعد جو اہلِ علم حضرات، علامہ سیوطی کی نقل کردہ مذکورہ عبارت اور موقف کو نقل کرتے آئے ہیں، ان کے موقف اور مستدل کا مدار بھی چونکہ علامہ سیوطی کے مستدل پر ہے، اس لیے جس طرح علامہ سیوطی کا موقف تسامح پر مبنی کہلائے گا، یہی حیثیت ان کی اتباع کرنے والوں کے موقف کی بھی ہوگی۔

اور ہم نے علامہ سیوطی کے بعد عربی اور اردو زبان میں کئی مضامین اور رسائل ملاحظہ کیے، جن میں علامہ سیوطی کے اسی تسامح کی پیروی کی گئی ہے۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار فرمایا، وہ موقف، ان کے بعد جلیلُ القدر مفسرین بھی قرناً بعد قرنٍ اختیار کرتے رہے، سوائے ان چند حضرات کے، جنہوں نے علامہ سیوطی کے تسامح کی اتباع و پیروی کی، جیسا کہ صاحبِ تفسیرِ مظہری، اور صاحبِ روح المعانی ''کما سیجیئ ان شاء اللّٰہ تعالٰی''

علاء الدین خازن (المتوفیٰ: 741ھ) نے اپنی تفسیر ''لباب التأویل فی معانی التنزیل'' میں فرمایا کہ:

والصحیح هو الأول أن آزر اسم لأبی إبراهیم لأن اللّٰه تعالی سماه به وما نقل عن النسابین والمؤرخین أن اسمه تارح ففیه نظر لأنهم إنما نقلوه عن أصحاب الأخبار وأهل السیر من أهل الکتاب ولا عبرة بنقلهم۔

وقد أخرج البخاری فی أفراده من حدیث أبی هریرة أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال یلقی إبراهیم علیه السلام أباه آزر یوم القیامة وعلی وجه آزر قترة وغبرة الحدیث فسماه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم آزر أیضا ولم یقل أباه تارح فثبت بهذا أن اسمه الأصلی آزر لا تارح واللّٰه أعلم (لباب التأویل فی معانی التنزیل، ج۲، ص۱۲۵، سورة الأنعام)

ترجمہ: صحیح قول پہلا ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کا یہی نام رکھا ہے، اور جو اہلِ نساب اور مورخین سے مروی ہے کہ ان کے والد کا نام ''تارح'' ہے، تو اس میں نظر ہے، کیونکہ انہوں نے

اس قول کو صرف اہلِ کتاب کے اصحابِ اخبار اور اہلِ سیَر سے نقل کیا ہے، جن کی نقل کا اعتبار نہیں۔

اور بخاری نے اپنی ''افراد'' میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے والد ''آزر'' سے قیامت کے دن ملاقات فرمائیں گے، اور ''آزر'' کے چہرے پر (اس وقت) سیاہی اور غبار چھایا ہوگا، آخر حدیث تک، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ''آزر'' نام بتلایا، اور ان کے والد کو ''تارح'' نہیں فرمایا، جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کا اصلی نام ''آزر'' ہے، نہ کہ ''تارح'' واللہ اعلم (تفسیر الخازن)

اس کے علاوہ تفسیرِ خازن ہی میں سورہ توبہ کی آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِىْ قُرْبٰى ''.

اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیے اس طرح استغفار کروں گا، جس طرح ابراہیم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، جس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] وقال أبو هريرة وبريدة لما قدم النبى صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف حتى حميت الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية وروى الطبرى بسنده عن بريدة :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة أتى رسم قال وأكثر ظنى أنه قال قبر أمه فجلس إليه فجعل يخاطب ثم قام مستعبرا فقلنا :يا رسول الله إنا رأينا ما صنعت قال إنى استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى واستأذنته فى الاستغفار لها فلم يؤذن لى فما رؤى باكيا أكثر من يومئذ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوحیان اثیرُ الدین اندلسی (المتوفی: 745ھ) ''البحرُ المحیط'' میں فرماتے ہیں:

وقيل: إن آزر عم إبراهيم وليس اسم أبيه وهو قول الشيعة يزعمون أن آباء الأنبياء لا يكونون كفارا وظواهر القرآن ترد عليهم ولا سيما محاورة إبراهيم مع أبيه .في غير ما آية

(البحر المحيط في التفسير، ج۴ص ۵۶۱، سورة الانعام)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحكى ابن الجوزى عن بريدة قال إن النبى صلى الله عليه وسلم مر بقبر أمه فتوضأ وصلى ركعتين ثم بكى فبكى الناس لبكائه ثم انصرف إليهم فقالوا :ما أبكاك؟ قال :مررت بقبر أمى فصليت ركعتين ثم استأذنت ربى أن أستغفر لها فنهيت فبكيت ثم عدت فصليت ركعتين فاستأذنت ربى أن أستغفر لها فزجرت زجرا فأبكانى ثم دعا براحلته فركبها فما سار إلا هنيهة حتى قامت الناقة لثقل الوحى فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى الآية (ق) عن أبى هريرة قال زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت.

وقال قتادة قال النبى صلى الله عليه وسلم :لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله هذه الآية وروى الطبرى بسنده عنه قال :ذكر لنا أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا يا نبى الله إن من آبائنا من كان يحسن الجوار ويصل الأرحام ويفك العانى ويوفى بالذمم أفلا نستغفر لهم فقال النبى صلى الله عليه وسلم بلى والله لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله عز وجل ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية ثم عذر الله إبراهيم فقال تعالى وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه الآية.

عن على بن أبى طالب قال :سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت له أتستغفر لأبويك وهما مشركان فقال :استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك فذكرت ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فنزلت :ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية أخرجه النسائى والترمذى . وقال:حديث حسن وأخرجه الطبرى .وقال فيه :فأنزل الله عز وجل وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه الآية ومعنى الآية ما كان ينبغى للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين وليس لهم ذلك لأن الله سبحانه وتعالى لا يغفر للمشركين ولا يجوز أن يطلب منه ما لا يفعله ففيه النهى عن الاستغفار للمشركين ولو كانوا أولى قربى لأن النهى عن الاستغفار للمشركين عام فيستوى فيه القريب والبعيد ثم ذكر عز وجل سبب المنع فقال تعالى :من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم يعنى تبين لهم أنهم ماتوا على الشرك فهم من أصحاب الجحيم وأيضا فقد قال تبارك وتعالى إن الله لا يغفر أن يشرك به والله تعالى لا يخلف وعده(تفسير الخازن ،ج۲،ص ۴۱۱، ۴۱۲،سورة التوبة)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں، اور یہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے، مگر یہ شیعہ کا قول ہے، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء کے آباء کفار نہیں ہیں، اور ظواہرِ قرآن اُن کی تردید کرتا ہے، خاص طور پر ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے ساتھ متعدد آیات میں کلام کرنا، شیعہ کے اس قول کی تردید کرتا ہے (البحرُ المحیط)

نیز ابوحیان اندلسی سورہ شعراء کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

وذهبت الرافضة إلى أن آباء النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كانوا مؤمنين (البحر المحيط فى التفسير، ج٨ص١٩٨، سورة الشعراء)

ترجمہ: اور رافضہ، اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء ''مومن'' تھے (البحرُ المحیط)

علاوہ ازیں ابوحفص سراج الدین عمر بن علی بن عادل حنبلی دمشقی (المتوفیٰ: 775ھ، یا 880ھ) نے ''**اللباب فى علوم الكتاب**'' میں اہلِ تشیع کا شبہ دور کرنے کی مستقل فصل قائم فرمائی ہے، اور اس کے ضمن میں اہلِ تشیع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ رسول کے آباء واجداد میں کوئی بھی کافر نہیں تھا، اور ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کافر ہونے کا بھی انہوں نے انکار کیا ہے، پھر اس کے بعد اہلِ تشیع کی طرف سے قرآن مجید کی آیت ''**وتقلبک فى الساجدين**'' اور حدیث ''**لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات**'' اور اس جیسے انہی دلائل کا ذکر کر کے ان کا جواب تحریر کیا ہے، جو امام رازی کے کلام میں گزرے۔ [1]

---

[1] فصل فى دحض شبهة للشيعة قالت الشيعة :إن أحدا من آباء الرسول وأجداده ما كان كافرا , وأنكروا كون والد إبراهيم كافرا ,وقالوا :إن آزر كان عم إبراهيم.
واحتجوا بوجوه :أحدها :قوله تعالى :''وتقلبک فى الساجدين''
قيل :معناه أنه كان ينتقل روحه من ساجد إلى ساجد فدلت الآية على أن آباء محمد -عليه السلام- كانوا مسلمين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری (المتوفیٰ: 850ھ) نے ''غرائبُ القرآن ورغائبُ الفرقان'' میں فرمایا کہ:

''معتزلہ اور ان کے قائم مقام لوگوں کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحينئذ يجب القطع بأن والد إبراهيم كان مسلما.

فإن قيل: قوله: "وتقلبك فى الساجدين" يحتمل وجوها: منها: أنه لما نسخ فرض قيام الليل طاف الرسول تلك الليلة على بيوت أصحابه لينظر ماذا (يصنعون لشدة) حرصه على ما يظهر منهم من الطاعات, فوجدها كبيوت الزنابير لكثرة ما سمع من أصوات قراء تهم وتسبيحهم وتهليلهم, فيحتمل أن يكون المراد من تقلبه فى الساجدين طوافه فى تلك الليلة "على الساجدين" ويحتمل أن يكون المراد صلاته بالجماعة, واختلاطع بهم حال الصلاة.

ويحتمل أن يكون المراد تقلب بصره فيمن يصلى خلفه لقوله عليه الصلاة والسلام "أتموا الركوع والسجود فإنى أراكم من وراء ظهرى."

ويحتمل أن يكون المراد أنه لا يخفى حالك على الله -تعالى- كلما أقمت وتقلبت فى الساجدين فى الاشتغال بأمور الدين.

وإذا احتمل ظاهر الآية هذه الوجوه سقط ما ذكرتم.

فالجواب: لفظ الآية يحتمل الكل, ويحصل المقصود حينئذ, لأن حمل ظاهر الآية على البعض ليس بأولى من البعض ومما يدل على أن أحدا من آباء محمد عليه الصلاة والسلام ما كانوا مشركين قوله عليه الصلاة والسلام ": لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات."

وقال تعالى: "إنما المشركون نجس"فوجب القول بأن أحدا من أجداده ما كان مشركا, فوجب القطع بأن والد إبراهيم كان إنسانا آخر غير آزر.

الحجة الثانية: أن إبراهيم عليه الصلاة والسلام شافهة بالغلظة والجفاء, ومشافهة الأب بذلك لا يجوز, أما مشافهته بالجفاء والغلظة فمن وجهين:

أحدهما: على قراء ة الضم يكون محمولا على النداء ن ونداء الأب بالاسم الأصلى من أعظم أنواع الإيذاء.

وثانيهما: إذا قلنا بأنه المعوج أو المخطء أو اسم الصنم.

فتسميته له بذلك من أعظم أنواع الإيذاء له, وإنما قلنا: إن مشافهة الآباء بالجفاء والغلظة لا تجوز لقوله تعالى: "وقضى ربك ألا تعبدوا اا إلا إياه وبالوالدين إحسانا" وقال تعالى: "فلا تقل لهمآ أف"وهذا عام فى حق الأب الكافر والمسلم.

وأيضا فلأمره -تعالى- موسى عليه الصلاة والسلام حين بعثه إلى فرعون بالرفق معه فقال تعالى: "فقولا له قولا لينا" وذلك لرعاية حق تربية فرعون لموسى فالوالد أولى بالرفق.

وأيضا فالدعوة مع الرفق أكثر تأثيرا فى القلب, وأما التغليظ فإنه يوجب التنفير والبعد عن القبول؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے آباء میں کوئی بھی کافر نہیں تھا، اور انہوں نے ”وتقلبک فی الساجدین“ کی ایک مخصوص تفسیر، اور ایک روایت سے استدلال کیا ہے، اور ”آزر“ کے ابراہیم علیہ السلام کے والد ہونے کا بھی انکار کیا ہے“۔انتہٰی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال تعالى لمحمد عليه الصلاة والسلام ”وجادلهم بالتى هى أحسن “فكيف يليق بإبراهيم مثل هذه الخشونة مع أبيه.

وأيضا قال تعالى :”إن إبراهيم لحليم أواه منيب“فكيف يليق بالرجل الحليم مثل هذا الجفاء مع الأب.

الحجة الثالثة :قوله عليه الصلاة والسلام " :ردوا على أبى العباس "يعنى عمه.

الحجة الرابعة :يحتمل أن آزر كان والد أم إبراهيم وقد يقال له :الأب ؛ قال تعالى :”ومن ذريته داوود وسليمان“إلى قوله :”وعيسى“فجعل عيسى من ذرية إبراهيم ,مع أن إبراهيم كان جد عيسى من قبل الأم.

وقال عليه الصلاة والسلام فى حق الحسن "إن ابنى هذا "فثبت بهذه الوجوه ان "آزر "ما كان والد إبراهيم.

والجواب عن الأول أن نص الكتاب يدل على أن آزر كان كافرا وأنه والد إبراهيم ,وقال تعالى : ”وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدهآ إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه“

وأما قوله :”وتقلبك فى الساجدين“فقد تقدم أنه يحتمل وجوها.

وقولهم " :وتحمل الآية على الكل "فنقول :هذا محال ؛ لأن حمل اللفظ المشترك على جيمع معانيه لا يجوز ,وأيضا حمل اللفظ على حقييقته ومجازه معا لا يجوز ,وأما قوله عليه الصلاة والسلام " :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات "

فذلك محمول عل أنه (ما وقع فى نسبه) ما كان سفاحا ,كما ورد فى حديث آخر "ولدت من نكاح لا من سفاح ."

وأما قوله :التغليط مع الأب لا يليق بإبراهيم قلت :إنما أغلظ عليه لأجل إصراره على الكفر , وإلا فهو أول ما رفق به فى المخاطبة ,كما ذكر فى سورة "مريم ""يا أبت إنى قد جآء نى""يا أبت لا تعبد الشيطان ""إنى أخاف أن يمسك عذاب من الرحمان“وهذا غاية اللطف والرفق ,فحين أصر على كفره استحق التغليظ ,وقال :”يا إبراهيم لئن لم تنته لأرجمنك “(تفسير اللباب لابن عادل،لأبى حفص عمر بن على ابن عادل الدمشقى الحنبلى ، ج۸ص۲۳۳ الیٰ ۲۳۵،سورة الأنعام)

۱؎ قالت المعتزلة ومن يجرى مجراهم :إن أحدا من آباء الرسول صلى الله عليه وسلم ما كان كافرا وفسروا قوله ”وتقلبك فى الساجدين“ بانتقاله من ساجد إلى ساجد وأكدوه بما روى أنه صلى الله عليه وسلم قال :لم أزل أنتقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات.

وإن آزر كان عم إبراهيم وما كان والدا له لأن إبراهيم شافهه بالغلظة والجفاء فى قوله :إنى أراك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہم نے باحوالہ یہ بات اپنی دوسری تالیفات میں ذکر کردی ہے کہ اہلِ تشیّع، اور بالخصوص ''امامیہ'' نے بہت سے عقائد میں معتزلہ کی پیروی کی ہے۔ [1]

نیز نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری نے ''غرائبُ القرآن ورغائبُ الفرقان'' میں ہی سورہ شعراء کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''اور اس آیت ''وتقلبک فی الساجدین'' سے علمائے شیعہ نے اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقومک فی ضلال مبین وقد قال تعالی ”فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما“ ولأنه ناداه بالاسم فی قراء ة من قرأ آزر بالضم .والنداء بالاسم دلیل الاستخفاف ولهذا لم یقرأ بالضم فی قوله ”وقال موسی لأخیه هارون اخلفنی “وأجیب بأن قوله ”وتقلبک فی الساجدین“یحتمل وجوها أخری سوف یجیء ذکرها، وبأن قوله لم أزل أنتقل محمول علی أنه لم یقع فی نسبه ما کان سفاحا .والتغلیظ من إبراهیم إنما کان لأجل إصرار أبیه علی الکفر کما قال ”فلما تبین له أنه عدو لله تبرأ منه “ لا لأجل السفه والجفاء لقوله ”إن إبراهیم لحلیم أواه منیب “ ثم إن إبراهیم احتج علی فساد اعتقاد عبدة الأصنام بقوله منکرا علی آزر وقومه أتتخذ أصناما آلهة أی معبودین .وذلک أن الأصنام لو کان لها قدرة علی الخیر والشر لکان الصنم الواحد کافیا فلما لم یکن الواحد کافیا دل ذلک علی عجزها وإن کثرت(غرائب القرآن ورغائب الفرقان۔ تفسیر النیسابوری، ج۳،ص ۱۰۳، ۱۰۴،سورة الأنعام)

[1] الشیعة هم الذین شایعوا علیا رضی الله عنه علی الخصوص .وقالوا بإمامته وخلافته نصا ووصیة، إما جلیا، وإما خفیا .واعتقدوا أن الإمامة لا تخرج من أولاده، وإن خرجت فبظلم یکون من غیره، أو بتقیة من عنده .وقالوا: لیست الإمامة قضیة مصلحیة تناط باختیار العامة وینتصب الإمام بنصبهم، بل هی قضیة أصولیة، وهی رکن الدین، لا یجوز للرسل علیهم السلام إغفاله وإهماله، ولا تفویضه إلی العامة وإرساله.

ویجمعهم القول بوجوب التعیین والتنصیص، وثبوت عصمة الأنبیاء والأئمة وجوبا عن الکبائر والصغائر .والقول بالتولی والتبری قولا، وفعلا، وعقدا، إلا فی حال التقیة .

ویخالفهم بعض الزیدیة فی ذلک، ولهم فی تعدیة الإمام کلام وخلاف کثیر .وعند کل تعدیة وتوقف: مقالة، ومذهب، وخبط.

وهم خمس فرق: کیسانیة، وزیدیة، وإمامیة، وغلاة، وإسماعیلیة .وبعضهم یمیل فی الأصول إلی الاعتزال، وبعضهم إلی السنة، وبعضهم إلی التشبیه (الملل والنحل، لمحمد بن عبد الکریم الشهرستانی، ج ۱،ص ۱۴۶ ،و ۱۴۷، الباب الاول،الفصل السادس :الشیعة)

فلهذا صارت الإمامیة متمسکین بالعدلیة فی الأصول، وبالمشبهة فی الصفات، متحیرین تائهین (الملل والنحل،لمحمد بن عبد الکریم الشهرستانی، ج ۱،ص ۱۷۲، الباب الاول،الفصل السادس :الشیعة)

مذہب پر یہ دلیل پکڑی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کافر نہیں تھے، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ آیت میں مراد نبی علیہ السلام کی روح کا، ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف پلٹتے رہنا ہے، جیسا کہ اہلِ تشیّع کے نزدیک اس معتمد حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''لم أزل أنتقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات''۔

لیکن اہلِ سنت نے اہلِ تشیّع سے مذکورہ تاویل اور مذکورہ حدیث کی صحت میں مناقشہ کیا ہے''۔انتھیٰ۔ [1]

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 728ھ) کے فتاویٰ میں ایک سوال اور اس کا جواب درجِ ذیل ہے:

سئل الشيخ -رحمه الله تعالیٰ:

هل صح عن النبى صلى الله عليه وسلم أن الله تبارك وتعالى أحيا له أبويه حتى أسلما على يديه ثم ماتا بعد ذلك؟

فأجاب: لم يصح ذلك عن أحد من أهل الحديث؛ بل أهل المعرفة متفقون على أن ذلك كذب مختلق وإن كان قد روى فى ذلك أبو بكر -يعنى الخطيب- فى كتابه "السابق واللاحق" وذكره أبو القاسم السهيلى فى "شرح السيرة" بإسناد فيه مجاهيل وذكره أبو عبد الله القرطبى فى "التذكرة" وأمثال هذه المواضع.

---

[1] وقد احتج بالآية علماء الشيعة على مذهبهم أن آباء النبى صلى الله عليه وسلم لا يكونون كفارا .قالوا :أراد تقلب روحه من ساجد إلى ساجد كما فى الحديث المعتمد عليه عندهم لم أزل أنتقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات.

وناقشهم أهل السنة فى التأويل المذكور وفى صحة الحديث(غرائب القرآن ورغائب الفرقان۔ تفسير النيسابورى، ج۵، ص۲۸۸، سورة الشعراء)

فلا نزاع بين أهل المعرفة أنه من أظهر الموضوعات كذبا كما نص عليه أهل العلم وليس ذلك في الكتب المعتمدة في الحديث ؛ لا في الصحيح ولا في السنن ولا في المسانيد ونحو ذلك من كتب الحديث المعروفة ولا ذكره أهل كتب المغازي والتفسير وإن كانوا قد يروون الضعيف مع الصحيح .

لأن ظهور كذب ذلك لا يخفى على متدين فإن مثل هذا لو وقع لكان مما تتوافر الهمم والدواعي على نقله فإنه من أعظم الأمور خرقا للعادة من وجهين:

من جهة إحياء الموتى :ومن جهة الإيمان بعد الموت .

فكان نقل مثل هذا أولى من نقل غيره فلما لم يروه أحد من الثقات علم أنه كذب .

والخطيب البغدادي هو في كتاب "السابق واللاحق "مقصوده أن يذكر من تقدم ومن تأخر من المحدثين عن شخص واحد سواء كان الذي يروونه صدقا أو كذبا.

وابن شاهين يروي الغث والسمين .

والسهيلي إنما ذكر ذلك بإسناد فيه مجاهيل .

ثم هذا خلاف الكتاب والسنة الصحيحة والإجماع .قال الله تعالى :(إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيما) (وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى إذا حضر أحدهم الموت قال إني تبت الآن ولا الذين يموتون وهم كفار) .

فبین اللّٰہ تعالی :أنه لا توبة لمن مات کافرا .

وقال تعالی :(فلم یک ینفعهم إیمانهم لما رأوا بأسنا سنة اللّٰہ التی قد خلت فی عباده وخسر هنالک الکافرون) فأخبر أن سنته فی عباده أنه لا ینفع الإیمان بعد رؤیة البأس ؛ فکیف بعد الموت؟ ونحو ذلک من النصوص .

وفی صحیح مسلم " :(أن رجلا قال للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أین أبی ؟ قال :إن أباک فی النار .فلما أدبر دعاه فقال :إن أبی وأباک فی النار) . "

وفی صحیح مسلم أیضا أنه قال " :(استأذنت ربی أن أزور قبر أمی فأذن لی واستأذنته فی أن أستغفر لها فلم یأذن لی .فزوروا القبور فإنها تذکر الآخرة) . "

وفی الحدیث الذی فی المسند وغیره قال " :(إن أمی مع أمک فی النار)

" فإن قیل :هذا فی عام الفتح والإحیاء کان بعد ذلک فی حجة الوداع ولهذا ذکر ذلک من ذکره وبهذا اعتذر صاحب التذکرة.

وهذا باطل لوجوه - :

الأول :إن الخبر عما کان ویکون لا یدخله نسخ کقوله فی أبی لهب :(سیصلی نارا ذات لهب) وکقوله فی الولید :(سأرهقه صعودا) . وکذلک فی " :(إن أبی وأباک فی النار) " و " (إن أمی وأمک فی النار) "

وهذا ليس خبرا عن نار يخرج منها صاحبها كأهل الكبائر ؛ لأنه لو كان كذلك لجاز الاستغفار لهما .

ولو كان قد سبق في علم الله إيمانهما لم ينهه عن ذلك فإن الأعمال بالخواتيم ومن مات مؤمنا فإن الله يغفر له فلا يكون الاستغفار له ممتنعا .

الثاني :أن النبي صلى الله عليه وسلم زار قبر أمه لأنها كانت بطريقه "بالحجون "عند مكة عام الفتح وأما أبوه فلم يكن هناك ولم يزره إذ كان مدفونا بالشام في غير طريقه فكيف يقال :أحيي له؟ .

الثالث :إنهما لو كانا مؤمنين إيمانا ينفع كانا أحق بالشهرة والذكر من عميه :حمزة والعباس ؛ وهذا أبعد مما يقوله الجهال من الرافضة ونحوهم.من أن أبا طالب آمن ويحتجون بما في " السيرة "من الحديث الضعيف وفيه أنه تكلم بكلام خفي وقت الموت .

ولو أن العباس ذكر أنه آمن لما كان (قال للنبي صلى الله عليه وسلم عمك الشيخ الضال كان ينفعك فهل نفعته بشيء ؟ فقال :وجدته في غمرة من نار فشفعت فيه حتى صار في ضحضاح من نار في رجليه نعلان من نار يغلي منهما دماغه ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار) . "

هذا باطل مخالف لما في الصحيح وغيره فإنه كان آخر شيء قاله :هو على ملة عبد المطلب وأن العباس لم يشهد موته مع أن

ذلک لو صح لکان أبو طالب أحق بالشهرة من حمزة والعباس فلما کان من العلم المتواتر المستفیض بین الأمة خلفا عن سلف أنه لم یذکر أبو طالب ولا أبواه فی جملة من یذکر من أهله المؤمنین کحمزة والعباس وعلی وفاطمة والحسن والحسین رضی اللّٰہ عنهم کان هذا من أبین الأدلة علی أن ذلک کذب .

(الرابع :أن اللّٰہ تعالی قال (قد کانت لکم أسوة حسنة فی إبراهیم والذین معه إذ قالوا لقومهم إنا برآء منکم) - إلی قوله - (لأستغفرن لک وما أملک لک من ا للّٰہ من شیء) الآیة .وقال تعالی (وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه فلما تبین له أنه عدو للّٰہ تبرأ منه)

فأمر بالتأسی بإبراهیم والذین معه ؛ إلا فی وعد إبراهیم لأبیه بالاستغفار .وأخبر أنه لما تبین له أنه عدو للّٰہ تبرأ منه وا للّٰہ أعلم(مجموع الفتاوی،لا بن تیمیة، ج۴،ص ۳۲۴ الیٰ ۳۲۷، کتاب مفصل الاعتقاد، سئل هل صح عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أن الله تبارک وتعالی أحیا له أبویه حتی أسلما علی یدیه ثم ماتا بعد ذلک؟)

ترجمہ: شیخ (ابنِ تیمیہ) رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا، پھر وہ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے، اور پھر ان کو وفات دے دی؟

تو علامہ ابنِ تیمیہ نے جواب میں فرمایا کہ محدثین میں سے کسی سے اس حدیث کی صحت ثابت نہیں، بلکہ اہلِ معرفت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی اور

گھڑی ہوئی ہے، اگرچہ (بعض حضرات کے بقول) اس کو ابوبکر خطیب نے اپنی کتاب ''السابق واللاحق'' میں ذکر کیا ہے، اور اس کا تذکرہ ابوالقاسم سہیلی نے ''شرح السیرۃ'' میں مجہول راویوں کی سند سے کیا ہے، اور اس کو ابوعبداللہ قرطبی نے ''التذکرۃ'' اور اس کے مثل دوسرے مواقع میں ذکر کیا ہے۔

پس اہلِ معرفت کے درمیان، اس بات میں کوئی نزاع نہیں کہ یہ واضح طور پر جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے، جس کی اہلِ علم حضرات نے تصریح کی ہے، اور یہ روایت حدیث کی کسی معتمد کتاب میں نہیں پائی جاتی، نہ صحیحین میں، نہ سنن میں اور نہ مسانید میں، اور نہ ان کے علاوہ مشہور حدیث کی کتابوں میں، اور نہ ہی اس کا مغازی اور تفسیر کی کتابوں والوں نے ذکر کیا ہے (سیوطی، ابنِ حجر مکی، علامہ قسطلانی، علامہ آلوسی، اور صاحبِ تفسیرِ مظہری کا زمانہ علامہ ابنِ تیمیہ کے بعد ہے، ان کے زمانے تک معتبر کتابوں میں اس روایت کا ذکر نہ تھا۔ ازمترجم) اگرچہ مذکورہ حضرات صحیح کے ساتھ ضعیف حدیث کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

جس کی وجہ سے اس حدیث کا جھوٹا ہونا کسی متدین شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس طرح کا کوئی واقعہ اگر وجود پذیر ہوتا، تو اہلِ ہمم اور اہلِ دواعی اس کے نقل کرنے کا اہتمام کرتے، کیونکہ یہ دو وجہ سے خرقِ عادت کے امور میں سے عظیم ترین واقعہ تھا۔

ایک تو مُردوں کے زندہ ہونے کے اعتبار سے۔

دوسرے موت کے بعد ایمان لانے کے اعتبار سے۔

پس اس طرح کے واقعہ کا نقل کرنا، دوسرے واقعات کے مقابلے میں نقل کرنے کا زیادہ مستحق تھا، پس جب ثقات میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا، تو اس سے اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا۔

اور خطیب بغدادی کی اپنی کتاب ''السابق واللاحق '' کا مقصود یہ ہے کہ وہ ایک ہی شخص کے بارے میں محدثین کے مقدم ومؤخر واقعات کو ذکر کریں، خواہ وہ اس کو سچا سمجھتے ہوں، یا جھوٹا سمجھتے ہوں۔

جبکہ ابنِ شاہین کھری، کھوٹی سب طرح کی مرویات کو روایت کردیتے ہیں۔

اور سہیلی نے جو یہ بات ذکر کی ہے، تو اس کی سند میں مجاہیل راوی پائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ مذکورہ حدیث، کتابُ اللہ، سنتِ صحیحہ اور اجماع کے بھی خلاف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ نساء میں) ارشاد ہے کہ:

''إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ''

پس اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہوجائے، اس کے لیے توبہ نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ غافر میں) ارشاد ہے کہ:

''فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ ''

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دے دی کہ اپنے بندوں کے متعلق اللہ کی سنت وعادت یہ ہے کہ رؤیتِ بأس (یعنی نزع) کے وقت میں ایمان نفع نہیں دیتا۔ پھر موت کے بعد کیسے نفع دے گا؟

اس طرح کی اور بھی نصوص ہیں۔

اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا والد کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا والد جہنم میں ہے، پھر جب وہ جانے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا والد اور تیرا والد دونوں جہنم میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت دے دی گئی، اور میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت نہیں دی گئی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو (اگرچہ وہ کافر ومشرک کی قبر کیوں نہ ہو) کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

اور مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ماں آپ کی ماں کے ساتھ جہنم میں ہے۔

اگر یہ تاویل کی جائے کہ یہ حدیث تو فتحِ مکہ کے سال سے متعلق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کا واقعہ اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع کا ہے، جیسا کہ اس کا ذکر کرنے والوں نے ذکر کیا ہے، اور اسی تاویل کا ''صاحبُ التذکرۃ'' (یعنی علامہ قرطبی) نے ذکر کیا ہے۔

تو یہ تاویل چند وجوہات کی بناء پر باطل ہے۔

پہلی وجہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ جس خبر کا تعلق گزشتہ، یا آئندہ کے زمانے سے ہوتا ہے، بالخصوص جو خبر، علمِ غیب سے متعلق ہو، اس میں نسخ داخل نہیں ہوتا، جیسا کہ (قرآن مجید کی سورہ لہب میں) ابولہب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ''

(یعنی عنقریب ہم اس (ابولہب) کو لپٹوں والی آگ میں پہنچائیں گے)

اورجیسا کہ ''ولید'' کے بارے میں (قرآن مجید کی سورہ مدثر میں) ہے کہ:

''سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا''

(یعنی عنقریب ہم اس کافر کو مکلّف کریں گے، مشقت والے عذاب کا)

اوراسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ:

''ان ابی و اباک فی النار، و ان امی و امک فی النار''

(یعنی بے شک میرا والد اور تمہارا والد، اور بے شک میری ماں اور تمہاری ماں جہنم میں ہیں) اور یہ خبر اس جہنم کے عذاب سے متعلق نہیں ہے، جس سے جہنم والے کو نکال لیا جائے گا، جیسا کہ اہلِ کبائر، اس لیے کہ اگر یہ بات ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے لیے استغفار جائز ہوتا (اس لیے یہ خبر اہلِ کفر سے متعلق ہے)

اور اگر پہلے سے اللہ کے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کا ایمان لانا ہوتا (خواہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے ہی کیوں نہ ہو) تو اللہ، ان کے لیے استغفار سے منع نہ فرماتا، کیونکہ اعتبار تو خاتموں کا ہوا کرتا ہے (جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں یہ مضمون آیا ہے) اور جو شخص مومن ہونے کی حالت میں فوت ہوجائے، اللہ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے، اور اس کے لیے استغفار ممنوع نہیں ہوتا (لہٰذا استغفار کا ممنوع ہونا کفر ہی کی بناء پر ہے)

اور دوسری وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی، جو کہ مکہ کے فتح ہونے کے سال کے وقت میں آپ کے راستہ

میں ''حجون'' میں واقع تھی، جہاں تک آپ کے والد کا تعلق ہے، تو وہ قبر وہاں پر نہیں ہے، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زیارت کی، اس لیے کہ آپ کے والد شام میں مدفون ہیں (یا مدینہ میں مدفون ہیں، کما فی روایۃ الأخریٰ) جو اِس راستہ کے علاوہ میں ہے، تو یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (مقامِ حجون میں) آپ کے والد کو زندہ کیا گیا۔

اور تیسری وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ اگر اس طرح سے مومن ہوتے کہ ان کا ایمان نفع بخش ہوتا، تو وہ اپنے چچا حمزہ اور عباس کے ذکر کے مقابلہ میں زیادہ شہرت کے مستحق ہوتے (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے مقابلہ میں والدین کا ذکر زیادہ اہم ہے) اور یہ اس سے بھی زیادہ بعید بات ہے، جس کو جاہل رافضیوں وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ ابوطالب ایمان لے آئے تھے، اور وہ اس کی دلیل، سیرت کی اس ضعیف حدیث سے پکڑتے ہیں، جس میں یہ بات آئی ہے کہ ابوطالب نے موت کے وقت میں خاموشی سے کوئی کلام کیا۔

اور اگر حضرت عباس یہ ذکر کرتے کہ وہ ایمان لے آئے تھے، جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہا کہ آپ کے چچا بزرگ گمراہ کو آپ نے کس چیز کا نفع پہنچایا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے انہیں جہنم میں غوطہ کھاتے ہوئے دیکھا تھا، میں نے ان کی شفاعت کی، یہاں تک کہ وہ جہنم کے اس عذاب میں مبتلا کردیئے گئے کہ ان کے پیروں میں دو آگ کے جوتے ہیں، جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے، اور اگر میں نہ ہوتا، تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

تو (رافضیوں کی) یہ بات صحیح اور غیر صحیح حدیث کے مخالف ہے، کیونکہ ابو طالب کا آخری جملہ یہ تھا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں، اور حضرت عباس ان کی موت کے وقت موجود نہیں تھے، اور اگر اس کے باوجود ان کی بات صحیح ہوتی، تو ابو طالب، حمزہ اور عباس کے مقابلے میں شہرت کے زیادہ مستحق ہوتے (کیونکہ ابو طالب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ ہمدردی تھی) پس جب امت کے درمیان متواتر اور مستفیض علم، سلف سے خلف تک یہ پہنچا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب اور اپنے والدین کے بارے میں مومنین میں سے ہونے کا کوئی جملہ ذکر نہیں کیا، جیسا کہ حضرت حمزہ اور عباس اور علی اور فاطمہ اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ذکر کیا، تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہوگی کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

اور چوتھی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ ممتحنہ میں) ارشاد ہے کہ:

''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ (الیٰ قولہ)لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ''

اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ توبہ میں) ارشاد ہے کہ:

''وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ''

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا، سوائے ابراہیم کے اپنے باپ کے لیے استغفار

کرنے کے وعدہ میں، اور اس بات کی بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ جب حضرت ابراہیم کو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر و مشرک) ہے، تو انہوں نے اپنے باپ سے برائت ظاہر کردی۔ واللہ اعلم (مجموعُ الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ مدلل فتوے سے مسئلہ صاف ہوگیا اور کئی شبہات کا ازالہ بھی ہوگیا۔

علامہ ابنِ حجر کے شاگرد، شہابُ الدین رملی شافعی (المتوفیٰ: 957ھ) کے فتاویٰ میں اس مسئلہ سے متعلق ایک سوال کا تفصیلی جواب مذکور ہے، اور اس میں اہل السنۃ والجماعۃ اور معتبر احادیث کے خلاف قول کرنے والوں کے متعلق سخت موقف اختیار کیا گیا ہے۔

جس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''سوال کیا گیا کہ: جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، یا انبیاء کے آباء میں سے کوئی بھی کافر نہیں تھا، اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کے ''کافر'' ہونے کا انکار کرے، اور وہ یہ کہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے ''چچا'' تھے، والد نہیں تھے، تو کیا وہ مصیب ہے، یا مخطی ہے؟

تو علامہ رملی نے اس کا جواب یہ دیا کہ: شخصِ مذکور، اس قول میں مخطی اور غلطی کا مرتکب ہے، جس میں وہ شیعہ کی رائے کی اتباع کرنے والا ہے، اور یہ رائے قرآن مجید اور سنتِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے، اور اہلِ سنت وغیرہ کے بھی خلاف ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی مختلف آیات میں، ابراہیم علیہ السلام کے والد ''آزر'' کے کافر ہونے کی صراحت ہے۔

اور سوال میں مذکور قائل کا یہ قول کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، یہ

''مردود'' ہے، کیونکہ لفظ کو اپنی حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنا، دلیل کے بغیر جائز نہیں، اوراس کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اورائمۂ تفسیر اوراہلِ سنت وغیرہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر تھے۔

اورابراہیم علیہ السلام کے والد کے کفر کے بارے میں کثیراور صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اورعلماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد مسلمان نہیں تھے، بلکہ کافر تھے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، بلکہ آپ کی ولادت سے قبل فوت ہوگئے تھے۔

البتہ اس بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ان کی وفات کے بعد زندہ کیا گیا، اوروہ آپ پر ایمان لائے، یا نہیں؟

ابنِ شاہین وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے احیاءِ اُم کی حدیث ذکر کی ہے، جس کو ذکر کرکے سہیلی نے سند کے مجہول ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اوراس حدیث کو صحیح مسلم کی احادیث کے لیے ناسخ سمجھا گیا ہے۔

لیکن اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ومن گھڑت ہے، جس کی قرآن مجید سے تردید ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں کفر کی حالت میں فوت ہونے والوں کے لیے دائمی عذاب کا ذکر ہے، تو جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہوگیا، تو اس کو لوٹنے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے گا۔

نیز قرآن مجید کی آیت ''**ولا تسئل عن اصحاب الجحیم**'' کے بارے میں بھی تفسیر میں آپ کے والدین کا ذکر آیا ہے۔

اس بات کا ذکر حافظ ابوالخطاب محمد بن دحیہ نے کیا ہے۔

لیکن قرطبی نے اس کی تردید کی ہے۔

اور حافظ شمس الدین بن ناصر دمشقی کی طرف ''احیاءِ ابوین'' کے اشعار منسوب ہیں۔

اور جب ''احیاءِ ابوین'' اور اس کے بعد ایمان بالنبی کو تسلیم کرلیا جائے گا، تو پھر وہ نیک بخت اور کامیاب لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

اور ابو بکر ابنِ عربی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو **معذب فی النار** قرار دینے والے کے بارے میں ملعون ہونے کی نسبت کی گئی ہے (لیکن یہ بات درست نہیں، کیونکہ صحیح احادیث سے کفر ثابت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کافر ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اور دوبارہ زندہ کیے جانے میں اختلاف ہے، لیکن اس کا ثبوت صحیح سند سے نہیں پایا جاتا)

اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو بعثت سے قبل فوت ہو گئے، اور بعثت سے قبل فوت ہونے والے کے لیے عذاب نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**''

تو اس استدلال کرنے والے کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اس آیت سے دلیل پکڑنا جائز نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا جو زمانہ ہے، وہ فترۃ کا زمانہ نہیں، کیونکہ اس زمانے میں برابر لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد مشرک تھے، جو بتوں کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت پائی جاتی تھی۔

جہاں تک بعض حضرات کا سورہ شعراء کی آیت ''**وتقلبک فی الساجدین**'' سے استدلال کا تعلق ہے، تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ اس کی دوسری تفسیریں مروی ہیں۔

اور ''لم أزل أنقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات'' سے مراد نسب کا پاکیزہ ہونا ہے (نہ کہ کفر سے پاک ہونا)

اور ابراہیم علیہ السلام کا آزر کو سخت کلمات کہنا، والد کے مقام کے منافی نہیں، کیونکہ انہوں نے جب کفر پر اصرار کیا، تو وہ سختی کے مستحق ہوگئے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے قریبی عزیز کافر حربی کو قتل کرنا جائز ہے (اور قتل کرنے میں الفاظ سے بھی زیادہ سختی پائی جاتی ہے)

بہرحال سوال میں جس قائل کا ذکر کیا گیا ہے، اس پر اپنے مذکورہ اس قول سے رجوع کرنا واجب ہے، جو اہلِ بدعت کے موافق ہے، اور اہلِ حق کے اس اعتقاد کو اختیار کرنا، ضروری ہے، جس پر سلف اور خلف کا اتفاق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے تہتر (73) فرقے ہوجائیں گے، جو سب ''ناری'' ہوں گے، سوائے ایک فرقہ کے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔

اور اس بات میں شک نہیں کہ فرقۂ شیعہ، بہتر (72) فرقوں میں سے ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، جس کو تم مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نئی باتوں کے اختراع کرنے سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

نیز (حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا) ارشاد ہے کہ سنت پر اکتفاء کرنا، بدعت میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین بات، کتابُ اللہ کی ہے، اور بہترین طریقہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور تمام امور میں بدترین امور، محدثات و بدعات ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں، ایک عالم کی لغزش کا، دوسرے اتباع کی جانے والی خواہش کا، اور تیسرے ظالمانہ فیصلے کا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ ہر صاحبِ بدعت کی توبہ کو روکے رکھتا ہے، جب تک کہ وہ بدعت کو نہ چھوڑ دے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے تم کو سفید حالت میں چھوڑا ہے، جس کی رات اس کے دن کے مثل ہے، اس سے صرف ہلاک ہونے والا ہی گمراہ ہوسکتا ہے'' ۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (سئل) عمن قال لا أحد من آباء رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أو آباء الأنبياء – عليهم الصلاة والسلام – كان كافرا، وأنكر أن يقال أن والد إبراهيم كان كافرا وذكر أن آزر كان عمه وما كان أباه هل هو مصيب أو مخطء؟

(فأجاب) بأن القائل المذكور مخطء فى قوله متبع فيه رأى الشيعة وهو مخالف للكتاب العزيز والسنة الصحيحة ولما عليه أهل السنة وغيرهم .

أما الكتاب العزيز فلقوله"وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر أتتخذ أصناما آلهة إنى أراک وقومک فى ضلال مبين"وقوله "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه "وقوله "واذكر فى الكتاب إبراهيم إنه كان صديقا نبيا .إذ قال لأبيه يا أبت لم تعبد ما لا يسمع ولا يبصر ولا يغنى عنک شيئا"

وأما قول القائل المذكور: إن آزر كان عم إبراهيم وما كان أباه فمردود؛ لأنه لا يجوز صرف اللفظ عن حقيقته إلى مجازه إلا بدليل ولا دليل له فيه وقد اتفقت أئمة التفسير، وأهل السنة وغيرهم على أن أبا إبراهيم كان كافرا.

وإنما اختلفوا فى اسمه فقال محمد بن إسحاق والضحاک والكلبى وسعيد بن عبد العزيز اسم أبى إبراهيم آزر وهو تارح مثل إسرائيل ويعقوب .

وروى عن ابن عباس أن اسمه آزر وروى عنه أيضا أن اسمه تارح وقال كثير من المفسرين إن أبا إبراهيم اسمه بالسريانية تارح وبغيرها آزر وقال مقاتل وغيره: آزر لقب لأبى إبراهيم وقال الثعلبى فى كتاب العرائس إن اسم أبى إبراهيم الذى سماه أبوه تارح فلما صار مع النمرود قيما على خزائنه البهية سماه آزر وقال مجاهد والسدى فى أحد قوليه وغيرهما: آزر اسم للصنم .

والأحاديث الصحيحة الواردة بكفر أبى إبراهيم كثيرة.

وأخرج أبو نعيم والديلمى عن أنس – رضى الله عنه – قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''شرحُ العقائد العضدية ''اور'' شرح تهذيب المنطق '' کے مصنف جلالُ الدین محمد بن اسعد دوانی (المتوفیٰ: 918ھ) ''الحججُ الباهرة'' میں فرماتے ہیں کہ:

ومنها إعابتهم قول السنية بكفر أبوى النبى – صلى اللّٰه عليه وسلم –.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حق الوالد على ولده أن لا يسميه إلا بما سمى إبراهيم به أباه حيث قال يا أبت ولا يسميه باسمه وقال السدى دخل آزر فوجد امرأته قد طهرت من الحيض فواقعها فحملت بإبراهيم وقال أيضا خرج نمرود بالرجال إلى العسكر ونحاهم عن النساء تخوفا من ذلك المولود فمكث بذلك ما شاء الله ثم طرأت له حاجة فى المدينة فلم يأتمن عليها أحدا من قومه إلا آزر فبعث إليه ودعاه وقال له إن لى حاجة أختار أن أوصيك بها ولا أبعثك فيها إلا لثقتى بك فأقسمت عليك أن لا تدنو من أهلك فقال آزر أنا أشح على دينى من ذلك فأوصاه بحاجته فدخل المدينة ثم قضى حاجته وقال لو دخلت على أهلى فنظرت إليهم فدخل فلما نظر إلى أم إبراهيم لم يتمالك نفسه حتى واقعها فحملت بإبراهيم وقال محمد بن إسحاق: إن آزر سأل زوجته عن حملها بعد ولادتها ما فعل فقالت ولدت غلاما فمات فصدقها وسكت عنها.

وقد اتفق العلماء على أن والد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – لم يكن مسلما بل كافرا؛ لأنه مات قبل بعثته – صلى الله عليه وسلم – بل قبل ولادته.

وإنما اختلفوا فى أن الله أحيا أبويه – صلى الله عليه وسلم – بعد موتهما وآمنا به أو لا؟

فقد أخرج أبو بكر الخطيب فى كتاب السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين فى كتاب الناسخ والمنسوخ له بإسناديهما عن عائشة – رضى الله عنها – قالت حج بنا رسول الله – صلى الله عليه وسلم – حجة الوداع فمر بى على عقبة الحجون وهو باك حزين مغتم فبكيت لبكاء رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ثم إنه طعن فنزل فقال يا حميراء استمسكى فاستندت إلى جنب البعير فمكث عنى طويلا مليا ثم إنه عاد إلى وهو فرح مبتسم فقلت له بأبى أنت وأمى يا رسول الله نزلت من عندى، وأنت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك يا رسول الله ثم إنك عدت إلى، وأنت فرح تبتسم فعم ذا يا رسول الله فقال ذهبت لقبر أمى آمنة فسألت الله ربى أن يحييها فأحياها فآمنت بى أو قال فآمنت وردها الله عز وجل.

وقد ذكر نسبه قال مجهول السهيلى فى الروض الأنف إن الله تعالى أحيا له أباه وأمه وآمنا به .

وهذا ناسخ لما فى صحيح مسلم عن أنس أن رجلا قال يا رسول الله أين أبى فقال فى النار فلما ولى دعاه قال إن أبى، وأباك فى النار .وحديث مسلمة بن بريد الجعفى وفيه فلما رأى ما دخل على قال وأمى مع أمك .

وقد قيل إن الحديث فى إيمان أبيه وأمه ،موضوع يرده القرآن العظيم قال تعالى "ولا الذين يموتون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وذلک نقل حق لا إعابة علی أهل السنة لوجوه:

الأول أن نص القرآن والأحادیث والتواریخ عن مجموع الکفار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهم کفار" وقال عز من قائل "فیمت وهو کافر" فمن مات کافرا لم ینفعه الإیمان بعد الرجعة بل لو آمن عند المعاینة لم ینفعه فکیف بعد الإعادة .

وفی التفسیر أنه – علیه الصلاة والسلام – قال لیت شعری ما فعل أبوای فنزل قوله تعالی "ولا تسأل عن أصحاب الجحیم"

وقد ذکره الحافظ أبو الخطاب محمد بن دحیة.

قال القرطبی: وفیه نظر، وذلک أن فضائل النبی – صلی الله علیه وسلم – وخصائصه لم تزل تتوالی وتتتابع إلی حین مماته فیکون هذا مما فضله الله تعالی، وأکرمه به ولیس إحیاؤهما، وإیمانهما به یمتنع عقلا ولا شرعا فقد ورد فی الکتاب العزیز إحیاء قتیل بنی إسرائیل، وإخباره بقاتله وکان عیسی – علیه الصلاة والسلام – یحیی الموتی وکذلک نبینا – صلی الله علیه وسلم – أحیا الله تعالی علی یدیه جماعة من الموتی فإذا ثبت هذا لم یمنع من إیمانهما بعد موتهما زیادة فی کرامته وفضیلته مع ما ورد من الخبر فی ذلک فیکون ذلک خصوصا فیمن مات کافرا وقوله فمن مات کافرا إلی آخر کلامه مردود لما روی من الخبر أن الله تعالی رد الشمس علی نبیه – صلی الله علیه وسلم – بعد مغیبها ذکره أبو حفص الطحاوی وقال إنه حدیث ثابت فلو لم یکن رجوع الشمس نافعا، وأنه لا یتجدد بتجدد الوقت لما ردها علیه فکذلک یکون إحیاء أبوی النبی – صلی الله علیه وسلم – نافعا لإیمانهما وتصدیقهما بالنبی – صلی الله علیه وسلم – وقد قبل الله تعالی إیمان قوم یونس وتوبتهم مع تلبسهم بالعذاب فیما ذکر فی بعض الأقوال، وهو ظاهر القرآن. وأما الجواب عن الآیة فیکون ذلک قبل إیمانهم وکونهما فی العذاب .اهـ.

وقال الحافظ شمس الدین بن ناصر الدمشقی:

حبا الله النبی مزید فضل ...علی فضل وکان به رئوفا

فأحیا أمه وکذا أباه ...لإیمان به فضلا لطیفا

فسلم فالقدیم بذا قدیر، وإن کان الحدیث به ضعیفا

وحینئذ فقد صاروا من السعداء الفائزین لقوله تعالی "قل للذین کفروا إن ینتهوا یغفر لهم ما قد سلف" وقوله – صلی الله علیه وسلم – الإسلام یجب ما قبله وقوله تعالی "ولسوف یعطیک ربک فترضی"ومن رضاه – صلی الله علیه وسلم – أن لا یدخل أحد من أبویه النار.

وعن عمران بن حصین قال: قال رسول الله – صلی الله علیه وسلم – سألت ربی أن لا یدخل النار أحدا من أهل بیتی فأعطانی ذلک أورده الحافظ محب الدین الطبری فی کتابه ذخائر العقبی.

ولهذا لما سئل القاضی أبو بکر بن العربی أحد أئمة المالکیة عن رجل قال إن أبا النبی – صلی الله علیه وسلم – فی النار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مثل أبی لهب عم النبی – صلی اللّٰہ علیه وسلم – وأبی جهل ومن أسلم منهم مثل أبی سفیان وغیرهم أن محمد سفه ما كان آباؤنا علیه من عبادة الأصنام ونحن لا نرغب عن ملة عبد المطلب.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأجاب بأن من قال إن أبا النبی – صلی الله علیه وسلم – فی النار فهو ملعون لقوله تعالی ''إن الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة''قال ولا أعظم من أن یقال عن أبیه إنه فی النار .

فإن قیل فی الاستدلال علی كونهما لم یكونا كافرین أنهما ماتا قبل البعثة ولا تعذیب قبلها لقوله ''وما كنا معذبین حتی نبعث رسول''وقد أطبقت أئمة الأشعریة من أهل الكلام والأصول والشافعیة والفقهاء علی أن من مات ولم تبلغه الدعوة یموت ناجیا، وأنه لا یقاتل حتی یدعی إلی الإسلام؟

فالجواب أنه لا تمسک لهذا القائل بهذه الآیة فإن معنی ''وما كنا معذبین حتی نبعث رسولا''یبین الحجج ویمهد الشرائع فمدلولها أن الله تعالی لا یعذب أحدا قبل ورود الشرع ببعثه أحدا من رسله ویسمی ذلک الزمن زمن الفترة فالزمن الذی بین بعثة عیسی وبعثة نبینا – صلی الله علیه وسلم – لیس زمن فترة؛ لأن الناس لم یزالوا متعبدین بشریعة عیسی – صلی الله علیه وسلم – حتی نسخت بشریعة نبینا – صلی الله علیه وسلم –، وأبوه – صلی الله علیه وسلم – كان من المشركین الذین یعبدون الأصنام حال تعبدهم بشریعة عیسی – صلی الله علیه وسلم – ولهذا قال أئمتنا من دخل آباؤه فی دین الیهودیة بعد بعثة عیسی – صلی الله علیه وسلم – لم یقر بالجزیة؛ لأنهم تمسكوا بدین باطل وسقطت فضیلة.

وقال شیخ الإسلام ابن حجر فی كتاب الإصابة: وبحیراء الراهب الذی بشر بالنبی – صلی الله علیه وسلم – ما أدری أدرک البعثة أم لا وقد ذكره ابن منده، وأبو نعیم فی كتابیهما فی الصحابة وبالجملة فقد مات علی دین النصرانیة قبل نسخه بالبعثة المحمدیة.

فأما قوله تعالی ''الذی یراک حین تقوم.وتقلبک فی الساجدین' فمعناه أنه لما فرض قیام اللیل طاف رسول الله – صلی الله علیه وسلم – علی بیوت الصحابة لینظر ماذا یصنعون لشدة حرصه علی ما یظهر منهم من الطاعات فوجدها كبیوت الزنانیر لكثرة ما سمع من قرائتهم وتسبیحهم وتهلیلهم فالمراد من قوله''وتقلبک فی الساجدین ''طوافه – صلی الله علیه وسلم – علی الساجدین أو أن معناه أنه – صلی الله علیه وسلم – بالجماعة فتقلبه فی الساجدین كونه فیما بینهم ومختلطا بهم حال القیام والركوع والسجود أو أن معناه أنه لا یخفی حالک علی الله تعالی كلما قمت وتقلبت فی الساجدین أی معهم فی الاشتغال بأمور الدین أو أن معناه تقلب بصره فیمن یصلی خلفه بدلیل قوله – علیه الصلاة والسلام – أتموا الركوع والسجود فإنی أراكم من وراء ظهری .

وأما قرائة ابن عباس – رضی الله عنهما – والزهری وابن محیصن قوله تعالی ''لقد جاء كم رسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الثانی: أن اللّٰه تعالی یقول لمن عرف الإسلام به:''ما کنت تدری ما الکتاب ولا الإیمان''فمن أین جاء الإیمان لأبویه؟

الثالث: أن الرافضة یزعمون أن علیا رضی اللّٰه عنه رمی أصنام قریش عن الکعبة، وعبد المطلب وعبد اللّٰه من رؤسائهم، فأی شیء أخرهما عن عبادتها؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من أنفسکم" بفتح الفاء فمعناه من أشرفکم، وأفضلکم، وأعزکم نسبا کما فی الحدیث الصحیح فی سؤال هرقل لأبی سفیان قال کان أول ما سألنی عنه أن قال کیف نسبه فیکم؟ قلت هو فینا ذو نسب قال هرقل وکذلک تبعث الرسل فی نسب من قومها .

وأما قوله – صلی الله علیه وسلم – لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرین إلی أرحام الطاهرات فمعناه لم یقع فی نسبه – صلی الله علیه وسلم – ما کان سفاحا فقد قال الکلبی کتبت للنبی – صلی الله علیه وسلم – خمسمائة أم فما وجدت فیه سفاحا ولا شیئا مما کانت علیه الجاهلیة .

فإن قیل قوله تعالی "وإذ قال إبراهیم لأبیه آزر "یدل علی أن آزر کان عمه لا أباه؛ لأنه قرء آزر بضم الراء علی النداء وبدء الأب بالاسم الأصلی من أعظم أنواع الإیذاء وقد حکی تعالی عن إبراهیم الحلم فقال "إن إبراهیم لحلیم أواه منیب"وکیف یلیق بالرجل الحلیم مثل هذا الجفاء لأبیه وقال تعالی"وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحسانا"وقال"فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما"

ولما بعث الله تعالی موسی إلی فرعون أمره بالرفق معه فقال"فقولا له قولا لینا"والسبب فیه أن یصیر ذلک رعایة لحق تربیته إیاه فالأب أولی بالرفق.

فالجواب أن أباه لما کان مصرا علی کفره استحق التغلیظ، وأن یخاطب بالغلظة زجرا له عن ذلک القبیح وقد قال فقهاؤنا: یجوز للمسلم قتل قریبه الکافر الحربی لا فرق فیه بین أن یکون محرما له أو غیر محرم، وإن کان مکروها کراهة تنزیه إلا أن یسمعه یسب الله تعالی أو رسوله – صلی الله علیه وسلم – فلا یکره له قتله.

وبالجملة فینبغی لذلک القائل أن یرجع عن قوله المذکور الموافق لأهل البدعة إلی اعتقاد الحق الذی أطبق علیه السلف والخلف، وقد قال – صلی الله علیه وسلم – ستفترق أمتی ثلاثا وسبعین فرقة کلها فی النار إلا واحدة وهی ما أنا علیه وأصحابی .

ولا شک أن الشیعة من الاثنین وسبعین فرقة وقال – صلی الله علیه وسلم – علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم ومحدثات الأمور فإن کل بدعة ضلالة وعن أبی سریج الخزاعی قال خرج علینا رسول الله – صلی الله علیه وسلم – فقال ألیس تشهدون أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له، وأنی رسول الله قالوا بلی قال إن هذا القرآن طرفه بید الله وطرفه بأیدیکم فتمسکوا به فإنکم لن تضلوا ولن تهلکوا بعده أبدا وقال – صلی الله علیه وسلم –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قالوا: نقل من الأصلاب الطاهرة إلى الأرحام الزكية.

قلنا: معناه لم يكن من سفاح بل من عقود أنكحة.

قالوا: كيف يمكن خروج نبی من كافر؟

قلنا: كثير من الأنبياء كذلک، كخروج إبراهيم بن آزر.

قالوا: عمه أو خاله.

قلنا: يكذب ذلک أن اللّٰه تعالى سماه أبوه بقوله تعالى:"وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر"وبقول إبراهيم لآزر:"يا أبت"مرارا كثيرة. وأيضا العم ابن الجد لأب والخال ابن الجد لأم، وحينئذ فيكون جده كافرا، ولا ينتفع الرافضی بشیء من هذه الدعوی .ودليل كفره شهادة عليه كقوله تعالى:"إذ قال لأبيه وقومه ما تعبدون. قالوا نعبد أصناما فنظل لها عاكفين.قال هل يسمعونكم إذ تدعون. أو ينفعونكم أو يضرون.قالوا بل وجدنا آبائنا كذلک يفعلون"وكقوله تعالى:"إذ قال لأبيه وقومه ما هذه التماثيل التی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من تمسک بسنتی عند فساد أمتی فله أجر مائة شهيد وقال – صلى الله عليه وسلم – الاقتصاد فی السنة أحسن من الاجتهاد فی البدعة وقال – صلى الله عليه وسلم – من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد وقال – صلى الله عليه وسلم – أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى سيدنا محمد – صلى الله عليه وسلم – وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة ، وقال – صلى الله عليه وسلم – إنی أخاف على أمتی من ثلاث من زلة عالم ومن هوى متبع ومن حكم جائر وقال – صلى الله عليه وسلم – إن الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته وقال – صلى الله عليه وسلم – لا يقبل الله تعالى لصاحب بدعة صوما ولا حجا ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين .وقال – صلى الله عليه وسلم – لقد تركتكم مثل البيضاء ليلها مثل نهارها لا يزيغ عنها إلا هالک(فتاویٰ الرملی، لشهاب الدين الشافعی الرملی، ج۴ص ۱۳۲۱ الی ۱۳۳۱، باب فی مسائل شتی، من قال لا أحد من آباء رسول الله أو آباء الأنبياء كان كافرا)

أنتم لها عاكفون.قالوا وجدنا آبائنا لها عابدين''
وأيضا فالابن يخلق من ماء الأب، ومن أولاد الأنبياء من كفر، ككعنان بن نوح وابن لقمان، فصار بالأولى جواز نبى من كافر.
قالوا: هو ليس ابنا لنوح لأن اللّٰه تعالى قال:''إنه ليس من أهلک''
قلنا: هذا خطأ من وجهين:
أحدهما أن نوحا عليه السلام ذكر شيئين أحدهما''إن ابنى''الثانى قوله ''من أهلى''فصدقه اللّٰه تعالى فى البنوة بإعادته سبحانه الضمير إليه ونفى الأهلية عنه: إن ابنک ليس محسوبا من أهلک الذين استوجبوا النجاة لكفره .ولو لم يكن ابنا لقال له: ليس ابنک، لأنه كان يكون أوضح فى العبارة وفى قطع الحجة.
الآخر أنه لو لم يكن ابنا له لكانت زوجته زانية، وأجل اللّٰه الأنبياء أن يكون أحد منهم زوج زانية .وأما قوله تعالى عنها وعن امرأة لوط:''فخانتاهما''هو فى الدين،لا فى الفراش(الحجج الباهرة فى إفحام الطائفة الكافرة الفاجرة،ص ۳۱۲ الى ۳۱۵،الفصل الخامس فيما ذكروه من مثالب الخلفاء الثلاثة ،ما ذكروه فى أهل السنة،كفر أبوى النبى)

ترجمہ: اورانہی میں سے ایک چیز، روافض کا سنیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر والے قول پر عیب لگانا ہے، حالانکہ یہ ''نقلِ حق'' ہے، اور اہلِ سنت پر چندوجوہات کی بناء پر، روافض کی طرف سے یہ عیب لگانا درست نہیں ہے۔
پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن اور احادیث اور تواریخ میں مجموعی طور پر کفار، مثلاً ابولہب، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، اور ابوجہل ، اور ان میں سے جو اسلام لے آئے، جیسا کہ ابوسفیان وغیرہ کی طرف سے اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے کو ''سفاہت وحماقت'' قرار دیا ہے، جس پر

ہمارے آباء واجداد تھے، یعنی بتوں کی عبادت کا طریقہ، اور ہم عبدالمطلب کے مذہب سے اعراض نہیں کریں گے (یعنی اس دور کے بڑے بڑے کافروں اور متعدد آلِ عبدالمطلب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدالمطلب کے اس مذہب سے منحرف قرار دیا، جو بت پرستی پر مشتمل تھا، اور ان چیزوں کی قرآن وسنت اور تاریخ میں صاف طور پر صراحت موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ عبدالمطلب کا دین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے توحید پر مشتمل دین کے خلاف تھا)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسلام کی معرفت رکھنے والے کے بارے میں ارشاد ہے کہ ''ما كنت تدرى ماالكتاب و لا الايمان ''تو آپ کے والدین کے لیے ایمان کہاں سے آ گیا؟

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعبہ سے قریش کے بتوں کو نکال کر پھینک دیا تھا، اور عبدالمطلب اور عبداللہ بن عبد المطلب ان کے سرداروں میں سے تھے، پس انہیں اِن بتوں کی عبادت سے کس چیز نے مؤخر کیا؟

روافض یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوئے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زنا سے منتقل نہیں ہوئے، بلکہ عقدِ نکاح سے منتقل ہوئے (لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب، ہر قسم کے خلط والتباس سے، بالکل پاک اور صاف ہے)

روافض کہتے ہیں کہ نبی کا کسی کافر سے خروج کیسے ممکن ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بہت سے انبیاء اسی طرح سے تھے، جیسا کہ ابراہیم بن آزر کا خروج (کافر سے ہوا)

روافض کہتے ہیں کہ ''آزر'' دراصل حضرت ابراہیم کے چچا، یا ماموں تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے آزر کو حضرت ابراہیم کے والد کا نام قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''واذ قال ابراھیم لابیه آزر ''اور حضرت ابراہیم کا ''آزر'' کو بار بار کثرت سے ''اپنا والد'' فرمانا بھی اس کی دلیل ہے، نیز ''چچا'' باپ کی طرف سے دادا کا بیٹا ہوتا ہے، اور ''ماموں'' ماں کی طرف سے نانا کا بیٹا ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی ''نبی کے دادا'' کافر شمار ہوں گے، پس رافضی کو یہ دعویٰ کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اور حضرت ابراہیم کے والد کے کافر ہونے کی دلیل خود اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت ہے کہ ''إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ. قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ. قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ. أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ. قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَائَنَا كَذَالِكَ يَفْعَلُونَ ''اور اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت ''إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ. قَالُوا وَجَدْنَا آبَائَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ''

نیز بیٹا، والد کے پانی سے تخلیق پاتا ہے، اور انبیاء کی اولاد میں کفر ہوتا ہے، جیسا کہ ''کعنان بن نوح'' اور ''ابنِ لقمان'' پس یہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہے کہ نبی، کافر سے تخلیق پائے (مطلب یہ ہے کہ جب بذاتِ خود نبی کے پانی سے کافر کا خروج ممکن ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کا، تو نبی کا، کافر سے خروج بدرجۂ اولیٰ ممکن ہے، اور اس میں کوئی عیب والی اور ناممکن بات نہیں)

روافض کہتے ہیں کہ وہ نوح علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''انه لیس من اھلک''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ کہنا دو وجہ سے غلط ہے:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے، ایک تو یہ کہ ''ان ابنی'' دوسرے یہ کہ ''من اھلی'' تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے ہونے کی تو تصدیق فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے (''انه'' کی) ضمیر کو اسی کی طرف لوٹایا، لیکن آپ کے اہل ہونے کی نفی کی کہ آپ کا بیٹا، آپ کے ان گھر والوں میں شمار نہیں ہوتا، جنہوں نے کفر کو، نجات کا مستحق سمجھ لیا ہے، اور اگر وہ بیٹا نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ ''لیس ابنک'' کیونکہ یہ دلیل کے قاطع ہونے میں زیادہ واضح عبارت ہوتی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ نوح علیہ السلام کا بیٹا نہ ہوتا، تو نعوذ باللہ ان کی زوجہ ''زانیہ'' ہوتی، اور اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو اس سے پاک رکھا ہے کہ ان میں سے کوئی زانیہ کا شوہر ہو، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق اس قول کا تعلق ہے کہ ''فخانتاھما'' تو یہ ''دین'' سے متعلق بات ہے ''فراش و عفت'' سے متعلق بات نہیں (الحججُ الباھرۃ)

مذکورہ عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ اہل السنۃ اور اہلِ روافض کا اختلاف اور موقف کیا ہے۔

عظیم مفسر اور اصولی عالم اور اپنے وقت کے عظیم صوفی محمد بن علی بن عبداللہ یمنی شافعی (المتوفیٰ: 825ھ) جو ''ابنِ نورالدین'' اور ''موزعی'' کے نام سے معروف ہیں، وہ اپنی تالیف ''تیسیرُ البیان لأحکام القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ:

قوله عز وجل: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم"

منع الله سبحانه نبيه – صلى الله عليه وسلم – من الاستغفار للمشركين إذا ماتوا على شركهم؛ لأنه وقت التبين لهم أنهم من

أصحاب الجحيم.

ومفهوم الآية يدل على أنه يجوز أن يستغفر لهم قبل التبين، ولا خفاء في جوازه؛ إذ الغفران لهم يستلزم إسلامهم، وقد قال النبي – صلى الله عليه وسلم – يوم أحد حين شج وكسرت رباعيته: "اللهم اغفر لقومي؛ فإنهم لا يعلمون"، إلا أن يقصد بالدعاء غفران كفرهم مع الاستمرار عليه، فهذا غير جائز إجماعا.

*إذا علمت هذا، علمت أن قول من قال: إن الله سبحانه بعث للنبي – صلى الله عليه وسلم – أبويه، فآمنا به، ثم ماتا على الإيمان، غلو في الدين بغير الحق مؤد إلى الكفر والضلال، فمن ظن، أو شك أن من مات على الكفر يدخل الجنة، فقد كفر، ونعوذ بالله من قول يؤدي إلى ضلال .

ألم ير هذا القائل إلى قول النبي – صلى الله عليه وسلم –: " إن أبي وأباك في النار "، وقوله في أمه: " استأذنت ربي أن أستغفر لها، فلم يأذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها، فأذن لي"، أو كما قال، فالله سبحانه أن يفعل في خلقه ما يشاء، ويقضي فيهم ما يريد، وإن كان نبيه – صلى الله عليه وسلم – كريما عنده، وعزيزا لديه، فلا يسأل عما يفعل، وهم يسألون (تيسير البيان لأحكام القرآن، ج٣، ص ٣٨١، ٣٨٢، سورة التوبة، الناشر: دار النوادر، سوريا. الطبعة الأولى، 1433هـ – 2012م)

ترجمہ: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ''ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربىٰ من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم''

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، مشرکین کے لیے استغفار سے منع فرمادیا، جبکہ وہ شرک کی حالت میں فوت ہوجائیں، کیونکہ یہ ان کے ''**اصحابُ الجحیم**'' میں سے ہونے کا ''**وقتِ تبین**'' ہے۔

اور آیت کا مفہومِ مخالف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''**تبین**'' سے پہلے ان کے لیے استغفار جائز ہے، جس کے جواز میں خفا نہیں، کیونکہ ان کے لیے مغفرت، ان کے اسلام کو مستلزم ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن، جب آپ کو زخمی کیا گیا، اور آپ کے دندانِ مبارک شہید کیے گئے، یہ فرمایا کہ ''اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرمادیجیے، کیونکہ وہ علم نہیں رکھتے''

اِلَّا یہ کہ اس دعاء سے اُن کے کفر پر قائم رہنے کے باوجود مغفرت مقصود ہو، تو یہ بالاجماع جائز نہیں۔

جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی، تو آپ نے یہ بات بھی جان لی کہ جس نے یہ قول کیا کہ ''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، آپ کے والدین کو زندہ کیا، پھر وہ آپ پر ایمان لائے، پھر وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوگئے'' تو یہ دین میں ناحق غلو ہے، جو کفر اور گمراہی تک پہنچانے کا سبب ہے، کیونکہ جس نے (بغیر معتبر دلیل کے) یہ گمان کیا، یا اس میں شک کیا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہوگیا، وہ جنت میں داخل ہوگا، تو اس نے کفر کیا، اور ہم اللہ کے ذریعے ایسے قول سے پناہ طلب کرتے ہیں، جو گمراہی کی طرف پہنچانے کا سبب ہو۔

کیا اس قائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو نہیں دیکھا کہ ''**إن أبی وأباک فی النار**'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کے بارے میں اس قول کو نہیں دیکھا کہ ''**استأذنت ربی أن أستغفر لھا، فلم یأذن لی،**

واستأذنته في أن أزور قبرها، فأذن لي''

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنی مخلوق میں حسبِ مشیئت تصرف کرنے کا اور حسبِ ارادہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے نزدیک مکرم ہیں، اور نہایت محبوب ہیں، لیکن اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ ''فلا يسأل عما يفعل وهم يسألون'' (تیسیرُ البیان لأحکام القرآن)

ابوشکیب محمد تقی الدین ہلالی (المتوفیٰ: 1407ھ) ''الهدية الهادية إلى الطائفة التجانية'' میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد مومن تھے، اور ''آزر'' حضرت ابراہیم کے چچا تھے، اور اگر وہ ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد ہوتے، تو باپ کے بعد آزر کا ذکر نہ کیا جاتا، بلکہ باپ کا ذکر کافی ہوتا، جس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آخری عمر میں اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا؟

یہ بات درست نہیں، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ''ان ابی و اباک فی النار'' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تھی، جس کی آپ کو اجازت نہیں ملی تھی، اور آپ اس پر روئے تھے۔

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، تو یہ دعویٰ باطل ہے، اور اس طرح کا دعویٰ کسی معصوم ذات کی طرف سے دلیل ہونے پر ہی قبول کیا جاسکتا ہے، اور جو انہوں نے باپ کے بعد ''آزر'' کے ذکر سے استدلال کیا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے سورہ بقرہ میں اس قول کی وجہ سے ساقط ہے کہ ''قالوا نعبد إلٰهک وإلٰه آبائک إبراهيم وإسماعيل وإسحاق '' اللہ تعالیٰ نے والد کے ذکر بعد ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''واتبعت ملة آبائي

إبراهيم وإسحاق ويعقوب ''اس میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے والد کے ذکر کے بعد حضرت یعقوب کا ذکر فرمایا، اور الفاظ کی دلالتوں کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ انہی معانی پر دلالت کرتے ہیں، جن کے لیے انہیں وضع کیا گیا ہے، جن سے کسی قرینے کے بغیر نہیں ہٹا جا سکتا، اور تفسیر جلالین میں ہے کہ ''آزر'' لقب ہے، اور ''تارح'' نام ہے۔

بعضوں نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔

اور جو مذکورہ حضرات کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، تو میں نے مفسرین میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور ''آزر'' کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہنا، اسی وقت جائز ہوتا، جبکہ نبی علیہ السلام سے یہ بات صحیح طور پر ثابت ہوتی، ورنہ یہ قرآن کی تکذیب کہلائے گی، پس جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، آدم علیہ السلام تک مومن تھے، وہ باطل ہو گیا، اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، تو اس کا جواب، سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے کہ ''**وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه**''

اور ایسے دعوے کہ جن پر دلائل قائم نہ کیے جائیں، تو وہ مصنوعی دعوے سازوں کا کام ہے''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] المسألة التاسعة :ادعاؤهم أن آباء النبى صلى الله عليه وسلم إلى آدم كلهم مؤمنون وفى (ص 153 ج 1) ما نصه :وسألته رضى الله عنه هل فى أجداده عليه الصلاة والسلام من ليس بمؤمن كما يفهم من جهال أهل السير، فأجاب رضى الله عنه بقوله اعلم أن أجداده صلى الله عليه وسلم كلهم مؤمنون من أبيه عليه السلام إلى سيدنا آدم عليه السلام، فقال له السائل :ما معنى قوه تعالى :وإذا قال إبراهيم لأبيه آزر؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورصلاح عبدالفتاح خالدی ''تصویبات فی فهم بعض الآیات'' میں فرماتے ہیں کہ:
''بعض مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے ومقام میں غلو کرتے ہیں، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجے سے باہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأجاب رضی الله عنه بقوله أن آزر هو عمه، ولو کان أباه أصلیا ما ذکر آزر بعد أبیه، یکفیه الأب ویدل علی هذا استغفاره لوالدیه فی آخر عمره اهـ .

قال محمد تقی الدین تقدم حدیث مسلم أن أبی وأباک فی النار، وحدیث استئذان النبی صلی الله علیه وسلم ربه فی زیارة قبر أمه فأذن له واستئذانه فی الاستغفار لها فلم یأذن له فبکی.

أما ادعاؤهم أن آزر إنما هو عم إبراهیم فهی دعوی باطلة لا تقبل إلا بدلیل عن المعصوم، وما استدلوا به من ذکر آزر بعد الأب ساقط لقوله تعالی فی سورة البقرة :(قالوا نعبد إلهک وإله آبائک إبراهیم وإسماعیل وإسحاق) فقد ذکر الله تعالی اسم إبراهیم بعد ذکر أبوته لیعقوب وقال تعالی فی سورة یوسف حکایة عنه علیه السلام :(واتبعت ملة آبائی إبراهیم وإسحاق ویعقوب) فذکر سبحانه یعقوب بعد ذکر أبوته لیوسف، والأصل فی دلالات الألفاظ أن تدل علی ما وضعت له ولا تصرف عنه إلا بقرینة، وفی تفسیر الجلالین مع حاشیته ما نصه واذکر (وإذ قال إبراهیم لأبیه آزر) هو لقبه واسمه تارح (اتتخذ أصناما آلهة) تعبدها استفهام توبیخ (انی أراک وقومک باتخاذها (فی ضلال مبین)

اختلف العلماء فی لفظة آزر فقال مجاهد آزر اسم أبی إبراهیم وهو تارح ضبطه بعضهم بالحاء المهملة وبعضهم بالحاء المعجمة وقال البخاری فی تاریخه الکبیر إبراهیم بن آزر وهو فی التوراة تارخ فعلی هذا یکون لأبی إبراهیم اسمان آزر وتارخ مثل یعقوب وإسرائیل اسمان لرجل واحد فیحتمل أن یکون اسمه آزر، وتارخ لقبه له، أو بالعکس فالله سماه آزر، وإن کان عند النسابین والمؤرخین اسمه تارخ لیعرف بذلک وکان آزر أبو إبراهیم من کوثی، وهی قریة من سواد الکوفة اهـ.

وما رأیت أحدا من المفسرین ذکر ما ادعاه التجانیون من أن آزر عم إبراهیم فأهل الکتاب مجمعون علی أن اسمه تارح هو بالحاء المهملة، یقینا، لأنی قرأته کذلک فی التوراة، وأئمة التفسیر فی أرجح الأقوال قالوا :یحتمل أن یکون له اسمان آزر وتارح،ویحتمل أن یکون أحدهما لقبا، ولا یجوز القول بأنه عمه، إلا إذا صح ذلک عن النبی صلی الله علیه وسلم، وإلا کان تکذیبا للقرآن، فبطل کل ما زعموه من أن أباء النبی صلی الله علیه وسلم إلی آدم کانوا مؤمنین، وزعمهم أن إبراهیم استغفر لأبیه منقوض بقوله تعالی فی سورة التوبة :(وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه فلما تبین له أنه عدو لله تبرأ منه).

والدعاوی ما لم یقیموا علیها ...بینات أبنائها أدعیاء(الهدیة الهادیة إلی الطائفة التجانیة، ج ۱ ،ص ۱۳۴، ۱۳۵، الخاتمة:المسألة التاسعة)

نکال دیتے ہیں، اور وہ مامون، وسط اور معتدل درجے سے نکال کر، غلو اور مبالغے کی طرف پہنچا دیتے ہیں، اور اس غلو اور مبالغے میں تشدد بھی کرتے ہیں، چنانچہ اسی طرح کے بعض مبالغہ کرنے والے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مومن وموحد تھے، عبداللہ بن عبدالمطلب سے لے کر آدم علیہ السلام تک، کوئی بھی کفر وشرک میں مبتلا نہیں ہوا۔

اور گویا کہ یہ حضرات اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور آپ کے مقام ومرتبے کی علامات اور مظاہرات میں سے سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے، کسی کا کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں خلل پیدا کرتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضرر اور اذیت کا باعث بنتا ہے، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے ایمان کا گمان کرتے ہیں۔

اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا سہارا لیتے ہیں کہ ''**وتقلبک فی الساجدین**'' جن کا گمان یہ ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آدم علیہ السلام سے لے کر، اپنے والد عبداللہ تک، مومن لوگوں میں تقلب کرتے رہے، اور ایک سے دوسرے کی اصلاب میں منتقل ہوتے رہے، اور یہ تمام لوگ اللہ وحدہٗ کے لیے سجدہ کرنے والے عابد اور موحد تھے۔

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، اور اس آیت سے یہ مطلب نکالنا، اس کے معنیٰ کی تحریف ہے۔

دراصل اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت اور تہجد وغیرہ میں عبادت کرنے اور سجدہ کرنے کی ،فضیلت کو بیان فرمایا ہے، اور اس میں مفسرین سے دوسری تفسیرات بھی مروی ہیں، مثلاً نماز پڑھنے اور عبادت کرنے

والوں کے ساتھ نماز وعبادت میں شامل ہونا۔

علمائے سلف، صحابہ اور تابعین نے اس کے یہی معنیٰ سمجھے ہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے ایمان کا دعویٰ، صریح آیات اور صحیح احادیث کے بھی معارض ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کافر ہونے کی تصریح کی گئی ہے (اور حضرت ابراہیم اور ان کے والد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں داخل ہیں)

اور اس طرح کی آیات، مذکورہ مقصود میں صریح ہیں، جو کسی تاویل اور تحریف کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آزر ہی ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور ''آزر'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے، جن سے ہمیں یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایسے سجدہ کرنے والوں کی پشتوں میں منتقل نہیں ہوتے رہے، جو سب کے سب مومن اور موحد ہوں، کیونکہ آپ کے تمام اجداد اس طرح نہیں تھے۔

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق صحیح احادیث میں ''إن أبی و أباک فی النار'' ہونے اور والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے۔

جہاں تک بعض مسلمانوں کے اس حدیث سے استدلال کرنے کا تعلق ہے، جس کی نسبت انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''لم أزل أُنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات'' تو یہ مردود ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں، اور اسی وجہ سے اس کو نقل کرنے والوں نے

اس کی کتبِ حدیث اور کتبِ سنن کی طرف نسبت نہیں کی۔

اور اس موقع پر ایک حدیث، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے والدین نے کبھی بدکاری کو نہیں چھوا، اللہ عزوجل مجھے پاک پشتوں سے، پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، جو صاف اور مہذب تھے، جن سے جب بھی دو شاخیں نکلیں، تو میں ان میں سب سے بہتر تھا''

اس حدیث کو ابونعیم نے ''دلائلُ النبوۃ'' میں روایت کیا ہے، اور علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر معتبر اور ضعیف ہے، جس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

اور بعض حضرات نے جو ''وتقلبک فی الساجدین'' سے دلیل پکڑی ہے، وہ صحیح نہیں، جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''الذی یراک حین تقوم'' ظاہر ہے کہ اس سے بالا جماع یہ مراد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رجال کی پشتوں میں قائم ہوں، بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو نماز میں کھڑے ہونے کے وقت بھی دیکھتا ہے، اور جب آپ اپنے بستر اور مجلس سے اٹھتے ہیں، اس وقت بھی دیکھتا ہے، اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کی نقل وحرکت کو بھی دیکھتا ہے، راجح قول یہی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے والوں میں قیام اور سجدے اور رکوع کے ذریعے، نقل وحرکت کرتے تھے۔

اور بعض نے راجح قول اس کو قرار دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو اس وقت بھی دیکھتا ہے، جب آپ نماز کے لیے تنہائی میں کھڑے ہوتے ہیں، اور سجدہ کرنے، یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اُلٹتے پلٹتے ہیں، جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مذکورہ آیات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوگا، اور ان سب کا اللہ کے لیے سجدہ کرنے والا ہونا

ثابت نہیں ہوگا، بلکہ ہمارے سامنے ایسی صریح آیات اور صحیح احادیث ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد، اللہ کے لیے سجدہ کرنے والے نہیں تھے۔

اور ہمارے لیے کیا یہ بات ممکنات میں سے نہیں ہے کہ مذکورہ آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب پر توکل اور اللہ کی اپنے رسول کے ساتھ مہربانی اور اس کی حفاظت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور عبادت، جس سے آپ کی زندگی عبارت ہے، اور اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا نماز پڑھتے ہوئے، اور سجدہ کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کو مراد لیا جائے (پھر کیا ضرورت پیش آئی کہ مذکورہ صحیح، عمدہ اور عالی شان معانی ومطالب کو نظر انداز کرکے، ایسے معنیٰ ومطلب کو مراد لیا جائے، جو خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان کردہ معنیٰ ومطلب کے خلاف ہو)'' انتھیٰ۔ [1]

---

[1] ''وتقلبک فی الساجدین''

قال اللہ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''وتوکل علی العزیز الرحیم .الذی یراک حین تقوم . وتقلبک فی الساجدین .إنہ ہو السمیع العلیم''

یبالغ بعض المسلمین بمحبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقدیرہ، فیخرج بذلک عن المقدار المأمون الوسط المعتدل إلی الغلو والمبالغۃ، ویشتط فی غلوہ ومبالغتہ، ویقبل علی القرآن علہ یجد فیہ آیۃ تشہد لہ.

یقول بعض ہؤلاء الغلاۃ المبالغین فی أن کل آباء الرسول علیہ الصلاۃ والسلام کانوا مؤمنین باللہ موحدین لہ، لم یعرفوا الکفر ولا الشرک، منذ والدہ عبد اللہ وحتی آدم علیہ السلام.

وکأنہم یعتبرون القول بہذا من مظاہر وعلامات محبۃ الرسول وتقدیرہ علیہ السلام، وکأنہم یعتبرون کفر أحد آبائہ أو أجدادہ یقدح فی عصمۃ الرسول علیہ الصلاۃ والسلام، ویوصل لہ ضررا وأذی، لہذا یریدون إثبات العصمۃ لہ، فیزعمون إیمان کل آبائہ وأجدادہ.

وحتی یکون کلام ہؤلاء مقبولا لدی الناس یعتمدون علی آیۃ من القرآن، وہی قول اللہ:''وتقلبک فی الساجدین ''ویزعمون أن معناہاہو: تقلب الرسول علیہ الصلاۃ والسلام فی الرجال المؤمنین منذ آدم علیہ السلام وحتی والدہ عبد اللہ، وتنقلہ فی أصلابہم واحدا واحدا، وإن ہؤلاء کلہم کانوا ساجدین للہ وحدہ، عابدین وموحدین لہ''وتقلبک فی الساجدین''وہذا القول لیس صحیحا، وہذا الفہم للآیۃ محرف لمعناہا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محمد حسن عبدالغفار ''شرح کتابُ التوحید لابنِ خزیمة'' میں فرماتے ہیں کہ:

''ہم یہ بات صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ''عبداللہ'' کافر تھے، اور ہم ان لوگوں کا طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے، جو اس بات پر روتے ہیں، یا تمسخر کے طور پر ہنستے ہیں کہ تم ان آیات کو کیسے پڑھتے ہو کہ ''تبت یدا ابی لھب وتب'' اور اس کی کیسے جرأت کرتے ہو، دراں حالیکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جرح پائی جاتی ہے؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إن الآيات التي أوردناها تخاطب الرسول صلى الله عليه وسلم .وتأمره بالتوكل على ربه العزيز الرحيم، وتشير إلى فضل الله عليه، وحفظه ورعايته له، وكونه معه في كل حالاته، ينصره ويعينه.
وتشير تلك الآيات إلى حالتين من حالات الرسول عليه الصلاة والسلام، وتجعل هاتين الحالتين خاضعتين لرؤية الله له ورعايته لأموره، حالة الرسول عليه السلام وهو وحده خاليا، وحالته وهو مع المسلمين واقفا بينهم.
تقول له: إن الله يراك حين تقوم لتصلي وحدك، بحيث لا يراك أحد من الناس، وغالبا ما يكون هذا في صلاة التهجد في الليل.
كما أن الله يراك حين تكون مع أصحابك المسلمين، يراك –ويراهم– وأنتم تصلون لله وتسجدون له، يراك وأنت تتقلب بينهم ومعهم ساجدا لربك، وهم ساجدون حولك .يراك حين تقوم تصلي وحدك، ويراك حين تصلي مع أصحابك، وتسجد معهم، وهم يسجدون.
وهذا ما فهمه من الآيات علماء السلف من الصحابة والتابعين:
قال ابن عباس: يراك حين تقوم للصلاة.
وقال عكرمة: يراك حين تقوم وتقلبك في الساجدين .قيامه وركوعه وسجوده وجلوسه.
وقال قتادة: يراك حين تقوم .يراك قائما وقاعدا وعلى حالاتك .
وتقلبك في الساجدين: في الصلاة .يراك وحدك ويراك مع الجميع.
وقال قتادة أيضا: في الساجدين: في المصلين.
وقال ابن عباس: في الساجدين: يراك وأنت مع المصلين الساجدين، تقوم وتقعد معهم.
ثم إن القول بإيمان آباء وأجداد الرسول صلى الله عليه وسلم جميعا، يتعارض مع الآيات الصريحة والأحاديث الصحيحة.
ففي صريح القرآن أن أحد آباء الرسول عليه الصلاة والسلام كان كافرا بالله يعبد الأصنام .إنه آزر والد إبراهيم الخليل عليه السلام.
قال تعالى:''وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر أتتخذ أصناما آلهة إني أراك وقومك في ضلال مبين''

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ کیا تمہاری فاسد اور بے کار کی محبت کی وجہ سے ہم اس آیت سے بری ہو سکتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال تعالى: ”واذكر في الكتاب إبراهيم إنه كان صديقا نبيا .إذ قال لأبيه يا أبت لم تعبد ما لا يسمع ولا يبصر ولا يغني عنك شيئا“

وقال تعالى: ”وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه إن إبراهيم لأواه حليم“

وهذه آيات صريحة، لا تقبل تأويلا ولا تحريفا، تقرر أن آزر هو والد إبراهيم عليه السلام، أنه كان يتخذ الأصنام آلهة، وآزر هو أحد أجداد الرسول عليه الصلاة والسلام .وبهذا نعلم أن الرسول عليه السلام لم يتنقل في أصلاب الساجدين المؤمنين الموحدين لله، لأن أجداده لم يكونوا كلهم هكذا.

هذا وقد وردت أحاديث صحيحة عن أبوي رسول الله صلى الله عليه وسلم: روى مسلم عن أنس رضي الله عنه أن رجلا قال: يا رسول الله أين أبي؟ قال: في النار .فلما قفا الرجل دعاه فقال: إن أبي وأباك في النار.

وروى مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: استأذنت ربي أن أستغفر لأمي فلم يأذن لي .واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لي.

أما استدلال بعض المسلمين بحديث نسبوه للرسول صلى الله عليه وسلم: قال: " لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات "فهو مردود، لأن هذا الحديث لم يصح، ولم يعزه أحد ممن أوردوه إلى أحد كتب الحديث والسنن.

نعم هناك حديث نسبوه لابن عباس رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " لم يلتق أبواي في سفاح، لم يزل الله عز وجل ينقلني من أصلاب طيبة إلى أرحام طاهرة، صافيا مهذبا، لا تنشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما ."

ولكن هذا الحديث أخرجه أبو نعيم الأصبهاني في دلائل النبوة، وقال العلماء إن هذا الحديث واه ضعيف، لا تنهض به حجة.

ويعجبني كلام الإمام المرحوم محمد أمين الشنقيطي في "أضواء البيان "عند كلامه عن الآية موضوع البحث:

"إن من أنواع البيان التي تضمنها القرآن، أنه يقول بعض العلماء في الآية قولا، تكون في الآية قرينة تدل على عدم صحته ...

فقوله:”وتقلبك في الساجدين“ قال فيه بعض أهل العلم، وتقلبك في أصلاب آبائك الساجدين، أي المؤمنين بالله كآدم ونوح وإبراهيم وإسماعيل عليهم السلام.

واستدل بعضهم لهذا القول فيمن بعد إبراهيم عليه السلام من آبائه، بقوله تعالى عن إبراهيم عليه السلام:”وجعلها كلمة باقية في عقبه“وممن روى عنه هذا ابن عباس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض کہتے ہیں کہ تم ابوطالب کے کفر کی حالت میں فوت ہونے کا کیسے دعوٰی کرتے ہو؟

اور مذکورہ لوگ اس بات کا تو بہت سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے کافر ہونے کا قول کیا جائے، اور ان کا نارِ جہنم میں خالد مخلد ہونا قرار دیا جائے۔

پھر ان میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے فوت ہو گئے تھے، اور ان کے پاس رسول نہیں آ سکے، اور ایسے لوگوں کو عذاب نہیں دیا جاتا، جیسا کہ سورہ اسراء میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ ''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا''۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں بعثتِ رسول سے مراد بذاتِ خود رسول کا پہنچنا نہیں ہے، بلکہ اگر رسول نہ پہنچے، تو اس کی رسالت کا پہنچنا بھی کافی ہے، اور اہلِ جاہلیت ومشرکینِ مکہ کو حضرت ابراہیم، حضرت موسٰی اور حضرت عیسٰی علیہم السلام کی رسالت پہنچ چکی تھی، جس کی دلیل یہ ہے کہ ''ورقہ بن نوفل''

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفي الآية قرينة تدل على عدم صحة هذا القول، وهي قوله تعالى قبله مقترنا به: "الذي يراك حين تقوم "فإنه لم يقصد به أنه يقوم في أصلاب الرجال إجماعا .وأول الآية مرتبط بآخرها: أي الذي يراك حين تقوم إلى صلاتك، وحين تقوم من فراشك ومجلسك .ويرى تقلبك في الساجدين على أظهر الأقوال، لأنه صلى الله عليه وسلم، يتقلب في المصلين قائما وساجدا وراكعا. وقال بعضهم: الذي يراك حين تقوم إلى الصلاة وحدك، وتقلبك في الساجدين، أي المصلين على أظهر الأقوال، إذا صليت بالناس ."

هذه الآيات إذن لا تتحدث عن أجداد الرسول عليه السلام، ولا تقرر أنهم جميعا كانوا ساجدين لله، بل عندنا آيات صريحة وأحاديث صحيحة، أنهم ليسوا جميعا كانوا ساجدين لله .وما يمكن أن نأخذه من الآيات هو وجوب توكل الرسول عليه الصلاة والسلام على ربه، واعتناء الله برسوله وحفظه له، وعبادة الرسول عليه السلام المستمرة التي استوعبت له حياته، وأن الله يراه عندما يصلي وحده، وعندما يصلي مع المسلمين الساجدين (تصويبات في فهم بعض الآيات،ص ۲۴۴ الٰی ۲۴۸ ،نماذج لآيات حرفوا معناها: تصويبات في مفاهيم،وتقلبك في الساجدين)

نصرانی ہوگئے تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے، اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے، اور اس وقت میں یہ عبادت صحیح تھی، جس شریعت کے مطابق بھی عبادت کی جائے، خواہ موسیٰ کی شریعت ہو، یا عیسیٰ کی شریعت ہو، اس سے یہ مقصود حاصل تھا کہ رب تعالیٰ کی توحید کو اختیار کیا جائے (کیونکہ اس وقت میں کسی بھی نبی کی شریعت کے احکام، اصل شکل میں لوگوں کے پاس محفوظ نہیں تھے)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے، تو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر کو ''استسقام بالازلام'' کی حالت میں پایا، جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کو لیتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے خلاف جھوٹ باندھا، انہوں نے کبھی ''استسقام بالازلام'' نہیں کیا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عبداللہ بن زید بن جدعان، مہمان نوازی اور صدقہ خیرات والے کام کیا کرتے تھے، تو کیا انہیں آخرت میں کوئی اجر و ثواب حاصل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیوں حاصل نہیں ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ ''رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ایک شخص نے آ کر یہ سوال کیا کہ میرے والد کہاں ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے والد جہنم میں ہیں، جس سے اس آدمی کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے چہرہ متغیر ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میرے والد اور تمہارے والد جہنم میں

ہیں، اور یہ مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے، اور یہ اختلافی مسئلے میں نص کی تصریح (اور اختلاف کو ختم کرنے کا مؤثر ذریعہ) ہے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ''آمنہ'' کا تعلق ہے، تو ان کی حالت بھی والد سے مختلف نہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی، اللہ سے اجازت طلب کی تھی، جس کی مجھے اجازت نہیں ملی، اور اس اجازت نہ ملنے کی وجہ، ان کا مشرکین میں سے ہونا تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے استغفار سے منع فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء** '' تو ہم اس مسئلے کو بھی اللہ کے فیصلے اور عین شریعت کے مطابق دیکھیں گے، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ اور اسی طرح والد کے کافر اور نارِ جہنم میں ہونے کی وجہ سے عام آنسوؤں کے بجائے خون کے آنسو روئیں گے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رونا آیا تھا۔

اسی کے ساتھ ہم اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں مسلمان بنایا، پس اے اللہ! آپ کا شکر ہے، یہاں تک کہ آپ راضی ہوجائیں، اور آپ کا شکر ہے، اگر آپ راضی ہوجائیں، تو بندہ کے ذمہ اس نعمت پر صبح وشام اللہ کا شکر واجب ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور آپ کی والدہ، اور آپ کے چچا ''**مخلد فی نارِ جھنم** '' ہیں، اور یہ باری تعالیٰ اور سبحانہٗ وتعالیٰ کی حکمت ہے ''**ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**''

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، اور آپ کے والدین کے اہلِ نار میں سے ہونے کا انکار کرتے ہیں، وہ اس پر ایسی طعنہ زنی کرتے ہیں کہ جس کے نتائج کی ان کو معرفت حاصل نہیں، اور وہ ان صحیح احادیث کا انکار کر کے لوگوں کو گمراہی کے

راستے پر لگاتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم اس بات سے راضی نہیں ہیں، اور وہ ابوطالب اور عبداللہ بن عبدالمطلب، اور آمنہ بنتِ وہب کے جنتی ہونے کا قول کرتے ہیں۔

ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ تم اپنے بارے میں اللہ سے ڈرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود یہ فرماتے ہیں کہ ''ابی وابوک فی النار'' اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''استأذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یأذن لی'' پس تم اس کے برعکس کیوں کہتے ہو؟

وہ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم روایت اور قیاس کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔

حالانکہ اس کلام میں تلبیس پائی جاتی ہے، اور اس طرح کی تلبیس کرانے میں شیطان ماہر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ انعام میں ارشاد ہے کہ ''وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم''

جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق جو احادیث ہم نے ذکر کیں، وہ صحیح ہیں، جن کو ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن بعض لوگ دور دراز کی تاویلات کر کے مذکورہ احادیث کی مخالفت کرتے ہیں، مگر دلائل کے پیشِ نظر ان تاویلات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا''۔انتھٰی۔

(ملاحظہ ہو: شرح کتاب التوحید لابن خزیمۃ، ''دروس صوتیۃ قام بتفریغھا موقع الشبکۃ الإسلامیۃ'' رقم الدرس ۲۷، ص ۱۲، من کان فی النار من أھل النبی، شبھات القائلین بأن عم النبی وأبویہ لیسوا من أھل النار والرد علیھا)

سعودی عرب کے سابق مفتیِ اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (المتوفیٰ: 1420ھ) سے سوال کیا گیا کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ''إن أبی وأباک فی النار'' تو اس کی کیا وجہ ہے، جبکہ وہ زمانۂ فترۃ میں فوت ہو گئے تھے، جس کے بارے میں اللہ

تعالیٰ کا (سورہ مائدہ میں) ارشاد ہے کہ: ''یاأھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل''

مفتیِ اعظم موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا کہ غالبًا ان پر دینِ ابراہیم کی حجت قائم ہو چکی تھی، اور احیاءِ ابوین کی احادیث اور ان کا اسلام لانا کوئی بات بھی صحیح نہیں، بلکہ وہ شرک کی حالت میں فوت ہوئے۔

اس پر سوال کیا گیا کہ اہلِ فترۃ کا تو قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا، پھر ''ان ابی و اباک فی النار'' کا مطلب کیا ہے؟

مفتیِ اعظم موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ ان کو دعوت پہنچ چکی تھی۔

سوال کیا گیا کہ بعض علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ''خوض'' کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے؟

مفتیِ اعظم موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ ان کی طرف سے لاعلمی کی بات ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ بات واضح فرمادی کہ ''ان ابی و اباک فی النار'' (تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں خوض کرنا کیسے مکروہ ہو سکتا ہے؟)

سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس اعرابی کو یہ فرمایا کہ ''ان ابی و اباک فی النار'' تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس کا دل خوش کرنے کے لیے فرمائی؟

مفتیِ اعظم موصوف نے اس کے جواب میں غصہ ہو کر فرمایا کہ کیا کسی مومن کا دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے عذاب سے خوش ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے اپنی والدہ کے استغفار کی رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ملی، اس اجازت نہ ملنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بت پرست قوم کے دین پر فوت ہوئیں'' اور عرب کے بت پرست لوگ ''اہلِ فترۃ'' نہیں تھے''۔ انتھٰی۔ [1]

نیز سعودی عرب کے سابق مفتیِ اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ہی سے سوال کیا گیا کہ:

''کیا درود شریف پڑھتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا نام شامل کرتے ہوئے یہ کہنا جائز ہے کہ ''**اللّٰھم صل علی سیدنا محمد وعلی والدیہ وسلم**''

---

[1] سؤال: قولہ – صلى الله عليه وسلم –: (إن أبي وأباك في النار) مع أنه زمن فترة "ياأهل الكتاب قد جائكم رسولنا يبين لكم على فترة من الرسل"؟

الجواب: لعله قامت عليه الحجة من دين إبراهيم.

قال شيخنا: أحاديث إحياء أبوى النبي – صلى الله عليه وسلم – وإسلامهما كلها لا تصح، بل ماتا على الشرك.

سؤال: قال الشيخ: الصواب: إن أهل الفترة يمتحنون يوم القيامة، فقيل للشيخ: حديث: (إن أبي وأباك في النار)؟

الجواب: محمول على أن أباه بلغته الدعوة.

سؤال: كراهة بعض العلماء الخوض في أبوى النبي – صلى الله عليه وسلم –؟

الجواب: قال الشيخ: هذا جهل منهم: فالنبي – صلى الله عليه وسلم – يقول: (إن أبي وأباك في النار) .

سؤال: قرر الشيخ: أن أبوى النبي – صلى الله عليه وسلم – بلغتهم الدعوة، فقال له سائل: إنما قال: (إن أبي وأباك في النار) تطييبا لقلب الأعرابي؟

الجواب: فقال شيخنا – وهو مغضب –: أيطيب قلبه بعذاب أبيه؟!

قال شيخنا – عن حديث أبي هريرة – رضي الله عنه – عنه مسلم" 976"أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: (استأذنت ربي أن أستغفر لأمي فلم يأذن لي، واستأذنته أن أزور قبرها فإذن لي)؛ لأنها ماتت على دين قومها من عبادة الأوثان.

فقلت له: أليسوا أهل فترة؟

الجواب: لا(مسائل الإمام ابن باز رحمه الله تعالى،ص ۳۴،۳۵، رقم السؤالات ۲۰ الیٰ ۲۴،مسائل في العقيدة والتوحيد)

تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر درود جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جاہلیت کے زمانے میں فوت ہوئے، لہٰذا نہ تو ان پر درود پڑھا جائے گا، اور نہ ان کے لیے دعاء کی جائے گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت نہیں ملی'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ان ابی و اباک فی النار'' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر درود پڑھنا، اور ان کے لیے دعاء کرنا جائز نہیں''۔ انتہٰی۔ [1]

اس جیسی اور بھی بہت سی عبارات ہیں، جن سے اس مسئلہ کے متعلق اہل السنۃ کے راجح موقف پر روشنی پڑتی ہے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''اصلابِ طاہرین'' سے منتقل ہونے کی روایات کا تعلق ہے، تو ان کے متعلق گزر چکا کہ اس طرح کی روایات کا اصل تعلق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی طہارت و پاکیزگی سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر، حضرت آدم علیہ السلام تک، پشت دَر پشت، اور رحم دَر رحم کسی موقع پر بھی نسب میں خلل اور فساد پیدا نہیں ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب، دنیا کے تمام انساب سے اعلیٰ و ارفع اور ہر قسم کی سفاحت

---

[1] س: نعلم أن هناك مجلسا لذكر الله، وعندنا أصبح مجلس اسمه مجلس الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فنقول: اللهم صل على سيدنا محمد وعلى والديه وسلم، أو اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم؛ على حسب الإمام. فهل هذا المجلس جائز؟ أفيدونا جزاكم الله خيرا.

ج: الصلاة على والدى النبى لا تجوز؛ لأن والدى النبى ماتا على الجاهلية، فلا يصلى عليهما، ولا يدعى لهما، فعنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: استأذنت ربى أن أستغفر لأمي، فلم يأذن لي وقال لرجل سأله عن أبيه: إن أبي وأباك في النار فلا يجوز الصلاة عليهما، ولا الدعاء لهما، ولكن تصلى على النبى صلى الله عليه وسلم تقول: (اللهم صل على محمد، اللهم صل على نبينا محمد، على سيدنا محمد) هذا طيب، يقول النبى صلى الله عليه وسلم: من صلى على واحدة صلى الله عليه بها عشرا في أي وقت (فتاوى نور على الدرب لابن باز بعناية الشويعر، ج ١، ص ٢٠٣، ٢٠٤، كتاب العقيدة، حكم الصلاة على والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم)

سے، عفیف اور پاک ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کے نکاح کے ذریعہ سے ہونے اور نسب میں کسی قسم کے شبہ نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔
چنانچہ طبرانی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما ولدنی من سفاح أھل الجاھلیۃ شیء، وما ولدنی إلا نکاح کنکاح الإسلام(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۰۸۱۲، ج ۱۰ ص ۳۲۹، باب العین)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ولادت میں، جاہلیت کی سفاحت میں سے کوئی چیز شامل نہیں ہوئی، اور میری ولادت، نکاح کے ذریعے سے ہی ہوئی، جیسا کہ اسلام کا نکاح ہوتا ہے (طبرانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال :خرجت من نکاح، ولم أخرج من سفاح من لدن آدم إلی أن ولدنی أبی وأمی، لم یصبنی من سفاح الجاھلیۃ شیء (دلائل النبوۃ لأبی نعیم الأصبھانی، رقم الحدیث ۱۴، الفصل الأول فی ذکر ما أنزل اللّٰہ تعالی فی کتابہ من فضلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إن اللّٰہ تعالی جعل بعثتہ للعالمین رحمۃ، ذکر فضیلتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بطیب مولدہ، وحسبہ ونسبہ)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ولادت نکاح سے ہوئی اور سفاح سے نہیں ہوئی، آدم علیہ السلام سے لے کر اُس وقت تک جب تک میرے والدین سے میری ولادت ہوئی، مجھے جاہلیت کی سفاحت میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی (ابونعیم)

اس سے ملتی جلتی روایت مصنف ابنِ ابی شیبہ اور طبرانی کی ''المعجم الاوسط''میں بھی ہے۔ [1]

''سفاح'' سے مراد''زنا و بدکاری'' ہے، جس کے زمانۂ جاہلیت میں مختلف طریقے جاری تھے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں حضرت آدم علیہ السلام تک، کوئی بھی ایسی چیز شامل نہیں ہوئی۔

اور جاہلیت، یا دوسرے مذاہب میں جو نکاح، یا زوجیت کو قائم کرنے کے طریقے رائج ہیں، اسلام نے ہر مذہب والوں کے لیے اُن طریقوں سے نکاح کو معتبر قرار دیا ہے، اور اُن کو ''زِنا'' کا درجہ نہیں دیا، اس لیے دنیا بھر میں جو لوگ کافروں اور مشرکوں کے یہاں اُن کے مذہبی طریقوں سے نکاح کے بعد میں پیدا ہوتے ہیں، شرعاً ان کا نسب اپنے والدین سے درست ثابت ہوتا ہے۔

لیکن نسب کے پاک وصاف ہونے سے، کسی کا مسلمان سمجھ لینا درست نہیں۔ [2]

---

[1] حدثنا حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر ، عن أبيه ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : خرجت من نكاح ، لم أخرج من سفاح من لدن آدم , لم يصبني سفاح الجاهلية (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ٣٢٢٩٨)

حدثنا عبد الرحمن بن سلم الرازى قال: نا محمد بن أبى عمر العدنى قال: نا محمد بن جعفر بن محمد بن على بن حسين قال: أشهد على أبى، لحدثنى، عن أبيه، عن جده، عن على، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: خرجت من نكاح، ولم أخرج من سفاح، من لدن آدم إلى أن ولدنى أبى وأمى(المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٤٧٢٨)

[2] وقولهم: هذا سفاح غير حلال:

قال أبو بكر: السفاح، معناه فى كلام العرب: الزنا .قال الشاعر:

(وما ولدتكم حية ابنة مالك ...سفاحا وما كانت أحاديث كاذب)

(ولكن نرى أقدامنا فى نعالكم ...وآنفنا بين اللحى والحواجب)

وقال الله جل وعلا: ”محصنين غير مسافحين“ أراد: غير مزانين .وقيل للزنا: سفاح، لأن سبيل الفاعل له أن يسفح عليه الماء، فجعل كناية عنه .فكان الرجل منهم فى الجاهلية يقول للمرأة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ولادت ''نکاح'' سے ہوئی ''سفاح'' سے نہیں ہوئی۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ''مشرک'' تھے، جس کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ ''ان ابی و اباک فی النار''

اور صحیح مسلم میں ہی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت حاصل نہیں ہوئی''۔انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سافحینی، یرید: زانینی، استقباحا للتصریح بالزنا، وتقدیرا ان ھذا أحسن.
ویمکن أن یکون الزنا سمی سفاحا، لما یسفحه الرجل من مائه عند الجماع، وتفعل المرأة مثله.
ومعنی "السفح "فی اللغة: الصب .قال الله عز وجل: ''أو دما مسفوحا'' أراد: مصبوبا (الزاھر فی معانی کلمات الناس لابی بکر الانباری، ج۲ص۱۲۶، رقم القول: ۶۸۰)

[1] أخبرنا الشریف أبو الفتح العمری، أنبأ أبو الحسن بن فراس، أنبأ أبو جعفر البصری، ثنا سعید بن عبد الرحمن المخزومی، ثنا سفیان، عن جعفر بن محمد، عن أبیه، فی قوله تعالی: ''لقد جائکم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم''قال: لم یصبه شیء من ولادة الجاھلیة قال: وقال النبی صلی الله علیه وسلم: " خرجت من نکاح غیر سفاح "، قال الشیخ رحمه الله: وأبواه کانا مشرکین بدلیل:
ما أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنبأ أبو الحسن أحمد بن محمد بن عبدوس، ثنا عثمان بن سعید الدارمی، ثنا موسی بن إسماعیل، ثنا حماد بن سلمة، ح قال: وأنا أبو بکر بن عبد الله واللفظ له، ثنا الحسن بن سفیان، ثنا أبو بکر بن أبی شیبة، ثنا عفان، ثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن أنس، أن رجلا قال لرسول الله صلی الله علیه وسلم: یا رسول الله، أین أبی؟ قال: " فی النار "قال: فلما قفا دعاه، فقال: " إن أبی وأباک فی النار "
رواه مسلم فی الصحیح، عن أبی بکر بن أبی شیبة.
وأخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ، أنبأ أبو العباس السیاری، ثنا أبو الموجه، ثنا یحیی بن أیوب، ثنا مروان بن معاویة، ح قال: وأخبرنی أبو الولید الفقیه، ثنا أحمد بن الحسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ''سفاحت'' کے شامل نہ ہونے سے متعلق بعض روایات تو اگرچہ سند کے اعتبار سے ''شدید ضعیف ''ہیں، لیکن بعض ''شدید ضعیف ''نہیں، اور وہ باہم مل کر ''حسن ''درجہ حاصل کر لیتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نکاحِ صحیح ہونے اور اس کے نتیجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے صحیح اور درست ہونے کے لیے حجت بن جاتی ہیں۔

(ملاحظہ ہو: سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٢٩٥٢)

اور بعض روایات کے الفاظ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے مومن وموحد ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، ان کا تعلق اولاً تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے ہے، اور ان سے ایمان وتوحید کا ثبوت نہیں ہوتا، دوسرے اس طرح کی بعض روایات سند کے اعتبار سے نا قابلِ استدلال بھی ہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ جوزی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ:

''لم يزل ينقلني من الاصلاب الطاهرة إلى الارحام النقية مهذبا''

''میں حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر پاکیزہ پشتوں سے، پاکیزہ ارحام کی طرف، پاکیزگی کے ساتھ منتقل ہوتا رہا''۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابنِ جوزی نے فرمایا کہ:

''هذا حديث موضوع قد وضعه بعض القصاص''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن عبد الجبار، ثنا محمد بن عباد، ثنا مروان بن معاوية، عن يزيد بن كيسان، عن أبي حازم، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " استأذنت ربي في أن أستغفر لأمي فلم يأذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي "، رواه مسلم في الصحيح، عن يحيى بن أيوب، ومحمد بن عباد(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب النكاح، جماع أبواب نكاح المشرك،باب نكاح أهل الشرك وطلاقهم)

''یعنی یہ حدیث خودساختہ ہے، بعض قصہ گولوگوں نے اس کوگھڑا ہے''۔

(ملاحظہ ہو: الموضوعات لابن الجوزی، ج ۱، ص ۲۸۱، ۲۸۲، کتاب الفضائل والمثالب، باب فی ذکر انتقاله إلی الاصلاب)

اورعلامہ شوکانی نے اس روایت کونقل کرنے کے بعدفرمایا کہ:

''هو موضوع وضعه بعض القصاص''

''یعنی یہ حدیث خودساختہ ہے، جس کوبعض قصہ گولوگوں نے گھڑا ہے''۔

(ملاحظہ ہو: الفوائد المجموعة، للشوکانی، ص ۳۲۰، باب فضائل النبی صلی الله علیه وسلم، تحت رقم الحدیث ۲)

اورعلامہ جلالُ الدین سیوطی نے بھی مذکورہ روایت کے بارے میں یہی فرمایا کہ:

''موضوع: وضعه بعض القصاص وهناد لا یوثق به ولعله من وضع شیخه أو شیخ شیخه''

''یہ روایت گھڑی ہوئی ہے، جس کوبعض ''قصہ گو'' لوگوں نے گھڑا ہے، اور هناد راوی ثقہ نہیں ہے، اورشایداس روایت کوان کے شیخ نے، یاان کے شیخ کے شیخ نے گھڑا ہو''

(ملاحظہ ہو: اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة للسیوطی، ج ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴، کتاب المناقب)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

''ولم یزل ینقلنی من أصلاب الکرام إلی الأرحام، حتی أخرجنی من بین أبوی، لم یلتقیا علی سفاح قط''

''اور میں مکرم پشتوں سے رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ میری اپنے والدین سے ولادت ہوئی، جوکبھی بدکاری کے مرتکب نہیں ہوئے''

لیکن اس حدیث کی سند میں بھی ''**شدیدضعف**'' پایا جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: حاشیة المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة، لسعد بن ناصر بن عبد العزیز الشّثری، ج ۱۷، ص ۱۹۵ الی ۱۹۷، کتاب السیرة والمغازی، باب أولیة النبی -صلی الله علیه وسلم -وشرف أصله، تحت رقم الحدیث ۴۲۰۹)

اور ابو نعیم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ''وتقلبک فی الساجدین'' کی آیت کے ضمن میں روایت کیا ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر ''انبیاء'' کی پشتوں میں متقلب ہوتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی والدہ سے آپ کی ولادت ہوئی'' [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی، اس طرح کی روایت طبرانی میں بھی ہے۔ [2]

مذکورہ حدیث کی سند میں اولاً تو ضعف پایا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا أبو بحر محمد بن الحسن قال: ثنا محمد بن غالب، قال: ثنا الحسن بن بشر، ثنا سعدان بن الوليد، عن عطاء، عن ابن عباس ”وتقلبک فی الساجدين“ ما زال النبی صلى الله عليه وسلم يتقلب فی أصلاب الأنبياء، حتى ولدته أمه "(دلائل النبوة لابی نعيم الاصبهانی، رقم الرواية ١٧، ص٥٨، الفصل الأول فی ذكر ما أنزل الله تعالى فی كتابه من فضله صلى الله عليه وسلم إن الله تعالى جعل بعثته للعالمين رحمة، ذكر فضيلته صلى الله عليه وسلم بطيب مولده، وحسبه ونسبه)

[2] حدثنا أبو مسلم الكشی، ثنا أبو عاصم، أنا شبيب بن بشر، عن عكرمة، عن ابن عباس ”وتقلبک فی الساجدين“ قال: من نبی إلى نبی حتى أخرجت نبيا(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٢٠٢١)

[3] وهذا منهما غريب؛ فإن (سعدان) هذالم يترجموا له فی شیء من كتب الرجال، ووصف الحاكم إياه بأنه: " قليل الحديث "يشعر بأنه غير معروف أو مشهور! ولعله لذلک لم يصححه، وسكتا عنه .ويؤيد ما ذكرت أنه وقع فی "المعجم "منسوبا إلى (السابری) ، وقد ذكر السمعانی تحتها جماعة من العلماء والرواة، ولم يذكر هذا .والله أعلم.

ثم إن الراوی عنه (الحسن بن بشر بن سلم) – وهو: البجلی – فيه كلام – مع كونه من شيوخ البخاری – فقال الذهبی فی "المغنی :"

"قال أبو حاتم: صدوق .وقال ابن خراش: منكر الحديث ."وقال الحافظ: "صدوق يخطء ."

قلت: فإن كان حفظه عن (سعدان) ؛ فالعلة من هذا .والله أعلم.

وقال الهيثمی فی "المجمع : (5/ 206) "

"رواه الطبرانی فی "الأوسط "، وفيه سعدان بن الوليد، ولم أعرفه!(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٦٨٧٠)

طريق أخرى عنه موقوفا ,يرويه شبيب عن عكرمة عن ابن عباس " :(وتقلبک فی الساجدين) , قال :من نبی إلى نبی حتى أخرجت نبيا "رواه ابن عساكر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اگر مذکورہ روایت کو معتبر مانا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں، آدم علیہ السلام تک متعدد انبیاء شامل ہیں۔

اور یہ بات واقعہ کے مطابق ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما الصلاۃ والسلام بھی آتے ہیں۔

لیکن اس سے تمام آباء واجداد کے مومن ہونے کو مراد لینا درست نہیں، کیونکہ اس کا دوسری نصوص سے تعارض وٹکراؤ لازم آتا ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے مومن وموحد نہ ہونے کا احادیث سے ثبوت ملتا ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کافر ہونے کا قرآن وسنت سے ثبوت ملتا ہے۔

تیسرے اگر مذکورہ روایت سے تمام آباء واجدادُ النبی کے مومن وموحد ہونے پر استدلال کیا جائے، تو مذکورہ روایت میں مومن وموحد کے بجائے ’’انبیاء‘‘ کے الفاظ ہیں، اس سے لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد، آدم علیہ السلام تک نبی ہوں، اور ان میں عبداللہ بن عبدالمطلب، اور عبدالمطلب بھی شامل ہوں، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

چوتھے مذکورہ روایت میں ’’اصلاب‘‘ کا ذکر ہے ’’ارحام‘‘ کا ذکر نہیں، اور عورتوں کو نبی تصور کرنا بھی ممکن نہیں، اس لیے یہ روایت ’’ام‘‘ اور ’’جدات‘‘ کے حکم کو شامل نہیں ہوگی، اور اُن کے حکم کے لیے دوسری نصوص کی ضرورت ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :وشبيب بن بشر ضعيف ,قال الحافظ فى "التقريب " :"صدوق ,يخطىء."
وقال الذهبى فى "الضعفاء " :"قال أبو حاتم :لين الحديث."
قلت :فقول الهيثمى فى "المجمع "(7/86) " : رواه البزار والطبرانى ,ورجالهما رجال الصحيح غير شبيب بن بشر وهو ثقة "ليس منه بجيد ,مع تضعيف من ذكرنا لشبيب هذا.
نعم لم يتفرد به ,فقد رواه سعدان بن الوليد عن عطاء عن ابن عباس به .أخرجه أبو نعيم (1/12) وابن عساكر (1/267/2). لكن سعدان هذا لم أعرفه ,والله أعلم(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل،لمحمد ناصر الدين الألبانى،ج٦،ص ٣٣٢،تحت رقم الحديث،١٩١٤، كتاب النكاح،باب نكاح الكفار)

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی موقوف سند کو وہ درجہ ہرگز حاصل نہیں، جو صحیح مسلم وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق احادیث کی اسناد کو حاصل ہے۔

عباس بن میمون کی سند سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِی بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:أَفْضَلُ مَا یَرٰی أَحَدُکُمْ فِیْ مَنَامِهٖ أَنْ یَّرَی رَبَّهٗ أَوْ نَبِیَّهٗ أَوْ یَرَی وَالِدَیْهِ مَاتَا عَلَی الْإِسْلَامِ (کتاب السنة،لابن ابی عاصم، رقم الحدیث ۴۸۸،ج ا ص ۲۱۵،باب ما ذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم: إن الله تعالی یکلم عبده المؤمن فی منامه)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص، جو خواب دیکھتا ہے، اس میں سے افضل خواب یہ ہے کہ اپنے رب کو دیکھے، یا اپنے نبی کو دیکھے، یا اپنے والدین کے اسلام کی حالت میں فوت ہونا دیکھے (السنۃ)

اس روایت سے بعض کم علم حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ انہوں نے مذکورہ روایت میں خواب دیکھنے والے کے بجائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مراد ہونا سمجھ لیا۔

حالانکہ اولاً تو مذکورہ روایت کی سند میں ضعف کا امکان پایا جاتا ہے۔ [1]

دوسرے مذکورہ روایت میں ''والدیه'' کی ضمیر، خواب دیکھنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے، جس طریقے سے اس سے پہلے ''ربهٗ'' اور ''نبیهٗ'' کی ضمیریں بھی خواب دیکھنے والے کی طرف ہی لوٹ رہی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے آباء النبی کے متعلق اہلُ السنۃ اور اہلِ تشیع کا بنیادی اختلاف معلوم ہوگیا۔

اور اہلِ تشیع کی متعدد کتب میں بھی آدم علیہ السلام تک تمام آباء النبی کے مؤمن ہونے کی

---

[1] قال الالبانی:

إسناده ضعیف ورجاله ثقات غیر العباس بن میمون فلم أعرفه((ظلال الجنة فی تخریج السنة ، تحت رقم الحدیث ۴۸۸،ج ا ص ۲۱۵،باب ما ذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم: إن الله تعالی یکلم عبده المؤمن فی منامه)

صراحت ہے، اور اسی بنیاد پر وہ ابو طالب کے بھی مؤمن ہونے کے قائل ہیں، اور اس سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف بھی اسی طرح کے دلائل، اور اعتراضات پیش کرتے ہیں، جو زیرِ بحث مسئلہ میں آنجناب وغیرہ کی طرف سے پیش کئے جارہے ہیں۔ [1]

علامہ سیوطی اور ان کی اتباع میں بہت سے علمائے اہلِ سنت سے یہ تسامح ہوا کہ انہوں نے اہلِ تشیّع کے مذکورہ موقف اور ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کا سمجھ کر نقل کردیا، اور اس کا سلسلہ تاحال جاری ہے، جبکہ مذکورہ عبارات سے واضح ہوا کہ تمام آباءِ نبی کے مومن ہونے کا قول اہلُ السنۃ والجماعۃ کا ہرگز نہیں، بلکہ یہ بنیادی طور پر اہلِ تشیّع کا قول ہے، اور اسی بنیاد پر وہ ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار نہیں دیتے۔

جبکہ متعدد روافض کی طرف سے اس موضوع پر کئی رسائل تحریر کیے گئے، جن میں اہل السنۃ کے خلاف ان ہی دلائل کو ذکر کیا گیا، جن کو تسامح کی وجہ سے علامہ سیوطی اور ان کی اتباع کرنے والے نقل کررہے ہیں۔ [2]

---

[1] بيان :اتفقت الإمامية رضوان الله عليهم على أن والدى الرسول وكل أجداده إلى آدم عليه السلام كانوا مسلمين، بل كانوا من الصديقين ، إما أنبياء مرسلين أو اوصياء معصومين، ولعل بعضهم لم يظهر الإسلام لتقية أو لمصلحة دينية (بحار الأنوار للشيخ المجلسى،ج۱۵ ص۱۱۷ ،باب ۱ بدء خلقه وما جرى له فى الميثاق ، وبدء نوره وظهوره صلى الله عليه وسلم من لدن آدم عليه السلام وبيان حال آبائه العظام، واجداده الكرام، سيما عبدالمطلب، ووالديه عليهم الصلاة والسلام، وبعض احوال العرب فى الجاهلية، وقصة الفيل وبعض النوادر وفيه ۱۰۰ حديثا، الناشر: داراحياء التراث، بيروت، لبنان، الطبعة الثالثة المصححة ۱۴۰۳ھ ،1983م)

[2] ابن عمار أبو على أحمد بن محمد

عالم الشيعة بالكوفة، أبو على أحمد بن محمد بن عمار.

له تواليف، منها :(أخبار آباء النبى -صلى الله عليه وسلم-) و (إيمان أبى طالب).

روى عنه :أحمد بن داود، وغيره.

توفى سنة ست وأربعين وثلاث مائة(سير أعلام النبلاء ،للذهبى،ج۱۵ ،ص۵۶۶،الطبقة العشرون، تحت رقم الترجمة ۳۳۸)

ابن عمار(000ـ 346ھـ= 000ـ 957 م)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس موقع پر یہ بات ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات اہلِ تشیع کی طرف سے ان کے بعض عقائد اور افکار کو اہلُ السنۃ کی طرف منسوب کر کے بھی شائع کیا جاتا ہے، جس سے بہت سے اہلُ السنۃ کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، شیعوں کی تردید سے متعلق، اپنی مشہور تالیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''شیعہ فرقہ کا کوئی عالم فقہ میں کوئی کتاب تالیف کرتا ہے، جو اہلِ سنت پر لعن وطعن اور ردوقدح پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کی نسبت اہلِ سنت کے کسی امام کی طرف کر دیتا ہے، مثلاً مختصر جس کو امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ ایک شیعہ کی لکھی ہوئی ہے، اس میں یہ بھی لکھ مارا ہے کہ آقا کے لیے اپنے مملوک سے لواطت جائز ہے، کیونکہ آیت ''وما ملکت أیمانکم'' کے معنیٰ بظاہر عام ہیں۔

پھر ایک معتبر شخص کے ذریعہ یہ خبر ملی ہے کہ اس نے اصفہان میں اسی قسم کی ایک کتاب دیکھی ہے، جسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو ناشائستہ اور نازیبا مسائل سے پُر ہے، اس دھوکہ کی اصلیت غالباً یہ ہے کہ ملکِ مغرب جہاں مالکی حضرات کی اکثریت ہے، وہاں تو اس کتاب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی تصنیف ظاہر کرتے ہیں اور ہندوستان وتوران میں، جہاں احناف کی اکثریت ہے، اس کتاب کو امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحمد بن محمد بن عمار، أبو علی: فاضل إمامی عارف بالحدیث والأصول. من أهل الکوفة. من کتبه (أخبار آباء النبی) علیه الصلاة والسلام، و (إیمان أبی طالب) وکتاب (الممدوحین والمذمومین) کبیر، و (المبیضة) وهم الفرقة التی خالفت بنی العباس فی البیعة والرأی، وکان شعارها لبس البیاض خلافا للعباسیین المعروفین بالمسودة(الأعلام للزرکلی، ج ۱، ص ۲۰۸، تحت ترجمة ''ابنِ عمار'' حرف الالف)

کیونکہ اہلِ سنت کو تو اپنے ہی امام کی روایات پر زیادہ عبور ہوتا ہے، دوسرے ائمہ کی روایات کی زیادہ کھوج کرید اور تحقیق نہیں کرتے، اس لیے اس کی صداقت ان کے دل میں جلد بیٹھ جاتی ہے۔

اس دھوکہ میں بھی اکثر اہلِ سنت کے جلیلُ القدر علماء پھنس گئے ہیں، مثلاً متعہ کی حلت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف صاحبِ ہدایہ نے بھی کر دی، حالانکہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ متعہ پر حد جاری کرنے کو واجب کہتے ہیں، بخلاف امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے کہ وہ حد کو واجب نہیں کہتے۔

شیعہ علماء کی ایک جماعت بڑی سعی وکوشش سے اہلِ سنت کی تفاسیر اور سیرت کی ان کتابوں میں جو علماء اور طلباء میں بہت کم معروف ومشہور ہوں، یا نادرُ الوجود ہوں، ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں، جو شیعہ مذہب کی تائید اور اہلِ سنت کے مذہب کی تردید کرتی ہوں'' (تحفۂ اثنا عشریہ، ص:۱۰۲، باب دوم: شیعوں کا مکر وفریب سے اپنے مذہب میں لانے کے مختلف طریقے، مطبوعہ: دار الاشاعت)

اور کچھ آگے چل کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''پچھلے زمانے میں اہلِ سنت، شیعوں کے بعض گندے مسائل پر ان کو ہدفِ لعن طعن بناتے ہیں، اس لعن طعن سے بچنے کی علمائے شیعہ نے یہ صورت نکالی کہ ان کتابوں کے نئے ایڈیشنوں سے ایسے مسائل کو بالکل نکال ڈالا اور کتابوں کے پرانے نسخوں کو چھپا دیا، اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ان مسائل کو اہلِ سنت کی طرف منسوب کر دیا، مثلاً اپنے مملوک سے لواطت کا مسئلہ کہ اسے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف اور ''لفِ حریر، یا مادر خواہر'' (کہ عضوِ خاص پر ریشم لپیٹ کر ماں بہن کو بے حرمت کیا جا سکتا ہے) کا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔...........

اہلِ سنت کے مقتداؤں کے اشعار میں ملاوٹ اور جعل سازی بھی ان کی فریب کاری کا ایک طریقہ ہے، ان اشعار کے ہموزن وہم قافیہ، ایک دو شعر اپنے مفید مطلب گھڑ کر، ان کے اشعار میں شامل کر دیتے ہیں، جن کا مضمون وضاحت سے شیعہ مذہب کی موافقت اور اہلِ سنت کے مذہب کی مخالفت کرتا ہے اور پھر بے شرمی اور ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت نے شرمندگی اور خفت سے بچنے کے لیے ان اشعار کو اپنی نظم سے نکال دیا ہے'' (تحفۂ اثنا عشریہ، ص:۱۰۴، باب دوم: شیعوں کا مکرو فریب سے اپنے مذہب میں لانے کے مختلف طریقے، مطبوعہ: دارالاشاعت)

اور مذکورہ کتاب میں ہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ان (اہلِ تشیع) کی ایک جماعت مورخین کو اس طرح دھوکہ دیتی ہے کہ ایک کتاب، تاریخ میں تصنیف کرتے ہیں اور اس میں اخبار و حکایات کے بیان کا ایسا اسلوب رکھتے ہیں، جس سے یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کا مؤلف اہلِ سنت نہیں ہے، البتہ خلفاء کی سیرت، احوالِ صحابہ اور ان کے محاربات میں اپنے مذہب کے متعلق بھی کچھ ملا دیتے ہیں۔

پھر بعض سنی مؤلف یہ سمجھ کر کہ یہ سنی کی تصنیف ہے، بطورِ حوالہ اسے نقل کر دیتے ہیں اور یوں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ان کی یہی غلطی سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے لیے گمراہی کا باعث بن جاتی ہے، اور وہ بات ان کے ذہن پر جم جاتی ہے۔

اس طرح مصنفین تاریخ کی ایک بڑی جماعت کو چکر دیتے ہیں اور ایسی تاریخی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے گلے میں طوقِ ضلالت و گمراہی پڑ جاتا ہے''

(تحفۂ اثنا عشریہ، ص:۱۲۵، باب دوم: شیعوں کا مکروفریب سے اپنے مذہب میں لانے کے مختلف طریقے، مطبوعہ: دارالاشاعت)

ہم نے زیرِ بحث مسئلے میں، اور بعض دوسرے مسائل میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

رحمہ اللہ کی بیان فرمودہ، مذکورہ تنبیہات کو ملاحظہ کیا ہے۔

چنانچہ اس مسئلے میں اہلُ السنۃ کے موقف کو منسوب کرنے میں متعدد التباسات ایسے ظاہر ہوئے، جن میں مذکورہ تنبیہات اور خدشات کا بہت زیادہ امکان محسوس ہوا۔

اب غور کر لینا چاہیے کہ کیا اہلُ السنۃ والجماعۃ کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے، خود اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے حامل پر نکیر کرنا، اور اس کو ملعون وغیرہ قرار دینا، نظر انداز کرنے کے قابل ہے، اور اس کی وجہ سے کیا چند اکابر کے بجائے، تمام اہلُ السنۃ والجماعۃ، یا کم از کم جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ پر حرف نہیں آتا؟ جس کی جناب کو ذرہ برابر فکر نہیں، اور ان کے مقابلہ میں، چند حضرات کی اتنی بڑی فکر لاحق ہے کہ اس کی وجہ سے نصوصِ قرآنی، صحیح احادیث اور اہلُ السنۃ کا موقف نظر انداز ہو جائے، تو ہوتا رہے، اس کی پروا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حدِ اعتدال سے تجاوز کے الزام پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا کام لے رہیں ہیں، جس طرح تالیفی سلسلہ جاری ہے، سو فیصد اتفاق نہ سہی، پھر بھی فکری و اصلاحی پیغام تو پہنچ رہا ہے، لیکن بارہویں جلد لکھ کر تو آپ نے حدِ اعتدال سے تجاوز کیا ہے، اگر یہ کتاب اِدھر اُدھر پھیلی، تو اس کے نتائج کا آپ تحمل نہ کر سکیں گے، اور نہ آپ کے وہم و گمان میں ہوگا کہ یہ کیا طوفان پیدا کرے گی''۔انتہٰی۔

کلام:

اولاً تو کسی موقف پر خود سے حدِ اعتدال سے تجاوز کا دعویٰ کرنا معتبر نہیں، جب تک اس کی کوئی معتبر دلیل پیش نہ کی جائے، اور اس کے مقابلے میں صحیح بات یہ ہے کہ شریعت نے جو احکام

بیان فرمادیئے ہیں، بالخصوص جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، تو ان کو اختیار کرنا اور ان پر قائم رہنا ہی حدِ اعتدال میں داخل ہے، خواہ کسی کو وہ حدِ اعتدال سے تجاوز محسوس ہوتا ہو، اس کا اعتبار نہیں، ورنہ تو کوئی بھی اٹھ کر کسی بھی مسئلہ کے متعلق اس طرح کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں حدِ اعتدال سے تجاوز کیا گیا ہے، مثلاً کوئی شیعہ یہ کہنے لگے کہ اہل السنۃ نے ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت دے کر، یا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما پر فوقیت دے کر حدِ اعتدال سے تجاوز کیا ہے، اور اسی طرح ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت میں داخل مان کر حدِ اعتدال سے تجاوز کیا ہے، اور اسی طرح ابو طالب کو کافر قرار دے کر حدِ اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔

''و ھلم جرّا''

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے پاس اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے طے کردہ حد بندیوں کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۲۹)

ترجمہ: یہ اللہ کی حدود ہیں، پس نہ تجاوز کرو تم، ان سے اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی (مقررہ) حدود سے، تو وہی لوگ ظالم ہیں (سورہ بقرہ)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ(سورۃ الطلاق، رقم الآیۃ ۱)

ترجمہ: اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جو تجاوز کرے گا، اللہ کی حدود سے، تو بلاشبہ، اس نے ظلم کیا اپنی جان پر (سورہ طلاق)

علی بن احمد بن محمد نیسابوری (المتوفی 468ھ) ''الوسیط فی تفسیر القرآن المجید'' میں فرماتے ہیں:

مبنى الشريعة على هذين القرآن والسنة، وبهما يؤقت على حدود الله(التفسير الوسيط۔الوسيط فى تفسير القرآن المجيد، ج۳،ص ۴۷۰،سورة الاحزاب)

ترجمہ: شریعت کا مبنیٰ،ان ہی دو چیزوں ،یعنی قرآن وسنت پر ہے ،اور ان دو چیزوں ہی کے ذریعہ اللہ کی حدود کو قائم کیا جاسکتا ہے (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید)

اوراسی شرعی اعتدال اور حد بندی کو ملحوظ رکھنے کے لیے، قرآن وسنت میں غلو کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ غلو کے معنیٰ حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کے آتے ہیں، اور اعتدال، درحقیقت افراط وتفریط کے دونوں کناروں کے مابین ہوتا ہے۔

چنانچہ نظام الدین نیشاپوری (المتوفیٰ:850ھ) اپنی تفسیر ''غرائبُ القرآن '' میں فرماتے ہیں کہ:

يا أهل الكتاب لا تغلوا والغلو مجاوزة حد الاعتدال وأنه شامل لطرفي الإفراط والتفريط(غرائب القرآن ورغائب الفرقان۔تفسير النيسابورى، ج۲،ص ۶۲۴،سورة المائدة)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم غلو نہ کرو، اور ''غلوّ'' حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے، اور وہ افراط وتفریط کے دونوں کناروں کو شامل ہوتا ہے (غرائبُ القرآن)

اور ہم نے مبحوث فیہ مسئلے میں، جس موقف کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا، وہ الحمد للہ تعالیٰ افراط وتفریط سے پاک اور نصوصِ شرعیہ اور احادیثِ معتبرہ کے مطابق ہے، جس کے ذیل میں نصوصِ کثیرہ کی روشنی میں جابجا یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس موقف کے برخلاف قول ہی دراصل حدِ اعتدال سے خارج کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

جبکہ آنجناب اس کے برعکس شرعی دلائل کی روشنی میں ثابت شدہ معتدل موقف پر حدِ اعتدال

سے تجاوز ہونے کا حکم لگا رہے ہیں، اور اس کی دلیل بھی پیش نہیں کر رہے، اسی کو کہتے ہیں ''الٹا چور، کوتوال کو ڈانٹے''

فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ بننے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہاں سوائے اس کے کہ آپ کسی کے ہاتھوں شعوری طور پر استعمال ہو رہے ہوں، تو اور بات ہے (پھر آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا) بے ادبی معاف، کہیں آپ فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ تو نہیں بن رہے ہیں؟'' انتھٰی۔

کلام:

اولاً تو قرآن وسنت کی روشنی میں اختیار کردہ موقف پر کسی کے ہاتھوں شعوری، یا غیر شعوری طور پر استعمال ہونے کا دعویٰ ہی سراسر خلافِ حقیقت ہے، کیونکہ جو موقف قرآن وسنت کے معتبر دلائل پر مبنی ہو، اس کے متعلق تو قرآن وسنت کے ہاتھوں استعمال ہونے کا حکم لگانا، صادق آتا ہے، اور اس اعتبار سے اس موقف کی تائید وتصدیق کرنی چاہیے، پھر اس کے باجود بھی اگر دوسرے کا مقصود کسی کے ہاتھوں شعوری، یا غیر شعور طور پر استعمال ہونا ہو، تو اس کا پورا پورا فیصلہ قیامت کے دن ہو جائے گا، اس کی طرف سے آنجناب کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے اگر بالفرض کوئی آنجناب کے موقف کے مطابق سیدھے طور پر ہی یہ کہہ دے کہ ''کہیں آنجناب شیعہ وروافض کے ہاتھوں شعوری طور پر استعمال ہو رہے ہوں، تو اور بات ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ بات جناب کو آسانی سے ہضم نہ ہوگی، جبکہ یہاں پہلے موقف کے مقابلے میں مذکورہ بدگمانی کے امکانات زیادہ ہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں اہل السنۃ واہل تشیع کا اختلاف ''کالشمس فی النھار'' کی طرح واضح ہے۔

رہا بندہ پر جناب کی طرف سے فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ بننے کا الزام، تو اس سلسلے میں پہلے تو یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ فتنے سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟ کیونکہ فتنہ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، اور پھر اس کے معنیٰ کی تعیین کرنے کے بعد دلیل کے ذریعے، اس کا ثبوت بھی ضروری ہے۔

شریعت کی زبان میں ''فتنہ'' کے ایک معنیٰ ''راہِ حق سے بھٹکنے'' کے آتے ہیں، اور ایک معنیٰ ''لوگوں کے مابین فتنہ پیدا کرنے'' کے آتے ہیں، اور ایک معنیٰ ''ابتلاء وامتحان اور اختبار'' کے آتے ہیں، اور ایک معنیٰ ''موضوع ومن گھڑت اور غیر معتبر، اخبار وروایات کی نشر واشاعت'' کے آتے ہیں۔ [1]

---

[1] (باب إمامة المفتون والمبتدع)أی :هذا باب فی بیان حکم إمامة المفتون، وهو من فتن الرجل فهو مفتون إذا ذهب ماله وعقله، والفاتن :المضل عن الحق، والمفتون المضل، بفتح الضاد، هكذا فسره الكرمانی .وقال بعضهم :أی الذی دخل فی الفتنة فخرج علی الإمام .قلت :هذا التفسير لا ينطبق إلا علی الفاتن، لأن الذی يدخل فی الفتنة ويخرج علی الإمام هو الفاعل، وكان ينبغی للبخاری أيضا أن يقول :باب إمامة الفاتن(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج۵،ص ۲۳۰، كتاب مواقيت الصلاة ،باب إمامة المفتون والمبتدع)

والفتنة :الاختلاف.والفاتن :الذی يوقع الفتنة بين الناس(الشافی فی شرح مسند الشافعی لابن الأثير، ج۲،ص ۱۳۱،كتاب الصلاة،القسم الاول، الباب الاول، الفصل السادس،الفرع الثالث فی آداب الإمامة)

الفتنة فی اللغة كما قال الأزهری :الابتلاء والامتحان والاختبار، وأصلها مأخوذ من قولك :فتنت الفضة والذهب إذا أذبتهما بالنار لتميز الردیء من الجيد.

وتأتی الفتنة بمعنی الكفر كما فی قوله تعالی :(وقاتلوهم حتی لا تكون فتنة) كما تأتی بمعنی الفضيحة كما فی قوله تعالی :(ومن يرد الله فتنته) وتأتی الفتنة بمعنی العذاب، وبمعنی القتل، والفاتن :المضل عن الحق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص۱۸ ،مادة"فتنة")

ومن الفتنة أن يفتن الناس بالأخبار الموضوعة والواهية والإشاعات وترتب عليها أحكام هذه فتنة، أن يتعلق الناس بالأخبار الضعيفة والموضوعة والرؤی والمنامات والتحليلات التی لا تبنی علی أساس شرعی ثم ترتب عليها مصاير كما هو الواقع الآن، فعلينا أن نراجع أنفسنا فی مثل هذه الظروف تطلب النجاة، والنجاة بالاعتصام بالكتاب والسنة(شرح كتاب الفتن من صحيح البخاری،لعبد الكريم بن عبد الله بن عبد الرحمن بن حمد الخضير"دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير" رقم الدرس ۱ ،ص ۴،شرح كتاب الفتن:ما جاء فی قول الله تعالی:واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خآصة)

اب اگر قرآن وسنت کی معتبر نصوص کی نشر واشاعت اور غیر معتبر روایات واقوال کی نشان دہی کرنے کو راہِ حق سے بھٹکنا، اور اس کے مقابلے میں غیر معتبر اخبار وروایات کی نشر واشاعت کرنے کو فتنہ سے حفاظت، قرار دیا جائے، تو یہ سراسر خلافِ حقیقت ہے۔

اور اگر اس کی وجہ سے غیر معتبر اخبار وروایات اور اقوال نقل واختیار کرنے والوں کی طرف سے اختلاف لازم آتا ہو، تو ایسی صورت میں شریعت ان ہی لوگوں پر فتنہ پیدا کرنے والوں کا حکم عائد کرتی ہے، اور ان کو ہی دراصل فتنہ پرداز قرار دیتی ہے، اور اس کے نتیجے میں اگر ان فتنہ پرداز لوگوں کی جانب سے، قرآن وسنت کی معتبر نصوص کی نشر واشاعت اور غیر معتبر روایات واقوال کی نشان دہی کرنے والے کو ابتلاء وآزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اس پر بھی اس کے لیے عنداللہ اجر وثواب ہے، جو اس کے راہِ حق سے بھٹکنے کی دلیل تو کیا ہوتی، راہِ حق پر قائم ہونے کی دلیل ہے۔

اور اگر پھر بھی کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو پیش کرنا، فتنہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، تو اس کا عنداللہ وہ خود جواب دہ ہے۔

علمائے دیوبند کے خلاف محاذ کھڑا کرنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے رفقاء سے بڑے اچھے کام لے رہے ہیں۔
> یہ کتاب لکھ کر آپ نے اپنے خلاف اپنے رفقاء اور خاص کر علمائے دیوبند کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا ہے، یہ کتاب علمائے دیوبند کے خلاف ایک مسئلہ کھڑا کر دے گی''۔ انتہٰی۔

کلام:

آنجناب نے یہاں بھی بغیر دلیل کے ایک مبہم دعویٰ کر دیا، نہ تو اس دعوے کی تشریح وتوضیح کی

کہ کون سا محاذ کھڑا کر دے گی، اور نہ ہی یہ واضح کیا کہ علمائے دیوبند کے خلاف اس کی وجہ سے کون سا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا؟

اگر فتنہ پرداز لوگوں کی طرف سے مختلف چہ میگوئیاں اور الزام تراشیاں اور طعنہ زنیاں وغیرہ مراد ہوں، تو یہ کام تو بہت پہلے سے اہلِ حق کے خلاف ہوتا آیا ہے، علمائے دیوبند کے خلاف بھی شروع سے جاری ہے۔

جہلاء اور فتنہ پرداز لوگوں کی طرف سے اہلِ حق علماء کو بے ادب، گستاخِ رسول اور نہ جانے کیا کچھ نہیں کہا گیا، اور اس پر مستقل مضامین ورسائل بھی تحریر کیے گئے، تو کیا اس کی وجہ سے علمائے حق اور اہلِ حق حضرات نے حق گوئی کے سلسلے کو موقوف فرما دیا، یا اس کو فتنہ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ٹھہرا دیا، بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہر محاذ پر فتنہ پرداز لوگوں کا جواب دیا گیا، اور ان کا تعاقب کیا گیا۔

پھر اگر یہ کتاب علمائے دیوبند کے خلاف محاذ کھڑا کر دے گی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو موقف، اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے، وہ علمائے دیوبند کے موقف کے مطابق ہے، جبکہ آنجناب نے آگے جا بجا، اس موقف کے متعلق علمائے دیوبند کے خلاف ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، جس سے آنجناب کے موقف کا تذبذب بھی ظاہر ہوتا ہے۔

علمائے دیوبند کی بعض عبارات کے جواب دینے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''علمائے دیوبند اپنی بعض عبارات کے جواب دے کر گویا فارغ ہوئے کہ اس وقت وہ طوفانی لہریں کسی حد تک تھم گئی ہیں، لیکن آپ کا اس مسئلہ پر اس شدت سے اظہارِ خیال، ایک طوفان سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کی حفاظت فرمائیں''۔ انتہیٰ۔

کلام:

جناب کا یہ دعویٰ بھی حسبِ معمول مبہم ہے، اگر علمائے دیوبند کا موقف کچھ اور تھا، لیکن انہوں نے فتنہ پرداز لوگوں کی طرف سے، طوفانی لہروں سے بچنے کے لیے دوسرا موقف اختیار وظاہر کیا، تو یہ بات اہلِ حق علماء کی شایانِ شان نہیں۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ علمائے دیوبند کی بعض امور، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمُ الغیب قرار دینے سے متعلق بعض عبارات پر اہلِ بدعت کو اعتراض ہوا تھا، اور اس پر ان کی طرف سے طوفانِ بدتمیزی برپا کیا گیا تھا، جن کا علمائے دیوبند نے جواب دیا، تو یہ جواب اپنی جگہ درست تھا، اب اگر مبحوث فیہ مسئلہ پر اہلِ بدعت، یا کسی اور کی طرف سے طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جائے گا، تو اس کا بھی معقول جواب دیا جائے گا اور اس مسئلہ پر اس طرح کا طوفان برپا کرنے والوں کی طرف سے جواب دیا بھی جا تا رہا ہے، فرق اتنا ہے کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں اہلِ بدعت کی طرف سے طوفانِ بدتمیزی کی زَد میں بعض سادہ لوح، یا حقیقتِ حال سے ناواقف، یا اجتہادی خطاء کے مرتکب ہو کر، بعض اہل السنۃ بھی آ گئے اور وہ بھی اس کا کسی درجہ میں حصہ بن گئے۔

رہا اس مسئلے پر شدت سے اظہارِ خیال، کا دعویٰ، تو یہ آپ کا احساس ہے، آپ کہیں قرآن وسنت کے مطابق پیش کردہ موقف پر حدِ اعتدال سے تجاوز کا حکم لگاتے ہیں، اور کہیں شدت کا حکم لگاتے ہیں۔

لیکن ہمارا اس بارے میں موقف یہ ہے کہ قرآن وسنت کی معتبر تعلیمات کو مِن وعَن پیش کرنا چاہیے، اور اُن کو معتدل سمجھنا چاہیے، خواہ کسی کی طبیعت کو وہ شدید محسوس ہوں، یا کچھ اور۔

پھر یہ بھی واضح نہیں کہ آپ کون سے اکابر کی حفاظت کے متلاشی ہیں، اور آپ کون سے حضرات کو اپنے اکابر خیال فرماتے ہیں، اور کون سے حضرات کو اکابر کی فہرست سے خارج شمار کرتے ہیں؟

ہمارے نزدیک تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے لے کر، آج کے دور تک، تمام اہلِ حق علماء وصلحاء، درجہ بدرجہ اکابر میں داخل ہیں، اوران سب کی سند خاتم النبیین ، رحمۃٌ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، اور زیرِ نظر کتاب میں جو ہم نے موقف پیش کیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، سلفِ صالحین سے لے کر متعدد متاخرین اکابر سب ہی سے ثابت ہے، البتہ بعض علماء واکابر کا موقف اس کے برخلاف بھی ہے، جو دلائل کی رو سے مرجوح ہے، اور اس کی وجہ سے ان اکابر کی شان اور مقام میں کوئی کمی اور تنزلی واقع نہیں ہوتی۔

اور اکابر علمائے حق کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ حفاظت ہوتی رہی ہے، ان کے خلاف برپا ہونے والے طوفان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کبھی کامیاب نہیں ہوئے، اور نہ ہی ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے، کیونکہ ان کا تعلق اس جماعت سے ہے، جو تا قیامت قائم و غالب رہے گی، اس کو کسی کا رسوا کرنا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائے گا   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور جس کو رسوائی کا خوف ہو، اور وہ اس کی بناء پر حق گوئی سے ساکت وصامت ہو جائے، وہ اس جماعتِ حقہ میں داخل ہی نہیں، بے شک وہ اپنی نسبت اس جماعت کی طرف کیوں نہ کرے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا اس مسئلے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''یہ بات نہیں کہ اس مسئلہ پر کلام کیوں فرمایا؟ علمی انداز سے پہلے بھی اس پر کلام ہوا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ متکلمِ اسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز مسلم کی شرح '' فتحُ الملهم ''میں کلام فرمایا، لیکن کس حسنِ

ادا سے اس معرکہ کو سَر کر لیا اور قیامت تک اس عنوان سے جو فتنے اٹھ سکتے تھے، اُن کا قلع قمع کر دیا، اوراہلِ علم پر اس مسئلہ کی نزاکت کو واضح کر دیا۔ الا بـخیـر اولٰی و اسلم۔

(حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ہر طالبِ علم کو اپنی درسگاہ پر ناز ہوتا ہے، لیکن علامہ اس شان کے عالم تھے کہ اُن کی درسگاہ کو اُن پر ناز تھا)

اس مسئلہ میں اکابر کا یہ طرزِ عمل ہے''۔ انتھٰی۔

کلام :

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے'' فتحُ الملھم ''میں جو کچھ اس سلسلے میں نقل فرمایا ہے، وہ درجِ ذیل ہے:

قال النووی :''فیه أن من مات علی الکفر فھو فی النار ولا تنفعه قرابة المقربین وفیه أن من مات فی الفترة علی ما کانت علیه العرب من عبادة الأوثان فھو من أھل النار ولیس ھذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة فإن ھؤلاء کانت قد بلغتھم دعوة إبراھیم وغیرہ من الأنبیاء صلوات اللّٰہ تعالی وسلامه علیھم اجمعین''

قال العلامة ابن حجر فی الزواجر:''أن نبینا – صلی اللّٰہ علیه وسلم – قد أکرمه ا للّٰہ تعالی بحیاة أبویه له حتی آمنا به کما فی حدیث صححه القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرھما، فانتفعا بالإیمان بعد الموت علی خلاف القاعدة إکراما لنبیه – صلی اللّٰہ علیه وسلم ''کذا فی ردالمحتار.

قال ابن عابدین :''ولا ینافی أیضا ما قاله الإمام فی الفقه الأکبر من

أن والديه – صلى اللّٰه عليه وسلم – ماتا على الكفر، ولا ما فى صحيح مسلم استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى وما فيه أيضا أن رجلا قال يا رسول اللّٰه أين أبى؟ قال: فى النار، فلما قفا دعاه إن أبى وأباك فى النار لإمكان أن يكون الإحياء بعد ذلك لأنه كان فى حجة الوداع، وكون الإيمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الموت فذاك فى غير الخصوصية التى أكرم اللّٰه بها نبيه – صلى اللّٰه عليه وسلم – وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا فى زمن الفترة مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجيا، أما الماتريدية، فإن مات قبل مضى مدة يمكنه فيها التأمل ولم يعتقد إيمانا ولا كفرا فلا عقاب عليه، بخلاف ما إذا اعتقد كفرا أو مات بعد المدة غير معتقد شيئا.

نعم البخاريون من الماتريدية وافقوا الأشاعرة، وحملوا قول الإمام لا عذر لأحد فى الجهل بخالقه على ما بعد البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير، لكن هذا فى غير من مات معتقدا للكفر، فقد صرح النووى والفخر الرازى بأن من مات قبل البعثة مشركا فهو فى النار، وعليه حمل بعض المالكية ما صح من الأحاديث فى تعذيب أهل الفترة بخلاف من لم يشرك منهم ولم يوجد بل بقى عمره فى غفلة من هذا كله ففيهم الخلاف، وبخلاف من اهتدى منهم بعقله كقس بن ساعدة وزيد بن عمرو بن نفيل فلا خلاف فى نجاتهم، وعلى هذا فالظن فى كرم اللّٰه

تعالى أن يكون أبواه – صلى الله عليه وسلم – من أحد هذين القسمين، بل قيل إن آبائه – صلى الله عليه وسلم – كلهم موحدون لقوله تعالى "وتقلبك فى الساجدين" لكن رده أبو حيان فى تفسيره بأن قول الرافضة ومعنى الآية وترددك فى تصفح أحوال المتهجدين فافهم.

وبالجملة كما قال بعض المحققين :أنه لا ينبغي ذكر هذه المسألة إلا مع مزيد الأدب .وليست من المسائل التى يضر جهلها أو يسأل عنها فى القبر أو فى الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم" (فتح الملهم، ج۲ ص ۳۸۲، ۳۸۳، كتاب الإيمان، باب بيان ان من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربين، الناشر: دار احياء التراث العربى، بيروت ، لبنان، الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۶ھ 2006م)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے، امام نووی کی عبارت نقل کرنے کے بعد، جو عبارت نقل کی ہے، وہ پوری ''ردالمحتار'' کی عبارت ہے۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ص ۱۸۴، ۱۸۵ ،باب نكاح الكافر)

اور ہم نے اپنی کتاب میں، امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت کو اپنے مقام پر، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت کو اپنے مقام پر ذکر کر دیا ہے، اور اس پر کلام بھی کر دیا ہے۔

جبکہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے دونوں عبارات کو صرف نقل کیا ہے، اور ان پر کوئی کلام نہیں کیا۔

اور اکابرِ دیوبند میں سے حضرت گنگوہی اور بعض دیگر اکابرِ دیوبند نے اسی موقف پر اکتفاء کیا، جس موقف کو ہم نے راجح سمجھا، اور ہم نے اسی موقف کے راجح ہونے کے دلائل قائم کیے، اور اسی موقف کی تائید وتشریح، اور اس پر وارِد ہونے والے شبہات پر کلام کیا،

جیسا کہ آگے آتا ہے۔

تو کیا جس موقف کو مضبوطی کے ساتھ ہم نے اختیار کیا، وہ اکابر کے طرزِ عمل سے خارج ہے، اور آپ کو صرف اپنے پسند والے موقف کو اختیار کرنے والے حضرات ہی اکابر نظر آتے ہیں، اور دیگر اکابر کا قیامت تک اٹھنے والے فتنوں کے قلع قمع کرنے میں کوئی کردار نظر نہیں آتا؟

پھر اگر، ہم پلٹ کر جناب کے جواب میں یہ کہیں کہ حضرت گنگوہی نے اس مسئلہ پر کلام فرمایا، اس مسئلہ میں انہوں نے کس حسنِ اداء سے اس معرکہ کو سر کرلیا اور قیامت تک اس عنوان سے جو فتنے اٹھ سکتے تھے، ان کا قلع قمع کردیا، اور اہلِ علم پر اس مسئلہ میں اختلاف اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قرآن وسنت کی نصوص پر مبنی موقف کو واضح کردیا'' تو جناب کو شاید یہ بات نہایت ناپسندیدہ محسوس ہو۔

مسئلہ ھٰذا پر پہلی ضخیم کتاب کے الزام پر کلام

جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''جبکہ آپ نے چھ سو صفحات اس پر لکھ ڈالے، شاید اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں یہ پہلی ضخیم کتاب ہوگی، جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اس قدر سخت انداز اختیار کیا گیا ہے، حضرت آپ کی اس تحریر کی وجہ سے ایک بڑے طبقے کی پگڑیاں اچھالی جائیں گی، اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے''۔انتہٰی۔

کلام:

جناب کے اس غلط فہمی پر مبنی موقف کے متعلق عرض ہے کہ کیا کسی موضوع پر ضخیم کتاب کا لکھنا، اس کے غلط ہونے، اور مختصر کتاب، یا مختصر مضمون لکھنا، اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن پر متقدمین کے ادوار، یا سابق زمانوں میں تفصیلی کلام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، لیکن بعد میں کسی زمانے میں ان ہی مسائل پر تفصیلی کلام کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جس طرح ایک عرصے سے بہت سے عوامی حلقوں اور بعض علماء کی طرف سے شدت واہتمام کے ساتھ اس باب میں تبلیغ وتشہیر جاری ہے، اور منبر ومحراب کے علاوہ، رسائل وجرائد کی شکل میں بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، اور اس کے متعلق ایک پختہ عقیدہ بنا لیا گیا ہے، جس کا مدار صحیح ومعتبر احادیث کے مقابلے میں، نا قابلِ اعتبار، موضوع اور ضعیف روایات پر ہے، اور اس کے نتیجے میں صحیح ومعتبر احادیث ونصوص، اور اہل السنۃ کے اصل موقف کا معارضہ، اور اس سے بڑھ کر اس پر طعن وتشنیع کا سلسلہ بھی لازم آ رہا ہے۔

تو ہماری نظر میں یہ صورتِ حال اس بات کی متقاضی تھی کہ اس موضوع پر تحقیقی وتفصیلی کلام کر کے **ما لها وما عليها** کو زیرِ بحث لایا جائے، اور مسئلے کو پوری طرح منقح کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ کام ایک ضخیم کتاب کی شکل میں ہی عمدہ طریقے پر انجام پا سکتا ہے۔

ایسی صورت میں، اس کے ضخیم ہونے کو کیونکر موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

آنجناب کی طرف سے کہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں، اس قدر سخت انداز اختیار کرنے، اور کہیں حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے، اور کہیں شدت کا، جو بار بار الزام عائد کیا جاتا ہے، یہ الزام سراسر خلافِ واقعہ ہے، یہ بات بار ہا واضح کی جا چکی ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے نہ کسی سختی کی آمیزش کی، اور نہ نرمی کی آمیزش کی، بلکہ شریعت کی طرف سے پیش کردہ حکم کو مِن وعَن نقل کر دیا، اور تمام تفصیل وتشریح اور توضیح اسی کے ارد گرد دائر رہی۔

رہا جناب کی طرف سے بڑے طبقے کی پگڑیاں اچھالے جانے کے الزام کا مسئلہ، تو یہ پگڑیاں تو ایک عرصے سے اہلِ حق کی مختلف مسائل میں اچھالی جا رہی ہیں، اور خود اس مسئلے میں بھی

اہلِ حق کی اچھالی جاتی رہی ہیں، جو کتاب کی اشاعت سے قبل ہمارے علم میں تھیں، اس مسئلے میں جمہور متقدمین ومتاخرین جس موقف کو اختیار کرتے ہیں، وہ موقف قرآن وسنت کی معتبر تعلیمات سے مبرہن ہے، لیکن اس موقف کے حامل کو بے ادب، گستاخ اور ملعون تک بھی کہا اور لکھا جاتا ہے، کیا ان سب کی پگڑیاں اتنی سستی اور نا قابلِ ذکر ہوگئی ہیں کہ ان کے فکر کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور ان سب کے سرے پر سب سے عظیم پگڑی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جن کے خبر دینے سے ہمیں آپ کے والدین کے متعلق صحیح موقف کا علم ہوا۔

البتہ اگر کسی کو ان کثیر وجلیل حضرات کے مقابلے میں صرف چند حضرات اپنے اکابر نظر آتے ہوں، اور ان کے تسامح پر مبنی قول کی زیادہ فکر لاحق ہو، تو وہ اس کا معاملہ ہے، جس کا وہ خود عند اللہ جواب دہ ہے۔

''أبوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور اہلِ باطل کو سبق

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''حضور والا! ملکی حالات جس بحران کا شکار ہیں، اور جس تسلسل سے مذہبی طبقات کو مذاق کا نشانہ بنایا جارہا ہے، خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر جملہ کفار کی گستاخیوں سے محفوظ نہیں ہیں، آپ کفر کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟''
>
> انتہٰی۔

کلام:

جناب کے اس سوال کا کہ ''آپ کفر کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟'' نہایت آسان اور سادہ جواب یہ ہے کہ ہم کفر کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام میں کسی سے محبت اور عدمِ محبت کا دارومدار، اللہ اور اس کے رسول کے احکامات وارشادات پر ہوتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت، ایمان کے تابع ہوتی ہے۔

ایمان وتوحید کے بغیر نہ اللہ وراس کے رسول سے محبت نجات کے لئے کافی ہے، نہ اس کے بغیر رسول کی کسی سے محبت کافی ہے۔

نجاتِ اخروی کے لئے ایمان وتوحید ضروری ہے، اسی وجہ سے ابوطالب کی محبت وتعلق، ان کی نجات کا ذریعہ نہ بنا، اوراس بارے میں قرآن وسنت کی نصوص اور اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیات کی تصریحات اتنی زیادہ ہیں کہ جن کا احاطہ کرنا بھی دُشوار ہے۔

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ(سورة القصص، رقم الآية ٥٦)

ترجمہ: بے شک آپ نہیں ہدایت دے سکتے، اس کو جس سے آپ محبت کریں، اورلیکن اللہ ہدایت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اور وہ زیادہ جانتا ہے، ہدایت دیے جانے والے لوگوں کو (سورہ قصص)

قرآن مجید ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو مشرکوں کے لیے استغفار کی ممانعت کی گئی ہے، اگرچہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کو بیٹے کے متعلق اللہ کی طرف سے تنبیہ بھی کی گئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطٰى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ(سنن أبى داود، رقم الحديث ٤٦٨١، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اور

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناده حسن(حاشية سنن ابى داؤد)

اللہ ہی کے لیے بغض رکھا، اور اللہ ہی کے لیے دیا، اور اللہ ہی کے لیے منع کیا، تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا (سنن ابی داؤد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيْمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللّٰهِ، وَتُبْغِضَ فِي اللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۵۲۴) [1]

ترجمہ: ایمان کا سب سے مضبوط حلقہ یہ ہے کہ آپ، اللہ کے سلسلے میں محبت رکھیں، اور اللہ کے سلسلے میں بغض رکھیں (مسند احمد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ. (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۵۹۹، كتاب السنة، باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال میں سب سے زیادہ افضل عمل، اللہ کے سلسلے میں محبت رکھنا اور اللہ کے سلسلے میں بغض رکھنا ہے (ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے محبت رکھنا، بہت بڑی فضیلت کا باعث ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں سے محبت رکھی جائے، اور نافرمانوں سے محبت نہ رکھی جائے، اسی وجہ سے اگر یہ محبت اللہ کے بجائے، محض اپنے قلب کے میلان، یا لِلّٰه فی اللّٰه ہونے کے بجائے، کسی دوسری غرض پر مبنی ہو، تو پھر مذکورہ فضائل مرتب نہیں ہوتے، جیسا کہ اہلِ تشیع واہلِ روافض کو مخصوص اہلِ بیت سے تو محبت ہے،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث حسن بشواهده، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابی داؤد)

لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی دیگر محبوب شخصیات سے محبت نہیں ہے۔ [1]

یہی پیغام خاندانِ نبوت سے محبت میں غلو کرنے والوں کے متعلق اہلِ بیت کے ایک چشم وچراغ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے، حضرت حسن بن حسن رحمہ اللہ نے دیا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بھی ذکر فرمایا۔

اور ہم بھی اہلِ باطل کو یہی پیغام دینا چاہتے ہیں۔

چنانچہ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ (المتوفی: 279ھ) اپنی ''التاریخُ الکبیر'' میں روایت کرتے ہیں کہ:

أخبرنا مصعب، قال: عبد اللّٰه بن حسن بن حسن بن علی بن أبی طالب؛ أمه: فاطمة بنت الحسین بن علی بن أبی طالب.

قال: وكان الفضيل بن مرزوق يقول: سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل يغلوا فيهم: ويحكم أحبونا للّٰه، فإن أطعنا اللّٰه فأحبونا، وإن عصينا اللّٰه فأبغضونا، فلو كان اللّٰه نافعا أحدا لقرابته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بغير طاعة؛ لنفع بذلك أباه وأمه، قولوا فينا الحق فإنه أبلغ فيما تريدون، ونحن نرضى به منكم (التاريخ الكبير المعروف بتاريخ ابن أبی خيثمة ــ السفر الثانی، ج۲، ص۲۱۹، رقم الحديث ۳۸۷۲)

ترجمہ: ہمیں مصعب (بن عبداللہ) نے خبر دی، انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ''جن کی والدہ فاطمہ بنتِ حسین بن علی بن ابی طالب ہیں'' کے متعلق فضیل بن مرزوق نے فرمایا کہ میں نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) حسن بن حسن سے سنا، وہ ایک آدمی کو فرما رہے تھے، جو اُن

---

[1] (من أحب لله) أی لأجله ولوجهه مخلصا لا لميل قلبه وهوى نفسه (وأبغض لله) لا لإيذاء من أبغضه له بل لكفره أو عصيانه .(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۸۳۰۸)

کے متعلق غلو کرتا تھا کہ تمہارا ناس ہو، تم ہم سے اللہ کے لیے محبت کرو، پس اگر ہم اللہ کی اطاعت کریں، تو تم ہم سے محبت کرو، اور اگر ہم اللہ کی نافرمانی کریں، تو تم ہم سے بغض رکھو، پس اگر اللہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے بغیر طاعت کے نفع پہنچاتا، تو اس قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد، اور آپ کی والدہ کو ضرور نفع پہنچاتا، تم ہمارے متعلق حق بات کہو، یہ تمہارے مقصود کو حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے، اور اسی چیز کی وجہ سے ہم تم سے راضی ہو سکتے ہیں (التاریخ الکبیر)

حضرت حسن بن حسن کی مذکورہ روایت کو اور بھی بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے، اور اس روایت کا متعدد اہلِ علم حضرات نے ذکر کیا ہے، اور اس کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے، اور اس کی سند کو بھی معتبر قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ جلیلُ القدر شخصیت کی اپنی روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ محض قرابت ورشتہ داری کی بنیاد پر عنداللہ نفع پہنچنے کے سب سے زیادہ مستحق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تھے، لیکن ایمان وتوحید سے محرومی کے باعث وہ آخرت کے نفع کے مستحق نہ ہوئے۔

لہٰذا اہلِ تشیع کی طرف سے، محض اہلِ بیت واہلِ نسب ہونے کی بنیاد پر قبولیت کا مدار رکھنا، اور اسی بنیاد پر انبیائے کرام کے تمام آباء واجداد کے مومن وموحد ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

مذکورہ روایت کے تمام راوی معتبر ہیں۔

چنانچہ مذکورہ روایت کے اصل راوی تو حضرت حسن بن حسن، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے، اور جلیلُ القدر شخصیت ہیں۔ [1]

---

[1] ق :الحسن بن الحسن بن الحسن بن علی بن أبی طالب، (الوفاة: 150-141هـ)
أخو عبد الله وإبراهيم.
له رواية عن أبيه، وعن أمه فاطمة بنت الحسين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کی سند کے پہلے راوی ''مصعب بن عبداللہ'' ہیں، جن سے ابنِ ماجہ، امام مسلم اورابوداؤ دوغیرہ نے احادیث کوروایت کیا ہے، اور متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

روى عنه :عبيد بن وسيم الجمال، وعمر بن شبيب المسلى، وفضيل بن مرزوق.

مات فى سجن المنصور، يقال :فى ذى القعدة سنة خمس وأربعين ومائة(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبى، ج٣،ص ٨٤٤،حرف الحاء ،تحت رقم الترجمة ٨٨)

الحسن ابن سبط رسول الله -صلى الله عليه وسلم * -(س)

السيد أبى محمد الحسن، ابن أمير المؤمنين أبى الحسن على بن أبى طالب الهاشمى، العلوى، المدنى، الإمام، أبو محمد.

حدث عن :أبيه، وعبد الله بن جعفر.

وهو قليل الرواية والفتيا مع صدقه وجلالته.

حدث عنه :ولده؛ عبد الله، وابن عمه؛ الحسن بن محمد ابن الحنفية، وسهيل بن أبى صالح، والوليد بن كثير، وفضيل بن مرزوق، وإسحاق بن يسار والد محمد، وغيرهم(سير أعلام النبلاء، ج٤،ص ٤٨٣،الطبقة الثانية من التابعين، رقم الترجمة ١٨٥)

ل "س ق – مصعب "بن عبد الله بن مصعب بن ثابت بن عبد الله بن الزبير ابن العوام الأسدى أبو عبد الله الزبيرى المدنى سكن بغداد.

روى عن أبيه ومالك والدراوردى وابن أبى حازم والمنذر بن عبد الله الحزامى والضحاك بن عثمان والمغيرة بن عبد الرحمن الحرانى وإبراهيم بن سعد وبشر بن السرى وحماد بن فضالة بن رداد الليثى قال وكان قد بلغ مائة وسنتين.

روى عنه بن ماجة حديثا واحدا ومسلم خارج الصحيح وأبو داود خارج السنن وابن أخيه الزبير بن بكار ويحيى بن معين الذهلى ويعقوب بن شيبة وأبو خيثمة وابنه أبو بكر بن أبى خيثمة وإبراهيم بن إسحاق الحربى وعثمان بن خرزاذ ويعقوب بن سفيان وعبد الله بن أحمد وأبو يعلى وأحمد بن الحسين بن عبد الجبار الصوفى ومحمد بن إسحاق السراج وعبد الله بن محمد البغوى وآخرون.

قال أبو داود سمعت أحمد يقول مصعب الزبيرى ثبت.

وقال محمد بن عثمان بن أبى شيبة عن ابن معين وقال الدورى عن أبن معين الزبيرى عالم بالنسب.

وقال العباس بن مصعب أدركته وهو أفقه قرشى فى النسب.

وقال أبو زرعة الدمشقى لقيته بالعراق وكان فاضلا.

وقال الدارقطنى ثقة وقال الزبير بن بكار كان أوجه قريش مروة وعلما وشرفا وبيانا وقدرا وذكر فيه مدائح لابن صبيح وغيره قال وتوفى ليومين خلوا من شوال سنة ست وثلاثين ومائتين وهو بن ثمانين سنة وكذا ذكر الحسين بن فهم وفاته وزاد كان إذا سئل عن القرآن يقف ويعيب من لا يقف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے دوسرے راوی ''عبداللہ بن حسن'' ہیں، جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی معتبر راوی ہیں۔ [1]

اوراس روایت کے تیسرے راوی ''فضیل بن مرزوق'' ہیں، جن کی متعدد محدثین نے توثیق وتحسین فرمائی ہے، اور بعض نے ان پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ''حسنُ الحدیث'' سے کم درجے کے راوی نہیں ہیں۔

امام ذہبی نے ''تاریخُ الاسلام'' اور ''میزانُ الاعتدال'' میں ان کے متعلق مختلف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت وذكره ابن حبان فى الثقات وقال أبو بكر المروزى قلت له قد كان أبو بكر بن عياش ووكيع يقولان القرآن غير مخلوق فقال أخطأ فقلت له فعندنا عن مالك أنه قال غير مخلوق قال أنا لم أسمعه وقال صالح بن محمد الحافظ روى سفيان بن عيينة عن مصعب خبرا حدثناه فيه محمد بن عباد عن سفيان عنه وقال مسلمة بن قاسم وأبو بكر بن مردويه ثقة(تهذيب التهذيب لابنِ حجر، ج١٠ ص ١٦٢ الٰى ١٦٣، تحت رقم الترجمة ٣٠٩)

[1] عبد الله "بن حسن بن حسن بن على بن أبى طالب الهاشمى المدنى أبو محمد وأمه فاطمة بنت الحسين بن على روى عن أبيه وأمه وابن عم جده عبد الله بن جعفر بن أبى طالب وعمه لأمه إبراهيم بن محمد بن طلحة والأعرج وعكرمة وأبى بكر بن عمرو بن حزم وعنه أبناه موسى ويحيى ومالك وليث بن أبى سليم وأبو بكر بن حفص بن عمر بن سعد والثورى وسعيد بن الخمس والداروردى وابن أبى الموال وأبو خالد الأحمر وعبد العزيز بن المطلب بن عبد الله بن حنطب وروح بن القاسم وحسين بن زيد بن على بن الحسين ومولاه حفص بن عمر وإسماعيل بن علية وجماعة قال يحيى بن المغيرة الرازى عن جرير كان مغيرة إذا ذكر له الرواية عن عبد الله بن الحسن قال هذه الرواية الصادقة وقال مصعب الزبيرى ما رأيت أحدا من علمائنا يكرمون أحدا ما يكرمونه وقال عبد الخالق بن منصور عن ابن معين ثقة مأمون وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين ثقة وكذا قال أبو حاتم والنسائى وقال محمد بن سعد عن محمد بن عمر كان من العباد وكان له شرف وعارضة وهيبة ولسان شديد وقال محمد بن سلام الجمحى كان ذا منزلة من عمر بن عبد العزيز قال ابنه موسى توفى فى حبس أبى جعفر وهو ابن 7سنة وقال الواقدى كان موته قبل قتل ابنه بأشهر وكان قتل محمد فى رمضان سنة خمس وأربعين ومائة قلت وفى التوحيد فى صحيح البخارى من طريق عبد الرحمن بن أبى الموال قال سمعت محمد بن المنكدر يحدث عبد الله بن الحسن يقول أخبرنى جابر بن عبد الله فذكر حديث الاستخارة وذكره ابن حبان فى الطبقة الثالثة من الثقات فكأنه لم يصح له سماعه من عبد الله بن جعفر وقال عبد الله بن حسن بن حسن عن عمه لأمه إبراهيم بن محمد بن طلحة(تهذيب التهذيب لابنِ حجر، ج۵ ص١٨٦، ١٨٧، تحت رقم الترجمة ٣٢١)

اقوال نقل فرمائے ہیں۔ [1]

اور امام مزی نے بھی ان کے متعلق مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ [2]

---

[1] م تبعا :فضيل بن مرزوق، أبو عبد الرحمن، الكوفى، العنزى، مولاهم، الأغر (الوفاة: 170-161هـ)

عن :عدى بن ثابت، وعطية العوفى، وشقيق بن عقبة، وأبى سلمة الجهنى، وجماعة.

وقيل :أنه روى عن أبى حازم الأشجعى .وروى عنه :أبو أسامة، ويزيد بن هارون، ووكيع، ويحيى بن آدم، وأبو نعيم، وعلى بن الجعد، وسعدويه، وجماعة.

وثقه ابن عيينة، وابن معين.

وقال ابن عدى :أرجو أنه لا بأس به.

وقال النسائى :ضعيف.

وضعفه ابن معين مرة.

وقال الحاكم :عيب على مسلم إخراجه فى صحيحه.

قلت :إنما روى له فى المتابعات، ولم يذكره البخارى فى كتاب "الضعفاء"، ولا النسائى، ولا العقيلى، ولا أبو بشر الدولابى، وهو صالح الحديث،وقال ابن حبان :منكر الحديث جدا، كان ممن يروى عن عطية الموضوعات، ثم قال :والذى عندى أن كل ما روى عن عطية من المناكير يلزق بعطية، ويبرأ فضيل منها، إلى أن قال :وهو ممن أستخير الله فيه.

وقال أحمد بن زهير :سئل يحيى بن معين عنه، فقال :ضعيف.

قلت :وهو شيعى غير رافضى.

قال الهيثم بن جميل :جاء فضيل بن مرزوق -وكان من أئمة الهدى زهدا وفضلا- إلى الحسن بن حى، فأخبره أنه ليس عنده طعام، فأخرج له ستة دراهم، وقال :ما معى غيرها، فقال :سبحان الله : ليس عندك غيرها، وأنا آخذها، فأبى الحسن إلا أن يأخذها، فأخذ ثلاثة، وترك ثلاثة(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبى،ج۴،ص۴۷۸، ۴۷۹،حرف الفاء ،تحت رقم الترجمة ۳۲۳)

قلت :وكان معروفا بالتشيع من غير سب(ميزان الاعتدال فى نقد الرجال،للذهبى ج۳،ص۳۶۲، تحت رقم الترجمة ۶۷۷۲ ،حرف الفاء)

[2] فضيل بن مرزوق الأغر الرقاشى ويقال :الرؤاسى، أبو عبد الرحمن الكوفى مولى بنى عنزة.

روى عن :حسن بن حسن بن حسن بن على بن أبى طالب............

قال المثنى بن معاذ بن معاذ العنبرى، عن أبيه :سألت سفيان الثورى عنه فقال :ثقة.

وقال الحسن بن على الحلوانى، عن الشافعى :سمعت ابن عيينة يقول :فضيل بن مرزوق ثقة.

وقال أبو بكر الأثرم ، عن أحمد بن حنبل :لا أعلم إلا خيرا.

وقال أبو بكر بن أبى خيثمة، عن يحيى بن معين :ثقة.

وقال عبد الخالق بن منصور، عن يحيى بن معين :صالح الحديث، ولكنه شديد التشيع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غلو پر مشتمل فکر کے بعض حاملین کو جب مذکورہ اور اس جیسی روایات کے پیشِ نظر کوئی فرار کا راستہ نہیں ملتا، تو وہ مبہوتوں کی طرح عجیب وغریب قسم کی اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، چنانچہ اس طرح کے ایک شخص نے کہا کہ''مذکورہ روایت کا مرکزی راوی''فضیل بن مرزوق''ہے، جس پر بعض محدثین نے جرح کی ہے''

حالانکہ ہر طرح کی جرح کا اعتبار نہیں ہوا کرتا، اور بعض حضرات کے متعلق جس طرح جرح کے اقوال مروی ہوسکتے ہیں، اسی طرح تعدیل کے اقوال بھی مروی ہوسکتے ہیں، اور شاید ہی کوئی راوی ایسا ہو، جس پر کسی نہ کسی نے کوئی جرح نہ کی ہو۔

اور واقعہ یہ ہے کہ''فضیل بن مرزوق''کا شمار''ثقہ حضرات''یا کم از کم''حسن درجہ''کے راویوں میں ہوتا ہے۔

امام ذہبی نے''سیرُ اعلام النبلاء''میں ان کو''محدث''کا خطاب دیا ہے، اور محدثین کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال غيره ، عن يحيى :لا بأس به

وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم :سألت أبي عنه، فقال :صدوق، صالح الحديث، يهم كثيرا، يكتب حديثه .قلت :يحتج به؟ قال :لا.

وقال النسائي :ضعيف.

وقال أبو أحمد بن عدى : أرجو إنه لا بأس به.

وقال الحسين بن الحسن المروزى :سمعت الهيثم بن جميل يقول :جاء فضيل بن مرزوق، وكان من أئمة الهدى زهدا وفضلا إلى الحسن بن حي، وكان لا يأتيه ولا يعلمه أنه ليس عنده إلا عند ضيق شديد فيخبره فآتاه فأخبره أنه ليس عندهم ، فقام الحسن فأخرج ستة دراهم، وأخبره أنه ليس عنده غيرها، فقال :سبحان الله ليس عندك غيرها وأنا آخذها، فأبى الحسن إلا أن يأخذها كلها، وأبى فضيل حتى ناصفه فأخذ ثلاثة وترك ثلاثة.

أخبرنا بذلك أبو الحسن بن البخارى، قال :أنبأنا أبو جعفر الصيدلانى، قال :أخبرنا محمود بن إسماعيل الصيرفى، قال :أخبرنا أبو بكر بن شاذان الأعرج، قال :أخبرنا أبو بكر بن فورك القباب، قال :أخبرنا الوليد بن أبان، قال :حدثنا أحمد بن محمدابن عاصم، قال :حدثنا الحسين بن الحسن المروزى، فذكره .

روى له البخارى فى كتاب (رفع اليدين فى الصلاة) ، والباقون(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال،للمزى،ج۲۳،ص۳۰۵ الیٰ ۳۰۹ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۴۷۶۹،باب الفاء)

مختلف آراء کے ضمن میں ''فضیل بن مرزوق'' کی حدیث کو ''حسن'' درجہ میں شمار کیا ہے۔[1]

نیز امام ذہبی نے ''الکاشف'' میں ''فضیل بن مرزوق'' کو ''ثقہ'' فرمایا ہے۔[2]

اور زینُ الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب دمشقی، حنبلی (المتوفٰی: 795 ہجری) فرماتے ہیں کہ:

وفضيل بن مرزوق ثقة وسط خرج له مسلم دون البخاری (جامع العلوم والحكم فی شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم، ج ۱، ص ۲۵۸، الحديث العاشر إن الله تعالى طيب لا يقبل إلا طيبا)

ترجمہ: اور فضیل بن مرزوق درمیانی درجہ کے ثقہ ہیں، مسلم نے ان کی حدیث کو روایت کیا ہے، بخاری نے روایت نہیں کیا (جامع العلوم والحکم)

اور شہابُ الدین احمد بن حسین بن علی بن رسلان مقدسی شافعی (المتوفٰی: 844 ہجری) فرماتے ہیں کہ:

(فضيل بن مرزوق) الكوفی، ثقة (شرح سنن أبی داود لابن رسلان، ج۱۶، ص۱۱۳، كتاب الحروف والقراء ات)

---

[1] فضيل بن مرزوق العنزی مولاهم، م، تبعا.
المحدث، أبو عبد الرحمن العنزی مولاهم، الكوفی، الأغر.
حدث عن :عدی بن ثابت، وأبی سلمة الجهنی، وعطية العوفی، وشقيق بن عقبة، وعدة.
وقيل :إنه روى عن أبی حازم الأشجعی، صاحب أبی هريرة.
حدث عنه :وكيع، ويزيد، وأبو أسامة، ويحيى بن آدم، وأبو نعيم، وعلی بن الجعد، وسعيد بن سليمان الواسطی، وآخرون .وثقه :سفيان بن عيينة، ويحيى بن معين .وقال ابن عدی :أرجو أنه لا بأس به.وجاء عن يحيى :أنه ضعفه.وقال النسائی :ضعيف.
وقال الحاكم :عيب على مسلم إخراجه فی (صحيحه).
قلت :ما ذكره فی الضعفاء البخاری، ولا العقيلی، ولا الدولابی، وحديثه فی عداد الحسن -إن شاء الله -وهو شيعی(سير أعلام النبلاء ،ج۷،ص ۳۴۲، تحت رقم الترجمة ۱۲۴، الطبقة السابعة)

[2] فضيل بن مرزوق الكوفی عن أبی حازم الاشجعی وطائفة وعنه يحيى بن آدم وقبيصة وعلى بن الجعد ثقة(الكاشف فی معرفة من له رواية فی الكتب الستة، ج۲،ص۱۲۵ ،تحت رقم الترجمة ۴۴۹۲، حرف الفاء)

ترجمہ: اور فضیل بن مرزوق کوفی ثقہ ہیں (شرح سنن أبی داود)

اور علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ:

(قلت) فضیل الذی أعلی به الطریق الأول ثقة صدوق احتج به مسلم فی صحیحه وأخرج له الأربعة (اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة، ج ۱، ص۳۰۸، ۳۰۹، کتاب المناقب)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فضیل بن مرزوق، جو اس حدیث کی سند میں اوپر ہیں، یہ ثقہ اور سچے ہیں، ان سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حجت پکڑی ہے، اور ان سے چاروں اصحابِ سنن (ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابنِ ماجہ) نے احادیث روایت کی ہیں (اللآلی المصنوعة)

امام مسلم نے ''صلاۃِ وسطیٰ'' سے ''نمازِ عصر'' مراد ہونے کے متعلق ''فضیل بن مرزوق'' کی سند سے حدیث کو روایت کیا ہے۔ [1]

امام حاکم نے بھی مذکورہ حدیث کو روایت کیا ہے، اور اس کی سند کو مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، جس کی امام ذہبی نے بھی موافقت کی ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا إسحاق بن إبراهيم الحنظلی، أخبرنا یحیی بن آدم، حدثنا الفضیل بن مرزوق، عن شقیق بن عقبة، عن البراء بن عازب، قال: نزلت هذه الآیة: ''حافظوا علی الصلوات'' وصلاة العصر، فقرأناها ما شاء الله، ثم نسخها الله، فنزلت: ''حافظوا علی الصلوات والصلاة الوسطی'' فقال رجل کان جالسا عند شقیق له: هی إذن صلاة العصر، فقال البراء: قد أخبرتک کیف نزلت، وکیف نسخها الله، والله أعلم، قال مسلم: ورواه الأشجعی، عن سفیان الثوری، عن الأسود بن قیس، عن شقیق بن عقبة، عن البراء بن عازب، قال: قرأناها مع النبی صلی الله علیه وسلم زمانا بمثل حدیث فضیل بن مرزوق (مسلم، رقم الحدیث ۶۳۰''۲۰۸'')

[2] أخبرنی مکرم بن أحمد القاضی، ثنا یحیی بن جعفر بن الزبرقان، ثنا أبو ...... ثنا فضیل بن مرزوق، حدثنی شقیق بن عقبة العبدی، حدثنی البراء بن عازب، قال: لما نزلت: حافظوا علی الصلوات وصلاة العصر فقرأناها علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ما شاء أن نقرأها، ثم إن الله نسخها فأنزل: '' حافظوا علی الصلوات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز مسند احمد میں بھی مذکورہ حدیث مروی ہے۔ [1]

شعیب الارنؤوط نے مذکورہ حدیث کی سند کو مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ [2]

اور امام مسلم نے ''فضیل بن مرزوق'' کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ(يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ)وَقَالَ(يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ)ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ، يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۰۱۵ ''۶۵'' کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقه من الکسب الطیب وتربیتها)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے، پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والصلاة الوسطى ''فقال له رجل: أهي صلاة العصر؟ فقال: أخبرتك كيف نزلت وكيف نسخها الله، والله أعلم هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۱۱۲)

قال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.

[1] حدثنا يحيى بن آدم، حدثنا فضيل يعنى ابن مرزوق، عن شقيق بن عقبة، عن البراء بن عازب قال: نزلت: ''حافظوا على الصلوات وصلاة العصر'' فقرأناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ما شاء الله أن نقرأها، لم ينسخها الله، فأنزل: ''حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى'' فقال له رجل كان مع شقيق يقال له زاهر: وهي صلاة العصر، قال: قد أخبرتك كيف نزلت، وكيف نسخها الله، والله أعلم (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۶۷۳)

[2] إسناده صحيح على شرط مسلم. وأخرجه مسلم (630) - ومن طريقه ابن حزم في "المحلى -4/258 "من طريق يحيى بن آدم بهذا الإسناد. بلفظ الرسم القرآني: والصلاة الوسطى(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ۱۸۶۷۳)

حکم دیا ہے، جس کا رسولوں کو حکم دیا ہے، پس فرمایا کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرو، بے شک میں تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہوں، اور فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو تم کو رزق دیا، اس میں سے پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ذکر کیا، جو دُور سے لمبا سفر کر کے (بیتُ اللہ وغیرہ کے لئے) جاتا ہے، اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن پر گردوغبار اَٹا ہوا ہے اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ''یارب یارب'' کہہ کر دعاء کرتا ہے (یہ شخص دعاء تو کر رہا ہے) اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اور پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کی غذا حرام ہے، پس ان حالات کی وجہ سے اس کی دعاء کیوں کر قبول ہوگی (مسلم)

مسند احمد میں بھی مذکورہ حدیث موجود ہے۔ [1]

شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ [2]

اور امام حاکم نے ''فضیل بن مرزوق'' کی سند سے ایک حدیث کو روایت کر کے اس کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، امام ذہبی نے بھی اس کو مسلم کی شرط پر کہا ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا أبو النضر، حدثنا الفضيل بن مرزوق، عن عدى بن ثابت، عن أبى حازم، عن أبى هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: "يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا إني بما تعملون عليم" وقال: "يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم" ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، ثم يمد يده إلى السماء: يا رب، يا رب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذى بالحرام، فأنى يستجاب لذلك (مسند احمد، رقم الحديث ۸۳۴۸)

[2] إسناده حسن، فضيل بن مرزوق -وإن روى له مسلم- صدوق حسن الحديث، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ۸۳۴۸)

[3] حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا الربيع بن سليمان، ثنا أسد بن موسى، ثنا فضيل بن مرزوق، عن ميسرة بن حبيب، عن المنهال بن عمرو، عن محمد بن على بن الحنفية، عن عمار بن ياسر، أنه دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ترمذی نے ''فضیل بن مرزوق'' کی ایک حدیث کو روایت کر کے اس کو ''حسن صحیح'' فرمایا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ مسند احمد میں ''فضیل بن مرزوق'' کی ایک اور حدیث مروی ہے۔ [2]

اس حدیث کی سند کو شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ ''فضیل بن مرزوق'' کی بعض نے توثیق کی ہے، اور بعض نے تضعیف کی ہے، اور یہ ''حسنُ الحدیث'' ہیں۔

نیز شعیب الارنؤوط نے ایک اور حدیث کے ضمن میں ''فضیل بن مرزوق'' کو ''حسنُ الحدیث'' کہا ہے (ملاحظہ ہو: مسند احمد، رقم الحدیث ۱۱۲۷۲)

اس کے علاوہ حسین سلیم اسد الدارانی نے مسند ابی یعلیٰ کی تخریج میں ''فضیل بن مرزوق'' کی ایک حدیث کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے (ملاحظہ ہو: مسند أبی یعلی، رقم الحدیث ۴۹۵)

اور علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی (المتوفیٰ: 974ہجری) فرماتے ہیں کہ:

(رواه مسلم) من رواية فضيل بن مرزوق، وهو ثقةٌ وسطٌ وإن لم يخرج له البخارى، ولا يقدح فيه قول الترمذى :حسن غريب . وهو من الأحاديث التى عليها قواعد الإسلام، ومبانى الأحكام،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يوعك، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أعلمك رقية رقانى بها جبريل؟ قلت: بلى يا رسول الله، قال: فعلمه بسم الله أرقيك، والله يشفيك من كل داء يؤذيك، خذها فلتهنك (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٥٦٨١)

قال الحاكم:صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه

وقال الذهبى فى التلخيص:على شرط مسلم.

[1] حدثنا محمود بن غيلان قال :حدثنا أبو أسامة، عن فضيل بن مرزوق، عن عدى بن ثابت، عن البراء ، أن النبى صلى الله عليه وسلم أبصر حسنا وحسينا فقال :اللهم إنى أحبهما فأحبهما :هذا حديث حسن صحيح(سنن الترمذى، رقم الحديث ٣٧٨٢)

[2] حدثنا يزيد ، أخبرنا فضيل بن مرزوق، عن عطية العوفى، عن أبى سعيد الخدرى، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من صلى على جنازة وشيعها، كان له قيراطان، ومن صلى عليها ولم يشيعها، كان له قيراط والقيراط مثل أحد(مسند احمد،رقم الحديث ١١١٥٢)

وعليه العمدة فی تناول الحلال وتجنُّب الحرام، وما أعم نفعه وأعظمه (الفتح المبين بشرح الأربعين، ص ۲۹۲، الحديث العاشر : كسب الحلال سبب لإجابة الدعاء، وأكل الحرام يمنعها)

ترجمہ: اس حدیث کو مسلم نے فضیل بن مرزوق سے روایت کیا ہے، اور یہ درمیانی درجہ کے ثقہ ہیں، اگرچہ ان سے بخاری نے روایت نہیں لی، اور ان کے بارے میں ترمذی کا ''حسن غریب کہنا'' ردوقدح کا باعث نہیں، اور ابنِ مرزوق کی روایت کردہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے، جن پر قواعدِ اسلام، اور مبانیِ اسلام کا مدار ہے، اور اس پر حلال کو اختیار کرنے، اور حرام سے اجتناب کرنے کا عمدہ صلہ مبنی ہے، اور اس کا نفع عام اور عظیم ہے (کسب الحلال)

اور شیخ **محمد بن علی بن آدم بن موسی الإتيوبی الولوی** فرماتے ہیں کہ:

(تنبيه) هذا الحديث صحيح، كما هو صنيع المصنف -رحمه اللّٰه-، ورجاله ثقات، رجال الشيخين، غير فضيل بن مرزوق، فإنه من رجال مسلم، والأكثرون على توثيقه، فقد وثقه سفيان الثوری، وابن معين، فی أصح الروايات عنه، والعجلی، ويعقوب بن سفيان، وابن خراش، وقال أحمد :لا أعلم إلا خيرا، وقال البخاری : مقارب الحديث، ووثقه مسلم، حيث احتج به فی "صحيحه"، وقال ابن عدی :أرجو أنه لا بأس به، وقال ابن رجب :وفضيل بن مرزوق ثقة وسط، خرج له مسلم دون البخاری .

وإنما ضعفه النسائی، وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وفی "المجروحين"، وقال أبو حاتم :صدوق صالح الحديث يهم كثيرا، يكتب حديثه، ولا يحتج به.

قال الجامع عفا اللّٰہ عنه :قد تبين بما ذكر أن الأكثرين على توثيق فضيل بن مرزوق، ومن أغرب ما يرى أن بعض من كتب في هامش "صحيح مسلم أشار إلى الطعن في صحة هذا الحديث، حيث قال :أخرجه مسلم، والبخاري في "جزء رفع اليدين"، والترمذي، وأحمد، من طريق فضيل بن مرزوق، وهو ضعيف، ثم ذكر قول من ضعفه، فقط، ولم يذكر أحدا ممن وثقه، وهذا عجيب، وجراءة على "صحيح مسلم."

والحق أن الحديث صحيح، كما هو رأي المصنف؛ لأن الأكثرين على توثيق فضيل، فتبصر، وا للّٰہ تعالى أعلم (البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، ج۱۹، ص۳۹۶،۳۹۷، كتاب الزكاة)

ترجمہ: تنبیہ: یہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ مصنف، یعنی امام مسلم رحمہ اللہ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے، اور اس کے راوی ثقہ ہیں، جو بخاری اور مسلم کے راویوں میں سے ہیں، سوائے فضیل بن مرزوق کے کہ وہ مسلم کے راویوں میں سے ہیں، اور اکثر حضرات ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ ان کو سفیان ثوری، اور ابنِ معین نے صحیح تر روایت کے مطابق ثقہ قرار دیا ہے، اور امام عجلی، اور یعقوب بن سفیان، اور ابنِ خراش نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور امام احمد نے فرمایا کہ میرے علم میں ان کا خیر والا ہونا ہی آیا، اور امام بخاری نے ان کو ''مقاربُ الحدیث'' قرار دیا، اور امام مسلم نے ان کی توثیق کی، اس طور پر کہ انہوں نے اپنی صحیح میں، ان سے حجت پکڑی، اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ان کی روایت کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اور ابنِ رجب نے فرمایا کہ فضیل بن مرزوق درمیانی ثقہ ہیں کہ ان سے امام مسلم نے روایت لی ہے، بخاری نے نہیں لی۔

اوران کو نسائی نے ضعیف کہا ہے، اور ابنِ حبان نے ''کتابُ الثقات'' اور ''المجروحین'' دونوں میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ابو حاتم نے ان کے سچا، اور ''صالحُ الحدیث'' اور کثیر وہم والا ہونے، اور ان کی حدیث لکھے جانے کے قابل ہونے اور حجت نہ پکڑے جانے کا کہا ہے۔

جامع عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ مذکورہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اکثر حضرات فضیل بن مرزوق کی توثیق کے قائل ہیں، اور بعض کو عجیب غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے صحیح مسلم کے بعض حواشی میں اس حدیث کی صحت پر طعن کر دیا، اور یہ کہہ دیا کہ اس حدیث کو مسلم اور بخاری نے ''جزء رفع الیدین'' میں اور ترمذی اور احمد نے فضیل بن مرزوق کی سند سے روایت کیا ہے، اور یہ ضعیف ہیں، پھر ان کے صرف ضعف کا ذکر کر دیا، اور کسی کی توثیق کا ذکر نہیں کیا، اور یہ عجیب (ناانصافی والا) طریقہ ہے، اور امام مسلم کے خلاف جرأت ہے۔

اور حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ مصنف، یعنی امام مسلم کی رائے ہے، کیونکہ اکثر حضرات فضیل بن مرزوق کی توثیق کے قائل ہیں، پس آپ آنکھیں کھول لیں، واللہ تعالیٰ اعلم (البحر المحیط)

مذکورہ قدیم اور جدید اہلِ علم کے حوالہ جات سے مذکورہ روایت کی سند کا معتبر ہونا ثابت ہوگیا۔

اس واقعہ کو ''مصعب زبیری'' (المتوفیٰ: 236ھ) نے بھی ''نسبِ قریش'' میں ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] وكان الفضيل بن مرزوق يقول :سمعت الحسن بن الحسن قول لرجل يغلو فهم : "ويحكم !أحبونا لله !فإن أطعنا الله، فأحبونا، وإن عصينا الله، فأبغضونا !فلو كان الله نافعاً أحداً بقرابة من رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بغير طاعة، لنفع بذلك أباه وأمه !قولوا فينا الحق؛ فإنه أنفع فيما تريدون، ونحن نرضى به منكم(نسب قريش،لمصعب الزبيرى،ص ٤٩،ولد الحسن بن على بن أبى طالب)

مصعب الزّبيرى:(156-236 هـ) (773-851 م)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس واقعہ کوابوالقاسم ہبۃُ اللّٰہ اللالکائی (المتوفٰی:418ھ) نے بھی''شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة''میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

اوراس واقعہ کوابوالفتوح طائی(المتوفٰی:555ھ) نے بھی''کتابُ الاربعین''میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے،جس کے الفاظ یہ ہیں:

''قال:فقال له الرجل:إنكم ذو قرابة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأهل بيته .

فقال: ويحكم لو كان اللّٰه نافعا بقرابة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بغير عمل بطاعته لنفع بذلك من هو أقرب إليه منا أباه وأمه، واللّٰه إني لأخاف أن يضاعف للعاصي، من العذاب

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

مصعب بن عبد الله بن مصعب بن ثابت بن عبد الله بن الزبير العوام الزبيرى المدنى (ابو عبد الله) اديب، محدث، شاعر، نسابة .سكن بغداد، وتوفى ليومين خلوا من شوال وهو ابن ثمانين .

من آثاره :جزء فيه تاريخ وفاة الشيوخ الذين أدركهم عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوى، كتاب النسب الكبير، ونسب قريش.

(خ) الصفدى :الوافى 24:174 ، فهرس المجاميع بالظاهرية، ابن شاكر الكتبى: عيون التواريخ 1/123,2/122:6(ط) ابن النديم :الفهرست1:110، ابن حجر :تهذيب التهذيب) 10 :162 - 164 212 :Brockelmann: s ,I م) عز الدين التنوخى :مجلة المجمع العلمى العربى 29:603-593(معجم المؤلفين،لعمر رضا كحالة،ج١٢،ص٢٩٢، باب الميم، تحت ترجمة "مصعب الزبيرى)

[1] أنا أحمد بن عبيد، أنا محمد بن الحسين، قال :نا أحمد بن زهير، قال :نا مصعب، قال :عبد الله بن حسين بن حسن بن على بن أبى طالب، أمه فاطمة بنت الحسين بن على بن أبى طالب، وكان الفضيل بن مرزوق يقول :سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل يغلو فيهم :ويحك، أحبونا لله، فإن أطعنا الله فأحبونا، وإن عصينا الله فأبغضونا، ولو كان الله نافعا أحدا بقرابة من رسول الله صلى الله عليه وسلم بغير طاعة لنفع بذلك أباه وأمه، قولوا فينا الحق، فإنه أبلغ فيما تريدون، ونحن نرضى منكم(شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم الرواية ٢٦٩٠ ،باب جماع فضائل الصحابة رضى الله عنهم،سياق ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من النهى عن الغلو فى الحب والبغض فى تفضيل الصحابة والاستغراق فى الإطراء والذم لهم للاغتراء)

ضعفين، واللّٰه إني لأرجو أن يؤتى المحسن منا أجره مرتين“

''حضرت فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ حضرت حسن سے ایک آدمی نے کہا کہ بے شک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار، اور آپ کے اہلِ بیت ہو، تو ان کو حضرت حسن نے فرمایا کہ تمہارا ناس ہو، اگر اللہ، اپنے عملِ اطاعت کے بغیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے، کسی کو نفع پہنچانے والا ہوتا، تو یقیناً اس کا نفع ان شخصیات کو ضرور پہنچاتا، جو ہمارے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قرابت دار ہیں، یعنی آپ کے والد اور والدہ، اور اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہم میں سے گناہ گار کو دوہرا عذاب ہو، اور مجھے اس بات کی بھی امید ہے کہ ہم میں سے نیک عمل کرنے والے کو دوہرا اجر وثواب حاصل ہو''۔انتہٰی۔ [1]

اور ابنِ عساکر (المتوفیٰ:571ھ) نے بھی ''تاریخِ دمشق''میں اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا الإمام أبو سهل غانم بن أحمد بن محمد الحداد، أخبرنا الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله، أخبرنا عبد الله بن جعفر، حدثنا محمد بن عاصم، حدثنا شبابة، حدثنا الفضيل بن مرزوق، قال:سمعت الحسن بن علی بن أبی طالب رضی الله عنهم يقول لرجل ممن يغلو فيهم : ويحكم أحبونا لله، فإن أطعنا الله فأحبونا، وإن عصينا الله فأبغضونا .

قال:فقال له الرجل:إنكم ذو قرابة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأهل بيته .

فقال: ويحكم لو كان اللّٰه نافعا بقرابة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بغير عمل بطاعته لنفع بذلک من هو أقرب إليه منا أباه وأمه، واللّٰه إني لأخاف أن يضاعف للعاصي، من العذاب ضعفين، واللّٰه إني لأرجو أن يؤتى المحسن منا أجره مرتين (كتاب الأربعين فی إرشاد السائرين إلى منازل المتقين أو الأربعين الطائية ، ج ۱ ، ص ۵۹ ، الحديث الرابع اللعن على أمور الظلم)

[2] أخبرنا أبو الحسن بن الفراء وأبو غالب وأبو عبد الله ابنا البنا قالوا أنا أبو جعفر بن المسلمة أنا أبو طاهر المخلص نا أحمد بن سليمان نا الزبير قال وحدثنی عمی مصعب بن عبد الله قال كان الفضيل بن مرزوق يقول سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل يغلو فيهم ويحكم أحبونا الله فإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ مزی (المتوفیٰ: 742ھ) نے بھی ''تھذیبُ الکمال'' میں اس واقعہ کو ابو جعفر محمد بن عاصم ثقفی اور شبابہ بن سوار کی سند سے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح ترین اور اعلیٰ ترین سند پر مشتمل قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أطعنا الله فأحبونا فإن عصينا فابغضوا فلو كان الله نافعا أحدا بقرابته من رسول الله (صلى الله عليه وسلم) بغير طاعة الله لنفع بذلك أباه وأمه قولوا فينا الحق فإنه أبلغ فيما تريدون ونحن نرضى به منكم(تاريخ دمشق لابنِ عساكر ،ج١٣،ص٦٧،٦٨،تحت ترجمة:الحسن بن الحسن بن على ابن أبى طالب بن عبد المطلب بن هاشم أبو محمد الهاشمي المدنى ، حرف الحاء)

[1] أخبرنا بذلك أبو العباس أحمد بن أبى الخير سلامة بن إبراهيم بن سلامة ابن الحداد، وأبو الحسن على بن أحمد بن عبد الواحد ابن البخارى، وأبو إسحاق إبراهيم بن إسماعيل بن إبراهيم ابن الدرجى، وأبو العباس أحمد بن شيبان بن تغلب الشيبانى.
قال ابن أبى الخير وابن البخارى :أنبأنا القاضى أبو المكارم أحمد بن محمد بن محمد اللبان إذنا.قال ابن أبى الخير :وأنبأنا أيضا أبو سعيد خليل بن أبى الرجاء الراراني إذنا.
وقال ابن البخارى أيضا، وابن الدرجى، وابن شيبان :أنبأنا أبو جعفر محمد بن أحمد بن نصر الصيدلانى إذنا.
قالوا :أخبرنا أبو على الحسن بن أحمد بن الحسن الحداد، قراء ة عليه، قال :أخبرنا أبو نعيم أحمد بن عبد الله الحافظ، قال :حدثنا عبد الله بن جعفر بن أحمد بن فارس، قال : حدثنا أبو جعفر محمد بن عاصم الثقفى، قال :حدثنا شبابة، فذكره .وهذا من أصح الأسانيد وأعلاها.
وروى الزبير بن بكار هذه الحكاية فى ترجمة الحسن بن الحسن بن على بن أبى طالب، والد الحسن هذا، رواها عن عمه مصعب بن عبد الله، قال : كان الفضيل بن مرزوق، يقول :سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل يغلو فيهم :ويحكم أحبونا لله، فإن أطعنا الله فأحبونا، وإن عصينا فأبغضونا، فلو كان الله نافعا أحدا بقرابته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، لغير طاعة الله، لنفع بذلك أباه وأمه، قولوا فينا الحق، فإنه أبلغ فيما تريدون، ونحن نرضى به منكم.
أخبرنا بذلك أبو الحسن بن البخارى، قال :أخبرنا أبو حفص بن طبرزذ، قال :أخبرنا أبو منصور محمد بن عبد الملك ابن الحسن بن خيرون، قال :أخبرنا أبو جعفر محمد بن أحمد بن المسلمة، قال :أخبرنا أبو طاهر محمد المخلص، قال :حدثنا أحمد بن سليمان الطوسى، قال :حدثنا الزبير بن بكار، قال :حدثنى عمى مصعب بن عبد الله، فذكره (تهذيب الكمال فى أسماء الرجال للمزى، ج٦،ص٨٧،٨٨، تحت ترجمة ''الحسن بن الحسن بن الحسن بن على بن أبى طالب ، القرشى الهاشمى، المدنى''رقم الترجمة ١٢١٤)

اورامام ذہبی (المتوفیٰ: 748ھ) نے بھی اس واقعہ کو''تاریخ الاسلام''میں ذکر کیا ہے۔ [1]

اورعلامہ صفدی (المتوفیٰ: 764ھ) نے بھی اس واقعہ کو''الوافی بالوفیات''میں ذکر کیا ہے۔ [2]

اورعلامہ مقریزی (المتوفیٰ: 845ھ) نے بھی اس واقعہ کو''إمتاع الأسماع بما للنبی من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع''میں ذکر کیا ہے۔ [3]

اورعلامہ ابنِ حجر (المتوفیٰ: 852ھ) نے بھی اس واقعہ کو''تهذیبُ التهذیب''میں ذکر کیا ہے۔ [4]

---

[1] وقال فضيل بن مرزوق :سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل من الرافضة :إن قتلک قربة إلى الله، فقال :إنک تمزح .فقال :والله ما هو منى بمزاح .
وقال مصعب الزبيرى :كان فضيل بن مرزوق يقول :سمعت الحسن يقول لرجل من الرافضة: ويحكم أحبونا، فإن عصينا الله فأبغضونا، فلو كان الله نافعا أحدا بقرابته من رسول الله بغير طاعة لنفع أباه وأمه(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبى،ج٢،ص١٠٨٠، ١٠٨١، تحت ترجمة ''الحسن بن الحسن بن على بن أبى طالب بن عبد المطلب بن هاشم، أبو محمد المدنى'' رقم الترجمة ٣٧)

[2] وكان الحسن هذا يشتد على الرافضة قال لرجل منهم إن قتلک لقربة إلى الله لئن أمكن الله منكم لنقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ولا تقبل لكم توبة فقال له الرجل إنک لمزح فقال ما هذا بمزاح ولكن من الجد وقال ويحكم أحبونا لله فإن أطعنا الله فأحبونا وإن عصينا الله فأبغضونا فلو كان الله نافعا أحدا بقرابته من رسول الله صلى الله عليه وسلم بغير طاعة لنفع بذلک أباه وأمه قولوا فينا الحق فإنه أبلغ تريدون ونحن نرضى به منكم(الوافى بالوفيات للصفدى، ج١١، ص٣١٩،تحت ترجمة ''أبو محمد الهاشمى'')

[3] وعن حسن بن الحسن بن الحسن بن علىّ، أنه قال لرجل يغلو فيهم:
ويحكم !أحبونا للّه فإن أطعنا اللّه فأحبونا وإن عصينا اللّه فأبغضونا فو اللّه لو كان اللّه نافعا أحدا بقرابته من رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم بغير طاعة اللّه، لنفع بذلک أباه وأمه، قولوا فينا الحق فإنه أبلغ فيما تريدون ونحن نرضى به منكم(إمتاع الأسماع بما للنبى من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع،ج١١،ص١٨٠،المائة من خصائصه صلّى اللّه عليه وسلّم :وجوب حب أهل بيته)

[4] "ق -الحسن "بن الحسن بن الحسن بن على بن أبى طالب الهاشمى أخو عبد الله أمه فاطمة بنت الحسين روى عن أبيه وأمه وعنه فضيل بن مرزوق وعبد بن الوسيم الجمال وعمر بن شبيب المسلى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام سخاوی (المتوفیٰ: 902ھ) نے بھی اس واقعہ کو ''التحفة اللطيفة'' میں ذکر کیا ہے۔ [1]

نیز اس واقعہ کو بعض دیگر محدثین نے معتبر سند کے ساتھ کچھ تفصیل کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔

چنانچہ ابوجعفر محمد بن عاصم ثقفی اصبہانی (المتوفیٰ: 262ھ) نے شبابہ بن سوار سے اور انہوں نے فضیل بن مرزوق سے درج ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

سَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ الْحَسَنِ أَخَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ وَهُوَ يَقُوْلُ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَغْلُوْ فِيْهِمْ: وَيْحَكُمْ أَحِبُّوْنَا لِلّٰهِ، فَإِنْ أَطَعْنَا اللّٰهَ فَأَحِبُّوْنَا وَإِنْ عَصَيْنَا اللّٰهَ فَأَبْغِضُوْنَا .قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: إِنَّكُمْ ذُوْ قَرَابَةِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الخطيب مات فى حبس المنصور وكان ذلک سنة "145"وهو ابن "68"سنة .
قال الفضيل بن مرزوق سمعته يقول لرجل ممن يغلو فيهم ويحكم أحبونا لله فإن اطعنا الله فأحبونا وأن عصينا الله فأبغضونا لو كان الله نافعا بقرابة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بغيرعمل بطاعته لنفع بذلک أقرب الناس إليه أباه وأمه .
له عند بن ماجة حديث واحد فيمن بات وفى يده ريح غمر .
قلت :وقال بن سعد كان قليل الحديث وذكره بن حبان فى الثقات وقالت فاطمة بنت الحسين لهشام لما سألها عن ولدها أما الحسن فلساننا(تهذيب التهذيب،لابن حجر العسقلانى، ج۲، ص ۲۶۲،۲۶۳، تحت رقم الترجمة ۴۸۶)

[1] الحسن بن الحسن بن الحسن بن على بن أبى طالب الهاشمى أخو إبراهيم وعبد الله أمهم فاطمة ابنة الحسين روى عن أبويه وعنه فضيل بن مرزوق وقال إنه سمعه يقول لرجل ممن يغلو فيهم ويحكم أحبونا فى الله فإن أطعنا الله فأحبونا وإن عصينا الله فابغضونا لو كان الله نافعا بقرابة من رسول الله صلى الله عليه وسلم بغير عمل بطاعته لنفع بذلک أقرب الناس إليه أباه وأمه وروى عنه عمر بن شبيب السلمى وغيرهما قال الخطيب مات فى حبس المنصور سنة خمس وأربعين ومائة عن ثمان وستين وقال ابن سعد كان قليل الحديث وذكره ابن حبان فى الثقات وقالت أمه لهشام لما سألها عن ولدها أما الحسن فلساننا(التحفة اللطيفة فى تاريخ المدينة الشريفة ، ج ۱،ص ۲۷۳، حرف الحاء المهملة ،تحت رقم الترجمة ۹۱۴)

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَهْلُ بَيْتِهٖ فَقَالَ: وَيْحَكُمْ لَوْ كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ نَافِعًا بِقَرَابَةٍ مِنْ رَسُولِهٖ بِغَيْرِ عَمَلٍ بِطَاعَتِهٖ لَنَفَعَ بِذٰلِكَ مَنْ هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنَّا أَبَاهُ وَأُمَّهُ، وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَخَافُ أَنْ يُّضَاعَفَ لِلْعَاصِيْ مِنَّا الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ، وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يُؤْتَى الْمُحْسِنُ مِنَّا أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ .قَالَ: ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ أَسَاءَ بِنَا آبَاؤُنَا وَأُمَّهَاتُنَا إِنْ كَانَ آبَاؤُنَا مَا تَقُوْلُوْنَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ، ثُمَّ لَمْ يُخْبِرُونَا بِهٖ وَلَمْ يُطْلِعُوْنَا عَلَيْهِ، وَلَمْ يُرَغِّبُوْنَا فِيْهِ، فَنَحْنُ وَاللّٰهِ كُنَّا أَقْرَبَ مِنْهُمْ قَرَابَةً مِنْكُمْ وَأَوْجَبَ عَلَيْهِمْ حَقًّا وَأَحَقَّ بِأَنْ يُرَغِّبُوْنَا فِيْهِ مِنْكُمْ، وَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ كَمَا تَقُوْلُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اخْتَارَا عَلِيًّا لِهَذَا الْأَمْرِ وَالْقِيَامِ عَلَى النَّاسِ بَعْدَهُ، إِنْ كَانَ عَلِيٌّ لَأَعْظَمَ النَّاسِ فِيْ ذٰلِكَ خَطِيْئَةً وَجُرْمًا؛ إِذْ تَرَكَ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُوْمَ فِيْهِ كَمَا أَمَرَهُ أَوْ يَعْذِرَ فِيْهِ إِلَى النَّاسِ .قَالَ: فَقَالَ لَهُ الرَّافِضِيُّ: أَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ قَالَ: أَمَا وَاللّٰهِ أَنْ لَوْ يَعْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ الْإِمْرَةَ وَالسُّلْطَانَ وَالْقِيَامَ عَلَى النَّاسِ لَأَفْصَحَ لَهُمْ بِذٰلِكَ كَمَا أَفْصَحَ لَهُمْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَلَقَالَ لَهُمْ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا وَلِيُّ أَمْرِكُمْ مِنْ بَعْدِيْ، فَاسْمَعُوْا لَهُ وَأَطِيْعُوْا، فَمَا كَانَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا شَيْءٌ، فَإِنَّ أَنْصَحَ النَّاسِ كَانَ لِلْمُسْلِمِيْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (جزء محمد بن عاصم الثقفى الأصبهانى، ص۱۲۵، ۱۲۶، رقم الرواية ۴۲، تحت ترجمة ”شبابة بن سوار“)

ترجمہ: میں نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) حضرت حسن بن حسن

سے، جو کہ عبداللہ بن حسن کے بھائی ہیں، ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا، جو ان کے متعلق غلو کرتا تھا کہ تمہارا ناس ہو، تم ہم سے اللہ کے لیے محبت کرو، پس اگر ہم اللہ کی اطاعت کریں، تو تم ہم سے محبت کرو، اور اگر ہم اللہ کی نافرمانی کریں، تو تم ہم سے بغض رکھو، تو آپ سے ایک آدمی نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار واہلِ بیت ہو (اس لیے ہم آپ سے محبت کرتے ہیں) اس پر حضرت حسن بن حسن نے فرمایا کہ تمہارا ناس ہو، اگر اللہ عزوجل اپنے عملِ اطاعت کے بغیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے، کسی کو نفع پہنچانے والا ہوتا، تو یقیناً اس کا نفع ان شخصیات کو ضرور پہنچتا، جو ہمارے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قرابت دار ہیں، یعنی آپ کے والد اور والدہ، اور اللہ کی قسم مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہم میں سے گناہ گار شخص کو دوگنا عذاب ہو، اور مجھے اس بات کی بھی امید ہے کہ ہم میں سے نیک عمل کرنے والے کو دوگنا اجروثواب حاصل ہو، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہمارے آباء واجداد اور ماؤں نے ہمارے ساتھ برا کیا، اگر ہمارے آباء واجداد، اللہ کے دین کے بارے میں وہی بات کہتے جو تم کہتے ہو، پھر انہوں نے ہمیں اس کی کیوں خبر نہ دی، اور ہمیں اس پر کیوں مطلع نہ کیا، اور ہمیں اس چیز کی ترغیب کیوں نہ دی؟ پس ہم اللہ کی قسم اپنے آباء واجداد کے تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں، اور ہم پر ان کا زیادہ حق ہے، اور ہم پر اس بات کا زیادہ حق ہے کہ ہم تمہارے مقابلے میں ان کے متعلق زیادہ رغبت (ومحبت) رکھیں، اور اگر وہ بات صحیح ہوتی، جو تم کہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس معاملے کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں پر حکومت کے لیے منتخب فرمایا تھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں خطاء اور جرم کے سب

لوگوں سے زیادہ مرتکب ہوئے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے قائم کرنے کو ترک فرمادیا، یا دوسرے لوگوں کے سامنے اس کا کوئی عذر پیش فرمایا، اس پر حضرت حسن کے سامنے اس رافضی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں، تو علی اس کا مولیٰ ہے، اس کے جواب میں حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت اور ولایت اور لوگوں کا حکمران بننا مراد ہوتا، تو پھر خود ہی لوگوں کے سامنے اس کی پوری طرح وضاحت فرما دیتے، جیسا کہ لوگوں کے سامنے نماز اور زکاۃ اور رمضان کے روزے اور بیت اللہ کے حج کی وضاحت فرما دی اور لوگوں کے سامنے یہ فرمادیتے کہ اے لوگو! میرے بعد حضرت علی حکمران ہوں گے، تو تم ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا، تو اس کے بعد پھر کوئی بات باقی نہ رہ جاتی، کیونکہ مسلمانوں کے لیے انسانوں میں سب سے زیادہ نصیحت کرنے والی ذات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہے (جزء محمد بن عاصم)

اس روایت کو بعض محققین نے صحیح ترین اور اعلیٰ ترین سند پر مشتمل قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال المحقق مفید خالد عید:
اخرجه المزی فی تهذیب الکمال (۱/۲۵۴) من طریق محمد بن عاصم به. وقال: وهذا من اصح الاسانید واعلاها.
واخرجه ابن سعد فی الطبقات "۵/۳۱۹-۳۲۰" بطوله من طریق شبابة بن سوار به.
واخرجه المزی فی تهذیب الکمال "۱/۲۵۴-۲۵۵" من طریق الفضیل بن مرزوق به.
وذکره الذهبی فی سیر اعلام النبلاء "۴/۴۸۶" الٰی قوله: "لنفع بذلک من هو اقرب الیه منا اباه وامه"
وذکره ابن حجر فی التهذیب "۲/۲۶۲" فی ترجمة الحسن بن الحسن (حاشیة جزء محمد بن عاصم الثقفی الأصبهانی، ص۱۲۵، ۱۲۶، تحت رقم الحدیث ۴۲، الناشر: دارالعاصمة: الریاض، السعودیة، النشرة الاولیٰ ۱۴۰۹ھ)

اس تفصیلی واقعہ کو حکیم ترمذی (المتوفیٰ: 320ھ) نے بھی ''نوادرُ الاصول '' میں ذکر کیا ہے۔ ۱؎

نیز ابو عبداللہ ضیاء الدین مقدسی (المتوفیٰ: 643ھ) نے بھی اس واقعہ کو ''النھی عن سب الأصحاب'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ۲؎

۱؎ قال فضيل بن مرزوق سألت عمران بن على هل فيكم إنسان مفترض طاعته تعرفون له ذلك ومن لم يعرفه فمات مات ميتة جاهلية قال لا والله ما هذا فينا فهو كذاب قلت له إن ناسا يقولون إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصى إلى على رضى الله عنه وإن عليا رضى الله عنه أوصى إلى الحسن رضى الله عنه وأن الحسن أوصى إلى الحسين رضى الله عنهما وأن الحسين أوصى إلى على ابن الحسين فقال والله لما مات أبى وما أوصى بحرفين وإن هؤلاء لمتأكلون بنا.

قال وسمعت الحسن بن الحسين أخا عبد الله بن الحسين رضى الله عنهم وهو يقول لرجل ممن يغلوا فيهم ويحكم أحبونا فى الله فإن أطعنا الله فأحبونا وإن عصينا الله فابغضونا فقال الرجل إنكم لذو قرابة من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال والله لو كان الله نافعا بقرابة منه لنفع بذلك أقرب منه أباه وأمه والله إنى لأخاف أن يضاعف للعاصى منا العذاب ضعفين كما يؤتى المحسن منا أجره مرتين.

ولو كان الأمر على ما يقولون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصى إلى على وأمره بالقيام بالأمر بعده ثم ترك على ما أمره رسول الله صلى الله عليه وسلم لكان على فى ذلك أعظم الناس خطيئة وجرما إذ ترك ما أمره رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له الرافضى ألم يقل رسول الله صلى الله عليه وسلم (من كنت مولاه) فعلى مولاه فقال والله لو عنى به الامرة والسلطان لأفصح لهم كما أفصح لهم بالصلاة والزكاة فقال هذا ولى أمركم من بعدى فما كان وراء هذا فإن أنصح الناس للناس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وعن زيد بن على قال لبعضهم ويلك من يخاف رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى تعرض بالخلافة.

فهؤلاء الغلاة قد تعلقوا بمثل هذه الأشياء حتى خرجوا إلى شتم وزيرى رسول الله صلى الله عليه وسلم ونسبوهما إلى الاغتصاب لحق الله تعالى(نوادر الأصول فى أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم، ج۳، ص ۱۴۰، ۱۴۱، الأصل التاسع والثلاثون والمائتان،فى خصائص النبى الأمى وفى سر قوله أعطيت خمسا ...إلخ)

۲؎ أخبرنا الحافظ أبو طاهر أحمد بن محمد بن أحمد السلفى فى كتابه وأخبرنا عنه الإمام أبو عبد الله محمد بن خلف المقدسى أن أبا مطيع محمد بن عبد الواحد بن عبد العزيز المصرى أخبرهم أنبأ أبو بكر بن أبى على القاضى أنبأ عبد الله بن جعفر بن فارس ثنا محمد بن عاصم ثنا شبابة ثنا الفضيل بن مرزوق قال سمعت الحسن بن الحسن أخا عبد الله بن الحسن وهو يقول لرجل ممن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورکمال الدین ابنِ عدیم (المتوفی: 660ھ) نے بھی اس واقعہ کو ''بغیةُ الطلب فی تاریخِ حلب'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یغلو فیهم ویحکم أحبونا لله عز وجل فإن أطعنا الله فأحبونا وإن عصینا الله فأبغضونا قال فقال له الرجل أنتم ذوو قرابة من رسول الله صلى الله علیه وسلم وأهل بیته فقال ویحکم لو كان الله نافعا بقرابة من رسوله بغیر عمل بطاعته لنفع بذلک من هو أقرب إلیه منا أباه وأمه والله إنی لأخاف أن یضاعف للعاصی منا العذاب ضعفین والله إنی لأرجو أن یؤتی المحسن منا أجره مرتین .

قال ثم قال لقد أساء بنا آباؤنا وأمهاتنا إن كان ما تقولون فی دین الله حقا ثم لم یخبرونا به ولم یطلعونا علیه ولم یرغبونا فیه فنحن والله كنا أقرب منهم قرابة منکم وأوجب علیهم حقا وأحق بأن یرغبونا فیه منکم ولو كان الأمر كما تزعمون وأن الله ورسوله اختارا علیا لهذا الأمر وللقیام على الناس بعده إن كان أعظم الناس فی ذلک خطیئة وجرما إذ ترک أمر رسول الله صلى الله علیه وسلم أن یقوم فیه كما أمره أو یعذر فیه إلى الناس .

قال فقال له الرافضی ألم یقل رسول الله صلى الله علیه وسلم لعلی من كنت مولاه فعلی مولاه؟ قال أما والله أن لو عنی رسول الله صلى الله علیه وسلم بذلک الإمارة والسلطان والقیام على الناس لأفصح لهم بذلک كما أفصح لهم بالصلاة والزكاة وصیام رمضان وحج البیت ولقال لهم أیها الناس إن هذا ولی أمركم من بعدی فاسمعوا له وأطیعوا فإن أنصح الناس كان للمسلمین رسول الله صلى الله علیه وسلم(النهی عن سب الأصحاب وما فیه من الإثم والعقاب،ص ٦٦ الٰی ٦٨،قول الحسن بن الحسن بن علی بن أبی طالب رحمه الله)

[1] أخبرنا أبو علی حسن بن ابراهیم بن هبة الله بن دینار المصری، بالقاهرة، قال :أخبرنا أبو طاهر السلفی قال :حدثنا أبو مطیع محمد بن عبد الواحد قال : أخبرنا أبو بكر بن أبی علی القاضی، وأخبرنا أبو عبد الله محمد بن أبی عبد الله ابن علی بن مشرف والشریف أبو الفضل یحیی بن عبد الله بن هاشم الحلبیان بها قالا :أخبرنا أبو الفرج یحیی بن محمود الثقفی قال :أخبرنا أبو علی الحداد -قراء ة علیه وأنا حاضر -قال :أخبرنا الحافظ أبو نعیم أحمد بن عبد الله الاصبهانی :قال أخبرنا عبد الله بن جعفر بن فارس قال :حدثنا محمد بن عاصم قال :حدثنا شبابة قال :حدثنا الفضیل بن مرزوق قال :سمعت الحسن بن الحسن أخا عبد الله بن الحسن وهو یقول لرجل ممن یغلو فیهم :ویحکم أحبونا لله عز وجل، فان أطعنا الله عز وجل فأحبونا، وان عصینا الله عز وجل فأبغضونا، قال :فقال له الرجل :ذوو قرابة من رسول الله صلى الله علیه وسلم وأهل بیته، فقال: ویحکم لو كان الله نافعا بقرابة من رسوله بغیر عمل بطاعته لنفع بذلک من هو أقرب الیه منا أباه وأمه، والله انی لاخاف أن یضاعف للعاصی منا العذاب ضعفین، والله انی لارجو أن یؤتی الحسن منا أجره مرتین، قال :ثم قال لقد أساء بنا آباؤنا وأمهاتنا ان كان ما تقولون فی دین الله حقا، ثم لم یخبرونا به، ولم یطلعونا علیه، ولم یرغبونا فیه، فنحن والله أقرب منهم قرابة منکم، وأوجب علیهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابو العباس محبّ الدین طبری (المتوفیٰ: 694ھ) نے بھی اس واقعہ کو ''الریاض النضرۃ'' میں نقل کیا ہے۔ [1]

پھر جب بعض غالی اشخاص مذکورہ روایات کی سند کو ضعیف قرار دینے سے عاجز آجاتے ہیں، تو دوسری بے سروپا تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مذکورہ روایات میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حقا، وأحق بأن يرغبوا فيه منكم، ولو كان الأمر كما تزعمون، وأن الله اختار عليا لهذا الأمر والقيام علـى الـناس بعده، ان كان على أعظم الناس فى ذلك خطيئة وجرما اذ ترك أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقوم فيه، لما أمره، أو يعدل فيه الى الناس، قال :فقال لنا الرافضى :ألم يقل رسول الـلـه صلى الله عليه وسلم لعلى :مـن كـنت مولاه فعلى مولاه؟ قال أم والله لو عنى رسول الله صلى الـلـه عليه وسلم بذلك الامارة والسلطان، والقيام على الناس لأفصح لهم بذلك، كما أفصح لهم بالصلاة والزكاة، وصيام رمضان ،وحج البيت، ولقال لهم :أيها الناس ان هذا ولى أمركم من بعدى، فـاسمعوا له وأطيعوا، فان أنصح الناس كان للمسلمين رسول الله صلى الله عليه وسلم -اللفظ لأبى بـكـر بـن أبـى عـلـى القاضى(بغية الطلب فى تاريخ حلب ،ج۵،ص ۲۳۲۴، ۲۳۲۵، تحت ترجمة "الحسن بن الحسن بن على بن عبد مناف أبى طالب" حرف الحاء فى آباء من اسمه الحسن)

[1] عـن الـحسن أنه قال لرجل ممن يغلو فيهم :ويـحكم أحبونا بالله ,فـإن أطـعنا الله فأحبونا وإن عـصينا الله فابغضونا ,فقال له رجل :إنـكم ذوو قرابة من رسول الله -صـلى الله عليه وسلم -وأهل بيته فقال :ويحكم لو كان الله نافعًا بقرابة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بغير عمل بطاعته لنفع بذلك من هو أقرب إليه منا أباه وأمه ,والله إنى أخاف أن يضاعف الله للعاصى منا العذاب ضعفين , والله إنى لا أرجو أن يؤتى المحسن منا أجره مرتين ,قال ثم قال :لقد أساء بنا آباؤنا وأمهاتنا إن كان ما يقولون من دين الله ثم لم يخبرونا به ولم يطلعونا عليه ولم يرغبونا فيه ونحن كنا أقرب منهم قرابة مـنكم وأوجب عليهم ,وأحـق أن يـرغـبـونـا فيه منكم ولو كان الأمر كما تقولون :إن الـله جل وعلا ورسوله -صلى الله عليه وسلم -اختار عليا لهذا الأمر وللقيام على الناس بعده ,فإن عليا أعظم الناس خـطيـئة وجرمًا؛ إذ ترك أمر رسول الله -صـلـى الله عليه وسلم -أن يـقـوم فيه كما أمره ويعذر إلى الناس فقال له الرافضى :ألم يقل النبى -صلى الله عليه وسلم -لعلى" :من كنت مولاه فعلى مولاه"؟ فقال :أمـا والـله لو يعنى رسول الله -صـلـى الله عليه وسلم -بـذلـك الأمـر والسلطان والقيام على الناس ,لأفصح به كما أفصح بالصلاة والزكاة والصوم والحج ولقال :أيها الناس إن هذا لولى بعدى فاسمعوا وأطيعوا .

خـرج جـمـيـع الأذكار من أهل البيت الحافظ أبو سعد إسماعيل بن على بن الحسن السمان الرازى فـى كـتـاب الـموافقة بين أهل البيت والصحابة -رضـوان الـلـه عـليهـم أجمعين(الرياض النضرة فى مناقب العشرة ،ج ۱ ،ص ۷۰،القسم الأول: فى مناقب الاعداد،الباب الخامس: فيما اء مختصًا بأبى بكر وعمر وعثمان،ذكر ما روى عن الحسن بن الحسن أخى عبد الله)

ابولہب، یا ابوطالب مراد ہوں، کیونکہ بعض روایات میں ''ابا و اما'' کے الفاظ ہیں۔

حالانکہ ان الفاظ سے بھی حقیقی ''اب'' اور ''ام'' کا مراد ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اہلِ علم نے ان الفاظ کو بول کر ''اب'' اور ''ام'' کو ہی مراد لیا ہے، اور مجاز کی طرف عدول کی کوئی دلیل نہیں۔ [1]

نیز ایسی تاویل کی صورت میں ''ام'' سے ابو طالب کی بیوی ''فاطمۃ بنتِ اُسد'' کو مراد لینا پڑے گا، جو درست نہیں، کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ [2]

اس کے علاوہ مذکورہ روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے الفاظ کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی عزیز ہونے کی بھی تصریح ہے، جو حقیقی والدین کی متقاضی ہے، اور یہ تصریح بھی ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کی وجہ سے اخروی نجات کی صورت میں فائدہ حاصل نہ ہوا، اور جو روایت احیائے ابوین سے متعلق ذکر کی جاتی ہے، اس کا مذکورہ روایات سے بطلان بھی ثابت ہوتا ہے، اور خود احیائے ابوین کی روایت کی سند بھی قابلِ اعتبار نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مذکورہ روایات سے اہل السنۃ والجماعۃ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے تمام آباءواجداد کے مومن وموحد ہونے کا قول، بنیادی طور پر اہلِ تشیع کا ہے، اور اسی بنیاد پر وہ اہلِ بیت کے متعلق بھی غلو کرتے ہیں، اور ابوطالب وغیرہ کو بھی اسی بنیاد پر

---

[1] وکذلک إن ترک المقتول أبا وأما، أو ابنتا أو امرأة أو أخا؛ لأن الإرث یجری فی القصاص عندنا، ویثبت حق الاستیفاء لکل من کان وارثا له، فیکتب علی نحو ما ذکرنا فی الابن، وإن ترک المقتول عددا من الورثة، فحق إثبات القصاص لکل واحد من آحاد الورثة(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۹، ص ۴۶۲، کتاب المحاضر والسجلات)

وکذلک إن ترک المقتول أبا وأما أو ابنة أو امرأة أو أخا لأب؛ الإرث یجری فی القصاص عندنا ویجب حق الاستیفاء لکل من کان وارثا له فیکتب علی نحو ما ذکرنا فی الابن(الفتاوی الهندیة، ج۶، ص ۱۹۳، کتاب المحاضر والسجلات، محضر فی إثبات القود)

[2] وأمه فاطمة بنت أسد بن هاشم وکانت ابنة عمة أبیه وهی أول هاشمیة ولدت لهاشمی وقد أسلمت وصحبت وماتت فی حیاة النبی صلی الله علیه وسلم(فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۷، ص ۷۱، کتاب أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، قوله باب مناقب علی بن أبی طالب)

ناجی قرار دیتے ہیں۔

اور اہلِ تشیع کا اہلِ بیت اور آباءِ انبیاء کے متعلق یہ غلو، عیسائیوں کے غلو کے مشابہ ہے، جو انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کو اپنے درجے سے بڑھا کر، اور ان کے متعلق، غلو کر کے کیا۔ [1]

---

[1] المسلک الأول :مسلک الرافضة والصوفیة:

معتقد الرافضة فی آل البیت:

غلا الرافضة فی محبتهم کما غلت النصاری فی المسیح ، وقالوا :لا ولاء إلا ببراء ، أی :لا یتولی أهل البیت حتی یتبرأ من أبی بکر وعمر (رضی الله عنهما) ، وأطلقوا (النّصب) علی من تولی الشیخین (رضی الله عنهما) ؛بناءً علی أن :(من أحبهما فقد أبغض علیًّا) ، و (من أبغضه فهو ناصبی) ، وهاتان مقدمتان، أولاهما باطلة . ورفعوهم فوق منزلتهم، وادعوا لهم ما لم یثبت،بل ما لا تقبله العقول!

وقد تبرأ خیرة آل البیت من تلک المحبة ودعوا إلی الاعتدال فیها، قال علی بن الحسین (رحمه الله تعالی) : (یا أیها الناس أحبونا حب الإسلام، فما برح بنا حبکم حتی صار علینا عاراً)، وعن الحسن بن الحسن أنه قال لرجل یغلو فیهم :(ویحک !أحبونا لله، فإن أطعنا الله فأحبونا، وإن عصینا الله فأبغضونا، ولو کان الله نافعاً أحداً بقرابة من رسول الله بغیر طاعة، لنفع بذلک أباه وأمه، قولوا فینا الحق فإنه أبلغ فیما تریدون، ونحن نرضی منکم) . (مجلة البیان ،ص۸، ذوالحجة ۱۴۱۶ هـ ،مایو – 1996م ، مقالة ”آل البیت ..منزلتهم – خصائهم “بقلم:عبد الحکیم بن محمد بلال“)

ومن صور التعصب الممقوتة اعتقاد العصمة فی آل البیت وتقدیسهم والمغالاة فی حبهم، بینما لا تثبت العصمة إلا للرسل صلوات الله وسلامه علیهم.

فأهل الحق یحبون آل بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم کما یحبون أصحابه ومن صار علی سنته، ویضعونهم فی منازلهم التی یستحقونها، ویتبرؤون من مسلک الروافض ومسلک النواصب فیهم؛ وهو الحب المفرط أو البغض المفرط.

ولقد روی عن علی بن أبی طالب -رضی الله عنه -قوله :یهلک فیَّ رجلان :مفرط فی حبی، ومفرط فی بغضی .

وروی عن الحسن بن علی -رضی الله عنه -أنه قال لرجل یغلو فیهم : ویحک !أحبونا لله؛ فإن أطعنا الله فأحبونا، وإن عصینا الله فأبغضونا، ولو کان الله نافعاً أحداً بقرابة من رسول الله صلی الله علیه وسلم بغیر طاعة لنفع بذلک أباه وأمه، قولوا فینا الحق؛ فإنه أبلغ فیما تریدون، ونحن نرضی منکم .

فمن باب العدل والإنصاف إذن أن نفرِّق بین محبة آل البیت واحترامهم ونصرتهم، وبین وضع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس طرح کا غلو کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُطْرُوْنِيْ، كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ، فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ، وَرَسُوْلُهٗ (صحيح البخارى،رقم الحديث ٣٤٤٥، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله واذكر فى الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا، بس میں تو (اللہ کا) بندہ ہوں، تو تم (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا، جائز نہیں، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا کرنا جائز نہیں، تو آپ کے آباء واجداد اور اہلِ بیت کے متعلق، مدح میں حد سے تجاوز کرنا، بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں۔ [1]

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 728ھ) اہلِ تشیع کی تردید میں تحریر کردہ، اپنی مفصل تالیف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أقوالهم ومواقفهم فى ميزان الشريعة، فما وافق منها الحق قبلناه، وما خالفه رددناه؛ لأنهم بشر يصيبون ويخطئون؛ فكل بنى آدم خطاء ، ولا معصوم إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم(مجلة البيان ، ص ١١٤ ،صفر – 1422هـ .مايو – 2001م ،مقالة: "استدراک على نقد فى المنهج:بقلم د .محمد أمحزون")

[1] قوله لا تطرونى الإطراء الإفراط فى المدح ومنه يطريه(فتح البارى شرح صحيح البخارى ، ج : ١ ص : ٧٩ ، مقدمة ، الفصل الخامس فى سياق ما فى الكتاب من الألفاظ الغريبة على ترتيب الحروف،فصل أا)

قوله لا تطرونى الإطراء ممدودا مجاوزة الحد فى المدح(فتح البارى شرح صحيح البخارى ج : ١ ص : ١٤٩ ، مقدمة ، الفصل الخامس فى سياق ما فى الكتاب من الألفاظ الغريبة على ترتيب الحروف،حرف الطاء المهملة ، فصل ط ا)

''منهاجُ السنة''میں فرماتے ہیں کہ:

ثم من جهل الرافضة أنهم يعظمون أنساب الأنبياء :آباء هم وأبناء هم، ويقدحون فی أزواجهم ;كل ذلک عصبية واتباع هوى حتى يعظمون فاطمة والحسن والحسين، ويقدحون فی عائشة (أم المؤمنين ، فيقولون -أو من يقول منهم :-إن آزر أبا إبراهيم كان مؤمنا، وإن أبوى النبی -صلى اللّٰه عليه وسلم -كانا مؤمنين، حتى لا يقولون :إن النبی يكون أبوه كافرا، فإذا كان أبوه كافرا أمكن أن يكون ابنه كافرا، فلا يكون فی مجرد النسب فضيلة.

وهذا مما يدفعون به أن ابن نوح كان كافرا لكونه ابن نبی، فلا يجعلونه كافرا مع كونه ابنه، ويقولون أيضا :إن أبا طالب كان مؤمنا .ومنهم من يقول :كان اسمه عمران، وهو المذكور فی قوله تعالى :(إن اللّٰه اصطفى آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين)

وهذا الذی فعلوه مع ما فيه من الافتراء والبهتان ففيه من التناقض وعدم حصول مقصودهم ما لا يخفى .وذلک أن كون الرجل أبيه أو ابنه كافرا لا ينقصه (ذلک) عند اللّٰه شيئا، فإن اللّٰه يخرج الحی من الميت ويخرج الميت من الحی.

ومن المعلوم أن الصحابة أفضل من آبائهم، وكان آباؤهم كفارا، بخلاف من كونه زوج بغی (قحبة) فإن هذا من أعظم ما يذم به ويعاب ;لأن مضرة ذلک تدخل عليه، بخلاف كفر أبيه أو ابنه.

وأيضا فلو كان المؤمن لا يلد إلا مؤمنا، لكان بنو آدم كلهم

مؤمنين .وقد قال تعالى :(واتـل عليهم نبأ ابنى آدم بالحق إذ قربا قـربـانـا فتـقبل من أحدهما ولم يتقبل من الآخر قال لأقتلنك قال إنما يتقبل اللّٰه من المتقين)إلى آخر القصة.

وفى الصحيحين عن النبى -صلى اللّٰه عليه وسلم -أنه قال " :لا تـقتـل نـفـس ظلما إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها، لأنه أول مـن سن القتل (منهـاج السـنة الـنبـوية فـى نـقـض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية،ج۴،ص ۳۴۹،الٰی ص ۳۵۱،الفصل الثانى فى أن مذهب الإمامية واجب الاتباع، الرد على قوله إن عائشة كانت تأمر بقتل عثمان من وجوه)

ترجمہ: پھر روافض کی جہالت میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے نسبوں (یعنی ان کے آباء اور اولاد) کو بہت عظیم سمجھتے ہیں (اور ان کی شان میں غلو کرتے ہیں) لیکن انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ازواج میں رد وقدح کرتے ہیں، یہ سب کچھ عصبیت اور خواہش کی اتباع کی بناء پر ہے، یہاں تک کہ وہ حضرت فاطمہ اور حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کی بہت تعظیم کرتے ہیں، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق رد وقدح کرتے ہیں، چنانچہ اہلِ تشیع، یا ان میں سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد ''آزر'' مومن تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی مومن تھے، یہاں تک کہ وہ اس قول کو اختیار نہیں کرتے کہ نبی کا والد کافر ہو، پس جب نبی کے والد کافر ہوں گے، تو پھر ان کے بیٹے کا کافر ہونا بھی ممکن ہوگا، اور اس طرح محض نسب میں کوئی فضیلت نہیں ہوگی۔

اور اہلِ تشیع، نوح علیہ السلام کا بیٹا ہونے کی وجہ سے، ان کے بیٹے کے کافر ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں، اور وہ اس کو کافر نہیں سمجھتے، اور اہلِ تشیع یہ بھی کہتے ہیں کہ

ابوطالب، مومن تھے، اور بعض اہلِ تشیع، اُن کا نام ''عمران'' قرار دیتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ کے (سورہ آلِ عمران میں مذکور) اس قول میں ذکر ہے کہ ''إن اللّٰـه اصطفٰی آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين''

اور اہلِ تشیع کے اس (مذکورہ) طرزِ عمل میں جھوٹ اور بہتان اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کا مقصود حاصل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ مخفی نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی آدمی کے والد، یا بیٹے کا کافر ہونا، اللہ کے نزدیک اس آدمی میں کسی قسم کا نقص پیدا نہیں کرتا، کیونکہ اللہ زندہ کو، مُردہ سے نکالتا ہے، اور مُردہ کو، زندہ سے نکالتا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اپنے آباء واجداد سے افضل ہیں، اوران کے آباء واجداد کفار تھے، بخلاف فاجرہ عورت کے شوہر ہونے کے، کیونکہ یہ عظیم قابلِ مذمت اور قابلِ عیب چیز ہے، کیونکہ اس کی مضرت، شوہر پر داخل ہوتی ہے (اور کسی نبی کی بیوی، یا اس کی امہات میں ایسی کوئی بھی عورت نہیں پائی گئی) بخلاف کسی کے والد، یا بیٹے کے کافر ہونے کے (کہ اس میں دوسرے پر مضرت داخل نہیں ہوتی)

علاوہ ازیں اگر مومن سے مومن ہی کی ولادت ہوتی، تو آدم علیہ السلام کی ساری اولاد مومن ہوتی، دراں حالیکہ (سورہ مائدہ میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''واتل عليهم نبأ ابنى آدم بالحق إذ قربا قربانا فتقبل من أحدهما ولم يتقبل من الآخر قال لأقتلنك قال إنما يتقبل الله من المتقين'' آخر قصہ تک۔

اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نفس کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا، تو آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر، اس کے خون کا بوجھ ہوگا، کیونکہ اس نے سب سے پہلے، قتل کی بنیاد ڈالی'' (منهاجُ السنة)

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ، مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

والرافضة تغلو في تعظيمه على عادتهم الفاسدة في أنهم يمدحون رجال الفتنة الذين قاموا على عثمان، ويبالغون في مدح من قاتل مع علي، حتى يفضلون محمد بن أبي بكر على أبيه أبي بكر، فيلعنون أفضل الأمة بعد نبيها، ويمدحون ابنه الذي ليس له صحبة ولا سابقة ولا فضيلة، ويتناقضون في ذلك في تعظيم الإنسان ، فإن كان الرجل لا يضره كفر أبيه أو فسقه لم يضر نبينا ولا إبراهيم ولا عليا كفر آبائهم، وإن ضره لزمهم أن يقدحوا في محمد بن أبي بكر بأبيه ، وهم يعظمونه، وابنه القاسم بن محمد وابن ابنه عبد الرحمن بن القاسم خير عند المسلمين منه، ولا يذكرونهما بخير لكونهما ليسا من رجال الفتنة.

وأما قوله " :وعظم شأنه ."فإن أراد عظم نسبه، فالنسب لا حرمة له عندهم ، لقدحهم في أبيه وأخته .

وأما أهل السنة فإنما يعظمون بالتقوى، لا بمجرد النسب .قال تعالى :(إن أكرمكم عند الله أتقاكم) (منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية، ج۴،ص ۳۷۵،۳۷۶،الفصل الثاني في أن مذهب الإمامية واجب الاتباع،كلام الرافضي على عائشة مع كلامه على معاوية والرد عليه)

ترجمہ: اور روافض، اپنی فاسد عادت کی وجہ سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق غلو کرتے ہیں، وہ اس فتنے میں مبتلا ہونے والے لوگوں کی تعریف کرتے ہیں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہوئے، اور جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو کر قتال کیا، ان کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں،

یہاں تک کہ وہ محمد بن ابی بکر کو ان کے والد حضرت ابوبکر پر فضیلت دیتے ہیں، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، امت کے افضل شخص پر، لعنت کرتے ہیں، اوران کے اس بیٹے کی تعریف کرتے ہیں، جس کو نہ صحابیت کا شرف حاصل ہے، اور نہ سابقین والی کوئی فضیلت حاصل ہے، اور اس طرح وہ انسان کی تعظیم میں ٹکراؤ کا شکار ہوتے ہیں، پس اگر کسی انسان کے لیے اس کے والد کا کفر، یا فسق مُضِر نہیں، تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے آباء کا کفر مُضِر نہیں ہوگا، اور اگر مُضِر ہوگا، تو روافض پر لازم ہوگا کہ وہ حضرت ابوبکر کے والد ہونے کی وجہ سے ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر میں بھی ردوقدح کریں، دراں حالیکہ وہ ان کی تعظیم کرتے ہیں، اوران کے بیٹے قاسم بن محمد، اوران کے بیٹے کے بیٹے عبدالرحمٰن بن قاسم، مسلمانوں کے نزدیک محمد بن ابی بکر سے بہتر ہیں، لیکن روافض ان دونوں شخصیات کا خیر کے ساتھ اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ یہ شخصیات فتنے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔

اور رہا یہ کہنا کہ محمد بن ابی بکر کی شان بلند ہے، تو اگر محمد بن ابی بکر کے نسب کی تعظیم مراد ہو، تو اس نسب کی ان کے نزدیک حرمت نہیں، کیونکہ وہ محمد بن ابی بکر کے والد (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور محمد بن ابی بکر کی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ردوقدح کرتے ہیں۔

رہا اہلِ سنت کا معاملہ، تو وہ تقویٰ کی وجہ سے تعظیم کرتے ہیں، محض نسب کی وجہ سے تعظیم نہیں کرتے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا (سورہ حجرات میں) یہ ارشاد ہے کہ ''ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم'' (منهاجُ السنة)

مذکورہ عبارات سے مبحوث فیہ مسئلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ کا محققانہ موقف معلوم ہوگیا، جو گزشتہ روایات اور دیگر نصوص اور جمہور امت کے موافق ہے۔

اس کے علاوہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے دوبارہ زندہ کیے جانے کی حدیث کو، سند کے اعتبار سے غیر معتبر قرار دیا ہے، جس کا ذکر دوسرے مقام پر کر دیا گیا ہے۔

اب اس کے بعد ملا علی قاری حنفی (المتوفیٰ: 1014ھ) کے درجِ ذیل کلام کو بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

الحكمة من موت أبوى الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم على الكفر.

هذا وفيه بيان لكمال قدرته فى خلقه وأمره وتبيان لسر قضائه وقدره ورد على الحكماء والفلاسفة والطبيعية فى بناء أمر النبوة والمعرفة على الأمور النسبية والأحوال الكسبية لا على المواهب الإلهية السبحانية والجذبات الربانية الصمدانية كما أشار اللّٰه سبحانه إلى هذا المعنى فى رد ذلك المبنى بقوله (يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى)

فأخرج اللّٰه سبحانه المؤمن من الكافر والكافر من المؤمن كابن نوح عليه السلام فإنه كافر بإجماع ائمة الإسلام وكقابيل قاتل هابيل من بنى آدم عليه السلام فإنه كافر باتفاق علماء الأعلام ولما رأى عليه السلام عكرمة بن أبى جهل بعد الإسلام قرأ (يخرج الحى من الميت)

وفى هذا بيان عظيم إلى أن الإيمان إنعام جسيم لا يصل إليه إلا نبى أو ولى كريم ممن سبقت لهم الحسنى بالوصول إلى المقام الأسنى.

فنسأل اللّٰه تعالى حسن الخاتمة الدالة على سبق العناية بتعلق الإرادة لتحقق السعادة داعين ربنا توفنا مسلمين وألحقنا

بالصالحين وأدخلنا الجنة آمين غير خزايا ولا مفتونين آمين.

وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين. تمت(أدلة معتقد أبي حنيفة في أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، ص ۱۴۶ و ۱۴۷، الحكمة من موت أبوى الرسول صلى الله عليه وسلم على الكفر)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے کفر کی حالت میں فوت ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق اور ان کے امور پر پوری قدرت حاصل ہے، اور اس میں حکماء اور فلاسفہ واہلِ طبیعت پر رَد ہے کہ نبوت اور معرفت کے مبنی ہونے کا معاملہ، امورِ نسبیہ اور احوالِ کسبیہ پر مبنی ہے، نہ کہ مواہبِ الٰہیہ سبحانیہ اور جذباتِ ربانیہ صمدانیہ پر، جیسا کہ اس معنیٰ کی طرف، اس بناء کے رَد کے لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ ’’يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي‘‘

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، مومن کو کافر سے پیدا فرماتا ہے، اور کافر کو مومن سے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کہ وہ ائمہ اسلام کے اجماع کی رُو سے کافر ہے، اور جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا، جو کہ اہلِ علم کے اتفاق کی رو سے کافر ہے، اور جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عکرمہ بن ابی جہل کو، اسلام لانے کے بعد دیکھا، تو اس آیت کی قرائت فرمائی کہ ’’يخرج الحي من الميت‘‘

اور اس میں ایک عظیم بیان یہ بھی ہے کہ ایمان، عظیم الشان انعام ہے، اس کی طرف نبی، یا وہ کریم ولی ہی پہنچ سکتا ہے، جس کے اس عظیم مقام کی طرف پہنچنے کے لیے نیکیاں سبقت کر چکی ہوں۔

پس ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے حسنِ خاتمہ کا سوال کرتے ہیں، جو عنایت کی سبقت پر

دلالت کرنے والا ہو، اس ارادہ کے تعلق کے ساتھ، جو سعادت کو متحقق کردے، اپنے رب سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے، اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرمائے، اور ہمیں جنت میں داخل فرمائے، آمین، رسوائی اور آزمائش میں مبتلا کیے بغیر، آمین۔

اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ ربُّ العالمین کے لیے ہیں، تمت (أدلة معتقد أبي حنيفة في أبوي الرسول عليه الصلاة والسلام)

ملکی حالات پر گہری نظر رکھنے کے مشورہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''مفتی صاحب! ملکی حالات پر گہری نظر رکھیے''۔انتھٰی۔

کلام:

کیا صرف ملکی حالات پر گہری نظر رکھنا ضروری ہے، اور ملکی حالات کے مقابلے میں قرآن وسنت پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت واہمیت نہیں۔

اور ہمارا اس سلسلے میں ایمان یہ ہے کہ قرآن وسنت کی جس قدر وسیع وعمیق نظر ہے، ایسی وسیع وعمیق نظر کسی اور کی نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے جو شخص، قرآن وسنت کے تناظر میں بات کرتا ہے، وہ ملکی حالات تو درکنار، عالمی، بلکہ عالمین کے حالات پر گہری نظر رکھنے پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔

پس قرآن وسنت کی تعلیمات پر ملکی حالات کو ترجیح دینا، سراسر لاعلمی، بلکہ جہالت کی بات ہے، جس سے ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط وہدایات اپنی جگہ مسلّم ہیں، جن سے مسئلہ ہٰذا کا تعارض ہرگز نہیں۔

اپنے مسلک پر رحم کرنے کی تجویز پر کلام

پھر اپنے کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اور اپنے مسلک پر بھی رحم کا معاملہ کیجیے''۔انتھٰی۔

کلام :

معلوم نہیں کہ آنجناب کون سے مسلک پر رحم کی استدعاء کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آنجناب، قرآن وسنت، اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق، قول کو اپنے مسلک سے خارج خیال کرتے ہیں، اور اس قول کو ترجیح دینے واختیار کرنے والے کو اپنے مسلک سے الگ شمار کرتے ہیں، جو جمہور متقدمین کے ساتھ ساتھ، محققینِ حنفیہ اور متعدد اکابرِ دیو بند کی تصریحات کے بھی مطابق ہے؟

اس سوال کا واضح جواب دینے، یعنی دعویٰ مکمل ہونے کے بعد ہی جناب کی طرف سے اس رحم کی اپیل قابلِ سماعت قرار پا سکتی ہے، جس کے بعد پھر اس پر نقد وجرح کا سلسلہ شروع ہو گا، اور اگر جناب ان امور کو نظر انداز کر کے رحم کی اپیل کے خواہش مند ہیں، تو اس کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اس کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو گا، جس کی طرف جناب نظر کرنے کے لیے آمادہ تک بھی نہیں، اور اس کے مقابلے میں دنیا جہان کے قصوں اور بکھیڑوں کو جمع کرنے سے نہیں تھکتے۔

پسِ پردہ کوئی اور عوامل ہونے کے خدشہ پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں یہ لکھا کہ:

''کیا ایسا تو نہیں کہ پسِ پردہ کوئی اور عوامل ہوں، اور آپ کو بطورِ ہتھیار کے استعمال کیا جا رہا ہو''۔انتھٰی۔

کلام :

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہاں کسی پسِ پردہ عوامل کے ہونے، نہ ہونے، اور کسی کے لیے بطورِ ہتھیار استعمال ہونے، نہ ہونے کا ذکر ہی نہیں، بلکہ اصل معاملہ قرآن وسنت پر مشتمل، جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کو بیان کرنے کا ہے، جس میں قرآن وسنت کی نصوص، اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی عبارات اور حوالہ جات کا جابجا ذکر ہے، اور ساتھ ہی احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا گیا ہے، اور ہمارے نزدیک یہی امور، اس موقف کی خلاف ورزی کرنے کے خلاف، علمی اسلحہ کے طور پر استعمال ہونے کے قابل ہیں۔

پس ان سب امور کو نظر انداز کر کے پسِ پردہ عوامل کو تلاش کرنے والے کی مثال اس سے زیادہ نہیں، جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے:

فلسفی کو خدا کبھی ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے، مگر سرا ملتا نہیں

اور اگر پھر بھی کوئی قرآن وسنت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی تصریحات کے اپنے سامنے ہوتے ہوئے، پسِ پردہ عوامل کا متلاشی ہو، تو اس نوعیت کا غیبی پردہ تو قیامت کے دن ہی ہٹ سکتا ہے، جس کا انتظار کرنا چاہیے، اور اس سے قبل اپنی طرف سے کوئی فیصلہ صادر کرنے، اور بدگمانی وبدکلامی، وتخمین سازی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ماضی کے حالات کے شاہدِ عدل ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ماضی کے حالات اس پر شاہدِ عدل ہیں کہ بعض شخصیات شعوری، یا غیر شعوری طور پر اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں کھلونا بنے، جب ان بے رحم عناصر کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں، تو ٹشو پیپر کے برابر بھی حیثیت نہیں دیتے''۔

انتھٰی۔

کلام:

زمانۂ ماضی کے حالات، شاہدِ عدل ہوں، یا زمانۂ حال کے حالات، شاہدِ عدل ہوں، یا زمانۂ مستقبل کے حالات، شاہدِ عدل ہوں، ان سب کے لیے قولِ فیصل قرآن وسنت ہی ہے، جب کوئی کام قرآن وسنت کی صحیح تعلیمات کی تحریک، تبلیغ وتشہیر پر مشتمل ہو، تو اس سے شریعت کے ہی مقاصد پورے ہوتے ہیں، خواہ کسی کو اسلام دشمن عناصر کے مقاصد پورے ہونا محسوس ہوتا ہو، یا کچھ اور محسوس ہوتا ہو، وساوس، اوہام، اور تخیلات وتوہمات کا کوئی سر، پیر نہیں ہوتا، بلکہ یہ خود ایک مستقل مرض و بیماری ہے، جس کے علاج کی ضرورت ہے، اور اسی وجہ سے یہاں شعوری، یا غیر شعوری کی تقسیم کرنے کی بھی ضرورت نہیں، ورنہ تو قرآن وسنت کے احکامات کی تبلیغ وتشہیر کرنے والے کسی بھی شخص پر اُٹھ کر کوئی بھی اس قسم کا اعتراض کر سکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے خدشات کو جانچنے کا اصل معیار قرآن وسنت ہی ہے۔
پھر بھی کوئی شعوری، یا غیر شعوری کی تقسیم پر مُصِر رہے، تو اس کے بارے میں پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ اسے اس طرح کے پسِ پردہ عوامل کے سرے تک پہنچنے کے لیے آخرت کا انتظار کرنا چاہیے، یا پھر کم از کم ایسے ٹھوس ثبوت پیش کرنا چاہیے کہ جو آخرت میں عنداللہ پیش کرنے کے کام آ سکیں، ورنہ بدگمانی اور سوءِ ظن پر وارد ہونے والی وعیدوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

شعوری، یا غیر شعوری کسی کے ہاتھوں استعمال ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کیا آپ شعوری، یا غیر شعوری طور پر کسی کے ہاتھوں استعمال تو نہیں ہو رہے؟''۔انتہٰی۔

کلام:

بندہ کی طرف سے اس، وہم، وسوسہ، خدشہ، اور گمان کے متعلق پہلے کلام کیا جا چکا ہے، اگر

آنجناب کو بندہ کے جواب پر اطمینان نہ ہو، تو اس کی مزید تحقیق کے لیے جو کچھ آنجناب سے بن سکے، اس کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے، تاکہ اگر آخرت میں نہ سہی، تو دنیا میں کوئی سزا تجویز کرانے اور دفعہ قائم کرانے میں جناب کو کامیابی حاصل ہوسکے۔

حساس مسئلے پر اعتدال قائم نہ رکھنے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

’’اگر ایسا نہیں، تو پھر بھی شدت ہے، ایسے حساس مسئلہ پر اعتدال قائم رکھنا چاہیے تھا‘‘۔ انتہٰی۔

کلام :

آنجناب سے زیادہ ہمیں خود اس مسئلے کی حساسیت کا بہت پہلے سے احساس ہے، اور اسی حساسیت کی وجہ سے ہم نے حتی الامکان شدت سے اجتناب کیا ہے، اور اعتدال کو قائم رکھنے کا اہتمام کیا ہے، مگر آنجناب اپنے مخصوص موقف کی وجہ سے شدت اور بے اعتدالی کا رونا روئے جارہے ہیں، جس کی کوئی بھی ایک مضبوط و مستحکم اور معقول دلیل جناب کے مضمون میں مذکور نہیں، اور ہم نے اس موقف کے برخلاف جو بے اعتدالیوں سے متعلق بے شمار نصوص پیش کیں، ان کا جناب کی طرف سے کوئی ذکر ہی نہیں۔

اب آنجناب جیسے لوگوں کی طرف سے بے اعتدالی والے موقف کی شدت، دوسرے کو اسی شدت کے ساتھ جواب کا راستہ فراہم کرتی ہے، جناب نے اب خود ہی شدت کا جواب شدت سے دینے کا راستہ کھولا، اس لئے اب آنجناب کو ایسی باتوں کو ملاحظہ کرنے کا کڑوا گھونٹ پینے کے لیے خواہی نخواہی آمادہ ہونا پڑے گا، جو جناب پہلے مضمون میں ملاحظہ نہیں کرسکے، آنجناب جیسے متشدد اور متعصب حضرات کو سنجیدہ اور شرافت والی زبان سمجھ نہیں آتی۔

کتاب لکھنے کے سبب پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''مفتی صاحب! آپ نے کتاب لکھنے کا سبب یہ بتلایا کہ اس مسئلہ پر ایک مولوی صاحب کسی مسجد میں اظہارِ خیال فرما رہے تھے، اس کی اطلاع آپ کو دی گئی، یا سائل بن کر کسی نے آپ سے سوال کیا''۔انتھیٰ۔

کلام:

اس قسم کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب نے مکمل مضمون کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہی نہیں، اور اگر مطالعہ کیا بھی ہے، تو صرف تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا ہے، اسی وجہ سے سینکڑوں صفحات پر مشتمل بحث میں سے آپ کو چند جملے ہی تنقید کے لیے مہیا ہوتے ہیں، اور وہ بھی اپنے الفاظ میں۔

بندہ کے مضمون میں یہ بات صاف طور پر مذکور ہے کہ:

''متقدمین کے زمانہ میں اس مسئلہ میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مابین کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہ تھا، بلکہ متعدد حضرات کی تصریح کے مطابق اجماع تھا، لیکن بعض روایات اور اس سلسلہ میں پیش کردہ اہلِ فترۃ و زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو دعوت نہ پہنچنے اور اس کی وجہ سے ان کے معذور اور غیر معذب ہونے کے مجمل و مبہم دلائل اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شانِ نبوت میں فرطِ محبت و غلو اور بعض دوسری غلط فہمیوں کی وجہ سے متاخرین میں یہ مسئلہ غیر معمولی متنازع ہو گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کو اجنبی محسوس کیا جانے لگا، اور اس سے بڑھ کر اس موقف کے حامل کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے خلاف سمجھا جانے لگا۔

چنانچہ ایک عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ اس سلسلہ میں بعض اہلِ علم حضرات اوران کے واسطہ سے عوامُ النّاس کی طرف سے بحث ومباحثہ سامنے آتا ہے، اور اس سلسلہ میں مروی مختلف احادیث وروایات اوران کی اسناد اور متقدمین جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف پر نظر، یا پوری تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے افراط، یاتفریط پیدا ہوجاتی ہے۔

پھراس سلسلہ میں ایک دوسرے کے خلاف، بالخصوص متقدمین اور جمہوراہل السنۃ و الجماعۃ کے اصل موقف کے حامل پر شدت کے ساتھ نکیر کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگراس سلسلہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی معتبر احادیث وروایات کو بیان کیا جائے، اور جمہوراہلِ علم حضرات کے مطابق موقف کواختیار کیا جائے، اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب بھی قرار دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی صحیح اور معتبر احادیث کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے اوراس کی وجہ سے غیر ناجی ہونے کا اعتقاد رکھے، اس کو ملعون قرار دیا جاتا ہے اورعوامی مجامع ومجالس میں اس کی بھرپور انداز میں تبلیغ وتشہیر کی جاتی ہے، تقریرات کے علاوہ عوامی تحریرات میں بھی اس کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جس کی زَد میں غیر شعوری طور پر امت کے بڑے بڑے اصحابِ علم اور مجتہدین ومحدثین بھی آجاتے ہیں۔

حالانکہ اگر کوئی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آپ کے والدین کے متعلق صحیح و معتبر احادیث وروایات پیش کرے، یا غیر صحیح وغیر مستند احادیث وروایات کی نشاندہی کرے، اوراس سلسلہ میں جمہور اہلِ علم، بلکہ متقدمین کے اجماع کی پیروی واتباع کرے، تو اس پر نکیر وملامت کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں، چہ جائیکہ اس

پر لعنت کی جائے، جس کا متعین طور پر مستحق ایک واضح کافر ہی ہوتا ہے۔

حالانکہ اگر کوئی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آپ کے والدین کے متعلق صحیح و معتبر احادیث و روایات پیش کرے، یا غیر صحیح و غیر مستند احادیث و روایات کی نشاندہی کرے، اور اس سلسلہ میں جمہور اہلِ علم، بلکہ متقدمین کے اجماع کی پیروی واتباع کرے، تو اس پر نکیر وملامت کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں، چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے، جس کا متعین طور پر مستحق ایک واضح کافر ہی ہوتا ہے۔

بالخصوص جبکہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے کہ:

إِنَّ اللَّعَّانِيْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ، وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسلم، رقم الحديث ۲۵۹۸ ''۸۶'' كتاب البر والصلة والآداب، باب النهى عن لعن الدواب وغيرها، عن ابى الدرداء)

یعنی'' قیامت کے دن لعنت کرنے کے والے، شفاعت کرنے والے اور شہید نہیں ہوں گے''

پھر کسی مسلمان پر ایسے عمل کی وجہ سے لعنت کرنے کے کیا معنیٰ؟ جس کی زَد میں جمہور متقدمین اور جلیلُ القدر ائمہ ومحدثین بھی آ جاتے ہوں......

اور اگر چہ بعض اہلِ علم حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سکوت کو احوَط و اسلَم قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے دل میں اس کے متعلق کھٹک پیدا نہ ہو، اور وہ اس سلسلہ میں نفیاً واثباتاً کوئی عقیدہ نہ رکھے، تو اس سے قیامت کے دن کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔

مذکورہ اہلِ علم حضرات کا یہ موقف اگر چہ اپنی جگہ اور فی نفسہٖ درست قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جب اس مسئلہ میں پہلے سے نفیاً یا اثباتاً طرفین سے بحث ومباحثہ جاری ہو چکا ہو، اور افراط وتفریط پیدا کی جا چکی ہو، اور متعدد اہلِ علم کے واسطے سے عوام

کے بڑے حلقے میں بھی اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کی گرم بازاری اور ایک دوسرے کے خلاف طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری ہو، بلکہ ایک فریق کی جانب سے ایک غیر قابلِ استدلال اور انتہائی کمزور، بلکہ **متھم بالکذب** راویوں پر مشتمل روایت کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو فوت ہونے کے بعد زندہ کیے جانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ایک مہم کے طور پر تبلیغ وتشہیر اور اس پر عقیدہ رکھنے کی تاکید اور اس کے خلاف پائی جانے والی صحیح ومعتبر احادیث کی تردید وبے جا تاویل اور ان سے ثابت شدہ مضمون پر سخت سے سخت نکیر، اور ایک عمل پر رنج وغم کے بجائے، فرحت وسُرور اور نعرے بازی تک کا سلسلہ جاری ہو، تو پھر سکوت کے بجائے، اس مسئلہ کی معتدل تحقیق اور افراط وتفریط کی نشاندہی ضروری ہوجاتی ہے۔

اور اس صورت میں سکوت اسلَم و احوَط نہیں ہوتا، کیونکہ ایسی صورت میں سکوت کی وجہ سے افراط وتفریط کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی، تا آنکہ افراط یا تفریط جو بھی پائی جارہی ہو، اس کی نشاندہی اور دلائل کے ساتھ اس کی توضیح وتشریح نہ کی جائے۔

اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض حضرات کی خواہش پر ایک سوال کے جواب میں اس مسئلہ کی بندہ نے تحقیق کی، اور بامرِ مجبوری اس مسئلہ کے متعلقہ پہلوؤں اور اس سلسلہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں، اور خاص طور پر ایک ایسی رائے پر بے جا اصرار وغلو کہ جس کا معتبر نصوص سے ثبوت نہیں پایا جاتا، اور اس کے برعکس معتبر نصوص کے مطابق رائے پر جابجا نکیر والے طرزِ عمل کے پائے جانے کی وجہ سے جابجا کھل کر وضاحت اور صراحت کرنی پڑی، جس کو آئندہ اوراق وصفحات میں ذکر کیا جارہا ہے، اور اس مضمون کو ''**شَفَاعَةُ النَّبِیِّ لِأَبَوَیِ النَّبِیِّ**'' کے عنوان سے موسوم کیا گیا ہے''۔ (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۱۳۴، و۱۳۸)

البتہ سائل کی طرف سے سوال میں اس بات کا ذکر تھا کہ:

''ہمارے یہاں مسجد کے ایک مولوی صاحب فجر کی نماز کے بعد کئی دن سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن اور جنتی ہیں، اور ان کو کافر ومشرک سمجھنا درست نہیں، ایک مرتبہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو آدمی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، مومن نہیں تھے، بلکہ کافر ومشرک تھے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت گستاخ اور ملعون ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ حدیثوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مومن ہونا ثابت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے ہو گیا۔

اور اس زمانے میں فوت ہونے والے لوگ ''اصحابِ فترۃ'' کہلاتے ہیں، جو سب کے سب جہنم کے عذاب سے بری ہیں، کیونکہ ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی تھی۔

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کی احادیث معتبر اور مستند نہیں، اور اگر اس قسم کی حدیثوں کو صحیح بھی مان لیں، تو وہ پہلے کی ہیں، لیکن اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے ایمان کی نعمت حاصل ہو گئی تھی۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ لکھ دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کے قائل تھے، اور یہ بات لکھنے والوں میں دیوبندیوں کا ایک بڑا عالم جس کا نام مولانا رشید احمد گنگوہی ہے، وہ بھی شامل ہے، جو اِن مولوی صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا ہے اور یہ فتویٰ، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے، اور ان مولوی صاحب کو بعض دیوبندیوں نے ابوحنیفہؒ

وقت کہا ہے۔

یہ ان دیوبندیوں کے ابوحنیفۂ وقت کا حال ہے، دوسروں کا حال اس فتوے سے خود ہی پتہ چل جاتا ہے۔

پھر ان مولوی صاحب نے کہا کہ دیوبندی علماء بہت بڑے گستاخِ رسول ہیں اور وہ اس طرح کی گستاخیاں کرتے رہتے ہیں، اس طرح کی اور بھی کئی گستاخیاں دیوبندی مولویوں نے کی ہیں، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے، اس لیے دیوبندی علماء کی کتابوں اور فتووں کو پڑھنے سے انسان، گستاخِ رسول بن جاتا ہے''۔(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲،ص۱۴۲،۱۴۳)

بندہ کا جواب، تو ایک سوال کے تناظر میں ہے، اور اس تفصیلی جواب کی، دیگر وجوہات بھی ہیں، جن کی طرف اس مضمون میں اشارہ کر دیا گیا ہے، لیکن جناب کو صرف سائل کے سوال کی ایک وجہ ہی نظر آئی، کیونکہ اس کی وجہ سے آنجناب کو تنقید کرنے کے لیے ''رائی کا دانہ'' مل گیا، جس کو آنجناب ''پہاڑ'' بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جبکہ احادیث میں یہ صراحت آئی ہے کہ جس سے دینی مسئلے کے بارے میں سوال کیا جائے، اور وہ اس کو چھپالے، تو اس کو قیامت کے دن، اللہ آگ کی لگام پہنائے گا۔

چنانچہ ''سنن ابی داؤد'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِّنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۶۵۸، كتاب العلم، باب كراهية منع العلم، مسند احمد، رقم الحديث ۸۶۳۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے کسی علم کے بارے میں سوال کیا گیا، پھر اس نے اس کو چھپالیا، تو اللہ اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے گا (ابوداؤد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

اور سنن ابنِ ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَحْفَظُ عِلْمًا فَيَكْتُمُهُ، إِلَّا أُتِيَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ (ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٦١، أبواب السنة، باب من سئل عن علم فكتمه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے کوئی علم محفوظ کرلیا، پھر اس کو چھپایا، تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے ہوئے ہونے کی حالت میں آئے گا (ابنِ ماجہ)

اب جب ہم سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا، اور اللہ کے فضل وکرم سے ہماری، اس مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت کی نصوص اور اہلُ السنۃ واہلِ تشیع کے موقف تک رسائی حاصل ہوئی، تو ہم نے اس کے مطابق جواب دینے کو اپنی ذمہ داری سمجھا، اور حقیقت کو چھپانے میں مذکورہ اور اس جیسی وعیدوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کیا۔

اس کے بعد الحمد للہ تعالیٰ ہم اپنے اور اللہ کے درمیان اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں آنجناب، یا کسی اور کے حائل ہونے کو مؤثر نہیں سمجھتے۔ [1]

---

[1] (من سئل عن علم) علمه قطعا وهو علم يحتاج إليه سائل فى أمر دينه وقيل ما يلزم عليه تعليمه كمريد الإسلام يقول علمنى الإسلام والمفتى فى حلال أو حرام وقيل هو علم الشهادتين (فكتمه) عن أهله (ألجمه الله يوم القيامة بلجام) فارسى معرب (من نار) أى أدخل فى فيه لجاما من نار مكافأة له على فعله حيث ألجم نفسه بالسكوت فى محل الكلام فالحديث خرج على مشاكلة العقوبة للذنب وذلك لأنه سبحانه أخذ الميثاق على الذين أوتوا الكتاب ليبيننه للناس ولا يكتمونه وفيه حث على تعليم العلم لأن تعلم العلم إنما هو لنشره ودعوة الخلق إلى الحق والكاتم يزاول إبطال هذه الحكمة وهو بعيد عن الحكيم المتقن ولهذا كان جزاؤه أن يلجم تشبيها له بالحيوان الذى سخر ومنع من قصد ما يريده فإن العالم شأنه دعاء الناس إلى الحق وإرشادهم إلى الصراط المستقيم وقوله بلجام من باب التشبيه لبيانه بقوله من نار على وزان (حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر) شبه ما يوضع فى فيه من النار بلجام فى الدابة ولولا ما ذكر من البيان كان استعارة لا تشبيها (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج٦ ص١٤٦، تحت رقم الحديث ٨٧٣٢، حرف الميم)

بغیر سوچے سمجھے میدان میں کودنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''تو آپ بغیر سوچے سمجھے، اس میدان میں کودنے کے لیے تیار ہو گئے''۔

انتھٰی۔

کلام :

جناب نے ایسے یقین کے ساتھ مذکورہ حکم لگا دیا، جیسا کہ آنجناب کو دور بیٹھ کر، اس وقت کی بندہ کی سوچ اور سمجھ کا پوری طرح علم تھا۔

کیا جناب کی طرف سے جس کتاب کو ''اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں پہلی ضخیم کتاب'' قرار دیا جا چکا ہے، اتنی ضخیم کتاب بغیر سوچے سمجھے، کسی میدان میں کود کر تیار کی جا سکتی ہے؟

اس کے علاوہ پہلے آنجناب کی طرف سے ''کسی کے ہاتھوں استعمال ہونے'' کا بھی خدشہ ظاہر کیا جا چکا ہے، یہ سب آنجناب کے خیالات، بلکہ توہمات ہیں، جن کی نہ صرف یہ کہ آپ کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں، بلکہ آنجناب کے یہ خیالات وتوہمات امرِ واقعی کے بھی خلاف ہیں۔

معرکہ خاردار کا فاتح بننے کی ناکام کوشش پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اور اس معرکہ خاردار کا فاتح بننے کی ناکام کوشش کی (ناکام فاتح اس لیے کہ آپ کو دلائل کی مضبوطی پر اعتماد ہے، لیکن اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ مستقبل بتائے گا)''۔انتھٰی۔

کلام :

اس سلسلے میں عرض ہے کہ الحمد للہ تعالیٰ دنیا کی کوئی کامیابی، یا ناکامی تو بندہ کے پیشِ نظر ہے

ہی نہیں، رہا آخرت کی کامیابی وناکامی کا معاملہ، تو اس کے نتائج کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔

اور جہاں تک دلائل کی مضبوطی پر اعتماد ہونے کا تعلق ہے، تو یہ بندہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر منصِف اور دیانت دار اور تحقیق کے متلاشی کے نزدیک اصل معیار یہی ہے، جو آخرت میں بھی عنداللہ کام آنے والا ہے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مستقبل میں اسی کے مطابق نتائج برآمد ہونے کی امید بھی رکھتے ہیں۔

اگر آنجناب دلائل کو نظر انداز کر کے، کسی اور نتیجے کے امیدوار ہیں، تو اس کا فیصلہ بھی مستقبل ہی بتائے گا۔

اور اگر آپ دلائل کو نظر انداز، بلکہ ان کی خلاف ورزی کر کے اچھے نتائج برآمد ہونے کے خواہش مند حضرات کی فہرست میں اپنے ساتھ ہمیں بھی شریک کرنا چاہتے ہیں، تو کامیابی کا یہ سرٹیفکیٹ جناب کو ہی مبارک ہو، ہم اس سے معذرت خواہ ہیں۔

ہم اپنے مضمون میں یہ بات پہلے ہی صراحت کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ:

''موجودہ دور میں جبکہ صحیح اور معتدل تحقیق، جس میں تعصّب اور تحزّب کو دخل نہ ہو، اس کی اہلِ علم حضرات کی ایک جماعت میں بھی بہت زیادہ کمی اور فقدان پایا جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں اپنے سلسلہ کے مخصوص اکابر ومشائخ کی طرف سے بیان کردہ موقف کی روایتی انداز میں تقلید کا جذبہ اور اس پر اصرار وجمود کا عنصر بہت زیادہ پایا جاتا ہے، تو اس صورتِ حال میں عین ممکن ہے کہ ابتدائی طور پر بندہ کی تحقیق بعض اس قسم کے حضرات وطبقات کے لیے ''توحّش'' یا ''عدمِ توافق'' کا باعث ہو، لیکن بندہ کے پیشِ نظر ''فیما بینی وبین اللہ'' دلائلِ شرعیہ کی رُو سے حق وصواب اور راجح موقف کی جستجو وتلاش کے بعد رضائے خالق کی خاطر، پہلے خود اتباع کرنا اور پھر دوسرے کو اپنے موقف سے آگاہ کرنا ہے، کسی کا توحش وعدمِ توحش اور توافق وعدمِ توافق مقصودِ اصلی نہیں، اس لیے بندہ اس قسم

کا ذوق رکھنے والے حضرات سے پیشگی معذرت خواہ ہے، جن کے جذبات
وخیالات کو بندہ کے موقف یا انداز سے ٹھیس پہنچے'' (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲ص۱۴۰)

اب مکمل تفصیل قارئین کے سامنے آنے کے بعد وہ خود بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ''اس معرکہ خاردار کا فاتح بننے کی ناکام کوشش کس نے کی؟''۔

اور جس کو دنیا میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوا، اس کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ بہر حال آخرت کا فیصلہ تو حتمی سامنے آ ہی جائے گا۔

علمی حلقوں میں صدائیں بلند نہ ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''علمی حلقوں میں اس مسئلہ پر صدائیں بلند نہیں ہورہی تھیں''۔انتھٰی۔

کلام:

جناب کی اس خوش فہمی کے متعلق عرض ہے کہ بندہ کے مضمون میں یہ بات بھی صاف طور پر مذکور ہے کہ:

''اس مسئلہ کی تحقیق کے دوران بندہ نے مختلف اہلِ علم حضرات کی تحریرات وتالیفات اور رسائل وجرائد میں مذکور مضامین کو ملاحظہ کیا، دورانِ تحقیق بندہ نے ان سے استفادہ کیا، لیکن دلائل کی رُو سے بعض اہلِ علم حضرات، بالخصوص جن کا تعلق متاخرین سے ہے، ان کے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباو اجداد اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ''آزر'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اس سے بڑھ کر زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ تمام لوگوں کو مومن یا ناجی قرار دینے اور غیر مومن، یا غیر ناجی ہونے کی نفی کے یک طرفہ جذباتی اور روایتی موقف سے اتفاق نہ ہوسکا، بلکہ نصوصِ کثیرہ اور احادیثِ

صحیحہ کی رُو سے ان کے موقف میں جا بجا کمزوری اور ان کی تاویلات وتوجیہات میں تسامح کا احساس ہوا'' (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲ص۱۴۰)

ہم ایک بڑے علمی حلقے میں، اور ان کے واسطے سے عوامی حلقوں میں عرصۂ دراز سے قرآن وسنت اور جمہور کے مضبوط موقف کے برخلاف، صدائیں بلند ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، جس پر رسائل وجرائد میں بھی تحریری طور پر صدائیں بلند کی جاتی ہیں، اور منبر ومحراب میں بھی تقریری طور پر صدائیں بلند کی جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں اجتماعی نعرہ بازی کی صدائیں اس قدر بلند ہوجاتی ہیں کہ پورے مجمع میں کان پڑی سنائی نہیں دیتی، اور اگر لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال کیا جائے، تو پھر مجمع سے باہر بھی وہ صدائیں گونجنے لگتی ہیں۔

متعدد علمی حلقوں کی صداؤں کا آنجناب نے بھی اپنے مضمون میں آگے ذکر کیا ہے۔

پس مذکورہ اور ان جیسے حالات میں جناب کا یہ کہنا کہ ''علمی حلقوں میں اس مسئلہ پر صدائیں بلند نہیں ہورہی تھیں'' سراسر خلافِ واقعہ، اور حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

اس مسئلے کو چھیڑنے والوں کے مقام وحیثیت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اکثر روٹی، کپڑا، مکان والے لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور امت کو ایسے مسائل میں اُلجھاتے ہیں، جس مسجد کا مولوی اس مسئلہ پر کلام کررہا تھا، اس کا علمی مقام کیا تھا؟ کیا اس درجہ کا عالم تھا کہ اس کا جواب دیا جاتا؟''۔انتھیٰ۔

کلام:

تو پھر جن اہلِ علم حضرات نے ''ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کو مومن وناجی اور موحد قرار دیا، اور اس کے پرزور دلائل قائم کرنے کی کوشش کی، اور ''ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے غیر مومن وغیر ناجی اور غیر موحد قرار دینے والے کو ملعون اور ایذائے رسول کا مرتکب تک قرار

دیا، اوراس پر مستقل مضامین ورسائل تحریر وتصنیف کیئے، یہ کام کرنے والے سب حضرات آنجناب کے نزدیک روٹی، کپڑا اور مکان والے لوگ ہی ہوں گے، اور آج بھی جو مقررین ،مجامع میں خوب چاٹ مسالہ لگا کر، اس مسئلے کو اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جن کی جناب کے مسلک اور علاقے میں بھی کمی نہ ہوگی، کیا وہ سب بھی آنجناب کے نزدیک روٹی، کپڑا اور مکان والے لوگ ہیں، جس کے لیے انہوں نے امت کو اس قسم کے مسائل میں الجھا رکھا ہے؟ اس پر غور کرلینا چاہئے۔

ہمارے نزدیک اس قسم کی باتیں کرنے والے سب لوگ ایسے نہیں ہیں، بلکہ آنجناب کی طرح بہت سے لوگ مخلص اور دیندار بھی ہیں، جو نیک نیتی کے ساتھ محبت وعقیدتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور بعض دوسرے کمزور دلائل کی وجہ سے اس تسامح وغلط فہمی کا شکار ہیں۔

پھر جواب طلب سوال کا، جواب تو اس صورت میں بھی دیا جاتا ہے، جب کوئی عالم استفتاء کرے، اور اس صورت میں بھی دیا جاتا ہے، جب عامی شخص استفتاء کرے۔

کسی بھی استفتاء کے جواب کے لیے دنیا بھر سے وابستہ علماء کے بڑے طبقے کی طرف سے سوال ہونا، یا اس مسئلے میں غلط فہمی کا شکار ہونا، ضروری نہیں ہوتا، جیسا کہ اصحابِ نظر سے مخفی نہیں، جبکہ ہم یہ بات واضح کرچکے ہیں کہ اگرچہ استفتاء خاص شخص کی طرف سے، مخصوص واقعہ کے تناظر میں کیا گیا، لیکن مسئلہ ہٰذا پر عرصۂ دراز سے علمی وعوامی دنیا کے بڑے حصے میں، چہ میگوئیاں اور افراط وتفریط جاری ہے۔

پھر قرآن مجید کی بہت سی آیات کا شانِ نزول اور احادیثِ مبارکہ کا شانِ ورود بھی تو خاص خاص واقعات ہیں، لیکن ان کا حکم ان مخصوص واقعات تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ عام ہوتا ہے۔

ورنہ تو آنجناب کی طرح کوئی بھی شخص اٹھ کر یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ فلاں فلاں آیات اور فلاں فلاں احادیث تو مخصوص واقعات سے متعلق ہیں، پھر ان کی قرآن مجید اور احادیث کی شکل میں اور منبر ومحراب، رسائل وجرائد وغیرہ کے ذریعہ عام نشر واشاعت کی کیا ضرورت ہے؟

اس مسئلے کا پوری دنیا میں نشر ہونا، اور تبلیغِ احادیث

جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''چلو کلام کر رہا، غلط سہی، یا درست، اس کا بیان تو اس کے مقتدیوں تک محدود تھا، اور آپ کا جواب صرف پاکستان ہی نہیں، پوری دنیا میں جائے گا۔

اب یہ کیا گُل کِھلا تا ہے''۔انتھٰی۔

کلام :

ہمارے نزدیک اس کا سب سے سادہ اور صاف ستھرا جواب تو یہ ہے کہ ہم نے جس موقف کو پیش کیا، وہ صحیح اور معتبر احادیث میں مذکور ہے، جس کے ضمن میں غیر معتبر اور کمزور روایات اور مرجوح اقوال کی نشاندہی کا بھی ذکر ہے۔

اور قرآن وسنت کی نصوص وتعلیمات کی تبلیغ وتشہیر اور نشر واشاعت کے لیے نہ کسی کے سوال کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، بلکہ قرآن وسنت میں ان کی تبلیغ کا پہلے سے ہی ترغیبی وتاکیدی حکم آ گیا ہے، اور نہ صرف یہ کہ حکم آ گیا ہے، بلکہ اس عمل پر مختلف فضائل کا بھی ذکر وارد ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰـاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٦٧)

ترجمہ: اے رسول! پہنچا دو تم، جو نازل کیا گیا، تمہاری طرف، تمہارے رب کی طرف سے، اور اگر آپ نے یہ نہ کیا، تو آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہیں کی، اور اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا، لوگوں سے، بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا،

کافروں کو (سورہ مائدہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ -قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا: فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، إِنَّھَا لَوَصِیَّتُہٗ إِلٰی أُمَّتِہٖ، فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ(صحیح البخاری،رقم الحدیث ۱۷۳۹،کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی)

ترجمہ: اے اللہ! میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اے اللہ! میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو وصیت ہے، پس چاہیے کہ حاضر (وموجود) شخص غائب (یعنی غیر حاضر) شخص کو پہنچا دے (بخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّہٗ رُبَّ مُبَلَّغٍ یَبْلُغُہٗ أَوْعٰی لَہٗ مِنْ سَامِعٍ (سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۲۳۳،أبو اب السنة، باب من بلغ علما)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومُ النحر (یعنی دس ذی الحجہ) کو خطبہ دیا، اور فرمایا کہ حاضر شخص، غائب شخص تک پہنچا دے، کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں بات پہنچے گی، وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے (اور سمجھنے) والے ہوں گے (ابن ماجہ)

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنِّیْ مُحَدِّثُکُمْ بِحَدِیْثٍ فَلْیُبَلِّغِ الْحَاضِرُ مِنْکُمُ الْغَائِبَ (خلق أفعال العباد للبخاری، ج ۱، ص ۹۱، باب ما جاء

فی قول الله: بلغ ما أنزل إليک من ربک وإن لم تفعل فما بلغت رسالته، معرفة الصحابة لابی نعیم، رقم الحدیث ۴۸۳۶) ؎۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں، پس تم میں سے حاضر شخص کو چاہئے کہ وہ غائب شخص کو (حدیث) پہنچادے (خلق افعال العباد، ابونعیم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث ۳۰۵۶، کتاب المناسک، باب الخطبة، يوم النحر، السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ۱۸۷، باب ما يجب على الرعية من النصحِ لولاتها) ؎۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے، جو میری بات سنے، پھر آگے پہنچادے، کیونکہ بہت سے فقہ (یعنی دین) کی بات سننے والے، خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچادیتے ہیں، جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے (ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا

؎۱ قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الکبير، ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۹۲، باب فی سماع الحديث وتبليغه)

؎۲ قال شعيب الارنؤط:صحيح لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۶۵۷،أبواب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ اس شخص کو شاد وآباد رکھے (یعنی اسے خوش وخرم رکھے) جس نے ہم سے کوئی بات سنی، پھر اس کو اسی طرح (دوسروں تک) پہنچا دیا، جس طرح سنی تھی، پس بہت سے وہ لوگ جنہیں (ہماری بات) پہنچے گی، وہ سننے والے سے زیادہ، یاد رکھنے والے (اور سمجھنے والے) ہوں گے (ترمذی)

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

دَخَلْتُ أَنَا وَابْنُ أَبِي زَكَرِيَّا، وَسُلَيْمَانُ بْنُ حَبِيبٍ عَلٰى أَبِي أُمَامَةَ بِحِمْصَ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِنَّ مَجْلِسَكُمْ هٰذَا مِنْ إِبْلَاغِ اللّٰهِ لَكُمْ، وَاحْتِجَاجِهٖ عَلَيْكُمْ، وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَلَّغَ فَبَلِّغُوْا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۶۱۴، ج۸ص ۱۳۵) [2]

ترجمہ: میں اور ابنِ ابی زکریا، اور سلیمان بن حبیب، مقامِ ’’حمص‘‘ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، ہم نے آپ کو سلام کیا، تو انہوں نے

---

[1] قال الترمذی:هذا حديث حسن صحيح وقد رواه عبد الملك بن عمير، عن عبد الرحمن بن عبد الله.

[2] قال حسين سليم اسد الدارانی: في الكبير 8/ 159 برقم (7614)من طريق أبي زرعة عبد الرحمن بن عمرو، حدثنا محمد بن المبارك الصوری، حدثنا الهيثم بن حميد، عن حفص بن غيلان، عن مكحول ...وهذا إسناد جيد .
وأخرج الطبرانی أيضاً هذه الفقرة ضمن حديث طويل رقمه (7493)من طريق بكر بن سهل الدمياطی، حدثنا عبد الله بن يوسف، حدثنا كلثوم بن زياد، عن سليمان بن حبيب المحاربی قال: خرجت غازياً، فلما مررت بحمص ...نفرت إلى ثابت بن معبد، وابن أبی زكريا، ومكحول، ثم قالوا: نريد أبا أمامة الباهلی ...فدخلنا عليه ...وكان أول ما حدثنا أن قال: إن مجلسكم هذا من بلاغ الله إياكم ...وهذا إسناد ضعيف .وانظر كنز العمال 5/129-130(حاشية مجمع الزوائد، ج۲ص ۳۴۲، ۳۴۳، تحت رقم الحديث ۶۰۱)

فرمایا کہ تمہاری یہ مجلس، تمہارے لیے اللہ کا پیغام پہنچانے اور اس کی طرف سے تمہارے اوپر حجت قائم ہونے کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن وسنت کی شکل میں) اللہ کا پیغام پہنچا دیا، پس تم بھی اللہ کا پیغام پہنچاؤ (طبرانی)

اور سُلیم بن عامر سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَجْلِسُ إِلٰى أَبِيْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَيُحَدِّثُنَا حَدِيْثًا كَثِيْرًا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا سَكَتَ قَالَ: عَقَلْتُمْ؟ بَلِّغُوْا كَمَا بَلَّغْنَاكُمْ (الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ١٢٣٨، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٧٦٧٣، ج٨ص ١٦٠) [1]

ترجمہ: ہم حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتے تھے، وہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بیان فرماتے تھے، پھر جب وہ خاموش ہوجاتے، تو فرماتے کہ کیا تمہیں سمجھ آئی؟ تم (ان احادیث کی) اسی طریقے سے تبلیغ کرو، جس طریقے سے ہم نے تمہیں تبلیغ کی (ابنِ ابی عاصم، طبرانی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمی:

رواهما الطبرانی فی الكبير، وإسنادهما حسن (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٥٩٦، ٥٩٧، باب فی سماع الحديث وتبليغه)

وقال حسين سليم اسد الدارانی:

فی الكبير 8/ 187 برقم (7673) من طريق أحمد بن عبد الوهاب بن نجدة، حدثنا أبو اليمان، حدثنا إسماعيل بن عياش، عن صفوان بن عمرو، عن سليم بن عامر قال: كنا نجلس ...وهذا إسناد جيد، إسماعيل بن عياش قال أحمد والبخاری وغيرهما: " ما روى عن الشاميين صحيح، وما روى عن أهل الحجاز فليس بصحيح ."وهذا من روايته عن شامی (حاشية مجمع الزوائد، ج٢ص ٣٤٣، تحت رقم الحديث ١٠٢)

[2] حدثنا خلف بن القاسم، نا الحسن بن رشيق، نا إسحاق بن إبراهيم بن يونس، نا علی بن عبد العزيز، نا محمد بن عمار، نا المعافی، عن صفوان بن عمرو، عن سليم بن عامر قال: كان أبو أمامة، يحدثنا فيكثر ثم يقول: عقلتم؟ فنقول: نعم فيقول: بلغوا عنا فقد بلغناكم يرى أن حقا عليه أن يحدث بكل ما سمع (جامع بيان العلم وفضله لابنِ عبدالبر القرطبی، ج١ص ٤٩٥، رقم الحديث ٧٨٦)

اور طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

''إِنَّ مَجْلِسَكُمْ هٰذَا مِنْ بَلَاغِ اللّٰهِ، إِيَّاكُمْ وَحُجَّتِهٖ عَلَيْكُمْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمْ بَلَّغَ مَا أُرْسِلَ بِهٖ، وَإِنَّ أَصْحَابَهٗ قَدْ بَلَغُوْا مَا سَمِعُوْا، فَبَلِّغُوْا مَا تَسْمَعُوْنَ''

'' تمہاری یہ مجلس، تمہارے لیے اللہ کا پیغام پہنچانے کی مجلس ہے، اور تم اللہ کی حجت اپنے اوپر قائم ہونے سے ڈرو (یعنی علم کی تبلیغ کر کے اللہ کی پکڑ سے بچو) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام کو پہنچادیا، جو آپ کی طرف (قرآن وسنت کی شکل میں) بھیجا گیا، اور آپ کے صحابۂ کرام نے بھی جو کچھ سنا، اس کو پہنچادیا، پس تم جو کچھ سنتے ہو، اس کو تم بھی پہنچادو'' ۔انتہٰی۔ [1]

حضرت ابوموسیٰ غافقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

آخِرُ مَا عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَسَتَرْجِعُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ يُّحِبُّوْنَ الْحَدِيْثَ عَنِّي ۔ أَوْ كَلِمَةٌ تُشْبِهُهَا ۔ فَمَنْ حَفِظَ شَيْئًا فَلْيُحَدِّثْ بِهٖ، وَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ

---

[1] حدثنا بكر بن سهل الدمياطي، ثنا عبد الله بن يوسف، ثنا كلثوم بن زياد، عن سليمان بن حبيب المحاربي قال: خرجت غازيا، فلما مررت بحمص، خرجت إلى السوق لأشترى ما لا غنى للمسافر عنه، فلما نظرت إلى باب المسجد، قلت: لو أني دخلت فركعت ركعتين، فلما دخلت نظرت إلى ثابت بن معبد، وابن أبي زكريا، ومكحول في نفر من أهل دمشق، فلما رأيتهم أتيتهم فجلست إليهم، فتحدثوا شيئا، ثم قالوا: إنا نريد أبا أمامة الباهلي، فقاموا وقمت معهم، فدخلنا عليه، فإذا شيخ قد رق وكبر، وإذا عقله ومنطقة أفضل مما نرى من منظره، وكان أول ما حدثنا أن قال: إن مجلسكم هذا من بلاغ الله، إياكم وحجته عليكم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم بلغ ما أرسل به، وإن أصحابه قد بلغوا ما سمعوا، فبلغوا ما تسمعون (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۷۴۹۳)

قال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه كلثوم بن زياد، وبكر بن سهل الدمياطي، وكلاهما وثق، وفيه ضعف، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۸۴۱۶)

أَقُـلْ فَـلْيَـتَـبَـوَّأْ مَـقْـعَـدَهُ مِنَ الـنَّـارِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۸۵،
ج ۱ ص ۱۹۶، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا کہ تم کتابُ اللہ کو لازم پکڑو، اور عنقریب تم ایسی قوم کی طرف لوٹو گے، جو میری حدیث کو پسند کرے گی، یا اس طرح کا کوئی جملہ فرمایا، پس جس نے کوئی حدیث یاد کی ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو بیان کردے، اور جس نے میرے متعلق وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی، تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے (حاکم)

پس مذکورہ نصوص کی اتباع کرتے ہوئے، ہم نے اپنے مضمون کے ذریعے، اللہ اور اس کے رسول کے معتبر ومستند پیغام کو پہنچایا، اور ساتھ ہی اس سلسلے میں کمزور، اور غیر معتبر احادیث وروایات کی نشاندہی بھی کی، اگر اللہ تعالیٰ اس پیغام کو، پاکستان کے بجائے، پوری دنیا میں پہنچادے، تو اس میں برائی والی کون سی بات ہے۔

اب اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پوری دنیا میں پہنچنے سے آنجناب کیا گُل کِھلانے کی امید رکھتے ہیں، وہ تو آنجناب جانیں، ہم تو اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر یقین رکھتے ہیں کہ:

''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا''

---

[1] قال الحاكم :

رواة هـذا الـحديث عن آخرهم يحتج بهم، فأما أبو موسى مالك بن عبادة الغافقى فإنه صـحـابـى سـكـن مـصر، وهذا الحديث من جملة ما خرجناه عن الصحابى إذا صح إليه الـطـريـق، عـلـى أن وداعة الـجـهـنـى قـد روى أيضا عن مالك بن عبادة الغافقى، وهذا الحديث قد جمع لفظتين غريبتين: إحداهما قوله: ستر جعون إلى قوم يحبون الحديث عنى والأخرى: فـمـن حفظ شيئا فليحدث به وقد ذهب جماعة من أئمة الإسلام إلى أن ليس للمحدث أن يحدث بما لا يحفظه، ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص:

رواته محتج بهم وأبو موسى مالك بن عبادة صحابى.

''اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے، جو میری بات سنے، پھر اس کو آگے پہنچادے'' [1]

امت کی ضعف سے کمر ٹیڑھی ہونے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''خدا اس امت پر رحم کرے، جس کی ضعف سے پہلے ہی کمر ٹیڑھی ہوئی پڑی ہے''۔انتھٰی۔

کلام:

اگر اس امت کی کمر پہلے ہی، ضعف سے ٹیڑھی ہوئی پڑی ہے، تو کیا اس کے ٹیڑھا کرنے کی ذمہ داری بندے کے سر عائد ہوتی ہے، یا خود امت ہی اپنے ٹیڑھے اعمال کی وجہ سے، اس ضعف کا شکار ہے؟ پھر اس ضعف اور ٹیڑھ پن کو دور کرنے کا علاج کیا ہے؟ آیا کہ قرآن وسنت کے مطابق اپنے افکار کو بنانا، اور اس پر عمل کرنا، یا اس کو نظر انداز کرنا؟

ہمارے نزدیک قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی، اس ضعف اور ٹیڑھ پن کو دور کیا جاسکتا ہے، اور ہم نے جو یہ مضمون لکھا، وہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے، جو اِن شاء اللہ تعالیٰ اس امت کے غلو وغیرہ کی شکل میں ہونے والے ضعف اور ٹیڑھ پن کو کم کرنے کا ذریعہ ہوگا، خواہ کسی کو یہ بات سمجھ میں آئے، یا نہ آئے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہو، امت کی حالتِ زار کے پیشِ نظر سرِ دست قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پر مشتمل، دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

---

[1] والنضرة: الحسن والرونق، والمعنى خصه الله تعالى بالبهجة والسرور لأنه سعى فى نضارة العلم وتجديد السنة، فجازاه فى دعائه له بما يناسب حاله فى المعاملة. وأيضا فإن من حفظ ما سمعه وأداه كما سمعه من غير تغيير، كأنه جعل المعنى غضا طريا، وخص الفقه بالذكر دون العلم إيذانا بأن الحامل غير عار عن العلم إذ الفقه علم بدقائق العلوم المستنبطة من الأقيسة. ولو قال غير عالم لزم جهله (ارشاد السارى، ج ١، ص ۴، الفصل الأول فى فضيلة أهل الحديث وشرفهم فى القديم والحديث)

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٨٦)

ترجمہ: اے ہمارے رب! نہ پکڑ کرنا، ہماری اگر بھول گئے ہوں ہم، یا خطاء کی ہو ہم نے، اے ہمارے رب! اور نہ ڈال ہم پر بوجھ، جس طرح ڈالا تھا، تو نے ان لوگوں پر، جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور نہ ڈالیے ہم پر، وہ بوجھ کہ نہیں طاقت ہے ہمیں، اس کی، اور درگزر فرمایئے ہم سے، اور مغفرت فرمادیجیے ہماری، اور رحم فرمایئے ہم پر، تو ہی مولیٰ ہے ہمارا، پس مدد فرمایئے ہماری کافروں کی قوم پر (سورہ بقرہ)

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ، تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ١٥٥)

ترجمہ: اے میرے رب! اگر تو چاہتا، ہلاک کر دیتا ان کو، اس سے پہلے، اور مجھے، کیا تو ہمیں ہلاک کرے گا، اس کی وجہ سے، جو کیا بے وقوفوں نے ہم میں سے، یہ نہیں ہے مگر تیری آزمائش، گمراہ کر دیتا ہے تو اس کی وجہ سے جس کو چاہتا ہے تو، اور ہدایت دیتا ہے تو، جس کو چاہتا ہے تو، تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو بخش دیجیے ہم کو، اور رحم فرما ہم پر، اور تو سب سے بہتر مغفرت فرمانے والا ہے (سورہ اعراف)

رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ (سورة المومنون، رقم الآية ١٠٩)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ایمان لائے ہم، تو مغفرت فرمادیجئے آپ ہمارے لئے، اور رحم فرمادیجئے ہم پر، اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ((سورہ مومنون)

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِأَخِیْ وَأَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ١٥١)

ترجمہ: اے میرے رب! مغفرت فرمادیجئے میری اور میرے بھائی کی، اور داخل کرلیجئے ہم کو اپنی رحمت میں، اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ((سورہ اعراف)

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ (سورة یوسف ، رقم الآية ٦٤)

ترجمہ: سواللہ، سب سے بہتر نگہبان ہے، اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ((سورہ یوسف)

أَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ (سورہ انبیاء، رقم الآية ٨٣)

ترجمہ: بے شک مجھے چھوا ہے، تکلیف نے، اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (سورہ انبیاء)

اکابر پر طعن وتشنیع ہونے پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''عزتِ مآب مفتی صاحب! آپ نے لکھا کہ اس مسئلہ کی وجہ سے اکابر پر طعن و تشنیع ہو رہی تھی''۔انتھٰی۔

کلام:

اس بارے میں عرض ہے کہ اول تو بندہ نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا تھا، بعینہٖ اس کو نقل کرنا چاہیے تھا۔

آنجناب کی طرح غیر ذمہ دارانہ گفتگو بحمداللہ تعالیٰ بندہ کو پسند نہیں۔

بندہ نے اس سلسلہ میں اپنے مضمون میں تحریر کیا تھا کہ:

پھر اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے خلاف، بالخصوص متقدمین اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کے حامل پر شدت کے ساتھ نکیر کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر اس سلسلہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی معتبر احادیث وروایات کو بیان کیا جائے، اور جمہور اہلِ علم حضرات کے مطابق موقف کو اختیار کیا جائے، اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب بھی قرار دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی صحیح اور معتبر احادیث کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے غیر ناجی ہونے کا اعتقاد رکھے، اس کو ملعون قرار دیا جاتا ہے اور عوامی مجامع ومجالس میں اس کی بھرپور انداز میں تبلیغ وتشہیر کی جاتی ہے، تقریرات کے علاوہ عوامی تحریرات میں بھی اس کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جس کی زَد میں غیر شعوری طور پر امت کے بڑے بڑے اصحابِ علم اور مجتہدین ومحدثین بھی آجاتے ہیں۔

حالانکہ اگر کوئی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آپ کے والدین کے متعلق صحیح و معتبر احادیث وروایات پیش کرے، یا غیر صحیح وغیر مستند احادیث وروایات کی نشاندہی کرے، اور اس سلسلہ میں جمہور اہلِ علم، بلکہ متقدمین کے اجماع کی پیروی واتباع کرے، تو اس پر نکیر وملامت کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں، چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے، جس کا متعین طور پر مستحق ایک واضح کافر ہی ہوتا ہے (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۱۳۵)

اور بندہ نے جو کچھ اس حوالہ سے تحریر کیا تھا، اس کے متعلق عبارات وحوالہ جات بھی مضمون

میں مذکور ہیں، اگر جناب کو اس پر اطمینان نہ تھا، تو بندہ سے مزید ثبوت وحوالہ جات طلب کئے جا سکتے تھے، اس طرح کی خلافِ واقعہ اور بے تکی باتیں کرنے سے نہ جانے آنجناب، کون سا معرکہ فتح کرلیں گے، اور کتنی نیکیوں کا ثواب پالیں گے؟

قلیل وکثیر اکابر پر طعن وتشنیع کے فرق پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''چند وہ حضرات جو علمی حلقوں میں شہرت کے حامل تھے، اُن کا دفاع، جبکہ ردِ عمل میں کثیر کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنوانا کون سا عدل ہے''۔انتھیٰ۔

کلام:

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں کثیر وقلیل کی بحث ہی فضول ہے، اصل کلام اس میں ہے کہ متقدمین اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اختیار فرمودہ موقف کے حاملین پر شدت کے ساتھ نکیر کرنا، یہاں تک کہ اگر اس سلسلہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی معتبر احادیث وروایات کو بیان کیا جائے، اور جمہور اہلِ علم حضرات کے مطابق موقف کو اختیار کیا جائے، اس پر بھی ناگواری کا اظہار کرنا، بلکہ بعض اوقات اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب بھی قرار دے دیا جانا، یہاں تک کہ اگر کوئی صحیح اور معتبر احادیث کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے غیر ناجی ہونے کا اعتقاد رکھے، اس کو ملعون قرار دیا جانا اور عوامی مجامع ومجالس میں اس کی بھرپور انداز میں تبلیغ وتشہیر کرنا، تقریرات کے علاوہ عوامی تحریرات میں بھی اس کو زیرِ بحث لانا، اور اس پر مستقل مضامین ورسائل تحریر کرنا، اور غیر معتبر وغیر مستند اور موضوع ومنگھڑت احادیث وروایات سے استفادہ حاصل کرنا، جس کی زَد میں غیر شعوری طور پر امت کے بڑے بڑے اصحابِ علم اور مجتہدین ومحدثین بھی آجاتے ہوں۔

یہ کون سا عدل ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ جو قول، جمہور امت اور جمہور اہلُ السنۃ کا ہو، اس پر طعن وتشنیع کرنا ہی، دراصل کثیر کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا ہے۔

لیکن جناب جیسے کم علم وکم فہم لوگ، چند حضرات واکابر کے اختیار، بلکہ نقل درنقل کردہ موقف کو جمہور کا سمجھ بیٹھتے ہیں، جو ''جمہور'' کے معنیٰ ومطلب سے ناواقفیت پر مبنی ہے، اگر ایسا ہوا کرتا، تو ہر مسلک کے چند مشاہیر بزرگوں اور مشائخ کے اختیار کردہ قول پر جمہور کا اطلاق کرنا، درست ہوا کرتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے دوسرے اقوال کے حاملین کے متعلق ہرگز طعن وتشنیع کو جائز نہ کہا، بلکہ صاف طور پر تحریر کیا تھا کہ:

> ان اہلِ علم حضرات کے خلوص اور نیک نیتی پر ہم کو شبہ کرنے کا حق نہیں، بلکہ ہم جیسوں کو ان کے اخلاص اور نیک نیتی کو اپنے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی سمجھنا، حسنِ ظن کا تقاضا ہے، لیکن دوسری طرف یہ بھی شریعت کا ایک اہم اصول ہے کہ مسئلۂ شرعیہ میں کسی کی رائے کے صواب اور راجح ہونے کا مدار صرف اخلاص اور نیک نیتی پر نہیں، بلکہ اس کے لیے دلائل کا مضبوط وراجح ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ تو مختلف مجتہدین وفقہائے کرام اپنی جگہ نہایت مخلص ومتقی تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے اقوال کو دلائل کے تناظر میں دیکھا جاتا اور جائزہ لیا جاتا ہے (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۲۶ ۷)

نیز ہم نے یہ بھی تحریر کیا کہ:

> دوسرے قول کو ترجیح دینے والے پر بے جا نکیر کرنا، یا اس پر ضلالت وگمراہی کا حکم لگانا، یا اس پر طعن وتشنیع کرنا بھی مناسب طرزِ عمل نہیں، البتہ دوسرے کی طرف سے سامنے آنے والے غلو یا افراط وتفریط کی معقول دلائل اور مہذب وسنجیدہ انداز

میں بغرضِ اصلاح تردید وتوضیح کرنے میں حرج نہیں، لیکن بایں ہمہ اپنے آپ کو تضییعِ اوقات سے اور دوسرے مسلمانوں کو بے جا تشویشات سے بچانے کا اہتمام بھی اپنی جگہ ضروری ہے۔

ہم اس سلسلہ میں افراط یا تفریط کا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو اعتدال کے راستہ پر گامزن نہیں سمجھتے، اور ہم اس طرح کی افراط وتفریط کرنے والوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اعتدال کو اختیار کرنے اور اس کی توفیق مرحمت فرمانے کی دعاء کرتے ہیں (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۷۲۹)

اگر پھر بھی آنجناب مذکورہ اور ان جیسی تصریحات سے آنکھیں بند کر کے الزامات عائد کرتے رہیں، تو اس سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ نہ اللہ سے کوئی چیز مخفی ہے، اور نہ تمام قارئین، آپ کی طرح ''حفظت شیئاً و غابت عنک أشیاء'' کا مصداق ہیں۔

تحریر سے طعن وتشنیع بند ہونے اور ابلاغِ حق پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''بالفرض چند اسلاف پر طعن ہو رہا تھا، آپ کے لکھنے سے بند ہو جائے گا، یا اس میں مزید اضافہ ہوگا؟''۔انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلے میں جناب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا کتاب میں کسی جگہ لکھا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلاف پر طعن بند ہو جائے گا، اور کیا اس طرح کا اختیار کسی غیرُ اللہ کو حاصل ہے؟

دین کے کسی بھی مسئلہ کی تبلیغ وتحقیق اور کسی دینی مسئلہ کے سوال کے جواب کا اصل مقصود تو ابلاغِ حق، اور اتمامِ حجت ہے، جس کے متعلق کئی نصوص پہلے ذکر کی جا چکی ہیں، اور کسی سے عمل کرانا، یہ تو انبیائے کرام کے اختیار میں بھی نہیں، پھر ہمہ، شما کی کیا حیثیت ہے؟

اور جب قرآن وسنت کا ابلاغ کیا جاتا ہے، تو اس سے ہدایت حاصل کرنے والے لوگ بھی قیامت تک قائم رہیں گے، سب لوگوں کا ایک جیسا جاہل، ضدی اور ہٹ دھرم ہونا ضروری نہیں۔

اگر جناب اس طرح کی تنقید کرنے سے قبل صرف قرآن مجید کی چند نصوص پر ہی نظر ڈال لیتے، تو اس کا جواب مل جاتا۔

قرآن مجید کی سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ٢٠)

ترجمہ: اور پھر اگر یہ پیٹھ پھرائیں، تو بس آپ کے اوپر پہنچا دینا ہے، اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے، بندوں کو (سورہ آلِ عمران)

اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة المائدة، رقم الآية ٩٢)

ترجمہ: اور اطاعت کرو تم اللہ کی، اور اطاعت کرو تم رسول کی، اور بچو تم (نافرمانی سے) پھر اگر منہ موڑ لیا تم نے، تو جان لو! بے شک ہمارے رسول کے ذمہ پہنچا دینا ہے، واضح طور پر (سورہ مائدہ)

اور سورہ مائدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ (سورة المائدة، رقم الآية ٩٩)

ترجمہ: نہیں ہے رسول کے اوپر، مگر پہنچا دینا (سورہ مائدہ)

اور سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورة الرعد، رقم الآية ٤٠)

ترجمہ: بس آپ کے اوپر پہنچا دینا ہے، اور ہمارے ذمہ حساب ہے (سورہ رعد)

اور سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَهَلُ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة النحل، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: پس نہیں ہے، رسولوں کے اوپر، مگر پہنچانا واضح (سورہ نحل)

اور سورہ نحل ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ تَوَلَّوُا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة النحل، رقم الآية ۸۲)

ترجمہ: پھر اگر پیٹھ پھرائیں وہ، تو بس آپ کے اوپر پہنچا دینا ہے واضح (سورہ نحل)

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلُ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوُا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة النور، رقم الآية ۵۴)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو تم اللہ اور اس کے رسول کی، پھر اگر تم (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے) منہ پھیرو گے، تو رسول پر تو وہی ہے، جس کا وہ ذمہ دار ہے (یعنی اللہ کا حکم پہنچانا) اور تم پر وہ ہے، جو تمہارے ذمہ لازم کیا گیا ہے (یعنی رسول کا حکم ماننا) اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے، تو ہدایت پاؤ گے، اور نہیں ہے رسول کے ذمہ، مگر واضح طور پر پہنچا دینا (سورہ نور)

اور سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (سورة القصص، رقم الآية ۵۶)

ترجمہ: بے شک آپ نہیں ہدایت دے سکتے، اس کو جس سے آپ محبت کریں، اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اور وہ زیادہ جانتا ہے، ہدایت دیے

جاننے والے لوگوں کو (سورہ قصص)

اور سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلاغُ الْمُبِينُ (سورة العنكبوت، رقم الآية ١٨)

ترجمہ: اور اگر تکذیب کرو گے تم، تو بلاشبہ تکذیب کر چکیں کئی قومیں تم سے پہلے، اور نہیں ہے رسول کے اوپر، مگر پہنچا دینا واضح (سورہ عنکبوت)

اور سورہ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ. وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلاغُ الْمُبِينُ

(سورة يٰس، رقم الآيات ١٦، ١٧)

ترجمہ: کہا انہوں نے کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف یقینی طور پر بھیجے ہوئے ہیں، اور نہیں ہے ہمارے ذمہ، مگر پہنچا دینا واضح (سورہ یٰسٓ)

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلاغُ (سورة الشورىٰ، رقم الآية ٤٨)

ترجمہ: پھر اگر وہ اعراض کریں، تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر، نہیں ہے آپ کے ذمہ، مگر پہنچا دینا (سورہ شوریٰ)

اور سورہ ذاریات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ. وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (سورة الذاريات، رقم الآية ٥٤، ٥٥)

ترجمہ: پس اعراض کیجیے آپ ان سے، پس نہیں ہیں آپ ملامت یافتہ، اور نصیحت کیجیے آپ، پس بے شک نصیحت فائدہ دیتی ہے مومنوں کو (سورہ ذاریات)

اور سورہ تغابن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورة التغابن، رقم الآية ۱۲)

ترجمہ: اور اطاعت کرو تم اللہ کی، اور اطاعت کرو تم رسول کی، پھر اگر منہ موڑو گے تم، تو بے شک ہمارے رسول پر پہنچا دینا ہے (سورہ تغابن)

اور سورہ غاشیہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (سورة الغاشية، رقم الآيات ۲۱، ۲۲)

ترجمہ: پس آپ نصیحت کیجیے، بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہیں، نہیں ہیں آپ ان پر مسلط (سورہ غاشیہ)

اگر جناب قرآن مجید کی ان نصوص میں تدبر کرلیں گے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح کے شکوک وشبہات، بلکہ وساوس واوہام سے بچنا آسان ہوگا۔

مسئلہ ھٰذا پر ابنِ عربی وغیرہ کے عدمِ برداشت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اگر ان علمی حضرات کو بھی اس معاملہ میں معاف نہیں کیا گیا۔

اور اُن شخصیات کو ابنِ عربی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے اور علمی حلقوں نے برداشت نہیں کیا''۔انتھٰی۔

کلام:

علامہ ابنِ عربی سے جو کچھ اس مسئلے کے متعلق مستند طریقے پر ثابت ہے، اور ان کی طرف جس شدید نکیر کی نسبت علامہ سیوطی نے فرمائی ہے، اس پر کلام آگے آتا ہے، اور یہ بھی کہ علامہ

آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہما اللہ نے اس مسئلے میں علامہ سیوطی کی اتباع وپیروی کی ہے، نیز بعد کے بہت سے دیگر علمی حلقوں کی طرف سے، اس مسئلے میں شدت کی بنیاد بھی علامہ سیوطی کی تحریرات ہی ہیں، اور علامہ سیوطی کا موقف اس سلسلے میں نہایت کمزور ہے، جس میں مذکورہ شدید نکیر کی شرعی دلائل کی روشنی میں گنجائش نہیں پائی جاتی۔

اور ہم نے اسی شدید نکیر کی تردید اور اس کے مقابلے میں قرآن وسنت پر مشتمل متقدمین سلف اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کی توضیح اور اس کا دفاع کیا ہے۔

پس جب مذکورہ علمی حلقوں کا صواب وراجح موقف کو برداشت نہ کرنا، اور اس پر نکیر کرنا ہی قابلِ تردید ہو، تو اس کی وجہ سے مسئلہ ھٰذا پر کلام کی اہمیت، کم تو کیا ہوتی، علمی وعوامی، دونوں جہات سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، خواہ کوئی برداشت کرے، یا نہ کرے، اس سے مسئلہ ہٰذا پر فرق نہیں پڑتا، اور ابلاغِ حق پر کلام پہلے گذر چکا ہے۔

نیز تمام مسلمانوں کا جناب کی طرح ہٹ دھرم ہونا بھی ضروری نہیں، مسلمانوں کی بڑی تعداد الحمد للہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر بھی مشتمل ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر مطلع ہونے کے بعد، اپنے جذبات کو اس فیصلہ کے تابع کر لیتے ہیں، اور اس کے خلاف عقل وقیاس کے گھوڑے نہیں دوڑاتے۔

عوام کا جان نچھاور کرنا اور جذبات کو حکمِ نبی کے تابع کرنا

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''تو عام لوگ، جو رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں، وہ اس بات کو برداشت کریں گے''۔ انتہٰی۔

کلام:

اگر کوئی، خود رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ بات کو اپنے جذبات کے خلاف ہونے

کی وجہ سے برداشت نہ کرے، تو اس کے جذبات کس کام کے؟

اور جان کو نچھاور کرنا، اس وقت ہی فضیلت کا باعث ہے کہ جب، خلوصِ نیت کے ساتھ، طریقِ صدق بھی شامل ہو، اس کے بغیر جان کو نچھاور کرنا، نہ تو مطلوب ہے، نہ محمود، وہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنے اخلاص کی وجہ سے فضلِ الٰہی کا مستحق ہو جائے، لیکن اصولی طور پر بندہ مکلّف، اسی بات کا ہے کہ وہ اپنے جذبات وخواہشات کو حکمِ الٰہی وحکمِ رسول، اوران کی رضا کے تابع کرے، اوراس کا علم حاصل کر کے ہی جان پر کھیلنے کا جوکھم اٹھائے۔

پس عوام کا محض جان نچھاور کرنا کوئی شرعی دلیل اور حجت نہیں، بلکہ اس کے لیے بھی دراصل حجت ودلیل، شریعت ہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِکُلِّ عَمَلٍ شِرَّۃٌ، وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ، فَمَنْ کَانَتْ فَتْرَتُہٗ إِلٰی سُنَّتِیْ، فَقَدْ أَفْلَحَ، وَمَنْ کَانَتْ إِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ فَقَدْ ھَلَکَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۹۵۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عمل کے اندر (شروع میں) رغبت (یعنی حرص وتازگی) ہوتی ہے، اور ہر رغبت میں (بالآخر) سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون میری سنت کی طرف ہوا، تو وہ کامیاب ہوگیا، اور جس کا سکون میری سنت کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف ہوا، تو وہ ہلاک ہوگیا (مسند احمد)

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَمَنْ اِقْتَدٰی بِیْ فَھُوَ مِنِّیْ، وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ، إِنَّ لِکُلِّ عَمَلٍ شِرَّۃً ثُمَّ فَتْرَۃً، فَمَنْ کَانَتْ فَتْرَتُہٗ إِلٰی بِدْعَۃٍ فَقَدْ ضَلَّ، وَمَنْ

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین (حاشیۃ مسند احمد)

كَانَتْ فَتْرَتُهٗ إِلٰى سُنَّةٍ فَقَدُ اِهْتَدٰى (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۷۶۴) [1]

ترجمہ: پس جو شخص میری اقتداء و پیروی کرے، تو وہ مجھ میں سے ہے، اور جو میری سنت سے اعراض کرے، تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے، بے شک ہر عمل کے اندر (شروع میں) رغبت (یعنی حرص وتازگی) ہوتی ہے، پھر (بالآخر) سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون بدعت کی طرف ہوا، تو وہ گمراہ ہوگیا، اور جس کا سکون میری سنت کی طرف ہوا، تو وہ کامیاب ہوگیا (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمل شروع کیا جاتا ہے، تو اس کی ابتداء میں انتہائی رغبت اور جوش وخروش ہوتا ہے، لیکن بعد میں وہ جوش وخروش ٹھنڈا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے عمل کرنے والا کبھی افراط اور کبھی تفریط کا شکار ہوجاتا ہے۔

اس سے بچنے کا راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے، اس سے ہٹ کر جوش وجذبہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ [2]

فاضل دارُالعلوم دیوبند، مولانا سید مناظر احسن گیلانی صاحب (المتوفیٰ: 1375ھ) ''احاطۂ دارُالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' نامی اپنی تالیف میں، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا، مشہور حدیث گزری کہ ''تم میں سے کوئی اس وقت

---

[1] قال شعیب الانؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] (إن لكل شئ) كذا هو فى خط المصنف وفى رواية عمل وفى أخرى عابد (شرة) بكسر الشين والتشديد بضبط المصنف حدة وحرصا ونشاطا ورغبة قال القاضى الشرة الحرص على الشء والنشاط فيه وصاحبها فاعل فعل دل عليه ما بعده وقوله تعالى *(وإن أحد من المشركين استجارك) * (ولكل شرة فترة) أى وهنا وضعفا وسكونا يعنى أن العابد يبالغ فى العبادة أو لا وكل مبالغ تسكن حدته وتفتر مبالغته بعد حين وقال القاضى المعنى أن من اقتصد فى الأمور سلك الطريق المستقيم واجتنب جانبى الإفراط الشرة والتفريط الفترة فارجوه ولا تلتفتوا إلى شهرته فيما بين الناس واعتقادهم فيه (فيض القدير للمناوى، ج۲ص۵۱۲، تحت رقم الحديث ۲۴۲۲، حرف الهمزة)

تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کے مال اور بال بچے اور سارے انسانوں سے زیادہ میں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے لیے محبوب نہ ہوجاؤں''

''لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده ،وولده والناس اجمعین ، او کما قال'' کا جو حاصل اور ترجمہ ہے۔

حدیث مشہور ہے، اور جانی پہچانی جاتی ہے۔

فقیر ہی نے عرض کیا کہ بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کرلیتا ہے، زیادہ سے زیادہ گالیوں کے جواب میں وہ بھی گالیوں پر اتر آتا ہے، لیکن رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی سی سُبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کردیتی ہے کہ ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں۔ آئے دن اس کا مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے۔

سن کر حضرت (شیخ الہند) نے فرمایا کہ ہوتا بے شک یہی ہے، جو تم نے کہا۔

لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تہہ (یعنی گہرائی) تک تمہاری نظر نہیں پہنچی۔

محبت کا اقتضاء یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے۔

لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کے ساتھ ہے، وہ بھی ہمارے، تمہارے سامنے ہے۔

پیغمبر نے ہم سے کیا چاہا تھا، اور ہم کیا کررہے ہیں، اس سے کون ناواقف ہے۔

پھر سُبکی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے، اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی۔

خاکسار نے عرض کیا تو آپ ہی فرمائیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

نفسیاتِ انسانی کے اس مبصر حاذق (یعنی شیخ الہند) نے فرمایا کہ:

سوچو گے تو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُبکی میں اپنی سُبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے، مسلمانوں کی خودی اور انانیت مجروح ہوتی ہے کہ ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں، تم اس کی اہانت نہیں کر سکتے، چوٹ دراصل اپنی اس "ہم" پر پڑتی ہے۔

لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ان کو انتقام پر آمادہ کیا ہے۔

نفس کا یہ دھوکا ہے۔

اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے جو غور کرے گا، اپنے طرزِ عمل کے تناقض کے اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے۔

بہرحال محبوب کی مرضی کی جسے پروا نہ ہو، اذان ہورہی ہے، اور لایعنی اور لاحاصل، گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے، مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منہ پر کس حد تک پھبتا ہے"۔

حضرت والا کی تقریر کا یہی خلاصہ تھا۔

ظاہر ہے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ، سر جھکا لینے کے سوا، ان کی اس نفسیاتی تنبیہ کے بعد، میرے لیے کچھ اور پوچھنے کی گنجائش ہی کیا باقی رہی تھی (احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸، باب نمبر ۱۰، بعنوان "محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نفسانیت" مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: محرم ۱۴۲۵ھ)

اب ملاحظہ فرمالیا جائے کہ کیا ہر نام کا جذبۂ محبت وعقیدت قابلِ قدر ہے؟ یا اس میں حکمِ الٰہی و حکمِ رسول کا دخل زیادہ اور بنیادی حیثیت کا حامل ہے؟

عوام کو سمجھانے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''یا آپ ان کو یہ بات سمجھا سکیں گے؟''۔انتھٰی۔

کلام :

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بندہ کی کتاب کے اصل مخاطب عوام کے بجائے ،علماء ہیں،اسی لیے نہ اس مسئلہ کو بندہ عام حالات میں عوام کے سامنے بیان کرنے کو ضروری سمجھتا،اور نہ عملاً ایسا کرتا، اسی لئے اس کو''علمی وتحقیقی رسائل''میں شائع کیا،اور اگر کوئی ضرورت پڑنے پر عامی شخص کو سمجھانا چاہے، یا عامی شخص سمجھنا چاہے،تو بحمداللہ اس کا پورا پورا سامان اس کتاب میں موجود ہے۔

جیسا کہ بہت سے دیگر علمی وتحقیقی مضامین کا شائع ہونا عام ہے، اردو زبان میں بہت سے اختلافی اور سخت اختلافی مسائل میں کتب ورسائل بلانکیر شائع ہوتی ہیں، جن میں مختلف مسالک، بلکہ ایک ہی مسلک کے لوگوں کا بھی اختلاف ہوتا ہے،اور بعض اختلاف نہایت نازک وشدید بھی ہوتے ہیں،جن کا اختلاف ،بدعات وکفر کی حدوں کو چھورہا ہوتا ہے،اور اب اس قسم کے بہت سے عربی مضامین اردو زبان میں ترجمہ کر کے بھی شائع ہوتے ہیں، بلکہ کتبِ حدیث کے مختلف زبانوں میں شائع ہونے کا سلسلہ بھی دنیا بھر میں جاری ہے،جن میں ان احادیث کا ترجمہ بھی شائع ہوتا ہے،اوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق وہی موقف مذکور ہے،جس کو ہم نے اختیار کیا ہے،اور آپ چاہیں بھی،تو پورا زور لگا کر ان کی اشاعت کو نہیں روک سکتے،اور نہ ہی ایسا کرنا جائز ہے۔

اور جیسا کہ گزرا کہ تمام لوگوں کا ضدی اور ہٹ دھرم ہونا ضروری ہے نہیں،اور نہ ہر مسئلہ کا سب کو سمجھ آنا ضروری ہے،ایسے موقع کے لیے شریعت کی تعلیم موجود ہے۔

جیسا کہ سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (سورة الفرقان، رقم الآية ٦٣)

ترجمہ: اور رحمٰن کے (مخصوص ومقبول) بندے وہ ہیں، جو چلتے ہیں زمین پر انکساری سے، اور اگر مخاطب ہوان سے جاہل، تو وہ کہتے ہیں سلام (سورہ فرقان)

دفاعِ صحابہ کے مورچے کا سپاہی بننے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کیا اس ملک میں امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی ذاتِ قدسیہ محفوظ ہے؟ کیا اُن پر زبانِ طعن دراز نہیں کی جارہی؟

کیا ہماری بعض علمی شخصیات ان سے زیادہ ہیں؟

ہمارے پیارے پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جماعتِ مقدسہ، یا خاندانِ مقدس سے زیادہ ہیں۔

اگر دفاع کرنا ضروری ہے، تو پہلے اس مورچہ کا سپاہی بننے کی ضرورت ہے۔

''آقا نبی محترم ﷺ ہم تیرے غلام ہیں
جو بھی تیرے غلام ہیں، ان کے بھی ہم غلام ہیں
ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے اِن دنوں
مہر ووفا کے نام پہ گردن کٹائے جا''۔ انتھیٰ۔

کلام:

اس قسم کی لفاظیاں، صرف زبانی جمع خرچ پر مشتمل ہوتی ہیں، اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اور وہ کسی کام کی نہیں ہوتیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے قلوب میں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی محبت تھی، وہ الفاظ میں بیان کرنے کے قابل نہیں، اور نہ ہی انہوں نے محبت کے لیے نِری لفاظیوں اور زبانی جمع خرچ کو اختیار کیا، ان کی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے عبارت تھی، جس کی دلیل اُن کا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واتباع کرنا تھی، اس دلیل کے ہوتے ہوئے انہیں ''زبانی جمع خرچ'' کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔

جبکہ آج کل کے پیشہ وَر مقررین لوگوں کو زبانی کلامی باتوں سے خوش کر کے مطمئن کیے رکھتے ہیں، عمل کے ذریعے اس کا خاطر خواہ اثر دکھائی نہیں دیتا۔

ہمارا اس سلسلے میں جناب ہی سے سوال یہ ہے کہ ہمارے پیارے پیغمبر خاتمُ النبیین، امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتِ مقدسہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ مقدس اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی ذاتِ قدسیہ پر، جو زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے، اس میں ہمارا کتنا دخل ہے، اور اس کی ذمہ داری ہمارے اوپر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟

علمی وتحقیقی رسائل کی جلد 12 میں ہی ایک رسالہ ''احادیثِ ختمِ نبوت'' کے نام سے شامل ہے، جس میں ''ختمِ نبوت'' کے متعلق نصوص ذکر کردی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ایک تفصیلی تالیف ''حقوقُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''سابِ رسول کی سزا وتوبہ'' کے عنوان سے بحمداللہ تعالیٰ شائع ہوچکی ہے۔

اور نیز ہماری طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ پر بھی مختلف مضامین میں کلام کردیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں بعض مستقل مضامین بھی زیرِ تالیف ہیں۔

لہٰذا مذکورہ موقع پر، اس قسم کی بے جوڑ باتیں کرنا فضول ہے۔

اور جہاں تک جناب کے یہ کہنے کا تعلق ہے کہ:

''کیا ہماری بعض علمی شخصیات ان سے زیادہ ہیں؟''

تو اس سلسلے میں جناب خود ہی التباس واختلاط کا شکار ہیں، معلوم نہیں کہ جناب بعض علمی

شخصیات سے کون سی شخصیات مراد لیتے ہیں، جبکہ ہم دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ معتبر نصوص واحادیث میں بیان کردہ موقف کا انکار، اور اس موقف کے حاملین جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی طرف لعنت وگستاخی وغیرہ کی نسبت کی شناعت وقباحت کوئی کم درجے کی نہیں ہے، لیکن جناب اپنی کم علمی کے باعث، نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ معتبر سند سے مروی احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اور اہلِ بیت سے مروی روایات کو اہمیت دینے کے لیے تیار ہیں، جن کو نظر انداز کرنے میں خود امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی ذاتِ قدسیہ پر حرف آتا ہے، اور ساتھ ہی جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ پر بھی حرف آتا ہے، اور اسی کے ساتھ اس طبقے کے موقف کا راجح اور سرا اونچا ہونا ثابت ہوتا ہے، جو نہ تو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک معتبر احادیث کو اہمیت دینے کے لیے آمادہ ہے، اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وصداقت کا کماحقہٗ معترف ہے، اور نہ اس کے نزدیک اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف اور ان کے دلائل کی کوئی حیثیت ہے۔

اس لیے اہلِ تشیع کے موقف، اور ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل کے مقابلے میں، معتبر نصوص اور احادیث وروایات اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کو بیان کرنا، اور اہلِ تشیع کی طرف سے خودساختہ روایات کی اسناد کی حقیقت کو واضح کرنا ہی، دراصل صحیح دفاع اور صحیح مورچہ کا سپاہی بننا ہے۔

اسی لیے ہمیں جناب کے غیر معتدلانہ، بلکہ متعصّبانہ رویہ کے پیشِ نظر بار بار کہنا پڑتا ہے کہ ''الٹا چور، کوتوال کو ڈانٹے''۔

رہا جناب کی طرف سے پیش کردہ مذکورہ چند اشعار کا معاملہ، تو اس سلسلے میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ شعروشاعری کی زبانی کلامی جمع خرچ کے بجائے، حقیقت کو اختیار کرنا چاہیے۔

اور ہم نے شعر کے بجائے، قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی پیروی کی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ.وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (سورة الحاقة، رقم الآية، ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: بلاشبہ یہ (قرآن) قول ہے، رسولِ کریم کا، اور یہ قول نہیں کسی شاعر کا، کم ہی تم لوگ ایمان لاتے ہو (سورہ الحاقہ)

قرآن مجید ہی میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِيْنٌ (سورة يٰسٓ، رقم الآية ۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے اس (نبی) کو نہ تو شعر کی تعلیم دی، اور نہ نبی کے لئے یہ مناسب ہے، یہ (کلام) صرف ذکر اور واضح قرآن ہے (سورہ یٰس)

امت کی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب نہ بننے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہم اکابر کے کفش بردار تو اس وجہ سے ہیں کہ وہ رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں پر فدا تھے۔

کیا آج آزادیٔ اظہار رائے کی کمینگی کے عنوان پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں؟ مجلس عزاداری کی چھتری کے نیچے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زہر نہیں اُگلا جارہا؟

کیا بعض شخصیات کا دفاع ضروری ہے، یا دین کی بنیادوں اور نظریات کا دفاع ضروری ہے۔

ہمارے اکابر فتنے دباتے آئے، اور اُن کے سامنے سینہ سپر رہے، فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنے۔

لہٰذا استدعا ہے، یہ امت پہلے پریشان حال ہے، مزید اس کی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب نہ بنئے'' ۔انتھٰی۔

کلام :

اس کے متعلق پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ امت کی پریشانی، قرآن وسنت سے دوری کی وجہ، اس کے اپنے اعمال ہیں، اور اس کا علاج قرآن وسنت پر عمل کرنا ہے، نہ کہ اس کو نظر انداز کرنا۔

اور ہم نے جو مضمون لکھا، وہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے، جو ان شاء اللہ تعالیٰ اس امت کی پریشانیوں کو کم کرنے کا ذریعہ ہوگا۔

اس لیے مذکورہ اور اس جیسے فتنوں اور پریشانیوں سے نجات کے لیے امت کو قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دینی چاہیے۔

چنانچہ سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٦٥)

ترجمہ: کیا جب تمہیں پہنچی کوئی مصیبت، البتہ تم نے پہنچائی، اس سے دو چند، تم کہتے ہو کہاں سے ہے یہ؟ آپ کہہ دیں کہ وہ تمہارے اپنے پاس سے ہے (سورہ آلِ عمران)

اور سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (سورة النساء، رقم الآية ٦٢)

ترجمہ: جب انہیں پہنچے کوئی مصیبت، اس کے سبب جو آگے بھیجا، ان کے ہاتھوں نے (سورہ نساء)

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (سورة الشوریٰ، رقم الآیة ۳۰)

ترجمہ: اورتم کو(اے گناہ گارو) جو کچھ مُصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور درگزر ہی کر دیتا ہے وہ اکثر خطاؤں سے (سورہ شوریٰ)

اورسورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِیْ أَنْفُسِکُمْ إِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (سورة الحدید، رقم الآیة ۲۲)

ترجمہ: نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں، اور نہ تمہارے نفسوں میں، مگر ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم پیدا کریں اس کو، بے شک یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے (سورہ حدید)

اورسورہ تغابن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ. وَأَطِیْعُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (سورة التغابن، رقم الآیات ۱۱، ۱۲)

ترجمہ: نہیں پہنچتی کوئی مصیبت، مگر اللہ کے اذن سے، اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اللہ پر، تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور اطاعت کرو تم اللہ کی، اور اطاعت کرو تم رسول کی، پھر اگر منہ موڑو گے تم، تو بے شک ہمارے رسول پر پہنچانا ہے واضح پیغام کا (سورہ تغابن)

پس مذکورہ اور اس جیسی نصوص کو نظر انداز کر کے، دور دراز کی تاویلوں میں الجھنا مفید نہیں ہوسکتا۔

عدمِ دلیل، عدمِ وکیل اور رحم کی اپیل پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''نہ دلیل ہے، نہ وکیل ہے، رحم کی اپیل ہے''۔انتھٰی۔

کلام :

ایک طرف تو جناب بندہ کی طرف سے نقل کردہ جمہور متقدمین کے موقف کے برخلاف اقوال کی دلیل بھی دینا چاہتے ہیں، لیکن معتبر دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کامیابی حاصل نہیں کرپاتے، ورنہ معلوم نہیں کیا کچھ کہہ ڈالتے، پھر معتبر دلیل کے بغیر دیگر اقوال کی بار بار وکالت بھی کرتے ہیں، دوسری طرف بندہ سے رحم کی اپیل بھی کرتے ہیں۔

رحم کی اپیل تو اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے چچا، اور والدین کے لیے بارگاہِ الٰہی میں کی، یا کرنا چاہی تھی، اور حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بیٹے کے لیے کی تھی، جو، جواب اس اپیل کا، بارگاہِ الٰہی سے ملا، ہم اسی کو نقل و اختیار کرنے پر مجبور ہیں، اس سے عدول کا نہ کوئی حق رکھتے، اور نہ اختیار، جو چیز کسی کے اختیار ہی میں نہ ہو، نہ ہی جائز ہو، اس سے اپیل کرنا، بے جا ہے، اس لیے اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (سورة النسآء، رقم الآية ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں مغفرت فرماتا، اس کی کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ، اور مغفرت فرمادیتا ہے، اس کے علاوہ کی، جس کے لیے چاہتا ہے (سورہ نساء)

اور سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ. قَالَ يَانُوْحُ إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنِّيْ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ. قَالَ رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ (سورة هود، رقم الآيات، ۴۵، الیٰ ۴۷)

ترجمہ: اور پکارا نوح نے اپنے رب کو، پس عرض کیا کہ اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک آپ کا وعدہ حق ہے، اور آپ احکمُ الحاکمین ہیں۔ فرمایا (اللہ نے) اے نوح! بے شک وہ نہیں ہے، آپ کے گھر والوں میں سے، بے شک یہ غیر صالح عمل ہے، پس نہ سوال کریں آپ، مجھ سے، اس چیز کا کہ نہیں ہے، آپ کو اس کے بارے میں کوئی علم، بے شک میں نصیحت کرتا ہوں آپ کو، کہیں ہو جائیں آپ جاہلوں میں سے۔ عرض کیا (نوح نے) کہ اے میرے رب! بے شک میں پناہ طلب کرتا ہوں آپ کے ذریعہ سے اس بات کی کہ سوال کروں میں، آپ سے اس چیز کا کہ نہیں ہے میرے لیے اس کے بارے میں کوئی علم، اور اگر آپ مغفرت نہیں فرمائیں گے، میرے لیے، اور رحم نہیں فرمائیں گے مجھ پر، تو میں ہو جاؤں گا، خسارہ پانے والوں میں سے (سورہ ھود)

ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ کی طرف سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی طبعی محبت پر کس انداز میں تنبیہ کی گئی ہے۔

آج بھی اگر کوئی طبعی محبت کے غلبہ میں ایسا کرے، وہ کیوں کر تنبیہ کا مستحق نہ ہوگا؟

اور قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ .وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (سورة التوبة، رقم الآيات،۱۱۲، ۱۱۳)

ترجمہ: نہیں ہے حق حاصل نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں۔

اور نہیں تھا، استغفار، ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کر دی (ابراہیم نے) ان سے (سورہ توبہ)

اکابر کے اس مسئلے پر کلام نہ کرنے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

’’حضرت مفتی صاحب! کون سا مسئلہ تھا، جس پر ہمارے اکابر نے کلام نہیں فرمایا؟ خود آپ کی کتابیں ان کے حوالوں سے بھری پڑی ہیں، اگر یہ مسئلہ بھی اس قدر اہم ہوتا، تو کیا اِس پر اظہارِ خیال نہ کرتے؟‘‘۔انتھیٰ۔

کلام:

اولاً تو اس مسئلہ میں احادیثِ صحیحہ کے مطابق متقدمینِ سلف سے لے کر خلف تک نے اس موقف کے مطابق اظہارِ خیال فرمایا، جو ہم نے نقل کیا اور جس موقف کو ہم نے ترجیح دی۔

ثانیاً ناجی اور مومن قرار دینے پر بھی تو مستقل رسائل و مضامین کی بھرمار ہے، جن میں رطب

و یابس سب جمع ہے۔

اگر آنجناب کو اس کا علم نہیں، تو علم حاصل کرنا چاہیے۔

اگر یہ مسئلہ اہم نہ ہوتا، تو اس پر متقدمین اور متاخرین کیوں کلام فرماتے؟ اور اس پر مستقل رسائل کیوں تحریر کرتے؟ بلکہ اس مسئلے پر قرآن وسنت میں کیوں کلام کیا جاتا، کیا قرآن وسنت میں کسی غیر اہم موضوع پر کلام کیا گیا ہے؟

ثالثاً اکابر نے بھی اس پر کلام کیا ہے، اور اکابر کے کلام کا ذکر آگے آتا ہے۔

مسئلہ ھٰذا پر اکابر کا موقف نہ دیکھنے پر کلام

جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہمارے اکابر اعلیٰ درجہ کے متقی، باادب تھے، اور زمانوں کی چلتی لہروں کی روانیوں پر نظر رکھنے والے اور نباضِ دہر تھے۔

ان کو بھی دیکھتے کہ اس مسئلہ میں ان کا موقف کیا ہے؟''۔انتھیٰ۔

کلام:

الحمد للہ تعالیٰ اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ اکابر کے موقف کو دیکھا گیا، بلکہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی تعلیمات اور صحیح و غیر صحیح، نیز معتبر و غیر معتبر احادیث و روایات کے ساتھ ساتھ متقدمین و متاخرین اور جمہور و غیر جمہور، اہلِ سنت و اہلِ تشیع کے اقوال سب ہی کو ملاحظہ کیا گیا اور پھر جس موقف کا قرآن وسنت اور معتبر احادیث و روایات اور جمہور اہلِ سنت کے موافق ہونا ثابت ہوا، اس کو ترجیح دے دی گئی، اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات و شبہات پر بھی کلام کر دیا گیا، نیز اس کے مقابلے میں مرجوح اقوال اور ان میں پائے جانے والے تسامحات کی نشاندہی بھی کر دی گئی۔

اور ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے لے کر جمہور

سلف وخلف سب کے سب ہی درجہ بدرجہ ہمارے اکابر کی فہرست میں داخل اور درجہ بدرجہ متقی و باادب تھے، اور نبّاضِ دھر ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت اور تعلیماتِ نبوت واصولِ شریعت کے ماہر تھے۔

لیکن اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انسانوں میں انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کی ذات کو معصومِ محض ٹھہرایا جانا درست نہیں، البتہ بہت سے اہلِ تشیّع وغیرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ مخصوص ہستیوں اور اپنے اماموں کو معصومیتِ محضہ کے درجہ پر فائز سمجھتے ہیں۔

مگر اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اجتہادی خطاء بھی اجر وثواب سے خالی نہیں، اس لیے وہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ دوسرے انسانوں سے اجتہادی خطاء کے پیشِ نظر اختلاف بھی کرتے ہیں، اور ساتھ ہی ان کے ادب واحترام کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔

اب اگر آنجناب اپنے اکابر سے ’’مشائخِ دیوبند‘‘ کو مراد لیتے ہوں، اور اکابر کے دائرے کو ان میں محدود ومحصور کرتے ہوں، تو آنجناب کے ملاحظہ کے لیے عرض ہے کہ قرآن وسنت کے معتبر ومضبوط دلائل کے تناظر میں اس موقف کو اختیار کرنے اور ترجیح دینے والوں میں جمہور کے ساتھ ساتھ اکابرِ دیوبند ومشائخِ دیوبند کا ایک بڑا طبقہ بھی شامل ہے، جن کے اعلیٰ درجہ کے متقی، باادب اور زمانوں کی چلتی لہروں کی روانیوں پر نظر رکھنے والے اور نباضِ دہر ہونے میں شاید آنجناب کو بھی اختلاف نہ ہو۔

چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1323ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

> حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے، حضرت امام صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید، ص ۲۴۵، کتاب العقائد، مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

مذکورہ فتوے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب قرار دیا، ہم اسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب سمجھتے ہیں، اور اسی کو دلائل کی رُو سے راجح سمجھتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں دوسرے اقوال کو دلائل کی رُو سے مرجوح سمجھتے ہیں، اور اسی موقف کو ہم نے ضخیم کتاب کی شکل میں مدلل و مفصل انداز میں ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کی ''سنن الترمذی'' کی شرح ''الکوکبُ الــــدری'' جس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1334ھ) نے جمع و مرتب کیا ہے، اس کے حاشیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1403ھ) ''الارشاد الرضی'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مـا ألف السيـوطـي من الرسائل في إسلام والدی النبي صلی الله عـليـه وسـلـم وجزم في بعضها بأنهما ماتا علی الملة الإبراهيمية، ومـال فـي بـعـضها إلی إسلامهما بعد إحيائهما، وغير ذلک، تأباه الـنصوص. والحق عند مشايخنا أنهما ماتا علی الكفر كما جزم به في الفقه الأكبر'' [1]

[1] فقد أخرج البخاري برواية أبي سعيد الخدري أنه سمع رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول وذكـر عنده عمه أبو طالب فقال: لـعـله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كـعبيه يغلي منه أم دماغه، قال الحافظ: ظهـر من حديث العباس وقوع هذا الترجي، واستشكل قوله صلی الله عليه وسلم: تـنـفعه شفاعتي بقوله تعالی (فما تنفعهم شفاعة الشافعين) وأجيب بأنه خص ولـذلک عدوه في خصائص النبي صلی الله عليه وسلم، وقيل: معنی المنفعة في الآية تخالف معنی الـمـنـفـعة فـي الـحـديث، والمراد بها في الآية الإخراج من النار، وفي الحديث المنفعة بالتخفيف، وبهذا الجواب جزم القرطبي. وقال البيهقي: صـحت الرواية في شأن أبي طالب فلا معنی للإنكار، فيـجوز أن يخص منه من ثبت الخبر بتخصيصه، قال: وحـمله بعض أهل النظر علی أن جزاء الكافر مـن الـعذاب يقع علی كفره وعلی معاصيه، فيجوز أن الله يضع عن بعض الكفار بعض جزاء معاصيه تـطييبا لـقـلـب الشافع لأثوابا للكافر، لأن حسناته صارت بموته علی الكفر هباء، ويجاب أيضا أن المخفف عنه لما لم يجد أثر التخفيف فكأنه لم ينتفع بذلک، ويؤيد ذلک ما ورد أنه يعتقد أن ليس في النار أشد عذابا منه، وذلک أن القليل من عذاب جهنم لا تطيقه الجبال، فالمعذب لاشتغاله بما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: علامہ سیوطی نے جو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کے بارے میں چند رسائل، تالیف کیے ہیں، اور بعض میں یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ ان کی موت ''ملتِ ابراھیمیہ'' پر واقع ہوئی، جبکہ علامہ سیوطی اپنے بعض رسائل میں اُن کے زندہ کرنے کے بعد، ان کے اسلام لانے وغیرہ کی طرف مائل ہوئے ہیں، نصوص اس کا انکار کرتی ہیں، اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ان کی موت، کفر پر واقع ہوئی، جیسا کہ اس پر ''الفقہُ الاکبر'' میں یقین ظاہر کیا گیا ہے (الکوکبُ الدری)

ملحوظ رہے کہ ''الارشاد الرضی'' حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے والد گرامی، اور بانیِ تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے بڑے بھائی، اور تبلیغی جماعت کے سابق امیر مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے چچا ''مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ'' کے درس میں شریک ساتھی، اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد کی جمع کردہ شرح ہے، اس کے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا تالیف میں جابجا حوالہ جات تحریر فرمائے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ هو فيه يصدق عليه أنه لم يحصل له انتفاع بالتخفيف .وقال القرطبي : اختلف في هذه الشفاعة هل هي بلسان قولي أو بلسان حالي والأول يشكل بالآية، وجوابه جواز التخصيص، والثاني يكون معناه أنا أبا طالب لما بالغ في إكرام النبي صلى الله عليه وسلم والذب عنه جوزي على ذلك بالتخفيف، فأطلق على ذلك شفاعة لكونها بسببه، انتهى .

زاد في الإرشاد الرضي في تقرير هذا الحديث أن ما ألف السيوطي من الرسائل في إسلام والدى النبي صلى الله عليه وسلم وجزم في بعضها بأنهما ماتا على الملة الإبراهيمية، ومال في بعضها إلى إسلامهما بعد إحيائهما، وغير ذلك، تأباه النصوص. والحق عند مشايخنا أنهما ماتا على الكفر كما جزم به في الفقه الأكبر (حاشية الكوكب الدرى على جامع الترمذى، ج٣، ص ٣٢٦، أبواب صفة جهنم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء أن للنار نفسين)

[1] ويؤيد ذلك ما في المشكاة برواية أبي داود وغيره عن ابن عمر وأبي هريرة مرفوعا :من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا، الحديث.

وإلى هذ المقام انتهت مسودة الإرشاد الرضي وهو أنفع تقرير لطالبي الحديث لكونه في اللسان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ’’مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ‘‘ حضرت گنگوہی کے خادمِ خاص اور ممتاز تلمیذِ رشید تھے، اور ’’مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ‘‘ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تقاریر کو دوران درس ضبط و تحریر فرماتے تھے، بخاری شریف کی شرح ’’**لامعُ الدراری**‘‘ اور ترمذی شریف کی شرح ’’ **الکوکبُ الدری** ‘‘ بھی اسی طرح کی شرح ہے۔

مذکورہ عبارت میں پہلے تو علامہ سیوطی کے اختیار کردہ اقوال کے بارے میں واضح طور پر فرما دیا گیا کہ:

" تأباه النصوص "

اور جو نصوص علامہ سیوطی کے اختیار کردہ اقوال کا انکار کرتی ہیں، ہم نے ان نصوص کو اپنے مضمون میں باحوالہ طریقہ پر ذکر کر دیا ہے، اور ان نصوص پر وارد ہونے والے شبہات و اعتراضات کا بھی معقول جواب تحریر کر دیا ہے۔

اور جب مذکورہ عبارت میں علامہ سیوطی کے اختیار کردہ موقف کے بارے میں صاف طور پر

"تأباه النصوص"

فرما دیا گیا، تو اگر ہم اپنے الفاظ میں اسی مفہوم کو اداء کریں، تو جو اعتراض مذکورہ عبارت کا آنجناب کی طرف سے دیا جائے گا، وہی جواب ہماری طرف سے بھی کافی ہوگا۔

دوسرے مذکورہ عبارت میں یہ بھی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ:

" والحق عند مشايخنا أنهما ماتا على الكفر "

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الهندية، فيا للأسف على اختتامه، وإلى الله المشتكى، نضر الله جامعه ومسوده رحمه الله تعالى رحمة واسعة، فقد توفى فى يوم السرور يوم العيد من السنة الماضية 1351هـ، وكان شريك الدرس لوالدى المرحوم، وكان ذكيا أديبا لبيبا طبيبا حافظا للقرآن ماهرا فى العلوم العقلية والنقلية، وذكرته فى هذه الحواشى بالإرشاد الرضى مشيرا إلى اسم الجامع والشيخ كليهما نفع الله به طلبة الحديث(الكوكب الدرى على جامع الترمذى، ج٣،ص ١ ٣٦،أبواب العلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب فى ذهاب العلم)

مذکورہ عبارت میں ہمارے مشائخ سے مراد، اکابرِ دیوبند و مشائخِ احناف ہی ہیں، جس سے مسئلہ ہذا میں اکابرِ دیوبند و مشائخِ احناف کے نزدیک حق اور راجح موقف بھی معلوم ہوگیا کہ وہ کیا ہے۔

تیسرے مذکورہ عبارت میں یہ بھی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ:

''کما جزم به فی الفقه الأکبر''

جس سے معلوم ہوا کہ''**الفقهُ الاکبر**''میں بھی اسی موقف کو یقینی طور پر اختیار کیا گیا ہے، اور اس سے قبل حضرت گنگوہی کی صاف عبارت بھی گزر چکی ہے، جس سے مذکورہ موقف کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے تلمیذ اور حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے استاد، اور دیوبند کے عظیم مشائخ میں ایک شخصیت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ (المتوفیٰ:1346ھ) کی ہے، انہوں نے بھی اسی مذکورہ موقف کی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے، جو ملا علی قاری رحمہ اللہ اور جمہور کا موقف ہے۔

چنانچہ وہ''سنن ابی داؤد'' کی شرح''**بذلُ المجهود**''میں فرماتے ہیں کہ:

عن أبی هريرة قال: أتـی رسول الله – صلی الله عليه وسلم – قبر أمـه فبـكـی وأبكی من حوله، فقال: استـأذنـت ربی تعالی علی أن أستـغفر لها فلم يأذن لی، فاستأذنت) ربی (أن أزور قبرها فأذن لی، فزوروا القبور فإنها تذكر بالموت).

قـال الـنووی:قولـه: استـأذنـت ربی ...إلخ: فيــه جـواز زيارة الـمشـر كيـن فـی الـحيـاة، وقبـورهـم بعد الوفاة؛ لأنـه إذا جازت زيـارتهـم بـعـد الـوفـاة ففـی الـحيـاة أولـی، وقـد قـال الله تـعـالـی:(وصـاحبهـمـا فی الدنيا معروفا)وفيه النهی عن الاستغفار

للكفار، انتهى.

وقد بالغ السيوطي في إثبات إيمان أبوي رسول الله – صلى الله عليه وسلم.

قال القاري: ثم الجمهور على أن والديه – صلى الله عليه وسلم – ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما روي في حقهما .

وأما قول ابن حجر: وحديث إحيائهما حتى آمنا به ثم توفيا؛ حديث صحيح، وممن صححه الإمام القرطبي والحافظ ابن ناصر الدين.

فعلى تقدير صحته لا يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم، مع أن الحفاظ طعنوا فيه، ومنعوا جوازه لأن إيمان اليأس غير مقبول إجماعا، كما يدل عليه الكتاب والسنة، وبأن الإيمان المطلوب من المكلف إنما هو الإيمان الغيبي، وقد قال تعالى: (ولو ردوا لعادوا لما نهوا)

وهذا الحديث الصحيح صريح أيضا في رد ما تشبث به بعضهم بانهما كانا من أهل الفترة ، ولا عذاب عليهم، مع اختلاف في المسألة (بذل المجهود في حل سنن ابي داؤد، ج۱۰ ص۵۲۴، ۵۲۵، كتاب الجنائز، باب: في زيارة القبور)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کی قبر پر تشریف لائے، پھر رونا شروع کیا، اور آپ کے اردگرد کے افراد نے بھی رونا شروع کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار

کروں، تو مجھے رب تعالیٰ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی، پھر میں نے اپنے رب سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کی قبر کی زیارت کروں، تو اس کی مجھے رب تعالیٰ نے اجازت دے دی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

نووی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''استأذنت ربی... الخ'' کے متعلق فرمایا کہ اس میں زندگی کے اندر مشرکین کی زیارت کا جواز پایا جاتا ہے، اور وفات کے بعد ان کی قبروں کی زیارت کا بھی جواز پایا جاتا ہے، کیونکہ جب ان کی زیارت وفات کے بعد جائز ہے، تو زندگی میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وصاحبهما في الدنيا معروفا'' اور اس حدیث میں کفار کے لیے استغفار کی ممانعت پائی جاتی ہے، نووی کا کلام ختم ہوا۔

لیکن سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے ایمان کو ثابت کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

ملا علی قاری نے فرمایا کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علہ وسلم کے والدین کافر ہو کر فوت ہوئے، اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں مروی تمام احادیث میں صحیح تر ہے۔

رہا ابنِ حجر مکی کا یہ قول کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے ایمان لانے اور پھر فوت کر دیئے جانے کی حدیث صحیح ہے، جس کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ ناصرالدین نے صحیح قرار دیا ہے''

تو اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تو اس میں مسلم کی حدیث کے معارضہ کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، باوجودیکہ حفاظ نے زندہ کیے جانے کی حدیث پر طعن بھی کیا ہے، اور اس کے جواز سے منع کیا ہے، کیونکہ حالتِ نزع کا ایمان بالاجماع

قبول نہیں، جس پر کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ دلالت کرتی ہے (پھر اس کے بعد کا کیونکر قبول ہوگا) اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکلّف سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ صرف ایمانِ غیبی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اگر ان کو لوٹا دیا جائے، تو جن چیزوں سے انہیں منع کیا گیا، وہ یقیناً ان ہی کو دوبارہ کریں گے''۔

اور یہ صحیح حدیث اس کے رَد میں بھی صریح ہے، جس پر بعض نے یہ بحث کی ہے کہ وہ اہلِ فترَت میں سے تھے، اور ان پر عذاب نہیں ہے، باوجودیکہ خود اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے (بذلُ المجهود)

مذکورہ عبارت میں سب سے پہلے تو امام نووی کی عبارت کو نقل کیا گیا ہے، اور اس کی تردید نہیں کی گئی۔

پھر مذکورہ عبارت میں صاف تصریح کردی گئی کہ:

''وقد بالغ السيوطي في إثبات إيمان أبوى رسول الله صلى الله عليه وسلم''

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سہارنپوری کے نزدیک امام نووی کا موقف راجح ہے، اور علامہ سیوطی نے اس مسئلہ میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اب اگر کوئی مبالغہ کو، غلو سے تعبیر کردے، تو اس کا مفہوم بھی کوئی زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔ [1]

مذکورہ اکابر کی تائید ملا علی قاری، علامہ حلبی وغیرہ کے علاوہ ان سے قبل کے متعدد جلیلُ القدر مشائخِ حنفیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ شمس الأئمہ السرخسی (المتوفیٰ:483ھ) ''المبسوط للسرخسی'' میں فرماتے ہیں:

(ألا ترى) أنه -عليه الصلاة والسلام- قال قد أذن لمحمد في

---

[1] وأما الغلو فهو المبالغة في الشيء والتشديد فيه بتجاوز الحد (فتح الباري لابن حجر، ج۱۳، ص ۲۷۸، كتاب التمني، باب ما يكره من التعمق والتنازع)

والحديث إرشاد إلى الاعتدال في الأمور وعدم المبالغة والغلو في الحب والبغض (التنوير شرح الجامع الصغير، ج ۱، ص ۴۰۰، تحت رقم الحديث ۲۲۲، حرف الهمزة)

زیارة قبر أمه، وكانت قد ماتت مشركة، وروى أنه زار قبرها في أربعمائة فارس فوقفوا بالبعد، ودنا هو من قبرها، فبكى حتى سمع نشيجه(المبسوط، لشمس الأئمة السرخسي، ج ۲۴، ص ۱۰، كتاب الأشربة)

ترجمہ: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد کو اپنی ماں کی زیارتِ قبر کی اجازت حاصل ہوگئی، اور آپ کی والدہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوئی تھیں، اور یہ بات مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت چار سو گھوڑ سوار لوگوں کی موجودگی میں کی تھی، جو دور ٹھہر گئے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر کے قریب تشریف لے گئے تھے، پھر آپ کو شدید رونا آیا تھا، جس کی سسکیوں کو سنا گیا تھا (المبسوط)

اس طرح کے اور بھی حوالہ جات ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر آگے آتا ہے۔

لیکن آنجناب کی طرف سے ہمارے مضمون میں امام نووی کی عبارت نقل کرنے، اور اس موقع پر دوسرا موقف نقل نہ کرنے پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے، اور غلو و مبالغہ کے الفاظ کو پکڑ کر تنقید کا سہارا حاصل کیا جاتا ہے۔

اگر آنجناب مذکورہ اکابر کے موقف کو صحیح طرح ملاحظہ فرمالیتے، تو اس طرح کے اعتراضات تو مذکورہ اکابر کی عبارات میں بھی میسر آسکتے تھے۔

اس قسم کے طرزِ عمل سے **واللّٰہ تعالٰی أعلم** یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ شاید آنجناب کا اصل مقصود تنقید برائے تنقید، اور اعتراض برائے اعتراض ہو، اسی کو اختلاف برائے اختلاف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علماء کے مسکوت عنہ مسئلے پر کلام اور حق جماعت کا قائم رہنا

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''جہاں صرف علمی پندار، عجب اور اپنی رائے پر اصرار ہو (یا اپنے آپ کو جری سمجھا

جائے کہ جن مسائل پر دوسرے علماء، حدِ اعتدال قائم رکھتے ہیں، ہم وہاں بھی کلام کرنے سے نہیں گھبراتے)''۔انتھٰی۔

کلام :

اولاً تو پہلے متعدد مرتبہ واضح کیا جاچکا کہ مسئلہ ہٰذا پر، اللہ تعالیٰ نے بھی کلام فرمایا، اور مفسرینِ عظام نے بھی قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کے ذیل میں کلام فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں کلام فرمایا، اور صحابۂ کرام وتابعینِ عظام نے بھی کلام فرمایا، اور محدثینِ کرام نے بھی کلام فرمایا، چنانچہ ان ہی حضرات وشخصیات کے ذریعہ سے وہ احادیث ہم تک پہنچیں، اور محدثینِ عظام نے ان احادیث پر ابواب بھی قائم فرمائے، اور ان کی تشریح وتوضیح بھی فرمائی۔

یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واسطہ سے یہ سلسلہ جلیلُ القدر مشائخِ دیوبند تک بھی پہنچا۔

کیا ان حضرات کی طرف بھی علمی پندار، عجب اور اپنی رائے پر اصرار وغیرہ ہونے کے الزامات کی نسبت درست قرار پاسکتی ہے؟

دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، اور وہ حق پر قائم رہنے میں اس قدر شجیع، جری وباہمت ہوگی کہ اس کو کسی کا رسوا، یا کسی کی مخالفت کرنا، ضَرر نہ پہنچا سکے گا۔

ہم اسی جماعت کے زمرہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں، اور الحمدللہ تعالیٰ حق کے ساتھ اعتدال کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کلام کرنے سے نہیں گھبراتے، اور نہ ہی آنجناب، یا کسی دوسرے کے رسوا کرنے، یا خوف دلانے سے ضَرر پہنچنے پر یقین رکھتے۔

اور جو فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے متعلق اَٹل ہے، اس کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ ظَاہِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ، لَا یَضُرُّہُمْ مَنْ خَذَلَہُمْ، حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰہِ وَہُمْ کَذٰلِکَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ١٩٢٠ "١٧٠" كتاب الامارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، رسوا کرنے والے اس جماعت کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا، اور وہ اسی طرح سے (حق پر قائم) ہوں گے (مسلم)

اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ لَا یُبَالُوْنَ مَنْ خَالَفَہُمْ أَوْ خَذَلَہُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦٨٨١) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر مسلسل قائم رہے گی، یہ جماعت ان لوگوں کی پرواہ نہیں کرے گی، جو ان کی مخالفت کریں گے، یا ان کو رسوا کریں گے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم آ پہنچے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کُنْتُ رَدِیْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا غُلَامُ، أَوْ یَا غُلَیِّمُ، أَلَا أُعَلِّمُکَ کَلِمَاتٍ یَّنْفَعُکَ اللّٰہُ بِہِنَّ؟ فَقُلْتُ: بَلٰی: فَقَالَ: اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ، اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ أَمَامَکَ، تَعَرَّفْ إِلَیْہِ فِی الرَّخَاءِ، یَعْرِفُکَ فِی الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ، فَاسْأَلِ اللّٰہَ، وَإِذَا

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

اسْتَعَنْتَ، فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوْا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ، وَإِنْ أَرَادُوْا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٨٠٣) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لڑکے! یا اے چھوٹے بچے! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں، جن کے ذریعہ سے اللہ تمہیں فائدہ عطا فرمائے؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور سکھایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ (یعنی اس کے احکام) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ (یعنی اس کے احکام) کی حفاظت کرو، اللہ کو تم اپنے سامنے پاؤ گے، تم اللہ کو خوشحالی میں یاد رکھو، وہ تمہیں تنگی کے وقت یاد رکھے گا، اور جب تم مانگو، تو اللہ سے مانگو، اور جب تم مدد طلب کرو، تو اللہ سے مدد طلب کرو، آئندہ ہونے والی سب باتیں لکھ کر، قلم خشک ہو چکا ہے، پس اگر ساری دنیا مل کر تمہیں کوئی ایسا نفع پہنچانا چاہے، جس کو اللہ نے تمہارے لیے نہیں لکھا، تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے، اور اگر وہ سارے مل کر تمہیں کوئی ایسا نقصان پہنچانا چاہیں، جس کو اللہ نے تمہارے لیے نہیں لکھا، تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے، اور یہ بات جان لیجئے کہ ناپسندیدہ چیز پر صبر کرنے میں

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حديث صحيح، وهذا الحديث رواه أحمد عن شيخه أبى عبد الرحمن عبد الله بن يزيد المقرىء بثلاثة أسانيد الأخير منها متصل، والأول والثانى فيهما انقطاع، وثم يميز لفظ بعضها من بعض (حاشية مسند احمد)

بہت زیادہ خیر ہوتی ہے، اور مدد، صبر کے ساتھ ہوتی ہے، اور فراخی، تنگی کے ساتھ ہوتی ہے، اور تنگی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے (مسند احمد)

بڑے سے مشورہ نہ کرنے پر کلام

پھر کلام کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کہ کسی بڑے سے اس بارے میں مشورہ بھی نہ لیا جائے، جب بندہ طے کر چکا ہے، یہ کام کرنا ہے، تو بھلا ایسوں کو کون روک سکتا ہے؟''۔انتہٰی۔

کلام :

سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ مشورہ کرنا، واجب ہے، یا نہیں؟ اور واجب ہے، تو کیا ہر کام کے لیے واجب ہے؟ اور جو احکام شرعی اصول وقواعد سے معلوم کیے جاتے ہیں، ان اصول وقواعد کو نظر انداز کر کے، مشورہ کرنا، کیا حیثیت رکھتا ہے؟ پھر مشورہ کیا کسی بڑے سے کرنا ضروری ہے، یا کسی دوسرے سے کرنے سے بھی مشورہ کی سنت اداء ہو جاتی ہے؟ اور کسی سے مشورہ کرنے کے بعد کیا اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے؟

اگر اس سلسلہ میں ہماری تالیف ''مشورہ واستخارہ کے فضائل واحکام'' ملاحظہ کر لی جائے، تو اس طرح کے کئی سوالوں کا جواب معلوم ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ہم نے ''علمی وتحقیقی رسائل، جلد ہشتم'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کر دیا ہے، جس میں یہ عبارت بھی صاف طور پر موجود ہے:

''الغرض مسائل شرعیہ کے احکام بأسرھا، شریعت میں موجود ہیں، وہ ہرگز محتاج مشورہ نہیں ہیں، اور اگر کسی جگہ مسائلِ شرعیہ میں مشورہ ثابت ہو، تو وہ محض تطییبِ قلب، یا استمداد کے طور پر تھا، ضرورت کے درجہ میں نہ تھا''

(تفرد کی حقیقت، مشمولہ: علمی وتحقیقی رسائل، جلد ہشتم، ص ۵۷۷ تا ۵۸۰)

اگر مزید تفصیل درکار ہو، تو وہ فقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں باحوالہ مذکورہ تالیف میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

آنے والے طوفان اور امتحان پر کلام

پھر بڑے درد بھرے الفاظ میں جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''میرا اللہ گواہ ہے کہ لکھتے ہوئے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، لیکن یہ تکلیف آنے والے کسی طوفان سے زیادہ نہیں، اللہ کرے، سلسلہ یہیں رُک جائے، ورنہ بڑے امتحان ہیں''۔انتھٰی۔

کلام :

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم نے آپ کی تکلیف سے اختلاف نہیں کیا، البتہ یہ ضروری نہیں کہ آپ کی تکلیف بجا ہو، بلکہ بعض تکلیفیں اپنی مخصوص ذہنیت اور مخصوص جذبات کے نتیجہ میں پیش آتی ہیں، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ آپ کی تکلیف کسی آنے والے طوفان کی پیش گوئی کے طور پر حجت ہو، کیونکہ آپ کا یہ احساس، دلائلِ شرعیہ میں سے نہیں، جو دوسروں پر حجت ہو۔

رہا امتحان وابتلاء کا مسئلہ، تو یہ تو ہر انسان کو پیش آتا ہے، بلکہ جو دین کے زیادہ قریب ہو، یا جو دین کا داعی ہو، اس کو زیادہ پیش آتا ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ : وَاللّٰهِ مَا أَرَادَ مُحَمَّدٌ بِهٰذَا وَجْهَ اللّٰهِ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ، وَقَالَ : رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى، لَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ (صحيح البخاری، رقم الحديث ٦٠٥٩، كتاب الادب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ (لوگوں میں) مال تقسیم کیا، تو انصار کے ایک آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں اللہ کی رضاء کا لحاظ نہیں کیا (یعنی کسی کی بے جا طرفداری کی) حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ کو اس بات کی خبر دی، تو آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے، جن کو اس سے زیادہ ایذاء دی گئی، پھر بھی انہوں نے صبر کیا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ، وَمَا يُؤْذٰى أَحَدٌ، وَأُخِفْتُ فِي اللّٰهِ، وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۲۱۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جتنا مجھے ستایا گیا، کسی کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جتنا مجھے ڈرایا گیا، کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَنَّهٗ قَالَ: عِظَمُ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث، ۴۰۳۱، ابواب الفتن، باب الصبر على البلاء) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عظیم اجر بڑی مصیبتوں کے ساتھ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره (حاشية سنن ابن ماجه)

ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو پسند کرتا ہے، تو اسے (مصیبتوں میں) مبتلا کردیتا ہے، پس جو (مصائب و بلاء میں) راضی رہا، تو اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے اور جو شخص (مصائب و بلاء سے) ناراض ہوا، تو اس کے لئے (اللہ کی) ناراضگی ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الْعَبْدُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ، وَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ اُبْتُلِيَ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهٗ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ، وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۴۰۲۳، ابواب الفتن، باب الصبر على البلاء) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس پر آتی ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء پر، پھر جو ان کے بعد افضل اور بہتر ہو اس پر، اور درجہ بدرجہ بندہ کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس اگر اس کے دین میں پختگی ہوگی، تو اس کی آزمائش سخت ہوگی، اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوگی، تو اس کی آزمائش بھی اسی کے اعتبار سے ہوگی، آزمائش بندے سے ٹلتی نہیں، یہاں تک کہ اسے ایسی حالت میں چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، اور اس کے ذمہ ایک بھی خطاء نہیں رہتی (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوعبیدہ اپنی پھوپھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] قال شعيب الأرنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية سنن ابن ماجه)

إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ بَلاءً الْأَنْبِيَاءَ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٠٧٩)[1]

ترجمہ: لوگوں میں سب سے شدید ترین بلاء وآزمائش میں انبیاء کو مبتلا کیا جاتا ہے، پھر ان لوگوں کو، جو ان سے قریب تر ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں کو جو ان سے قریب تر ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں کو جو ان سے قریب تر ہوتے ہیں (مسند احمد)

مجلسِ فقہی کی نوعیت پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت مفتی صاحب! آپ کی مشاورتی کونسل بھی اپنی رائے کے اظہار میں آزاد نہیں ہے، بلکہ برائے نام ہے، یا غلام ہے، جیسے پہلی تمام کتابوں پر اُن کے نام ہیں، اس بارہویں جلد پر بھی اُن کے نام درج ہیں، کیا ان تمام افراد میں آپ کا کوئی خیر خواہ نہیں ہے؟ جو آپ کو روکتا، یا کم از کم بارہویں جلد پر اپنا نام درج نہ کرواتا۔

اس لیے کہ اگر آپ بہت سے امور ومسائل میں دوسرے علماء سے اختلاف کرتے ہیں، تو آپ کی کونسل میں ایک بھی رجلِ رشید نہ تھا، جو اس کتاب کی اشاعت ہی میں اختلاف کر لیتا؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہری، گونگی، کونسل ہے، اصل بادشاہی، یا شاہی آپ کی ہے۔

ورنہ فقہ اکیڈمی (انڈیا) میں ایک مسئلہ پر کتنی مخالف آراء آجاتی ہیں، وہ اُن کو بھی درج کرتے ہیں''۔انتہٰی۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره، وهذا إسنادٌ حسن (حاشية مسند احمد)

کلام :

اولاً تو یہاں کوئی باقاعدہ مشاورتی کونسل قائم نہیں کی گئی، اور شرعی و دینی مسائل میں مشورہ پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اسی کے ساتھ جو امور مشورہ طلب ہوتے ہیں، ان میں حسبِ ضرورت و حسبِ موقع متعلقہ امور میں غیر رسمی مشورہ کرنے کا معمول ہے۔

البتہ ادارہ غفران میں بندہ کے زیرِ انتظام ایک ''مجلسِ فقہی'' قائم ہے، جس میں ادارہ غفران کے کارکنان شامل ہیں، اور بندہ کے بحیثیت ادارہ کے مدیر ہونے کے وہ حضرات بندہ کے ادارتی امور میں ماتحت ہیں، جس میں شرعی و فقہی اعتبار سے کوئی برائی نہیں، جیسا کہ عام طور پر دیگر اداروں، اور مدارس و جامعات میں اسی کے مطابق عمل جاری ہے۔

تاہم فقہی و اجتہادی امور میں، بندہ نے دیگر حضرات کو اپنے ذاتی رجحان کے اظہار پر پابندی عائد نہیں کی، البتہ اس رجحان کو بغیر ثبوت کے کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنے کی اجازت نہیں۔

جہاں تک بندہ کے علمی و تحقیقی رسائل پر ادارہ غفران کی ''مجلسِ فقہی'' کی رائے کا تعلق ہے، تو اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ بندہ اپنی تالیفات اور مضامین کی کتابت مکمل کرانے کے بعد ان کے مسودات کو مجلسِ فقہی کے ارکان کے ملاحظہ و مطالعہ کے لیے پیش کر دیتا ہے، جس کو فرداً فرداً تمام حضرات اپنی حسبِ وسعت و حسبِ فرصت ملاحظہ کر لیتے ہیں، اور ان مسودات پر ہر فرد کو ''بحیثیت خیر خواہ اور رجلِ رشید'' کے اپنی آزادانہ رائے تحریر کرنے کی اجازت ہوتی ہے، جب یہ مسودات ملاحظہ ہونے کے بعد بندہ کو موصول ہو جاتے ہیں، تو ان مسودات میں مذکور تنقیدات و توضیحات اور قابلِ مشورہ امور کو بندہ ملاحظہ کر کے، حسبِ ضرورت، حذف و اضافہ، یا ترمیم و اصلاح کا اہتمام کرتا ہے، اور بعض اوقات اس پر متعلقہ صاحبان سے غیر رسمی مناقشہ بھی ہو جاتا ہے، اور اس مرحلہ کے بعد یہ علمی و تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

چونکہ یہ مضامین ورسائل بندہ کے تالیف کردہ ہوتے ہیں، اس لیے ان میں حذف واضافہ، یا ترمیم واصلاح کا اختیار بھی بندہ ہی کو حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر اہلِ علم حضرات بھی جب کسی دوسرے کی نظرِ ثانی کے لیے مسودات پیش کرتے ہیں، تو عام طور پر یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، اور جن مواقع کی دوسرے کی طرف سے نشاندہی کی گئی ہو، ان کا جا بجا ذکر نہیں کیا جاتا۔

اس کے مطابق بندہ کا عمل جاری ہے، جس میں فی الواقع نہ کوئی اعتراض والی بات ہے، اور نہ کوئی شبہ والی بات ہے، اور نہ ہی بندہ کی ان تالیفات میں مذکور تمام اجزاء سے دوسروں کا متفق ہونا ضروری ہے، اور نہ ان تمام اجزاء کی ذمہ داری، دوسروں پر عائد کی جاسکتی ہے۔

اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے، تو وہ اس کی اپنی سمجھ ہے، چنانچہ علمی وتحقیقی رسائل کی جس جلد کا مسئلہ زیرِ بحث ہے، اس میں مجلسِ فقہی کی طرف سے مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کا صاف طور پر ذکر ہے۔

اور اب جناب کی طرف سے اس طرح کی غلط فہمی سامنے آنے کے بعد مجلسِ فقہی کے پیش لفظ میں آئندہ کے لیے مزید صراحت اور وضاحت کرنے کا بھی اہتمام کرلیا گیا ہے۔

پھر جب کسی چیز کے متعلق مشورہ دینے والا، اپنا مشورہ پیش کردے، تو وہ مشورہ دے کر اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجاتا ہے، خواہ اس کے مشورہ پر عمل کیا گیا ہو، یا نہ کیا گیا ہو، ایسی صورت میں مشورہ دینے والے کی طرف گونگے، بہرے ہونے کا الزام عائد کرنا، سراسر خلافِ واقعہ الزام، بلکہ ایک طرح کا بہتان اور مشورہ کے اصول وآداب سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

اور مجلسِ فقہی کے ارکان اور خود بندہ کی نظر سے اس قسم کے مسائل کی حساسیت مفقود نہیں ہوتی، بلکہ خود اس مسئلہ کے متعلق معاشرہ میں پائے جانے والے جذبات کا ذکر بھی مذکورہ مضمون میں ایک سے زیادہ مقامات پر موجود ہے کہ اس موقف کے اختیار کرنے والے کو

گستاخ اور ملعون وغیرہ نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے، اور اسی قسم کے فاسد جذبات کے پائے جانے کی وجہ سے مفصل و مدلل مضمون مرتب کیا گیا ہے۔

نیز یہ پہلے ہی ذکر کیا جاچکا ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی اشاعت مطلوب ومحمود ہے، پھراس کارِ خیر کی اشاعت سے روکنے کی جرأت، کون سا، دین کا خیر خواہ، اور رجلِ رشید کرسکتا ہے، اور مجلسِ مذکور کے ارکان نہ آپ کی طرح کے ''خیر خواہ'' ہیں، اور نہ آپ کی طرح کے ''رجلِ رشید'' ہیں، اس طرح کی خیر خواہی کی مثال تو اس بوڑھی عورت کی طرح ہے، جس نے باز کے مڑے ہوئے پنجوں اور چونچ کو خیر خواہ بن کر کاٹ دیا تھا، اور اس باز کو اپاہج بنادیا تھا۔ [1]

جہاں تک اس موقعہ پر ''فقہ اکیڈمی، انڈیا'' وغیرہ کے ذکر کا تعلق ہے، تو اس کا معاملہ مندرجہ بالا واقعہ سے یکسر مختلف ہے، کیونکہ مذکورہ اکیڈمی میں اس طرح کسی کی مکمل تالیف، یا مضمون بھیج کر اس کے متعلق، رائے طلب نہیں کی جاتی، بلکہ کسی مسئلہ، یا موضوع سے متعلق اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر، اس کے بارے میں دوسروں سے ان کی فقہی آراء کو طلب کیا جاتا ہے، جس کے بعد مناقشہ بھی کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد کوئی قرارداد، یا تجویز پیش کی جاتی ہے، اس میں آراء پیش کرنے والے متعلقہ ارکان کی حیثیت چونکہ ان مسائل اور قراردادوں میں مستقل ارکان کی ہوتی ہے، اس لیے ان میں ارکان کی مختلف آراء کو درج کردیا جاتا ہے، لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں کہ جن میں ان اکیڈمیوں کے انتظامی قواعد کے مطابق اس طرح کی قرارداد کو مرتب کرکے شائع کردیا جاتا ہے، اور انفرادی آراء کو قراردادوں میں درج کرنے کا لحاظ نہیں کیا جاتا، چنانچہ اس وقت بھی جدہ فقہ اکیڈمی، رابطہ عالمِ اسلامی اور ہیئۃ کبار العلماء وغیرہ کے نام سے مختلف اکیڈمیاں قائم ہیں، جن کی طرف سے بہت سے مضامین اور قراردادیں شائع بھی ہوچکی ہیں، اور اب بھی شائع ہوتی ہیں۔

---

[1] (ألیس منکم رجل رشید) یأمر بالمعروف وینھی عن المنکر(تفسیر الجلالین، ص ۲۹٦، سورۃ ھود)

اور بعض ارکان کے مقالات، ان کی طرف سے الگ بھی شائع ہوئے ہیں۔

پس جب آنجناب کا ادارہ غفران، یا فقہ اکیڈمی انڈیا، کے انتظامی ڈھانچہ سے تعلق ہی نہیں، اور نہ ہی آپ ان کے انتظامی امور سے واقف ہیں، تو آپ کے اس اعتراض کی بھی کوئی حیثیت نہیں، اور اگر کچھ حیثیت بھی ہے، تو وہ ''مان نہ مان، میں تیرا مہمان'' والی مثال سے زیادہ نہیں۔

اکابر کے باادب، صادق، اور مسافر کی طرح ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہمارے اکابر کا طرزِ عمل ، احتیاط و ادب: ہمارے اکابر بڑے ادب والے، عاشق صادق ہیں۔

ایسے مسائل میں طویل کلام نہیں کیا، بلکہ بڑے محتاط انداز میں کلام کر کے، مسافروں کی طرح اگلی منزل کی جانب چل پڑے''۔ انتہٰی۔

کلام:

ہم نے کب یہ الزام عائد کیا کہ آپ کے اکابر بڑے ادب والے، محبِ صادق نہیں ہیں، بلکہ بڑے بے ادب، یا محبِ کاذب ہیں؟

وہ ایک الگ موضوع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو عشق سے تعبیر کرنا، کیا حیثیت رکھتا ہے؟

جہاں تک ایسے مسائل پر طویل کلام کو ادب اور محبت کے خلاف سمجھنے کا تعلق ہے، تو یہ جناب کی اپنی فہم ہے، لیکن ہر فہم کا ادب اور سچی محبت پر صادق آنا ضروری نہیں۔

اولاً تو ایسے مسائل پر متعدد حضرات نے طویل کلام کیا ہے، جن میں علامہ حلبی اور ملا علی قاری جیسے مشائخِ احناف بھی شامل ہیں، اگر ان جیسے حضرات کو آپ اپنے اکابر اور باادب ومحبِ صادق کے زمرے میں شمار نہیں کرتے، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے حضرات کے

نزدیک بھی ایسا ہی ہو۔

ثانیاً کسی مسئلے پر طویل کلام کو ادب کے خلاف سمجھنا ہی، درست نہیں، بعض اوقات طویل کلام بھی ادب کے تقاضوں کے مطابق، اور اس کے برعکس مختصر کلام، بے ادبی پر مشتمل ہوسکتا ہے۔

ایسے مسائل پر اگر کسی باادب ومحبِ صادق نے مختصر کلام کیا، اور طویل کلام والے نے، ضرورت پڑنے پر اسی مختصر کلام کی تشریح وتوضیح کی، اور اس مختصر کلام پر وارِد ہونے والے اعتراضات وشبہات کے جوابات دیئے، اور اس باادب ومحبِ صادق کے مختصر کلام کے منکرین اور اس میں کمزور تاویلات کرنے والوں کی توجیہات کو واضح کیا، تو اس کو کیونکر بے ادبی، یا حبِ کاذِب قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور ہم یہ مدلل انداز میں ثابت کر چکے ہیں کہ جس موقف کو ہم نے نقل کیا، اور اس کو ترجیح دی، وہ نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت کی نصوص اور احادیثِ صحیحہ ومعتبرہ سے مبرہن ہے، بلکہ اسی کے ساتھ اس موقف پر جمہور متقدمین ومتاخرین کا بھی اتفاق ہے۔

تو جو حیثیت کسی کے کلام کے شارح کو دی جائے گی، اسی حیثیت کی، اس کلام کے حامل کی طرف نسبت کرنا بھی لازم آئے گا۔

ثالثاً جن حضرات نے احادیثِ صحیحہ اور نصوصِ معتبرہ کے مقابلے میں کمزور تاویلات وتوجیہات اختیار کرکے اور ضعیف، بلکہ موضوع روایات کا سہارا حاصل کرکے، دوسرے اقوال کو ترجیح دی، اور اس پر مستقل مضامین ورسائل تحریر کیے، اور ان کو شاید آپ بھی اپنے اکابر میں شمار کرتے ہوں، ان کے حق میں طویل کلام کی شکایت کا ذکر کیوں نہیں۔

اس طرزِ عمل سے جناب کے خاص ذہن کی عکاسی عیاں ہے۔

پھر اگر کسی کو احادیثِ صحیحہ اور نصوصِ معتبرہ کے مقابلے میں، یہ دوسرا طرزِ عمل ادب اور سچی محبت نظر آتا ہو، اور اس کے مقابلے میں پہلا طرزِ عمل بے ادبی اور جھوٹی محبت نظر آتا ہو، تو یہ

اس کی نظر پر مبنی ہے، دوسرے کی نظر میں، اور خود شریعت کی نظر میں یہ بے ادبی، اور جھوٹی محبت ہرگز نہیں۔

اور ہماری طرف سے اس موضوع پر طویل کلام میں خواہ مخواہ آپ کو مخصوص ذہنیت کی وجہ سے، ادب واحترام کے تقاضوں کی خلاف ورزی نظر آتی ہے، جبکہ آپ پوری تحریر میں اس کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کر سکے۔

جبکہ ہم اپنے مضمون میں واضح طور پر لکھ چکے کہ:

''خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے متعلق، اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق جو حکم بیان فرمایا، اس کو بیان ونقل کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ادب کے خلاف نہیں، بلکہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کو نظر انداز کرنے میں نبی صلی علیہ وسلم کا سوئے ادب پایا جاتا ہے، اگرچہ کسی کو طبعی وجذباتی طور پر اس کے برخلاف محسوس ہوتا ہو، لیکن ادب کا مدار شریعت کے اصولوں پر مبنی ہے، اس کے مقابلہ میں کسی کا طبعی جذبہ وداعیہ شریعت کی نظر میں اہمیت نہیں رکھتا'' (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۶۲۸)

جہاں تک مسافروں کی طرح اگلی منزل کی جانب چل پڑنے کا تعلق ہے، تو دنیا میں تو ہر شخص ہی مسافر ہے، اور آخرت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے، احادیث میں بھی ہر انسان کو دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کا حکم ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا لِيُ، وَلِلدُّنْيَا، إِنَّمَا مَثَلِيُ وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رَاكِبٍ، قَالَ فِيُ ظِلِّ شَجَرَةٍ فِيُ يَوْمٍ صَائِفٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۴۲۰۸)[1]

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض، میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے، جو گرمی کے دن میں تھوڑی دیر ستانے (یعنی آرام کرنے) کے لیے کسی درخت کے سائے تلے ٹھہرا، پھر چل پڑا، اور اس درخت کے سایہ کو چھوڑ دیا (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

اِضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَصِيْرٍ، فَأَثَّرَ فِيْ جَنْبِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ، جَعَلْتُ أَمْسَحُ جَنْبَهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا آذَنْتَنَا حَتّٰى نَبْسُطَ لَكَ عَلَى الْحَصِيْرِ شَيْئًا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا؟ مَا أَنَا وَالدُّنْيَا؟ إِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَرَاكِبٍ ظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ٣٧٠٩) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس کے نشانات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک پر پڑ گئے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو میں آپ کے پہلو پر ہاتھ پھیرنے لگا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں حکم فرماتے کہ ہم اس چٹائی پر کچھ بچھا دیتے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض، مجھے دنیا سے کیا مطلب، میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے، جو تھوڑی دیر ستانے (یعنی آرام کرنے) کے لیے کسی درخت کے سائے تلے ٹھہرا، پھر اسے چھوڑ کر چل پڑا (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهِ عُمَرُ، وَهُوَ عَلٰى

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

حَصِيرٍ قَدْ أَثَّرَ فِيْ جَنْبِهِ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، لَوِ اتَّخَذْتَ فِرَاشًا أَوْثَرَ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا؟ مَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا، إِلا كَرَاكِبٍ سَارَ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ،فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٤٤) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس کے نشانات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک پر پڑ گئے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر آپ ان نشانات سے بچنے کے لے ایک بستر بنا لیتے، تو اچھا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا مطلب، میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے، جو گرمی کے دن میں تھوڑی دیر دن کے وقت میں ستانے (یعنی آرام کرنے) کے لیے کسی درخت کے سائے تلے ٹھہرا، پھر اسے چھوڑ کر چل پڑا (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِيْ، فَقَالَ:يَا عَبْدَ اللّٰهِ، كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ، أَوْ كَأَنَّكَ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٤١١٤،أبواب الزهد،باب مثل الدنيا) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا ایک حصہ پکڑ کر فرمایا کہ اے عبداللہ! دنیا میں اس طرح رہو، گویا کہ آپ اجنبی ہیں، یا گویا کہ آپ راستہ سے

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح(حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح دون قوله " :وعُدَّ نفسک من أهل القبور "فهو حسن لغيره، ليث -وهو ابن أبي سليم -وإن كان ضعيفًا -قد توبع(حاشية سنن ابنِ ماجه)

گزرنے والے (مسافر) ہیں، اور خود کو قبر والوں میں (یعنی مردہ) شمار کرو (سنن ابنِ ماجہ)

خواجہ ابوطالب کہنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ہمارے استادِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ تلمیذ شیخُ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (فاضل دیوبند 1938ء) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام بھی بڑے ادب سے لیتے تھے، درسِ قرآن میں جب اس مقام پر پہنچے، تو کیفیت بدل گئی، رقت طاری ہوگئی، بہت زور دے کر فرمایا، ایمان کی قدر کرو، قدر کرو، ورنہ اتنی قربانیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیتِ دائمی خواجہ ابی طالب کو حاصل نہ ہوسکی، ادب کی وجہ سے خواجہ ابی طالب فرمایا کرتے تھے'' ۔انتہٰی۔

کلام:

اولاً تو لفظِ ''خواجہ'' مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے ''خواجہ'' بعض علاقوں میں بطور لقب کے ''سادات'' کے لیے، اور بعض علاقوں میں ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی ماں سیدزادی اور باپ شیخ ہو، اور بعض علاقوں میں انصار کے لیے اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، اور بعض علاقوں میں کسی جگہ، یا مکان کے مالک کو ''خواجہ'' کہا جاتا ہے۔

اس موقع پر، مولانا مذکور کے ابوطالب کو ''خواجہ'' کہنے کے متعلق، کسی متعین معنیٰ کی توضیح ضروری ہے، تاکہ اس کی روشنی میں اس لقب کے درست و نادرست ہونے کا حکم معلوم کیا جاسکے۔

دوسرے مولانا مذکور کا جو مقولہ، جناب نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''بہت زور دے کر فرمایا، ایمان کی قدر کرو، قدر کرو، ورنہ اتنی قربانیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیتِ دائمی خواجہ ابی طالب کو حاصل نہ ہوسکی''

یہ بات واقعہ کے مطابق ہے، اور اس سے ہمارے نقل کردہ موقف کی تائید ہوتی ہے، جس طرح قرآن وسنت کی روشنی میں خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابوطالب کی، والد کے قائم مقام نسبتوں اور قربانیوں کے ہوتے ہوئے، ایمان کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیتِ دائمی حاصل نہ ہوسکی۔

اسی طرح قرآن وسنت کی روشنی میں خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، آپ کے والدین کی نسبتوں اور قربانیوں کے ہوتے ہوئے، ایمان کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیتِ دائمی حاصل نہ ہوسکی۔

اگر ہم نے یہ موقف، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ''خواجہ'' کے الفاظ استعمال کیے بغیر بیان کردیا، اور دیگر اہلِ علم حضرات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے لیے بھی یہ موقف ''خواجہ'' کے الفاظ استعمال کیے بغیر، بیان کرتے ہیں، تو اس سے کون سی بے ادبی لازم آ گئی، بالخصوص جبکہ قرآن وسنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور والدین کا مذکورہ حکم بیان کرتے وقت ''خواجہ'' کے الفاظ بھی استعمال نہیں کیے گئے۔

حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت ہے:

لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَائَہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ عِنْدَہُ أَبَا جَهْلٍ، وَعَبْدَ اللّٰہِ بْنَ أَبِیْ أُمَیَّةَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا عَمِّ، قُلْ: لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، کَلِمَةً أَشْهَدُ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰہِ، فَقَالَ أَبُوْ جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ أَبِیْ أُمَیَّةَ: یَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْرِضُهَا عَلَیْہِ، وَیُعِیْدُ لَہُ تِلْکَ الْمَقَالَةَ

حَتّٰی قَالَ أَبُوْ طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبٰى أَنْ يَّقُوْلَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا وَاللّٰهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ" وَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ أَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ" (صحيح مسلم، رقم الحديث "٣٩" ٢٤ " كتاب الإيمان، باب أول الإيمان قول لا إله إلا الله)

ترجمہ: جب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، ابوطالب کے پاس اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے چچا! آپ "لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھ لیجیے، یہ ایسا کلمہ ہے کہ میں اس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آپ کے لیے گواہی دوں گا، اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوطالب کے سامنے بار بار "لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھنے کا کہتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری کلام ان سے یہی کیا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں، اور انہوں نے "لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے سے انکار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں آپ (یعنی ابوطالب) کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے آپ کے لیے استغفار کرنے سے روکا نہیں جائے گا، پھر اللہ

عزوجل نے (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل فرمائی:

" مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ "

''نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق (سورہ قصص کی) یہ آیت بھی نازل فرمائی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

"اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ"

''بے شک آپ نہیں ہدایت دے سکتے، اس کو جس سے آپ محبت کریں، اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اور وہ زیادہ جانتا ہے، ہدایت دیے جانے والے لوگوں کو'' (مسلم)

صحیح مسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيْنَ أَبِيْ؟ قَالَ: فِي النَّارِ، فَلَمَّا قَفّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ أَبِيْ وَأَبَاكَ فِي النَّارِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٠٣ "٣٤٧" كتاب الإيمان، باب بيان أن من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تناله شفاعة، ولا تنفعه قرابة المقربين)

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کہاں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں، پھر جب وہ آدمی پیٹھ پھرا کر جانے لگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا کہ میرے والد اور

آپ کے والد جہنم میں ہیں (مسلم)

اور مسند احمد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَهُ قَرِيْبٌ مِنْ أَلْفِ رَاكِبٍ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ فَقَامَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَفَدَاهُ بِالْأَبِ وَالْأُمِّ يَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ؟ قَالَ: إِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ فِيْ اسْتِغْفَارٍ لِأُمِّيْ، فَلَمْ يَأْذَنْ لِيْ، فَدَمَعَتْ عَيْنَايَ رَحْمَةً لَهَا مِنَ النَّارِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٣٠٠٣)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر میں) تھے، ہم ایک جگہ اترے، اور ہم ایک ہزار کے قریب سوار تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھیں، پھر ہماری طرف اپنے چہرے سے متوجہ ہوئے، اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر گئے، اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ کو کیا ہوا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ (آمنہ) کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، تو میرے رب نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، پس میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، والدہ کے لیے آگ سے رحم کی وجہ سے (مسند احمد)

فائدہ: مذکورہ حدیث کی سند صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔ [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة الحسن بن موسى -وهو الأشيب البغدادى-، وأما متابعه أحمد بن عبد الملك -وهو ابن واقد الحرَّانى-، فهو ثقة من رجال البخارى وحده .زهير :هو ابن معاوية بن حُديج الجعفى، وابن بريدة :هو عبد الله كما جاء مصرحاً باسمه فى الرواية السالفة(حاشية مسند الإمام أحمد بن حنبل ، تحت رقم الحديث : ٢٣٠٠٣)

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے، وہی موقف اور حکم بیان کیا، جو قرآن وسنت کی روشنی میں متقدمین وسلفِ صالحین سے ثابت ہے، جو کہ موجودہ دور کے علماء اور اکابر حضرات کے مقابلے میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھنے میں غیر محتاط نہیں تھے۔

اب ہم بھی بہت زور دے کر یہی کہتے ہیں کہ ایمان کی قدر کرو، قدر کرو، اس کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور معیتِ دائمی، آپ کے والدین کو بھی حاصل نہ ہوسکی، تو کسی اور کو کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؟

اور یہ وہی بات ہے، جو حضرت علی رضی اللہ کے پڑپوتے حضرت حسن بن حسن نے فرمائی، اور باحوالہ پیچھے درجِ ذیل الفاظ میں گزری:

''ویحکم لو کان اللّٰہ نافعا بقرابة من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بغیر عمل بطاعته لنفع بذلک من هو أقرب إلیه منا أباه وأمه، واللّٰہ إنی لأخاف أن یضاعف للعاصی، من العذاب ضعفین، واللّٰہ إنی لأرجو أن یؤتی المحسن منا أجره مرتین''

''تمہارا ناس ہو، اگر اللہ، اپنے عملِ اطاعت کے بغیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے، کسی کو نفع پہنچانے والا ہوتا، تو یقیناً اس کا نفع ان شخصیات کو ضرور پہنچاتا جو ہمارے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قرابت دار ہیں، یعنی آپ کے والد اور والدہ، اور اللہ کی قسم مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہم میں سے گناہ گار کو دُہرا عذاب ہو، اور مجھے اس بات کی بھی امید ہے کہ ہم میں سے نیک عمل کرنے والے کو دہرا اجر وثواب حاصل ہو''۔ انتہیٰ۔

صحابی کے خطاء والے واقعہ کو بیان کرنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''مناظرِ اسلام حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ جب کسی صحابی کی کسی خطا کا کوئی واقعہ بیان کیا جائے، اور عوام کے ذہن میں شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر یوں کہا کرو کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یوں کیا''۔ انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کی فلاح وکامیابی، صداقت اور اصحابِ رحمت ومغفرت ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں دی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(سورة التوبة، رقم الآيات ٨٨، و ٨٩)

ترجمہ: لیکن رسول اور وہ لوگ جو رسول کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، یہ لوگ ان (جنتوں) میں ہمیشہ رہیں گے، یہ ہے عظیم الشان کامیابی (سورہ توبہ)

رسول کے ساتھ ایمان لانے اور آپ کے ساتھ جان ومال سے جہاد کرنے والے صحابۂ کرام ہی تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فلاح اور کامیابی پانے والے قرار دیا، اور اس کے بعد ان کے لئے جنتوں کے تیار کرنے کا ذکر فرمایا، اور پھر اس کو عظیم الشان کامیابی قرار دیا، جس سے

صحابۂ کرام کی فضیلت وعظمت معلوم ہوئی۔

اور سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورة الأعراف، رقم الآية ١٥٧)

ترجمہ: سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی اور اس کی نصرت کی اور اس نور کی اتباع کی، جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن مجید) یہی لوگ ہیں، فلاح پانے والے (سورہ اعراف)

یہ تمام صفات صحابۂ کرام کی بیان ہوئی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والا اور کامیاب قرار دیا ہے۔

سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا (سورة الفتح، رقم الآية ٢٩)

ترجمہ: محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ رسول کے ساتھ ہیں (یعنی صحابۂ کرام) وہ کافروں پر شدید ہیں، آپس میں رحمدل ہیں، آپ انہیں دیکھیں گے رکوع کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے، اللہ کے فضل اور رضا کو تلاش کرتے ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، یہی ان کی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپل

نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کاشت کاروں کو خوش کرنے لگا، تاکہ (اللہ) ان کے ذریعہ سے کافروں کو غیظ دلائے، اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور اعمالِ صالحہ کئے، ان سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا (سورہ فتح)

اس تفصیلی آیت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم الشان فضیلتیں معلوم ہوئیں۔

سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (سورة الفتح، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہوا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، پس اس نے ان پر سکینہ نازل کر دیا اور انہیں اس کے صلہ میں جلد ہی فتح دے دی (سورہ فتح)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے۔

اور درخت کے نیچے بیعت سے مراد صلح حدیبیہ کے موقع کی بیعت ہے، جس کو بیعتِ رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ (بخاری، رقم الحدیث ۴۸۴۰)

ترجمہ: ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو افراد تھے (بخاری)

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

بِإِحُسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنُهُمُ وَرَضُوا عَنُهُ وَأَعَدَّ لَهُمُ جَنَّاتٍ تَجُرِیُ تَحُتَهَا الْأَنُهَارُ خَالِدِيُنَ فِيُهَا أَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوُزُ الْعَظِيُمُ (سورة التوبة، رقم الآية ١٠٠)

ترجمہ: اور جو لوگ پہلے ہجرت میں سبقت کرنے والوں میں سے ہیں، اور جو انصار میں سے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ عظیم الشان کامیابی ہے (سورہ توبہ)

اس آیت میں نہ صرف مہاجر وانصار صحابۂ کرام کی عظیم فضیلت کا بیان ہوا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہیں، بلکہ جو لوگ عمل میں صحابۂ کرام کی اتباع کریں گے، وہ بھی ایک درجہ میں اس فضیلت کے مستحق ہو جائیں گے۔ [1]

اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جو خطاء ولغزش صادر ہوئی، اس پر انہوں نے سچی توبہ کر لی، جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امُرَأَةً مِنُ جُهَيُنَةَ أَتَتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حُبُلٰى مِنَ الزِّنٰى، فَقَالَتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَصَبُتُ حَدًّا، فَأَقِمُهُ عَلَيَّ، فَدَعَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا، فَقَالَ: أَحُسِنُ إِلَيُهَا، فَإِذَا وَضَعَتُ فَأُتِنِيُ بِهَا، فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ، فَشُكَّتُ

---

[1] (والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار) وهم من شهد بدرا أو جميع الصحابة (والذين اتبعوهم) إلى يوم القيامة (بإحسان) فی العمل (رضی الله عنهم) بطاعته (ورضوا عنه) بثوابه (وأعد لهم جنات تجری تحتها الأنهار) وفی قراءة بزيادة من (خالدين فيها أبدا ذلک الفوز العظيم (تفسير الجلالين، سورة التوبة، رقم الآية ١٠٠)

عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: تُصَلِّيْ عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَّوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى؟ (مسلم، رقم الحديث ١٦٩٦ "٢٤" كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى)

ترجمہ: ایک عورت جہینہ قبیلہ کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس حال میں کہ وہ زنا سے حاملہ تھی، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں حد کے جرم کو پہنچی ہوں، پس آپ مجھ پر (حد) قائم کریں، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا، اور فرمایا کہ اسے اچھی طرح رکھنا، جب حمل وضع ہو جائے، تو اسے میرے پاس لے آنا، پس اس نے ایسا ہی کیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بارے میں حکم دیا، تو اس پر اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیئے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، تو اسے سنگسار کر دیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس نے زنا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ والوں میں ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے، تو انہیں کافی ہو جائے، اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے پیش کر دیا ہے (مسلم)

اسی بناء پر کسی صحابی کی خطاء کے باعث اس کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ

أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ، ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيفَهُ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٣٦٧٣، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو، پس اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے، تو وہ اُن (یعنی صحابہ) کے ایک مُد، بلکہ اس کے آدھے حصہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا (بخاری)

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ أُمِرُوْا بِالاِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبُّوْهُمْ (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ٣٣٠٨٥، كتاب الفضائل، باب ما ذكر فى الكف عن أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے بارے میں استغفار کا حکم دیا گیا، مگر لوگوں نے (بدقسمتی سے) ان کو برا بھلا کہا (ابنِ ابی شیبہ)

اس طرح کی اور بھی نصوص آئی ہیں، جن کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضمون میں ذکر کردی ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی طرح معصوم سمجھنا، اور ان سے کسی بھی قسم کی خطاء کے صدور کا انکار کرنا، یا ایسا انداز اختیار کرنا، جس سے صحیح اور معتبر احادیث میں مذکور مضامین کا انکار لازم آئے، یہ بھی حد سے تجاوز اور غلو میں داخل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ

الْـخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۴۲۵۱، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بنی آدم خطاء کار ہے، اور خطاء کاروں میں بہترین وہ ہیں، جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں (سنن ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۷۲۱۹، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين، باب فضل الأمة، ذكر الإخبار عما وضع الله بفضله عن هذه الأمة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر اکراہ کیا جائے، معاف کر دیا ہے (ابنِ حبان)

چنانچہ احادیث کی اسناد اور روایات کے باب میں محدثینِ عظام نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ''عدول'' قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''عدول'' ہونا ''خطاء'' سے ''معصوم'' ہونے کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ ''فیضُ القدیر للمناوی'' میں ہے کہ:

جهالة الصحابى لا تضر لأنهم عدول (فيض القدير للمناوى، ج۲ص ۴۰۲، تحت رقم الحديث ۲۱۴۶)

ترجمہ: صحابی کی ''جہالت'' مُضِر نہیں، کیونکہ وہ عادل ہیں (فیض القدیر)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن إن شاء الله، رجاله ثقات غيرَ على بن مسعدة، وهو مختلف فيه(سنن ابنِ ماجه)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخارى، رجاله ثقات رجال الشيخين غير بشر بن بكر، فمن رجال البخارى(حاشية صحيح ابنِ حبان)

اور ''فیضُ القدیر للمناوی'' ہی میں ایک مقام پر ہے کہ:

ولا یقدح جهالة الصحابی لأن الصحب کلهم عدول (فیض القدیر للمناوی، ج۵ص ۲۸۴، تحت رقم الحدیث ۷۳۰۹)

ترجمہ: اور صحابی کا ''مجہول'' ہونا (احادیث کی اسناد میں)، قدح کا باعث نہیں، کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں (فیض القدیر)

اور ''صحیحُ البخاری'' کی شرح ''عمدةُ القاری'' میں ہے کہ:

وفیه: صحابی مجهول، ولکن جهالة الصحابی لا تضر صحة الإسناد (عمدة القاری للعینی، ج۶ص ۱۵۱، کتاب مواقیت الصلاة، باب وضوء الصبیان ومتی یجب علیهم الغسل والطهور وحضورهم الجماعة والعیدین والجنائز وصفوفهم)

ترجمہ: اور اس روایت میں مجہول صحابی ہیں، لیکن صحابی کی جہالت، سند کے صحیح ہونے میں مُضِر نہیں (عمدۃ القاری)

اور ''صحیحُ البخاری'' کی شرح ''عمدةُ القاری'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

والعدول الثقات غیر معصومین من الخطأ (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۱۴، ص۱۰۷، کتاب الوصایا، باب من أتاه سهم غرب فقتله)

ترجمہ: اور عادل ثقہ خطاء سے معصوم نہیں ہیں (عمدۃ القاری)

اور ''مرقاةُ المفاتیح شرح مشکاةُ المصابیح'' میں ہے کہ:

جهالة الصحابی لا تضر، فإن الصحابة کلهم عدول (مرقاة المفاتیح، ج۹ص ۴۰۴۳، کتاب المناقب والفضائل، باب ذکر الیمن والشام وذکر أویس القرنی)

ترجمہ: صحابی کی جہالت مُضِر نہیں، کیونکہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں (مرقاۃ المفاتیح)

نیز ''مرقاةُ المفاتیح شرح مشکاةُ المصابیح'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

سبق أن إبهام الصحابى لا يضر ;لأن الأصح ;بل الصواب أن الصحابة كلهم عدول، ومن وقع له منهم زلة وفقه ا للّٰه للتوبة ببركة ما حل عليه من الصحبة، ولو باللحظة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۱۳۱۴، كتاب الزكاة ،باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له)

ترجمہ: یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابی کا مبہم ہونا، مُضِر نہیں، کیونکہ زیادہ صحیح، بلکہ درست بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب عادل ہیں، اوران میں سے جس کی طرف سے کوئی خطاء واقع ہوئی، تو اللہ نے اس کوصحبت کی برکت سے، اگرچہ ایک لمحہ کی ہو، توبہ کی توفیق عطاء فرمادی (مرقاۃ المفاتیح)

اورعلامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی ''غايةُ المقال'' میں ہے کہ:

جهالة الصحابى لا تضر عند أرباب الحديث؛ لأن الصحابة كلهم عدول(غاية المقال فيما يتعلق بالنعال لعبدالحيى اللكنوى، ص ۲۵، فصل فى الصلاة وما يتعلق بها، مشمولة: مجموعة رسائل اللكنوى ،ج ا ص ۱۸۱، الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، الطبعة الاولىٰ ۱۴۱۹ هـ)

ترجمہ: صحابی کی جہالت، اربابِ حدیث کے نزدیک مضر نہیں، کیونکہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں (غایۃ المقال)

اور ''مرعاةُ المفاتيح شرح مشكاةُ المصابيح'' میں ہے کہ:

جهالة الصحابى لا تضر فى الخبر حيث كلهم عدول، قال النووى فى التقريب: الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به –انتهى .وارجع إلى التدريب (204)

والمراد بالعدالة فی قولهم "الصحابة كلهم عدول "هو التجنب عن تعمد الكذب فی الرواية وانحراف فيها بارتكاب ما يوجب عدم قبولها، كما صرح بذلک الشاه عبد العزيز الدهلوی فی بعض إفادته .

قال السخاوی فی فتح المغيث: قال ابن الأنباری: ليس المراد بعدالتهم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصية منهم، وإنما المراد قبول رواياتهم من غير تكلف البحث عن أسباب العدالة وطلب التزكية إلا أن يثبت ارتكاب قادح، ولم يثبت ذلک انتهى. وارجع إلى ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی (ص312، 311)

(مرعاة المفاتيح، ج ا ص ا ا ٢، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الثالث)

ترجمہ: صحابی کی جہالت حدیث میں مضر نہیں، کیونکہ وہ سب عادل ہیں، امام نووی نے ''التقريب'' میں فرمایا کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں، خواہ وہ لابسِ فتن ہوں، یا دوسرے ہوں، اس پر ان سب کا اجماع ہے، جن کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے، اور ''التدريب'' کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اور محدثین کے تمام صحابۂ کرام کو ''عدول'' قرار دینے میں عدالت سے مراد، روایت میں جان بوجھ کر جھوٹ بولنے سے اجتناب کرنا، اور ان چیزوں کے ارتکاب سے بچنا ہے، جو روایت کے قبول نہ ہونے کا باعث بنتی ہیں، جیسا کہ اس کی شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے بعض افادات میں تصریح فرمائی ہے۔

امام سخاوی نے ''فتح المغيث'' میں فرمایا کہ ابنُ الانباری نے فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام کی عدالت سے مراد، ان کے لیے عصمت کا ثبوت اور ان سے معصیت کا محال و ناممکن ہونا نہیں ہے، بلکہ ان کی روایات کو عدالت کے اسباب اور طلبِ

تزکیہ کی بحث کے تکلف کے بغیر قبول کرنا مراد ہے، الَّا یہ کہ کسی باعثِ ردوقدح چیز کا ارتکاب ثابت ہو، جبکہ یہ ثابت نہیں، مزید تفصیل کے لیے ''**ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی**'' کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے (مرعاۃ المفاتیح)

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں اس مسئلے کے متعلق ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے کہ:

سوال :...... **الصحابة كلهم عدول** یعنی صحابہ سب عادل ہیں، کی تشریح فرمایئے۔

جواب :...... اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ **الصحابة كلهم عدول** یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم سب عادل ہیں، اس عقیدہ کے بارے میں بارہا حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم قدس اللہ سرّہٗ العزیز کے حضور میں بحث اور تفتیش واقع ہوئی تھی، آخر میں یہ منقح ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنیٰ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں قطعی طور پر عادل ہونا مراد نہیں، حدیث کی روایت میں جس عدالت کا اعتبار ہے، اس سے مراد پرہیز کرنا، روایت میں قصداً دروغ کہنے سے پرہیز کرنا ہے، اور پرہیز کرنا اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا خوف ہو، ہم نے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ان صحابہ کی جو کہ فتنہ اور باہمی مخالفت میں مبتلا ہوئے تھے، ان کی سیرت کی بھی تحقیق کی، تو میں نے سب صحابہ کو ایسا پایا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، اس بات کی نسبت جناب آنحضرت صلی اللہ کی طرف کی جائے، نہایت سخت گناہ ہے، اور ایسی بات کہنا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور جو حقیقت نہ ہو، اس بات سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پرہیز کرتے تھے۔

چنانچہ یہ امر اہلِ سیر پر ظاہر ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے کا کچھ نشان سابق کی کتبِ عقائد میں نہیں اور نہ سابق کی کتب کلام میں ہے، یعنی یہ امر متقدمین علماءِ کرام کے نزدیک مسلم تھا، اس وجہ سے اس میں کچھ بحث کی نوبت نہ آئی اور اسی وجہ سے سابق کی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں، صرف متاخرین محققین نے اس کا ذکر اصولِ حدیث میں کیا ہے، وہاں جہاں رواۃ کے طبقات کی تعدیل بیان کی ہے۔

پھر علمائے کرام نے یہ عقیدہ ان کتابوں سے عقائد کی کتابوں میں نقل کیا اور یہ ان لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے بلاغور وتعمق حدیث اور کلام میں خلط کیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ عدالت کہ اس سے علمائے اصول کی غرض متعلق ہے، وہ عدالت مراد ہے کہ اس کا اعتبار روایت میں ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ پرہیز کیا جائے، روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کیا جائے اس امر سے کہ اس سے نقل میں انحراف ہونے کا خوف ہو، دوسرے اور معنیٰ نہیں، تو اس صورت میں کلیہ میں مطلقاً اشکال نہیں۔ **واللّٰہ اعلم** (فتاویٰ عزیزی، ص:۳۶۲، بابُ العقائد، بعنوان: الصحابہ کلہم عدول کی تشریح، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، طبعِ جدید: ۱۴۱۲ ہجری)

مذکورہ تفصیل سے صحابۂ کرام کی شان میں بے جا غلو کرنے والوں کے طرزِ عمل پر روشنی پڑ گئی۔

اور ناصر الدین البانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

وأما جهالة الصحابى فلا تضر قطعا لأنهم عدول (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج۴ص ۲۷۵، تحت رقم الحديث ۱۷۰۰)

ترجمہ: اور صحابی کی جہالت قطعاً مضر نہیں، کیونکہ صحابۂ کرام عادل ہیں (سلسلۃ الاحاديث الصحيحة)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

ومعلوم أن جهالة الصحابى لا تضر؛ لأنهم كلهم عدول عند أهل السنة(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج٧ص ١٢٩١، تحت رقم الحديث ٣١٠٧)

ترجمہ: اور یہ بات معلوم ہے کہ صحابی کی جہالت مضر نہیں، کیونکہ وہ اہلُ السنۃ کے نزدیک عادل ہیں(سلسلةُ الاحاديث الصحيحة)

دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ۱؎

اکابر کے سہو وتسامح سے بداعتمادی وبدظنی پر کلام

جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں (بخاری شریف کی شروحات کے حوالے سے)

۱؎ واستدل بها على أن من الصحابة رضى الله تعالى عنهم من ليس بعدل لأن الله تعالى أطلق الفاسق على الوليد بن عقبة فيها، فإن سبب النزول قطعى الدخول وهو صحابى بالاتفاق فيرد بها على من قال :إنهم كلهم عدول ولا يبحث عن عدالتهم فى رواية ولا شهادة.

وهذا أحد أقوال فى المسألة وقد ذهب إليه الأكثر من العلماء السلف والخلف .

وثانيها أنهم كغيرهم فيبحث عن العدالة فيهم فى الرواية والشهادة إلا من يكون ظاهرها أو مقطوعها كالشيخين.

وثالثها أنهم عدول إلى قتل عثمان رضى الله تعالى عنه ويبحث عن عدالتهم من حيث قتله لوقوع الفتن من حينئذ وفيهم الممسک عن خوضها .

ورابعها أنهم عدول إلا من قاتل عليا كرم الله تعالى وجهه لفسقه بالخروج على الإمام الحق وإلى هذا ذهبت المعتزلة.

والحق ما ذهب إليه الأكثرون وهم يقولون :إن من طرأ له منهم قادح ككذب أو سرقة أو زنا عما بمقتضاه فى حقه إلا أنه لا يصر على ما يخل بالعدالة بناء على ما جاء فى مدحهم من الآيات والأخبار وتواتر من محاسن الآثار، فلا يسوغ لنا الحكم على من ارتكب منهم مفسقا بأنه مات على الفسق. ولا ننكر أن منهم من ارتكب فى حياته مفسقا لعدم القول بعصمتهم وأنه كان يقال له قبل توبته فاسق لكن لا يقال باستمرار هذا الوصف فيه ثقة ببركة صحبة النبى صلى الله عليه وسلم ومزيد ثناء الله عز وجل عليهم كقوله سبحانه:'' وكذلک جعلناكم أمة وسطا''أى عدولا وقوله سبحانه:''كنتم خير أمة أخرجت للناس''إلى غير ذلک، وحينئذ إن أريد بقوله :إن من الصحابة من ليس بعدل ان منهم من ارتكب فى وقت ما ما ينافى العدالة فدلالة الآية عليه مسلمة لكن ذلک ليس محل النزاع، وإن أريد به أن منهم من استمر على ما ينافى العدالة فدلالة الآية عليه غير مسلمة كما لا يخفى(روح المعانى، ج١٣،ص٢٩٨، ٢٩٩،سورة الحجرات)

ایک قسط وار مضمون حضرت مولانا محمد عمر فاروق لوہاروی کا شائع ہوا، ایک عظیم محدث حضرت مولانا شبیر الحق صاحب مدظلہم (خیرُ المدارس، ملتان) سے اس کے بارے میں بات کی کہ انہوں نے بڑا علمی اور تاریخی مضمون لکھا ہے، جہاں جہاں سہو ہوا تھا، انہوں نے نشان دہی کی، اور اب اس موضوع پر ایک رسالہ بھی شائع کر دیا، انہوں نے میری مکمل بات اطمینان سے سنی، اور پھر اس پر دو واقعات سنائے، اور آخر میں فرمایا اس طرح کرنے سے اکابر پر بداعتمادی و بدظنی ہوتی ہے، جس مقام پر سہو ہو، وہیں نشان دہی کر دی جائے، الگ سے رسائل اس پر شائع نہیں کرنے چاہییں''۔انتہٰی۔

کلام :

اولاً تو جناب نے جن شخصیت کو ''عظیم محدث'' قرار دیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا قول ہر ایک پر حجت ہو، اور ہر مسئلے کو بیان کرنے کا انداز ایک جیسا ہو، بلکہ اس کا دارومدار ضرورت وحالات پر ہے، کسی مسئلے پر ضمنی کلام کافی ہوتا ہے، اور کسی مسئلے پر مستقل مضمون لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی، بھی علمی شخصیت ہیں، جو دارالعلوم لندن، یو۔کے، میں شیخ الحدیث ہیں، ان کے علمی مضامین، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں، کیا ان کے خلاف، موصوف مولانا شبیر الحق صاحب کا قول حجت ہے، اور آپ کو اپنی پسند کی بات جس عالم سے دستیاب ہو، وہ تو عظیم بھی ہے، اور محدث بھی ہے، لیکن جس کی بات پسند نہ ہو، اس کے علمی مقام کی کوئی اہمیت نہیں، خواہ اس کے علمی مقام کو دارالعلوم دیوبند کے علماء تسلیم کریں، اور ان کے اس مضمون کو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع بھی کریں، تو بھی آپ کے خیال میں اکابر پر بداعتمادی و بدظنی کا سبب ہے، جو دور بیٹھ کر دوربین سے ملتان اور آپ کے علاقہ میں ہی دکھائی دیتا ہے۔

اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے ہر دور میں حسبِ ضرورت وحسبِ حالات یہ کام ہوتا آیا ہے۔

اور اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ جس مسئلے میں سہو وتسامح، اس نوعیت کا ہو کہ اس میں اہلِ علم حضرات کا بھی ایک بڑا طبقہ مبتلا ہوگیا ہو، اس پر مستقل مضمون ورسالے کی شکل میں کام کرنے کی اہمیت زیادہ ہوجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں محققین واصحابِ علم حضرات کی طرف سے ایسے رسائل ومضامین شائع ہوئے، جن میں ان سے پہلے کے اکابر وعلماء سے سہو وتسامح صادر ہوا تھا۔

اور اس سہو وتسامح کی نشان دہی ان کے اصاغر کی طرف سے کی گئی ، اور مستقل مضامین ورسائل تحریر کیے گئے، اور ان مضامین ورسائل کے متعلق اس طرح کے الزام عائد نہیں کیے گئے، جو جناب اپنے بعض اساتذہ کے حوالہ جات پیش کر کے عائد کرنا چاہتے ہیں، اور اگر کوئی اس کے برخلاف محققین کے تعامل کو آنجناب کے سامنے پیش کرے، تو پھر کس کی بات کو حجت سمجھا جائے گا۔

نیز اس مسئلہ پر دوسرا موقف رکھنے والوں نے کیا مستقل رسائل نہیں لکھے۔

رہا اکابر پر بد اعتمادی وبدظنی کا خدشہ، تو یہ خدشہ ان لوگوں کو پیش آتا ہے، جنہوں نے اکابر کو اپنے درجے سے بڑھا دیا ہو، یا علمی واجتہادی اختلاف کو اپنے درجے سے بڑھا دیا ہو، یا پھر نری جہالت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے، جس کا علاج یہ ہے کہ اکابر اور علمی واجتہادی اختلاف کو اپنے درجے پر رکھنے کی تعلیم وتبلیغ کی جائے، اور جہالت کے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

پھر کیا دوسرے موقف کے مطابق رسائل لکھنے والوں کے کام سے متقدمین پر بے اعتمادی، اور اس سے بڑھ کر لعنت وملامت کا سلسلہ شروع نہ ہوا۔

اور کیا ہم نے اپنے مضمون میں دوسرے موقف کے حاملین پر لعنت وملامت کی؟

موجودہ اکابر کی بڑے اکابر کے بارے میں عمدہ آراء کا مسئلہ

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''جب موجودہ اکابر بوجہ ادب کے بڑے اکابر کے بارے میں ایسی عمدہ آراء و خیالات رکھیں، اوران کی عظمت کا لحاظ رکھیں، تو خود رحمتِ کائنات کی نسبتوں کا ہمیں کیسے خیال نہیں رکھنا ہوگا؟ یہ بھی تو قابلِ غور ہے''۔ انتہٰی۔

کلام :

ایک تو آنجناب اپنی مرضی سے کسی بھی شخصیت کا ملفوظ مبارک نقل کر کے ان کو بہت جلدی سے ''ہمارے اکابر، ہمارے اکابر'' کے لقب سے سرفراز فرمادیتے ہیں، اس طرح اپنے اکابر کے ملفوظات اگر بندہ سنانے لگے، تو شاید جناب کو سننے کی فرصت بھی مشکل سے میسر آئے۔

پھر خود ہی موجودہ اکابر، اور بڑے اکابر کی تقسیم بھی فرمادیتے ہیں، اوراس کو دوسرے پر بطور حجت کے پیش بھی کرتے ہیں۔

جبکہ ان چیزوں کا دوسرے پر حجت ہونا ضروری نہیں۔

اگران باتوں کے مقابلہ میں دوسرا، قرآن وسنت کی معتبر نصوص، اور جلیلُ القدر محدثین ومجتہدین کی تصریحات کو حجت سمجھے، تو آپ کی ان باتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

دوسرے آپ جس کے سامنے رحمتِ کائنات کی نسبتوں کا درس دینا چاہتے ہیں، کیا اس نے کسی ایسی نسبت کا انکار کیا ہے، جو شریعت کے معتبر دلائل سے ثابت ہے۔

تیسرے کیا ابوجہل، ابولہب، ابوطالب سے رحمتِ کائنات کی نسبتیں نہ تھیں، لیکن کیا یہ نسبتیں ایمان، اورنجاتِ اخروی کو مستلزم ہیں؟ جبکہ اصل زیرِ بحث مسئلہ ایمان وکفر کی نسبت کا ہی ہے۔

ہم نے قرآن وسنت کی معتبر نصوص، اور جمہور کی اتباع میں کسی ثابت شدہ نسبت کا انکار نہیں کیا، بلکہ اسی نسبت کا انکار کیا، جس نسبت کا، خود اللہ اور اس کے رسول نے انکار کیا، بلکہ ہم نے تو اس کو صرف نقل کیا، اور اس کی تردید کرنے والوں کو دلائلِ شرعیہ سے جواب دیا۔

تو کیا یہ کہنا درست قرار پاسکتا ہے کہ نعوذ باللہ، خود اللہ اور اس کے رسول نے ان نسبتوں کا خیال نہیں رکھا، جن نسبتوں کے خیال رکھنے کی جناب کو خواہش ہے؟

یہ بات ہمارے، بجائے خود جناب کے لیے ہی قابلِ غور ہے؟

بڑے عالم کے والد کو اَن پڑھ و جاہل کہنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اگر کسی شخص کو لوگ بڑا عالم کہیں، اور اس کے سامنے اس کے والد گرامی کو خدانخواستہ اَن پڑھ، گنوار اور جاہل کہیں، اور یہ حقیقت بھی ہو، تو یقیناً اس عالم کو ناگوار ہوگا۔

ایسے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے روحانی باپ ہیں، تو ان کی نسبت امت، ایسی باتیں جو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی ہوں، کیسے برداشت کرے گی''۔انتھٰی۔

کلام:

اولاً تو یہاں اَن پڑھ، گنوار اور جاہل کہنا زیرِ بحث ہے ہی نہیں، بلکہ ایسی نسبت زیرِ بحث ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان کردہ ہے، اور وہ نسبت اَن پڑھ، گنوار اور جاہل کہنے کے مقابلہ میں آخرت کے اعتبار سے، زیادہ نقصان دہ ہے، پس اگر اس نسبت کو کوئی اپنی جہالت کی وجہ سے اَن پڑھ، گنوار اور جاہل کہنا سمجھتا ہے، تو یہ اس کی اپنی جہالت ہے، اور ایسی صورت میں وہ اس جہالت کی وجہ سے مذکورہ نسبت کو نعوذ باللہ، اللہ اور اس کے رسول کی

طرف منسوب کرنے کا الزام عائد کرنا چاہتا ہے۔

دوسرے کفر اور اس کے باعثِ جہالت ہونے کی نسبت تو اللہ کے ایک جلیلُ القدر نبی نے بھی خود اپنے والد کی طرف کی ہے، اور اللہ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا .إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَاأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا .يَاأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَاءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا .يَاأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا .يَاأَبَتِ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا .قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِيْ يَاإِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا . قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ إِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (سورة مريم، رقم الآيات ۴۱ الیٰ ۴۷)

ترجمہ: اور ذکر کیجیے کتاب میں ابراہیم کا، بے شک وہ تھے، نہایت سچے نبی۔ جب کہا انہوں نے اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ! کیوں عبادت کرتے ہو تم، اُس کی، جو نہ سنتا ہے، اور نہ دیکھتا ہے، اور نہ ہی فائدہ دے سکتا تمہیں، کسی چیز کا۔ اے میرے باپ! بلاشبہ آ گئی میرے پاس علم کی وہ چیز، جو نہیں آئی تمہارے پاس، پس اتباع کرو تم میری، دکھاؤں گا میں تمہیں سیدھا راستہ۔ اے میرے باپ! نہ عبادت کرو تم شیطان کی، بے شک شیطان ہے، رحمٰن کا نافرمان۔ اے میرے باپ! بے شک مجھے خوف ہے، اس بات کا کہ چھوئے تمہیں عذاب، رحمٰن کی طرف سے، پھر ہو جاؤ گے تم شیطان کے دوست۔ کہا اس (یعنی ابراہیم کے باپ) نے کہ کیا اعراض کرتے ہو، تم میرے معبودوں (یعنی بتوں) سے اے

ابراہیم! اگر نہیں باز آئے تم، تو میں ضرور رَجم کردوں گا تمہیں، اور چھوڑ دو تم مجھے ایک مدت تک۔ کہا ابراہیم نے کہ سلام ہو تم پر، عنقریب استغفار کروں گا میں، تمہارے لیے، اپنے رب سے بے شک وہ میرے ساتھ بڑا مہربان ہے (سورہ مریم)

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورة الأنعام، رقم الآية ٧٤)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، کیا بناتے ہو تم بتوں کو معبود، بے شک میں دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں (سورہ انعام)

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ. وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (سورة التوبة، رقم الآيات، ١١٢، ١١٣)

ترجمہ: نہیں حق حاصل نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں۔

اور نہیں تھا، استغفار، ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کردی (ابراہیم نے) ان سے (سورہ توبہ)

تیسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے زمانہ کو خود شریعت نے جاہلیت کا زمانہ قرار دیا ہے، اور اس زمانہ کے لوگوں کو اہلِ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ، أَنْ أُدْخِلَ الجَدْرَ فِي البَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٥٨٤، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها)

ترجمہ: اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا، اور مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ ان کے دل اس کو ناپسند سمجھیں گے، تو میں حطیم کو بیتُ اللہ میں داخل کر دیتا، اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا (بخاری)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِنْ صِلَةٍ، وَعَتَاقَةٍ، وَصَدَقَةٍ، هَلْ لِّيْ فِيهَا مِنْ أَجْرٍ؟ قَالَ حَكِيمٌ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٥٩٩٢، كتاب الادب، باب من وصل رحمه فى الشرک ثم أسلم)

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا ان کاموں کے بارے میں کیا حکم ہے، جو میں جاہلیت کے زمانے میں (یعنی اسلام لانے سے پہلے) کرتا تھا، مثلاً اچھا سلوک، غلام کی آزادی، اور صدقہ خیرات، کیا میرے لیے ان کاموں میں اجر وثواب ہوگا؟ حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ تم پچھلی نیکیوں کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمان ہوئے ہو (یعنی وہ ضائع نہ جائیں گی) (بخاری)

امُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الْأَنْصَارَ كَانُوا يُهِلُّوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لِصَنَمَيْنِ عَلٰى شَطِّ الْبَحْرِ،

يُقَالُ لَهُمَا إِسَافٌ وَنَائِلَةُ، ثُمَّ يَجِيئُونَ فَيَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَحْلِقُونَ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كَرِهُوا أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَهُمَا لِلَّذِي كَانُوا يَصْنَعُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَتْ : فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" إِلٰى آخِرِهَا، قَالَتْ: فَطَافُوا (مسلم رقم الحديث ١٢٧٧ "٢٥٩" كتاب الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا والمروة ركن لا يصح الحج إلا به)

ترجمہ: جاہلیت کے زمانہ میں سمندر کے ساحل پر انصار دو بتوں کے نام کا احرام باندھتے تھے، ان بتوں کو اساف اور نائلہ کہا جاتا تھا، پھر وہ آتے اور صفا ومروہ کے درمیان طواف (سعی) کرتے، پھر حلق کراتے (یعنی سر منڈاتے) تو جب اسلام آیا، تو انہوں نے صفا ومروہ کے درمیان طواف (یعنی سعی) کو اس وجہ سے کہ جاہلیت کے زمانہ میں وہ اس طرح کرتے تھے، ناپسند کیا (مسلم)

حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: كَانَ ذُو الْمَجَازِ، وَعُكَاظٌ مَتْجَرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كَأَنَّهُمْ كَرِهُوا ذٰلِكَ، حَتّٰى نَزَلَتْ: "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ" فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٢٠٧٧، كتاب الحج، باب التجارة أيام الموسم، والبيع فى أسواق الجاهلية)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجاز اور عکاظ (نامی بازار) کے لوگ جاہلیت کے زمانے میں تجارت کیا کرتے تھے، پھر جب اسلام آ گیا، تو مسلمانوں نے گویا کہ اس تجارت کو (جاہلیت والوں کا کام ہونے کی وجہ سے) مکروہ سمجھا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ:

''لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِنۡ رَّبِّكُمۡ ''

''نہیں ہے تم پر کوئی حرج اس میں کہ تلاش کرو تم فضل کو اپنے رب کے''

حج کے زمانے میں (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ قُرَيۡشًا كَانَتۡ تَصُوۡمُ يَوۡمَ عَاشُوۡرَاءَ فِي الجَاهِلِيَّةِ، ثُمَّ أَمَرَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بِصِيَامِهٖ حَتّٰى فُرِضَ رَمَضَانُ، وَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: مَنۡ شَاءَ فَلۡيَصُمۡهُ وَمَنۡ شَاءَ أَفۡطَرَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٨٩٣، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان)

ترجمہ: قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے روزوں کا حکم دیا، یہاں تک کہ جب رمضان کے روزے فرض کیئے گئے، تو رسول اللہ نے فرمایا کہ جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے، اور جو چاہے نہ رکھے (بخاری)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُنۡتُ نَذَرۡتُ فِي الۡجَاهِلِيَّةِ أَنۡ أَعۡتَكِفَ لَيۡلَةً فِي الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ، قَالَ: فَأَوۡفِ بِنَذۡرِكَ (صحيح البخارى،رقم الحديث ٢٠٣٢،كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلا؛ مسلم، ١٦٥٦ "٢٧")

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں یہ نذر (ومنت) مانی تھی کہ میں ایک رات کا مسجدِ حرام میں اعتکاف کروں گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنی نذر (ومنت) کو پورا کیجئے (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الجَزُوْرَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا (صحيح البخارى، رقم الحديث ۲۱۴۳، كتاب البيوع، باب بيع الغرر وحبل الحبلة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حبل الحبلة'' کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہ ایک بیع تھی، جس کا رواج جاہلیت کے زمانہ میں تھا، ایک شخص اونٹنی اس شرط پر خریدتا تھا کہ اس کی قیمت اس وقت دے گا، جب وہ اونٹنی بچہ جنے، اور پھر اس بچہ کے بچہ پیدا ہو (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ صَوْتًا مِنْ قَبْرٍ فَقَالَ: مَتٰى مَاتَ هٰذَا؟ قَالُوْا: مَاتَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَسُرَّ بِذٰلِكَ، وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ (سنن النسائى، رقم الحديث ۲۰۵۸، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے آواز سنی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کب فوت ہوا ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ جاہلیت میں فوت ہو گیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہو گئے، اور فرمایا کہ اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑتے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ وہ تمہیں قبر کے عذاب کو سنا دے (نسائی)

مذکورہ احادیث و روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ پر ایمان لانے سے قبل کے زمانہ کو جاہلیت کا زمانہ، اور اس دور کے لوگوں کو اہلِ جاہلیت قرار دیا گیا ہے۔

تو کیا اس دور کے لوگوں کو جاہل، کہنا بے ادبی میں داخل ہوگا؟ خواہ وہ کسی عظیم ترین صحابی کے والد ہی کیوں نہ ہوں، اور صحابی کا درجہ عام عالم سے زیادہ ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔ [1]

البتہ کوئی شرعی حکم بیان کرنے کے بجائے، نعوذ باللہ نبی پر طعن کے طور پر ایسی بات کہے، تو اس کے ضلالت، بلکہ کفر ہونے میں شبہ نہیں، لیکن یہاں بحث ''شرعی حکم'' سے ہے، اور ان دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جیسا کہ ابوبکر ابنِ عربی وغیرہ کے حوالہ سے آگے ذکر آتا ہے۔

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ:728ھ) کی اہلِ تشیع کی تردید میں تحریر کردہ، تالیف ''منهاجُ السنة'' کی یہ عبارت پہلے گذر چکی ہے کہ:

ويقدحون في عائشة (أم المؤمنين ، فيقولون -أو من يقول منهم :-إن آزر أبا إبراهيم كان مؤمنا، وإن أبوى النبي -صلى الله عليه وسلم -كانا مؤمنين، حتى لا يقولون :إن النبي يكون أبوه كافرا، فإذا كان أبوه كافرا أمكن أن يكون ابنه كافرا، فلا يكون في مجرد النسب فضيلة.

وهذا مما يدفعون به أن ابن نوح كان كافرا لكونه ابن نبي، فلا يجعلونه كافرا مع كونه ابنه، ويقولون أيضا :إن أبا طالب كان

---

[1] كما أرسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون. فاذكروني أذكركم واشكروا لي ولا تكفرون.

يذكر تعالى عباده المؤمنين ما أنعم به عليهم من بعثة الرسول محمد صلى الله عليه وسلم إليهم يتلو عليهم آيات الله مبينات، ويزكيهم، أي يطهرهم من رذائل الأخلاق ودنس النفوس وأفعال الجاهلية، ويخرجهم من الظلمات إلى النور ويعلمهم الكتاب، وهو القرآن، والحكمة وهي السنة، ويعلمهم ما لم يكونوا يعلمون، فكانوا في الجاهلية الجهلاء يسفهون بالعقول الغراء ، فانتقلوا ببركة رسالته، ويمن سفارته، إلى حال الأولياء ، وسجايا العلماء .فصاروا أعمق الناس علما، وأبرهم قلوبا، وأقلهم تكلفا، وأصدقهم لهجة(تفسيرابن كثير، ج ا ،ص ۴۳۵،سورة البقرة)

مؤمنا .ومنهم من يقول :كان اسمه عمران، وهو المذكور فی قوله تعالی :(إن اللّٰه اصطفی آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران علی العالمين)

وهذا الذی فعلوه مع ما فيه من الافتراء والبهتان ففيه من التناقض وعدم حصول مقصودهم ما لا يخفی .وذلک أن كون الرجل أبيه أو ابنه كافرا لا ينقصه (ذلک) عند اللّٰه شيئا، فإن اللّٰه يخرج الحی من الميت ويخرج الميت من الحی.

ومن المعلوم أن الصحابة أفضل من آبائهم، وكان آباؤهم كفارا

(منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية، ج۴،ص ۳۴۹، ۳۵۰، الفصل الثانی فی أن مذهب الإمامية واجب الاتباع،الرد علی قوله إن عائشة كانت تأمر بقتل عثمان من وجوه)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آنجناب جس قسم کی بے تکی اور بے سروپا باتوں کو اہمیت دے کر دوسرے پر الزام قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کی شریعت کی روشنی میں کوئی اہمیت نہیں، بلکہ وہ خود ہی درحقیقت جہالت پر مبنی، اور روافض کے مشابہ ہیں۔

سکوت کے راہِ عافیت ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''(جبکہ عافیت کی راہ بھی موجود ہے:قال بعض المحققين: أنهٗ لا ينبغی ذكر هذا المسئلة الا مع مزيد الأدب، وليست من المسائل التی يضر جهلها، أو يسئل عنها فی القبر، أو فی الموقف، فحفظ للسان عن التكلم فيها الا بخير أولٰی و أسلم)(فتح الملہم:۱/۵۳۶)''۔

انتہٰی۔

کلام:

مذکورہ عبارت دراصل شامی کی ہے، جس کو ''فتحُ الملهم'' میں صرف نقل کیا گیا ہے۔ [1]
اور ہم اس پر اپنے مضمون میں ایک سے زیادہ مقام پر باحوالہ کلام کر چکے ہیں، لیکن بات وہی ہے کہ بہرے کے سامنے بین بجانے کا کیا فائدہ؟
اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اس مسئلہ میں کسی مسلمان کو نفیاً واثباتاً تعرض کرنا، مناسب نہیں، اور اس کے بجائے خاموشی مناسب ہے۔
تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ تعالیٰ کسی کی طرف سے اس طرح کا حکم لگانے کی پابندی اللہ، اور اس کے رسول پر بھی عائد کی جاسکتی ہے؟
ظاہر ہے کہ اس طرح کی پابندی اللہ اور اس کے رسول پر عائد نہیں کی جاسکتی۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ (سورة الانبياء، رقم الآية ٢٣)

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی بات فرماتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔
ایسی صورت میں سب سے زیادہ سلامتی اور عافیت والا راستہ یہ ہوگا کہ خود اس طرح کے مسئلہ میں نفیاً واثباتاً کوئی بھی رائے قائم نہ کی جائے، اور خود سے کوئی بھی حکم لگانے سے سکوت اختیار کیا جائے۔
لیکن جو حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان کر دیا گیا، اس کو من وعن نقل وبیان کرنا، پھر بھی مذکورہ سلامتی اور عافیت کے خلاف ہرگز نہ ہوگا، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو حکم بیان کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ سلامتی اور عافیت والا راستہ،

---

[1] وبالجملة كما قال بعض المحققين :أنه لا ينبغي ذكر هذه المسألة إلا مع مزيد الأدب. وليست من المسائل التي يضر جهلها أو يسأل عنها في القبر أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم(رد المحتار على الدر المختار، ج٣،ص١٥٨)

اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہی نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کو نقل و بیان کرنے سے منع کیا گیا ہو، بلکہ یہ مسئلہ من جملہ ان احکام میں سے ہے، جن کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تبلیغ اگر مطلوب نہ ہو، تو محمود ہونے سے کم بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بھی اس حکم کو بیان کرنے کے لیے کسی پردہ داری اور راز داری کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلوت اور مجمعِ عام میں یہ مسئلہ برملا بیان فرمادیا، جس میں نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بے ادبی سمجھا، اور نہ بے ادبی کا ذریعہ سمجھا، اور نہ ہی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کی توہین و بے ادبی سمجھا، اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لیے اس بات کو آگے نقل و بیان کرنے سے مجھے ایذاء و تکلیف پہنچے گی، جس کی وجہ سے تمہارے ایمان میں خلل واقع ہوگا، یا تم پر اللہ کی لعنت ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ۔

اگر ایسا ہوتا، تو ہرگز کسی صحابی کو اس طرح کی احادیث وروایات اور واقعات کو آگے نقل کرنے کی جرائت وہمت نہ ہوتی۔

اب اگر طرفین سے خود اس مسئلہ کی مستقل طور پر نفیاً واثباتاً تبلیغ ترک کردی جائے، تب بھی قرآن مجید کی آیات کو قرآن مجید سے، اور معتبر احادیث کو کتبِ احادیث سے، نکالنا ممکن و درست نہیں، نیز قرآن مجید کے معانی ومطالب کی تفسیر و تفہیم کے لیے شانِ نزول اور احادیثِ نبوی بھی ناگزیر ہیں، نیز احادیثِ نبوی کی توضیح اور افہام و تفہیم کے لیے محدثین کی تشریح اور اسناد پر کلام بھی ناگزیر ہے۔

اس حیثیت سے کلام کی ضرورت پھر بھی پیش آئے گی، اور ایسی صورت میں اسی موقف کا ثبوت ہوگا، جس موقف سے سکوت کی آنجناب اور آپ کے اخوان خواہش رکھتے ہیں۔

پھر اس جدوجہد کا کیا فائدہ؟ اور اگر غور وفکر اور تدبر سے کام لیا جائے، تو بھی یہ پابندی

دراصل ان لوگوں پر ہی عائد ہوتی ہے، جو اس مسئلہ میں نصوص کے خلاف کوئی دوسرا موقف اختیار کرتے ہیں، یا کوئی دوسری بے اعتدالی شامل کرتے ہیں۔

اور اس بات پر اہلُ السنۃ والجماعۃ کے سلف اور خلف کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، اس کی تصدیق کرنا واجب ہے، خواہ وہ ہماری عقل کے موافق ہو، یا نہ ہو۔

اور ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کی آخرت و عاقبت کی حالت کا معلوم ہو کر، دکھ اور غم ہوا تھا، لہٰذا مومن کو بھی اس پر دکھ اور غم ہونا چاہیے، اور اسی حیثیت سے اس کو قبول کرنا چاہیے، اس پر خوشی و فرحت ہرگز نہیں ہونی چاہیے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا باعث ہوگا۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے تکلم وتلفظ، اور اس کا اظہار کیا، اسی کے مطابق عقیدہ بھی اختیار کیا، لہٰذا اس بات کا اپنی زبان سے اظہار کرنا، اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں داخل ہے۔

اور ایسے موقع پر سکوت کو اتباع سمجھنا، غلط فہمی ہے۔ [1]

---

[1] وقد اتفق أهل السنة والجماعة سلفًا وخلفًا على وجوب التصديق بكل ما قاله -صلى الله عليه وسلم -، سواء احتملته عقولنا أم لا، وسواء وافق أهواء نا وأمنياتنا أم لا، فكما نصدق أن آسيا زوجة فرعون في الجنة، وأن ابن نوح الذي عصاه في النار نصدق كذلك بأن أبويه -صلى الله عليه وسلم -ماتا على الكفر وأنهما في النار.

أما أن بعض العلماء قالوا :لا يجوز لأحد أن يقول ذلك فالأمر فيه تفصيل:

فأما أن يقوله الشخص بلا سبب، وأن يكرره فرحًا به، أو يعرض به تنقصًا، أو ينال منهما، فلا شك أن ذلك هو النفاق محضًا؛ لأن ذلك يؤذي النبي -صلى الله عليه وسلم -، وأذيته من أكبر الكبائر، وقد نهى -صلى الله عليه وسلم -أن يؤذي الأحياء بسبِّ الأموات، ولو كانوا أهلًا لذلك، فكيف به في عرضه ونفسه وأهله وماله -صلى الله عليه وسلم -.

أما إذا قال الرجل ذلك لسبب، كأن يرد الحديث فيبينه، أو يسأل عنه فيجيب، وكذلك إذا رفع المبتدعة عقيرتهم مكذبين بذلك، أو طاعنين فيمن يقول به، كما فعل السيوطي، فحينئذ يجوز، بل ربما يجب التصريح بذلك؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم -هو الذي ذكر ذلك جوابًا على السؤال.

ثم إن النبي -صلى الله عليه وسلم -وهو الذي تكلم بهذه النصوص وسمعها منه أصحابه وأدّوها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ شامی کے موقف پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا: **بعض محققین کا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ذکر، خاص ادب کے ساتھ کرنا مناسب ہے، اور یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن سے ناواقف ہونا نقصان دہ ہو، یا اس کے متعلق قبر، یا آخرت میں سوال کیا جائے** (علمی وتحقیقی رسائل:۱۲/۶۲۰)'' ۔انتہٰی۔

کلام :

یہ عبارت شامی کی اسی عبارت کا ترجمہ ہے، جس کو اس سے قبل جناب نے ''**فتح الملھم** '' کے حوالے سے نقل کیا، شاید اس کو الگ سے نقل کر کے جناب اپنی بات کا بھاؤ بڑھانا چاہتے ہیں، لیکن بات میں وزن تو دلائل سے پیدا ہوگا، اور آپ اس میدان کے شہ سوار ہیں ہی نہیں۔

جناب کو علامہ شامی کی عبارت پر ہماری طرف سے لکھے گئے حواشی پر بھی حسبِ معمول بلا دلیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لم یقل فی نص منها إنه لا یجوز لأحد أن یقول بما قلته، بل إن الصحابة أدَّوها ونقلوها، ولو کان لا یجوز لأحد أن یقول ذلک لما نقلوها، أو لَنُقِلَ عنهم شیء من ذلک، والواقع أنه لم یُنقل عن أحد منهم المنع من القول بما قاله -صلی الله علیه وسلم -وهل یجرؤ مؤمن بالله تعالی وبرسوله -صلی الله علیه وسلم -، موقِّر لسنته -صلی الله علیه وسلم -متبع لما جاء به أن یقول غیر ذلک؟ !

قال السیوطی :وقال الباجی فی شرح الموطأ :قال بعض العلماء :إنه لا یجوز أن یؤذی النبی -صلی الله علیه وسلم -بفعل مباح وغیره

نقول :لا علاقة لهذا الکلام بمسألتنا؛ فإننا نتفق علی أنه لا یجوز أن یؤذی النبی -صلی الله علیه وسلم -بأی فعل مباح أو غیر مباح، لکن هل یدخل فی الأذی له -صلی الله علیه وسلم -أن نقول بما قاله؟ ونؤمن بما جاء عنه، ونصدقه، ونمرَّ النصوص کما جاء ت بالقبول والتصدیق، دون تحریف لها عن مواضعها؟ اللهم لا(موسوعة محاسن الإسلام ورد شبهات اللئام،لاحمد بن سلیمان أیوب، ونخبة من الباحثین،ج۸،ص ۱۰۲، ۱۰۳،شبهات عن النبی صلی الله علیه وسلم ،شبهة: ادعاؤهم أن کفر أبوی النبی – صلی الله علیه وسلم – یقدح فیه)

اعتراض ہے، جیسا کہ جناب نے آگے ذکر کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس بات کا نصوص میں ذکر آ گیا، اس کا اسی حیثیت سے ذکر کرنے کو خاص ادب کے خلاف سمجھنے والا دراصل ادب کی حقیقت سے واقف ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح کے تو اور بھی بہت سے مسائل ہیں کہ جن سے ناواقف ہونا نقصان دہ ہو، یا ان کے متعلق قبر، یا آخرت میں سوال کیا جائے، کیا اس بنیاد پر ان کا نصوص کے مطابق ذکر کرنا ناجائز ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ یہ اصول کہ ''یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن سے ناواقف ہونا نقصان دہ ہو، یا اس کے متعلق قبر، یا آخرت میں سوال کیا جائے''

صرف اس طبقہ کے لیے ہی ایجاد کیا گیا ہے، جو نصوص کے مطابق ذکر کرتا ہو، یا ان لوگوں کے لیے بھی کارفرما ہے، جو صحیح اور معتبر احادیث ونصوص کے مقابلہ میں غیر صحیح اور غیر معتبر احادیث ونصوص کو پیش کر کے دھڑا دھڑ رسائل پر رسائل، اور مضامین پر مضامین لکھتے چلے آ رہے ہوں، اور منبر ومحراب پر اس کا ذکر کر کے، صحیح اور معتبر احادیث ونصوص کے مطابق موقف رکھنے والے پر ملعون وگستاخ کا بھی حکم عائد کرتے ہوں، کیا ان سب سے جناب جیسے بھولے لوگوں کے نزدیک، قبر، یا آخرت میں سوال نہ ہوگا۔

اور ایسی صورت میں اگر جناب، سکوت کو عافیت سمجھتے ہوں، اور صحیح اور معتبر احادیث ونصوص کی روشنی میں شریعت کا اصل حکم بیان کرنے کو جرم سمجھتے ہوں، تو سمجھتے رہیں، ہمارے نزدیک ایسی صورت میں سکوت کو عافیت سمجھنا، بلکہ سکوت اختیار کرنا جائز ہی نہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی جو عبارت ہم نے اپنے مضمون میں نقل کی ہے، وہ بمع حواشی کے صفحہ نمبر 616 تا 623 پر ملاحظہ کر لی جائے۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے جو علامہ ابنِ حجر مکی سے احیائے ابوین کی حدیث کا صحیح ہونا، نقل کیا ہے، علامہ ابنِ حجر مکی کا یہ قول بھی محدثین کی تصریحات کے خلاف ہے، اور اسنادِ

حدیث کے باب میں اصل محدثین ہی کے فیصلہ کا اعتبار ہوتا ہے ''لأن لكلِّ فن رجال''

جیسا کہ آگے آتا ہے۔

علامہ زبیدی کے موقف پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نفیاً واثباتاً تعرض سے سکوت کیا جائے (علمی تحقیقی رسائل: ۱۲/ ۶۱۵)''۔ انتھٰی۔

کلام :

کیا یہ نصیحت صرف ان جمہور اور ان کے متبعین حضرات کے لیے ہے، جن کا قول صحیح ومعتبر احادیث پر مبنی ہے، یا ان کے لیے بھی ہے، جنھوں نے غیر صحیح وغیر معتبر احادیث اور مرجوح توجیہات سے استناد کر کے نہ صرف یہ کہ اثباتِ ایمان ونجات سے تعرض کیا، بلکہ جمہور کے قول پر بڑے سخت احکامات بھی، ملعون، وگستاخ وغیرہ ہونے کے صادر فرما دیے؟

علامہ زبیدی نے اس موقع پر پہلے تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے کافر ہونے، اور مومن اور کافر کے درمیان ولایت منقطع ہونے کا ذکر کیا ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ''آزر'' کے کافر ہونے کی وجہ سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، اُن کے لیے استغفار کا نافع نہ ہونا، بیان کیا ہے۔

اور اس کے بعد ''صحیح مسلم'' کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدہ کی قبر کی زیارت کرنے، اور استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حدیث کو ذکر کیا ہے، اور اور ساتھ ہی اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے نازل ہونے کا ذکر کیا ہے کہ ''ولا تسئل عن اصحاب الجحيم''

پھر اس کے بعد فرمایا کہ جہاں تک آپ کے والدین کو زندہ کر کے ایمان لانے کی حدیث کا ذکر ہے، تو اس کو ''سہیلی'' نے ''الروض الانف'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند

سے ذکر کیا ہے، اور اسی طرح سے ''خطیب'' نے ''**السابق واللاحق**'' میں ذکر کیا ہے، لیکن سہیلی نے فرمایا کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، اور ابنِ کثیر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ اللہ عزوجل کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے ممکن ہے، لیکن یہ حدیث شدید منکر ہے۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ حافظ سیوطی نے نجاۃِ ابوین سے متعلق سات رسائل تالیف کیے ہیں، جن پر ان کے زمانے کے متعدد علماء اور ان کے بعد کے زمانے کے متعدد علماء نے رَد کیا ہے، اور میرا اس مسئلے کے بارے میں ایک رسالہ ہے، جس کا نام میں نے ''**الانتصار لوالدی النبی المختار**'' رکھا ہے۔

لیکن میں اس مسئلے میں نفیاً واثباتاً تعرض سے رکنے کو مناسب خیال کرتا ہوں۔ **واللہ اعلم**۔ [1]

---

[1] ونادی نوح ابنه وكان فی معزل يابنی اركب معنا ولا تكن مع الكافرين ،فكان من امتناعه من الركوب ماقص الله فی كتابه بقوله وحال بينهما الموج فكان من المغرقين (فقال)نوح لما رآه كذلك يارب (ان ابنی من أهلی) وان وعدك الحق ، وقد وعدتنی ان تنجی أهلی ،فما حاله أو فماله لم ينج ،ويجوزان يكون هذا قبل غرقه ،فرد الله تعالى عليه (فقال (يانوح) انه ليس من أهلك) لقطع الولاية بين المؤمن والكافر ،وأشار اليه بقوله (انه عمل غير صالح) أی ذو عمل فاسد ،فجعل ذاته ذات العمل للمبالغة ،ثم أبدل الفاسد بغير الصالح تصريحا بالمناقضة بين وصفيهما (وان ابراهيم) عليه السلام (استغفر لابيه) آزر (فلم ينفعه) ذلك ،وقد اعتذر الله سبحانه عنه فی كتابه العزيز فقال وماكان استغفار ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها اياه الٰی قوله ان ابراهيم لاواه حليم (وان نبينا استأذن أن يزور قبر أمه)آمنة بنت وهب وذلك بالأبواء (ويستغفر لها فأذن له فی الزيارة ،ولم يؤذن له فی الاستغفار ،فجلس يبكی على قبر أمه ، لرقته لها بسبب القرابة ، حتى أبكی من حوله)قال العراقی :رواه مسلم من حديث أبی هريرة اهـ.

وفی الوسيط للواحدی عند قوله تعالى "ولا تسأل عن أصحاب الجحيم" قال قرأ نافع بفتح التاء الفوقية وجزم اللام على النهی للنبی -صلّى الله عليه وسلم -وذلك أنه سأل جبريل عليه السلام عن قبر أبيه وأمه ،فدله عليهما ،فذهب إلى القبرين ودعا وتمنى أن يعرف حال أبويه فی الآخرة فنزلت اهـ.

قلت :وروى عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر عن محمد بن كعب القرظی قال قال رسول الله -صلّى الله عليه وسلم -ليت شعری ما فعل أبوای فنزلت فما ذكرهما حتى توفاه الله وروى ابن جرير عن داود بن أبی عاصم أن النبی -صلّى الله عليه وسلم -قال ذات يوم أين أبوای فنزلت وأما حديث إحيائهما حتى آمنا به فأورده السهيلی فی الروض من حديث عائشة وكذا الخطيب فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ زبیدی کی عبارت میں مذکور دلائل سے بھی جمہور کے قول کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ استغفار کی اجازت نہ ملنے کی احادیث کا تو معتبر سند کے ساتھ مروی ہونا، انہوں نے خود نقل کیا ہے، اور''احیاءِ ابوین'' کی حدیث کی سند میں مجہول راوی ہونا، اور اگرچہ اللہ عزوجل کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس کا ممکن ہونا، لیکن اس حدیث کا شدید منکر ہونا، انہوں نے تسلیم کیا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کے مسائل میں معتبر نصوص ہی کا اعتبار ہوا کرتا ہے، اور ان کے مقابلے میں مجہولُ السند اور شدید منکر روایت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

جہاں تک ان کے رسالے کا تعلق ہے، تو ان کا یہ رسالہ علامہ سیوطی کے رسائل سے ماخوذ ہے۔

اور علامہ سیوطی پر اس مسئلے میں ان کے زمانے اور بعد کے زمانے کے متعدد علماء کی طرف سے رَد کا خود علامہ زبیدی نے ذکر فرما دیا ہے۔

اور علامہ زبیدی نے سب کچھ فرما کر اس مسئلے میں نفیاً و اثباتاً تعرض نہ کرنے کو مناسب قرار دیا ہے۔

لیکن انہوں نے جب علامہ سیوطی کی طرف سے تعرض اور دوسرے علماء کی طرف سے اس کی تردید کا ذکر کر دیا، تو اس سے نفیاً و اثباتاً دونوں طرح سے تعرض کا ثبوت ہو گیا۔

نیز علامہ زبیدی نے خود اس مسئلے پر مستقل رسالہ تالیف کر کے، ایک جہت سے کلام کر دیا، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السابق واللاحق وقال السهيلي في إسناده مجاهيل وقال ابن كثير إنه حديث منكر جداً وإن كان ممكناً بالنظر إلى قدرة الله عز وجل وقد ألف الحافظ السيوطي في نجاة الأبوين سبع رسائل ورد عليه فيها غير واحد من علماء عصره ومن بعدهم ولي في هذا الشأن جزء لطيف سميته الانتصار لوالدي النبي المختار -صلّى الله عليه وسلم- والذي أراه الكف عن التعرض لهذا نفياً وإثباتاً والله أعلم(اتحاف السادة المتقين ،ج٨ص ۴۳۹،۴۴۰، كتاب ذم الغرور ،مطبوعة: مؤسسة التاريخ العربي، بيروت، لبنان، تاريخ طبع:1414هـ، 1994ء)

ان کی طرف سے خود اس مسئلے میں تعرض ہو گیا، پھر اگر دوسرا بھی اس مسئلے میں جواباً تعرض کرے، تو اس میں کون سی برائی ہے، بالخصوص جبکہ وہ تعرض بھی قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور کے موقف اور ان کے دلائل کی روشنی میں ہو۔

نیز جناب خود بھی اس مسئلے میں ایک خاص جہت سے تعرض کو ترجیح دیتے ہیں۔

تو اس کے برعکس ایک شخص کا خود سے کسی مسئلے میں تعرض کر کے، دوسروں پر تعرض کا سدِ باب کرنا، اور اپنے حق میں جس عمل کو رَوا رکھا گیا، دوسرے کے حق میں اسی عمل کو غیر روا قرار دینا، مبنی بَر انصاف اور درست طریقہ نہیں۔

حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ١٣، كتاب الايمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند نہ کرے، جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری)

پھر حیرت ہے کہ جناب بندہ کے مضمون کے حوالہ سے ہی کوئی بات بھی نقل کرتے ہیں، لیکن اس کو پوری نقل نہیں کرتے، اور اس سے غلط نتیجہ اخذ کرنے کی بے جا کوشش فرماتے ہیں۔

علامہ زبیدی کے کلام سے متعلق، بندہ کے مضمون کی جو عبارت ہے، اب مذکورہ تفصیل کے بعد اس کو ملاحظہ فرما لیا جائے:

علامہ زبیدی نے ''احیاءُ علوم الدین'' کی احادیث کی تخریج وشرح میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کی سند میں ''مجہول'' راوی ہیں، اور ابنِ کثیر کے بقول یہ حدیث ''شدید منکر'' ہے، اگرچہ اللہ عزوجل کی قدرت سے زندہ کیا جانا ممکن ہے، لیکن اصل کلام اس کے ثبوت میں ہے، اور

حافظ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق سات رسائل تالیف کیے ہیں، جن کی اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد متعدد اہلِ علم حضرات نے تردید کی ہے (جن میں علامہ حلبی اور ملا علی قاری بھی داخل ہیں) اور میرا بھی اس سلسلہ میں ایک رسالہ ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں نفیاً اور اثباتاً تعرُّض سے سکوت اختیار کیا جائے۔

علامہ زبیدی کے کلام سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور پھر فوت کر دیئے جانے کی حدیث کا ثبوت محلِ نظر ہے، اور علامہ سیوطی نے جو اس سلسلہ میں سات رسائل تالیف کیے ہیں، ان کی متعدد اہلِ علم حضرات نے تردید کی ہے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے معاملہ سے سکوت کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق پہلے بھی ذکر کیا جا چکا، اور آگے بھی آتا ہے کہ ''سکوت'' کا مطلب یہ ہے کہ نہ نفیاً تعرض کیا جائے، اور نہ اثباتاً، لیکن اگر پہلے سے نفیاً و اثباتاً طولِ لاطائل تعرّض اور افراط و تفریط جاری ہو، تو پھر اہلِ تحقیق و اہلِ علم کے لیے معتدل اور صحیح تحقیق ضروری ہو جاتی ہے، تاکہ اس سلسلہ میں فاسد افکار و عقائد کی اصلاح کی جا سکے۔

(علمی و تحقیقی رسائل: ج ۱۲، ص ۶۱۵، و ۶۱۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے رسالہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ ''تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ'' بھی لکھا ہے''۔ انتہٰی۔

کلام :

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے متعلق، علامہ سیوطی ہی کی تقلید و پیروی کی ہے، اور اسی کی روشنی میں مذکورہ رسالہ بھی تالیف کیا ہے۔

چنانچہ ''تفسیرِ مظہری'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وقد صنف الشيخ الاجل جلال الدين السيوطى رضى اللّٰه عنه فى اثبات اسلام اباء النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رسائل وأخذت من تلك الرسائل رسالة فذكرت فيها ما يثبت إسلامهم ويفيد اجوبة شافية لما يدل على خلافه فللّٰه الحمد (التفسير المظهرى، ج ۱، ص ۱۲۰، ۱۲۱، سورة البقرة)

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ ''**وأخذت من تلك الرسائل رسالة**''

جس سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ رسالہ، علامہ سیوطی کے رسائل سے ماخوذ ہے۔

اس کے علاوہ ''تفسیرِ مظہری'' میں دوسرے مقامات پر بھی اس مسئلے پر کلام کیا گیا ہے، لیکن وہ کلام علامہ سیوطی سے ہی ماخوذ و مستفاد ہے، اور اس میں وہ تمام تسامحات موجود ہیں، جو علامہ سیوطی سے صادر ہوئے۔

چنانچہ امام رازی کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے، اور تمام ''**آباءُ النبی**'' کو مسلمان قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ یہ قول بنیادی طور پر اہلِ تشیع کا ہے، اور اس سے متعلق پیش کردہ دلائل بھی اہلِ تشیع کی طرف سے پیش کردہ ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] **قال الرازى انه كان عما لابراهيم ولم يكن أبوه وقد سبقه الى هذا القول جماعة من السلف قال الزرقانى فى شرح المواهب ان دليل كون آزر عما لابراهيم ما قد صرح به الشهاب الهيثمى بان اهل الكتابين والتاريخ اجمعوا ان آزر عم ابراهيم كما قال الرازى.**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک اور رسالہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''محدث وفقیہ حضرت مولانا عبدالخالق نوراللہ مرقدہٗ (ملتانی) نے بھی ایک رسالہ ''رحمۃ للعالمین ﷺ کے والدین جنتی ہیں'' لکھا ہے، جو مکتبہ حقانیہ نے شائع کیا ہے''۔ انتہٰی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال السیوطی روینا بالأسانید عن ابن عباس ومجاهد وابن جریر والسدی انهم قالوا لیس آزر أبا لابراهیم انما هو ابراهیم بن تارخ .

وقال السیوطی وقفت علی اثر فی تفسیر ابن المنذر صرح فیه بانه عمه وفی القاموس آزر اسم عم ابراهیم علیه السلام واما أبوه فانه تارخ بالخاء المهملة وقیل بالمعجمة او هما واحد ویؤید القول بانه لم یکن أبا له علیه السلام ما ذکرنا فی سورة البقرة فی تفسیر قوله تعالی ولا تسال عن اصحاب الجحیم انه صح عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه رواه البخاری .

وقد صنف السیوطی فی اثبات اسلام اباء النبی صلی الله علیه وسلم الی آدم علیه السلام رسائل والله اعلم لکن قال محمد بن إسحاق والضحاک والکلبی ان آزر اسم ابی ابراهیم واسمه تارخ ایضا مثل إسرائیل ویعقوب وقال مقاتل ابن حبان آزر لقب لابی ابراهیم واسمه تارخ قال سلیمان التیمی هو سب وعیب ومعناه فی کلامهم المعوج وقیل معناه الشیخ الهرم بالفارسیة وعلی هذا عدم انصرافه لانه اسم أعجمی حمل علی موازنه والاول أصح وقال سعید ابن المسیب ومجاهد آزر اسم صنم لقب به لانه کان یعبده او اطلق علیه بحذف المضاف یعنی عبد آزر (التفسیر المظهری، ج۳، ص ۲۵۶، ۲۵۷، سورة الانعام)

فمن المحال ان یکون بعض اباء النبی صلی الله علیه وسلم مع کونه محبوبا لله کافرا (التفسیر المظهری، ج۳، ص ۲۶۴، سورة الانعام)

وقد صنف الشیخ الاجل جلال الدین السیوطی رضی الله عنه رسائل فی اثبات ایمان أبوی رسول الله صلی الله علیه وسلم وجمیع ابائه وأمهاته الی آدم علیه السلام وخلصت منها رسالة سمیتها بتقدیس اباء النبی صلی الله علیه وسلم فمن شاء فلیرجع الیه وهذا المقام لا یسع زیادة التطویل فی الکلام (التفسیر المظهری، ج۴، ص۳۰۷، ۳۰۸، سورة الانعام)

الاولی ان یقال المراد منه تقلبک من أصلاب الطاهرین الساجدین لله الی أرحام الطاهرات الساجدات ومن أرحام السجدات الی أصلاب الطاهرین ای الموحدین والموحدات حتی یدل علی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کلام:

تو پھر یہاں جنتی ہونے کے فیصلہ کے بارے میں جناب کی طرف سے سکوت کے عافیت والا راستہ ہونے کی شکایت کہاں گئی؟ کیا یہ شکایت، اور پریشانی صرف دوسرے موقف کے ناطق کے بارے میں ہی مختص ہے، جبکہ وہ موقف، صحیح احادیث، اور جمہور اہلُ السنۃ کے مطابق ہے۔
اور واقعہ یہ ہے کہ اسی طرح کے مستقل رسائل بھی، بندہ کے تفصیلی مضمون کا باعث بنے، جن میں، صحیح احادیث، اور جمہور اہلُ السنۃ کے خلاف، علامہ سیوطی کی اتباع کرتے ہوئے سخت تسامح کا صدور ہوا۔

محض کسی کو محدث وفقیہ، اور حضرت کہہ دینا، اس کے موقف کے درست ہونے کے لیے کافی نہیں، اور جناب کا یہ طرزِ عمل واضح کرتا ہے کہ جناب کیا چاہتے ہیں۔

دلائل کے کسی غار میں پوشیدہ ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ان اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم کانوا مؤمنین کذا قال السیوطی وقال الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی (شعر)- :

وینقل أحد نورا عظیما ...تلألا فی وجوہ الساجدین
تقلب فیھم قرنا فقرنا ...الی ان جاء خیر المرسلین

ومما یؤید ھذا التأویل ما رواہ البخاری فی الصحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ وروی مسلم من حدیث واثلۃ بن الا سقع قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم إسماعیل واصطفی من ولد إسماعیل بنی کنانۃ واصطفی من بنی کنانۃ قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفائی من بنی ھاشم وروی البیھقی فی دلائل النبوۃ من حدیث انس قال ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ من خیرھما فاخرجت من بین ابوی ولم یصبنی شیء من عھد الجاھلیۃ خرجت من نکاح لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وأمی فانا خیرکم نفسا وخیرکم أبا -وقد صنف السیوطی رحمہ اللہ فی اثبات ایمان اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجمالا وتفصیلا کتابا وذکر فیہ ما لہ وما علیہ ولخصلت منہ رسالۃ فلیرجع إلیھا(التفسیر المظھری، ج۷، ص ۸۹، ۹۰، سورۃ الشعراء)

''پھر بھی جواب یہی ہو کہ دلائل ہیں؟ تو یہ دلائل کیا آج سے قبل نہ تھے، کیا کہیں کسی غار میں پوشیدہ تھے، اور آج آپ کے سامنے آ گئے، جو پہلے لوگ نہ پا سکے تھے، جن اکابر کے آپ نام لیوا ہیں، ان کے مقام و ادب کو بھی تو ملحوظِ خاطر رکھتے؟''۔انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلے میں ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ دلائل واقعی غار میں پوشیدہ ہرگز نہ تھے، آج سے قبل موجود تھے، کتبِ احادیث اور تفسیر میں بھی مذکور تھے، اور بندہ سے پہلے بھی ہر دور کے تقاضوں کے مطابق حسبِ ضرورت بیان ہوتے رہے، بندہ نے جن کتب سے حوالے جات ذکر کیے، وہ اپنا ثبوت آپ ہیں، آپ کے ان فیصلوں کے ہرگز محتاج نہیں۔

اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ نصوص وصحیح احادیث کے ہوتے ہوئے اتنا بڑا تسامح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، چودہ سو سالہ پیشتر، اور جمہور سلف وخلف کے بیان کردہ ٹھوس دلائل کو اس طرح نظر انداز کیا گیا، جیسا کہ وہ کہیں کسی غار میں پوشیدہ ہیں، غرضیکہ یہ شکایت کرنے کا اصل حق جس کو تھا، جناب اس سے ہی شکایت کر بیٹھے، اسی کو کہتے ہیں ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' اسی قسم کی بے تکی باتیں تو اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کا باعث بنتی ہیں، جس کا سبب جناب جیسے افراد ہیں، پھر شکایت دوسروں سے کی جاتی ہے، اور بلا دلیل، بلکہ خلافِ دلیل اکابر کے مقام و ادب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنے کا رونا رویا جاتا ہے، ہم نے اکابر کو اکابر ہی سمجھا، کون سا ان سے اکابر کے لقب کو چھین کر اس پر اپنا قبضہ وتسلط جما لیا، کیا اکابر کے متعلق آپ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کو اس آیت کا مصداق بنا لیا جائے:

''اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

ایسے جرم کی بندہ سے توقع رکھنا، تضییعِ اوقات ہے۔

انفرادی، یا تحقیقی رائے کے نجی مجالس تک محدود ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضورِ والا! کتنے بڑے بڑے جبال العلم گزر گئے، اور کسی مسئلہ میں دلائل کا زور ایک طرف، انفرادی، یا تحقیقی رائے الگ ہوتی، لیکن امت کے اتحاد و اتفاق کی خاطر وہ نجی مجالس تک ہی محدود رہتی تھی''۔انتھٰی۔

کلام:

ہم نے جو رائے اختیار کی، وہ انفرادی رائے ہے ہی نہیں، بلکہ جمہور کی تحقیقی رائے ہے، قرآن وسنت کے مضبوط دلائل بھی اسی طرف ہیں، اور امت کے اتحاد و اتفاق کا راستہ بھی اسی طرف سے گزرتا ہے، اس کے برخلاف رائے کو یہ مقام حاصل نہیں۔

جو بات قرآن وسنت میں مذکور ہو، اس کو نجی مجالس تک محدود رکھنے کے بجائے، تبلیغ وتشہیر کرنا مامور بہ ہے، اسی لئے بندہ نے جن کتب سے حوالہ جات پیش کیے، وہ دنیا بھر میں برسرِ عام شائع ہوتی رہیں، کیا نجی مجالس کی باتیں اس طرح قابلِ اشاعت ہوتی ہیں، اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صرف نجی مجالس کے لیے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کی اشاعت کی ترغیب وتاکید کیوں فرمائی، اور کیا آج ہمیں یہ دن بھی دیکھنا مقدر بنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی اشاعت کو امت کے اتحاد و اتفاق کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بھی بتایا جائے، جس کو قرآن نے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بتلایا تھا؟[1]

---

[1] باب الاعتصام بالكتاب والسنة:

العصمة :المنع، والعاصم الحامي، والاعتصام الاستمساك بالشيء افتعال منه .قال تعالى : ”واعتصموا بحبل الله جميعا“أى تمسكوا بالقرآن والسنة على سبيل الاستعارة كذا قيل، والمشهور أن المراد بحبل الله هو القرآن كما ورد فى بعض الأحاديث .والاعتصام به مستلزم الاعتصام بالسنة لقوله تعالى:” وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا“والمراد بالسنة هنا أقواله وأفعاله وأحواله المعبر عنها بالشريعة والطريقة والحقيقة، ولذاقال " :بعثت لأتمم مكارم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ اس کے برعکس مسئلہ ھٰذا سے ہی متعلق، ضعیف اقوال، اور تسامحات پر مشتمل مضامین ورسائل کی نشر واشاعت، اور منبر ومحراب سے تشہیر وتبلیغ کے طویل سلسلہ کے متعلق نجی مجالس تک محدود نہ رہنے کی نہ کوئی شکایت ہے، نہ کوئی ذکر، بلکہ جناب کی طرف سے اس قسم کے اقوال اور رسائل کی تحسین وتشجیع اور ہمیں، ان کی طرف ترغیب کی دعوت دی جارہی ہے۔

حالانکہ اس مسئلہ میں ضعیف اقوال، اور تسامحات پر مشتمل مضامین ورسائل کی نشر واشاعت، اور منبر ومحراب سے تشہیر وتبلیغ کا طویل سلسلہ ہی ہماری طرف سے اس پر مفصل ومدلل مضمون کی اشاعت کا ذریعہ بنا۔

اور جناب قرآن وسنت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اجتماعی موقف پر انفرادی رائے کی رٹ لگاتے لگاتے یہاں تک پہنچ گئے، لیکن ثبوت اور دلیل ندارد، کیا یہ طرزِ عمل اس کا مصداق نہیں کہ جھوٹ اتنا بولو کہ اس کو لوگ سچ سمجھنے لگیں۔

چند اہلِ علم حضرات کے اسمائے گرامی پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''محدثُ العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے حضرات کے اس سلسلہ میں نام شمار کرائے جاسکتے ہیں۔

امت کو آزمائشوں میں مبتلا کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ایسے مسائل کو ہم دل و

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأخلاق "وفى نظم الباب بالنسبة إلى ما قبله إشارة إلى أن بحث القضاء والقدر لا يتم إلا بالدليل النقلى، فإن الدليل العقلى هو الذى ورط القدرية والجبرية فى بيداء الظلمة والحيرة، وغاية ما فى الباب أن يكون من الحكم المجهولة عندنا .قال تعالى: "وما أوتيتم من العلم إلا قليلا" والتعبد المحض هو من كمال العبودية المقتضى للقيام بحقوق الربوبية(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ا ،ص ۲۲۱، ۲۲۲، كتاب الإيمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

دماغ میں لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جائیں، اور اس کا اظہار تقریراً، یا تحریراً نہ کریں''۔انتھٰی۔

کلام:

کیا کسی دینی مسئلہ کی تحقیق، اور حرفِ آخر کا مصداق صرف مذکورہ حضرات ہی ہیں، اور جن بہت سے حضرات کے اس سلسلہ میں بندہ نے حوالہ جات نقل کیے، ان کا کوئی مقام نہیں۔

اور ''ایسے مسائل کو دل و دماغ میں لے کر بارگاہِ الٰہی میں کس منہ سے حاضر ہوں، اور وہاں کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہوں'' ہم نے یہی راستہ تو بتلایا، اور اس کا ہی اظہار تحریراً کر دیا، پھر یہ کس اعتبار سے جرم بن گیا؟ ہم تو اس سلسلہ میں، اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ہی حجت سمجھتے ہیں، آپ کو حجت نہیں سمجھتے، جو قرآن وسنت کو قولِ فیصل بنانے کے بجائے، ادھر ادھر کی باتوں میں مشغولی کو ترجیح دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہوں۔

محدث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''فیضُ البارى'' میں ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دیا ہے۔[1]

اورانہوں نے ''أبُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق جو کچھ فرمایا، وہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔[2]

---

[1] ولإبراهيم عليه الصلاة والسلام مزيد اختصاص بها، حتى يقال للحنفية دين الفطرة، ألا ترى أنه كيف أجاب أباه آزر من فطرته مع كونه صبيا إذ ذاك(فيض البارى على صحيح البخارى، ج۳، ص۸۳، كتاب الجنائز ،باب بعد باب ما قيل فى أولاد المسلمين)

[2] حدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن الزهرى قال أخبرنى سعيد بن المسيب وأبو سلمة بن عبد الرحمن أن أبا هريرة قال قام رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حين أنزل الله (وأنذر عشيرتك الأقربين(الشعراء) قال يا معشر قريش -أو كلمة نحوها -اشتروا أنفسكم، لا أغنى عنكم من الله شيئا، يا بنى عبد مناف، لا أغنى عنكم من الله شيئا، يا عباس بن عبد المطلب، لا أغنى عنك من الله شيئا، ويا صفية عمة رسول الله، لا أغنى عنك من الله شيئا ويا فاطمة بنت محمد سلينى ما شئت من مالى، لا أغنى عنك من الله شيئا .تابعه أصبغ عن ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب.

قيل :إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام كيف تقدم إلى الشفاعة، مع علمه أن لا شفاعة فى الكافر؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز علامہ کشمیری نے ''فیضُ الباری'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

قلت :إذا صح الحديث، فليضعه على الرأس والعين، وإذا تعالى شيء منه عن الفهم، فليكله إلى أصحابه، وليس سبيله يجرح فيه(فيض البارى على صحيح البخارى، ج٦، ص ٢٧٠، كتاب الرقاق، باب التواضع)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ جب حدیث صحیح ہو، تو اس کو سر اور آنکھ پر رکھئے، اور جب اس کی کوئی بات سمجھ سے بالاتر ہو، تو اس کو اس کے اصحاب کے سپرد کردیجیے، اور اس کا راستہ یہ نہیں ہے کہ اس میں جرح کی جائے (فیض الباری)

اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ ''العرفُ الشذی'' میں فرماتے ہیں کہ:

فی مدخل البيهقی عن أبی حنيفة :إذا صح الحديث فهو مذهبی، وذكر البيهقی عن ابن المبارك عن أبی حنيفة :ما جاء عن النبی - صلى اللّٰه عليه وسلم -فعلى الرأس والعين، وما جاء من الصحابة نختار منهم، وما جاء عن التابعين فهم رجال ونحن رجال، أو قال : زاحمناهم (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج ا، ص ١٩٥، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى الصلاة الوسطى أنها العصر إلخ)

ترجمہ: ''مدخلُ البیهقی'' میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، اور بیہقی نے ابنِ مبارک سے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات آجائے، تو وہ سر اور آنکھ پر رکھنی چاہیے، اور جو بات صحابۂ کرام سے آئے، تو ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور جو بات تابعین سے آئے، تو وہ بھی ''رجال'' ہیں، اور ہم بھی ''رجال'' ہیں، یا یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قلت :وقد ثبت عندى أن الشفاعة تنفع فى الكفار أيضا، غير أنها لا تفيد النجاة وإن أفادت تخفيفا فى العذاب .وحينئذ جاز له أن يشفع لأبيه، كما أن أبا طالب يخفف له فى العذاب ببركة النبى صلى الله عليه وسلم فيجعل فى ضحضاح من النار(فيض البارى على صحيح البخارى، ج٥، ص ٣٥٢، سورة الشعراء، قوله :وأنذر عشيرتك الأقربين)

فرمایا کہ ہم ان سے مزاحمت کریں گے (العرف الشذی)

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد، اور ''ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں جو بات آ گئی، ہم اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس سلسلے میں کوئی بات سمجھ سے بالاتر ہو، تو اس کو اس کے اصحاب کے سپرد کرتے ہیں، اور اس سے متعلق وارد نصوصِ قرآنی اور صحیح احادیث میں جرح نہیں کرتے، اور اس مسئلے میں قرآن وسنت کی نصوص کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین واتباعِ تابعین اور ان کے زمانے کے بھی بعد تک، جو کچھ محدثین ومجتہدین اور مفسرین سے ثابت ہے، اس کو اختیار کرتے ہیں، اور اس کے برعکس بعد کے زمانے کے چند حضرات کے تسامحات کی اتباع نہیں کرتے، اور ان میں سے صالحین کے لیے رحمت کی دعاء بھی کرتے ہیں۔

اب جناب خود ہی فیصلہ فرمالیجیے کہ جن شخصیات کا نام لے کر آپ دوسرے پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں، جناب خود اُن کی طرف سے، پیش ونقل کردہ اصولی ہدایات وتعلیمات پر کس قدر عمل پیرا ہیں؟

مسئلہ ھٰذا پر علمائے امت کی مختلف آراء پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''مسئلہ ہٰذا اور علمائے کرام کے مواقف:

حضور والا! کم از کم یہ تو حقیقت ہے کہ مسئلہ ھذا میں تین آراء ہیں، تینوں آراء علمائے امت کی ہیں، راجح مرجوح کا مسئلہ اپنی جگہ کہ کس کے دلائل وزنی ہیں، یا کس کا رجحان کن دلائل کی طرف ہے۔

لیکن اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سکوت، یا ناجی ہونے کا عقیدہ بھی علمائے امت نے بیان کیا ہے۔

آپ نے اس معاملہ میں سخت ترین موقف اپنایا، جو آپ کا ذاتی ہوسکتا ہے، سب علمائے دیوبند، یا سب اسلاف کا نہیں ہے؟'' ۔انتہٰی۔

کلام :

پہلے تو جناب کے ذمہ لازم تھا کہ واضح فرماتے کہ مسئلہ ھٰذا میں وہ تین آراء، کون کون سی ہیں؟ آیا کہ وہی مشہور تین آراء، جن کا پرزور انداز میں علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے، اور وہ تینوں آراء نجات سے متعلق ہیں۔ [1]

یا ان میں قرآن وسنت کی نصوص اور صحیح ومعتبر احادیث پر مشتمل جمہور کا موقف بھی شامل ہے، جس کو علامہ سیوطی کوئی قابلِ ذکر مقام دینے کے لیے آمادہ بھی نہیں، اوراس کا قرآن وسنت اور متقدمین کے کلام میں ذکر ہونے، اوراس کا علامہ سیوطی خود سے ذکر کرنے کے باوجود، دوسروں کواس کا ذکر کرنے سے منع فرماتے ہیں، بلکہ اس کا ذکر کرنے پر ''ایـــــذاءُ النبی، اور لعنتِ الٰھی '' سے ڈراتے بھی ہیں، جس طرح آنجناب کا بھی یہی حال ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ: 911ہجری) نے اپنے رسالہ ''مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ '' میں پہلی رائے بعثت سے قبل فوت ہونے، اوردعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے ناجی ہونے کی نقل کی ہے۔ [2]

جبکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو دعوت نہ پہنچنے کا قول قرآن وسنت کی رُو سے نہایت ضعیف

---

[1] وأما السؤال الخمسون: فالجواب أنهما في الجنة، وقد ألفت في ذلك كتابا سميته " التعظيم والمنة "قررت فيه الأدلة على ذلك، وأقربها طرق: أحدها أنهما كانا على ملة إبراهيم الحنيفية، كورقة بن نوفل، وزيد بن عمرو بن نفيل، وغيرهما ممن تحنف في الجاهلية .والثاني أنهما كانا في الفترة، والفترة لا تكليف فيها .والثالث أنهما أحييا له صلى الله عليه وسلم وآمنا به(الحاوی للفتاوىٰ، ج۲ص ۳۸۲، الفتاوى النحوية وما ضم إليها، رسالة ''تعريف الفئة بأجوبة الأسئلة المائة'')

[2] المسلک الأول:

أنهما ماتا قبل البعثة، ولا تعذيب قبلها؛ لقوله تعالى:''وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا''(الحاوی للفتاویٰ، للسیوطی، ج۲، ص ۱۹۱ ،رسالة ''مسالک الحنفا فی والدی المصطفی''، رقم الرسالة ۶۸ ، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ:1421ھـ ، 2000م)

ہے، اوپر سے یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول کے بھی مخالف ہے، جس کی رو سے توحید کا مکلّف ہونے کے لیے دعوتِ عقل بھی کافی ہے، اور اس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری مفصل تالیف ''اہلِ فترۃ و جاہلیت کا حکم'' میں بیان کردی ہے۔

اور علامہ سیوطی نے دوسری رائے اُن سے شرک ثابت نہ ہونے کی نقل کی ہے، جس کو انہوں نے تسامح کی وجہ سے، امام رازی کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس رائے کے دلائل وہی ذکر کیے ہیں، جو متقدمین نے اہلِ تشیع کی طرف سے ذکر کیے ہیں، اور ان کو اہلُ السنۃ کے متقدمین نے رَد کردیا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [1]

دراں حالیکہ صحیح احادیث سے شرک کا ثبوت ملتا ہے، پھر شرک کے ثابت نہ ہونے کے قول کا کیا مطلب؟

اور علامہ سیوطی نے تیسری رائے ''احیاءِ ابوین'' کی ذکر کی ہے، جو اگر موضوع اور شدید ضعیف حدیث پر مبنی نہ ہو، تو ضعیف حدیث پر مبنی ہونے سے علامہ سیوطی کو بھی انکار نہیں۔ [2]

---

[1] المسلک الثانی: أنهما لم يثبت عنهما شرك بل كانا على الحنيفية دين جدهما إبراهيم عليه السلام، كما كان على ذلك طائفة من العرب كزيد بن عمرو بن نفيل، وورقة بن نوفل، وغيرهما، وهذا المسلك ذهبت إليه طائفة منهم الإمام فخر الدين الرازی(الحاوی للفتاویٰ، للسیوطی، ج۲، ص ۱۹۸، رسالة "مسالك الحنفا فی والدی المصطفی"، رقم الرسالة ۶۸، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ: 1421ھ، 2000م)

[2] المسلک الثالث:
أن الله أحيا له أبويه حتى آمنا به . وهذا المسلك مال إليه طائفة كثيرة من حفاظ المحدثين وغيرهم، منهم ابن شاهين والحافظ أبو بكر الخطيب البغدادی، والسهيلی، والقرطبی، والمحب الطبری، والعلامة ناصر الدين بن المنير، وغيرهم، واستدلوا لذلك بما أخرجه ابن شاهين فی الناسخ والمنسوخ، والخطيب البغدادی فی السابق واللاحق، والدارقطنی وابن عساكر، كلاهما فی غرائب مالك بسند ضعيف عن عائشة قالت: حج بنا رسول الله – صلى الله عليه وسلم – حجة الوداع فمر بی على عقبة بالحجون وهو باك حزين مغتم، فنزل فمكث عنی طويلا ثم عاد إلی وهو فرح مبتسم، فقلت له، فقال: ذهبت لقبر أمی فسألت الله أن يحييها فأحياها فآمنت بی وردها الله . هذا الحديث ضعيف باتفاق المحدثين، بل قيل: إنه موضوع، لكن الصواب ضعفه لا وضعه(الحاوی للفتاویٰ، للسیوطی، ج۲، ص ۲۱۸، ۲۱۹، رسالة "مسالك الحنفا فی والدی المصطفی"، رقم الرسالة ۶۸، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ: 1421ھ، 2000م)

اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ صحیح احادیث کے مقابلے میں ضعیف حدیث کا اعتبار نہیں ہوتا، چہ جائیکہ شدید ضعیف، یا موضوع حدیث کا اعتبار کیا جائے، نیز ضعیف حدیث سے کوئی عقیدہ بھی ثابت نہیں ہوتا، اور یہاں اس کا ایسا پختہ عقیدہ بنالیا گیا ہے کہ اگر کوئی اس عقیدے سے اختلاف کرے، تو اس کو گوارا نہیں کیا جاتا۔

نیز اس رائے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ پہلی دفعہ کی وفات کو شرک پر مانا جائے، ورنہ تو پھر دوبارہ زندہ کرنے، اور ایمان لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس حیثیت سے یہ رائے پہلی دو آراء کے خلاف ہے۔

چنانچہ نور الدین ابن برہان الدین علی بن ابراہیم بن احمد حلبی (المتوفیٰ:1044ھ) ''السیرةُ الحلبیة'' میں فرماتے ہیں کہ:

وهذا الحديث :أى حديث عائشة رضى الله تعالى عنها على تسليم ضعفه أى دون وضعه لا يكون ناسخا للأحاديث الصحيحة (السيرة الحلبية ،ج ا ،ص ١٥٥ ،باب :وفاة أمه صلى الله عليه وسلم وحضانة أم أيمن له وكفالة جده عبد المطلب له)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کے اگر ضعیف ہونے کو تسلیم کرلیا جائے، نہ کہ موضوع ہونے کو، تو بھی یہ صحیح احادیث کے لیے ناسخ شمار نہیں ہوسکتی (السیرةُ الحلبیة)

اس کے علاوہ علامہ سیوطی نے ایک رائے حدیثِ مسلم وغیرہ کو اپنے ظاہر پر باقی رکھ کر، سکوت کی ذکر کی ہے، اور اس کے ذکر کرنے کو باعثِ ایذائے نبی اور باعثِ لعنت ہونے کی، نقل کی ہے۔ [1]

---

[1] خاتمة: وجمع من العلماء لم تقو عندهم هذه المسالك فأبقوا حديثى مسلم ونحوهما على ظاهرهما من غير عدول عنها بدعوى نسخ ولا غيره، ومع ذلك قالوا: لا يجوز لأحد أن يذكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اصل موقف یہی صحیح حدیث والا ہے، اور اہلُ السنۃ، سلف وخلف اس رائے کو نقل کرتے آئے ہیں، تو پھر اس کے ذکر کرنے کو باعثِ ایذاء اور باعثِ لعنت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

نیز علامہ سیوطی نے ایک رائے مطلق سکوت کی ذکر کی ہے، لیکن انہوں نے خود اس مسئلہ کا ذکر کرکے، بلکہ مستقل رسائل تحریر فرما کر، اس کو عملی طور پر رد کردیا۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ علامہ سیوطی نے تین سے زیادہ آراء کا ذکر کیا ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اصل موقف سمجھنے اور بیان کرنے میں ان سے سخت تسامح کا صدور ہوا ہے، جو کہ قابلِ اتباع ہونے کے بجائے، قابلِ تنقید وتردید ہے۔

لیکن یہاں آنجناب جیسے کرم فرما حضرات کی طرف سے صورتِ حال یہ ہے کہ اس تسامح کی اتباع پر اصرار کیا جاتا ہے، اور اس کی تردید کو گوارا نہیں کیا جاتا، اوپر سے آپ جیسے کرم فرما حضرات کی طرف سے خلافِ واقعہ یہ الزام بھی قائم کیا جاتا ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک، قال السهيلي في "الروض الأنف" بعد إيراده حديث مسلم: وليس لنا نحن أن نقول ذلک في أبويه – صلى الله عليه وسلم – لقوله: ''لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات'' وقال تعالى: ''إن الذين يؤذون الله ورسوله'' الآية، وسئل القاضي أبو بكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي – صلى الله عليه وسلم – في النار، فأجاب بأن من قال ذلک فهو ملعون لقوله تعالى: ''إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة'' قال: ولا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه إنه في النار(الحاوي للفتاوىٰ، للسيوطي، ج۲، ص ۲۱۹، رسالة ''مسالک الحنفا في والدي المصطفى''، رقم الرسالة ۶۸، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: 1421ھ، 2000م)

[1] ومن العلماء من ذهب إلى قول خامس وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه "الفجر المنير": "الله أعلم بحال أبويه، وقال الباجي في "شرح الموطأ" "قال بعض العلماء أنه لا يجوز أن يؤذى النبي – صلى الله عليه وسلم – بفعل مباح ولا غيره، وأما غيره من الناس فيجوز أن يؤذى بمباح وليس لنا المنع منه ولا يأثم فاعل المباح وإن وصل بذلک أذى إلى غيره(الحاوي للفتاوىٰ، للسيوطي، ج۲، ص ۲۱۹، رسالة ''مسالک الحنفا في والدي المصطفى''، رقم الرسالة ۶۸، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: 1421ھ، 2000م)

''آپ نے اس معاملہ میں سخت ترین موقف اپنایا، جو آپ کا ذاتی ہوسکتا ہے، سب علمائے دیوبند، یا سب اسلاف کا نہیں ہے؟''

اب کسی ابہام اور اجمال کے بغیر صاف صاف سوال یہ ہے کہ کیا واضح طور پر غیر ناجی ہونے کا سخت ترین موقف، قرآن وسنت اور جمہور سلف اہلُ السنۃ والجماعۃ نے نہیں اپنایا، اور اس کی واضح طور پر تصریحات نہیں فرمائیں، اور علمائے دیوبند کے عظیم مشائخ میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے واضح طور پر یہ نہیں فرمایا کہ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے، حضرت امام صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔فقط (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید، ص۲۴۵، کتاب العقائد، مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

اور ''مظاہر العلوم، سہارن پور'' کے شیخ الحدیث، اور تبلیغی جماعت کے ترجمان، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے واضح طور پر یہ تحریر نہیں فرمایا کہ:

علامہ سیوطی نے جو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کے بارے میں چند رسائل، تالیف کیے ہیں، اور بعض میں یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ ان کی موت ''ملتِ ابراہیمیہ'' پر واقع ہوئی، جبکہ علامہ سیوطی اپنے بعض رسائل میں اُن کے زندہ کرنے کے بعد، ان کے اسلام لانے وغیرہ کی طرف مائل ہوئے ہیں، نصوص اس کا انکار کرتی ہیں، اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ان کی موت، کفر پر واقع ہوئی، جیسا کہ اس پر ''الفقہُ الاکبر'' میں یقین ظاہر کیا گیا ہے (الکوکبُ الدری)

مذکورہ علمائے دیوبند نے تو ہمارے نقل کردہ موقف کو، امام ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے، اور اپنے مشائخِ دیوبند کے نزدیک، کفر پر موت واقع ہونے کو حق قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ کی ''الفقہُ الاکبر'' میں اس پر یقین ظاہر کرنے کا حکم لگایا گیا ہے، اور ہم باحوالہ یہ بھی واضح

کر چکے ہیں کہ اسی موقف پر تمام، یا اکثر اسلاف کا اتفاق تھا، اور اس وقت میں اس کے خلاف موقف کو اہلِ تشیع کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

اس صورتِ حال میں مذکورہ موقف کو علمائے دیوبند اور اسلاف کے مقابلے میں، بندہ کا ذاتی موقف قرار دینا، کس قدر خلافِ واقعہ، اور کذب بیانی میں داخل ہے؟ اس کا فیصلہ اگر دنیا میں متعذر محسوس ہو، تو آخرت میں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یقیناً یہ ابہام دور ہو ہی جائے گا۔

''فانتظروا انی معکم من المنتظرین''

اور ہم نے جو اپنے مضمون میں آراء ذکر کی ہیں، ان میں اصولی طور پر دوسری آراء بھی شامل ہیں، اور ان تمام آراء پر ہم نے راجح اور مرجوح ہونے کے اعتبار سے ہی کلام کیا ہے، اور سکوت والی رائے کی حقیقت کو بھی واضح کیا ہے، پھر اس پر سیخ پا ہونے کا کیا مطلب؟

انکارِ حدیث لازم آنے اور دائرۂ اسلام سے خروج پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اسی کتاب میں آپ نے ناصر البانی کی کچھ تحریروں سے یہ بھی ظاہر کیا کہ اس سے حدیث کا انکار لازم آتا ہے، یعنی جو موقف آپ کا ہے، اگر اس کو راجح نہ مانا جائے، تو انکارِ حدیث لازم آئے گا، لہٰذا ضروری ہوا کہ جو موقف، رجحان آپ کا ہے، اسی کو نہ ماننے کی شکل میں ہم دائرۂ اسلام سے بھی شاید نکل جائیں، یہ بھی وضاحت طلب بات ہے کہ آپ ان کے بارے آئندہ کیا حکم لگاتے ہیں؟

یہ بھی ایک سوال ہے، کیا یہ عقیدہ قطعی عقیدہ ہے، اگر قطعی ہے، تو پھر اس میں اختلاف کیوں ہے؟ آپ کی تحریر سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ قطعی ہے، اگر قطعی نہیں، تو اس سے کم درجہ بھی نہیں ہے؟ اگر قطعی نہیں، تو وضاحت ہونی چاہئے؟''۔

انتھٰی۔

کلام:

ناصر الدین البانی کی تحریر پر کلام تو آگے آتا ہے۔

فی الوقت سوال یہ ہے کہ بندہ کی تحریر کے کون سے جملہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ قطعی عقیدہ ہے۔

پھر اگر بندہ کی تحریر سے اس عقیدہ کا قطعی ہونا، عیاں ہے، تو یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ اگر قطعی نہیں، تو اس سے کم درجہ بھی نہیں ہے؟

نیز اگر بندہ کی تحریر سے اس عقیدہ کا قطعی ہونا، عیاں ہے، تو کیا پھر قطعی نہ ہونے کی وضاحت کافی ہوگی، یا اس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہوگی؟

بندہ تو اپنی تحریر میں واضح طور پر لکھ چکا ہے کہ:

> واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جو قول ہے، وہی اکثر متقدمین اور جمہور کا قول ہے۔
>
> (علمی و تحقیقی رسائل: ج۱۲، ص۱۴۵)

اور یہ بھی لکھ چکا ہے:

> اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، اور اس میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک قول کفر کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذابِ جہنم کے مستحق ہونے کا ہے، جمہور متقدمین کا یہی قول ہے، بعض نے اس پر متقدمین کے اجماع کا بھی حکم لگایا ہے، معتبر احادیث ونصوص سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔
>
> (علمی و تحقیقی رسائل: ج۱۲، ص۲۱۳)

نیز یہ بھی واضح کر چکا ہے کہ:

جمہور متقدمین کا یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے، بلکہ بعض نے تو اس قول پر متقدمین کے اجماع ہونے کا بھی حکم لگایا ہے۔

اور اسی قول کی صحیح احادیث وروایات سے تائید ہوتی ہے، اور اس قول کے دلائل نہایت مستحکم ومضبوط ہیں۔

اور ہم ”فیما بیننا وبین اللہ“ اسی قول کو حق وصواب سمجھتے ہیں، اور اس کے برخلاف اقوال کو اجتہادی طور پر مرجوح اور خطاء پر مبنی خیال کرتے ہیں۔

(علمی وتحقیقی رسائل: ج۱۲، ص۲۴۷)

جبکہ فقہاء وعلماء یہ واضح فرما چکے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے امام کا قول بھی معتبر حدیث کے خلاف ہو، تو وہ بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا، لیکن اس امام کی شان میں بدکلامی وبدزبانی جائز نہیں ہوتی، چہ جائیکہ تکفیر کی جائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

لیکن اس مسئلہ میں ترکِ تقلید کے ساتھ ہی کسی مجتہد کی شان میں گستاخی وبدزبانی کرنا، یا دل سے بدگمانی کرنا کہ انہوں نے اس حدیث کی مخالفت کی ہے، جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ ان کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، یا بسندِ ضعیف پہنچی ہو، یا اس کو کسی قرینۂ شرعیہ سے مؤول سمجھا ہو، اس لیے وہ معذور ہیں، اور حدیث نہ پہنچنے سے ان کے کمالِ علمی میں طعن کرنا بھی بدزبانی میں داخل ہے، کیونکہ بعض حدیثیں اکابرِ صحابہ کو جن کا کمالِ علمی مسلم ہے، کسی وقت تک نہ پہنچی تھیں، مگر ان کے کمالِ علمی میں اس کو موجبِ نقص نہیں کہا گیا (الاقتصاد فی التقلید والاجتھاد ،ص۷۰، مقصد ہفتم: منع افراط وتفریط فی التقلید ووجوب اقتصاد، مطبوعہ: مکتبۃ المصباح، لاہور، پاکستان، اشاعتِ اول، 2020ء)

خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرنے سے رائے بدلنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''آپ نے اپنی کتاب میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ پہلے میری بھی رائے دوسری تھی، اب خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا، تو رائے بدل گئی۔

آپ نے یہ بھی لکھا کہ مطالعہ کے دوران، یا دلائل کو جمع کرنے کے بعد مجھے خود معلوم نہیں ہوتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا، دلائل کے قائم ہونے کے بعد راجح رائے کو اختیار کر لیتا ہوں، اور تقلیدی رائے کو ترک کر دیتا ہوں''۔ انتہٰی۔

کلام:

بندہ نے یہ ہرگز نہیں لکھا، جو جناب نے بندہ کی طرف منسوب کیا، اللہ تعالیٰ آپ جیسے کم فہم، بلکہ بدفہم ترجمانوں سے بندہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

بندہ نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا ہے، اس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

اس مضمون کی تحقیق سے پہلے اگرچہ بندہ کا اپنا موقف وہ نہیں تھا، جو زیرِ نظر تحقیق کے بعد قائم ہوا، اور بحمد اللہ تعالیٰ، بندہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران اپنے آپ کو خالی الذہن کر لیتا ہے، اور بندہ کو خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تحقیق کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا، پھر تحقیق کے نتیجہ میں جو رائے بھی دلائل کی رُو سے حق وصواب یا راجح معلوم ہوتی ہے، بندہ اس کو اختیار کرنے اور اپنی سابقہ کسی غیر تحقیقی، یا تقلیدی، یا سابق تحقیق پر مبنی رائے کو ترک کر دینے میں الحمد للہ تعالیٰ کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ بندہ کو اس طرزِ عمل پر قائم رہنے اور مزید ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے دوران بندہ نے مختلف اہلِ علم حضرات کی تحریرات وتالیفات

اور رسائل وجرائد میں مذکور مضامین کو ملاحظہ کیا، دورانِ تحقیق بندہ نے ان سے استفادہ کیا، لیکن دلائل کی رُو سے بعض اہلِ علم حضرات، بالخصوص جن کا تعلق متاخرین سے ہے، ان کے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباواجداد اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ''آزر'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اوراس سے بڑھ کر زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ تمام لوگوں کو مومن یا ناجی قرار دینے اور غیر مومن یا غیر ناجی ہونے کی نفی کے یک طرفہ جذباتی اورروایتی موقف سے اتفاق نہ ہوسکا، بلکہ نصوصِ کثیرہ اوراحادیثِ صحیحہ کی رُو سے ان کے موقف میں جابجا کمزوری اوران کی تاویلات وتوجیہات میں تسامح کا احساس ہوا (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۱۳۸)

بندہ تاحال اس پر قائم ہے، اورآپ کی ملامت، ورسوائی کے خوف سے اس طرز سے رجوع نہ کرے گا، اِلَّا یہ کہ اس کا دلائل سے خطاء ہونا بندہ پر واضح نہ ہوجائے، اورآپ اس کے خطاء ہونے کے معتبر دلائل پیش کرنے سے قاصر رہے، وساوس کا معاملہ، حقائق سے جدا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

تمام عقائد واحکام میں تحقیق، یا تقلید کے طرزِ عمل پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''(تمام عقائد واحکام میں یہی طرز اپنایئے، نتائج سامنے آہی جائیں گے)

آپ کی یہ بات نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے، بلکہ دوسروں کو بھی ایک سبق دیا جارہا ہے کہ ہم مجتہد بن جائیں، اورتقلید کو ترک کردیں، اب ترکِ تقلید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے، یا ترکِ تقلید سے اکابر مراد ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشارہ اکابر کی طرف ہے، یہ بھی مجتہدانہ مزاج کی دلیل ہے،

ہمارے اکابر تو ایسا راستہ اختیار کرنے سے منع فرماتے ہیں، کیا ہمارے اسلاف نے اس مسئلہ پر کوئی کلام نہیں فرمایا کہ اب آپ کو ضرورت پڑی، حتیٰ کہ تقلید اور عدمِ تقلید کے خیالات آپ کے ذہن میں ابھر کر تحریر کا روپ دھار گئے''

۔انتہٰی۔

کلام:

پہلی بات تو یہ ہے کہ نہ تو تمام عقائد میں تقلید کا حکم ہے، اور نہ ہی تمام احکام میں تقلید کا حکم ہے۔

پھر تمام عقائد و احکام میں یہی طرز اپنانے کا حکم صادر کرنے کا کیا مطلب؟ اس قسم کے اعتراضات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب یہاں بھی تحقیق کے بغیر اپنے جذبات وخیالات کی اتباع وتقلید میں مبتلا ہیں۔ [1]

---

[1] يبالغ بعض الناس في الطعن على من قلد عالما في أمر من أمور دينه، وربما شبه بعضهم المقلدين بالمشركين في قولهم :(إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم مقتدون)

والحق أن التقليد في العقائد والمسائل الأساسية في الدين، وهي المعلومة من الدين بالضرورة لا تقليد فيها لعالم، مهما كانت مكانته، بل لا بد من اقتناع تام بثبوتها عن صاحب الشرع ولو بصفة إجمالية .أما المسائل الفرعية التي تتطلب النظر في الأدلة التفصيلية فإن تكليف العامة بالنظر في الأدلة تكليف شاق لا تستقيم معه الحياة، إذ لو كلفنا كل مسلم أن ينظر في كل مسألة نظرة المجتهد فإن الصناعات ستتعطل، ومصالح الناس ستهمل .وما لنا نطيل الكلام في ذلك وسلف الأمة -وهم خير القرون كما شهد لهم الرسول صلى الله عليه وسلم -لم يكونوا كلهم مجتهدين، بل كان المجتهدون قلة قليلة، وكان المكثرون منهم لا يتجاوزون الثلاثة عشر شخصا.

على أن من استطاع أن يجتهد فعليه أن يجتهد متى توفرت له أسبابه وتوفرت فيه شروطه التي سنبينها بالتفصيل -إن شاء الله -في الملحق الأصولي لهذه الموسوعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ٤٠، مادة''مقدمات'')

التقليد لا يجوز عند جمهور الأصوليين في العقائد، كوجود الله تعالى ووحدانيته ووجوب إفراده بالعبادة، ومعرفة صدق رسوله صلى الله عليه وسلم فلا بد في ذلك عندهم من النظر الصحيح والتفكر والتدبر المؤدي إلى العلم وإلى طمأنينة القلب، ومعرفة أدلة ذلك .ومما يحتج به لذلك أن الله تعالى ذم التقليد في العقيدة بمثل قوله تعالى :(بل قالوا إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم مهتدون) ، ولما نزل قوله تعالى :(إن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری بات یہ ہے کہ ہر بندہ جملہ پیش آمدہ مسائل میں یکساں طرزِ عمل اختیار کرنے کا مکلّف نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک شخص کا حکم حسبِ مسئلہ، وحسبِ استطاعت، دوسرے سے جداگانہ ہوسکتا ہے۔

اور بندہ نے جو کچھ اس بارے میں لکھا تھا، وہ درجِ ذیل ہے:

بحمداللہ تعالیٰ، بندہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران اپنے آپ کو خالیُ الذہن کر لیتا ہے، اور بندہ کو خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تحقیق کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا، پھر تحقیق کے نتیجہ میں جو رائے بھی دلائل کی رُو سے حق وصواب یا راجح معلوم ہوتی ہے، بندہ اس کو اختیار کرنے اور اپنی سابقہ کسی غیر تحقیقی، یا تقلیدی، یا سابق تحقیق پر مبنی رائے کو ترک کر دینے میں الحمد للہ تعالیٰ کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ بندہ کو اس طرزِ عمل پر قائم رہنے اور مزید ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین''۔

بندہ نے اپنا یہ طرزِ عمل ''کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران'' ذکر کیا ہے، تمام عقائد واحکام کے متعلق بیان نہیں کیا، خواہ اس مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت نہ ہو، جیسے وہ مسئلہ اجتہادی واختلافی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لآيات لأولي الألباب)قال النبي صلى الله عليه وسلم :لقد نزلت على الليلة آية .ويل لمن قرأها ولم يتفكر فيها .

ولأن المقلد في ذلك يجوز الخطأ على مقلده،

ويجوز عليه أن يكون كاذبا في إخباره، ولا يكفي التعويل في ذلك على سكون النفس إلى صدق المقلد، إذ ما الفرق بين ذلك وبين سكون أنفس النصارى واليهود والمشركين الذين قلدوا أسلافهم وسكنت قلوبهم إلى ما كان عليه آباؤهم من قبل، فعاب الله عليهم ذلك .

وذهب بعض الفقهاء إلى جواز الاكتفاء بالتقليد في العقائد، ونسب ذلك إلى الظاهرية .

ثم عند الجمهور يلحق بالعقائد في هذا الأمر كل ما علم من الدين بالضرورة، فلا تقليد فيه؛ لأن العلم به يحصل بالتواتر والإجماع، ومن ذلك الأخذ بأركان الإسلام الخمسة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣،ص ١٦٠،مادة" تقليد")

نہ ہو، یا وہ مسئلہ بندہ کے زیرِ تحقیق نہ ہو، جیسا کہ بہت سے مسائل ہیں، جن کی دیگر علماء تحقیق فرماتے ہیں، اور بندہ کو ان کی تحقیق کی نوبت نہیں آتی، یا کسی مسئلہ میں تحقیق کا وقت نہ ہو، اور فی الفور عمل در پیش ہو، پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بندہ کی طرف وہ بات منسوب کریں، یا ایسی بات کا بندہ کو مکلّف قرار دیں، جس کا بندہ خود کو مکلّف ہی نہیں سمجھتا، اور نہ اس کا دعویٰ کرتا۔

ایسے خلافِ حقیقت الزامات، کم علمی، یا غلط فہمی، یا کم فہمی، یا پھر ضد وعناد اور بدفہمی پر مبنی ہیں۔

عدمِ تقلید کے خیالات نے بندہ کے ذہن میں ابھر کر تحریر کا روپ نہیں دھارا، بلکہ ان حقائق کا روپ دھارا، جو مجتہدین ومحققین سے ثابت ہیں اور کورانہ تقلید کرنے والے ان حقائق سے نابلد ہیں، یہی وجہ ہے کہ اجتہادی واختلافی مسائل کے باب میں، جس کو جس قدر تحقیق کی قدرت ہو، تقلید کے مقابلہ میں اس کی تحقیق کا اصل ہونا، بلکہ عند البعض اس کا واجب ہونا اور عدمِ قدرت کی صورت میں تقلیدِ مجتہد ومفتی کا جائز ہونا راجح ہے۔

لیکن افسوس کہ آپ جیسے حقیقت ناشناس دین پر قابض ہو کر اس باب کے صحیح راستہ کے سدِ باب کی کوششوں میں مصروف ہیں، حالانکہ آپ جیسے جامد وخامد مقلدین کو اس باب میں لب کشائی کا حق ہے ہی نہیں، اگر خود سے کوئی کام نہ ہو سکے، تو دوسرے کام کرنے والوں کے راستہ میں تو کم از کم روڑے نہیں اٹکانا چاہیے۔ [1]

---

[1] والذین أفتوا بإقفال باب الاجتهاد إنما نزعوا عن خوف من أن یدعی الاجتهاد أمثال هؤلاء، وأن یفتری علی الله الکذب، فیقولون هذا حلال وهذا حرام، من غیر دلیل ولا برهان، وإنما یقولون ذلک إرضاء للحکام .ولقد رأینا بعض من یدعی الاجتهاد یتوهم أن القول بکذا وکذا فیه ترضیة لهؤلاء السادة، فیسبقونهم بالقول .ویعتمد هؤلاء الحکام علی آراء هؤلاء المدعین .فقد رأینا فی عصرنا هذا من أفتی بحل الربا الاستغلالی دون الاستهلاکی، بل منهم من قال بحله مطلقا؛ لأن المصلحة -فی زعمه -توجب الأخذ به .ومنهم من أفتی بجواز الإجهاض ابتغاء تحدید النسل، لأن بعض الحکام یری هذا الرأی، ویسمیه تنظیم الأسرة، ومنهم من یری أن إقامة الحدود لا تثبت إلا علی من اعتاد الجریمة الموجبة للحد، ومنهم . . .ومنهم . . .فأمثال هؤلاء هم الذین حملوا أهل الورع من العلماء علی القول بإقفال باب الاجتهاد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یوں تو مذکورہ کورانہ تقلید کی مذمت اور اجتہاد وتحقیق کے مستحسن ہونے پر ہزاروں تصریحات موجود ہیں، اور ہم نے اس موضوع پر دیگر تالیفات میں کلام کر کے، جناب جیسے حضرات کے ذہنوں میں پائے جانے والے تخیلات وتوہمات کی باحوالہ تردید کر دی ہے۔

لیکن زیرِ بحث مسئلہ میں جناب کے موقف کے پیش رو علامہ سیوطی کی چند تصریحات جناب کے ملاحظہ کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے، ہر زمانے میں اجتہاد کی فرضیت کے ثبوت اور اس کے انکار کی تردید پر ایک مستقل تالیف ''**الرد علی من أخلد إلی الأرض وجهل ان الاجتهاد فی کل عصر فرض**'' کے عنوان سے تحریر کی ہے، جس میں انہوں نے چار ابواب قائم کیے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے پہلے باب میں ''اجتہاد کے ہر زمانے میں فرض ہونے پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے ذیل میں مختلف فصلوں میں مذاہبِ اربعہ کے علماء وفقہاء کی عبارات کو ذکر کیا ہے۔

اور دوسرے باب میں ''زمانے کے مجتہد سے خالی نہ ہونے پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے ذیل میں مختلف فصلوں میں مذاہبِ اربعہ کے علماء وفقہاء کی عبارات کو نقل کیا ہے، جن میں ایک فصل ''مجتہدین کی اقسام'' سے بھی متعلق ہے۔

اور تیسرے باب میں ''اجتہاد کی **تشجیع** اور تقلید کی **تشنیع** پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے ذیل میں مختلف فصلیں قائم کی ہیں، جس کے ضمن میں اجتہاد وتحقیق کے اصل اور تقلید کے عارض ہونے اور اجتہاد وتحقیق کی قدرت وصلاحیت ہونے کی صورت میں، تقلیدِ محض کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولکنا نقول :إن القول بحرمة الاجتهاد وإقفال بابه جملة وتفصیلا لا یتفق مع الشریعة نصا وروحا، وإنما القولة الصحیحة هی إباحته، بل وجوبه علی من توفرت فیه شروطه .لأن الأمة فی حاجة، إلی معرفة الأحکام الشرعیة فیما جد من أحداث لم تقع فی العصور القدیمة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱،ص ۴۲،۴۳،۴۲،مادة''مقدمات'')

مذمت پر اہلِ علم حضرات کی تصریحات نقل کی ہیں۔
اور چوتھے و آخری باب میں ''اجتہاد سے متعلق متفرق فوائد'' ذکر کیے ہیں۔
مذکورہ تالیف کے شروع میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:

وبعد، فإن الناس قد غلب عليهم الجهل، وعمهم وأعماهم حب العناد وأصمهم، فاستعظموا دعوى الاجتهاد، وعدوه منكرا بين العباد، ولم يشعر هؤلاء الجهلة أن الاجتهاد فرض من فروض الكفايات في كل عصر وواجب على أهل كل زمان أن يقوم به طائفة في كل قطر .

وهذا كتاب في تحقيق ذلك سميته "الرد على من أخلد إلى الأرض جهل أن الاجتهاد في كل عصر فرض "

وينحصر في أربعة أبواب :

الباب الأول في ذكر نصوص العلماء على أن الاجتهاد في كل عصر فرض من فروض الكفايات، وأنه لا يجوز شرعا إخلاء العصر منه.

اعلم أن نصوص العلماء من جميع المذاهب متفقة على ذلك(كتاب الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد في كل عصر فرض، ص ٢، ٣، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، القاهرة)

ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد عرض ہے کہ: لوگوں میں جہل غالب آ گیا، جو اُن سب کو عام ہوگیا، اور ''عناد'' کی محبت نے ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اجتہاد کے دعوے کو بہت بڑی چیز خیال کرلیا، اور اس کو بندوں کے درمیان فعلِ منکر شمار کرلیا، اور ان جہلاء کو یہ شعور حاصل نہ ہوا کہ اجتہاد ہر زمانے

میں فروضِ کفایہ میں سے ایک فریضہ ہے، اور ہر زمانے والوں پر واجب ہے کہ وہ ہر علاقے میں مجتہدین کی ایک جماعت قائم کریں۔

اور یہ کتاب اس مسئلے کی تحقیق میں ہے، جس کا نام میں نے ''**الرد على من أخلد إلى الأرض، وجهل ان الاجتهاد فى كل عصر فرض** ''رکھا ہے (جس کا مطلب ہے ''اس شخص پر رَد، جو ہمیشہ کے لیے زمین سے چمٹ جائے، اور اس بات سے جاہل ہو کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے'')

اور یہ کتاب چار ابواب میں منحصر ہے۔

پہلا باب: علماء کی اس بات پر نصوص کے ذکر میں ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فروضِ کفایات میں سے ایک فریضہ ہے، اور شرعاً اس سے زمانے کو خالی کرنا جائز نہیں۔

یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمام مذاہب کے علماء کی نصوص اس بات پر متفق ہیں (الرد علیٰ من اخلد الی الارض)

پھر علامہ سیوطی دوسرے باب میں ایک مستقل فصل قائم کر کے، لکھتے ہیں کہ:

لهج كثير من الناس اليوم بان المجتهد المطلق ،فقد من قديم، وانه لم يوجد من دهر الا للمجتهد المقيد ، وهذا غلط منهم ، ما وقفوا على كلام العلماء، ولا عرفوا الفرق بين المجتهد المطلق والمجتهد المستقل ، ولا بين المجتهد المقيد والمجتهد المنتسب، وبين كل مما ذكر فرق.

ولهذا ترى ان من وقع فى عبارته ان المجتهد المستقل مفقود من دهر ،ينص فى موضع آخر على وجود المجهتد المطلق .

والتحقيق فى ذالک ان المجتهد المطلق اعم من المجتهد

المستقل، وغير المجتهد المقيد ، فان المستقل هو الذى استقل بقواعده لنفسه يبنى عليها الفقه خارجا عن قواعد المذاهب المقررة، هذا شيئ فقد من دهر ، بل لو اراده الانسان اليوم لامتنع عليه، ولم يجز له نص عليه غير واحد ....

واما المجتهد المطلق غير المستقل ، فهو الذى وجدت فيه شروط الاجتهاد التى اتصف بها المجتهد المستقل، ثم لم يبتكر لنفسه قواعد،بل سلک طريقة امام من ائمة المذاهب فى الاجتهاد ، فهذا مطلق منتسب ، لامستقل، ولا مقيد ، هذا تحرير الفرق بينهما فبين المستقل والمطلق عموم وخصوص ، فكل مستقل مطلق، وليس كل مطلق مستقلا (كتاب الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد فى كل عصر فرض،ص٣٨، ٣٩، الباب الثانى، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، القاهرة)

ترجمہ: بہت سے لوگ آج کے دور میں اس بات کے دیوانے ہوگئے کہ ''مجتہدِ مطلق'' بہت زمانے سے مفقود ہیں، اور مدتِ دراز سے صرف ''مجتہدِ مقید'' ہی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ اِن لوگوں کی غلطی ہے، یہ لوگ علماء کے کلام سے واقف نہیں ہوئے، اور نہ انہوں نے ''مجتہدِ مطلق'' اور ''مجتہدِ مستقل'' کے درمیان فرق کو پہچانا، اور نہ ہی انہوں نے ''مجتہدِ مقید'' اور ''مجتہدِ منتسب'' کے درمیان فرق کو پہچانا، حالانکہ مذکورہ حضرات کے مابین فرق ہے۔

اور اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ جس کسی کی عبارت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ''مجتہدِ مستقل'' مدتِ دراز سے مفقود ہیں، تو دوسرے مقام پر اسی شخص کی عبارت میں ''مجتہدِ مطلق'' کے موجود ہونے کی تصریح بھی پائی جاتی ہے۔

اور اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ ''مجتہدِ مطلق'' عام ہے ''مجتہدِ مستقل'' سے، اور ''مجتہدِ مطلق''، ''مجتہدِ مقید'' کا غیر ہے، کیونکہ ''مجتہدِ مستقل'' وہ ہے، جو اپنے آپ کے لیے فقہ پر مبنی ایسے مستقل قواعد قائم کرے، جو دوسرے مذاہب کے مقررہ قواعد سے خارج ہوں، اور یہ ایسی چیز ہے، جو ایک زمانے سے مفقود ہے، بلکہ اگر کوئی انسان آج کے دور میں اس کا ارادہ کرے، تو اس کو منع کیا جائے گا، اور اس کو جائز قرار نہیں دیا جائے گا، جس کی کئی حضرات نے تصریح کی ہے۔......

جہاں تک ''مجتہدِ مطلق غیر مستقل'' کا تعلق ہے، تو وہ، وہ مجتہد ہے، جس میں اس اجتہاد کی شروط پائی جائیں، جس کے ساتھ ''مجتہدِ مستقل'' متصف ہوتا ہے، پھر وہ اپنے لیے نئے قواعد کو ایجاد نہ کرے، بلکہ وہ اجتہاد میں ائمۂ مذاہب کے کسی امام کے طریقے پر چلے، تو یہ ''مجتہدِ مطلق منتسب'' کہلاتا ہے، نہ تو ''مجتہدِ مستقل'' کہلاتا، اور نہ ''مجتہدِ مقید'' کہلاتا، پس ان دونوں کے درمیان یہ واضح فرق ہے، اور ''مجتہدِ مستقل'' اور ''مجتہدِ مطلق'' کے درمیان ''عموم وخصوص'' کی نسبت ہے، چنانچہ ہر ''مجتہدِ مستقل، مجتہدِ مطلق'' ہوتا ہے، لیکن ہر ''مجتہدِ مطلق، مجتہدِ مستقل'' نہیں ہوتا (الرد علیٰ من اخلد الی الارض)

پھر اس کے بعد علامہ سیوطی نے ''مجتہدِ منتسب'' اور ''مفتی منتسب'' کی چار حالتوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب اور دلیل میں ''مقلد'' نہ ہو۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب میں مقید ہو کر ''مجتہد'' ہو، اور اس کے اصول کی دلیل کے ساتھ تقریر کرنے میں ''مستقل'' ہو۔

اور تیسری حالت یہ ہے کہ وہ مذکورہ لوگوں کے رتبہ پر نہ پہنچا ہو، لیکن وہ ''فقیہُ النفس'' اور اپنے امام کے مذہب کو محفوظ رکھتا ہو، جس کو وہ دلائل سے پہچانتا ہو، اور ترجیح کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

اور چوتھی حالت یہ ہے کہ وہ مذہب اور اس کی نقل کو محفوظ رکھتا ہو، لیکن وہ دلائل کی تقریر اور قیاسات کی تحریر میں ضعیف ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو ''مجتہد'' مستقل نہ ہو، اس کی چار اقسام ہیں:

پہلی قسم ''**مجتهدِ مطلق** '' کی ہے، اور دوسری قسم ''**مجتهد مقيد** '' کی ہے، جس کو ''**مجتهدِ تخريج** '' بھی کہتے ہیں، اور تیسری قسم ''**مجتهدِ ترجيح** '' کی ہے، اور چوتھی قسم ''**مجتهدِ فتيا**'' کی ہے۔

جس کے بعد علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:

وانما جاء الغلط لاهل عصرنا من ظنهم ترادف المطلق والمستقل، وليس كذالك ، لما قد عرفته (كتاب الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد فى كل عصر فرض، ص ۴۱، ۴۲، ۴۲، الباب الثانى، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، القاهرة)

ترجمہ: اور ہمارے زمانے کے لوگوں کو غلطی اس چیز سے لگی کہ انہوں نے ''مطلق'' اور ''مستقل'' کو ''مترادف'' سمجھ لیا، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، جیسا کہ آپ پہچان چکے ہیں (الرد علٰى من اخلد الى الارض)

اس کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ ''**إرشاد المهتدين إلى نصرة المجتهدين** '' کے نام سے تالیف فرمایا ہے، جس میں مجتہدین کی نصرت کی طرف ہدایت پانے والوں کو رہنمائی کی ہے، جس کی تفصیل بندہ کی دوسری مفصل تالیف ''**عمل بالحديث** کا حکم'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی حیثیت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اس معاملہ میں آپ کی مثال حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی جیسی ہے کہ انہوں نے واقعہ کربلا کو ایک افسانہ بنایا، اور لکھا کہ:

''واقعہ کربلا کا حقیقی پسِ منظر نئے مطالعے کی روشنی میں''

یہاں آپ کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

دلائل کے بعد تقلیدی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں۔

تو گویا آپ کے جن اکابر، اسلاف نے عافیت واعتدال کا راستہ اختیار کیا، وہ غلط تھا، وہ ان دلائل پر غور نہ کرسکے، اب آپ نے ان پر غور کیا، اور نئے مطالعہ کی روشنی میں آپ پر نئے انکشافات ہوئے، اگر امت کو ان سے آگاہ نہ کیا جاتا، تو روزِ محشر آپ ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہوتے، لہٰذا اس کا اظہار ضروری تھا، سو آپ نے کردیا''۔ انتھٰی۔

کلام:

اولاً تو مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی، دراصل مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے بیٹے اور علمی حلقوں میں بلند مقام رکھتے ہیں، جن سے کسی مسئلے پر اختلاف کو ان کے علمی شان اور مقام کے کم کرنے کی وجہ بنانا درست نہیں۔

دوسرے بندہ کا مقام، مذکورہ موصوف سے کم تر ہے، اور بندہ کو ان کے مقام کے ساتھ ملانا، ناانصافی ہے۔

تیسرے یہ ان ہی شخصیت کے فرزند ہیں، جن کے اہلِ تشیع سے متعلق مضمون اور فتوے کا، جناب نے آگے چل کر، خود ہی پرزور انداز میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

جہاں تک مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر نئے مطالعہ کی روشنی میں'' کا تعلق ہے، تو بے شک بعض اکابر علماء کو اس سے اتفاق نہیں، لیکن بعض اکابر علماء اس سے اتفاق بھی فرماتے ہیں۔

چنانچہ دارُ العلوم دیوبند سے اس سلسلہ میں درجِ ذیل فتویٰ جاری ہوا:

سوال:...... میں واقعہ کربلا کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، براہِ کرم مجھے کسی دیوبندی عالم کی اس موضوع پر کسی مستند کتاب کا نام بتائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:...... واقعہ کربلا کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، لیکن اکثر کتابیں ان روایات پر مبنی ہیں، جو باہم متضاد ہیں، یا شیعوں کی من گھڑت ہیں، البتہ جناب مولانا عتیق الرحمٰن نعمانی سنبھلی صاحب مدظلہٗ (صاحبزادہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی) نے ایک کتاب مرتب فرمائی ہے، اس میں مولانا موصوف مدظلہٗ نے شیعی راویوں کے بیانات، اور روایات کا باہمی تعارض اور ان کی درایت پر بحث کرتے ہوئے، اعتدال پر مبنی موقف پیش کیا ہے، اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اس کی تائید فرمائی ہے، اس کتاب کا نام ہے ''واقعۂ کربلا اور اس کا پسِ منظر نئے مطالعہ کی روشنی میں'' لہٰذا آپ اس کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

(دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، سوال و جواب نمبر: 69268، بعنوان ''متفرقات'')

(Fatwa ID: 970-1044/N=10/1437)

پس ''دارالافتاء: دارالعلوم دیوبند'' سے تو مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی مذکورہ کتاب میں اختیار کردہ موقف کو، اعتدال پر مبنی قرار دیا گیا ہے، اور واقعۂ کربلا کے بارے میں دیوبندی عالم کی مستند کتاب کے سوال کے جواب میں اس کے مطالعے کی تجویز فراہم کی گئی ہے، اور جناب اس کو افسانہ قرار دے رہے ہیں، اور بندہ کو مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کے مشابہ قرار دے رہے ہیں، جس سے جناب کی یہ مشابہت درست قرار نہیں پاتی۔

اب اگر جناب کو دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ فتوے سے اختلاف ہو، تو اس کے لیے دارالافتاء

دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ ''ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند، صفر 1435 ہجری'' کے شمارے میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی تالیف ''حیاتِ نعمانی'' کے متعلق ''دارالعلوم دیوبند'' کے مدرس مولانا اشتیاق احمد قاسمی صاحب کا، جو تبصرہ شائع ہوا، اس میں مذکور ہے کہ:

حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے برخوردار بڑے فرزندار جمند حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ نے چھ سو بانوے صفحات پر مشتمل مکمل سوانح تحریر فرمائی ہے، اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں چودہ ابواب ہیں، ان میں زندگی کے سارے گوشے آ گئے ہیں، دوسرے حصے میں ان شخصیات کا تذکرہ ہے، جن سے موصوف نے اپنی شخصیت سازی کی ہے، درحقیقت یہ وہ آئینۂ خانہ ہیں، جن میں مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات کی زلفِ برہم کو سنوارا ہے۔

''حیاتِ نعمانی'' ترتیب وتنسیق، جمعِ مواد، اسلوبِ ادا اور زبان وبیان ہر لحاظ سے عمدہ ہے، سوانحی ادب میں بلند مقام پر رکھے جانے کے لائق ہے، اور کیوں نہ ہو؟ مرتب کا خمیر صاحبِ سوانح کے خمیر سے ہی اٹھا ہے، ان کو اسلوب وپیش کش کی ندرت، ورثہ میں ملی ہے، نہایت کہنہ مشق صاحبِ قلم کی مرتب کردہ سوانح ناظرین کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہے، ظاہری شکل وصورت، کتابت وطباعت، کاغذ اور ٹائٹل سب عمدہ اور نستعلیق طبیعت کا مظہرِ اتم معلوم ہوتے ہیں۔

تبصرہ نگار کی کوتاہ نگاہ میں کوئی عیب سامنے نہ آ سکا، اللہ تعالیٰ ''حیاتِ نعمانی'' کو مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اور ان کی تصانیف کی طرح قبولیت سے نوازیں! آمین، ثم آمین۔

(ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 12، جلد 97، صفر 1435 ہجری، مطابق دسمبر 2013ء)

(http://www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی مذکورہ کتاب کی تقریبِ رونمائی، لکھنؤ کے قیصر باغ کے

ایک وسیع میدان میں منعقد ہوئی، جس کی صدارت ''دارالعلوم ندوۃُ العلماء'' کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کی، اور اس میں ''دارالعلوم دیو بند'' کے مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

(https://www.taemeernews.com/2013/03/hayat-e-nomani-book-released.html)

ہمیں فی الوقت مذکورہ کتاب سے بحث نہیں، لیکن اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ اب اگر آنجناب جیسے حضرات کسی شخصیت کے مقام کو گرانا، یا کم کرنا چاہیں، اور اکابرِ دیو بند اس سے اتفاق نہ کریں، تو آنجناب کے اس طرزِ عمل کی کیا حیثیت ہوگی؟

جہاں تک بندہ کی طرف، دلائل کے بعد تقلیدی رائے کو چھوڑنے کی نسبت کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں دوسرے موقع پر کلام کر دیا گیا ہے۔

پھر آخر میں آپ کا یہ فرمانا کہ:

''گویا آپ کے جن اکابر، اسلاف نے عافیت واعتدال کا راستہ اختیار کیا، وہ غلط تھا، وہ ان دلائل پر غور نہ کر سکے، اب آپ نے ان پر غور کیا، اور نئے مطالعہ کی روشنی میں آپ پر نئے انکشافات ہوئے، اگر امت کو ان سے آگاہ نہ کیا جاتا، تو روزِ محشر آپ ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہوتے، لہٰذا اس کا اظہار ضروری تھا، سو آپ نے کر دیا''

یہ بھی صرف جناب کی خامہ فرسائی ہے، ہم باحوالہ اور مدلل ومفصل انداز میں واضح کر چکے ہیں کہ ہم نے اکابر واسلاف کے عافیت واعتدال والے راستے کو ہی اختیار کیا، جو قرآن وسنت کا بیان کردہ راستہ تھا، وہ غلط ہرگز نہ تھا، اور ان ہی اسلاف واکابر کے بیان کردہ دلائل پر غور کر کے ہم اس نتیجے پر پہنچے، اور ہمارے مطالعہ وتحقیق کے نتیجے میں ہم پر وہی موقف اور دلائل ظاہر ہوئے، جو قرآن وسنت کی روشنی میں جمہور اکابر واسلاف پر منکشف ہوئے تھے۔

جبکہ بندہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آج ایک بڑے طبقے کی طرف سے قرآن وسنت کی روشنی میں جمہور اکابر واسلاف کے اختیار کردہ اسی موقف پر سخت نکیر کی جاتی ہے، اور اسے باعثِ لعنت

عمل قرار دیا جاتا ہے، اور قرآن وسنت میں بے جا تاویلات کی جاتی ہیں، اور اس کے مقابلے میں نقل در نقل جس موقف اور اس سے متعلقہ دلائل کو اختیار و بیان کیا جاتا ہے، وہ قرآن وسنت کی روشنی میں جمہور اکابر و اسلاف کے خلاف ہے۔

ان حالات میں اس مسئلے سے متعلق سوال کے سامنے آنے پر بندہ نے اپنی علمی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، اور اپنی قبر و آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے، جس حقیقتِ حال کا اظہار ضروری سمجھا، سو اس کو انجام دے دیا۔

پھر آپ کے مذکورہ بالا الزام کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، روزِ محشر آپ، یا مجھ میں سے، کون مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہوگا، اور کون غیر مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہوگا؟ اس کی تعیین و اختیار نہ آپ کے بس میں ہے، اور نہ میرے بس میں ہے۔

اس کا صحیح راستہ یہی ہے کہ آپ جن کاموں کی ذمہ داری سمجھتے ہیں، ان کاموں کو آپ انجام دیں، اور جن کاموں کی ذمہ داری بندہ سمجھتا ہے، ان کو بندہ انجام دے، اور بس۔

''سوال اپنا اپنا، جواب اپنا اپنا''

''البدر الأنور'' کی ایک عبارت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''(اے کاش! آپ اپنی کتاب میں شیخ فاضل انصاری کی بات سے ہی سبق لے لیتے ''البدر الانور فی شرح الفقه الانور'' کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ ''فليس في ذكر هذا الأمر في ذاتهٖ ثواب، ولا في تركه عقاب أو عتاب'')

شیخ فاضل کا مکمل رسالہ تو آپ کے کام کا تھا، مگر اتنا کچھ لکھنے کے بعد ان کی آخری نصیحت کو آپ نے قابلِ اعتنا نہ سمجھا، اس پر بھی اپنے ریمارکس دے ہی دیئے،

کیونکہ نئے مطالعے کی روشنی میں آپ ایک نئی کتاب، امت کو دینے کے لیے بے تاب وبے قرار تھے، اللہ اپنی پناہ میں رکھے''۔انتہٰی۔

کلام :

جناب کی کم فہمی، اور کتاب فہمی کی حقیقت اس سے واضح ہے کہ بے تکے ریمارکس خود دیتے ہیں، اور ریمارکس دینے کا الزام ہم پر عائد کرتے ہیں۔

جناب کا مذکورہ بے تکا ریمارکس مندرجہ ذیل عبارت سے متعلق ہے:

هـذا واعلم-رحمک الـلّٰه تـعالٰی-أن کـلَّ مـا مـضـی إنما هو بیان لـلأدلة، وتـقـریرٌ لمذهبِ إمامنا الاعظم رضی ا للّٰه عـنه الذی غفل عـنـه الـکثیـر، فـوقـعـوا فیما وقعوا فیه، ثم إننی أقول وبحولِ الـلّٰه أصـولُ وأجـولُ: إنهٗ لو ثبت إحیاؤُهما معجزةً فعلی العین والراس، ویا حبَّذا ذاک من خبرٍ، ومن مرامٍ هو الغایةُ فی هذا المقام، ومعاذ اللّٰه أن نستـنـکف عـن خبـرٍ ثبت عن سید الخلق صلی اللّٰه علیه وسـلـم فیکون حینئذٍ خارجاً عما سبق، وغیر داخلٍ فی کلام الأمام أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه، لأنهٗ ساکتٌ عما بعد موتهما.

تنبیهٌ: إیاک إیاک -أیها القارئ الکریم-إذا ذکرت هذه المسألة أن یتسـلـل أو یتسرّب إلی قلبک، أو یجری علی لسانک تنیقص فـی حقهما إجلالاً وتعظیماً لحق المصطفیٰ صلی اللّٰه علیه وسلم، وأدباً مع حضرتهٖ، وقد بیّنتُ لک أدب أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی أثناء بیان حکم والدیه صلی ا للّٰه عـلیـه وسـلـم، فـلربما جرک شیطان الجدل فیهما الی الغضب، فیـوصـلـک وانـت لا تشعر الی الطعن به صلی ا للّٰه عـلیه وسلم، فیـوصـلـک بـذلـک الی الکفر وغضب اللّٰه فـی الدارین والعیاذ

باللّٰه تعالٰی، ولولا أخبارٌ ذكرها سيد الأنام صلى الله عليه وسلم، وحكمٌ ذكره الإمام رضى الله عنه ،لِيَرُدَّ به على الرافضة من الشيعة، وزللٌ من بعض أهل السنة لما تعرّضنا لذلك، فليس فى ذكر هذا الأمر فى ذاته ثواب، ولا فى تركهٖ عقابٌ أو عتابٌ .

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲،ص۵۳۸)

پس شیخ فاضل کا مکمل مضمون ان کی آخری نصیحت کے ساتھ بندہ کے نزدیک نہایت قابلِ اعتنا تھا،اسی لیے آخری نصیحت کو نظر انداز نہ کیا گیا۔

اب اس پر جناب جو اپنے ریمارکس دے رہے ہیں،وہ اس لیے ہیں کہ آپ کے لیے، یہ نئے مطالعے کی روشنی ہے،ورنہ ہم نصوصِ قرآن ،اوراحادیثِ صحیحہ سے لے کر، متقدمین، اورسلف اہل السنۃ کی کتب کے بے شمار حوالہ جات نقل کر چکے ہیں، جو آپ جیسے مطالعہ نگار کو نئے نظر آتے ہیں،اور آپ ہی دراصل،نصوصِ قرآن ،اوراحادیثِ صحیحہ،متقدمین،اورسلف اہل السنۃ کی کتب کے بے شمار حوالہ جات کو، جو اللہ کی پناہ حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہیں،نظر انداز کر کے،امت کو نئے خیالات فراہم کرنے کے لیے بے تاب و بے قرار ہیں،اوران ہی میں اللہ کی پناہ کے متلاشی ہیں۔

تمام علمائے دیوبند کا مسلک ہونے کے سوال پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''پھر جب آپ پر سوال کیا جائے یہ تمام علمائے دیوبند کا مسلک نہیں،تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ میری رائے ہے،لیکن آپ خود دیوبندی نسبت سے مشہور ہیں،اگر آپ فاضلِ دیوبند بھی ہوتے،تو بھی قدیم فضلائے دیوبند کا جو مقام ومرتبہ ہے، آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا''۔انتہٰی۔

کلام :

بندہ ان شاء اللہ تعالیٰ مذکورہ سوال کا ہرگز وہ جواب نہ دے گا، جو آپ دلوانا چاہتے ہیں کہ '' یہ میری رائے ہے'' یہ بندہ پر سراسر جھوٹا الزام ہے، کیونکہ یہ بندہ کی رائے ہرگز نہیں، اور ایسا خلافِ واقعہ اور خلافِ حقیقت جواب دینا جائز بھی نہیں، بندہ کا جواب قرآن وسنت اور اہلُ السنۃ کی اتباع میں وہی ہوگا، جو تفصیل کے ساتھ بندہ کی تالیف میں شائع ہو چکا، اور آخر میں اس کا خلاصہ بھی شائع ہو چکا، جس سے امانت وصداقت کے حامل، اور تعصب وتحزب سے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھنے والے قارئین، وسامعین پر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ واضح ہو جائے گا کہ ''بنیادی طور پر یہ رائے بندہ کی انفرادی ہرگز نہیں'' اور وہ آپ کی طرح، نہ تو کسی التباس واختلاط کا شکار ہوں گے، اور نہ ہی وہ کسی پر آپ کی طرح کی بے جا الزام تراشیاں کر کے اپنی آخرت وعاقبت کا نقصان کریں گے۔

پھر اگر کوئی اس سلسلہ میں بندہ سے علمائے دیوبند کا مسلک معلوم کرے گا، تو اس کے متعلق بندہ صاف طور پر واضح کر دے گا کہ یہ مروجہ مسلکی اختلاف ہے ہی نہیں، اور اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کی آراء مختلف ہیں، دلائلِ شرعیہ کی رو سے، یہ قول راجح ہے، جو کہ جمہور متقدمین کا بھی قول ہے، اور دوسرے اقوال راجح نہیں۔

والحق عند مشايخنا أنهما ماتا على الكفر كما جزم به في الفقه الأكبر (حاشية الكوكب الدرى على جامع الترمذى، ج٣، ص٣٢٦، أبواب صفة جهنم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء أن للنار نفسين)

ظاہر ہے کہ دیوبندی نسبت سے مشہور عالم کے لئے مذکورہ جواب دینے میں کوئی التباس لازم نہیں آتا۔

جہاں تک جناب کی اس بات کا تعلق ہے کہ:

''اگر آپ فاضلِ دیوبند بھی ہوتے، تو بھی قدیم فضلائے دیوبند کا جو مقام ومرتبہ

ہے، آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا''

تو اس سلسلے میں بندہ صاف عرض کرتا ہے، بلکہ اس کا اعلانِ عام کرتا ہے کہ بندہ ''فاضلِ دارالعلوم دیوبند'' نہیں، اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو، تو اس کو دور کر لینا چاہیے۔

نیز بندہ کی ہرگز ہرگز یہ طلب وخواہش نہیں کہ ''قدیم فضلائے دیوبند کا جو مقام ومرتبہ ہے، بندہ کو اس نگاہ سے دیکھا جائے''

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں سے بندہ کو ذرا بھی دلچسپی نہیں، آپ خواہ مخواہ یہ باتیں ''مان نہ مان میں تیرا مہمان'' کا مصداق بن کر بندہ کے سر منڈھنا چاہتے ہیں۔

اس مسئلہ کا تو مسلکِ دیوبند کی حیثیت سے کوئی خاص تعلق ہی نہیں، اسی لئے اس میں مسلکِ دیوبند سے وابستہ علماء کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

بندہ تو اگر کسی فروعی واختلافی مسئلہ میں مسلکِ دیوبند تو کیا، مسلکِ حنفی کے علاوہ اہل السنۃ والجماعت کے کسی دوسرے مسلکِ حق کی طرف رجحان پائے، اس میں بھی اس طرح کی خیانت والتباس کا روادار نہیں۔

چنانچہ متعدد فروعی مسائل میں بندہ نے الحمد للہ تعالیٰ خیانت والتباس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے، اسی طرح صاف گوئی سے کام لیا۔

اور شاید بندہ کے اسی خِفا نہ رکھنے کی وجہ سے آپ جیسے لوگ بندہ سے خَفا ہوتے ہیں اور حنفیہ، یا اکابر سے خروج کا ڈراوا دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ''الحمد لِلّٰہ! جائے خدا، تنگ نیست، پائے مرا، لنگ نیست''۔

اس کے باوجود اگر کوئی کسی اختلافی، یا فروعی مسئلہ میں دیوبند، یا اہل السنۃ کی نسبت کو اپنے ساتھ مختص کر کے، یا اس پر اپنا تسلط قائم کر کے، یا بالفاظِ دیگر اس کو ہائی جیک کر کے، دوسرے کی اہلِ دیوبند، یا اہل السنۃ سے وابستگی پر جرح کرے، تو اس پر کلام کی بہت کچھ گنجائش ہوگی، جس کو جرح کی نوعیت سامنے آنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

''تنگ نظری'' کے الزام پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اگر یہی تنگ نظری قائم رہی (آپ حنفی ہونے کے باوجود عام کتب میں بھی ائمۂ اربعہ کے دلائل جمع کر دیتے ہیں، اس کا کیا مطلب ومفہوم ہے، آپ ہی جانتے ہیں، عام قاری اس سے مطمئن ہونے کے بجائے خلجان کا شکار ہوجاتا ہے)

بقول آپ کے، مطالعہ کے بعد میں تقلیدی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں، تو مفتی صاحب غیر تقلیدی رائے والے بہت آگے نکل جاتے ہیں۔

ایسی باتیں آزاد رائے، گمراہ کن فکر کے ملحدین، اگر کہیں، تو انہیں زیبا ہے۔

آپ کے ساتھ یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

آپ کے اس جملہ کو فاسد فکر کے لوگ لے اڑیں گے، بطورِ ہتھیار کے آپ کے ، اور آپ کے اسلاف کے خلاف استعمال کریں گے''۔ انتہٰی۔

کلام:

جہاں تک عام کتب میں ائمۂ اربعہ کے دلائل جمع کرنے کا تعلق ہے، تو اول تو اس کا حوالہ درج کرنا چاہیے کہ ایسا بندہ کس قسم کی کتب میں کرتا ہے، اور آج کل کے عام علماء کی علمی سطح کتنی بلند ہے؟ اس کے بعد ائمۂ اربعہ کے اقوال، اور بوقتِ ضرورت ان اقوال کے دلائل جمع کرنے کا عدمِ جواز پیش کرنا چاہیے۔

اور رہا یہ سوال کہ بندہ ائمۂ اربعہ کے اقوال اور بوقتِ ضرورت ان کے دلائل کیوں جمع کرتا ہے؟ تو الحمد للہ بندہ اس کے، مطلب ومفہوم کو جان کر ہی نقل کرتا ہے، انجان ہوکر نقل نہیں کرتا، اور بندہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بندہ کی کتب کے قارئین کو اس سے کتنا اطمینان، اور کتنا خلجان ہوتا ہے، تمام قارئین کا جناب کی طرح ذہنی خلجان وانتشار کا شکار ہونا ضروری

نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے الحمدللہ تعالیٰ، بے جا تشدد اور جمود کم ہو رہا ہے، اور قطعی و اجتہادی مسائل میں فرق معلوم ہو رہا ہے، اور موجودہ دور کی متعدد ضروریات و مشکلات کا حل نکل رہا ہے، اور علمائے محققین کے لیے مختلف حالات کے اعتبار سے تحقیق کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔

اس کے علاوہ اگرچہ موجودہ اکثر مشائخِ دیوبند ''التزامِ مذہبِ معین'' کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن جمہور حنفیہ کے نزدیک اصح و راجح قول ''التزامِ مذہبِ معین'' کے عدمِ وجوب کا ہے، بالخصوص عامۃُ الناس کے لیے۔

اس لیے بندہ حسبِ قدرت وحسبِ ضرورت، جمہور حنفیہ کے اس اصح و راجح قول کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک یہ قول راجح نہ ہو، لیکن جب مشائخِ حنفیہ اور ترجمانِ حنفیہ کے بڑے طبقے نے اس قول کو اصح و راجح قرار دے دیا، تو اس سے اس مسئلے کا مجتہَد فیہ ہونا، معلوم ہوگیا، اور مجتہَد فیہ مسئلے کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اس پر اس طرح نکیر نہیں کی جاسکتی، جس طرح کسی فعلِ منکر پر نکیر کی جایا کرتی ہے، البتہ دلائل سے راجح، مرجوح ہونے پر کلام کیا جاسکتا ہے۔

لیکن افسوس کہ جو کام دیگر بہت سے علماء کے کرنے کا تھا، اور وہ ان کے نہ کرنے کی وجہ سے غیر اہلِ علم اناڑی لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا، اور علماء کو عوامی مشکلات کا حل نکالنے میں دشواریاں بڑھ گیئں، آج علماء میں کوئی وہ کام کرے، تو آپ جیسے جامدین کی طرف سے اس کو مجرم سمجھا جاتا ہے، یہ تو ''نہ نہائیں، نہ نہانے دیں'' والی ہی بات ہوگئی۔

پھر اوپر سے بندہ کے اس طرزِ عمل پر تنگ نظری کا الزام عائد کرنا دراصل اسی ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے'' کے مترادف ہے۔

اور یہ موضوع تفصیل طلب ہے، جس کی تفصیل بندہ کی مفصل تالیف ''عمل بالحدیث کا حکم'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اور جہاں تک بندہ کی طرف اس قول کی نسبت کا تعلق ہے کہ ''میں مطالعہ کے بعد تقلیدی

رائے کو چھوڑ دیتا ہوں'' بندہ کا یہ قول ہر گز نہیں، یہ سرسر الزام تراشی ہے، بندہ کا اس سلسلہ میں موقف درجِ ذیل ہے:

بحمداللہ تعالیٰ، بندہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران اپنے آپ کو خالیُ الذہن کر لیتا ہے، اور بندہ کو خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تحقیق کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا، پھر تحقیق کے نتیجہ میں جو رائے بھی دلائل کی رُو سے حق وصواب یا راجح معلوم ہوتی ہے، بندہ اس کو اختیار کرنے اور اپنی سابقہ کسی غیر تحقیقی، یا تقلیدی، یا سابق تحقیق پر مبنی رائے کو ترک کر دینے میں الحمدللہ تعالیٰ کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ بندہ کو اس طرزِ عمل پر قائم رہنے اور مزید ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۱۳۸)

اب بندہ تو کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران، مذکورہ بالا طرزِ عمل کا ذکر کر رہا ہے، اور جناب عالی بندہ کی طرف مطالعہ کے بعد تقلیدی رائے کو چھوڑ دینے کی نسبت کر رہے ہیں، جناب کو محض مطالعہ اور تحقیق میں فرق ہی معلوم نہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تحقیق کے بعد سابق مرجوح قول سے رجوع کی، کتنی اہمیت ہے، اور ہر دور کے علمائے حق اس کو اختیار کرتے رہے ہیں، ہمارے لیے ان حضرات کا یہ طرزِ عمل ہی مشعلِ راہ ہے، نہ کہ آنجناب جیسے جامد حضرات کا طرزِ عمل، یا جاہلانہ شبہ۔

اور جہاں تک آنجناب کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ ''مفتی صاحب غیر تقلیدی رائے والے بہت آگے نکل جاتے ہیں''

تو یہ جملہ تو جناب نے درست تحریر فرمایا، جس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تحقیقی رائے والے، عند اللہ اجر وثواب میں بہت آگے نکل جاتے ہیں، جس سے تحقیق نہ کرنے والے محروم رہتے ہیں۔

البتہ ممکن ہے کہ جناب کی اجر وثواب میں آگے نکلنے کے بجائے، گناہ، یا گمراہی میں آگے نکلنا

مراد ہو، جیسا کہ جناب کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ایسی باتیں آزادرائے، گمراہ کن فکر کے ملحدین، اگر کہیں، تو انہیں زیبا ہے، آپ کے ساتھ یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں''

گویا کہ تحقیق اور رجوع کے مبارک عمل کو جناب، آزادرائے، گمراہ کن فکر کے ملحدین، کا فعل سمجھتے ہیں، جس پر جناب آفرین کے مستحق ہیں، لیکن اہلِ حق کی طرف سے نہیں، بلکہ گمراہ کن فکر کے ملحدین کی طرف سے، جن کو جناب مذکورہ صفات سے متصف کرنا چاہتے ہیں۔

بندہ کے ساتھ تو جناب کو یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں''

اب اگر علم و تحقیق کے میدان پر ''آزادرائے، گمراہ کن فکر کے ملحدین'' قبضہ وتسلط جما لیں، تو جناب کو شکوہ کرنے کا کیا حق رہ جاتا ہے۔

اور رہا جناب کا یہ فرمانا کہ ''آپ کے اس جملہ کو فاسد فکر کے لوگ لے اڑیں گے''

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عالم کی تحقیق اور رجوع سے فاسد فکر کے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔

مزید آپ کا یہ فرمانا کہ ''وہ بطور ہتھیار کے آپ کے، اور آپ کے اسلاف کے خلاف استعمال کریں گے'' تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ تحقیق اور رجوع کے لئے آمادہ رہنے والے کے پاس تو یہی دو ہتھیار ہوتے ہیں، یا وہ تحقیق کرتا ہے، یا رجوع کرتا ہے، اسے کسی کے ہتھیار سے ڈرنے کی کیا ضرورت؟

غرضیکہ جو ہتھیار علماء کو اپنی حفاظت کے لیے رکھنا چاہیے تھا، آپ جیسے ڈرپوک لوگ، آج وہ ہتھیار نا اہلوں کو تھما کر خود ڈرنے، دبکنے لگے، علماء کے لیے اس سے بڑی شامت اور کیا ہوسکتی ہے؟

تحقیق اور تقلید کا موضوع کچھ اس مسئلہ سے مختلف ہے، اگر اس موضوع کو جناب الگ نشست کے لیے مختص رکھتے، اور اس مسئلہ کو علمی اعتبار سے سمجھنے کی کوشش فرماتے، تو بہتر تھا، لیکن جناب تو اس میدان کے آدمی معلوم نہ ہوئے، بلکہ نرے اور کورے جامد معلوم ہوئے۔

اس موضوع پر بندہ نے دوسری تالیفات میں کلام کردیا ہے، اور جناب کی طرف سے پائے

جانے والے بے بنیاد شبہات پر بھی کلام کر دیا ہے۔

اور اگر کسی حق بات سے باطل شخص، کوئی غلط معنیٰ مراد لے، تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے، ورنہ تو بے شمار لوگ قرآن مجید سے بھی اپنے مطلب کی بات نکال کر گمراہی کو ہوا دیتے ہیں، لیکن اس کی وجہ سے قرآن مجید کی حقانیت پر حرف پیدا نہیں ہوتا۔

جیسا کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَافَوْقَهَا. فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ. وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا.وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا.وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ(سورة البقرة، رقم الآية ٢٦)

ترجمہ: بے شک اللہ حیا نہیں کرتا، اس بات سے کہ بیان کرے وہ کوئی مثال مچھر کی، یا اس چیز کی جو اس سے بھی بڑھ کر ہو، سو جو لوگ مؤمن ہیں، وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے، جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے، اور جو کافر ہیں، وہ کہیں گے کہ کیا ارادہ کیا اللہ نے اس مثال سے، گمراہ کرتا ہے، اللہ اس مثال کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو، اور ہدایت دیتا ہے اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو، اور گمراہ نہیں کرتا، اللہ اس (مثال) سے مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو (سورہ بقرہ)

مسئلہ ھٰذا، اور غامدی، عثمانی، ناصری صاحبان کی فکر

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''البتہ غامدی، عثمانی، ناصری فکر کے لوگ یہ باتیں کریں، تو کون شکوہ کر سکتا ہے، اس دین کا محافظ چونکہ اللہ عزوجل ہے، بڑے بڑے اکابر سے نسبتوں کے باوجود،

امت کی فکرِ سلیم نے فتنوں کی تخم ریزی کرنے والوں کے افکار و نظریات کو بھی کوئی توجہ نہ دی، الحمدللہ'' ۔انتھٰی۔

کلام :

بے شک اللہ ہی اس دین کا محافظ ہے، لیکن اس عالمِ اسباب میں، اللہ نے اس حفاظت کی ذمہ داری وارثینِ انبیاء پر بھی عائد فرمائی ہے۔

اگر غامدی، عثمانی، ناصری فکر کے لوگ، کوئی خلافِ شریعت بات کریں گے، تو جس طرح وارثینِ انبیاء، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی بیان کردہ غلط بات کی شرعی دلائل کے ذریعہ تردید کریں گے، اسی طرح اگر بندہ سے کوئی خلافِ شریعت بات صادر ہوگی، اس کی بھی شرعی دلائل کے ذریعہ تردید فرمائیں گے، لیکن فی الحال جو مسئلہ زیرِ بحث ہے، اس کا خلافِ شریعت ہونا، شرعی دلائل سے ثابت ہی نہیں، بلکہ وہ شرعی دلائل کے موافق ہے۔

جناب نے ویسے ہی دلائلِ شرعیہ سے عاری اپنے بلند و بانگ دعوے میں کچھ وزن پیدا کرنے کے لئے، اس موقع پر تقلید کے مسئلہ کو چھیڑ دیا ہے۔

ورنہ اس تفصیلی موضوع پر بندہ نے دوسرے مضامین میں کلام کر دیا ہے۔

جہاں تک جناب کی اس بات کا تعلق ہے کہ ''بڑے بڑے اکابر سے نسبتوں کے باوجود، امت کی فکرِ سلیم نے فتنوں کی تخم ریزی کرنے والوں کے افکار و نظریات کو بھی کوئی توجہ نہ دی''۔

تو یہ بات بالکل بجا ہے، بلکہ اسی بات کو ترقی کر کے ہم کہتے ہیں کہ ایمان کے بغیر، کفریہ افکار و نظریات کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے نبیوں سے نسبتوں کے باوجود، کوئی توجہ نہ دی، جس سے جناب کے بجائے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے، جس سے جناب کو سخت اختلاف ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا

وَرِثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهِ، أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۱۷۱۵) [1]

ترجمہ: بیشک علماء انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں، جو وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑتے، بلکہ وہ تو وراثت میں علم چھوڑ کر جاتے ہیں، سو جو اسے حاصل کر لیتا ہے، وہ بہت سا حصہ حاصل کر لیتا ہے (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۲۹۱، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المائة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایسے مجدد مبعوث فرمائے گا کہ جو اس امت کے دین کی تجدید کریں گے (ابوداؤد)

ظاہر ہے کہ مجدّد دین ہر صدی میں تجدیدی کارناموں کو انجام دیتے ہیں، جس میں وہ اپنے بزرگوں کی نسبتوں کے ہوتے ہوئے، بعض مسائل میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، اور یہ کام ہر دور میں ہوا ہے۔

اختلاف بذاتِ خود بُری چیز نہیں، اور ہر اختلاف مذموم نہیں، ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے آپ کے اصحاب کا اختلاف بھی مذموم ہوتا۔

ہمارے اکابر اور مسئلہ ھٰذا پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حسن لغیرہ (حاشیة مسند احمد)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح (حاشیة سنن ابی داؤد)

''ہمارے اکابر اور مسئلہ ہٰذا:

''شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فافهم، و بالجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغي ذكر هذا المسئلة الا مع مزيد الأدب، و ليست من المسائل التي يضر جهلها، أو يسئل عنها في القبر، أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير أولى و أسلم (فتح الملهم: ۱/۵۳۶، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار)'' .انتہٰی.

کلام:

اول تو مذکورہ عبارت علامہ شامی کی ہے، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے تو اس کو نقل فرمایا ہے۔

پھر بھی اگر جناب اس مسئلہ میں اکابرِ دیوبند کی حیثیت سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کو پیش کریں گے، تو ہم اس کے جواب میں اکابرِ دیوبند کی حیثیت سے ان عبارات کو پیش کریں گے، جو اس سے قبل نقل کی جا چکیں۔

اور ان شاء اللہ تعالیٰ علامہ شامی سے قبل کے اکابر ومشائخِ احناف کی بھی عبارات پیش کریں گے، جو آگے آتی ہیں۔

اور آپ سے بھی یہ سوال ہوگا کہ کیا مذکورہ حضرات اکابر میں، داخل ہیں، یا اصاغر میں؟ اور کیا جن کو جس وقت آپ اکابر قرار دے دیں، وہ تو اکابر میں داخل ہیں، اور باقی سب اصاغر میں شامل ہیں؟ اور اس کا اختیار، یا ٹینڈر صرف آپ کو حاصل ہے؟

حدیث احیاءِ ابوین، اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مقامِ حجون میں رنجیدہ غمگین اترے (پھر اللہ نے جتنا چاہا، ٹھہرے رہے) جب واپس آئے، تو مسرور تھے، اور مسکرا رہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کردے، اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کردیا، اور وہ مجھ پر ایمان لائے، اور پھر وفات پائے (ناسخ الحديث و منسوخه لابن شاهين، رقم الحديث: ٦٥٦، باب في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر امه)

اس روایت کو علامہ سہیلی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ......۵۸۱ھ) نے ''روض الانف'' میں ذکر کیا، اور کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں، اور حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے، مگر موضوع نہیں، اور فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹ھ......۹۱۱ھ) اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احیاءِ ابوین کی حدیث کے بارے میں حضراتِ محدثین کے تین قول ہیں، ابنِ جوزی رحمہ اللہ (۵۱۰ھ......۵۹۷ھ) اور ابنِ دحیہ رحمہ اللہ کہتے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور امام قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (نیز ابن حجر مکی، اور حافظ ناصر الدین رحمہ اللہ دمشقی بھی صحیح قرار دیتے ہیں: راقم)

علامہ سہیلی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ/۵۸۱ھ) اور ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں، یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں، حضرات اہلِ علم تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کریں زرقانی (شرح مواہب: ۱۸۳/۵)

جس میں احیائے ابوین کی حدیث پر مفصل کلام کیا، اور اس زمانہ کے کسی علامہ کی درایت، محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابلِ التفات نہیں۔

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

حیا اللہ النبی مزید فضل — علی فضل و کان بہ رؤفا

فاحیا امہ و کذا اباہ — لا یمان بہ فضلا لطیفا

فسلم نالقدیم بذا قدیر — و ان کان الحدیث بہ ضعیفا

(زرقانی، شریح مواھب: ۱۸۵/۵)

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں، چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں:

و جماعۃ ذھبو ا الی احیاء ہ — ابویہ حتی آمنو لا تخرفوا

وروی ابن شاھین حدیثا مسندا فی ذالک لکن الحدیث مضعف

(زرقانی، شرح مواھب: ۱۸۷/۵) (سیرت مصطفی ﷺ: ۴۲۸/۳ تا ۴۳۰)

انتھٰی.

کلام:

اس سلسلے میں پہلے تو یہ عرض ہے کہ جناب نے بڑے القاب وآداب بڑھا کر جو یہ تحریر فرمایا کہ "شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں"۔

کیا اس طرح کے القاب وآداب کے وہ حضرات مستحق نہیں کہ جن کی رائے مذکورہ موصوف کے خلاف ہے، جن میں حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور ان سے قبل کے متعدد، بلکہ بے شمار متقدمین ومتاخرین شامل ہیں؟

اس کے بعد عرض ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس

مسئلہ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا، اس کے حوالہ جات ہی ساتھ میں تحریر فرما دیے۔

سب سے پہلے تو مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے ابنِ شاھین کی ''ناسخ الحدیث و منسوخہ'' کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو نقل کیا ہے، جس پر ہم نے اپنے مضمون میں تفصیلی کلام کر دیا ہے، لیکن شاید آنجناب کو اپنے جذبات اور تقلیدِ محض و جامد اور فرطِ عقیدت کی روانیوں میں، غوطہ خوری کا اتنا شوق ہے کہ اس درمیان آنکھ، کان سب بند کر کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

ابنِ شاھین کی ''ناسخ الحدیث و منسوخہ'' کی حدیث کی اصل عبارت مندرجہ ذیل ہے:

حدثنا محمد بن الحسن بن زياد ، مولى الأنصار قال :حدثنا أحمد بن يحيى الحضرمي ، بمكة قال :حدثنا أبو غزية محمد بن يحيى الزهري ، قال :حدثنا عبد الوهاب بن موسى الزهري ، حدثنا عبد الرحمن بن أبي الزناد ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة ، رضي اللّٰه عنهما :أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نزل إلى الحجون كئيبا حزينا فأقام به ما شاء ربه عز وجل ، ثم رجع مسرورا ، فقلت يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، نزلت إلى الحجون كئيبا حزينا فأقمت به ما شاء اللّٰه ، ثم رجعت مسرورا قال : سألت ربي عز وجل فأحيا لي أمي فآمنت بي ، ثم ردها (ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين، ص ٤٨٩، رقم الحديث ٦٥٦، باب في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه)

مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف والدہ کا ذکر ہے، والد کا ذکر نہیں۔

لیکن اس روایت کی سند کی صحت کو محققین حفاظُ الحدیث اور اصحابُ الحدیث اور اسماء الرجال

کے فن پر گہری نظر رکھنے والے محدثین نے تسلیم ہی نہیں کیا۔ [1]

چنانچہ ابوعبداللہ جورقانی (المتوفیٰ:543ہجری) نے عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنتِ وہب اور عبدالمطلب کے ذکر کا باب قائم کر کے سب سے پہلے علی بن ابی طالب کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنتِ وہب پر جنت کے حرام قرار دیے جانے کا ذکر ہے، اور پھر خود ہی اس حدیث کو مَن گھڑت اور باطل قرار دیا ہے، اور اس کی سند میں ایک سے زیادہ مجہول راویوں کا ذکر کیا ہے۔

پھر اس کے بعد جورقانی نے، احیاءِ اُم کی حدیث کو ابنِ شاہین ہی کی پوری سند سے نقل کر کے خود ہی فرمایا کہ:

''هَذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ'' ''یہ حدیث باطل ہے''

اور جورقانی نے یہ بھی فرمایا کہ اس روایت میں ''عبدالرحمٰن بن ابی الزناد'' راوی پایا جاتا ہے، جو کہ ''ضعیف'' ہے، ابنِ معین نے فرمایا کہ ''عبدالرحمن بن ابی الزناد'' ان افراد میں سے ہے، جن سے اصحابِ حدیث حجت نہیں پکڑتے، یہ کچھ بھی نہیں۔

---

[1] قال أبو عبد الرحمن محمود بن محمد الملاح:
وأغرب منه وأشد نكارة ما رواه الخطيب البغدادى فى كتاب "السابق واللاحق "بسند مجهول، عن عائشة فى حديث فيه قصة :أن الله أحيا أمَّه فآمنت ثم عادت .وكذلك ما رواه السهيلى فى "الروض "بسند فيه جَمَاعة مجهولون :أن الله أحيا له أباه وأمه فآمنا به.
وقد قال الحافظ ابن دِحْيَةَ :(هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع، قال الله تعالى :(ولا الذين يموتون وهم كفار)وقال أبو عبد الله القرطبى :إن مقتضى هذا الحديث . . .وردَّ عَلَى ابن دِحية) فى هذا الاستدلال بما حاصله :أن هذه حياة جديدة، كما رجعت الشمس بعد غيبوبتها فصلى عَلِيٌّ العصر، قال الطحاوى :وهو (حديث) ثابت، يعنى :حديث الشمس.
قال القرطبى :فليس إحياؤهما يمتنع عقلا ولا شرعا، قال :وقد سمعت أن الله أحيا عمه أبا طالب، فآمن به.
قلت :وهذا كله متوقف على صحة الحديث، فإذا صح فلا مانع منه والله أعلم (الأحاديث الضعيفة والموضوعة التى حكم عليها الحافظ ابن كثير فى تفسيره،ص٢٠٨، تحت رقم الحديث ٣٤٠، سورة التوبة)

اور عبدالرحمٰن ابنِ مہدی، ''عبدالرحمٰن بن ابی الزناد'' سے مروی احادیث کو غیر معتبر قرار دینے کے لیے ان پر خط کھینچ کر نشان لگا دیا کرتے تھے، اور ان کی حدیث کو روایت و بیان نہیں کیا کرتے تھے۔

اور پھر جورقانی نے فرمایا کہ اس روایت میں دوسرا راوی ''عبدُالوھاب بن موسیٰ الزھری''''متروک'' ہے۔

اور اس روایت میں احمد بن یحییٰ اور ابوغزیہ محمد بن یحییٰ دونوں راوی ''مجہول'' ہیں۔

اور اس روایت کے ایک اور راوی ''محمدبن حسن بن زیاد'' جس کو ''ابوبکر نقاش مقری'' کہا جاتا ہے، اس کی حدیث میں مشہور اسناد کے اندر ''مناکیر'' پائی جاتی ہیں،

ابوبکر خطیب نے طلحہ بن محمد سے ''نقاش'' کو حدیث میں جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے۔

اور اس کی تمام احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

اور محمد بن یحییٰ کرمانی سے ھبۃ اللہ بن حسن طبری کا نقاش کی تفسیر کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ تفسیر سینوں کی شفاء ختم کرنے والی ہے، سینوں کو شفاء پہنچانے والی نہیں۔

پھر مذکورہ روایات کے مقابلہ میں جورقانی نے، سلیمان بن بریدہ کی صحیح مسلم سے حدیث کو نقل کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے۔

پھر اس کے بعد امام جورقانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی طرح کی حدیث کو ذکر کر کے اس کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔

اور پھر ابنِ ملیکہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں ''اُمِّیُ مَعَ اُمِّکُمَا'' کا ذکر ہے، اور اس کو مشہور حدیث قرار دیا ہے۔

اور پھر ابورزین کی اسی مضمون کی ایک حدیث کو ذکر کر کے اس کو بھی مشہور حدیث قرار دیا ہے، اور اس کی سند کو معتبر فرمایا ہے۔

اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں ''أَبِیُ وَأَبَاکَ فِی النَّارِ'' کا ذکر ہے۔

اور پھر اس مضمون کی تائید میں چند مزید روایات کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير، ج ۱، ص ۳۷۵، الیٰ ۳۸۹، باب: فی ذكر عبد الله بن عبد المطلب، وآمنة بنت وهب، وعبد المطلب)

جہاں تک مذکورہ روایت کے راوی ''محمد بن حسن بن زياد النقاش'' کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق علامہ ذہبی نے فرمایا کہ:

''بعض عظیم صفات پائے جانے کے باوجود یہ ''متروکُ الحدیث'' ہے، جس کے متعلق بعض حضرات نے حدیث میں جھوٹ بولنے والا قرار دیا، اور بعض نے اس کی حدیث کو ''منکر'' قرار دیا''۔

(تذكرة الحفاظ، للذهبی، ج ۳، ص ۸۲، ۸۳، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۸۷۲ ۔۲۴/ ۱۲/ ۱، الطبقة الثانية عشرة)

نیز علامہ ذہبی نے ''سيرُ اعلامُ النبلاء'' میں ''محمد بن حسن بن زیاد'' کے متعلق جھوٹا ہونے اور اس کی ہر حدیث کے منکر ہونے اور اس کی حدیث کے موضوع ہونے وغیرہ کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''قلبی لا يسكن إليه، وهو عندی متهم''

''یعنی میرا دل اس شخص سے مطمئن نہیں، اور یہ میرے نزدیک متہم ہے''

(سير أعلام النبلاء، ج ۱۵، ص ۵۷۳ الیٰ ۵۷٦ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۳۴۸)

علامہ ذہبی نے ''المغنی فی الضعفاء'' میں ''محمد بن حسن بن زياد النقاش'' کے بارے میں فرمایا کہ:

محمد بن الحسن أبو بكر النقاش المقرء المفسر مشهور اتهم بالكذب وقد اتی فی تفسيره بطامات وفضائح وهو فی القراء ات أمثل (المغنی فی الضعفاء، للذهبی، ج ۲، ص ۵۷۰، تحت رقم الترجمة ۵۴۲۸)

ترجمہ: ''محمد بن حسن ابوبکر النقاش ''جو قاری، مفسر، مشہور ہے، اس کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے، اور یہ اپنی تفسیر میں بہتان، اور قبیح باتوں کو لایا ہے، البتہ یہ قرائت میں قابلِ برداشت ہے (المغنی فی الضعفاء)

اورعلامہ ابنِ حجر (المتوفیٰ: 852ھ) نے ''لسانُ المیزان ''میں ''محمد بن حسن بن زیاد النقاش ''کے متعلق فرمایا کہ:

''طلحہ بن محمد شاہد نے فرمایا کہ نقاش حدیث میں جھوٹا ہے، اور غالب اس کا قصہ گو ہونا ہے، اور برقانی نے فرمایا کہ نقاش کی ہر حدیث منکر ہے، اور ابوالقاسم اللالکائی نے فرمایا کہ نقاش کی تفسیر میں سینوں کی شفاء نہیں ہے، اور خطیب نے فرمایا کہ اس کی حدیث میں مناکیر ہیں، اور برقانی نے فرمایا کہ اس کی تفسیر میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اور دار قطنی نے اس کو ''واہی تباہی'' قرار دیا ہے''۔ [1]

---

[1] محمد بن الحسن بن محمد بن زياد الموصلی ثم البغدادی أبو بكر النقاش المقرىء المفسر [وهو محمد بن أبی سعيد الموصلی]
روى عن أبی مسلم الكجی وطبقته وقرأ بالروايات ورحل إلى عدة مدائن وتعب واحتيج إليه وصار شيخ المقرئين فی عصره على ضعف فيه.
أثنى عليه أبو عمرو الدانی ولم يخبره مع أنه قال: حدثنا فارس بن أحمد حدثنا عبد الله بن الحسين سمعت ابن شنبوذ يقول: خرجت من دمشق إلى بغداد وقد فرغت من القرائة على هارون الأخفش فإذا بقافلة مقبلة فيها أبو بكر النقاش وبيده رغيف فقال لی: ما فعل الأخفش؟ قلت: توفی , ثم انصرف النقاش وقال: قرأت على الأخفش!.
وقال طلحة بن محمد الشاهد: كان النقاش يكذب فی الحديث والغالب عليه القصص.
وقال البرقانی: كل حديث النقاش منكر.
وقال أبو القاسم اللالكائی: تفسير النقاش إشفی الصدور وليس بشفاء الصدور.
مات النقاش سنة إحدى وخمسين وثلاث مئة , انتهى .
وقال الخطيب: فی حديثه مناكير بأسانيد مشهورة.
وقال البرقانی: ليس فی تفسيره حديث صحيح .ووهاه الدارقطنی.
وذكر ابن الجوزی: أنه حدث، عن أبی محمد بن صاعد فدلس جده وقال: يحيى بن محمد بن عبد الملك الخياط وذكر عنه حديثا موضوعا فی فضل الحسين وقال: لا أرى الآفة فيه إلا من النقاش واتهمه بحديث آخر فی الصلاة لحفظ القرآن.
وسيأتی فی آخر ترجمة محمد بن مسعر [7402]قول الذهبی فيه ذلک(لسان الميزان لابنِ حجر، ج۷ص ۷۸، ۷۹، تحت رقم الترجمة ۶۷۶۱)

اور ابنِ عراق الکنانی (المتوفیٰ: 963ھ) نے''**محمد بن حسن بن زیاد النقاش**''کے بارے میں فرمایا کہ:

محمد بن الحسن بن محمد بن زیاد أبو بكر النقاش المفسر، رمى بالكذب واتهم بالوضع(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج ١ ص ١٠٣، تحت رقم الترجمة ٨١، حرف الميم)

ترجمہ:''**محمد بن حسن بن محمد بن زیاد ابوبکر النقاش**''جو مفسر ہے، اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے، اور حدیث گھڑنے کے ساتھ متہم کیا گیا ہے (تنزيه الشريعة المرفوعة)

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے''**اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة**''میں''**محمد بن حسن بن زیاد النقاش**''کی ایک روایت نقل کر کے فرمایا کہ:

''موضوع: والآفة فيه من النقاش وشيخه هو ابن صاعد وقد دلسته وما ذاک إلا لشر.

وقال الدارقطني: الحديث باطل''

''یہ روایت موضوع ومن گھڑت ہے، جس میں نقاش کی طرف سے کارروائی کی گئی ہے، جس کا شیخ، ابنِ صاعد ہے، جس کے بارے میں اس نے تدلیس کی ہے، جو کہ محض شر ہے، اور دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے'' [1]

---

[1] (الخطيب) أنبأنا أبو الحسن على بن أحمد بن عمر المقرى حدثنا محمد بن الحسن النقاش حدثنا يحيى بن محمد بن عبد الملک الخياط حدثنا إدريس بن عيسى المخزومى القطان حدثنا زيد بن الحباب حدثنا سفيان الثورى عن قابوس بن أبى ظبيان عن أبيه عن ابن عباس قال: كنت عند النبى وعلى فخذه الأيسر ابنه إبراهيم وعلى فخذه الأيمن الحسين بن على تارة يقبل هذا وتارة يقبل هذا إذ هبط عليه جبريل بوحى من رب العالمين فلما سرى عنه قال: أتانى جبريل من ربى فقال لى يا محمد إن ربک يقرء عليک السلام ويقول لک: لست أجمعهما لک فافد أحدهما بصاحبه فنظر إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جہاں تک اس روایت کے ایک راوی ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' کا تعلق ہے، تو ان کے بارے میں امام دار قطنی (المتوفیٰ:385ھ) نے فرمایا کہ:

محمد بن یحی الزهری .أبوغَزیة مدنی عن عبد الوهاب بن موسی یضع (الضعفاء والمتروكون للدارقطنی، ج٣ص ١٣١، حرف المیم، تحت رقم الترجمة ٤٨١)

ترجمہ: ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' عبدالوہاب بن موسیٰ سے، موضوع ومنگھڑت حدیث کو روایت کرتا ہے (الضعفاء الضعفاء والمتروكون)

علامہ ذہبی نے ''**میزانُ الاعتدال**'' میں ''**ابو غزیة محمد بن یحییٰ**'' کے متعلق دار قطنی سے ''**متروک**'' اور ازدی سے ''**ضعیف**'' ہونا نقل کیا ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ حجر نے ''محمد بن یحییٰ زہری، ابوغزیۃ مدنی'' کے بارے میں فرمایا کہ دار قطنی نے ان کو متروک قرار دیا، اور ازدی نے ان کو ضعیف کہا، اور دار قطنی نے ''ابوغزیۃ'' کو ایک موقع پر منکرُ الحدیث فرمایا، اور زہری و مالک سے ان کی روایت کے ثابت اور صحیح نہ ہونے کا قول

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إبراهيم فبكى ونظر إلى الحسين فبكى ثم قال: إن إبراهيم أمه أمة وإذا مات لم يحزن عليه غيرى وأم الحسين فاطمة وأبوه على ابن عمى ولحمى ودمى ومتى مات حزنت ابنتى وحزن ابن عمى وحزنت أنا عليه وأنا أوثر حزنى على حزنيهما يا جبريل فديته بإبراهيم فقبض بعد ثلاث فكان النبى إذا رأى الحسين مقبلا قبله وضمه إلى صدره ورشف ثناياه وقال: فديت من فديته بابنى إبراهيم، موضوع: والآفة فيه من النقاش وشيخه هو ابن صاعد وقد دلسته وما ذاك إلا لشر.

وقال الدارقطنى: الحديث باطل وأحسبه وقع للنقاش موضوعا على أبى محمد بن صاعد فظنه من صحيح حديثه وأنه سمعه منه فرواه(اللآلىء المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة، ج ا ص ٣٥٦، ٣٥٧، كتاب المناقب)

[1] محمد بن يحيى، أبو غزية المدنى.عن موسى بن وردان.
قال الدارقطنى: متروك، وقال الأزدى: ضعيف.
ذكره ابن الجوزى، وقال: أبو غزية الزهرى (ميزان الاعتدال، ج٤ص ٦٢، تحت رقم الترجمة ٨٢٩٩)

کیا، اور ابو غزیہ کو اس کے گھڑنے والا قرار دیا۔ ؎

؎ محمد بن يحيى [بن محمد بن عبد العزيز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف أبو عبد الله ولقبه] أبو غزية المدنى [الزهرى]عن موسى بن وردان.
قال الدارقطني: متروك.وقال الأزدى: ضعيف.
وذكره ابن الجوزى وقال: أبو غزية الزهرى .انتهى.
وقد تقدم في محمد بن موسى [7462]وهو هو كأن يحيى اسم جده ثم ظهر لى أنهما اثنان فالكبير اسم أبيه موسى وهو أنصارى والصغير اسم أبيه يحيى وهو زهرى كان بمصر روى عنه جماعة منهم .
وقد ذكره أبو سعيد بن يونس فى الغرباء ونسبه فقال: محمد بن يحيى بن محمد بن عبد العزيز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف أبو عبد الله ولقبه أبو غزية مدنى قدم مصر وله كنيتان.
وذكر فيمن روى عنه: إسحاق بن إبراهيم الكباش وزكريا بن يحيى الثغرى وسهل بن سوادة الغافقى، ومحمد بن فيروز، ومحمد بن عبد الله بن حكيم.
قال: ومات فى يوم عاشوراء سنة ثمان وخمسين ومئتين .انتهى.
وقد وقع لنا من حديثه فى الخلعيات بالسماع.
قال الدارقطني في غرائب مالك: حدثنا أبو بكر الخياش المصرى حدثنا محمد بن عبد الله بن حكيم بمصر حدثنا أبو غزية محمد بن يحيى زهرى حدثنا عبد الوهاب بن موسى حدثنى مالك عن ابن شهاب حدثنى سعيد بن المسيب حدثنى عبد الله بن عمر: لما ولى على ...فذكر قصة فيها: فقال على: إن أبا بكر سبقنى إلى أربع ... الحديث.قال الدارقطني: لا يثبت، عن الزهرى، ولا عن مالك وأبو غزية هذا هو الصغير منكر الحديث.
ثم أورد من طريق عليل بن أحمد – وكان ثقة، حدثنا أبو غزية محمد بن يحيى حدثنى أبو العباس عبد الوهاب بن موسى بهذا السند إلى ابن عمر رفعه: اليمين مندمة أو مأثمة.
وقال: لا يصح هذا عن مالك، ولا، عن الزهرى والحمل فيه على أبى غزية.
قلت: وهذا الصغير لا يلحق موسى بن وردان .
وأخرج الدارقطني فيها من طريق عمر بن محمد بن فليح، عن أبى غزية محمد بن موسى الأنصارى عن مالك حديثا قد أشرت إليه فى ترجمة عمر بن محمد بن فليح [5686]وهو من الرواة عنه.
وتقدم له حديث فى ترجمة عبد الوهاب بن موسى [4987]صرح الدارقطني فيه بأنه باطل وتردد فى واضعه بين محمد بن يحيى هذا أو الراوى عنه على الكعبى(لسان الميزان لابنِ حجر، ج۷ص۵۷۳ الیٰ ۵۷۵، تحت رقم الترجمة ۷۵۳۹، تحت ترجمة ''محمد بن يحيى'')

بلکہ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ''جمعُ الجوامع ''میں اس راوی کو متروک قرار دیا ہے۔ [1]

اور جہاں تک اس روایت میں ایک اور راوی ''عبدالوهاب بن موسیٰ الزهری '' کا تعلق ہے، تو اس پر بھی محدثین نے سخت جرح کی ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبی نے ''المغنی فی الضعفاء'' میں فرمایا کہ:

عبد الوهاب بن موسى عن عبد الرحمن بن أبي الزناد نكرة والخبر أحيا الله لي أمي فآمنت بي، والسند ظلمة (المغنی فی الضعفاء للذهبی، ج۲، ص۴۱۳، تحت رقم الترجمة ۳۸۹۹، حرف العين)

ترجمہ: عبدالوہاب بن موسیٰ، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے، منکر روایت بیان کرتا ہے، اور اس حدیث کو روایت کرتا ہے کہ ''أحيا الله لي أمي فآمنت بي '' اور اس کی سند تاریک ہے (المغنی فی الضعفاء)

اور علامہ ابنِ حجر نے ''لسانُ المیزان ''میں اس کی سند سے مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ:

''عبدالوہاب بن موسیٰ'' معلوم نہیں کہ یہ کونسا حیوان کذاب ہے، کیونکہ یہ حدیث جھوٹی ہے، اُن صحیح احادیث کے مخالف ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی

---

[1] عن ابن عمر قال :لما ندر أبو بكر الصديق إلى ذى القصة فى شأن أهل الردة واستوى على راحلته أخذ على بن أبى طالب بزمام راحلته فقال :إلى أين يا خليفة رسول الله؟ أقول لك ما قال لك رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يوم أحد :شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك، وارجع إلى المدينة، فوالله لئن فجعنا بك لا يكون للإسلام نظام أبدا."

قط فى غرائب مالك، والخلعى فى الخلعيات، وفيه أبو غزية محمد بن يحيى الزهرى متروك(جمع الجوامع المعروف بـ الجامع الكبير، ج۱۷ ص۲۹۲، رقمالحديث ۴/۹۵۶، مسند على بن أبى طالب)

اجازت طلب کی، تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی‘‘ ساتھ ہی علامہ ابنِ حجر نے فرمایا کہ اس موقع پر ذہبی نے ظن سے کلام کیا ہے، اور اس حدیث کے متہم ہونے سے سکوت اختیار کیا، اور قوی جرح پر یقین کا اظہار کیا (پیچھے علامہ ذہبی کی مذکورہ حدیث کے ایک راوی ’’محمد بن حسن بن زیاد‘‘ کے متعلق سخت جرح گزر چکی ہے)

اور دار قطنی نے عبدالوہاب بن موسیٰ کی ابوالزناد سے مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دو احادیث کا ذکر کر کے، ان کو منکر اور باطل قرار دیا ہے، اور ابوغزیۃ کو، یا اس سے جو روایت کرتا ہے، اس کو ’’متھم‘‘ قرار دیا ہے۔

پھر علامہ ابنِ حجر نے ابنِ جوزی کے حوالہ سے فرمایا کہ محمد بن یحییٰ کی طرف دار قطنی نے حدیث گھڑنے کی نسبت کی ہے۔

اور ابنِ جوزی نے اپنے شیخ ’’ابنِ ناصر‘‘ سے اس حدیث کا موضوع اور جھوٹا ہونا نقل کیا ہے، کیونکہ ’’آمنۃ بنتِ وھب‘‘ کی قبر ’’ابواء‘‘ مقام پر ہے، جبکہ اس جھوٹی روایت کے راوی ابوغزیۃ کے گمان کے مطابق ’’آمنۃ بنتِ وھب‘‘ کی قبر ’’حجون‘‘ مقام میں ہے، اور ابنِ جوزی سے پہلے اس حدیث کے موضوع اور جھوٹا ہونے اور حضرت بریدہ کی حدیث کے مخالف ہونے کی جورقانی نے تصریح کی ہے۔ [1]

---

[1] عبد الوهاب بن موسى [أبو العباس]
عن عبد الرحمن بن أبي الزناد بحديث: إن الله أحيى لي أمي فآمنت بي ...الحديث.
لا يدرى من ذا الحيوان الكذاب فإن هذا الحديث كذب مخالف لما صح أنه عليه السلام استأذن ربه في الاستغفار لها فلم يؤذن له، انتهى.
قلت: تكلم الذهبي في هذا الموضع بالظن فسكت عن المتهم بهذا الحديث وجزم بجرح القوي .
وقد قال الدارقطني في "غرائب مالك "في روايته، عن أبي الزناد – بعد فراغ أحاديث مالك، عن أبي الزناد عن سعيد بن المسيب في قصة –: ويروى عن مالك، عن أبي الزناد عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة حديثان منكران باطلان ...فذكر ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ اکثر راویوں پر مشتمل سند کے ساتھ اس حدیث کو محبّ الدین طبری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ سیأتی فی ترجمة علی بن أحمد الکعبی [5300] إلی أن قال: وهذا كذب على مالک والحمل فيه على أبی غزية والمتهم به هو، أو من حدث عنه وعبد الوهاب بن موسى ليس به بأس.
وأخرج ابن الجوزی فی الموضوعات من طريق عمر بن الربيع الزاهد , حدثنا علی بن أيوب الكعبی حدثنی محمد بن يحيى أبو غزية الزهری، عن عبد الوهاب ...فذكر الحديث مطولا .ثم ساقه من طريق آخر فيه محمد بن الحسن النقاش المفسر قال: حدثنا أحمد بن يحيى , حدثنا محد بن يحيى، عن عبد الوهاب.
ثم قال ابن الجوزی النقاش ليس بثقة وأحمد بن يحيى، ومحمد بن يحيى مجهولان.
وأما قوله: علی بن أيوب الكعبی فوافقه عليه ابن عساكر لما أخرج هذا الحديث بطوله كما سيأتی فی ترجمة عمر بن الربيع [5618] وسمی الدارقطنی أباه أحمد.
وأما محمد بن يحيى فليس بمجهول بل هو معروف له ترجمة جيدة فی تاريخ مصر لأبی سعيد بن يونس.
ورماه الدارقطنی بالوضع وهو أبو غزية محمد بن يحيى الزهری وسيأتی ذكره فی موضعه .[7539]
وأما أحمد بن يحيى فلم يظهر من سند النقاش ما يتميز به وفی طبقته جماعة كل منهم أحمد بن يحيى أقربهم إلی هذا السند أحمد بن يحيى بن زكير فإنه مصری وعلی الكعبی مصری كما قال الدارقطنی.
وقد ذكر الخطيب: عبد الوهاب بن موسى صاحب الترجمة فی الرواة عن مالک وكناه أبا العباس ونسبه زهريا.
وأورد له من طريق سعيد بن أبی مريم عنه عن مالک، عن عبد الله بن دينار أثرا موقوفا علی عمر فی قصة له مع كعب الأحبار وقال: إنه تفرد به ولم يذكر فيه جرحا.
وأورده الدارقطنی فی الغرائب من هذا الوجه وقال: هذا صحيح عن مالک وعبد الوهاب بن موسى ثقة ومن دونه كذلک.
ونقل ابن الجوزی عن شيخه محمد بن ناصر: أن هذا الحديث موضوع لأن قبر آمنة بالأبواء كما ثبت فی الصحيح وأبو غزية هذا زعم أنه بالحجون.
وسبق ابن الجوزی إلی الحكم بوضعه ومعارضته بحديث بريدة: الجوزقانی فی كتاب الأباطيل.
وسيأتی فی ترجمة عمر بن الربيع [5618] زيادة فی الكلام علی حديث أبی غزية، عن عبد الوهاب بن موسى.
وقد وجدت له شاهدا من حديث أبی هريرة وآخر من حديث ابنی مليكة الجعفيين وآخر من حديث أبی رزين العقيلی والله المستعان .(لسان الميزان، ج۵، ص ۳۰۸ الیٰ ۳۱۰، تحت رقم الترجمة ۴۹۸۷، تابع حرف العين)

(المتوفیٰ: 694ھ) نے بھی '' خلاصة سير سيد البشر '' میں روایت کیا ہے۔ [1]

اور بعد کے بعض علماء نے جو اس طرح کی روایات کو دوسری مستقل اسناد سمجھ کر اس حدیث کی تحسین کا گمان کرلیا، وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ ''أبو غزية ،عبدالوهاب بن موسٰی ،اور عبد الرحمٰن بن ابی الزناد '' دوسری سند میں بھی ہیں۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی (المتوفیٰ: 581ھ) نے ''الروضُ الانف فی شرح السيرة النبوية '' میں پہلے حضرت بریدہ، اور صحیح مسلم کی احادیث کو نقل کر کے ان کا صحیح ہونا بیان کیا، اور اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کو عجیب وغریب سند کے ساتھ روایت کر کے اس کے متعلق ''غريبٌ لعلهٔ ان يصح '' فرمایا، اور اس کی سند میں ''مجهول '' راوی ہونے کا ذکر کیا۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

وروى حديث غريب لعله أن يصح .وجدته بخط جدى أبى عمران أحمد بن أبى الحسن القاضى -رحمه اللّٰه -بسند فيه مجهولون، ذكر أنه نقله من كتاب، انتسخ من كتاب معوذ بن داود بن معوذ الزاهد يرفعه إلى (عبد الرحمن ابن) أبى الزناد عن (هشام بن) عروة، عن (أبيه عن) عائشة -رضى اللّٰه عنها -أخبرت أن رسول اللّٰه -صلى اللّٰه عليه وسلم -سأل ربه أن يحيى أبويه،

---

[1] أخبرنا بذلک الشيخ الإمام الصالح أبو الحسن على بن أبى عبد الله بن أبى المقير قراء ة عليه بالمسجد الحرام وأنا أسمع سنة ست وثلاثين وستمائة قال أخبرنا الشيخ الحافظ أبو الفضل محمد بن ناصر السلامى أجازه قال أخبرنا أبو منصور محمد بن أحمد بن على بن عبد الرزاق الحافظ الزاهد قال أخبرنا القاضى أبو بكر محمد بن عمرو بن محمد بن الأخضر حدثنا أبو غزية محمد بن يحى الزهرى قال حدثنا عبد الوهاب بن موسى الزهرى قال حدثنا عبد الرحمن بن أبى الزناد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم نزل الحجون كئيبا حزينا فأقام به ما شاء الله عز وجل ثم رجع مسرورا وقال سألت ربى عز وجل فأحيا لى أمى فآمنت بى ثم ردها(خلاصة سير سيد البشر، ص ۲۱، ۲۲،الفصل الأول فى نسبه صلى الله عليه وسلم)

فأحياهما له، وآمنا به، ثم أماتهما، والله قادر على كل شيء ، وليس تعجز رحمته وقدرته عن شيء ، ونبيه عليه السلام أهل أن يخصه بما شاء من فضله، وينعم عليه بما شاء من كرامته -صلوات الله عليه وآله وسلم -.

قال القرطبي في تذكرته :جزم أبو بكر الخطيب في كتاب: السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين في كتاب الناسخ والمنسوخ له في الحديث بإسناديهما عن عائشة– رضي الله عنها

(الروض الأنف في شرح السيرة النبوية للسهيلي، ج۲ص۱۸۷، وفاة آمنة وحال رسول الله صلى الله عليه وسلم مع جده عبد المطلب بعدها)

ترجمہ: اور ایک حدیث غریب سند کے ساتھ مروی ہے، شاید کہ وہ صحیح ہو، جس کو میں نے اپنے دادا ''ابو عمران احمد بن ابی الحسن قاضی'' رحمہ اللہ کے خط سے، ایسی سند کے ساتھ پایا ہے، جس میں مجہول راوی ہیں، انہوں نے یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے اس کو ''معوذ بن داؤد بن معوذ زاهد'' کی کتاب سے نقل کیا ہے، جو ضائع ہوگئی، جس میں اس روایت کی سند ''عبدالرحمٰن بن ابی الزناد'' سے ''ہشام بن عروہ'' اور ان سے اپنے والد، اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچتی ہے کہ مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اپنے رب سے اپنے والدین کی حیات کی دعاء کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ آپ پر ایمان لے آئے، پھر ان کو وفات دے دی، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی رحمت اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اور نبی علیہ السلام اس بات کے اہل ہیں کہ آپ کو اللہ اپنی حسبِ مشیئت، فضل کے ساتھ خاص فرمائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی حسبِ کرامت جو چاہے، انعام

فرمائے۔

قرطبی نے ''التذکرة'' میں فرمایا کہ ابوبکر خطیب نے اپنی کتاب ''السابق واللاحق'' میں اور ابو حفص عمر بن شاہین نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں اپنی سندوں کے ساتھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو روایت کیا ہے (الروض الانف)

سہیلی نے جس روایت کا ذکر کیا ہے، اور اس میں ''مجہول'' راوی ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ ''عبدالرحمٰن بن ابی الزناد'' ہی کی سند ہے، جس سے پہلے راویوں کا ذکر نہیں کیا گیا، اور ان کو مجہول قرار دیا گیا، جس سے ظاہر ہے کہ یہ وہی سند ہے، جو پہلے ابنِ شاہین کے حوالے سے ذکر کی گئی۔

اور قرطبی نے ''التذکرة'' میں جس روایت کا ذکر کیا ہے، اس روایت کی سند بھی یہی ہے، اور ''التذکرة'' میں قرطبی (المتوفٰی: 671ھ) نے سہیلی (المتوفٰی: 581ھ) سے اس کی سند کے مجہول ہونے کو نقل کیا ہے۔ [1]

لہٰذا یہ روایت سند کے اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں، اور اس کو الگ سند والی روایت سمجھنا بھی

---

[1] فصل: جاء فی هذا الباب: حديث يعرض حديث هذا الباب.
وهو ما خرجه أبو بكر أحمد بن على الخطيب فی كتاب السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين فی الناسخ والمنسوخ له فی الحديث بإسناديهما عن عائشة رضی الله عنها قالت: حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بی على عقبة الحجون وهو باک حزين، مغتم فبكيت لبكائه صلى الله عليه وسلم ثم إنه طفر أی وثب فنزل فقال: يا حميراء استمسكی فاستندت إلى جنب البعير.
فمكث عنی طويلا ثم عاد إلی وهو فرح مبتسم فقلت له: بأبی أنت وأمی يا رسول الله.
نزلت من عندی وأنت باک حزين مغتم فبكيت لبكائک يا رسول الله، ثم إنک عدت إلی وأنت فرح مبتسم فعن ماذا يا رسول الله؟ فقال: مررت بقبر أمی آمنة فسألت الله ربی أن يحييها فأحياها فآمنت بی ـ أو قال ـ فآمنت وردها الله عز وجل لفظ الخطيب.
وقد ذكر السهيلی فی الروض الأنف بإسناد فيه مجهولون [أن الله تعالى أحيا له أباه وأمه وآمنا به].
(التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة للقرطبی، ص ۱۳۶ الى ۱۳۸، فصل فی أمور تذكر الموت والأخرة ويزهد فی الدنيا)

تسامح پر مبنی ہے۔

مزید یہ کہ جس روایت میں ''مجھول'' اور ''متھم بالکذب'' اور ''شدید جرح'' والے راوی ہوں، اس کو ''صحیح'' قرار دینے کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

مزید یہ شبہ بھی باقی ہے کہ سہیلی کی وفات 581ھ میں ہوئی، تو وہ قرطبی کی ''التذکرۃ'' سے کیسے نقل کر سکتے ہیں، جن کی وفات 671ھ میں ہوئی، پس جب قرطبی، سہیلی سے نقل کر رہے ہیں، تو سہیلی کا اپنے سے بعد کی شخصیت قرطبی سے نقل کرنا، غیر معقول ہے۔

اور جہاں تک خطیب کی ''السابق واللاحق'' کا تعلق ہے، تو اس کے اصل نسخے میں بھی اس روایت کا کوئی وجود دستیاب نہ ہو سکا۔

اسی وجہ سے مذکورہ کتاب کے محققین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ خطیب کی ''السابق واللاحق'' کے اصل نسخے میں اس روایت کا کوئی وجود نہیں، اگرچہ بعد کے بعض حضرات نے اس کی نسبت مذکورہ کتاب کی طرف کر دی ہے۔ [1]

---

[1] الملحق:

هناک بعض النصوص وجدتها فی بعض الکتب اللاحقة للخطیب منقولة من السابق واللاحق، ولم أجدها فی النسخة التی بین یدی، وقد نص ناقلوها أنها من السابق واللاحق، ولم أستطع أن أعرف الموضع الذی سقطت منه بالتحدید، فأحببت أن أجعلها فی ملحق للکتاب وهی:

النص الأول:

قال أبو الحسین ابن أبی یعلی فی طبقات الحنابلة - (1/204)فی ترجمة عبد الرحمن بن إبراهیم المعروف بدحیم -: قرأت فی "السابق واللاحق "لابن ثابت قال: حدث عن أحمد بن حنبل: عبد الرحمن المعروف بدحیم، وبین وفاته ووفاة البغوی اثنتان وسبعون سنة.

النص الثانی:

وفی المصدر نفسه - (1/225)فی ترجمة علی بن المدینی -: قال أبو بکر فی "السابق واللاحق ":"حدث عن أحمد بن حنبل: أبو الحسن علی بن عبد الله المدینی، وبین وفاته ووفاة البغوی ثلاث وثمانون سنة.

النص الثالث:

وفه أیضا - (1/290)فی ترجمة محمد بن الحسین أبی جعفر البرجلانی -: قرأت فی "السابق واللاحق "للخطیب البغدادی قال: أخبرنا أبو الحسین بن بشران أخبرنا أبو علی الحسین بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ سیوطی نے '' اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة '' میں خطیب کی '' السابق و اللاحق '' کے حوالہ سے جو سند ذکر کی ہے، اس میں بھی ابوغزیۃ، محمد بن یحییٰ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صفوان حدثنا أبو بكر بن أبی الدنيا حدثنی محمد بن الحسين حدثنا أحمد بن محمد بن حنبل حدثنا إبراهيم بن خالد حدثنا رباح بن زيد: أن النبی قال لجبريل: " لم تأتينی وأنت صار بين عينيک؟

قال: إنی لم أضحک منذ خلقت النار."

قال الخطيب: حدث محمد – هذا – والبغوی عن أحمد، وبين وفاة البرجلانی والبغوی تسع وتسعون سنة.

قال: وبلغنی عن ابن أبی الدنيا أنه قال: مات محمد بن الحسين البرجلانی سنة ثمان وثلاثين ومائتين.

النص الرابع:

قال ابن أبی يعلی الفراء فی طبقات الحنابلة - (1/327)فی ترجمة محمد بن مجيی بن أبی سمينة – قال: روی – أی ابن أبی سمينة – عن إمامنا أحمد فيما ذكره الخطيب فی "السابق واللاحق " حيث قال: وحدث عن أبی عبد الله أحمد بن حنبل: محمد بن يحيی بن أبی سمينة، وبين وفاته ووفاة البغوی ثمان وسبعون سنة، ثم قال: توفی ابن أبی سمينة سنة تسع وثلاثين ومائتين.

النص الخامس:

حديث عائشة فی حجة الوراع حيث جاء فيه: " أن رسول الله صلی الله عليه وسلم لما وصل عقبة الحجون نزل حزينا وذهب إلی قبر أمه آمنة، ثم عاد متهلل الوجه، فسألته عائشة عما رأت من حزنه أولا ثم سروره ثانيا؟ فقال: إن الله أحيا لی أمی آمنة، فآمنت بی، ثم عادت إلی قبرها."

ذكره السهلی فی "الروض الأنف"ونسبه إلی الخطيب فی "السابق واللاحق "وابن شاهين فی "الناسخ والمنسوخ "، وكذا تابعه الزرقانی صاحب "المواهب اللدنية "، كما ذكره أيضا منسوبا إلی "السابق والالاحق "ابن تيمية فی الفتاوی، وابن كثير فی التفسير .

أما النص السادس:

فهو النص الأول من حديث طويل فی أسماء آل البيت وبنی أمية، وقد اهتديت إلی موضعه من الكتاب وأضفته هناک، وهذا النص موجود فی "الموضوعات "لابن الجوزی، و "اللآلء المصنوعة "للسيوطی وغيرهما.

وكلا هذين الحديثين أعنی حديث عائشة وآل البيت فی إسنادهما مجاهيل ومتروكون، فلا يصحان بحال، فضلا عن تعارضهما مع القرآن والنصوص الصحيحة(السابق واللاحق فی تباعد ما بين وفاة راويين عن شيخ واحد، ص۳۴۳ الٰی ۳۴۵، الملحق،الناشر:دار الصميعی، الرياض، المملكة العربية السعودية،الطبعة الثانية:1421هـ 2000م ،المحقق:محمد بن مطر الزهرانی)

زہری، اورعبدالوہاب بن موسیٰ، اورعبدالرحمٰن بن ابی الزناد'' سب ہی موجود ہیں۔ [1]
جس سے واضح ہوگیا کہ اگر خطیب بغدادی کی ''السابق'' کے کسی نسخے میں اس روایت کے وجود کو تسلیم کیا جائے، تو اس کی سند جدا ثابت نہ ہوگی۔
یحییٰ بن ابی بکر بن محمد بن یحییٰ عامری حرضی (المتوفیٰ: 893ہجری) لکھتے ہیں:

وورد حديث في إسناده مقال أن رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه فأحياهما له و آمنا به والاحاديث الصحيحة مصرحة بنفي ذلك (بهجة المحافل وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل، ج ۱ ص ۴۴، القسم الاول، الباب الثاني، مطلب في الكلام على إحياء الله تعالى له أبويه حتى آمنا به)

ترجمہ: اور ایک حدیث یہ وارد ہوئی ہے، جس کی سند میں کلام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے اپنے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کی دعاء کی، اللہ نے ان دونوں کو زندہ فرمادیا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، لیکن صحیح احادیث اس کی نفی کی تصریح کرتی ہیں (بهجة المحافل)
اور مفسر و حافظ ابنِ کثیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی مذکورہ حدیث کے

---

[1] (الخطيب) في السابق واللاحق أنبأنا أبو العلاء الواسطي حدثنا الحسين بن علي بن محمد الحنفي حدثنا أبو طالب عمر بن الربيع الزاهد حدثنا عمر بن أيوب الكعبي حدثنا محمد بن يحيي الزهري أبو غزية حدثنا عبد الوهاب بن موسى حدثنا مالك بن أنس عن أبي الزناد عن هشام بن عروة يعني عن أبيه عن عائشة قالت حج بنا رسول الله حجة الوداع فمر بي على عقبة الحجون وهو باك حزين مغتم فبكيت لبكاء رسول الله ثم إنه نزل فقال يا حميراء استمسكي فاستندت إلى جنب البعير فمكث عني طويلا ثم إنه عاد إلي وهو فرح متبسم فقلت له بأبي أنت وأمي يا رسول الله نزلت من عندي وأنت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك ثم إنك عدت إلي وأنت فرح مبتسم فمم ذا يا رسول الله قال ذهبت لقبر أمي فسألت الله أن يحييها لي فأحياها فآمنت بي وردها الله عز وجل (اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، ج ۱، ص ۲۴۴، ۲۴۵، كتاب المناقب)

متعلق فرمایا کہ یہ حدیث شدید منکر ہے، اور اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث وارِد ہوئی ہیں، وہ اس کے مخالف ہیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث جو سند سے مروی ہے، اس میں صرف والدہ کے زندہ کیے جانے کا ذکر ہے، لیکن بعد کے بعض حضرات نے والدین (یعنی والدہ کے ساتھ والد) کے زندہ کیے جانے کا ذکر کردیا، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں بھی گزرا، جو ہمیں باسند طریقہ پر نہیں ملا، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کا حکم لگانا اور زیادہ کم زور پڑ جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا (فى تفسيرنا) عند قوله تعالى (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة.

ولله الحمد والمنة.وأما الحديث الذى ذكره السهيلي وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد، عن عروة، عن عائشة رضى الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منكر جدا.

وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.

لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه .والله أعلم(السيرة النبوية،لا بن كثير،ص ۲۳۹،ذكر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبى ذؤيب السعدية)

والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية خلافا لفرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب على ما سيأتى فى وفاة أبى طالب، وقد قال البيهقى -بعد روايته هذه الأحاديث فى كتابه دلائل النبوة :وكيف لا يكون أبواه وجده عليه الصلاة والسلام بهذه الصفة فى الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن، حتى ماتوا ولم يدينوا دين عيسى بن مريم عليه السلام، وكفرهم لا يقدح فى نسبه عليه الصلاة والسلام لأن أنكحة الكفار صحيحة.

ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد ولا مفارقتهن إذا كان مثله يجوز فى الإسلام وبالله التوفيق.انتهى كلامه.

قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا فى تفسيرنا عند قوله تعالى :(وما كنا معذبين حتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق اپنے رسالہ میں فرمایا کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی یہ حدیث، محدثین کی اتفاقِ رائے کے مطابق ضعیف ہے، جیسا کہ اس کا علامہ سیوطی نے بھی اعتراف کیا ہے، اور ابنِ کثیر نے فرمایا کہ یہ شدید منکر ہے، اوراس کے راوی مجہول ہیں۔

پس شیخ ابنِ حجر مکی (شافعی) کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے، جس کو کئی حفاظِ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے، یہ نا قابلِ اعتبار بات ہے، بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے، کیونکہ اصل حفاظِ حدیث سے اس حدیث کا صحیح ہونا منقول نہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے متعدد رسائل میں اس حدیث کے ضُعف پر اتفاق نقل کیا ہے، اگر اس کا کوئی ایک طریق بھی صحیح ہوتا، تو علامہ سیوطی، ترجیح کے موقع پر اس کا ضرور ذکر کرتے (جبکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات پر کئی رسائل تالیف کیے، اور زیادہ سے زیادہ دلائل جمع کرنے کی کوشش کی) ابنِ کثیر نے، حافظ ابنِ دحیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ومَن گھڑَت ہے، جس کی قرآن اوراجماعِ امت سے تردید ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے فوت ہونے کے بعد زندہ کیے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة ولله الحمد والمنة.

وأما الحديث الذى ذكره السهيلي وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد عن عروة عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منكر جدا.

وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.

لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه والله أعلم(البداية والنهاية،لابن كثير، ج٢، ص ٣٤٢، ٣٤٣، كتاب سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم)

جانے اور ایمان لانے کا ثبوت نہیں پایا جاتا، بالخصوص جبکہ یہ واقعہ حجۃُ الوداع کے موقع کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے، اور اس وقت میں صحابۂ کرام کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، مگر ان سے یہ حدیث مشہور و معتبر سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔

جہاں تک قُرطبی کے اِس قول کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ کیا جانا، عقلاً اور شرعاً مُمتنع نہیں (بلکہ ممکن ہے) تو اس کے امکان میں اُصولی اور فروعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں، البتہ کلام اوّلاً تو اس کے ثبوت میں ہے، اور پھر اس کی نفی میں ہے۔

پھر اس کے بعد ملا علی قاری نے فرمایا کہ قرطبی نے یہ بات بھی عجیب کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کی حدیث اور اُن کے لئے استغفار سے منع کیے جانے کی حدیث میں کوئی تعارُض نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حجۃُ الوداع کے موقع کی ہے، اسی وجہ سے اس کو ابنِ شاہین نے دوسری احادیث کے لئے ناسخ ہونے کے طور پر ذکر کیا۔

قُرطبی کی اس بات کا عجیب ہونا مخفی نہیں، کیونکہ جب یہ حدیث محدثین کی اتفاقِ رائے سے ضعیف ہے، اور محققین کے نزدیک موضوع ہے، اور مفسرین کے نزدیک کتابُ اللہ کی ان تصریحات کے مخالف ہے (جن میں موت کے بعد ایمان لانے اور توبہ کیے جانے کی نفی اور دنیا میں لوٹنے کی اجازت نہ ملنے کی صراحت پائی جاتی ہے)

تو اس میں، اس بات کی صلاحیت کیونکر ہوگی کہ یہ مسلم کی صحیح حدیث (اور اس باب کی دیگر معتبر احادیث) کے معارِض ہو جائے، اور گزشتہ دلائل کے مقابلہ میں آ جائے (جو بے شمار نصوصِ صریحہ پر مبنی ہیں)

(ملاحظہ ہو: أدلة معتقد أبي حنيفة في أبوي الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا علي القاري، ص ۸۵ الیٰ ۹۱، الرد علی السیوطی)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی حدیث، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو اور بعض حضرات کے مطابق، والد اور والدہ، دونوں کو فوت ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زندہ کیا گیا، جس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اور پھر اپنی مردہ حالت پر لوٹ گئے، یہ حدیث سند کے اعتبار سے نہ تو ''صحیح'' ہے، اور نہ ہی اس قابل ہے کہ اس سے کسی ایسے عقیدہ کے لیے دلیل پکڑی جا سکے کہ جس کو ان نصوص سے استثناء حاصل ہو، جن میں فوت ہونے کے بعد توبہ اور ایمان قبول کیے جانے اور ایمان کی غرض سے دنیا میں لوٹائے جانے اور عذاب سے نجات ملنے کی نفی پائی جاتی ہے۔

دوسری طرف اس حدیث میں ایسے راوی پائے جاتے ہیں کہ جن پر سخت جرح ہوئی ہے، یہاں تک کہ ''متھم بالکذب'' کی جرح بھی شامل ہے، اسی لیے بہت سے محققین واصحابِ فن نے مذکورہ حدیث کو ''موضوع'' اور ''جھوٹا'' قرار دیا ہے۔

لہٰذا اس حدیث کو صحیح قرار دینا، اور اس کی وجہ سے قرآن وسنت کے نصوص اور صحیح احادیث کے خلاف کوئی عقیدہ بنانا درست نہیں، اگرچہ بہت سے متاخرین اصحابِ علم کی طرف سے اس حدیث کو نقل کیا جاتا رہا، اور اس کے مطابق عقیدہ ہونے کا حکم لگایا جاتا رہا، لیکن حق وصواب موقف کے مضبوط دلائل اس کے برخلاف ثابت ہوئے، اور اتباع تو حق وصواب اور مضبوط دلائل ہی کی کرنی چاہیے، خواہ وہ کسی کے بھی ساتھ ہوں۔ [1]

---

[1] حدیث" :هبط جبريل علي .فقال :إن الله يقرئک السلام، ويقول :إني حرمت النار على صلب أنزلک، وبطن حملک، وحجر كفلک .أما الصلب :فعبد الله .وأما البطن :فآمنة بنت وهب .وأما الحجر :فعبد _يعني :عبد المطلب، وفاطمة بنت أسد.

في إسناده :مجاهيل، وهو موضوع.

حديث" :ذهبت لقبر أمي فسألت الله أن يحييها فأحياها فآمنت بي، وردها الله تعالى."

رواه الخطيب عن عائشة مرفوعا، ورواه ابن شاهين عنها.

قال ابن ناصر :هو موضوع .وفي إسناده :محمد بن زياد النقاش، ليس بثقة، وأحمد بن يحيى الحضرمي، ومحمد بن يحيى الزهري، مجهولان.

قال ابن حجر في اللسان :أما محمد بن يحيى فليس بمجهول، بل معروف .وقال في الميزان :في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے ابنِ شاھین کی ''ناسخ الحدیث و منسوخه '' کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، جس حدیث کو نقل کیا ہے، اس کی سند پر تو کلام ہو چکا ہے۔

اس کے بعد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ:

''اس روایت کو علامہ سہیلی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ......۵۸۱ھ) نے ''روض الانف'' میں ذکر کیا، اور کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں۔

اور حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے، مگر موضوع نہیں۔

اور فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے''۔ انتہٰی۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ سہیلی کا حوالہ تو پہلے گزر چکا ہے، اور یہ بھی کہ جس روایت میں ''مجہول'' اور ضعیف، بلکہ شدید ضعیف راوی ہوں، اس کو ''صحیح'' قرار نہیں دیا جا سکتا، اور نہ ہی اس کو صحیح احادیث پر ترجیح دی جا سکتی۔

جہاں تک حافظ ابنِ کثیر کے فرمان کا تعلق ہے، تو ان کا ''السیرۃ النبویة '' کے حوالہ سے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ترجمة أحمد بن يحيى الحضرمي :روى عن حرملة التجيبي، ولينه ابن يونس وأما النقاش :فقال الذهبي :صار شيخ المقرئين في عصره، على ضعف فيه.

وقد أطال في اللآليء الكلام على هذا الحديث .وقال :الصواب الحكم عليه بالضعف لا بالوضع. قال :وقد ألفت في ذلك جزاء ا . انتهى(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة،لمحمد بن على بن محمد الشوكاني،ص ۳۲۱، ۳۲۲،باب فضائل النبى صلى الله عليه وآله وسلم)

كثيرا ما تجمع المحبة ببعض الناس، فيتخطى الحجة ويحاربها، ومن وفق علم أن ذلك مناف للمحبة المشروعة، والله المستعان، والنقاش :كذاب وضاع، راجع كلام الذهبي في ذلك، في ترجمة محمد بن مسعر، من الميزان، وكذلك محمد بن يحيى الزهرى، ترجمته في لسان الميزان 5/420رقم 1380، وراجع اللسان 4/91رقم 171، 4/192رقم .510و 5/398رقم 1295(حاشية:الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة،لعبد الرحمن بن يحى المعلمي اليماني،ص ۳۲۲،باب فضائل النبى صلى الله عليه وآله وسلم)

فرمان ہم پہلے ہی اپنے مضمون میں نقل کر چکے، جو کہ درجِ ذیل ہے:

”فإنه حديث منكر جداوإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه“

''یہ حدیث شدید منکر ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے، احیائے ابوین، ممکن ہے، لیکن، اس سلسلہ میں جو صحیح حدیث وارِد ہوئی ہے، وہ اس کے مخالف ہے''۔ [1]

یہی بات حافظ ابنِ کثیر نے اپنی معرکۃ الآ راء تالیف ''البداية والنهاية ''میں بھی فرمائی ہے، جس کا ''السيرةُ النبوية'' جزو ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية خلافا لفرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب على ما سيأتى فى وفاة أبى طالب.

وقد قال البيهقى -بعد روايته هذه الأحاديث فى كتابه دلائل

---

[1] قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا (فى تفسيرنا) عند قوله تعالى (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة.

ولله الحمد والمنة.وأما الحديث الذى ذكره السهيلى وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد، عن عروة، عن عائشة رضى الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منكر جدا.

وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.

لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه.والله أعلم(السيرة النبوية،لا بن كثير،ص ٢٣٩،ذكر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبى ذؤيب السعدية)

النبوة :وكيف لا يكون أبواه وجده عليه الصلاة والسلام بهذه الصفة فى الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن، حتى ماتوا ولم يدينوا دين عيسى بن مريم عليه السلام.

وكفرهم لا يقدح فى نسبه عليه الصلاة والسلام لأن أنكحة الكفار صحيحة .ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد ولا مفارقتهن إذا كان مثله يجوز فى الإسلام وبا للّٰه التوفيق.انتهى كلامه.

قلت :وإخباره صلى اللّٰه عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا فى تفسيرنا عند قوله تعالى :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة وللّٰه الحمد والمنة.

وأما الحديث الذى ذكره السهيلى وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد عن عروة عن عائشة رضى اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به.

فإنه حديث منكر جدا.وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة اللّٰه تعالى. لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه واللّٰه أعلم (البداية والنهاية،لابن كثير، ج۲،ص ۳۴۲، ۳۴۳، كتاب سيرة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم)

ترجمہ: اور مقصود یہ ہے کہ عبدالمطلب اس مذہب پر فوت ہوئے، جو جاہلیت کا دین تھا، شیعہ فرقے کا اُن (عبدالمطلب) کے بارے میں، اور ان کے بیٹے ابوطالب کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ عنقریب ابوطالب کی وفات کے ذیل میں آئے گا۔

اور امام بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائلُ النبوۃ'' میں ان احادیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا آخرت میں اس صفت پر کیونکر نہیں ہوں گے، دراں حالیکہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی عبادت کرتے رہے، اور انہوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کو قبول نہیں کیا۔

لیکن ان کا کفر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ردوقدح کا باعث نہیں بنتا، کیونکہ کفار کا نکاح صحیح ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ صحابۂ کرام اپنی بیویوں کے ہمراہ اسلام لائے، لیکن ان کے تجدیدِ نکاح کو لازم نہیں کیا گیا، اور نہ ان کی بیویوں کو ان سے جدا کیا گیا، کیونکہ اس کے مثل، اسلام میں بھی جائز ہے، اور اللہ ہی کے ذریعے توفیق حاصل ہوتی ہے، امام بیہقی کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور دادا عبدالمطلب کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ اہلِ نار میں سے ہیں، یہ اس حدیث کے منافی نہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ اہلِ فترۃ اور اطفال اور مجانین اور گونگوں کو قیامت کے دن امتحان میں مبتلا کیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر (ابنِ کثیر) میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا'' کے ضمن میں سند اور متن کے ساتھ تفصیل بیان کردی ہے، جن میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو اہلِ اجابت ہوں گے، اور وہ بھی ہوں گے، جو اہلِ اجابت نہیں ہوں گے، پس یہ لوگ (یعنی ابوی النبی اور جدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان

افراد میں داخل ہوں گے، جو اہلِ اجابت نہیں ہوں گے، لہٰذا ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے'' ولله الحمد والمنة''۔

اور رہی وہ حدیث جس کو سہیلی نے ذکر کیا ہے، اور سہیلی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کی سند میں ابنِ ابی الزناد کی سند تک، مجہول راوی ہیں، جو حضرت عروہ اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے، اپنے والدین کے زندہ کرنے کا سوال کیا، تو اللہ نے ان کو زندہ کردیا، اور وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

تو یہ حدیث شدید منکر ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے یہ بات ممکن ہے، لیکن صحیح حدیث میں جو بات ثابت ہے، وہ اس کے مخالف ہے، والله اعلم (البدایۃ والنہایۃ)

اس کے علاوہ حافظ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

وقرأ آخرون: ولا تسأل عن أصحاب الجحيم بفتح التاء على النهى ، أى: لا تسأل عن حالهم، كما قال عبد الرزاق: أخبرنا الثورى عن موسى بن عبيدة عن محمد بن كعب القرظى، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليت شعرى ما فعل أبواى ليت شعرى ما فعل أبواى ليت شعرى ما فعل أبواى؟ فنزلت: ولا تسئل عن أصحاب الجحيم، فما ذكرهما حتى توفاه الله عز وجل.

ورواه ابن جرير عن أبى كريب عن وكيع عن موسى بن عبيدة، وقد تكلموا فيه عن محمد بن كعب بمثله.

وقد حكاه القرطبى، عن ابن عباس ومحمد بن كعب، قال

القرطبی: وهـذا كما يقال لا تسأل عن فلان، أی: قد بلغ فوق ما تـحسب، وقد ذكرنا فی التذكرة أن اللّٰه أحيا له أبويه حتى آمنا به، وأجبنا عن قوله: إن أبی وأباک فی النار .

قلت : والـحـديـث الـمروی فی حياة أبويه عليه السلام، ليس فی شیء من الكتب الستة ولا غيرها، وإسناده ضعيف.

ثم قال ابن جرير: وحدثنی القاسم أخبرنا الحسين حدثنی حجاج عـن ابـن جـريـج، أخبرنی داود بن أبی عاصم، أن النبی صلى ا للّٰه عـلـيـه وسـلم قال ذات يوم: أيـن أبـوای ؟ فنزلت: إنـا أرسـلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن أصحاب الجحيم، وهذا مرسل كـالذی قبله، وقد رد ابن جرير هذا القول المروی، عن محمد بن كـعب وغيره فی ذلک، لاستحالة الشک من الرسول صلى ا للّٰه عليه وسلم فی أمر أبويه، واختار القرائة الأولى.

وهـذا الـذی سـلـكه هاهنا فيه نظر، لاحتمال أن هذا كان فی حال استـغفاره لأبويه، قبل أن يعلم أمرهما، فلما علم ذلک تبرأ منهما، وأخبـر عـنـهـمـا أنهـمـا من أهل النار، كما ثبت هذا فی الصحيح، ولهـذا أشبـاه كثيـرـة ونـظـائـر ولا يـلـزم ما ذكر ابن جرير، وا لـلّٰه أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج ا ص ۲۸۰، سورة البقرة)

ترجمہ: اور دوسرے حضرات نے ''تاء'' پر ''زبر'' کے ساتھ ''ولا تسـأل عـن أصـحـاب الجحيم '' پڑھا ہے، جو ''نہی'' پر محمول ہے، یعنی آپ ''اصـحابُ الـجـحيـم '' کے بارے میں سوال ودعاء نہ کریں (استغفار بھی دعاء میں داخل ہے) جیسا کہ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ہمیں ثوری نے موسیٰ بن عبیدہ کی

سند سے، انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش میں جان لیتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟ کاش میں جان لیتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟ کاش میں جان لیتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا؟ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''ولا تسئل عن أصحاب الجحيم''۔

اس کو ابنِ جریر نے ابو کریب سے انہوں نے وکیع سے، انہوں نے موسیٰ بن عبیدہ سے روایت کیا ہے، اور محدثین نے موسیٰ بن عبیدہ کی محمد بن کعب سے اس جیسی روایت کے بارے میں کلام کیا ہے۔

اور اس قول کو قرطبی نے ابنِ عباس اور محمد بن کعب سے نقل کیا ہے، جس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم فلاں کے بارے میں سوال نہ کرو، یعنی آپ حد سے نہ گزرو، اور ہم نے ''التذكرة'' میں یہ بات ذکر کردی ہے کہ اللہ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے، اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا جواب بھی دیا ہے کہ ''إن أبي وأباک فی النار''

(حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ احیائے ابوین کے متعلق جو حدیث مروی ہے (اور اس کا قرطبی نے ذکر کیا ہے) وہ کتبِ ستہ، اور غیر کتبِ ستہ میں نہیں ہے، اوپر سے اس کی سند ضعیف بھی ہے۔

پھر ابنِ جریر نے فرمایا کہ مجھ سے قاسم نے حدیث بیان کی کہ ہمیں حسین نے خبر دی، مجھ سے حجاج نے حدیث بیان کی ابنِ جریج کی سند سے، اور انہوں نے کہا کہ مجھے داؤد بن ابی عاصم نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ میرے والدین کہاں ہیں؟ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''إنا أرسلناک

بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن أصحاب الجحيم ''اور یہ روایت بھی اس سے پہلی روایت کی طرح ''مرسل'' ہے، اور ابنِ جریر نے اس قول کو جو محمد بن کعب وغیرہ سے اس آیت کے متعلق مروی ہے، اس لیے رَد کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے والدین کے معاملے میں شک کا پیدا ہونا محال ہے، اور ابنِ جریر نے پہلی (یعنی ''ت'' کے ''ضمہ'' والی) قرائت کو ترجیح دی ہے۔

لیکن ابنِ جریر نے جو مذکورہ طریقہ اختیار کیا، اس میں کلام ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہو، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، اور ان کی حالتِ (کفر) کا علم نہ ہوا تھا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا، تو ان سے برائت ظاہر کر دی، اور اس بات کی خبر دے دی کہ وہ اہلِ نار میں سے ہیں، جیسا کہ صحیح حدیث میں یہ بات ثابت ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں اور نظائر پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ابنِ جریر کا مذکورہ شبہ لازم نہیں آتا۔ **واللہ اعلم** (تفسیر ابنِ کثیر)

مذکورہ عبارت میں حافظ ابنِ کثیر نے ''احیاءِ ابوین'' کی حدیث کے کتبِ ستہ، اور غیر کتبِ ستہ میں نہ ہونے، اور مزید براں اس کی سند کے ''ضعیف'' ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس کے مقابلے میں، صحیح حدیث کے مطابق اہلِ نار میں سے ہونے کے ذکر کی صراحت فرمائی ہے، جس کے ضمن میں حافظ ابنِ کثیر نے امام قرطبی کے قول کی بھی تردید فرما دی ہے۔

جبکہ اس سے پہلی عبارت میں بھی حافظ ابنِ کثیر ہی کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس سلسلہ میں جو صحیح حدیث وارِد ہوئی ہے، وہ ''احیاء'' والی حدیث کے مخالف ہے۔

نیز حافظ ابنِ کثیر نے ہی اپنی تفسیر میں ایک حدیث کے ذیل میں فرمایا کہ:

وهذا حديث غريب وسياق عجيب، وأغرب منه وأشد نكارة ما

رواه الخطيب البغدادی فی كتاب "السابق واللاحق "بسند مجهول، عن عائشة فی حديث فيه قصة أن ا للّٰه أحيا أمه فآمنت ثم عادت.

وكذلک ما رواه السهيلی فی "الروض "بسند فيه جماعة مجهولون: أن اللّٰه أحيا له أباه وأمه فآمنا به .

وقد قال الحافظ ابن دحية: [هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع، قال اللّٰه تعالى: ”ولا الذين يموتون وهم كفار“

وقال أبو عبد اللّٰه القرطبی: إن مقتضى هذا الحديث . . .ورد على ابن دحية] فی هذا الاستدلال بما حاصله: أن هذه حياة جديدة، كما رجعت الشمس بعد غيبوبتها فصلى علی العصر، قال الطحاوی: وهو [حديث] ثابت، يعنی: حديث الشمس.

قال القرطبی: فليس إحياؤهما يمتنع عقلا ولا شرعا، قال: وقد سمعت أن اللّٰه أحيا عمه أبا طالب، فآمن به .

قلت: وهذا كله متوقف على صحة الحديث، فإذا صح فلا مانع منه واللّٰه أعلم (تفسير ابنِ كثير، ج۴ص ۱۹۵، سورة التوبة)

ترجمہ: اور یہ حدیث غریب ہے، اور اس کا سیاق عجیب ہے، اور اس سے بھی زیادہ غریب اور شدید نکیر پر مشتمل وہ حدیث ہے، جس کو خطیب بغدادی نے کتاب ''السابق واللاحق ''میں مجہول سند کے ساتھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، جس میں یہ قصہ ہے کہ ''أن اللّٰه أحيا أمه فآمنت ثم عادت''

اور اسی طرح اس روایت کا حال ہے، جس کو سہیلی نے مجہول جماعت کی سند کے

ساتھ روایت کیا ہے۔

حافظ ابنِ دحیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، جس کی قرآن اور اجماع سے تردید ہوتی ہے۔

اور ابوعبداللہ قرطبی نے ابنِ دحیہ کے اس استدلال کو یہ کہہ کر رَد کیا ہے کہ عقلاً اور شرعاً اس میں کوئی امتناع نہیں۔

(حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ حدیث کی صحت پر موقوف ہے، پس اگر حدیث صحیح ہوتی، تو اس میں کوئی مانع نہ ہوتا، واللّٰہ اعلم

(تفسیر ابنِ کثیر)

سہیلی اور قرطبی کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے، جس سے معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کی سند ایک ہی ہے۔

پس جب حافظ ابنِ کثیر نے مذکورہ روایت کو شدید غریب ومنکر، اور اس سلسلے میں وارِد صحیح حدیث کے مخالف قرار دے دیا، تو وہ ان کے نزدیک کیسے معتبر ہوسکتی ہے، اور ایسی صورت میں حافظ ابنِ کثیر کے کسی ایک مقام پر اس کے ضعیف کہنے کو اختیار کر لینا، اور ان کی طرف اس طرح سے نسبت کر دینا کہ جیسا کہ وہ فضائل ومناقب کے باب میں اس روایت کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

اسی لیے ہمیں اس موقع پر حافظ ابنِ کثیر کی طرف سے یہ تصریح دستیاب نہ ہوسکی، جو مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ:

''اور فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے''

''ومن ادعیٰ فعلیه البیان''

البتہ یہ بات علامہ سیوطی وغیرہ نے فرمائی ہے، لیکن اس بات میں زیادہ وزن نہیں، کیونکہ جب صحیح احادیث سے کسی کا کفر ثابت ہو، تو اس کے مقابلہ میں فضائل ومناقب کے عنوان

سے ضعیف حدیث کے ذریعہ ایمان کا ثبوت، بلکہ اس کا نسخ، جس کا اصل تعلق فضائل و مناقب کے بجائے عقیدہ سے ہے، ،دین کے کون سے نرالے اصول سے ثابت ہوگا؟ بالخصوص جس حدیث کا موضوع وشدید ضعیف ہونا راجح بھی ہو۔

اس اصول سے تو دین کی بنیادیں ہل کر رہ جائیں گی۔

اس کے بعد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضراتِ اہلِ علم کو تفصیل کے لیے شرح زرقانی کی مراجعت کا مشورہ دے کر یہ فرمایا ہے کہ:

''اس کتاب میں احیائے ابوین کی حدیث پر مفصل کلام کیا، اوراس زمانہ کے کسی علامہ کی درایت، محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابلِ التفات نہیں''۔

انتھیٰ ۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ واقعتاً احیائے ابوین کی حدیث کے متعلق محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے کسی علامہ کی درایت قابلِ التفات نہیں، خواہ وہ علامہ سیوطی ہوں، یا علامہ زرقانی ہوں، یا علامہ ابنِ حجر مکی ہوں، یا علامہ ادریس کاندھلوی صاحب ہوں، یا موصوف معترض جیسے علامہ ہوں۔

اور ہم اس سلسلہ میں محدثین کی روایت اور درایت کو نقل کر چکے ہیں، جس سے مذکورہ اصول کے مطابق فیصلہ بہت آسان ہے۔

اس کے بعد مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے شیخ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی کے حوالہ سے احیاءِ ابوین کی حدیث کے بارے میں حضراتِ محدثین کے تین قول نقل کیے ہیں۔

ایک قول اس حدیث کے موضوع ہونے کا، دوسرا قول ضعیف ہونے کا، اور تیسرا قول صحیح ہونے کا، اورانہوں نے صحیح ہونے کے قول کو امام قرطبی، اور ابنِ حجر مکی، اور حافظ ناصرالدین کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگرچہ ابنِ حجر مکی ہیتمی (المتوفیٰ:974ھ) نے ''الزواجر'' میں

دراصل امام قرطبی (المتوفیٰ: 671ھ) اور حافظ الشام ابنِ ناصر الدین (المتوفیٰ: 842ھ) وغیرہ کی طرف اس حدیث کے صحیح ہونے کی نسبت کی ہے۔[1]

جس سے معلوم ہوا کہ ابنِ حجر مکی کا تو یہ اپنا فیصلہ ہے ہی نہیں، بلکہ وہ دوسرے کی رائے کے صرف ناقل ہیں۔

لیکن خود امام قرطبی سے اس حدیث کا صحیح ہونا، ثابت نہ ہوسکا، بلکہ انہوں نے ''التذکرۃ'' میں سہیلی سے اس کی سند کا مجہول ہونا نقل کیا ہے، پھر مسلم کی حدیث ''إن أبی و أباک فی النار'' اور حدیث ''و أمی مع أمکما'' نقل کرنے کے بعد فرمایا ''وهذا إن صح إحیاؤهما'' جس سے صاف معلوم ہوا کہ امام قرطبی یہ فرمارہے ہیں کہ ''اگر احیائے ابوین کی حدیث کو صحیح مانا جائے، تو حدیث '' أبی و أباک فی النار'' اور حدیث ''و أمی مع أمکما'' بھی اپنی جگہ درست ہوگی، وہ اس طرح کہ یہ واقعہ مذکورہ

---

[1] ألا ترى أن نبينا -صلى الله عليه وسلم -قد أكرمه الله بحياة أبويه له حتى آمنا به، كما جاء فى حديث صححه القرطبى، وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فنفعهما الله تعالى بالإيمان بعد الموت على خلاف القاعدة إكراما لنبيه -صلى الله عليه وسلم - والخصوصيات لا يقاس عليها، ونازع بعضهم فى خبر إحياء أبويه -صلى الله عليه وسلم -وأطال فيه بما رددته عليه فى الفتاوى، وقد قال القرطبى وابن دحية وغيرهما: لم تزل فضائله -صلى الله عليه وسلم -وخصائصه تتوالى وتتتابع إلى حين وفاته، فيكون هذا مما فضله الله تعالى به وأكرمه، وليس إحياؤهما، وإيمانهما به ممتنعا عقلا، ولا سمعا فقد أحيا قتيل بنى إسرائيل حتى أخبر بقاتله، وكان عيسى -عليه السلام - يحيى الموتى، وكذلك نبينا -صلى الله عليه وسلم -أحيا الله على يديه جماعة من الموتى، وحينئذ فأى مانع من إحيائهما بعد موتهما زيادة فى كرامته وفضيلته، وقد صح أن الله تعالى رد عليه -صلى الله عليه وسلم -الشمس بعد مغيبها حتى صلى على كرم الله وجهه العصر، فكما أكرم بعود الشمس والوقت بعد فواته، فكذلك أكرم بعود الحياة ووقت الإيمان بعد فواته إكراما له أيضا، ولا ينافى ذلك قول بعض المفسرين إن '' ولا تسأل عن أصحاب الجحيم''نزلت فى أبويه لأن ذلك أعنى سبب نزولها لم يصح فيه شيء، وعلى التنزل فالمراد أصحاب الجحيم لولا كرامتك.

وخبر مسلم :أبى وأبوك فى النار .إما كان قبل علمه أو قاله تطمينا، وإرشادا لذلك الأعرابى، فإنه تغير لما قال أبوك فى النار(الزواجر عن اقتراف الكبائر،ج ١،ص ٥٤،الباب الأول فى الكبائر الباطنة وما يتبعها)

احادیث کے بعد کا شمار ہوگا۔ [1]

لیکن ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے، جب کہ ''احیائے ابوین'' کی حدیث صحیح ہو، مگر اس کا سند سے صحیح ہونا، ابھی ثابت ہی نہیں۔

---

[1] فصل: جاء فی هذا الباب: حديث يعرض حديث هذا الباب.

وهو ما خرجه أبو بكر أحمد بن على الخطيب فى كتاب السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين فى الناسخ والمنسوخ له فى الحديث بإسناديهما عن عائشة رضى الله عنها قالت: حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بى على عقبة الحجون وهو باك حزين، مغتم فبكيت لبكائه صلى الله عليه وسلم ثم إنه طفر أى وثب فنزل فقال: يا حميراء استمسكى فاستندت إلى جنب البعير.

فمكث عنى طويلا ثم عاد إلى وهو فرح مبتسم فقلت له: بأبى أنت وأمى يا رسول الله.

نزلت من عندى وأنت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك يا رسول الله، ثم إنك عدت إلى وأنت فرح مبتسم فعن ماذا يا رسول الله؟ فقال: مررت بقبر أمى آمنة فسألت الله ربى أن يحييها فأحياها فآمنت بى ـ أو قال ـ فآمنت وردها الله عز وجل لفظ الخطيب.

وقد ذكر السهيلى فى الروض الأنف بإسناد فيه مجهولون [أن الله تعالى أحيا له أباه وأمه وآمنا به].

قال الشيخ المؤلف رحمه الله: ولا تعارض والحمد لله، لأن إحيائهما متأخر عن النهى بالاستغفار لهما.

بدليل حديث عائشة رضى الله عنها: أن ذلك كان فى حجة الوداع وكذلك جعله ابن شاهين ناسخا لما ذكر من الأخبار .

قلت: ويبينه حديث مسلم عن أنس أن رجلا قال يا رسول الله: أين أبى؟ قال: فى النار فلما قفا دعاه قال: إن أبى وأباك فى النار وحديث سلمة بن يزيد الجعفى وفيه: فلما رأى ما دخل علينا قال: وأمى مع أمكما.

وهذا إن صح إحياؤهما.

وقد سمعت: أن الله تعالى أحيا له عمه أبا طالب وآمن به.والله أعلم.

وقد قيل: إن الحديث فى إيمان أمه وأبيه موضوع يرده القرآن العظيم والإجماع قال الله العظيم "ولا الذين يموتون وهم كفار" فمن مات كافرا لم ينفعه الإيمان بعد الرجعة، بل لو آمن عند المعاينة لم ينتفع فكيف بعد الإعادة؟ وفى التفسير أنه عليه السلام قال: ليت شعرى ما فعل أبواى فنزل "ولا تسأل عن أصحاب الجحيم"

قال المؤلف: ذكره الحافظ أبو الخطاب عمر بن دحية وفيه نظر، وذلك أن فضائل النبى صلى الله عليه وسلم وخصائصه لم تزل تتوالى وتتابع إلى حين مماته، فيكون هذا مما فضله الله تعالى وأكرمه به.

ليس إحياؤهما وإيمانهما بممتنع عقلا ولا شرعا (التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة للقرطبى، ص ١٣٦ الٰی ١٤١، فى أمور تذكر الموت والأخرة ويزهد فى الدنيا)

جہاں تک حافظ ناصر الدین دمشقی کا تعلق ہے، تو ان سے بھی احیائے ابوین کی حدیث کا صحیح ہونا باحوالہ دستیاب نہیں، البتہ انہوں نے سہیلی سے ''حدیث غریب لعلهٔ أن یصح'' فرمایا ہے۔''ومن ادعیٰ فعلیه البیان''۔ [1]

البتہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری حدیث کو صحیح کہا ہے، جس میں احیائے ابوین کا ذکر ہرگز نہیں، بلکہ اس میں حبشیوں کے کھیلنے کے واقعہ کے ذیل میں ''یا حمیراء'' کے الفاظ ہیں، جس کے بعد حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کے علاوہ کسی اور صحیح حدیث میں ''حمیراء'' کے الفاظ نہیں دیکھے۔ [2]

---

[1] جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضمون ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] وقالت أی عائشة کان یوم عید فتبین بهذا أنه موصول کالأول قوله یلعب فیه السودان فی روایة الزهری المذکورة والحبشة یلعبون فی المسجد وزاد فی روایة معلقة ووصلها مسلم بحرابهم ولمسلم من روایة هشام عن أبیه جاء حبش یلعبون فی المسجد قال المحب الطبری هذا السیاق یشعر بأن عادتهم ذلک فی کل عید ووقع فی روایة بن حبان لما قدم وفد الحبشة قاموا یلعبون فی المسجد وهذا یشعر بأن الترخیص لهم فی ذلک بحال القدوم ولا تنافی بینهما لاحتمال أن یکون قدومهم صادف یوم عید وکان من عادتهم اللعب فی الأعیاد ففعلوا ذلک کعادتهم ثم صاروا یلعبون یوم کل عید ویؤیده ما رواه أبو داود عن أنس قال لما قدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة لعبت الحبشة فرحا بذلک لعبوا بحرابهم ولا شک أن یوم قدومه صلی الله علیه وسلم کان عندهم أعظم من یوم العید قال الزین بن المنیر سماه لعبا وإن کان أصله التدریب علی الحرب وهو من الجد لما فیه من شبه اللعب لکونه یقصد إلی الطعن ولا یفعله ویوهم بذلک قرنه ولو کان أباه أو ابنه قوله فإما سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم وإما قال تشتهین تنظرین هذا تردد منها فیما کان وقع له هل کان أذن لها فی ذلک ابتداء منه أو عن سؤال منها وهذا بناء علی أن سألت بسکون اللام علی أنه کلامها ویحتمل أن یکون بفتح اللام فیکون کلام الراوی فلا ینافی مع ذلک قوله وإما قال تشتهین تنظرین وقد اختلفت الروایات عنها فی ذلک ففی روایة النسائی من طریق یزید بن رومان عنها سمعت لغطا وصوت صبیان فقام النبی صلی الله علیه وسلم فإذا حبشیة تزفن أی ترقص والصبیان حولها فقال یا عائشة تعالی فانظری ففی هذا أنه ابتدأها وفی روایة عبید بن عمیر عنها عند مسلم أنها قالت للعابین وددت أنی أراهم ففی هذا أنها سألت ویجمع بینهما بأنها التمست منه ذلک فأذن لها وفی روایة النسائی من طریق أبی سلمة عنها دخل الحبشة یلعبون فقال لی النبی صلی الله علیه وسلم یا حمیراء أتحبین أن تنظری إلیهم فقلت نعم إسناده صحیح ولم أر فی حدیث صحیح ذکر الحمیراء إلا فی هذا وفی روایة أبی سلمة هذه من الزیادة عنها (فتح الباری لابن حجر، ج۲، ص ۴۴۳ و ۴۴۴، ابواب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید)

اور علامہ زرقانی نے حافظ کے حوالہ سے جس حدیث کا صحیح ہونا نقل کیا ہے، وہ مذکورہ حدیث ہی ہے، جس میں احیائے ابوین کا ذکر نہیں، اور انہوں نے ’’السابق و اللاحق ‘‘ کی طرف منسوب روایت میں ’’حمیراء‘‘ کے الفاظ کی توضیح کے لئے اس حدیث کو اس موقعہ پر نقل کیا ہے۔

لہٰذا حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی طرف احیائے ابوین کی حدیث کی صحت کی نسبت بھی، غلط فہمی اور تسامح پر مبنی ہے۔ [1]

اور ہم اپنے سابق مضمون میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ’’مرقاۃُ المفاتیح ‘‘ کے حوالے سے کلام نقل کر چکے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

> ’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی‘‘ ابن الملک نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی والدہ کافرتھیں، اور کافروں کے لیے استغفار جائز نہیں، کیونکہ اللہ ہرگز کافروں کی کبھی بھی مغفرت نہیں فرمائے گا......
>
> اور ابنِ حجر مکی (شافعی) نے اس موقع پر عجیب وغریب بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ

---

[1] وأما قوله: " بلفظ، قالت عائشة "فإنما عزاه القرطبي والسيوطي وغيرهما للخطيب فلعله سقط من قلم المؤلف والخطيب في السابق واللاحق، قال –أعني الخطيب– أنبأنا أبو العلاء الواسطي، حدثنا الحسين بن محمد الحلبي، حدثنا أبو طالب عمر بن الربيع الزاهد، حدثنا علي بن أيوب الكعبي، حدثنا محمد بن يحيي الزهري عن أبي غزية، حدثنا عبد الوهاب ابن موسى، حدثنا مالك بن أنس، عن أبي الزناد، عن هشام بن عروة، عن عائشة، قالت:" حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بي على عقبة الحجون "أي: الطريق الموصل إلى الحجون، أو الإضافة بيانية "وهو باک حزين مغتم، فبكيت لبكائه "لفظ الخطيب: لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم, ثم إنه نزل، فقال: " يا حميراء "تصغير حمراء، أي: بيضاء للتحبب؛ كقولهم: يا بني يا أخي، وروى النسائي من طريق أبي سلمة عن عائشة: دخلت الحبشة المسجد يلعبون، فقال لي النبي صلى الله عليه وسلم:" يا حميراء! أتحبين أن تنظري إليهم "فقلت: نعم.

قال الحافظ: إسناده صحيح، ولم أر حديثًا صحيحًا فيه ذكر الحميراء غيره، انتهى (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج ۱ ص ۳۱۴ ، المقصد الأول: في تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام،ذكر وفاة أمه وما يتعلق بأبويه صلى الله عليه وسلم)

علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حکمت یہ تھی کہ اس کے بعد ان کو زندہ کر کے ان پر نعمت کو پورا کیا جانا تھا، یہاں تک کہ وہ بڑے مومنوں میں سے ہو جائیں، یا پھر استغفار سے اس وقت تک روکنا مقصود تھا، جب تک ان کو زندہ کر کے ایمان سے مشرف نہ کر دیا جائے، پھر وہ اس وقت میں کامل استغفار کی مستحق ہو جائیں، ابنِ حجر مکی کی بات ختم ہوئی۔

مگر ابنِ حجر مکی کی اس بات میں وزن نہیں، کیونکہ ایمان سے پہلے تو وہ بالکل ہی استغفار کی مستحق نہیں تھیں (اوران کا بعد میں ایمان لانا قابلِ حجت طریقہ پر ثابت نہیں)

پھر جمہور اہلِ علم حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں وارِد شدہ حدیثوں میں سب سے زیادہ صحیح ترین ہے، رہا ابنِ حجر مکی کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور بعد میں ان کو وفات دے دی جانے کی حدیث صحیح ہے، جس کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے، تو اولاً تو اس کا صحیح ہونا مسلّم نہیں، بصورتِ دیگر یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے مقابلے میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیونکہ حفاظُ الحدیث نے اس (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جا کر ایمان لانے کی) حدیث پر طعن کیا ہے، اور انہوں نے اس کے جواز وامکان کا بھی انکار کیا ہے، کیونکہ حالتِ نزع کا ایمان بالاجماع مقبول نہیں، جس پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہے (پھر موت کے بعد کا ایمان کیونکر مقبول ہوگا) اور مکلّف سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ صرف ایمانِ غیبی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اگر ان کفار کو دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے، تو وہ منع

کی ہوئی چیزوں کو ہی دوبارہ اختیار کریں گے'' (یعنی انہیں دوبارہ ایمان کی توفیق نہیں ہوگی) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح حدیث صراحتاً اس تاویل کا بھی رد کرتی ہے، جو بعض نے کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ''اھلِ فترَۃ'' میں سے تھے، اور ان کو عذاب نہیں ہوگا، جبکہ خود یہ (اہلِ فترۃ کے ناجی ہونے کا) مسئلہ اختلافی بھی ہے (مرقاۃ)

(علمی و تحقیقی رسائل، ج۱۲ص۲۳۶تا۲۳۸، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

اور ''سنن ابی داؤد'' کی شرح ''عونُ المعبود'' میں ہے:

وكل ما ورد بإحياء والديه صلى الله عليه وسلم وإيمانهما ونجاتهما أكثره موضوع مكذوب مفترى وبعضه ضعيف جدا لا يصح بحال لاتفاق أئمة الحديث على وضعه كالدارقطنى والجوزقانى وبن شاهين والخطيب وبن عساكر وبن ناصر وبن الجوزى والسهيلى والقرطبى والمحب الطبرى وفتح الدين بن سيد الناس وإبراهيم الحلبى وجماعة.

وقد بسط الكلام فى عدم نجاة الوالدين العلامة إبراهيم الحلبى فى رسالة مستقلة والعلامة على القارىء فى شرح الفقه الأكبر وفى رسالة مستقلة .

ويشهد لصحة هذا المسلک هذا الحديث الصحيح.

والشيخ جلال الدين السيوطى قد خالف الحافظ والعلماء المحققين وأثبت لهما الإيمان والنجاة فصنف الرسائل العديدة فى ذلک منها رسالة التعظيم والمنة فى أن أبوى رسول الله فى الجنة.

قلت العلامة السيوطى متساهل جدا لا عبرة بكلامه فى هذا الباب ما لم يوافقه كلام الأئمة النقاد.

وقال السندى من يقول بنجاة والديه صلى الله عليه وسلم يحمله على العم فإن اسم الأب يطلق على العم مع أن أبا طالب قد ربى رسول الله صلى الله عليه وسلم فيستحق إطلاق اسم الأب من تلك الجهة انتهى.

وهذا أيضا كلام ضعيف باطل.

وقد ملأ مؤلف تفسير روح البيان تفسيره بهذه الأحاديث الموضوعة المكذوبة كما هو دأبه فى كل موضع من تفسيره بإيراده للروايات المكذوبة فصار تفسيره مخزن الأحاديث الموضوعة.

وقال بعض العلماء التوقف فى الباب هو الأسلم وهو كلام حسن والله أعلم (عون المعبود شرح سنن أبى داود، لمحمد أشرف بن أمير، العظيم آبادى، ج ۱۲ ،ص ۳۲۴، كتاب السنة، باب فى ذرارى المشركين)

ترجمہ: اور وہ سب روایات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے اوران کے ایمان لانے اوران کی نجات کے متعلق وارِد ہوئی ہیں، اُن میں سے اکثر موضوع اور جھوٹی اور خودساختہ ہیں، اور بعض ان میں سے سخت ضعیف ہیں، جو کسی حال میں بھی صحیح نہیں، کئی ائمۂ حدیث کا اُن کے خودساختہ ہونے پر اتفاق ہے، جیسا کہ دارقطنی اور جورقانی اور ابنِ شاہین اور خطیب اور ابنِ عساکر اور ابنِ ناصر اور ابنِ جوزی اور سہیلی اور قرطبی اور محبّ طبری اور فتح الدین بن سید الناس اور ابراہیم حلبی اور دوسری ایک جماعت کے نزدیک۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ''ناجی'' نہ ہونے پر علامہ ابراہیم حلبی نے اپنے مستقل رسالہ میں تفصیلی کلام کیا ہے، اور ملا علی قاری نے ''**شرح الفقہ الاکبر**'' میں اور اپنے ایک مستقل رسالہ میں بھی اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اور اس مسلک کے صحیح ہونے کی یہ (گزشتہ) صحیح حدیث شہادت دیتی ہے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے حفاظ اور علمائے محققین کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ایمان اور نجات کو ثابت کیا ہے، جس پر انہوں نے چند رسائل تصنیف کیے ہیں، ان میں سے ایک رسالہ اس نام سے ہے''**التعظیم والمنۃ فی أن أبوی رسول اللّٰہ فی الجنۃ**''

میں کہتا ہوں کہ علامہ سیوطی بہت زیادہ متساہل ہیں، اس باب میں ان کے کلام کا اعتبار نہیں، جب تک کہ ان کی موافقت ائمۂ نقاد کے کلام سے نہ ہو۔

اور علامہ سندھی نے فرمایا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے قائل ہیں، وہ اس حدیث میں ''باپ'' کے لفظ کو ''چچا'' پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ ''باپ'' کا نام ''چچا'' پر بھی بولا جاتا ہے، باوجودیکہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی ہے، اس جہت سے وہ ''باپ'' کے نام کے اطلاق کے مستحق ہوئے، سندھی کا کلام ختم ہوا۔

لیکن یہ کلام بھی ''ضعیف'' اور ''باطل'' ہے۔

اور ''**تفسیر روح البیان**'' کے مؤلف نے ان من گھڑت اور جھوٹی احادیث سے اپنی تفسیر کو بھر دیا ہے، جیسا کہ ان کی اپنی تفسیر میں ہر جگہ عادت ہے کہ وہ جھوٹی روایات کو لاتے ہیں، اس لیے ان کی تفسیر ''موضوع'' احادیث کا خزانہ بن گئی۔

اور بعض علماء نے اس سلسلہ میں توقف کو زیادہ سلامتی کا باعث قرار دیا ہے، اور یہ اچھا کلام ہے۔**واللہ اعلم** (عونُ المعبود)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابنِ عساکر کی طرف ''احیائے ابوین'' کی جو حدیث منسوب کی جاتی ہے، اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان''میں نقل کیا ہے، اور اس کی سند بھی وہی ہے، جس میں ''ابو غزیہ''اور ''عبدالوہاب بن موسی الزہری'' راوی موجود ہیں، بلکہ ابنِ عساکر کی طرف اس حدیث کو منکر قرار دینا بھی منسوب ہے۔ [1]

اس کے بعد عرض ہے کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہ شرحُ الزرقانی سے نقل کی ہے، اور شرحُ الزرقانی دراصل علامہ قسطلانی (المتوفی: 923ھ) کی ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية '' کی شرح ہے، جس کے متن میں علامہ قسطلانی نے مذکورہ حدیث کے متعلق فرمایا کہ:

''سہیلی نے فرمایا کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔

اور ابنِ کثیر نے فرمایا کہ یہ حدیث شدید منکر ہے، اور اس کی سند مجہول ہے۔

---

[1] وأورد لـه ابـن عسـاكـر فـي غـرائـب مـالك من طريق الحسين بن على بن محمد بن إسحاق الحلبى حدثنا أبو طالب عمر بن الربيع الخشاب حدثنا على بن أيوب الكعبى من ولد كعب بن مالك حدثنى محمد بن يحيى الزهرى أبو غزية حدثنى عبد الوهاب بن موسى حدثنى مالك، عن أبى الزناد عن هشام بن عروة عن ...عن عائشة قالت :حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بى على عقبة الحجون وهو باك حزين مغتم فبكيت لبكائه ثم إنه طفر فنزل وقال :يا حميراء استمسكى فاستندت إلى جنب البعير فمكث عنى طويلا ثم عاد إلى وهو فرح مبتسم فقلت له :بأبى أنت وأمى يا رسول الله ,نزلت من عندى وأنت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك ,ثم إنك عدت وأنت فرح ففيم ذا يا رسول الله؟ قال :مررت بقبر أمى آمنة فسألت الله أن يحييها فأحياها فآمنت بى وردها الله.

قال ابن عساكر :هذا حديث منكر من حديث عبد الوهاب بن موسى الزهرى المدنى عن مالك , والكعبى مجهول ,والحلبى صاحب غرائب، ولا يعرف لأبى الزناد رواية عن هشام ,وهشام لم يدرك عائشة ,فلعله سقط من كتابى :(عن أبيه(.انتهى.)

ولم ينبه على عمر بن الربيع، ولا على محمد بن يحيى وهما أولى أن يلصق بهما هذا الحديث من الكعبى، وغيره ,وقد تقدم ذلك فى عبد الوهاب بن موسى وفيه إثبات قوله :، عن أبيه ,التى ظن أنها سقطت فهو كما ظن وبالله التوفيق.

وقال مسلمة بن قاسم :تكلم فيه قوم ووثقه آخرون وكان كثير الحديث(لسان الميزان،لا بن حجر العسقلانى،ج٦،ص١٠٠، ١٠١،تحت ترجمة "عمر بن الربيع الخشاب" رقم الترجمة ٥٦١٨، حرف العين المهملة، من اسمه عمر)

اور ابنِ دحیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، جس کی قرآن اور اجماع تردید کرتا ہے''۔انتھٰی۔ [1]

اس کے بعد ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' میں علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ:

''مذکورہ حدیث وغیرہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ناجی قرار دیا ہے، اور ''لیسا فی النار'' فرمایا ہے۔

لیکن دوسرے اہلِ علم حضرات نے اس کی تردید کی ہے کہ انہوں نے کسی کی تصریح کو نہیں دیکھا کہ موت کے ذریعہ انقطاعِ عمل کے بعد اس کے ایمان نے اس کو نفع پہنچایا ہو، اگر کوئی خصوصیت کا دعوٰی کرے، تو اس پر دلیل کا پیش کرنا واجب ہے،

اسی بات کو پہلے ابوالخطاب ابنِ دحیہ نے بیان کیا ہے، جن کی عبارت یہ ہے کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، تو اسے لوٹنے کے بعد ایمان نفع نہیں پہنچاتا، بلکہ اگر موت کے معائنہ کے وقت ایمان لے آئے، تب بھی اس کو نفع نہیں پہنچتا، تو اعادہ کے بعد کیسے نفع پہنچے گا۔

لیکن قرطبی نے ''التذکرة'' میں اس کا تعقب کیا ہے، اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] وقد روى أن آمنة آمنت به– صلى الله عليه وسلم– بعد موتها .

فروى الطبرى بسنده عن عائشة أن النبى– صلى الله عليه وسلم– نزل الحجون كئيبا حزينا، فأقام به ما شاء الله عز وجل، ثم رجع مسرورا، قال: سألت ربى فأحيا لى أمى، فامنت بى ثم ردها .

ورواه أبو حفص بن شاهين فى كتاب: الناسخ والمنسوخ له، بلفظ، قالت عائشة: حج بنا رسول الله– صلى الله عليه وسلم– حجة الوداع، فمر بى على عقبة الحجون، وهو باك حزين مغتم، فبكيت لبكائه، ثم إنه نزل فقال: يا حميراء استمسكى فاستندت إلى جنب البعير، فمكثت مليا، ثم عاد إلى وهو فرح متبسم فقال: ذهبت لقبر أمى فسألت ربى أن يحييها، فأحياها فامنت بى .

وكذا روى من حديث عائشة أيضا إحياء أبويه– صلى الله عليه وسلم– حتى آمنا به.

أورده السهيلى، وكذا الخطيب فى السابق واللاحق.

وقال السهيلى: إن فى إسناده مجاهيل.

وقال ابن كثير: إنه حديث منكر جدا، وسنده مجهول.

وقال ابن دحية: هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع .انتهى (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج ا ص ۱۰۲، ۱۰۳، المقصد الاول، ذكر رضاعه صلى الله عليه وسلم)

وسلم کے فضائل اور خصوصیات آپ کی وفات تک برابر اور پے در پے جاری رہیں، پس یہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہوگا، اور احیائے ابوین اور ان کا بعد میں ایمان لانا، عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں، اور ابنِ دحیہ کا یہ کہنا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کو بعد میں ایمان نفع نہیں پہنچاتا، یہ بات اس لیے مردود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غروب کے بعد ردِّ شمس مروی ہے، پس اسی طریقہ سے ابوین کا ایمان بھی نافع ہوگا، قرطبی کی بات ختم ہوئی۔

لیکن بعض حضرات نے ردِّ شمس کی حدیث پر بھی طعن کیا ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ معجزات کے باب میں آئے گا''۔انتہیٰ۔ [1]

علامہ قسطلانی کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں احیائے ابوین کی تصدیق نہیں کی، بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں امام قرطبی کے کلام کو نقل کیا ہے، جن کے

---

[1] وقد جزم بعض العلماء: أن أبويه– صلى الله عليه وسلم– ناجيان، وليسا فى النار، متمسكا بهذا الحديث وغيره.

وتعقبه عالم آخر: بأنه لم ير أحدا صرح بأن الإيمان بعد انقطاع العمل بالموت ينفع صاحبه، فإن ادعى أحد الخصوصية فعليه الدليل .انتهى.

وقد سبقه لذلك، أبو الخطاب بن دحية، وعبارته: من مات كافرا لم ينفعه الإيمان بعد الرجعة، بل لو آمن عند المعاينة لم ينفعه ذلك، فكيف بعد الإعادة .انتهى.

وتعقبه القرطبى فى التذكرة: بأن فضائله– صلى الله عليه وسلم– وخصائصه لم تزل تتوالى وتتابع إلى حين مماته، فيكون هذا مما فضله الله به وأكرمه، قال:وليس إحياؤهما وإيمانهما بممتنع عقلا ولا شرعا، فقد ورد فى الكتاب العزيز إحياء قتيل بنى إسرائيل، وإخباره بقاتله، وكان عيسى– عليه السلام– يحيى الموتى، وكذلك نبينا– صلى الله عليه وسلم– أحيا الله على يده جماعة من الموتى، وإذا ثبت هذا فلا يمتنع إيمانهما بعد إحيائهما، ويكون ذلك زيادة فى كرامته وفضيلته.

ثم قال: وقوله: من مات كافرا إلى آخر كلامه، مردود بما روى فى الخبر أن الله تعالى رد الشمس على نبيه– صلى الله عليه وسلم– بعد مغيبها .ذكره الطحاوى وقال: إنه حديث ثابت، فلو لم يكن رجوع الشمس نافعا، وأنه لا يتجدد به الوقت لما ردها عليه، فكذلك يكون إحياء أبوى النبى– صلى الله عليه وسلم– نافعا لإيمانهما وتصديقهما بالنبى– صلى الله عليه وسلم– انتهى .

وقد طعن بعضهم فى حديث رد الشمس .كما سيأتى– إن شاء الله– فى مقصد المعجزات (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج ا ص ۱۰۳، ۱۰۴، المقصد الاول، ذكر رضاعه صلى الله عليه وسلم)

استدلال کی کمزوری کی طرف دوسرے حضرات کی نشاندہی کا اشارہ بھی کیا ہے۔

اور ہم حافظ ابنِ کثیر کے حوالہ سے امام قرطبی کے اس قول کی تردید نقل کر چکے ہیں کہ ان کا قول اسی صورت میں معتبر ہے، جب کہ احیائے ابوین کی حدیث کی سند معتبر ہو، اور اس کی سند معتبر نہیں، اس لیے امام قرطبی کی طرف سے اس مسئلہ میں خصوصیت کا دعویٰ بھی بلا دلیل ٹھہرا، جس کی وجہ سے دوسری نصوص، عام ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق برقرار رہیں، اور ان سے اس مسئلہ کے استثناء کا کوئی ثبوت نہ ہوا، جس کے پیشِ نظر ابنِ دحیہ کا موقف ہی راجح ہوا۔

پھر اس کے بعد''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' میں علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ:

''نجاتِ ابوین کے بعض قائلین نے اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ وہ بعثت سے قبل، زمانۂ فترت میں فوت ہوگئے تھے، اور بعثت سے قبل فوت ہونے والوں کے لیے عذاب نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد علامہ قسطلانی (المتوفیٰ:923ھ) نے امام فخر الدین رازی کے حوالہ سے اسی بات کا اعادہ کیا ہے، جس کا ذکر علامہ سیوطی (المتوفیٰ:911ھ) نے کیا ہے کہ فخر الدین رازی نے اپنی کتاب''اسرارُ التنزيل''میں''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ ہونے، اور چچا ہونے کا ذکر کیا ہے، اور ''وتقلبک في الساجدين'' کی آیت اور''لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات'' سے آباءِ انبیاء، اور تمام آباءِ محمد کے کافر نہ ہونے، بلکہ مسلمان ہونے پر استدلال کا ذکر کیا ہے۔

پھر خود ہی بیضاوی کے حوالے سے مذکورہ آیت کے استدلال کی بھی تردید فرمائی ہے، اور''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہونے کی بھی تردید فرمائی ہے، اور ''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کا والد ہونے کے بجائے، چچا قرار دینے کو بغیر

دلیل کے ظاہر سے عدول قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی ابوحیان سے ”**وتقلبک فی الساجدین**“ کی تفسیر کے ذیل میں آباء النبی کے مومن ہونے کے قول کے متعلق روافض کا قول ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

اور پھر اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کے قبر پر جانے، اور رب تعالیٰ کی طرف سے، استغفار کی اجازت نہ ملنے، اور اس پر سورہ توبہ کی آیت ”**ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربیٰ**“ کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔

اور پھر مسلم کی حدیث کا ذکر کیا ہے، جس میں رب تعالیٰ کی طرف سے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے۔

اور اس کے بعد قاضی عیاض کے اس قول کا ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا سبب، اُن سے ایمان کا فوت ہونا تھا۔

اور اس کے بعد مسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، جس میں ”**إن أبی وأباک فی النار**“ مذکور ہے۔

اور اس کے ذیل میں امام نووی کے اس قول کا ذکر کیا ہے کہ ”جو کفر پر فوت ہوجائے، وہ نار میں جائے گا، اور اس کو مقربین کی قرابت نفع نہیں پہنچائے گی، اور جو لوگ زمانۂ فترۃ میں عرب کی بت پرستی پر فوت ہوگئے، وہ ناری ہیں، اور یہ بلوغِ دعوت سے قبل مؤاخذہ نہیں، کیونکہ اُن کو ابراہیم اور دوسرے نبیوں کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

اور پھر امام فخر الدین رازی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ جو شرک کی حالت میں فوت ہوجائے، وہ جہنمی ہے، اگرچہ وہ بعثت سے قبل فوت ہوگیا ہو، کیونکہ مشرکین

نے حنیفی دینِ ابراہیم کو تبدیل کر کے شرک کا ارتکاب کرلیا تھا، اور تمام رسولوں کا دین، اول سے آخر تک لوگوں کو معلوم رہا، اور اللہ کی طرف سے تمام مشرکین پر، ہر وقت اور ہر زمانے میں حجت قائم رہی، اگرچہ توحیدِ ربوبیت کے لیے فطرۃُ اللہ بھی کافی ہے، کیونکہ ہر فطرت اور عقل، اللہ کے ساتھ شرک کو محال قرار دیتی ہے''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] وقد تمسک القائل بنجاتهما أيضا بأنهما ماتا قبل البعثة، فی زمن الفترة، ولا تعذيب قبلها لقوله تعالى: وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا قال:وقد أطبقت الأئمة الأشاعرة من أهل الكلام والأصول، والشافعية من الفقهاء على أن من مات ولم تبلغه الدعوة يموت ناجيا .

قال: وقال الإمام فخر الدين الرازی فی كتابه أسرار التنزيل ما نصه:

قيل إن آزر لم يكن والد إبراهيم، بل كان عمه، واحتجوا عليه بوجوه، منها: أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا، ويدل عليه وجوه منها: قوله تعالى:الذی يراک حين تقوم وتقلبک فی الساجدين

قيل معناه: أنه كان ينتقل نوره من ساجد إلى ساجد، ففيه دلالة على أن جميع آباء محمد كانوا مسلمين .

ثم قال: ومما يدل على أن آباء محمد– صلى الله عليه وسلم– ما كانوا مشركين .قوله عليه السلام–: لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات وقال تعالى: إنما المشركون نجس فوجب ألايكون أحد من أجداده مشركا .كذا قال.

وهو متعقب: بأنه لا دلالة فی قوله: وتقلبک فی الساجدين .على ما ادعاه، فقد ذكر البيضاوی– فی تفسيره– وغيره، أن معنى الآية: وترددک فی تصفح أحوال المتهجدين، كما روى أنه لما نسخ فرض قيام الليل طاف– عليه السلام– تلک الليلة ببيوت أصحابه لينظر ما يصنعون، حرصا على كثرة طاعاتهم، فوجدها كبيوت الزنابير لما سمع لها من دندنتهم بذكر الله تعالى.

*وقد ورد النص بأن أبا إبراهيم– عليه الصلاة والسلام– مات على الكفر، كما صرح به البيضاوی وغيره، قال تعالى: فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه .

وأما قوله إنه كان عمه فعدول عن الظاهر من غير دليل .انتهى.

ونقل الإمام أبو حيان فی البحر عند تفسير قوله: وتقلبک فی الساجدين .أن الرافضة هم القائلون أن آباء النبی– صلى الله عليه وسلم– كانوا مؤمنين، مستدلين بقوله تعالى: وتقلبک فی الساجدين .وبقوله– عليه السلام–: لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين الحديث .انتهى.

*وروى ابن جرير عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه: أن النبی– صلى الله عليه وسلم– لما قدم مكة أتى رسم قبر، فجلس إليه فجعل يخاطب ثم قام مستعبرا فقلنا يا رسول الله إنا رأينا ما صنعت، قال: إنی استأذنت ربی فی زيارة قبر أمی فأذن لی، واستأذنته فی الاستغفار لها فلم يأذن لی .فما رؤی باكيا أكثر من يومئذ .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''پھر اس کے بعد علامہ قسطلانی نے ابو عبداللہ الأبی مالکی سے امام نووی کے مذکورہ کلام میں تأمل کا ذکر کیا ہے، اور زمانۂ فترۃ میں فوت ہونے والوں کے ''غیر معذب'' ہونے پر ''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا'' سے استدلال کیا ہے، اور جن احادیث میں زمانۂ جاہلیت کے مختلف افراد کی تعذیب کا ذکر ہے، ان کو خبرِ آحاد وغیرہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ آیت کے مقابلے میں معتمد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

*وروی ابن أبی حاتم فی تفسیره عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله– صلی الله علیه وسلم– أومأ إلی المقابر فاتبعناه، فجاء حتی جلس إلی قبر منها فناجاه طویلا، ثم بکی فبکینا لبکائه، ثم قام فقام إلیه عمر بن الخطاب– رضی الله عنه–، فدعاه ثم دعانا، فقال: ما أبکاکم؟ قلنا: بکینا لبکائک، فقال: إن القبر الذی جلست عنده قبر آمنة، وإنی استأذنت ربی فی زیارتها فأذن لی، وإنی استأذنته فی الدعاء لها فلم یأذن لی، وأنزل الله علی: ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی فأخذنی ما یأخذ الولد للوالد .ورواه الطبرانی من حدیث ابن عباس.

*وفی مسلم: استأذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یأذن لی، واستأذنته فی أن أزور قبرها فأذن لی فزوروا القبور، فإنها تذکر الآخرة .

قال القاضی عیاض: بکاؤه– علیه السلام– علی ما فاتها من إدراک أیامه والإیمان به.

*وفی مسلم أیضا: أن رجلا قال: یا رسول الله: أین أبی، قال:فی النار فلما قفا دعاه، قال: إن أبی وأباک فی النار .

قال النووی: فیه أن من مات علی الکفر فهو فی النار، ولا ینفعه قرابة المقربین .وفیه: أن من مات فی الفترة علی ما کانت علیه العرب من عبادة الأوثان فهو فی النار، ولیس فی هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة، فإن هؤلاء کانت قد بلغتهم دعوة إبراهیم وغیره من الأنبیاء.

وقال الإمام فخر الدین: من مات مشرکا فهو فی النار، وإن مات قبل البعثة، لأن المشرکین کانوا قد غیروا الحنیفیة دین إبراهیم، واستبدلوا بها الشرک وارتکبوه، ولیس معهم حجة من الله به، ولم یزل معلوما من دین الرسل کلهم، من أولهم إلی آخرهم، قبح الشرک والوعید علیه فی النار، وأخبار عقوبات الله لأهله متداولة بین الأمم قرنا بعد قرن، فلله الحجة البالغة علی المشرکین، فی کل وقت وحین، ولو لم یکن إلا ما فطر الله عباده علیه من توحید ربوبیته، وأنه یستحیل فی کل فطرة وعقل أن یکون معه إله آخر، وإن کان سبحانه لا یعذب بمقتضی هذه الفطرة وحدها، فلم تزل دعوة الرسل إلی التوحید فی الأرض معلومة لأهلها، فالمشرک مستحق للعذاب فی النار لمخالفته دعوة الرسل، وهو مخلد فیها دائما کخلود أهل الجنة فی الجنة .انتهی(المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج ۱ ص ۱۰۴ الٰی ۱۰۷، المقصد الاول، ذکر رضاعه صلی الله علیه وسلم)

نہ ہونے، یا عذاب کے احادیث میں واردشدہ افراد تک محدود ہونے، یا اہلِ فترۃ کے غیر تبدیل شدہ مذاہب کی چیزوں میں تبدیل کرنے والوں کے لیے خاص ہونے کے جوابات دیئے ہیں۔

اور اس کے بعد اہلِ فترۃ کی تین اقسام کا ذکر کیا ہے۔

اور پھر آخر میں فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مسئلے میں بحث نہ کی جائے، اور ہم نے یہ تفصیل اس لیے ذکر کی کہ علمائے عصر کے درمیان، اس مسئلے میں بحث مباحثہ واقع ہوا تھا۔

پھر اس کے بعد حافظ شمس الدین بن ناصرالدین دمشقی کے حوالے سے، احیاءِ ابوین کے متعلق اشعار ذکر کر کے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق تنقیص کا ذکر کرنے سے بچنا چاہیے، کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا پایا جاتا ہے۔

اور اس بحث کے بالکل آخر میں ''الاحکام'' کے حوالے سے ابوطالب کا استثناء کر کے عبدالمطلب کے جنتی ہونے کی امید کا ذکر کیا ہے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] وقد تعقب العلامة أبو عبد الله الأبى من المالكية فيما وضعه على صحيح مسلم قول النووى الماضى وفيه أن من مات فى الفترة على ما كانت عليه العرب من عبادة الأوثان فى النار، إلى آخره بما معناه:تأمل ما فى كلامه من التنافى، فإن من بلغتهم الدعوة ليسوا بأهل فترة، لأن أهل الفترة هم: الأمم الكائنة بين أزمنة الرسل الذين لم يرسل إليهم الأول، ولا أدركوا الثانى، كالأعراب الذين لم يرسل إليهم عيسى ولا لحقوا النبى– صلى الله عليه وسلم– .والفترة بهذا التفسير تشمل ما بين كل رسولين، كالفترة بين نوح وهود، لكن الفقهاء إذا تكلموا فى الفترة فإنهم يعنون التى بين عيسى ونبينا– عليهما الصلاة والسلام– .وذكر البخارى عن سلمان أنها كانت ستمائة سنة .

ولما دلت القواطع على ألاتعذيب حتى تقوم الحجة أى قوله تعالى:وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا ، علمنا أنهم غير معذبين.

فإن قلت قد صحت أحاديث بتعذيب أهل الفترة، كحديث رأيت عمرو بن لحى يجر قصبه فى النار و رأيت صاحب المحجن فى النار، وهو الذى يسرق الحاج بمحجنه، فإذا بصر به، قال: إنما تعلق بمحجنى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ قسطلانی کے کلام میں ذکر شدہ باتیں کوئی نئی نہیں، دیگر محققین ان پر علمی و تحقیقی کلام کر چکے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أجيب بأجوبة:

*أحدها: أنها أخبار آحاد فلا تعارض القطع.

*الثاني: قصر التعذيب على هؤلاء، والله أعلم بالسبب.

*الثالث: قصر التعذيب المذكور في هذه الأحاديث على من بدل وغير من أهل الفترة، بما لا يعذر به من الضلال كعبادة الأوثان وتغيير الشرائع .

فإن أهل الفترة ثلاثة أقسام:

*الأول: من أدرك التوحيد ببصيرته ثم من هؤلاء من لم يدخل في شريعة، كقس بن ساعدة، وزيد بن عمرو بن نفيل .ومنهم من دخل في شريعة حق قائمة الرسم، كتبع وقومه من حمير وأهل نجران، وورقة بن نوفل، وعمه عثمان بن الحويرث.

*القسم الثاني من أهل الفترة: وهم من بدل وغير، فأشرك ولم يوحد، وشرع لنفسه فحلل وحرم، وهم الأكثر، كعمرو بن لحي، أول من سن للعرب عبادة الأصنام وشرع الأحكام، فبحر البحيرة، وسيب السائبة،ووصل الوصيلة وحمى الحام ، وتبعته العرب في ذلك وغيره مما يطول ذكره.

*القسم الثالث من أهل الفترة: وهم من لم يشرك ولم يوحد، ولا دخل في شريعة نبي، ولا ابتكر لنفسه شريعة، ولا اخترع دينا، بل بقي عمره على حين غفلة من هذا كله .وفي الجاهلية من كان على ذلك.

وإذا انقسم أهل الفترة إلى الثلاثة أقسام، فيحمل من صح تعذيبه على أهل القسم الثاني لكفرهم بما تعدوا به من الخبائث، والله سبحانه وتعالى قد سمى جميع هذا القسم كفارا ومشركين، فإنا نجد القرآن كلما حكى حال أحد سجل عليهم بالكفر والشرك، كقوله تعالى: ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة ثم قال: ولكن الذين كفروا الآية .

والقسم الثالث هم أهل الفترة حقيقة، وهم غير معذبين.

وأما أهل القسم الأول: كقس وزيد بن عمرو، فقد قال– عليه السلام– في كل منهما أنه يبعث أمة وحده .

وأما عثمان بن الحويرث، وتبع وقومه وأهل نجران، فحكمهم حكم أهل الدين الذين دخلوا فيه، ما لم يلحق أحد منهم الإسلام الناسخ لكل دين .انتهى ملخصا وسيأتي ما قيل في ورقة في حديث المبعث– إن شاء الله تعالى–.

فهذا ما تيسر في مسألة والديه– صلى الله عليه وسلم–، وقد كان الأولى ترك ذلك، وإنما جرنا إليه ما وقع من المباحثة فيه بين علماء العصر.

ولقد أحسن الحافظ شمس الدين بن ناصر الدين الدمشقي حيث قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ قسطلانی کے مذکورہ کلام کو بغور ملاحظہ کرنے سے منصِف مزاج کو یہ نتیجہ اخذ کرنا، زیادہ مشکل نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں قولِ فیصل نصوص ہی ہیں، جن کے مقابلے میں دیگر قیاسات واستنباطات زیادہ اہمیت کے حامل نہیں، اور معتبر نصوص سے اس مسئلے میں ابوین کے متعلق وہی موقف واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، جس کا اہلِ روافض کے مقابلے میں جمہور متقدمین اہلُ السنۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس میں بذاتِ خود، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تنقیص نہیں پائی جاتی، اس میں تنقیص لازم آنے کو سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے، اگر ایسا ہوتا، تو قرآن وسنت میں اس کا ذکر کیوں کیا جاتا، اور اس کی تبلیغ وتشہیر کیوں کی جاتی، اور متقدمین اہلُ السنۃ اس مسئلے کی تشریح وتفصیل کیوں فرماتے، ان تمام امور کے مقابلے میں چند محتمل اور متوہم باتوں کی زیادہ اہمیت نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حبا الله النبی مزید فضل ...علی فضل وکان به رؤوفا
فأحیا أمه وکذا أباه ...لإیمان به فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذا قدیر ...وإن کان الحدیث به ضعیفا

فالحذر الحذر، من ذکرهما بما فیه نقص، فإن ذلک قد یؤذی النبی صلی الله علیه وسلم-، فإن العرف جار بأنه إذا ذکر أبو الشخص بما ینقصه، أو وصف بوصف به، وذلک الوصف فیه نقص تأذی ولده بذکر ذلک له عند المخاطبة.

وقد قال- علیه السلام-: لا تؤذوا الأحیاء بسب الأموات رواه الطبرانی فی الصغیر، ولا ریب أن أذاه- علیه السلام- کفر یقتل فاعله- إن لم یتب- عندنا.

وستأتی مباحث ذلک- إن شاء الله تعالی- فی الخصائص من مقصد المعجزات.

وقد أطنب بعض العلماء فی الاستدلال لإیمانهما، فالله تعالی یثیبه علی قصده الجمیل.

قال الحافظ ابن حجر فی بعض کتبه: والظن باله- یعنی الذین ماتوا قبل البعثة- أنهم یطیعون عند الامتحان إکراما له- صلی الله علیه وسلم- لتقر عینه.

وقال فی الأحکام: ونحن نرجو أن یدخل عبد المطلب الجنة فی جملة من یدخلها طائعا فینجو، إلا أبا طالب فإنه أدرک البعثة ولم یؤمن(المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج ۱ ص ۱۰۷ الیٰ ۱۱۱، المقصد الاول، ذکر رضاعه صلی الله علیه وسلم)

[1] ابو عبداللہ الآبی المالکی کی عبارت پر کلام ہم نے دوسرے مضمون ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں کر دیا ہے، اور ساتھ ہی ابنِ ناصر الدین دمشقی کی طرف منسوب اشعار کے متعلق بھی کلام کر دیا ہے۔ محمد رضوان۔

پھراس کے بعد محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (المتوفی:1122ھ) نے ''شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ''میں مذکورہ مسئلہ پرطولِ لا طائل کلام اور بحث کی ہے، لیکن اس کا بنیادی ماخذ علامہ سیوطی ہی کے مضامین ورسائل ہیں، جن کا جابجا انہوں نے خود بھی ذکرکیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے احیائے ابوین کی حدیث کونقل کرکے فرمایا کہ:

''کما فی کتب السیوطی وغیرھا'' (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج ۱ ص ۳۱۴، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی لہ علیہ الصلاۃ والسلام)

پھراحیائے ابوین کی حدیث کی سند پرکلام نقل کرنے کے بعدفرمایا کہ:

''وردہ السیوطی بأن محمد بن یحیی لیس مجھولا الخ'' (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج ۱ ص ۳۱۵، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی لہ علیہ الصلاۃ والسلام)

پھراس کے بعدابنِ کثیر کے سند پرکلام نقل کرنے کے بعدفرمایا کہ:

''ولذا قال السیوطی بعدما أورد قول ابن عساکر'' (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج ۱ ص ۳۱۷، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی لہ علیہ الصلاۃ والسلام، ذکر وفاۃ أمہ وما یتعلق بأبویہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اوراس کے بعدفرمایا کہ:

''وقد عابہ السیوطی الخ'' (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ج: ۱ ص: ۳۱۷، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی لہ علیہ الصلاۃ والسلام، ذکر وفاۃ أمہ وما یتعلق بأبویہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعدزرقانی نے فرمایا کہ:

" فقال السیوطی فی سبل النجاۃ الخ"(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ، ج ا ص ۳۱۷ ، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی له علیه الصلاۃ والسلام ، ذکر وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

"فیرجع لکلام السیوطی" (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ، ج ا ص ۳۱۸ ، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی له علیه الصلاۃ والسلام ، ذکر وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

"قاله فی سبل النجاۃ" (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ، ج ا ص ۳۲۳ ، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی له علیه الصلاۃ والسلام ، ذکر وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

" قال السیوطی :وقد وجدت لکلام الرازی أدلة قویة " (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ، ج ا ص ۳۲۷ ، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی له علیه الصلاۃ والسلام ، ذکر وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

"انتھی کلامه فی سبل النجاۃ " (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ،ج ا ص ۳۲۹ ، المقصد الأول: فی تشریف اللہ تعالی له علیه الصلاۃ والسلام ، ذکر وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

''وقد ورد السيوطى كلام النووى هذا بما محصله '' (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ، ج ا ص ٣٣٨ ، المقصد الأول: فى تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام ، ذكر وفاة أمه وما يتعلق بأبويه صلى الله عليه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

'' وقد قال السيوطى ومن العلماء من لم تقو عندهم هذه المسالک، فأبقوا أحاديث مسلم ونحوها على ظاهرها من غير عدول عنها بنسخ ولا غيره '' (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ، ج ا ص ٣٤٩ ، المقصد الأول: فى تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام ، ذكر وفاة أمه وما يتعلق بأبويه صلى الله عليه وسلم)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ:

''وقد بذل السيوطى فى ذلک جهده، فألف فيه ست مؤلفات حفلة '' (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ، ج ا ص ٣٥٠ ، المقصد الأول: فى تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام ، ذكر وفاة أمه وما يتعلق بأبويه صلى الله عليه وسلم)

لہٰذا جو علمی کمزوریاں، اس مسئلے سے متعلق علامہ سیوطی کے مضامین ورسائل میں پائی جاتی ہیں، وہی بیشتر کمزوریاں ''شرح الزرقانی'' میں بیان کردہ اس مسئلے کے ضمن میں بھی پائی جاتی ہیں، جو مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی کسی ایسی تحسین سے دور نہیں ہوسکتیں، جو علم وتحقیق کی رُو سے مؤثر دلائل پر مبنی نہ ہو، اور اس سے بڑھ کر مؤثر دلائل اس کے برخلاف ہوں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سند والی احادیث کے مقابلہ میں کسی انسان کے اشعار کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی وجہ سے اس طرح کے اشعار کی تردید میں شعر وشاعری کا سلسلہ دوسری طرف سے بھی ہوا ہے۔[1]

جس کی مزید تفصیل ہم نے علامہ سیوطی کے موقف کے ذیل میں ذکر کردی ہے۔

بڑے بڑے حضرات کے نام لکھنے پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے:

آپ نے اپنی کتاب میں بڑے بڑے حضرات کے نام لکھے ہیں، جن کا موقف آپ والانہیں ہے، مثلاً علامہ قرطبی، علامہ ابنِ عابدین شامی، علامہ زبیدی، ابنِ حجر شافعی، علامہ بیجوری، علامہ بہاؤ الدین، علامہ آلوسی رحمہم اللہ تعالیٰ، جیسی شخصیات، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ادب کے دوحوالے، اس کے باوجود آپ کا سفر نہ رکا، بلکہ برابر جاری رہا، آپ کے دلائل ان تمام اکابر کے خلاف ہیں، تو مقابلہ تو شروع ہوگیا۔

اب بعض علماء (بلکہ عوام میں بھی) اضطراب پیدا ہوگا، یا آپ کے ہم نوا بنیں گے، تو قدیم بزرگوں کے؟''۔انتہیٰ۔

---

[1] ولسنا یا أخی أغیر وأحنی علی والدی رسول الله منه، ولسنا أحرص علی مراعاة رسول الله وتکریمه من ربه، فالأمر دین تحکم فیه الأدلة والنصوص ولیس العواطف والأهواء.

واحفظ هذه الأبیات تنفعک.قال أحدهم:

أیقنت أن أبا الرسول وأمه ....أحیاهما الرب القدیر الباری

حتی له شهدا بصدق رسالة صدق ....فتلک کرامة المختار

هذا الحدیث ومن یقول بضعفه ....فهو الضعیف عن الحقیقة عاری

فأجابه آخر:

یا جاهلا أعمی التعصب قلبه أترد وحی الله بالأشعار

إن قال أهل الحق:أخرج مسلم فلمن ستسند منکر الأخبار؟

الدین لیس تبدعا وتنطعا بل اتباع سنة المختار.

کلام :

بہت سے مسائل میں مذکورہ بڑے بڑے حضرات سے بھی بڑے بڑے حضرات کے نام ملتے ہیں، لیکن ان سے دیگر مجتہدین، محققین، اور علمائے کرام نے اتفاق نہیں فرمایا، اور ان کا سفر جاری رہا، پھر بندہ کا سفر آنجناب کو نرالا کیوں نظر آیا؟

جبکہ بندہ اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اہل السنۃ والجماعۃ سلف وخلف کے صحیح وراجح موقف کا رفیقِ سفر ہے، اور ان کے ہی دلائل پر سوار ہے، جس کے ساتھ تا قیامت رفیقِ سفر رہنے کا ہر انسان مکلّف ہے، اتنے اہم اور عظیم قافلہ کو نظر انداز کر کے، چند اکابر کے نام شمار کر کے اس کے ساتھ ''تمام'' کا لفظ بڑھانے، اور ان کے دلائل کے خلاف ہونے، اور پہلے سے جاری شدہ مقابلہ کے ذکر نہ کرنے کا کیا مطلب؟

کسی کی گیدڑ بھبکیوں سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس عظیم قافلہ کی آخرت تک رفاقت کو ہرگز ترک نہیں کیا جاسکتا، اور جن حضرات نے دوسرا موقف اختیار کیا، وہ ہمارے نزدیک مخطی ومعذور ہیں، جس کا ہم پہلے ہی اپنے مضمون میں ذکر کر چکے ہیں۔

اب اس صورتِ حال میں بعض علماء، یا عوام میں اضطراب تو پہلے سے موجود ہے، وہ حقیقتِ حال سامنے آنے سے دور ہونا چاہیے، اور ہر ایک کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر متفق ہونا چاہیے، اور قدیم بزرگوں کا ہم نوا بننا چاہیے، جن کے سرے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بندہ کا ہم نوا ہرگز نہ بننا چاہیے، البتہ بندہ خود اس مسئلہ میں کس کا ہم نوا ہے؟ اس کا دلائل کے ذریعہ جواب بندہ کے ذمہ ہے، اور الحمد للہ بندہ نے یہ ذمہ داری مفصل مضمون میں پوری کرنے کی کوشش کی ہے، کسی کو مزید معقول شبہ ہو، تو اس کے جواب کے لیے بندہ حاضر ہے، جس طرح آنجناب سے مخاطب ہے۔ [1]

جہاں تک جناب کی طرف سے ''ادب ادب'' کرنے کا تعلق ہے، تو ہمارے نزدیک قرآن

---

[1] چنانچہ بعد میں ایک اور اس جیسی تحریر زیرِ بحث مسئلہ پر موصول ہوئی، جس کا جواب بھی بحمد اللہ تعالیٰ ایک ''غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' کے عنوان سے تیار ہو چکا ہے۔ محمد رضوان۔

وسنت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کو اختیار ونقل کرنے والا ہرگز بے ادب کہلائے جانے کا مستحق نہیں، بلکہ اگر اس کے خلاف موقف اختیار کرنے والے کوادب کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا، قرار دیا جائے، تواس کی بہت زیادہ گنجائش پائی جاتی ہے، چہ جائیکہ قرآن وسنت اوراہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے حامل کوملعون تک قرار دیا جائے۔

اس موقع پر پھر جناب کی شایانِ شان وہی مثل یاد آتی ہے کہ ''الٹا چورکوتوال کوڈانٹے''۔

ملاعلی قاری کے کام اور نئے انداز پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''پھراس کا حاصل۔۔؟ ملاعلی قاری نے بھی یہی کام کیا، کیااس کے بعدسب علماء ان سے متفق ہوگئے؟ کہ آپ نے پھر اس مسئلہ کو نئے انداز سے اٹھانے کا عندیہ دے دیا''۔انتہٰی۔

کلام:

جناب کو یہ سخت مغالطہ ہے، اس قسم کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب کو دین کی فہمِ صحیح اور سلامتِ فکر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کام کی نسبت محض ملاّ علی قاری کی طرف کرنا ہی درست نہیں، بلکہ جو موقف ملاعلی قاری رحمہ اللہ کا ہے، وہی موقف تقریباً جملہ متقدمین اہلُ السنہ والجماعۃ کا ہے، اوراسی موقف کی نصوص اوراحادیثِ صحیحہ ومعتبرہ سے تائیدہوتی ہے، اور اسی موقف کی متقدمین سے تصریحات ملتی ہیں۔

اس حیثیت سے یہ کام ان سب حضرات کی طرف، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب کہلائے گا۔

اوراگر یہ مقصد ہو کہ اس موضوع پر مستقل رسالہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے تحریر کیا، تو یہ بات بھی

درست نہیں، اور بھی دیگر حضرات نے رسائل تحریر کیے، اور رسائل نہیں، تو مضامین تحریر کیے ہیں۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ جس دور میں کسی مسئلہ پر تحقیق وتفصیل کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی وقت اس پر مستقل مضامین ورسائل تحریر کیے جاتے ہیں، ورنہ اجمالی کلام پر اکتفاء کرنے کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

اوراس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ ملاعلی قاری وغیرہ کے کاموں سے امت کو بہت کچھ حاصل ہوا، جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف پر کیے جانے والے، متعدد شبہات کے جوابات معلوم ہوئے، اور بعد کے متعدد علماء اس سے مستفید ہوتے رہے۔

اگر آنجناب کو اس کا فائدہ نظر نہیں آتا، اور یہ کام لاحاصل محسوس ہوتا ہو، تو اس سے کیا یہ لازم آگیا کہ کسی اور کو بھی اس سے فائدہ نہ ہوا ہو، اور دوسروں کے نزدیک بھی یہ لاحاصل کام ہو۔

اوراس سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے عالمِ دین کے کسی مسئلہ پر تحقیق کرنے، یا قلم اٹھانے، یا رسالہ لکھ دینے کا، یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کے بعد سب علماء اس سے متفق ہوجائیں گے۔

چنانچہ دین کے سینکڑوں نہیں، ہزاروں مسائل پر جلیلُ القدر مجتہدین ومحققین نے تحقیق فرمائی، ان پر مستقل مضامین ورسائل تحریر کیے، لیکن اس کے بعد سب علماء ان سے متفق نہیں ہوئے، اوراس طرح کا کام آج کل بھی بہت سے اہلِ علم حضرات کی طرف سے جاری ہے، تو کیا ان جلیلُ القدر مجتہدین ومحققین، اور اہلِ علم حضرات کی خدمات کو لاحاصل قرار دیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

رہا اس مسئلہ کو بندہ کی طرف سے نئے انداز میں اٹھانے کی نسبت کا الزام، تو اس کی حیثیت نِری لفّاظی سے زیادہ نہیں۔

کیونکہ پہلے تو نئے انداز کی تشریح ضروری ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟

پھر اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ ہم باحوالہ اور مفصل و مدلل انداز میں یہ بار بار واضح کر چکے ہیں کہ ہم نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ قرآن وسنت پر مشتمل، اور اہلُ السنۃ و الجماعۃ کے اصل موقف کی ترجمانی ہے، جس کے متعلق اہلُ السنۃ والجماعۃ کے متقدمین و متاخرین کی ہزاروں تصریحات موجود ہیں، اور اس کے برعکس جو اقوال ہیں، وہ بعد کے حضرات کے اقوال اور ضعیف دلائل پر مشتمل اور تسامحات پر مبنی ہیں۔

پھر اس پر نئے انداز کا الزام کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

البتہ اگر یہ مراد ہو کہ ہم نے جس موقف کو اختیار کیا اور ترجیح دی، وہ موقف تو واقعتاً قرآن وسنت پر مشتمل، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کی ترجمانی ہے، لیکن ہماری طرف سے جس مفصل انداز میں مواد کو جمع کیا گیا، اور ترتیب دی گئی، اور دوسرے اقوال کی توجیہات و تاویلات پر کلام کیا گیا، اس طرح کا کلام یکجا مفصل انداز میں ابھی تک کسی کی طرف سے جمع شدہ دستیاب نہیں۔

تو یہ طرزِ عمل بذاتِ خود قابلِ مذمت نہیں، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس دور میں جس قسم کی باتیں سامنے آئیں، اس دور میں اس قسم کی باتوں کو سامنے رکھ کر کلام اور کام کیا جاتا ہے، لیکن یہ سب کچھ اصل اور قدیم چیز کی ہی تشریح وتوضیح اور تنقیح کے طور پر ہوتا ہے۔

نصوص سے اس طرزِ عمل کا بذاتِ خود قابلِ مذمت ہونے کے بجائے قابلِ مدح ہونا، ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (سنن ابی داوٗد، رقم الحديث ۴۲۹۱، کتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المائة) [1]

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داوٗد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایسے مجدد مبعوث فرمائے گا کہ جو اس امت کے دین کی تجدید کریں گے (ابوداؤد)

ہماری مراد یہ نہیں کہ ہمیں دین کے مجدّد ہونے کے لقب سے موسوم کیا جائے، بلکہ مقصود صرف اتنا ہے کہ مذکورہ حدیث میں جس تجدید کی تحسین فرمائی گئی ہے، اس طرح کی تجدید قابلِ مذمت نہیں، خواہ اس کو نیا انداز قرار دیا جائے، یا کچھ اور؟ [1]

اور ہمیں محسوس ہوا کہ ہمارے کام پر نئے انداز کے الزام کی شاید یہ وجہ ہو کہ اس کی وجہ سے جناب جیسے موقف کے حاملین کو قرآن وسنت پر مشتمل اہلُ السنۃ کے اصل موقف کی تردید اور اس کے مقابلہ میں دوسرے اقوال کو ترجیح دینے اور تشہیر کرنے والے حضرات کو سخت پریشانی لاحق، بلکہ اپنے مقلدین ومعتقدین کے سامنے سخت رسوائی کا سامنا ہے، اس لیے وہ اب اپنی خفت مٹانے کے لیے دوسرے پر دباؤ ڈال کر اس کے موقف میں نرمی کے خواہاں ہیں۔

لیکن اس مقصد میں کامیابی کا حاصل ہونا، اس لیے مشکل ہے کہ اصل مسئلہ دین وشریعت کا ہے، ذات کی اونچ نیچ، یا دنیا کی کسی چیز کے لین دین کا مسئلہ نہیں، اگر کسی سے اس مسئلہ میں تسامح ہوا، خواہ اپنے سے، یا اپنے کسی بڑے سے، تو اس کو قبول وتسلیم کر لینا چاہئے، اور خواہ مخواہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] (یجدد لهذه الأمة) أی الجماعة المحمدية وأصل الأمة الجماعة مفرد لفظا جمع معنى وقد يختص بالجماعة الذين بعث فيهم نبی وهم باعتبار البعثة فيهم ودعائهم إلا الله يسمون أمة الدعوة فإن آمنوا كلا أو بعضا سمى المؤمنون أمة إجابة وهم المراد هنا بدليل إضافة الدين إليهم فی قوله (أمر دينها) أی ما اندرس من أحكام الشريعة وما ذهب من معالم السنن وخفى من العلوم الدينية الظاهرة والباطنة حسبما نطق به الخبر الآتی وهو: " إن الله يبعث "إلى آخره وذلک لأنه سبحانه لما جعل المصطفى خاتمة الأنبياء والرسل وكانت حوادث الأيام خارجة عن التعداد ومعرفة أحكام الدين لازمة إلى يوم التناد ولم تف ظواهر النصوص ببيانها بل لا بد من طريق واف بشأنها اقتضت حكمة الملک العلام ظهور قرم من الأعلام فی غرة كل قرن ليقوم بأعباء الحوادث إجراء لهذه الأمة مع علمائهم مجرى بنی إسرائيل مع أنبيائهم (فيض القدير للمناوی، ج ۱ ص ۹، مقدمة المؤلف)

حضرت گنگوہی اور علامہ کشمیری کے حوالہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حتیٰ کہ آخر میں علامہ انور شاہ رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو بھی پیش کیا، لیکن ان کا انداز آپ والا تو نہیں ہے''۔انتھٰی۔

کلام :

کیا سب کا انداز، ایک جیسا ہونا ضروری ہے،اور کیا اللہ اوراس کے رسول کے علاوہ کسی کا انداز، دوسرے کے لیے حجت ہے؟اور خود اس مسئلہ میں اللہ اوراس کے رسول کا انداز ،اور موقف کیا ہے،اور ہمارا جو انداز، یا موقف ہے،وہ کیا اللہ اوراس کے رسول کے خلاف ہے؟ اور کیا کسی جائز وصحیح موقف کی صحیح تشریح وتوضیح کرنا، ناجائز ہے؟

پھراس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے،حضرت امام صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔فقط (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید،ص ۲۴۵، کتاب العقائد،مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

اور ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ مذکورہ فتوے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب قرار دیا، ہم اسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب سمجھتے ہیں، اوراسی کو دلائل کی رُو سے راجح سمجھتے ہیں، اوراس کے مقابلے میں دوسرے اقوال کو دلائل کی رُو سے مرجوح سمجھتے ہیں، اوراسی موقف کو ہم نے ضخیم کتاب کی شکل میں مدلل و مفصل انداز میں ذکر کیا ہے۔

نیز ہم علامہ کشمیری کی ''فیضُ الباری'' کا یہ حوالہ پہلے نقل کرچکے ہیں کہ:

قلت :إذا صح الحديث، فليضعه على الرأس والعين، وإذا تعالى شيء منه عن الفهم، فليكله إلى أصحابه، وليس سبيله يجرح فيه(فيض البارى على صحيح البخارى، ج٦،ص ٢٧٠ ، كتاب الرقاق،باب التواضع)

اورعلامہ کشمیری کی ''**العرفُ الشذی**'' کا یہ حوالہ بھی پہلے نقل کر چکے ہیں کہ:

فی مدخل البيهقی عن أبی حنيفة :إذا صح الحديث فهو مذهبی، وذكر البيهقی عن ابن المبارك عن أبی حنيفة :ما جاء عن النبی - صلى الله عليه وسلم -فعلى الرأس والعين، وما جاء من الصحابة نختار منهم، وما جاء عن التابعين فهم رجال ونحن رجال، أو قال : زاحمناهم (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج ا ،ص ١٩٥ ، ابواب الصلاة،باب ما جاء فى الصلاة الوسطى أنها العصر إلخ)

علامہ کشمیری کی مذکورہ عبارات کی روشنی میں ہمارا دوٹوک موقف یہ ہے کہ ''ابوین النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' سے متعلق قرآن مجیداور احادیثِ صحیحہ میں جو بات آ گئی، ہم اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس سے متعلق وارد نصوصِ قرآنی اور صحیح احادیث میں جرح نہیں کرتے، اور اس کے برعکس بعد کے زمانے کے چند حضرات کے تسامحات کی اتباع نہیں کرتے، اور ان میں سے صالحین کے لیے رحمت کی دعاء بھی کرتے ہیں۔

اب اگر آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا انداز مذکورہ اکابر والا نہیں، تو تمام قارئین آپ کی طرح کے کم فہم اور ضد باز وہٹ دھرم نہیں ہیں، وہ خود اچھی طرح یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس کا انداز کس کے مطابق ہے، اور کس کے موافق ہے؟

اس کے علاوہ ہمیں انداز پر اصرار نہیں، اگر کوئی صاحبِ علم، قرآن وحدیث اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کی صحیح ترجمانی کسی دوسرے انداز میں کرنا چاہیں، جو جناب کو پسند ہو، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

ظاہر ہے کہ انداز ایک شخص کا دوسرے سے مختلف ہوسکتا ہے، ہر دور میں اصحابِ علم، دین کے احکام کی اپنے اپنے انداز میں ترجمانی کرتے آئے ہیں۔

اور ہم یہ پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ انداز کے مختلف ہونے سے حقیقت نہیں بدل جاتی، اور حکم مختلف نہیں ہوجاتا، یہ صرف آپ کی طرف سے خواہ مخواہ کی تخمین سازیاں ہیں۔

علامہ سیوطی کے موقف پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اے کاش! آپ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے نام سامنے آجانے کے بعد اس طویل سلسلہ کو ترک کردیتے۔

پھر بذل کی عبارت کو بطورِ رجحان کے اپنے حق میں پیش کیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا علمی محاکمہ قائم فرمایا۔

''آپ نے لکھا: ''لیکن نویں صدی کے آخر میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس حکم لگایا، جس کا علمِ حدیث میں مقام ومرتبہ امام بیہقی رحمہ اللہ سے زیادہ نہیں ہے''۔(تحقیقی رسائل:۱۲/)''۔انتہٰی۔

کلام:

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جناب نے بندہ کے مضمون کا مطالعہ کتنے ہوش وحواس میں فرمایا۔

کیا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر مؤمن ہونے کا حکم لگایا؟ جیسا کہ جناب کا موقف ہے، جناب اپنے حواریوں کو جمع کرکے تاحیات اس کا ثبوت پیش نہیں کرسکتے، شاید احمقوں کی دنیا میں رہنے والا ہی اہل السنۃ والجماعت کے موقف کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلاف سمجھ سکتا ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے واقعہ سے تو اہل السنۃ

والجماعت کے موقف کی تائید ہوتی ہے، اس لیے ان کا حوالہ سامنے آنے کے بعد اس سلسلہ کو ترک کرنے کا کیا مطلب؟

اور بذل کی عبارت پر کلام دوسرے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے۔

نیز نویں صدی والے مسئلہ پر بھی کلام دوسرے مقام پر ذکر کیا جا چکا۔

اور امام بیہقی اور علامہ سیوطی کے مقام و مرتبہ میں فرق پر کلام آگے آتا ہے۔

جناب سے اور تو کچھ ہوتا نہیں، بلا وجہ کا رونا پیٹنا اور ماتم کرنا آتا ہے، دلیل کا دور دور تک نام ونشان بھی نہیں۔

جہاں تک علامہ سیوطی (المتوفیٰ: 911ھ) کے موقف کا تعلق ہے، تو اس پر کلام متعدد محققین کے حوالے سے، پہلے مضمون میں بھی تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے، اور کچھ اس مضمون میں ضمناً آ چکا ہے، علامہ سیوطی سے قبل، علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) بھی اس موقف کی تردید کر چکے، اور علامہ حلبی اور ملا علی قاری نے اپنے مستقل رسالہ میں علامہ سیوطی کا موقف نقل کر کے، اس کی صراحتاً تردید کر دی ہے، جیسا کہ گزرا۔

لیکن شاید آنجناب کی سمجھ دانی بہت چھوٹی ہے، اس لئے اب علامہ سیوطی کے موقف پر قدرے کلام کیا جاتا ہے، جن کو بعد کے متاخرین نے اس مسئلہ کے متعلق طولِ لاطائل بحث کرنے میں اپنا متبّع ومقتداء قرار دے رکھا ہے۔

یوں تو علامہ سیوطی کے موقف اور ان کے بیان کردہ دلائل کی متعدد محققین تردید کر چکے ہیں، اور ان میں سے بعض حوالہ جات ہم مختلف مقامات پر ذکر کر چکے ہیں، لیکن احمد بن صالح الزہرانی (أستاذ مشارک: قسم الشریعة والدراسات الإسلامیة، کلیة الآداب والعلوم الإنسانیة، جامعة الملک عبدالعزیز، جدة، السعودیة) نے ''نقض مسالک السیوطی فی والدی المصطفیٰ'' کے نام سے ایک مستقل تالیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے علامہ سیوطی کے تفصیلی موقف اور مستدلات کا جواب

تحریر کیا ہے، یہ تالیف 260 صفحات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ تالیف کے تفصیلی ہونے کی وجہ سے سرِ دست اس کا مکمل متن اور ترجمہ پیش کرنا، اور تمام **مالھا وما علیھا** کا جائزہ لینا، اور انداز پر نقد و جرح کرنا، تو مشکل ہے، البتہ مذکورہ تالیف کے چند اقتباسات کو نقل کر کے ان کا مفہوم و خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

موصوف اپنے مضمون کے شروع میں اس موضوع کے مقصدِ تالیف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''یہ ایک رسالہ ہے، جس کو میں ہر اس شخص کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والا ہو، اور میں خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں، جس کو حبیب کے ساتھ اس سچی محبت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے، جس کی محبت کی ہم سے دلیل طلب کی گئی ہے، کیونکہ محبت کرنے والوں کی کچھ علامات ہوتی ہیں، اور صادقین کی بھی علامات ہوتی ہیں، اور دعویٰ کرنے والوں کی بھی کچھ نشانیاں ہوتی ہیں، پس محبت کرنے والے کی نشانی اور صادق کی علامت اور مدعی کی دلیل، دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق اتباع واطاعت ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے (سورہ نساء کی اس آیت میں) اس طرح فرمایا ہے کہ ''ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ''

اور زمانے میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں، جو محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کی محبت اس درجہ غلو تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں، اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ محبت کرنے والے پر یہ واجب ہے کہ وہ حبیب کو ایسے مقامات پر فائز کردے، جس کا اس حبیب نے خود دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، اور اس کو اس چیز نے غمگین کیا کہ اس کے ساتھ کوئی غلو کا ارتکاب کرے، اور اس طرح وہ گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

اوران میں سے اکثر لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں، جو حق کو نہیں جانتے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے رؤسا اور رہنما اور ان کے پیش رو، خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے، اور ان کے لیے باطل کا راستہ فراہم کیا، اور مختلف راستوں کو مزین کیا، جن میں شدید ترین خباثت، حق کو الٹا بنا کر پیش کرنا، اور خواہشات کی پیروی کرنا، اور حق کے دعوت دہندگان سے متنفر کرنا، اور مختلف قسم کی تہمتیں، اور عظیم ترین بہتان کا باندھنا ہے، جیسا کہ ابنِ قیم (المتوفیٰ: 751ھ) نے ان اسباب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا، جو جاہل لوگوں کو تاویل قبول کرنے، اور شریعت کی مخالفت پر آمادہ کرتے ہیں۔

پہلا سبب: مزین الفاظ اور ملفق معانی کو فصاحت اور خوبصورت عبارت کا جامہ پہنا کر پیش کرنا ہے، جس کی وجہ سے کمزور عقلیں اس کے قبول کرنے، اور اس کو اچھا سمجھنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، اور جلدی سے اس کا عقیدہ بنا لیتی ہیں۔

دوسرا سبب: یہ ہے کہ ایسے معنیٰ کی تخریج کی جائے، جس سے باطل مراد ہو، اور اس کو برے خاکے میں پیش کیا جائے، جس سے دل نفرت کریں، اور یہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کی شکل میں ایک عظیم فتنہ ہے۔

تیسرا سبب: یہ ہے کہ تاویل کرنے والا، اپنی تاویل اور بدعت کو ایسی جلیل القدر شخصیت کی طرف منسوب کرے کہ جس کے ذکر سے عقلیں ڈرتی ہیں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی طرف منسوب کرے، یا امت کے ایسے لوگوں کی طرف منسوب کرے، جو قابلِ تعریف اور سچے لوگ شمار ہوتے ہیں، کیونکہ لوگ ایسی شخصیات کے کلام کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اور اس کو جلدی سے قبول کر لیتے ہیں، اور اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کی بات کو، اللہ اور اس کے رسول کے کلام پر بھی مقدم کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اشخاص، اللہ

اوراس کے رسول کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

اوراس طریقے سے رافضہ اور باطنیہ اوراسماعیلیہ اورنصیریہ اپنے باطل افکاراوراپنی تاویلات کو پھیلانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی طرف نسبت کردیتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تمام مسلمان، ان کی محبت اوران کی تعظیم اوران کی موالات اورجلالتِ شان پر متفق ہیں، اس لیے وہ اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں، اوران کی محبت اور دوستی کا اظہار کرتے ہیں، اوران کا بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں، اوران کے مناقب کا بھی ذکر کرتے ہیں، جس سے سننے والا یہ خیال کربیٹھتا ہے کہ اہلِ بیت سے صحیح محبت کرنے والے یہی ہیں، اوراہلِ بیت کے ساتھ، سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے یہی ہیں، پھروہ اپنے باطل نظریات اورجھوٹ کوان کی طرف منسوب کرکے پیش کرتے ہیں۔

اور جب آپ اس سبب میں غوروفکر کریں گے، تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر نفوس میں یہی چیز غالب ہے، اوران کے پاس قائل کے حسنِ ظن کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، نہ اللہ کی طرف سے کوئی دلیل ہے، اورنہ ان کے قائلین کی اس بات کی کوئی حجت ہے، اور یہ طرزِ عمل ان لوگوں کے تعصب کی پیداوار ہے، جنھوں نے رسولوں کے دین کو اپنے آباء اوراسلاف کے مقابل ٹھہرادیا، اوران کے ساتھ حسنِ ظن اوران کی تعظیم کی وجہ سے انہوں نے رسول کی لائی ہوئی تعلیمات پر بھی ان کو ترجیح دے دی، اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ان کے سینوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ان کی مخالفت کرنا، کفر اور گمراہی ہے، اوران کی مخالفت کرنے والے باطل پر ہیں، اورقیامت تک آنے والے ہر شخص کی یہی حالت ہوتی ہے، جو کسی کی تقلید میں غلو کرتا ہے، جو حق کے مخالف ہو۔

اسی قسم کے مسائل کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ اہلِ سنت کو اس بات پر متہم کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناری ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

حالانکہ یہ اہلِ سنت پر صریح تہمت ہے، کیونکہ انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے، خود سے نہیں کی، بلکہ یہ بات تو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اور اہلِ سنت دراصل اس مسئلے میں اپنے نبی کی اتباع کرتے ہیں۔

اور مجھے جلال الدین سیوطی کے اوپر رَد کرنے کے لیے اس کتاب کی اشاعت پر اس چیز نے ابھارا کہ نجاتِ ابوین کا دعویٰ کرنے اور اس دعوے کو نصرت فراہم کرنے والوں کے دراصل علامہ سیوطی پیش رُو ہیں، جنہوں نے اس سلسلے میں مختلف رسائل تالیف کیے ہیں، جن میں ان کا مشہور رسالہ ''**مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ** '' ہے، جس میں انہوں نے ایسا انداز اختیار کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلُ السنۃ کا قول، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادتی اور آپ کی ایذاء کا باعث ہے۔

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ہر منصف اور انصاف پسند کے نزدیک اہلُ السنۃ کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی قدر ومنزلت پائی جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی اقتداء کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجے پر رکھتے ہیں، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، وہ نہ مقامِ نبوت سے ان کو بڑھاتے، اور نہ اس سے نیچا کرتے۔

اور جب مومنوں کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو، تو اس اختلاف کے حل کا راستہ کتاب وسنت ہے، کیونکہ ان میں شک وشبہ کے بغیر حق اس طرح واضح ہے، جیسا

کہ سورج کی روشنی دن کے درمیان میں ہوتی ہے، جو شخص حق کو حاصل کرنا چاہے، لیکن جو شخص اپنی آنکھوں کو بند کر لے، اور کانوں کو بہرا کر لے، تو وہ چونکہ حق کا ارادہ نہیں کرتا، تو حق اس کا ارادہ کیونکر کرے گا''۔ انتھٰی۔ [1]

[1] وهذه رسالة أوجهها إلى كلّ محبّ للنبّيّ، أوجبها على حبه و أملاها على الصدق مع الحبيب ، الصّدق فى الحب الذى طلب منّا الدليل عليه ، فإنّ للمحبين سمات، وللصادقين علامات، وللمدعين آيات: فسِمة المحبوعلامة الصادق وآية المدّعى:هو الاتباع والطاعة المطلقة له، إذ الأمر كماقال تعالى: "من يطع الرسول فقد أطاع الله" (النساء: ٨٠)

وقدبرزعلى مرّالعصور أقوام محبون،أوهكذايزعمون،اشتطّ بهم الحب ووصل بهم إلى الغلوحتىّ خالفوا محبوبهم ، فظنوّا أن من واجب المحب أن يرفع الحبيب إلى مقامات لم يدعيها هو ، بل يغضبه ويحزنه أن يفعل ذلک معه أحد ، وما هکذا يا سعد توردالإبل!

وأكثر هؤلاء الأقوام مغرّر بهم لا يعلمون الحق ، لأنّ رؤساء هم وسادتهم ومقدميهم أضلّوهم عن السبيل السوى، وموّهوا لهم الباطل وزخرفوه بطرق شتىّ ، ومن أشدّها خبثاً ومكراً تصوير الحق بصورة معكوسة وتشويهه والتنفير من دعاته ورميهم بشتىّ التهم وأعظم الفِرى ، كما قال العّلامة المحقّق المدقّق شمس الدّين أبو بكر محمّدبن أبى بكربن أيّوب الزّرعى الدّمشقى الفقيه الشهيربابن القيّم ــ المتوفى سنة (٧٥١ هـ) رحمه الله ــ فى بيان الأسباب الّتى تسهّل على النفّوس الجاهلة قبول التأّويل و مخالفة الشرع:

السّببالأوّل :أنيأتيبهصاحبهمموّهاًمزخرفاالألفاظملفّقالمعانى : ومخالفةالشّرع.

السبب الاول: أن يأتى به صاحبهٔ مموّهاً مزخرف الألفاظ ملفّق المعانى مكسواً حلةّ الفصاحة والعبارة الرّشيقة فتسرع العقول الضّعيفة إلى قبوله واستحسانه وتبادرإلى اعتقاده.

السبب الثانى: أن يخرج المعنى الّذى يريد إبطاله فى صورة مستهجنة تنفر عنه القلوب فيتخيّرله من الألفاظ أكرهها وأبعدها وصولاً إلى القلوب وأشدّهانفرةعنها: فيسمّى التّديّن ثقالة، والبعد عن مجالس الفسّاق سوء خلق، والأمربالمعروف والنهّى عن المنكر فتنة وشراً وفضولاً.

السبب الثالث: أن يعزو المتأول تأويله وبدعته إلى جليل القدر ، نبيه الذكر من العقلاء ، أو من آل البيت النبوى ، أو من له فى الأمة ثناء جميل ولسان صدق ليحليه بذلک فى قلوب الأغمار والجهال فإن من شأن الناس تعظيم كلام من يعظمُ قدرُه فى نفوسهم وأن يتلقوه بالقبول والميل إليه، وكلماكان ذلک القائل أعظم فى نفوسهم كان قبولهم لكلامه أتم حتى إنهم ليقدمونه على كلام الله ورسوله ويقولون: هو أعلم بالله ورسوله منا.

وبهذه الطريق توصل الرافضة والباطنية والإسماعيلية والنصيريةإلى تنفيق باطلهم وتأويلاتهم حتى أضافوها إلى أهل بيت رسول الله. لما علموا أن المسلمين متفقون على محبتهم وتعظيمهم وموالاتهم وإجلالهم فانتموا إليهم وأظهروا من محبتهم وموالاتهم واللّهج بذكرهم وذكر مناقبهم ما خيلّ إلى السامع أنهم أولياؤهم وأولى الناس بهم ثم نفّقوا باطلهم وإفكهم بنسبته إليهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

موصوف اپنے مذکورہ مضمون میں مزید فرماتے ہیں کہ:

''سیوطی اور ان کے متبعین نے ابوی النبی کی نجات سے متعلق تین مسلک تحریر کیے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا تأملت هذا السبب لرأيته هو الغالب على أكثر النفوس وليس معهم سوى إحسان الظن بالقائل بلا برهان من الله ولا حجة قادتهم إلى ذلک وهذا ميراثٌ بالتعصيب من الذين عارضوا دين الرسل بما كان عليه الآباء والأسلاف،فإنهم لحسن الظن بهم وتعظيمهم لهم آثروا ما كانوا عليه على ما جاء تهم به الرسل وكانوا أعظم فی صدورهم من أن يخالفوهم ويشهدوا عليهم بالكفر والضلال وأنهم كانوا على الباطل وهذا شأن كل مقلد لمن يعظمه فيما خالف فيه الحق إلى يوم القيامة، وصدق رحمه الله.

فلقد رأيت هذه الأسباب توفرت فی داعية الجهل الجديد الّذی جاء نا يريد بعث ما أماته اللّٰه فی هذه البلاد من عبادة العباد على يد الإمام مجدّد أمر هذه الأمّة ورافع رايات السنة محمّد بن عبدالوهاب رحمهالله تعالى.

فإنّنا نعلم جميعًا أنّ الوثنية طمُرت وعبادة الأصنام والطواغيت والأولياء والتبرک بالأحجار والأشجار والتراب وُئدت فی هذه الجزيرة بفضل الله تعالى، ولم يزل صوت الوثنيين مكبوتاً مطموراً لا تقوم لهم راية ولا ترتفع لهم غاية ، ولعمرو الله لقد أقضّ هذا مضاجعهم من عشرات السّنين ، وأرّقهم وآسفهم وضاقت عليهم الأرض بما رحبت ، فعبّاد القبور لا يستقرّ لهم قرار إلا بّعودة ماضيهم الأسود المليء بالخرافة والدجل وعبادة المخلوقين،ويقلقهم كثيراً أن تنتشر الدعوةالسلفية النقية التی تكتسب نقائها وصفاء ها من اعتمادها على الأصلين الكتاب والسّنةّ ، فلا وسائط بين الخلق والخالق ولا بوابات ولاحُجُب.

وقد دأبوا على تشويه الدعوة السلفية بكل ما أوتوا ، فلم يكن لهم من سبيل إلاّ التقية والظهور بمظهر الدعوة إلى الله تعالى بزخرف من القول يجذب إليهم أسما ع الناس وأبصارهم ، حتى إذا تصدّروا وانتفخوا ونفُخوا بدؤوا فی بثّ سمومهم وخرافاتهم فتقبلها منهم الناس بتلک الأسباب التی ذكرها ابن القيم رحمه الله.

وجاء (أبو جهل) فی هذه الأيام فخرج علينا فی فضائيات تدعی الدعوة إلى الإسلام يتكلم عن الحضارة الإسلامية والدعوة ومشاكل الأمة ، وهو مع هذا داعية لدين الجاهليّة الأولى ، فأخذ يقرر فی محاضراته فی بلدان أخرى علناً وفی بلادنا سراً دعوةالشرک والخرافة.

وقدرأيته وسمعته فی إحدى محاضراته يشوّه دعوة الحق بعبارات وأقوال ظالمة فالله حسيبه عليها،وقال خاتماً ما تقيّأه: "إنّ وراء هذه الأقوال نيةٌ لفصل الأمّةعن نبيّها".

فانظر إلى هذا الظلّم الفظيع، وهل هذا إلا اتهّام بالكفروالنفاق الأعظم؟!

والمسائل الّتی تكلّم عنها إمّا أنّها كذب محض، وإمّا ان الحق فيها مع أهل السّنةّ وجاء ت بها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پہلا مسلک یہ تحریر کیا ہے کہ ان کی وفات، رسولوں کی فترۃ کے زمانے میں واقع ہوئی، کیونکہ جاہلیت کا وہ زمانہ، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا ہے، اس میں دعوت نہیں پہنچی تھی، تو ان کا حکم اصحابِ فترۃ کا ہوگا، جن سے قیامت کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النصوص الصّحيحة، ولكن عادة (أبى جهل) وأمثاله من الخرافيين هى اللجوء إلى الكذب على الدّهماء والرعاع الّذين يُعجبون بفيهقته وتشدّقه مستغلاً جهلهم بكتاب الله وسنة نبيه وجهلهم بحقيقة الدعوة السلفيّة.

وكان من ضمن المسائل الّتى اتّهم أهلَ السّنةّ بها أنّهم يقولون: إن والديه فى النار، وهوتدليس صريح عليهم لأنهّم لم يقولوا ذلک من ذات أنفسهم وإنمّا الّذى قاله هو نبيّهم، وإنمّاهم فى هذا تبع له.

وهذا حفزنى إلى نشرهذا الكتاب فى الردعلى جلال الدين عبدالرحمن ابن أبى بكر بن محمد السيوطى الشافعى ــ المتوفىٰ سنة ۹۱۱ھ رحمه الله ــ فيما قال به من نجاة الأبوين فإنّه رأس هذه الدعوى والمنتصر لها ، وألّف فيها عدة رسائل أشهرها "مسالک الحنفا فى والدى المصفطى" وهد فى بيان مسألة مهمة من المسائل الّتى يدعى أبو جهل وغيره من الخرافيين أنّ أهل السّنةّ تقوّلوا على النبّى وجفوه وآذوه بها والله حسيبهم.

ومن المعلوم لدى كلّ منصف أنّ النبّىّ له فى قلوب أهل السّنةّ المكانة العظمى والمنزلة العليا، لكنهّم فى هذا يتبعون أمره ويقتدون بهديه فينزلونه المنزلة الّتى أمر الله بها فلا يرفعونه فوق مقام النبوة ولاينزلونه عنها.

إن المؤمن الّذى يريد الله والدّار الآخرة ويبتغى الوصول إلى الحق دون رهبة مخالفة الآباء والأجداد والعائلة والأئمّة والسادة وغيرهم هو من يقصد إلى الأصل الّذى جعله الله حكماً بين الناس فيما اختلفوافيه،قال تعالى: "كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وأنزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه إلا الذين أوتوه من بعد ما جائتهم البينات بغيا بينهم فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق بإذنه والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم" (البقرة ۲۱۳) و قال تعالىٰ: "ياأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلک خير وأحسن تأويلا " (النساء، ۵۹) و قال تعالىٰ: وما آتكم الرسول فخذوه و ما نهٰكم عنه فانتهوا" (الحشر، ۷)

فالكتاب والسّنةّ هما المرجع إذا اختلف المؤمنون فى شىء ، ولم يحلِنا ربّنا تعالى إلى شىء آخر غيرهما، لأنّ الحق فيهما بلامِرية واضحٌ جلىٌّ كجلاء الشمس فى وسط النهار لمن أراد الوصول إلى الحق ، أمّا من أصرّ وأغمض عينيه وصمّ أذنه فإنهّ لا يريد الحق، والحق لايريده (نقض مسالک السيوطى فى والدى المصطفى ، ص۲ الىٰ ۷،الناشر:دار الامام مالک،أبو ظبى ، الطبعة: 2006م، ۱۴۲۷ھـ)

دن امتحان لیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی وجہ سے اس امتحان میں کامیاب قرار پائیں گے۔

دوسرا مسلک یہ تحریر کیا ہے کہ وہ توحید کی بنیاد پر تھے، اور شرک اور بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوئے، لہٰذا وہ ان موحدین کی طرح شمار ہوں گے، جو بعثت سے قبل فوت ہو گئے۔

تیسرا مسلک یہ تحریر کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زندہ کر دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت دی، جس پر وہ ایمان لائے، پھر ان کو وفات دے دی گئی۔

اور یہ تینوں مسالک انتہائی کمزور ہیں، جن میں حقائقِ شرعیہ سے غفلت اختیار کی گئی ہے، اور نصوص سے اعراض کیا گیا ہے۔

اور سیوطی نے ہر مسلک کے لیے ایسے دلائل سے استدلال کیا ہے کہ جن کا دلائل نام رکھنا بھی صحیح نہیں، بلکہ وہ حقیقت میں شبہات اور خیالات ہیں، اسی وجہ سے علامہ سیوطی کے کلام میں تناقض واضطراب پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم سیوطی رحمہ اللہ وعفا عنا وعنہ کے کلام کے مناقشہ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

سیوطی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ''ناجی'' ہیں، اور وہ ''ناری'' نہیں ہیں، جس کی تصریح علماء کی ایک جماعت نے کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم نہیں جانتے کہ علماء کی جس جماعت کی طرف سیوطی نے اس مذہب کو منسوب کیا ہے، وہ کون سی جماعت ہے؟ سیوطی نے اپنی بحث میں جن کا ذکر کیا ہے، اور ان کی طرف یہ مسالک منسوب کرنے کا قول کیا ہے، وہ درجِ ذیل حضرات ہیں:

(1)......پہلی شخصیت شرفُ الدین مناوی کی ہے، جن کا نام یحییٰ بن محمد بن محمد

مناوی مصری شافعی ہے، جو اصولی فقیہ اور اخباری ہیں، ان کی وفات 871ھ ہے، سیوطی نے فرمایا کہ اس مسلک کو سب سے پہلے میں نے ان ہی سے سنا ہے۔[1]

(2)......دوسری شخصیت سبط ابنِ جوزی کی ہے، جو مشہور واعظ ہیں، اور ان کے تاریخ دانوں نے وعظ کی حلاوت اور تاریخ کا وسیع علم ہونے کی جہت سے، مختلف فضائل بیان کیے ہیں، لیکن اہلِ حکومت کے نزدیک ان کی جاہ و منزلت تھی، جس کی وجہ سے اہلِ حکومت کی بدعات کی طرف میلان پایا جاتا تھا، اور بعض اہلِ حکومت کی خاطر انہوں نے مذہبِ حنبلی کو ترک کر کے مذہبِ حنفی کو اختیار کر لیا تھا، جبکہ امام ابو حنیفہ کا مذہب، نہ تو بدعت پر مشتمل ہے، اور نہ ان کا مسلک ایسے شخص کے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے، جسے سنت کی سمجھ بوجھ نہ ہو، اور اس میں بادشاہ کی طرف میلان کی دلالت پائی جاتی ہو، یہاں تک کہ یہ موصوف، رافضی امراء کی طرف بھی مائل ہو گئے، چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی (المتوفی: 748ھ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے ''مرآۃ الزمان'' کتاب تالیف کی ہے، جس میں آپ دیکھتے ہیں کہ وہ منکر واقعات و حکایات کو لاتے ہیں، اور مجھے ان کی نقل کردہ بات پر وثوق کا گمان نہیں ہوتا، بلکہ یہ تخمینات اور اندازوں کی باتیں کرتے ہیں، اور ان کے اندر ''رفض'' پایا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں ان کی تالیف بھی پائی جاتی ہے، شیخ محی الدین سوسی نے فرمایا کہ جب میرے دادا کو سبط ابنِ جوزی کی وفات کی خبر پہنچی، تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ اس پر رحم نہ کرے، وہ رافضی تھا، اور فرمایا کہ میں نے اس کی تصنیف کو ملاحظہ کیا ہے، جو اس کے اہلِ تشیع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] یہ شخصیت ''الجامعُ الصغیر'' کے شارح امام مناوی (المتوفی: 1031 ہجری) کے علاوہ ہیں، امام مناوی علامہ سیوطی کے بعد کی شخصیت ہیں، تو سیوطی اپنے سے بعد کی شخصیت کا کیسے ذکر کر سکتے ہیں؟ محمد رضوان۔

اور حافظ ابنِ کثیر (المتوفیٰ:774ھ) نے فرمایا کہ شہاب الدین ابوشامہ نے ان کے علوم اور فضائل اور ریاست اور حسنِ وعظ اور حسنِ صوت اور حسنِ چہرہ اور تواضع اور زہد وغیرہ کے فضائل بیان کیے ہیں، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ میں نے ان کی وفات کی رات میں، خواب کے اندر ان کی وفات کو بیدار ہونے سے پہلے دیکھا، اور میں نے ان کو بری حالت میں دیکھا، اور میرے علاوہ بھی ان کو بعض دوسرے حضرات نے اسی حالت میں دیکھا، ہم اللہ سے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔

اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی تصنیفات میں مختلف رطب ویابس چیزوں کا ذکر کرتا ہے، اور اپنی اغراض کے لیے بہت سی ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال کرتا ہے، اور یہ لوگوں کے مقاصد کے مطابق تصنیف وتالیف کرتا تھا، اور شیعہ کے لیے بھی ان کے مناسبِ حال تصنیف کرتا تھا، تاکہ اس کو اس چیز کا معاوضہ ملے، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق، بعض حکمرانوں کے لیے تصنیف کیا کرتا تھا، تاکہ اپنی اغراض کو پاسکے، اور اسی وجہ سے اس کی بعض کتابوں میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازیبا چیزیں پائی جاتی ہیں، جو اس کی مداہنت اور شیعوں سے اپنی غرض حاصل کرنے پر مشتمل ہیں، اور اس کی بعض کتابوں میں خلفائے راشدین وغیرہ کی تعظیم پائی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ''سبط ابنِ جوزی'' کی وفات 654ھ میں ہوئی ''عفا اللہ عنا وعنہ'' پس ان کی جو حالت ذکر کی گئی، اس کی بناء پر نہ تو ان کی نقل کو قابلِ وثوق قرار دیا جاسکتا، اور نہ ان کے اپنے قول پر اطمینان کیا جاسکتا۔ [1]

(3)...... تیسری شخصیت ''ابوعبداللہ الأُبی'' کی ہے، جو محدث، حافظ، فقیہ، مفسر

---

[1] علاوہ ازیں ابنِ جوزی کی اس سلسلہ میں چند عبارات ہم اپنے دوسرے مضمون ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں نقل کر کے کلام کر چکے ہیں، جو مذکورہ مدعاء کے برخلاف ہیں۔ محمد رضوان۔

ہیں، اور یہ مسلم کی شرح ''اکمالُ الاکمال'' کے مصنف ہیں، ان کی وفات 827ھ میں ہوئی۔ [1]

(4)...... چوتھی شخصیت ''ابنِ ناصرالدین'' کی ہے، جو محدث، حافظ اور نسب اور رجال کے عارف ہیں، جن کی متعدد تصنیفات ہیں، ان کی متعدد اہلِ علم نے تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اور ان کی وفات 842ھ میں ہوئی۔ [2]

(5)...... پانچویں شخصیت ''ابنِ سیدالناس'' کی ہے، جو امام حافظ علامہ محمد بن محمد یعمری شافعی ہیں، اور یہ مصنف اور مشہور ادیب ہیں، جن کی متعدد کتابیں ہیں، اور ان کی مشہور کتاب ''عیون الاثر فی السیرۃ النبویۃ'' ہے، یہ عارف بالحدیث، متقن اور شاعر تھے، جنہوں نے ابنِ دقیق العید سے علم حاصل کیا، اور ان کی وفات 734ھ میں ہوئی۔ [3]

(6)......چھٹی شخصیت ''سہیلی'' کی ہے، جو کہ حافظ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہیں، اور ایک معتمد شخصیت شمار ہوتے ہیں، ان کی وفات 581ھ میں ہوئی (سہیلی کے موقف پر کلام پہلے گزر چکا ہے)

(7)......ساتویں شخصیت ''قرطبی'' کی ہے، جو مشہور مفسر اور مصنف ہیں، اور مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی تفسیر کے علاوہ ایک مشہور کتاب ''التذکرۃ باحوال الموتیٰ والآخرۃ'' ہے، ان کی وفات 671ھ میں ہوئی۔

(8)...... آٹھویں شخصیت ''محبّ الدین طبری'' کی ہے، جو فقیہ، زاہد اور محدث شمار ہوتے ہیں، اور شافعی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی وفات

---

[1] ان کی تفصیلی عبارت اور اس پر کلام بھی ہم نے ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں کر دیا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اور ہم ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں اس پر کلام کر چکے ہیں۔ محمد رضوان۔

[3] لیکن ''ابنِ سیدالناس'' کی بات اس وقت معتبر ہے، جبکہ حدیثِ احیاء کو دوسری احادیث کے لیے ناسخ مانا جائے، اور یہ بات درست نہیں، جیسا کہ ہم ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں ذکر کر چکے ہیں۔ محمد رضوان۔

696ھ میں ہوئی۔ [1]

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ تمام حضرات سے، سیوطی نے ایسے مقولہ کو نقل کیا ہے، جو گرا پڑا قول ہے، اور اس کا کوئی نسب نہیں (جیسے راستے میں پڑی ہوئی کوئی چیز ہوتی ہے، اسی وجہ سے نہ تو مذکورہ تمام شخصیات سے با سند طریقے پر اس قول کا ثبوت ملتا، اور نہ ہی اس کی متقدمین اہلِ سنت سے کوئی سند ملتی) اور ان شخصیات میں سب سے پہلی شخصیت، جن کا سیوطی نے ذکر کیا، وہ چھٹی صدی کے آخر میں وفات پا گئے تھے، جو کہ ''سہیلی'' ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان حضرات کے کلام میں بھی اس قول پر جزم نہیں ملتا، بلکہ اس کی امید اور احتمال کا ذکر ملتا ہے، جبکہ مذکورہ امید اور احتمال بھی نصوص کے معارض ومخالف ہے، جس کو اختیار کرنا جائز نہیں، لیکن یہ سیوطی کی حالت سے اھون ہے، جنہوں نے اس سلسلے میں تالیف کی، بلکہ جو نصوص کے خلاف قول کرے، اس کی شان میں بھی قدح کا باعث ہے، اگرچہ سیوطی نے جو قول کیا ہے، وہ ان کا اپنا ہی قول ہے۔

سیوطی نے فرمایا کہ ان حضرات کے اس مسئلے کے ثبوت میں چند مسالک ہیں، جن میں سے پہلا مسلک یہ ہے کہ وہ بعثت سے قبل فوت ہوئے، اور بعثت سے قبل فوت ہونے والے کو عذاب نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسلک سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اہلِ فترۃ میں سے ہیں، جن کے متعلق راجح یہ ہے کہ ان کا امتحان لیا جائے گا، اور ان کی حالت اور عاقبت کا ہمیں علم نہیں، ان میں سے بعض مطیع ہوں گے، جو نجات پالیں گے، اور بعض عاصی ہوں گے، جو ہلاک ہوجائیں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ

[1] مذکورہ بالا تمام حضرات کے اصل موقف پر کلام کچھ پہلے گزر چکا ہے، کچھ ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' میں کر دیا گیا ہے۔ محمد رضوان۔

وسلم کے والدین کے متعلق اگر کوئی چیز وارد نہ ہوتی، تو کسی ایک حالت پر یقین کرنا ''رجما بالغیب'' کہلاتا، لیکن جب آپ کے والد کے ناری ہونے، اور والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کی نص وارد ہوگئی، تو اس کو نظر انداز کر کے دوسری حالت پر یقین کرنا، کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

پھر اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ اہلِ فترۃ میں سے ہیں، تو نص اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ یقینی عاصی ہیں، اس صورت میں بھی ان کی نجات کا قول، بہرحال باطل شمار ہوگا''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] " سلک السیوطی ومن تبعه فی الاستدلال لنجاة والدی النبی ثلاثة مسالک :
المسلک الأول : أنهما ماتا فی فترة من الرسل ، لأن الجاهلية التی سبقت بعثة النبی لم تبلغها دعوة فحكمهم حكم أصحاب الفترة يمتحنون يوم القيامة وان والدی النبی سيجيبان كرامة للنبی .
السملک الثانی : أنهما كانا علی أصل التوحيد ، فلم يقعا فی الشرک وعبادة الأوثان ، فهم كباقی الموحدين الحنيفيين الذين ماتوا قبل البعثة .
المسلک الثالث : أنهما آمنا بالنبی . اذ أحياهما اللّٰه له ودعاهما وآمنا به ثم أماتهما .
وهذه المسالک غاية فی الوعورة ، اذ اضطر السيوطی رحمه اللّٰه أن يضحی بأصول علمية ، وأن يتغافل عن حقائق شرعية من أجل بلوغ هدفه ، وهو اثبات نجاة والديه موافقة للهوی واعراضا عن الحقائق الواضحة والنصوص القاطعة .
وقد استدل السيوطی لكل مسلک بأدلة لا يصح أن تنال هذه التسمية ، لأنها فی الحقيقة شبه و خيالات ، ولهذا تناقض واضطراب كما سنی باذن اللّٰه تعالی عند مفاقشته رحمه اللّٰه وعفا عنا وعنه.
قال السيوطی : (الحكم فی أبوی النبی أنهما ناجيان وليسا فی النار ، صرح بذالک جمع من العلماء)
قلت : لاندری من هذا الجمع الذی ينسب اليه السيوطی هذا المذهب ، فالذين ذكرهم فی بحثه ونسب اليهم القول فی مسالكه كما يلی :
1 . شرف الدين المناوی : يحيی بن محمد بن محمد بن محمد بن أحمد المناوی المصری الشافعی ، فقيه أصولی اخباری ، له عدد من المؤلفات ، توفی سنة ٨٧١ هـ ، قال السيوطی : (وهذا المسلک أول ما سمعته فی هذا المقام الذی نحن فيه من شيخنا شيخ الاسلام شرف الدين المناوی)
2 . سبط ابن الجوزی : وهو يوسف ابن قزوغلی بن عبد اللّٰه البغدادی ، ثم الدمشقی أبو المظفر ، أمه رابعة بنت الامام ابن الجوزی الواعظ الشهير ، وهذا الرجل له فضائل ذكرها من ترجم له فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مولف موصوف نے اس کے بعد اہلِ فترۃ اور اہلِ جاہلیت پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے اہلِ جاہلیت کو دعوتِ رسل پہنچ جانے، اور ان کے مکلّف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التاريخ من حيث حلاوة وعظه وسعة علمه بالتاريخ ، لكن كان له جاه عند الملوك ويظهر أنه كان يمالئهم بما هم عليه من البدع ، ومن ذالك أنه ترك مذهب الحنابلة الى مذهب أبى حنيفة لأجل أحد الملوك ، وليس مذهب أبى حنيفة بدعة ولا التمذهب به لمن لا يفقه السنة وانما فيه دلالة الى ميله للسلطان ، وليس ذالك فقط بل حتىٰ أمراء الرفض ، قال الامام المؤرخ العلامة المصنف شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى ـ المتوفى سنة ۷۴۸ ـ رحمه اللّٰه ـ : (ألف كتاب مرآة الزمان فتراه يأتى فيه بمناكير الحكايات وما أظنه بثقة فيما ينقله بل يجنف ويجازف ثم أنه ترفض وله مؤلف فى ذالك نسأل اللّٰه العافية .. قال الشيخ محيى الدين السوسى : لما بلغ جدى موت سبط بن الجوزى قال : "لا رحمه اللّٰه كان رافضيا " وقال أيضا "ورأيت له مصنفا يدل على تشيعه"

وقال الامام العلامة أبو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقى صاحب التفسير المتوفى سنة ۷۷۴ هـ رحمه اللّٰه :(وقد أثنى عليه الشيخ شهاب الدين أبو شامة فى علومه وفضائله ورياسته وحسن وعظه وطيب صوته ونضارة وجهه وتواضعه وزهده تودده لكنه قال : وقد كنت مريضا ليلة وفاته فرأيت وفاته فى المنام قبل اليقظة ورأيته فى حالة منكرة ورآه غيرى أيضا ، فنسأل اللّٰه العافية)

وقال شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه اللّٰه : (فهذا الرجل يذكر فى مصنفاته أنواعا من الغث والسمين ويحتج فى أغراضه بأحاديث كثيرة ضعيفة وموضوعة وكان يصنف بحسب مقاصد الناس يصنف للشيعة ما يناسبهم ليعوضوه بذالك ويصنف على مذهب أبى حنيفة لبعض الملوك لينال أغراضه فكانت طريقته الواعظ الذى قيل له ما مذهبك قال : فى أى مدينة ؟

ولهذا يوجد فى بعض كتبه ثلب الخلفاء الراشدين وغيرهم من الصحابة رضوان اللّٰه عليهم لأجل مداهنة من قصد بذالك من الشيعة ويوجد فى بعضها تعظيم الخلفاء الراشدين وغيرهم)

قلت : توفى السبط سنة ۶۵۴ هـ عفا اللّٰه عنا وعنه ، غير أن من حاله هذه لا يوثق بنقله ولا حتىٰ باختياره .

3 . أبو عبد اللّٰه الأبى :محمد بن خليفة بن عمر التونسى الوستانى المشهور بالأبى نسبه لقرية فى تونس ، محدث حافظ فقيه مفسر ولى قضاء الجزيرة وهو صاحب : اكمال الاكمال فى شرح مسلم ، توفى سنة ۸۲۷ هـ.

4 . ابن ناصر الدين : محمد بن عبد اللّٰه بن محمد الحموى الدمشقى الشافعى ،ا بو عبد اللّٰه محدث حافظ عارف بالنسب والرجال ، صنف فأكثر وأجاد ، من أشهر تصانيفه : الاعلام بما وقع فى مشتبه الذهبى من الأوهام ، ومنهاج السلامة فى ميزان يوم القيامة ، والرد الوافر على من زعم أن من أطلق على ابن تيمية أنه شيخ الاسلام كافر ، قال الشوكانى : وبالجملة فكان اماما حافظا مفيدا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالتوحید ہونے کو مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے، چونکہ ہم اس موضوع پر اپنی مفصل تالیف ''اہلِ فترۃ وجاہلیت کا حکم'' میں تفصیلی کلام کر چکے ہیں، اور ''شفاعةُ النبی لأبوی النبی'' میں بھی ضمناً واجمالاً کلام کر چکے ہیں، اس لیے اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

مطالعہ کے خواہش منداہلِ علم حضرات اور موصوف مذکورہ تالیف کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للطلبة ، وقد أثنى عليه جماعة من معاصريه كابن حجر والبرهان الحلبى) توفى سنة ۸۴۲ هـ.

5 . ابـن سيـد الناس : الامام الحافظ العلامة محمد بن محمد بن محمد بن أحمد اليعمرى الشافعى أبـو الـفتح ، مصنف أديب مشهور ، له كتب عديدة من أشهرها عيون الأثر فى السيرة النبوية ، وكان عـارفـا بـالـحـديث متقنا شاعرا سهل النظم ، أخذ عن ابن دقيق العيد وكان يظمه ويسأله ، توفى سنة ۷۳۴ هـ.

6 . السهيلى : قال الذهبى رحمه اللّٰه : (الحافظ العلامة البارع أبو القاسم وأبو زيد عبد الرحمان بن عبـد الـلّٰـه بن أحمد بن أصبغ بن حسين بن سعدون ويكنى أيضا أبا الحسن ولد الخطيب أبى محمد بـن الامـام الخطيب أبى عمر الخثعمي الأندلسى المالقى الضرير صاحب التصانيف المؤنقة .. كان امـام فـى لسـان الـعـرب يتوقد ذكاءاً .. قال أبو جعفر بن الزبير : كان السهيلى واسع المعرفة غزير الـعـلـم نـحـويـا متـقـدما لغويا عالما بالتفسير وصناعة الحديث عارفا بالرجال والأنساب عارفا بعلم الـكـلام وأصـول الـفـقه حافظا للتاريخ القديم والحديث ذكيا نبيها صاحب اختراعات واستنباطات مستغربة) قلت : توفى : سنة ۵۸۱ هـ.

7. القرطبى : محمد بن أحمد بن أبى بكر بن فرح الأنصارى الخزرجى الأندلسى المالكى ، العلامة الـمـفسـر صاحب التصانيف ومن أشهرها الجامع لأحكام القرآن التفسير اكبير ، والتذكرة بأحوال الموتىٰ والآخرة ، توفى سنة ۶۷۱ هـ.

8 . مـحـب الـدين طبرى : أبو العباس أحمد بن عبد اللّٰه بن محمد بن أبى بكر ، قال الذهبى : الفقيه الزاهد المحدث كان شيخ الشافعية ومحدث الحجاز ، توفيه سنة ۶۹۴ هـ رحمه اللّٰه .

هـؤلاء كـل مـن نـقل عنهم السيوطى هذه المقولة ، أى أنه قول لقيط لا نسب له ، فأقدم من ذكر عنه مات فى أواخر القرن السادس وهو السهيلى .

ثـم ان هـؤلاء ليس فى كلامهم الجزم وانما الرجاء ، ومع أن الرجاء لهما مع معارضة النص القاطع لا يـجوز الا أنه أهون من حال السيوطى الذى ألف ونافح بل وقدح فيمن يقول بخلافه مع أن الذى قاله هو نفسه.

قـال السيـوطـى : (ولهـم فـى تـقـريـر ذالک مسالک : المسلک الأول : أنهما ماتا قبل البعثة ولا تـعـذيب قبلها لقوله تعالىٰ : (من اهتدى فإنما يهتدى لنفسه ومن ضل فإنما يضل عليها ولا تزر وازرة وزر أخرى وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) (الاسراء : ۱۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے بعد احمد بن صالح الزہرانی، علامہ سیوطی کے بیان کردہ دوسرے مسلک کی تردید بیان کرتے ہوئے، فرماتے ہیں کہ:

”دوسرا مسلک سیوطی نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، توحید کی بنیاد پر فوت ہوئے، اور وہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوئے، پس وہ اُن باقی موحدین، حنیفیین کی طرح ہیں، جو بعثت سے قبل فوت ہو گئے۔

بلکہ سیوطی نے یہ حکم، حضرت آدم علیہ السلام تک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کے لیے، بیان کیا ہے کہ آپ کے آباء میں کوئی بھی، اللہ کے ساتھ کفر کا مرتکب نہیں تھا۔

اور سیوطی اس قول کی طرف اس لیے مجبور ہوئے کہ بعض دلائل کے ذریعے یہ استدلال، اس کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تھا، جس کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کا حکم لگایا جائے، اور آپ کے دادا عبدالمطلب ہیں، اور آپ کے آباء آدم علیہ السلام تک پہنچے ہوئے ہیں۔

سیوطی کہتے ہیں کہ دوسرا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنفی پر قائم تھے، جیسا کہ عرب کی ایک جماعت کا حال تھا، مثلاً ”زید بن عمرو بن نفیل“ اور ”ورقہ بن نوفل“ وغیرہ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت : غاية ما فى هذا المسلك أنهما من أهل الفترة ، والراجح فيهم حسب ما سيقرره أنهم يمتحنون ولا ندرى ما يكون حالهم فمنهم من يطيع فينجو ومنهم من يعصى فيهلك ، والجزم بأحد المصيرين لأبويه . رجم بالغيب لو لم يرد فيهما شىء ، فكيف وقد جاء النص أن أباه فى النار ونهى عن الاستغفار لأمه ؟

فلو صح أنهما من أهل الفترة لكان النص مفيدا أنهما سيعصيان حتما ، فيكون القول بنجاتهما باطلا بأى حال (نقض مسالك السيوطى فى والدى المصطفى ، ص : ٢٩ الىٰ ٣٥، نقض مسالك السيوطى فى نجاة الابوين، الناشر :دار الامام مالك،أبو ظبى ، الطبعة: 2006م، ١٤٢٧ھ)

میں کہتا ہوں کہ سیوطی نے جن حضرات کا نام ذکر کیا ہے (یعنی زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل) ان کے شرک سے محفوظ ہونے کے متعلق تو نصوص وارد ہوئی ہیں، اور جہاں تک آپ کے والدین کا تعلق ہے، تو ان کے بارے میں ''فی النار'' ہونا ثابت ہے، جیسا کہ خود سیوطی نے بھی کہا ہے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ اس مسلک کی طرف ایک جماعت گئی ہے، جن میں امام فخر الدین رازی بھی ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''اسرارُ التنزیل'' میں فرمایا، جس کی عبارت یہ ہے ''کہا گیا ہے کہ ''آزر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے، بلکہ ان کے چچا تھے، اور اس قول کے قائلین نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے، جن میں ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء کے آباء ''کفار'' نہیں تھے، جس کے مختلف دلائل ہیں، ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین'' کہا گیا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے، دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور اس اعتبار سے یہ آیت اس بات پر دلالت کرے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء، مسلم تھے، اور اس صورت میں یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوگی کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی کافروں میں سے نہیں تھے، وہ صرف آپ کے چچا تھے، اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وتقلبک فی الساجدین'' کو دوسری توجیہات پر محمول کیا جائے، اور جب آپ تمام روایات کو وارد کریں گے، اور ان کے درمیان کوئی منافات بھی نہیں ہوگی، تو آیت کو تمام توجیہات پر محمول کرنا، واجب ہو جائے گا، اور جب یہ بات صحیح ہو جائے گی، تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد، بت پرستوں میں سے نہیں تھے''

پھرامام رازی نے فرمایا کہ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، مشرک نہیں تھے، نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ''میں پاک صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اوراللہ تعالیٰ کاارشادہے کہ''إنما المشركون نجس ''تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں کوئی بھی مشرک نہیں تھا''۔

یہ امام فخرالدین رازی کاان ہی کے الفاظ میں کلام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سیوطی کی عادت، قاری کواس بات کا وہم ڈالنا ہے کہ یہ قول ائمہ اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے، چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ''اس مسلک کی طرف ایک جماعت گئی ہے''لیکن سیوطی ان حضرات کا ذکرنہیں کرتے،سوائے ایک یادو لوگوں کے،اور کاش کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی یہ مسلک تسلیم کرلیا جاتا (جبکہ ایسانہیں ہے)

جہاں تک امام رازی کاتعلق ہے،تو سیوطی نے ان کی طرف جس بات کی نسبت کی ہے،توامام رازی اس سے بری ہیں، کیونکہ فخررازی نے اس مسئلےکواپنی کتاب میں دومقامات پر ذکر کیا ہے،جس کو میں کچھ اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں،تاکہ نقل میں سیوطی نے جو دقت پیدا کردی ہے، وہ سمجھی جاسکے،فخر رازی نے سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کے قول''واذ قال ابراهيم لأبيه آزر أتتخذ أصناما آلهة '' کی تفسیر میں فرمایا کہ شیعہ کا قول یہ ہے کہ رسول کے آباء میں،اوررسول کے اجداد میں کوئی بھی کافرنہیں تھا، اورانہوں نے اس بات کا انکارکیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کو کافر کہا جائے، اور شیعہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، والد نہیں تھے، اور شیعہ نے اپنے قول کے لیے چند چیزوں سے دلائل پکڑے ہیں، پھرفخررازی نے ان کے اس قول کے دلائل کوذکر کیا ہے، جوکہ دودلائل ہیں،ایک دلیل تواللہ تعالیٰ کاقول''وتقلبك في

الساجدین ''اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول''لم أزل أنقل من أصلاب الطاھرین''ہے، اللہ تعالیٰ کے قول''انما المشرکون نجس''کے ساتھ، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے ساتھ سخت گوئی پائی جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد فخر رازی نے فرمایا کہ جہاں تک ہمارے اصحاب (یعنی اہلُ السنۃ) کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، چنانچہ انہوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مذکورہ آیت میں قرآن مجید کی نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ''آزر'' کافر تھے، اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی تھے، اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا قول''وما کان استغفار ابراھیم لأبیہ''یہ بھی ہمارے قول پر دلالت کرتا ہے، اور جہاں تک نبی علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول کا تعلق ہے، تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں کوئی گڑبڑ واقع نہیں ہوئی۔

پس آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پر رازی اس قول کی طرف نہیں گئے، بلکہ انہوں نے اس قول کو شیعہ کا نقل کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سوائے اس گمراہ فرقے کے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کے مومن ہونے کی عمومیت کا، کوئی بھی قائل نہیں۔

جہاں تک اس بات کی دلیل کا تعلق ہے کہ امام رازی نے اس قول کی تردید کی ہے، تو امام رازی نے اس مسئلہ کو دوسرے موقع پر''ألذی یراک حین تقوم''کی آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، چنانچہ وہاں فرمایا کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ روافض اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مومن تھے، اور انہوں نے اس قول کے لیے مذکورہ آیت سے دلیل پکڑی ہے،

اورحدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے، جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے، تو روافض کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''وتقلبک فی الساجدین '' یہ ان وجوہات کا احتمال رکھتا ہے، جو تم نے ذکر کی ہیں، پھر اس کے بعد امام رازی نے فرمایا کہ آپ یہ بات جان لیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قول ''لابیہ آزر '' سے دلیل پکڑتے ہیں، اور روافض نے جو بات ذکر کی ہے، وہ لفظ کو ظاہر سے پھیرنا ہے (جو کہ درست نہیں) اور جہاں تک آیت کو تمام وجوہات پر محمول کرنے کا تعلق ہے، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ ہم یہ بات بیان کر چکے کہ مشترک کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں، اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، تو وہ خبرِ واحد ہے، جو قرآن کے معارض نہیں ہوسکتی (علاوہ ازیں وہ حدیث سند کے اعتبار سے بھی معتبر نہیں)

اور مذکورہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس مسلک کی امام رازی کی طرف نسبت کرنا، غلط ہے، نیز یہ قول روافض ہی کا قول ہے، جس کے بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ اس قول میں روافض، انفرادی رائے رکھتے ہیں۔

لہٰذا یہ بات قابلِ تعجب ہے کہ رازی تو دونوں مقامات پر اس قول کو شیعہ وروافض کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور اس کے باوجود سیوطی اس سے غفلت اختیار کر رہے ہیں، اور اس بات کا ذکر نہیں کر رہے، کیونکہ شیعہ وروافض کی طرف اس قول کے منسوب کرنے کی کمزوریوں سے وہ واقف ہیں۔

اور جہاں تک سیوطی کے دوسرے دلائل کا تعلق ہے، تو ان کی تفصیل، اللہ کے حکم سے سیوطی کے کلام کے ذیل میں آگے آئے گی''۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] نقض المسالک الثانی :

وھو أنھما کانا علی أصل التوحید ، فلم یقعا فی الشرک وعبادۃ الأوثان ، فھم کباقی الموحدین الحنیفیین الذین ماتوا قبل البعثۃ .

بل عمم السیوطی ذالک علی آبائہ . الیٰ آدم ، وأنہ لیس فی آبائہ من ھو کافر باللّٰہ تعالیٰ .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد احمد بن صالح الزہرانی نے، علامہ سیوطی کے اس مسلک کی تائید میں پیش کردہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد اضطر الى ذالک لأن بعض الأدلة لا يتم له الاستدلال بها الا بذالک فاقتضى منه الحكم باسلام والديه . وجده عبد المطلب وآبائه الى آدم عليه السلام.

قال السيوطى : (المسلک الثانى : أنهما لم يثبت عنهما شرک بل كانا على الحنيفية دين جدهما ابراهيم عليه السلام كما كان على ذالک طائفة من العرب كزيد بن عمرو بن نفيل وورقة بن نوفل وغيرهما)

قلت : أما من ذكرهم فقد جاء ت النصوص بذالک ، وأما والداه فقد ثبت أنهما فى النار كما قاله هو.

قال السيوطى : (وهذا المسلک ذهبت اليه طائفة منهم الامام فخر الدين الرازى : فقال فى كتابه أسرار التنزيل ما نصه : قيل ان آزر لم يكن والد ابراهيم بل كان عمه واحتجوا عليه بوجوه : منها أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا ويدل عليه وجوه : منها قوله تعالىٰ : (الذى يراک حين تقوم .وتقلبک فى الساجدين) (الشعراء : ۲۱۹ ، ۲۱۸) قيل : معناه أنه كان ينقل نوره من ساجد الى ساجد ، وبهذا التقدير فالآية دالة على أن جميع آباء محمد كانوا مسلمين وحينئذ يجب القطع بأن والد ابراهيم ما كان من الكافرين انما ذاک عمه أقصى ما فى الباب أن يحمل قوله تعالىٰ : (وتقلبک فى السٰجدين) على وجوه أخرى ، واذا وردت الروايات بالكل ولا منافاة بينها وجب حمل الآية على الكل ، ومتى صح ذالک ثبت أن والد ابراهيم ما كان من عبدة الأوثان ، ثم قال : ومما يدل على أن آباء محمد . ما كانوا مشركين قوله عليه السلام : (لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين الى أرحام الطاهرات) وقال تعالىٰ : (انما المشركون نجس) (التوبة : ۲۸) فوجب أن لا يكون أحد من أجداده مشركا ، هذا كلام الامام فخر الدين بحروفه)

قلت : عادة السيوطى ايهام القارئ أن هذا القول قول جماعة من الأئمة والعلماء فهو يقول ذهب الى هذا المسلک طائفة ثم لا يذكر منهم الا شخص أو اثنين وليته يسلم له أحدهما .

أما الرازى فقد نسب السيوطى اليه ما هو برىء من قوله ، وذالک أن الفخر الرازى ذكر هذه المسألة فى موضعين من كتابه أنقلهما بنوع اختصار لتعلم مدى دقة السيوطى فى النقل ، قال فى تفسير قوله تعالىٰ :(واذ قال ابراهيم لأبيه آزر أتتخذ أصناما آلهة) (الأنعام : ۷۴) (قالت الشيعة : ان أحدا من آباء الرسول ، وأجداده ما كان كافرا ، وأنكروا أن يقال : ان والد ابراهيم كان كافرا ، وذكروا أن آزر كان عم ابراهيم عليه السلام وما كان والدا له ، واحتجوا على قولهم بوجوه) ثم ذكر حججهم على هذا وهى حجتان : قوله تعالىٰ :(وتقلبک فى السٰجدين) وقوله : (لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين) مع قوله تعالىٰ (انما المشركون نجس) والحجة الثانية : أن فى هذه الآية مشافهة ابراهيم لأبيه بالغلظ .

ثم عقب على ذالک بقوله : (وأما أصحابنا فقد زعموا أن والد رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان كافرا وذكروا أن نص الكتاب فى الآية تدل على أن آزر كان كافراً و كان والد إبراهيم عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دلائل کا جائزہ لے کر ان پر کلام کیا ہے، اور اس موقف کی تردید کی ہے۔
جس کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام تک، نسب کے پاکیزہ وعالی ہونے کے ثبوت، اور اس کے لیے ایمان کے لازم نہ ہونے پر مدلل ومفصل کلام کیا ہے، اور اس سلسلے میں وارد ہونے والی روایات وآثار کی اسناد پر بھی کلام کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السلام، و أیضاً قولهٗ تعالیٰ: ”وما کان استغفار ابراهیم لأبیه“ (التوبة: ۱۱۴) و ذلک یدل علی قولنا ..و أما قولهٗ علیه السلام فمحمول فذلک محمول علی أنهٗ ما وقع فی نسبه ما کان سفاحاً.

فأنت تریٰ أن الرازی هنا ما ذهب لهذا القول بل حکاه عن الشیعة، و هذا دلیل علی أنهٗ لا قائل بهٖ علیٰ هذا التعمیم ــأعنی أن کل آبائه مومنین ــ إلا هذه الفرقة الضالة.

والدلیل علیٰ أنهٗ یرد هذا القول: أنهٗ ذکر المسألة فی موضع ثانٍ فی تفسیر آیة: ”ألذی یراک حین تقوم“ حیث قال هناک: ”اعلم أن الرافضة ذهبوا إلی أن آباءَ النبی صلی الله علیه وسلم کانوا مومنین و تمسکو فی ذلک بهذه الآیة و بالخبر، أما هذه الآیة فقالوا: قولهٗ تعالیٰ: ”وتقلبک فی السٰجدین“ یحتمل الوجوه التی ذکرتم ...“ ثم قال الرازی عقب ذلک: ” واعلم أنا نتمسک بقولهٖ تعالیٰ : ” لأبیه آزر“، و ما ذکروه صرف للفظ عن ظاهره، و أما حمل الآیة علی جمیع الوجوه فغیر جائز لما بینا أن حمل المشترک علی کل معانیه غیر جائز، و أما الحدیث فهو خبر آحاد فلا یعارض القرآن“.

وبهٰذا یتبیّن لک ما یلی:

1. أن نسبة القول بهذا المسلک للرازی خطأ علیه.
2. أن هذا القول هو قول الرافضة و حسبک بقول تنفرد به الرافضة.

والعجب أن الرازی فی الموضعین ینسب هذا القول للشیعة والرافضة و مع هذا یغفل السیوطی ذلک ولا یذکرهٗ لأنه عرف ما فی نسبة القول لهم من بیان عواره.

أما الأدلة فسیأتی نقاشها بإذن الله فی کلام السیوطی، وأما احتجاج الرازی علیهم بأن خبر الآحاد لا یعارض القرآن فقد تقدم ما فی هذا الکلام من مخالفة لمنهج السلف الصالح (نقض مسالک السیوطی فی والدی المصطفی ، ص : ۱۰۲ الیٰ ۱۰۵ ،نقض المسلک الثانی، الناشر:دار الامام مالک،أبو ظبی ، الطبعة: 2006م، ۱۴۲۷ھـ)

[1] قال السیوطی: ”وعندی فی نصرة هذا المسلک وما ذهب إلیه الإمام فخر الدین أمور:

أحدها: دلیل استنبطته مرکب من مقدمتین.

الأولی :أن الأحادیث الصحیحة [دلت] علی أن کل أصل من أصول النبی صلی الله علیه وسلّم من آدم إلی أبیه عبد الله فهو من خیر أهل قرنه وأفضلهم.

والثانیة :أن الأحادیث والآثار دلت علی أنه لم تخل الأرض من عهد نوح أو آدم إلی بعثة النبی صلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ:
جلال الدین سیوطی نے تو ثابت کیا ہے کہ حضور کے آباء واجداد، سب کے سب،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلّم ثم إلى أن تقوم الساعة من ناس على الفطرة يعبدون الله ويوحدونه ويصلون له وبهم تحفظ الأرض ، ولولاهم لهلكت الأرض ومن عليها.

وإذا قارنت بين هاتين المقدمتين أنتج منها قطعاً أن آباء النبى صلى الله عليه وسلّم لم يكن فيهم مشرك لأنه قد ثبت فى كل منهم أنه من خير قرنه ، فإن كان الناس الذين هم على الفطرة هم إياهم فهو المدعى ، وإن كانوا غيرهم وهم على الشرك لزم أحد أمرين :إما أن يكون المشرك خيراً من المسلم وهو باطل بالإجماع ،وإما أن يكون غيرهم خيراً منهم وهو باطل لمخالفة الأحاديث الصحيحة ،فوجب قطعاً أن لا يكون فيهم مشرك ليكونوا من خير أهل الأرض كل فى قرنه''.

هٰكذا قال السيوطى، و هو فى هذا بين الوهم الخلط.

أما ما جاء فى المقدمة الأولىٰ، فقد ثبت ذالك عن النبى صلى الله عليه وسلم بلا شك أن اصولهٗ كانت من خير أهل الأزمنة التى عاشو فيها، لكن هذه الخيرية فى النصوص ماذا يراد بها؟

إن سياق النصوص التى وردت فيها هذه النصوص يدل على المراد، و أنه شرف الحسب و النسب، ولا يلزم من أفضلية الشخص فى حسبه و نسبه أن يكون أفضل من كل وجهٍ فضلاً عن أن يكون مسلماً، و إذا كان كذلك فقد انهدم دليلهٗ بالكلية.

وأما المقدمة الثانية ،فمبنية على أخبار عن بعض العلماء لا تصلح دليلاً لو صحت فكيف وهى فى غالبها ضعيفة كما سيمر معنا.

قال السيوطى:'' ذكر أدلة المقدمة الأولى :أخرج البخارى فى صحيحه عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم ''بعثت من خير قرون بنى آدم قرناً فقرناً حتى بعثت من القرن الذى كنت فيه''.

قلت: حديث أبى هريرة رضى الله عنه أخرجه البخارى.

و الخيرية للقرن بعامة لا تعنى الخيرية المطلقة، و الكلام فى هذه النصوص و ما صح منها يتكلم عن الخيرية فى النسب، فالنبى صلى الله عليه وسلم بعث من أشرف الناس نسباً، كما جاء فى الحديث الذى سيسوقه السيوطى: ''إن الله اصطفىٰ من ولد إبراهيم إسماعيل، و اصطفىٰ من ولد إسماعيل بنى كنانة ...''. فلو كان النبى صلى الله عليه وسلم يتكلم عن أفراد لما ذكر بنى كنانة، و لكن بنى كنانة من أفضل بنى اسماعيل، و كذلك اصطفاؤهٗ قريشاً ففيهم الكفرة الفجرة، و انما ذلك مسوق لبيان شرفه صلى الله عليه وسلم نسباً ولا يعدو ذلك شيئاً.

ثم يقال: لو دل ذلك على مراد السيوطى بالمفهوم فإن المتقرر عند الأصوليين أن المنطوق مقدم على المفهوم، وحديث أنس الذى فى مسلم وغيره صريح صحيح فى أن أباه صلى الله عليه وسلم فى النار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت آدم علیہ السلام تک، کوئی بھی کافر نہ تھا، گو وہ روایات ضعیف ہیں۔
اور جمہور علماء کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو صح المنهج والتسليم من السيوطي لما احتاج إلى تسويد عشرات الصحائف وليّ أعناق النصوص و البحث في بطون الكتب عن المناكير و الشواذ لدعم رأيه المخالف للسلف، لأن الحديث نص في المسألة.

قال السيوطي: " وأخرج البيهقي في دلائل النبوة عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلّم قال :(ما افترق الناس فرقتين إلا جعلني الله في خيرهما ، فأخرجت من بين أبويّ فلم يصبني شيء من عهد الجاهلية ، وخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت إلى أبي وأمي فأنا خيركم نفساً وخيركم أباً) ".

قلت: أخرجه البيهقي عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً، و هذا الحديث ضعيف جداً لا يثبت ولاتقوم بلفظه حجة، قال البيهقي عقب إيراده: "تفرد به عبدالله بن محمد بن ربيعة القُدامي، و لهٗ عن مالك و غيره أفراد لم يتابع عليها"

قلت: و قد قصر البيهقي في وصفه، بل قال ابن حبان: "كان تقلب له الأخبار فيجيب فيها لا يحل ذكره في الكتب إلا على سبيل الاعتبار ولعله أقلب له على مالك أكثر من مائة وخمسين حديثا فحدث بها كلها"، و قال ابن عدي: "عامة حديثه غير محفوظة، و هو ضعيف على ما تبين لي من رواياته و اضطرابه فيها"، و قال الذهبي: "أتى عن مالك بمصائب".

قال السيوطي: "وأخرج أبو نعيم في دلائل النبوة من طرق، عن ابن عباس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الطيبة إلى الأرحام الطاهرة مصفى مهذبا، لا تنشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما".

قلت: أخرجه ابو نعيم، والحديث بهذا اللفظ ضعيف جداً، إسناده مسلسل بالمجاهيل، أورده ابن الجوزي، و قال: من وضع القصاص والكناني في تنزيه الشريعة، و ضعفه الالباني رحمه الله تعالٰى.

قال السيوطي: "وأخرج مسلم، والترمذي وصححه، عن واثلة بن الأسقع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن الله اصطفى من ولد إبراهيم إسماعيل، واصطفى من ولد إسماعيل بني كنانة، واصطفى من بني كنانة قريشا، واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم .

وقد أخرجه الحافظ أبو القاسم حمزة بن يوسف السهمي في فضائل العباس، من حديث واثلة بلفظ:إن الله اصطفى من ولد آدم إبراهيم واتخذه خليلا، واصطفى من ولد إبراهيم إسماعيل، ثم اصطفى من ولد إسماعيل نزار، ثم اصطفى من ولد نزار مضر، ثم اصطفى من مضر كنانة، ثم اصطفى من كنانة قريشا، ثم اصطفى من قريش بني هاشم، ثم اصطفى من بني هاشم بني عبد المطلب، ثم اصطفاني من بني عبد المطلب ، أورده المحب الطبري في ذخائر العقبى" .

قلت: أخرجه أحمد، و مسلم و الترمذي وهو يغني عن كل النصوص الضعيفة و المناكير التي جاء بها السيوطي، ولكن ما معناه؟ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ کسی کی گستاخی، یا بدزبانی نہ کرنا چاہیے (''الافاضات الیومیۃ، حصہ دوم'' مشمولہ: ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۲ص۲۱۱،۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ، ملفوظ نمبر ۲۹۴، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخ اشاعت: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معناه كمال قال كل الائمة ممن شرح هذا الحديث: أنه صلى الله عليه وسلم سليل الشرف والحسب، و أنه مطهر من رجس الزنا فى نسبه الكريم، و ليس فى هذا أدنى دلالة على أن المراد بالاصطفاء الخيرية المطلقة، و أنهم على التوحيد بدليل، أن فى الحديث أن الله اصطفىٰ قريشاً من بنى كنانة و من قريش بنى هاشم، فهل كان هولاء كلهم على التوحيد؟ الجواب لا بالاجماع.
و عليه فغاية ما فى الحديث أنه عليه الصلاة و السلام أشرف الناس حسباً و نسباً، وأن نسبهٔ طاهر مطهر من السفاح.
وأما ما أورده الطبرى فى ذخائر العقبىٰ فلا نعلم إسناده و إن كان معناه لا يخرج عن حديث مسلم، بل فيه أشد من ذلک أنهٔ اصطفىٰ من بنى هاشم بنى عبدالمطلب، و بنو عبدالمطلب فيهم كفرة بالاجماع منهم أبو طالب و أبو لهب، فهل هم بذلک خير من أبى بكر و عمر و سائر الصحابة؟.
قال السيوطى: ”وأخرج ابن سعد فى طبقاته، عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:خير العرب مضر، وخير مضر بنو عبد مناف، وخير عبد مناف بنو هاشم، وخير بنى هاشم بنو عبد المطلب، والله ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم إلا كنت فى خيرهما“.
قلت: لم أجده فى المطبوع من الطبقات.
قال السيوطى: ”وأخرج الطبرانى، والبيهقى، وأبو نعيم، عن ابن عمر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن الله خلق الخلق، فاختار من الخلق بنى آدم، واختار من بنى آدم العرب، واختار من العرب مضر، واختار من مضر قريشا، واختار من قريش بنى هاشم، واختارنى من بنى هاشم، فأنا من خيار إلى خيار“.
قلت: أخرجه الطبرانى و البيهقى و أبو نعيم عن ابن عمر به، ولفظه أطول من هذا، و قد أخرجه أيضاً الحاكم و العقيلى و ابن عدى، و مداره على حماد بن واقد الصفار عن محمد بن ذكوان، أما حماد بن واقد، فقال البخارى: منكر الحديث، و أما فهو محمد بن ذكوان فهو منكر الحديث كما قال البخارى و النسائى و الحديث قال عنه أبو حاتم الرازى: منكر.
قال السيوطى: ”وأخرج الترمذى وحسنه، والبيهقى، عن ابن عباس بن عبد المطلب قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حين خلقنى جعلنى من خير خلقه، ثم حين خلق القبائل جعلنى من خيرهم قبيلة، وحين خلق النفس جعلنى من خير أنفسهم، ثم حين خلق البيوت جعلنى من خير بيوتهم، فأنا خيرهم بيتا وخيرهم نفسا“.
قلت: أخرجه الترمذى و حسنه و البيهقى عن العباس رضى الله عنهما، وأخرجه أيضاً من طريق آخر أحمد و ذكرهٔ ابن كثير فى البداية و النهاية ولم يتكلم عليه بشىء، و ضعفه الشيخ الألبانى رحمه الله.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ ملفوظ میں علامہ سیوطی کے موقف کو، جمہور علماء کے مذہب کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔
ہم بھی اس سلسلے میں علامہ سیوطی کے مقابلے میں، جمہور علماء کے مذہب کو راجح سمجھتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال السيوطي: "وأخرج الطبراني، والبيهقي، وأبو نعيم، عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن الله قسم الخلق قسمين، فجعلني في خيرهما قسما، ثم جعل القسمين أثلاثا، فجعلني في خيرها ثلثا، ثم جعل الأثلاث قبائل، فجعلني في خيرها، ثم جعل القبائل بيوتا، فجعلني في خيرها بيتا"

قلت: اخرجه الطبراني والبيهقي وابونعيم كما ذكر السيوطي عن ابنِ عباس مرفوعا، وفي اسناده يحيي الحماني وعباية بن ربعي وكلاهما ضعيف كماقال الهيثمي، وقال الذهبي:عباية بن ربعي من غلاة الشيعة، ومثله يحيى بن عبدالحميد الحماني ، فقد وثقها بن معين وكذبه أحمد وابن نمير وضعفه ابن المديني، قال الذهبي بعد حكاية قول ابن عدى:أرجوأنه لابأس به ، إلا أنه شيعي بغيض ، والحديث قال ابن أبي حاتم:قال أبي هذا حديث باطل .

قال السيوطي: وأخرج أبوعلي بن شاذان فيما أورده المحب الطبرى في ذخائر العقبى وهو في مسند البزار عن ابن عباس قال: دخل ناس من قريش على صفية بنت عبد المطلب فجعلوا يتفاخرون ويذكرون الجاهلية، فقالت صفية: منا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقالوا :تنبت النخلة أو الشجرة في الأرض الكبا، فذكرت ذلك صفية لرسول الله صلى الله عليه وسلم فغضب وأمر بلالا فنادى في الناس فقام على المنبر فقال :أيها الناس من أنا؟ قالوا أنت رسول الله، قال:أنسبوني، قالوا: محمد بن عبدالله بن عبد المطلب،قال:فمابال أقوام ينزلون أصلي فوالله إني لأفضلهم أصلاً و خيرهم موضعاً.

قلت:أخرجه أبوعلي بن شاذان فيما أورده المحب الطبرى في ذخائر العقبى وهوفي مسند البزار عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال الهيثمي: "رواه البزار، وفيه إسماعيل بن يحيى بن سلمة بن كهيل وهومتروك"، وكذلك قال الدارقطني: متروك، فالحديث بهذا الإسناد ضعيف جداً إن لم يكن موضوعاً.

قال السيوطي: "وأخرج الحاكم عن ربيعة بن الحارث قال بلغ النبي صلى الله عليه وسلم أن قوماً نالوا منه فقالوا: إنما مثل محمد كمثل نخلة نبتت في كناس،فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: إن الله خلق خلقه فجعلهم فرقتين فجعلني في خير الفرقتين ، ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلاً، ثم جعلهم بيوتاً فجعلني في خيرهم بيتاً، ثم قال:أنا خيركم قبيلاً و خيركم بيتاً".

قلت: أخرجه الحاكم، قال: حدثناه علي بن حمشاذ العدل ثنا موسى بن إسحاق القاضي ثنا أبو بكر بن أبي شيبة ثنا بن فضيل عن يزيد بن أبي زياد عن عبد الله بن الحارث بن عبد المطلب عن ربيعة بن الحارث وقد تقدم ذكره، وفي سنده يزيد بن أبي زياد الهاشمي وهو ضعيف كبر فتغير فصار يتلقن، وكان من أئمة الشيعة الكبار، قال ابن معين: لايُحتجّ بحديثه، وقال عبدالله بن المبارك: ارمِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد احمد بن صالح الزہرانی نے علامہ سیوطی کے بیان کردہ تیسرے موقف کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''سیوطی کہتے ہیں کہ تیسرا مسلک یہ ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بـه،وقال أبوزرعة:يُكتب حديثه ولايحُتج به، وقد اضطرب فی إسناد الحديث فمرة رواه عن العباس ومرة عن عبدالله بن الحارث عن عبدالمطلب بن أبی وداعة، ومرة رواه عن ربيعة بن الحارث، وهو هذا، فالحديث ضعيف كماترى.

قال السيوطی: ”وأخرج الطبرانی فی الأوسط والبيهقی فی الدلائل عن عائشة قالت: قال رسول الله صـلـى الـلـه عـلـيـه وسـلـم: قال لی جبريل: قلبت الأرض مشارقها ومغاربهافلم أجد رجلاً أفضل من مـحـمـد، ولـم أجـد نبـی أب أفـضل من بنی هاشم“، قال الحافظ ابن حجر فی أماليه: لوائح الصحة ظاهرة على صفحات هذا المتن“.

قـلـت: أخـرجـه الـطـبـرانـی والبيهـقی، قال الهيثمی فی المجمع: ”رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه مـوسـى بـن عبيـدة الربذی وهوضعيف“، وقدقصّر رحمه الله: قال أحمد:لا يُكتب حديثه، وقال ابن مـعيـن: ليس بشیء، وقال يحيی بن سعيد: كنا نتقّی حديثه ، وقال يعقوب بن شيبة : صدوق ضعيف الـحديث جداً، فالحديث ضعيف جداً لايصلح للاعتبار، وبذا تعرف أن مانقله السيوطی عن الحافظ لايصح أبداً، وإن كنت أشک فی أن الحافظ قاله.

ثـمّ ختـم السيـوطـی هـذا بـوجـه استدلاله بهذه الأخبار فقال: ”ومن المعلوم أن الخيرية والاصطفاء والاختيار من الله والأفضلية عنده لاتكون مع الشرک“، فهذا هوموضع استشهاده بهذه النصوص.

وجـوابـا عَـلـی ذلک أقـول وبالله الاستعانة : إن هـذا تـزيّـدٌ وتـحـمـيـل لـلنصوصفوق ما تحتمله ، فـالـنـصـوص كما نرى صحيحها وضعيفها وموضوعها يدور حول نسبه كان فی نسبه وأنّ بنی هاشم انما شرفوا . فأبی ذالک .وذكرأنه وإن زادبنی ها شم شرفاًالاأنهم أشرف بيوت العرب.

وسبـب ذلک أن الـنبـی بُـعـث مـن أعـلـی البيوت حسباً وشرفاًحتی لا يُقال إنه يطلب بدعوی النبوة الشـرف والـحسـب، وقـدقـال هـرقل لأبی سفيان لماسأله عن نسبه سألتک عن نسبه فذكرت أنه فيـكـم ذو نسـب فـكـذلک الـرسل تُبعث فی نسب قومها وعند مسلم فی أحساب قومها فلذلک أكّـده ، اشـد التـأكيد ، وشرف الحسب والنسب لا علاقة له بالشرک والإيمان ، فقد يكون الرجل خيرا مًن آخر فی حسبه وإن كان الآخرخيرامًن الأول فی إيمانه.

والتـفـاضـل عـنـد الـلـه بالتقوی هذا صحيح ، وليس للمشرک شرف عند الله هذا صحيح ، أما فی الـدنيا فإن الحسيب حسيب وإن كان حسبه لايغنی عنه من الله شيئاً والاصطفاء والاختيار الواردفی الـنـصـوص ليس اصطفاء للجنة أو للنبوة وإنما هو اصطفاء واختيار وتفضيل دنيوی ، كما فضل بنی آدم عـلـی سـائر الخلق ، واصطفاهم واختارهم للابتلاء ودخول الجنة أو النار،فالاصطفاء والاختيار فی النصوص إنما هو بسبب الحسب والنسب ليكون الرسول خارجاً من أحسب البيوت وأنسبها ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

والدین کو زندہ کیا، یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے، اور اس مسلک کی طرف حفاظِ محدثین وغیرہ کی ایک کثیر جماعت مائل ہوئی ہے، جن میں ابنِ شاہین اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی اور سہیلی اور قرطبی اور محبّ طبری اور علامہ ناصر الدین ابنِ منیر وغیرہ داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول چند متاخرینِ شواذ کا ہے، اور جن کا علامہ سیوطی نے ذکر کیا، ان سب کا یہ قول نہیں ہے۔

جہاں تک ابنِ شاہین کا تعلق ہے، تو انہوں نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں اس روایت کا ذکر کیا ہے، اور مصنفین کی اس جیسے موضوعات میں یہ عادت ہے کہ وہ روایات کی صحت اور ان کے قابلِ اعتبار ہونے سے قطع نظر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فهذا يمكن أن يجامع الشرك بل لا علاقة له بالإيمان وعدمه ، بدليل أنّ في النصوص ذكر اصطفاء العرب واصطفاء بني هاشم واصطفاء بني عبدالمطلب وهؤلاء كلهم فيهم المشرك والمؤمن فكيف يفسر الاصطفاء بأنّة تفضيل عند الله ؟ فهذا ليس في شيء مما أورده،بل المفاضلة عند الله بالتقوى والإيمان وهذا مالم تتحدّث عنه النصوص.

ومن هنا تعرف أن ما هو محل إجماع من أن المؤمن خير من المشرك أن ذلك من حيث إيمانه أومن حيث منزلته عندالله لهذا قال تعالى:" إن أكرمكم عند الله أتقاكم" [الحجرات: ۱۳] ولم يقل: عند الناس، وهذا لا يمنع أن يكون المشرك في جانب من الجوانب أفضل وأعلى من حيث التفضيل الدنيوي،فكماأن المشرك قد يكون أغنى من المسلم وأجمل من هو أفصح منه فكذلك يمكن أن يكون أحسب منه وأعلى نسباً، بل قد يكون المسلم ولد زني والمشرك ابن نبي فلا يمنع كون ولد الزنا المسلم أفضل من المشرك عند الله أن يكون المشرك الحسيب أفضل منه حسباً، وبهذا تعلم خطأ السيوطي رحمه الله في فهم هذه النصوص.

ثمّ إنّ غاية ما فيه الاحتمال ، فكيف يُعارض القطعي في ثبوته ودلالته كما جاء في صحيح مسلم قوله : " إنّ أبي واباك في النار " بأوهام وخيالات وظنون ؟ ! والظنّ لايغني من الحق شيئاً .

فإذاعرفناأنّ هذه النصوص غاية ماتتحدّث عنه هوالتفضيل في الشرف والحسب ، فإن ذلك يهدم ما سيبنيه عليه وهو هذا الدليل المركب من مقدمتين هذه إحداها ، وسنذكر الأخرى وما فيها من باب سد كل الأبواب الّتي يتمسّك بها المخالف (نقض مسالك السيوطي في والدي المصطفى ، ص : ۱۰۸ الٰی ۱۲۲ ، نقض المسلك الثاني، الناشر:دار الامام مالك،أبو ظبي ، الطبعة: 2006م، ۱۴۲۷ھ)

کرتے ہوئے، جو بھی روایت پاتے ہیں، اس کو نقل کر دیتے ہیں، پس ابنِ شاہین کی روایت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ ان کا قول ہو، اس لیے ابنِ شاہین کے بارے میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ نے فرمایا کہ ''وہ کھری کھوٹی سب روایتوں کو نقل کر دیتے ہیں'' اور خطیب بغدادی کا مقصود، تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے روایات کو نقل کرنا ہے، خواہ وہ روایت سچی ہو، یا جھوٹی ہو، اور خطیب کی طرف اس جیسے قول کی نسبت کرنا، ان کی شان سے بعید ہے۔ [1]

جہاں قرطبی اور سہیلی اور ابنِ منیر کا تعلق ہے، تو وہ متاخرین میں سے ہیں، مقتداء ائمہ سلف میں سے نہیں، اور غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیوطی نے جن کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے، وہ چھٹی صدی سے نیچے نہیں جاتا، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ قول دراصل اہلُ السنۃ کا نہیں ہے، بلکہ بنیادی طور پر یہ بناوٹی صوفیاء اور روافض کا ہے (جو بعض متاخرین کی طرف تسامح کی بنیاد پر منتقل ہو گیا ہے) اور اسی وجہ سے سیوطی اس بات پر قدرت حاصل نہیں کر سکے کہ وہ اس قول کی ائمہ سلف، یا ان میں سے کسی سے کوئی دلیل، یا سند قائم کریں۔

سیوطی نے مذکورہ حضرات کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث سے استدلال کو منسوب کیا ہے، اور اس میں احیاءِ ابوین کا ذکر ہے، اس کو جلیلُ القدر حفاظ ومحدثین نے موضوع، باطل، منکر، جھوٹی، خودساختہ، سب کچھ ہی کہا ہے۔

اور ایسا کہنا غلط کیونکر ہوسکتا ہے، جبکہ اس کی سند میں ایسے راوی پائے جاتے ہیں، جو مذکورہ روایت کے بارے میں اسی جیسے حکم کے مستحق ہیں۔

اور مذکورہ روایت کے جھوٹا اور ناقابلِ اعتبار ہونے کی اور بھی کئی وجوہات ہیں، جن کی تفصیل علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان فرمائی ہے۔

---

[1] ہم نے اس پر الگ جگہ کلام کر دیا ہے کہ خطیب بغدادی کی طرف اس قول کی نسبت ان کی کتب سے ثابت نہیں۔ محمد رضوان

اور سیوطی پر تعجب ہے کہ وہ خود ہی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کی اتفاقِ رائے سے ضعیف ہے، بلکہ اس کے جھوٹے ہونے کا قول بھی ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سیوطی نے خود ہی اقرار واعتراف کرلیا ہے کہ یہ حدیث، محدثین کی اتفاقِ رائے کے مطابق ضعیف ہے، پس جب یہ حدیث ضعیف ہے، تو اس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی، اور اس کا ضعف بیان کیے بغیر، اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں، پھر جب یہ صریح اور صحیح نصوص کے متصادم اور مخالف بھی ہو، تو اس سے کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

پھر علامہ سیوطی کا اس روایت کے ''موضوع'' ہونے کے قول کو ''قیل'' کے ''صیغۂ تمریض'' کے ساتھ ذکر کرنا بھی اس غلط فہمی کا سبب بن سکتا ہے کہ اس کے موضوع ہونے کا قول شاید ''شاذ'' ہو، لیکن درحقیقت یہ تدلیس میں داخل ہے، کیونکہ ائمۂ حدیث کی طرف سے اس حدیث کے موضوع اور جھوٹا ہونے کا حکم گزر چکا ہے، اس لیے علامہ سیوطی پر لازم تھا کہ جن مشہور اور جلیل القدر ائمۂ حدیث نے اس کو موضوع اور جھوٹا کہا ہے، ان کا نام ذکر کرتے، تا کہ ان کے مخالف قول کی حقیقت کھل جاتی کہ اہلُ السنۃ کے موافق کس کی رائے ہے؟

پھر سہیلی کی سند کو مجہول قرار دینا بھی علامہ سیوطی کے خلاف ہے، کیونکہ ایسی حدیث سے دلیل پکڑنا جائز نہیں، جس کا راوی ہی معلوم نہ ہو، ورنہ تو ایسی صورت میں ہر جھوٹے اور مفتری کے لیے یہ صحیح ہو جائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف جو چاہے، بات منسوب کرے ''نسأل الله العافية''

اور جب علامہ سیوطی کے مضمون سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ موضوع نہ بھی مانا جائے، تو اس کے بعد ان کے استدلال کا کیا فائدہ باقی رہ گیا، کیا علامہ ذہبی، ابنِ جوزی، ابنِ نصر، جوزقانی، ابنِ کثیر، علامہ ابنِ تیمیہ جیسے

جلیلُ القدر و عظیمُ الشان ائمہ کے مقابلے میں علامہ سیوطی کی رائے، راجح قرار پاسکتی ہے؟ اہلِ نظر اور اہلِ انصاف غور وفکر کر کے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ جب اللہ کے گھوڑے آ جائیں، تو عقل کے گھوڑے باطل ہو جاتے ہیں۔

سیوطی کہتے ہیں کہ سہیلی نے مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کی رحمت اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ جو چاہے اپنے فضل کو ان کے ساتھ مختص کرے، اور جو چاہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے پیشِ نظر انعام فرمائے۔

میں کہتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور ائمۂ اہلُ السنۃ کی طرف سے اس چیز کا انکار کرنا، جس کو سیوطی ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ اس کے ناممکن یا بعید ہونے پر مبنی نہیں، بلکہ وہ اس کے ثابت نہ ہونے پر مبنی ہے، کیونکہ اس بارے میں جو روایات وارد ہوئیں، وہ موضوع اور خود ساختہ ہیں، ایک پہلو تو اس کا یہ ہے، اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ روایات ثابت شدہ ایسی صحیح اور صریح نصوص کے مخالف ہیں، جن کے ثبوت اور ان پر ایمان، اور ان کی تصدیق اور قبول کرنے پر ائمۂ سلف متفق ہیں۔

ورنہ تو ہر دجال کے لیے روا ہوگا کہ جو چاہے کہے، پس روافض کے لیے یہ کہنا بھی روا ہو جائے گا کہ اللہ نے ابو طالب کو زندہ کیا، اور وہ ایمان لائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں، اور دوسروں کے لیے یہ کہنا بھی روا ہو جائے گا کہ اللہ نے ابولہب کو زندہ کیا، اور وہ ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں (کیونکہ ان افراد کا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی رشتہ تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان کے لیے سخت فکر مند تھے، بلکہ ان کے آخری دَم تک فکر مند رہے) وھلم جرا، اور کہنے والے کو اس بات کا خوف نہیں ہوگا کہ اللہ کا دین اتباع پر مبنی ہے، ابتداع واختراع پر مبنی نہیں۔

پھر سیوطی کہتے ہیں کہ قرطبی نے فرمایا کہ حدیثِ احیاء اور حدیثِ نہی عن الاستغفار میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ ان کا زندہ کرنا، ان کے استغفار سے بعد کی بات ہے، جس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، جس میں اس واقعہ کا حجۃُ الوداع میں ہونا مشہور ہے، جس کی وجہ سے ابنِ شاہین نے اس کو دوسری احادیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ کی طرف سے قرطبی کے قول کا جواب گزر چکا ہے، آپ دیکھ لیجیے کہ انہوں نے کیا ہی اچھی بات فرمائی کہ ''اخبار میں نسخ داخل نہیں ہوتا''

پھر سیوطی کہتے ہیں کہ علامہ ناصر الدین ابنِ منیر مالکی نے فرمایا کہ حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار کے استغفار سے منع کر دیا گیا، تو آپ نے اپنے والدین کے زندہ ہونے کی اللہ سے دعاء کی، تو اللہ نے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ آپ پر ایمان لے آئے، اور وہ ایمان کی حالت میں فوت ہو گئے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات جھوٹی ہے، نصوص میں اس طرح کی کوئی بات مذکور نہیں، اور ہم ابھی کچھ دیر قبل بیان کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں وارد شدہ حدیث موضوع، جھوٹی اور غیر صحیح ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے مشیئت ہوتی، تو بدرجۂ اولیٰ ان کو دوسرے مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا۔

پھر بعد میں زندہ کیے جانے کے قول میں اس بات کا اقرار بھی پایا جاتا ہے کہ وہ شرک کی حالت میں فوت ہوئے، اور یہ قول پہلے دو مسلکوں کے مخالف ہوا، دراں حالیکہ سیوطی پر تعجب ہے کہ وہ تینوں مسالک کا دفاع کرتے ہیں، جو خود ایک

دوسرے سے ٹکراتے ہیں، ایسی صورت میں ان کو قبول کرنا ''مکابرہ'' کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

پھر سیوطی کہتے ہیں کہ والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت اور عدمِ اسلام کے درمیان تلازم ضروری نہیں، بلکہ اس بارے میں یہ کہنا ممکن ہے کہ استغفار کی ممانعت، اپنی جگہ ہو، جیسا کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں جس پر دَین ہوتا تھا، مسلمان ہونے کے باوجود اس کی نمازِ جنازہ ممنوع تھی، اس لیے استغفار کی ممانعت، اس جیسے سبب کی وجہ سے ہو، کفر کی وجہ سے نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ ان کے درمیان تلازم موجود ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں اگرچہ دَین واجب ہونے والے شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے، لیکن وہ اپنے علاوہ دوسروں کو اس کا نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرماتے تھے، جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی ممانعت کا تعلق ہے، تو اس کی ممانعت، مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت کے ضمن میں وارد ہوئی ہے (اور اس آیت میں نبی اور مومنین سب کو ہی مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا گیا ہے) علاوہ ازیں مومن کے لیے استغفار کی ممانعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مومنین کے لیے استغفار کا حکم تھا، اللہ تعالیٰ کا سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہے کہ ''**واستغفر لهم**'' اور سورہ توبہ میں ارشاد ہے کہ ''**وصل عليهم**''

جہاں تک دَین واجب ہونے والے شخص کی نمازِ جنازہ کا تعلق ہے، تو وہ ایک معقول مصلحت پر مبنی ہے، جو کہ اس دَین سے نفرت پیدا کرنا ہے، جو مسلمانوں میں فقر وفاقہ کی حالت میں پایا جاتا تھا، پس جب اللہ تعالیٰ نے فراخی عطاء فرمادی، تو پھر ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت آ گئی، اور یہ حکم منسوخ

نہیں ہے، چنانچہ علماء اور ولاۃِ امور برابر بعض مسلمانوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے اجتناب فرماتے رہے، جو زجر وتنبیہ کے باب سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً بدعتی اور ڈاکو اور باغی، وغیرہ، جن کی اسی علت کا فقہاء نے ذکر کیا ہے، جو ہم نے بیان کی۔

پھر والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کو دَین واجب ہونے والے لوگوں کی نمازِ جنازہ پر قیاس کرنا، کس قدر بعید ہے، اور زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ یہ بات اس شخص کی طرف سے صادِر ہوئی ہے، جس کو اجتہاد اور فقہ کے آلات پوری طرح میسر تھے، لیکن انہوں نے فقہ اور قیاس کو نظر انداز کر کے نصِ شرعی کی اتباع سے کنارہ کشی اختیار کی۔

پھر سیوطی کہتے ہیں کہ قرطبی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، آپ کے وصال تک جاری ہے، پس یہ بھی ان ہی فضائل کے قبیل سے ہوگا، اور ان کا زندہ کرنا، اور آپ پر ایمان لانا، عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے مقتول کے زندہ کرنے کا واقعہ آیا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام بھی مُردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے، اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بھی مُردوں کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو ان کے زندہ کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں اکرام کی زیادتی کے لیے کون سی چیز مانع ہے؟

میں کہتا ہوں کہ سیوطی کا یہ کلام سہیلی اور ابنِ منیر دونوں کے کلام کو جوڑ کر ترتیب دیا گیا ہے، اور ہم ماسبق میں کہہ چکے ہیں کہ ان کے زندہ کرنے کے معجزہ اور غیر مقدور نہ ہونے، یا اس فضل کا مستحق ہونے سے، اس مسئلے کا تعلق ہی نہیں، اللہ کی قسم! اگر یہ بات صحیح طور پر ثابت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا، اور وہ ایمان لائے، تو وہ ہمارے گزرے ہوئے لوگوں، اور ہمارے آباء اور امہات میں سب

سے زیادہ محبوب ہوتے، لیکن یہ مسئلہ دینی ہے، جس کا اپنی چاہت، یا تمنا سے تعلق نہیں کہ اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ کسی حقیقت میں تغیر پیدا کیا جاسکے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ''ان ابی واباک فی النار'' پس کیا ہم نبی صلی اللہ کے قول کو اپنی رائے، اور اپنی چاہت کی وجہ سے ترک کرسکتے ہیں، کیا مومن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور غیب کی ہر خبر کی تصدیق واجب نہیں؟ اگر ہے، تو یہ بھی اسی کا ایک فرد ہے۔

پھر سیوطی کا یہ کہنا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا گیا، تو ہمیں اس طرح کے واقعہ کی کوئی سند معلوم نہیں۔

پھر سیوطی نے فرمایا کہ حافظ فتح الدین بن سید الناس نے احیاءِ ابوین کے قصے کا ذکر کیا ہے، اور تعذیب کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کا بھی ذکر کیا ہے، اور بعض اہلِ علم نے ان روایات میں جمع وتوفیق کی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال تک درجاتِ عالیہ میں ترقی پاتے رہے، پس ممکن ہے کہ یہ درجہ بھی آپ کو حاصل ہوگیا ہو، اور احیاء اور ایمان کا واقعہ ان احادیث سے بعد کا ہو، جن کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہوگا۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ''جائز'' اور ''ممکن'' اور ''ربما'' اور ''لعل'' ایسی عبارات ہیں کہ جن کا نصوصِ صحیحہ قطعیہ کے ثبوت اور دلالت کے طور پر نطق کرنا جائز ہے، لیکن اس قول کا جھوٹی حدیث پر اعتماد کرکے نطق کرنا، کیسے جائز ہوسکتا ہے، جس کو بعض دجاجلہ نے گھڑا ہے''۔انتھٰی۔[1]

---

[1] نقض مسلک الثالث:

قال السیوطی: المسلک الثالث: أن اللہ أحیا لہ أبویہ حتی آمنا بہ، وھذا المسلک مال إلیہ طائفة کثیرة من حفاظ المحدثین وغیرھم منھم ابن شاھین والحافظ أبوبکر الخطیب البغدادی والسھیلی والقرطبی والمحب الطبری والعلامة ناصرالدین بن المنیر وغیرھم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد موصوف نے فرمایا کہ:

''سیوطی نے ''خاتمہ'' کا عنوان قائم کر کے فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مذکورہ تینوں مسالک قوی نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے صحیح مسلم وغیرہ کی دونوں حدیثوں کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے، اور ان سے عدول نہیں کیا، نہ تو نسخ کا دعویٰ کیا، اور نہ اس کے علاوہ کا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے فرمایا کہ کسی کے لیے یہ بات ذکر کرنا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: هذا القول لم يقل به إلا شذّاذ من المتأخرين ، وهؤلاء الّذين ذكرهم ليس كلهم كماقال السيوطى،أمّاابن شاهين فإنه ذكرهذا فى كتابه الناسخ والمنسوخ،وعادة المصنفين فى مثل هذه الموضوعات رواية كل ما يجدونه بعض النظر عن الصحّة بل بغض النظر عن كونهم يتبنون ذلك أم لا، فلايلزم من رواية ابن شاهين ذلك أن يكون هذاقوله ، على أن ابن شاهين كماقال شيخ الإسلام رحمه الله:" وابن شاهين يروى الغث والسمين" وأمّاالخطيب فكماقال الشيخ أيضا :"والخطيب البغدادى هو فى كتاب السابق واللاحق مقصوده أن يذكر من تقدم ومن تأخر من المحدثين عن شخص واحد سواء كان الذى يروونه صدقا أو كذبا" والخطيب رحمه الله أجلّ ، من أن ينزلق لمثل هذا،أمّاالقرطبى والسّهيلى وابن المنيرفهم من المتأخرين وليسوامن أئمة السّلف المقُتدى بهم، وشهرتهم إنّماهى فى مصنفاتهم، وإنّى أجدها فرصة لأشير إلى نسب هذاالقول المقطوع الذى لاينتهى به السيوطى إلى قبل القرن السادس،وهذا أمرطبيعى إذ هذا القول ليس من أقوال أهل السنة،بل هو من أقوال أهل الأهواء من ضلال المتصوّفة والرافضة ، ولهذا يعجز السيوطى أن يقيم دليلا أو نسبا لما يتبناه عن أئمةالسلف أوأحدهم.

قال السيوطى: "واستدلوا لذلك بما أخرجه ابن شاهين فى الناسخ والمنسوخ، والخطيب البغدادى فى السابق واللاحق، والدارقطنى وابن عساكر، كلاهما فى غرائب مالك بسند ضعيف عن عائشة قالت: حج بنا رسول الله – صلى الله عليه وسلم – حجة الوداع فمر بى على عقبة بالحجون وهو باك حزين مغتم، فنزل فمكث عنى طويلا ثم عاد إلى وهو فرح مبتسم، فقلت له، فقال: ذهبت لقبر أمى فسألت الله أن يحييها فأحياها فآمنت بى وردها الله"

قلت:أخرجه الجورقانى، وابن شاهين ،وابن الجوزى ،من طرق،عن محمد بن يحيى الزهرى أبوغزيّة عن عبدالوهاب بن موسى عن أبى الزّناد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة به، وقداتّفق أئمّة الحديث على أنّه خبرباطل موضوع:

قال الدّارقطنى:منكرباطل.

وقال الإمام المحدّث الحافظ أبوالفضل ابن ناصر: هذاحديث موضوع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں کہتا ہوں ہو کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے، بلکہ اس پر سلف رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، جس کو سیوطی، علماء کی ایک جماعت خیال کرتے ہیں، اور علماء کو بھی مجہول ہونے کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال ابن الجوزی:هذاحدیث موضوع بلاشک.
و قال ابن عساکر: قال ابن عساکر حدیث منکر.
وقال الجورقانی:هذاحدیث باطل .
وقال الذّهبی فی ترجمة عبدالوهاب بن موسی: هذاالحدیث کذب.
وقال شیخ الإسلام ابن تیمیة رحمه الله: لم یصح ذلک عن أحد من أهل الحدیث، بل أهل المعرفة متفقون علی أن ذلک کذب مختلق.
قلت:و کیف لایکون کذلک وهومن روایة محمد بن یحیی الزهری عن أبی الزناد ،أمّا أبوالزناد فضعیف جداً،قال یحیی بن معین:لیس ممن یحتج به أصحاب الحدیث لیس بشیء ، وقال أحمد : مضطرب الحدیث، وقال ابن المدینی : کان عند أصحابنا ضعیفاً،وقال أیضاً: رأیت عبدالرحمن بن مهدی یخط علی أحادیثه،وقال النسائی: لا یحتج بحدیثه ، وقال ابن عدی :هو ممن یُکتب حدیثه، وخلاصة الکلام فیه أنّ حدیثه یُکتب لکنه ضعیف جدا إذا انفرد.
أمّا محمد بن یحیی الزهری فقال الدارقطنی: متروک،وقال أیضاً: منکرالحدیث، واتهمه بوضع الحدیث فقال: "والحمل فیه علی أبی غزیة والمتهم بوضعه هوأو من حدث به عنه".
وقد رواه ابن شاهین من طریق محمّد بن الحسن بن زیاد النقّاش عن أحمد بن یحیی الحضرمی عن محمّد بن یحیی به ، ومحمد بن الحسن هذا هوالمفسّر المقرئ،قال الخطیب : حدثنی عبید الله بن أبی الفتح عن طلحة بن محمّد بن جعفر أنّه ذکر النقّاش فقال: کان یکذب فی الحدیث، وقال الخطیب أیضاً: سألت البرقانی عن النقّاش فقال: کلّ حدیثه منکر،واتهمه الذهبی بالوضع.
فالحدیث سنده ظلمات بعضها فوق بعض، هذا من حیث السّند ، أمّا من حیث المتن فهو غایة فی النکارة ، قال أبو الفضل بن ناصر:" هذا حدیثموضوع ، وأم رسول الله صلی الله علیه وسلم ماتت بالأبواء بین مکة والمدینة ودُفنت هناکو لیست بالحجون"
أمّا ابن الجوزی فقال:"هذاحدیث موضوع بلاشک والذی وضعه قلیل الفهم عدیم العلم،إذ لوکان له علم لعلم أن من مات کافرا لاینفعه أن یؤمن بعدالرجعة ، لابل لوآمن عندالمعاینة لم ینتفع،ویکفی فی رد هذا الحدیث قوله تعالی:"فیمت وهو کافر" (البقرة: ۲۱۷) وقوله فی الصحیح: "استأذنت ربی أن أستغفر لابی فلم یأذن لی"
أمّا شیخ الإسلام رحمه الله فأنقل جوابه بطوله لأن فیه رداً علی ما لم یذکره السیوطی هنا ، وهو قول القرطبی وغیره ممن تأثر به مثل العجلونی فی کشف الخفاء وابن سید الناس فی السیرة وغیرهم : قال رحمه الله وقدسُئل: "هل صح عن النبی صلی الله علیه وسلم :أن الله تبارک وتعالی أحیاله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، اس کی تصدیق واجب ہے، خواہ ہماری عقلیں، اس کا تحمل کریں، یا نہ کریں، اور خواہ وہ ہماری خواہشات اور تمناؤں کے موافق ہو، یا نہ ہو، پس جس طرح ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ابوبکر اور دیگر صحابۂ کرام،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أبويه حتى أسلما على يديه ثم ماتا بعد ذلک؟ فأجاب لم يصح ذلک عن أحد من أهل الحديث ... فلا نزاع بين أهل المعرفة أنه من أظهر الموضوعات كذباً، كما نص عليه أهل العلم ، وليس ذلک في الكتب المعتمدة في الحديث، لا في الصحيح ولا في السنن ولا في المسانيد ونحو ذلک من كتب الحديث المعروفة ولا ذكره أهل كتب المغازي والتفسير ، وإن كانوا قد يروون الضعيف مع الصحيح، لأنّ ظهور كذب ذلک لا يخفى على متدين،فإن مثل هذا لو وقع لكان مما تتوافر الهمم والدواعي على، نقله فإنه من أعظم الأمور خرقا للعادة من وجهين: من جهة إحياء الموتى: ومن جهة الإيمان بعدالموت،فكان نقل مثل هذا أولى من نقل غيره فلما لم يروه أحد من الثقات عُلم أنه كذب.

ثم هذا خلاف الكتاب والسنة الصحيحة والإجماع ، قال الله تعالى :" إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئک يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيما. وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى إذا حضر أحدهم الموت قال إني تبت الآن ولا الذين يموتون وهم كفار أولئک أعتدنا لهم عذابا أليما" (النساء، ۱۷، ۱۸) فبين الله تعالىٰ: أنه لاتوبة لمن مات كافرا.

وقال تعالى:" فلم يک ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا سنت الله التي قد خلت في عباده وخسر هنالک الكافرون"(غافر: ۸۵)فأخبر أن سنته في عباده أنه لا ينفع الإيمان بعد رؤية البأس،فكيف بعدالموت؟ ونحو ذلک من النصوص.

وفي صحيح مسلم:" أن رجلا قال للنبي صلى الله عليه وسلم: :أين أبي ؟قال:إن أباک في النار ، فلما أدبر دعاه فقال:إن أبي وأباک في النار".

وفي صحيح مسلم أيضا أنه قال:" استأذنت ربي أن أزور قبر أمي فأذن لي، واستأذنته في أن أستغفرلها فلم يأذن لي،فزوروا القبور فإنهاتذكرالآخرة ."

وفي الحديث الذي في المسند وغيره قال: إن أمي مع أمک في النار. فإن قيل :هذا في عام الفتح والإحياء كان بعد ذلک في حجة الوداع ولهذا ذكر ذلک من ذكره وبهذا اعتذر صاحب التذكرة وهذاباطل لوجوه:

الأول :...... إن الخبر عما كان ويكون لايدخله نسخ كقوله في أبي لهب:"سيصلى نارا ذات لهب" (المسد: ۳) وكقوله في الوليد: "صارهقه صعودا (المدثر: ۱۷) وكذلک في " إن أبي وأباک في النار" و" إن أمي وأمک في النار"وهذا ليس خبرا عن نار يخرج منها صاحبها كأهل الكبائر، لأنه لوكان كذلک لجاز الاستغفار لهما ولوكان قد سبق في علم الله إيمانهما لم ينهه عن ذلک فإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم اور فرعون کی بیوی آسیہ، اور وہ تمام اشخاص جن کے جنتی ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی وہ سب ناجی ہیں، اسی طرح ہم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ ”عمرو بن لحی“ اور ”ابولہب“ اور ”ابوجہل“

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأعمال بالخواتيم ومن مات مؤمنا فإن الله يغفر له فلايكون الاستغفارله ممتنعا.

الثاني :...... أن النبي صلى الله عليه وسلم زار قبر أمه لأنها كانت بطريقه بالحجون عند مكة عام الفتح، وأماأبوه فلم يكن هناك ولم يزره إذ كان مدفونا بالشام في غيرطريقه فكيف يقال:أحياه له؟.

الثالث :......إنهما لو كانا مؤمنين إيمانا ينفع كانا أحقّ بالشهرة والذكر من عميه :حمزة والعباس، فلماكان من العلم المتواتر المستفيض بين الأمة خلفا عن سلف أنه لم يذكر أبوطالب ولاأبواه في جملة من يذكرمن أهله المؤمنين كحمزة والعباس وعلي وفاطمة والحسن والحسين رضي الله عنهم كان هذا من أبين الأدلة على أن ذلك كذب.

الرابع :...... أنالله تعالى قال:”قد كانت لكم أسوة حسنة في إبراهيم والذين معه إذ قالوا لقومهم إنا برآؤا منكم “ إلى قوله : ”لأستغفرن لك وما أملك لك من الله من شيء“ الآية(الممتحنة : ۴) وقال تعالى :”وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه“ (التوبة: ۱۱۴) فأمر بالتأسي بإبراهيم والذين معه ، إلا في وعد إبراهيم لأبيه بالاستغفار ، وأخبر أنه لما تبين له أنه عدولله تبرأ منه والله أعلم.

ولهذا قال ابن الجوزي رحمه الله : وأما عبدالله فإنه مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم حمل ولا خلاف أنه مات كافرا، وكذلك آمنة ماتت ولرسول الله صلى الله عليه وسلم ست سنين.

وبهذا يتبيّن لك أنّ هذا الحديث بل كلّ نصوص إحياء الأبوين مكذوبة موضوعة من أخبار الأفّاكين والوضّاعين.

وبعد ذلك فالعجب من قول السيوطي بعد أن أورد هذا الحديث: هذا الحديث ضعيفٌ باتفاق المحدثين،بل قيل إنه موضوع لكن الصواب ضعفه لا وضعه ،وقد ألّفت في بيان ذلك جزء اًمفرداً،وأوردالسهيلي في الروض الأنف بسند قال أن فيه مجهولين عن عائشة:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه فأحياهما له فآمنا به ثم أماتهما.

قلت : قد أفصح وأقرّ أنّ الحديث ضعيفٌ باتّفاق المحدّثين ، فإذا كان ضعيفاً فالضّعيف لايُحتجّ به ولايجوز ذكره إلابيان ضعفه وأنّه لايُحتج به،فكيف يُصادم به النصّوص الصّحيحة الصّريحة.

وأمّاقوله :قيل إنه موضوع .بصيغة التمريض وكأنّ القول بوضعه شاذ أوأنّ القائل به مغمور فهذا من تدليسه في الحقيقة ، فقد مر من حكم بوضعه وكذبه من أئمّةالحديث، فكان عليه أن يذكرهم فهم أشهر وأجلّ ممن يسميهم ممن لايُعتد بقولهم وخلافهم لأهل السّنة ممن يوافقونه في الرأي.

ومثله أيضا ما أورده السهيلي بسند فيه مجهولين فهل يجوز الاحتجاج بخبر لا يُعرف راويه، إذاً لصحّ لكلّ مفترٍ كاذب أن يقول على الله وعلى رسوله صلى الله عليه وسلم ، ما يشاء ، نسأل الله العافية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور وہ تمام اشخاص، جن کے جہنمی ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی وہ غیر ناجی ہیں، اور اسی طرح سے ہم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذاكان الجزء الذى ألّفه فى إثبات أنّ الحديث ضعيف لاموضوع فما ذا ينفعه بعد ذلك؟ ثمّ هل للسيوطى كلام بعدحكم أئمةالشأن كالذهبى وابن الجوزى وابن ناصر والجوزقانى وابن كثير وشيخ الإسلام ابن تيمية ؟ أعتقد أنّ المنصف الناظر لرشده يعرف أنة إذاجاء نهر الله بطل نهر معقل.

قال السيوطى: وقال السهيلى بعد إيراده، الله قادرٌ على كل شيء ، وليس تعجز رحمته وقدرته عن شيء،ونبيه صلى الله عليه وسلم أهلٌ أن يختص بما شاء من فضله وينعم عليه بما شاء من كرامته.

قلت: الله تعالى قادرٌ على كلّ شيء ، وليس إنكار أئمة السّنة ما جاء به السيوطى مبنيا على استبعاده وإحالته،بل هومبنى على عدم الثبوت لأنّ النصوص الّتى جاء فيها ذلك موضوعة مختلقة هذا من جهة، ومن جهة أخرى فإنّ ذلك يعارض الثابت من النّصوص الصّحيحة الصّريحة التى اتفق أئمة السّلف على ثبوتها وعلى الإيمان بما فيها تصديقاوقبولا.

وإلافلكل دجّال أن يقول ماشاء،فللرافضة أن تقول :أحيا الله أباطالب فآمن به ، وليس ذلك بعيدا عن قدرة الله تعالى، ويقول غيرهم قد أحيا الله أبالهب فآمن به. وليس ذلك بعيداً عن قدرة الله تعالى،وهلمّ جرا،وغيرخافٍ على كلّ أحد أنّ دين الله تعالى مبنى على الاتباع لاعلى الابتداع والاختراع.

قال السيوطى: " وقال القرطبى : لا تعارض بين حديث الإحياء وحديث النهى عن الاستغفار، فإن إحيائهما متأخرٌعن الاستغفار لهما،بدليل حديث عائشة: أن ذلك كان فى حجة الوداع ، ولذلك جعله ابن شاهين ناسخا لما ذكر من الأخبار".

قلت:سبق جواب شيخ الإسلام رحمه الله على قول القرطبى هذا فانظره هناك، وخلاصته أنّ هذا لايصح، لأنّ الأخبار لايدخلها نسخ.

قال السيوطى:"وقال العلامة ناصر الدين بن المنيرالمالكى...وجاء فى حديث :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما منع من الاستغفار للكفار دعا الله أن يحى له أبويه فأحياهما له فآمنابه وصدّقا وماتا مؤمنين".

قلت:هذا كذبٌ عليه ،فليس فى النصوص شيء من ذلك،والحديث قد بينا قبل قليل أنّه موضوع مكذوب لايصح.

ثمّ إنّ الله تعالى لو شاء أن يستثنى أبويه من سائر الناس فيقبل منهما الإيمان بعد الموت، لكان أولى أن يستثنيهما من تحريم الاستغفارللمشركين.

ثمّ إنّ قول ابن المنير إقرارٌ منه أنهما ماتا على الشرك وهذا ينقض المسلكين الأوّلين، ومن العجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک ان علماء کا تعلق ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ کسی کے لیے یہ بات کہنا جائز نہیں، تو اس میں تفصیل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن يدافع السيوطى عن ثلاثة مسالک ينقض بعضها بعضاً، هل هذا إلا المكابرة بعينها.

قال السيوطى معلقا على حديث النهى عن الاستغفار لأمّه صلى الله عليه وسلم: " على أنه يمكن فيه دعوى عدم الملازمة، بدليل أنه كان فى صدر الإسلام ممنوعاً من الصلاة على من عليه دين وهو مسلم ، فلعله كانت عليها تبعات غير الكفر فمنع من الاستغفار لها بسببها".

قلت: بل الملازمة موجودة،لأنّ النبّى صلى الله عليه وسلم ،وإن كان لايصلى على من عليه دين فى أوّل الإسلام فإنّه لم يمنع غيره أن يصلى عليه ، أمّا النبّى صلى الله عليه وسلم فنهُى عن الاستغفار لها، ضمن النهى عن الاستغفار للمشركين ، ثمّ إنّ النهى عن الاستغفار للمؤمن غير مُتصور،بل النبّى صلى الله عليه وسلم كان مأمورا بالاستغفار للمؤمنين قال تعالى: "واستغفر لهم"(آلِ عمران: ١٥٩) وقال: "وصل عليهم" (التوبه: ١٠٣) أمّا أنه كان ممنوعا من الصلاة على من عليه دين فذلک لمصلحة معقولة وهى التنفير عن الدين عند ما كان فى المسلمين فقر وقلة ، فلما وسع الله عليهم كان عليه الصّلاة والسّلام يصلى على كل مسلم، وهذا حكم غير منسوخ، فما زال يصح للعلماء والولاة أن لايصلوا على أنواع من المسلمين من باب الزجر والردع مثل المبتدع والمحارب والباغى وهذا لعلة ذكرها الفقهاء وهى الزجر والردع كما قلنا، فما أبعد قياس النهى عن الاستغفار لأمّه على كونه كان فى أوّل الأمر لايصلى على من عليه دين، ويزداد العجب حين يصدر هذا ممنّ يدعى أنّه اكتملت فيه آلة الاجتهاد والفقه ويزرى على من يتّبع النص الشرعى بعدم الفقه والنظر.

قال السيوطى: "وقال القرطبى: فضائل النبى صلى الله عليه وسلم لم تزل تتوالى وتتابع إلى حين مماته فيكون هذا مما فضله الله به وأكرمه قال وليس إحياؤهما وإيمانهما به يمتنع عقلا ولا شرعا، فقد وردفى القرآن إحياء قتيل بنى إسرائيل وإخباره بقاتله، وكان عيسى عليه السلام يحيي الموتى ، وكذلک نبينا عليه الصلاة والسلام أحيا الله على يديه جماعة من الموتى،قال :وإذا ثبت هذا فما يمتنع من إيمانهما بعدإحيائهما زيادة كرامة فى فضيلته ".

قلت: هذا الكلام ملفق من كلام السهيلى وابن المنير ، وقد قلنا سابقًا إن الشأن ليس فى كون إحيائهما معجزة غير مقدورة أو كونه يستحق هذاالتفضيل،وأيم الله لو صحّ أنّ الله تعالى أكرمه بهما وأنهما آمنا به لهو أحبّ إلينا معشرالسّلفيين من آبائنا وأمّهاتنا، ولكنّ الأمر دين، وليس الهوى والتمنى يغير شيئا من الحقيقة الناصعة وهى قوله : " إن أبى وأباک فى النار" فكيف نترک قوله هو إلى آرائنا وأهوائنا،أليس يجب على المؤمن التصديق بكل ما يقوله ويخبر عنه من أمور الغيب؟ فهذا من ذاک .

ثم إنّ قوله :"وكذلک نبينا عليه الصلاة والسلام أحيا الله على يديه جماعة من الموتى" لاأعلم له

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی شخص بغیر وجہ کے ایسا کہے، اور خوشی کے ساتھ اس بات کو بار بار دہرائے، یا اس کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص، ان کی شان میں بدکلامی کا مرتکب ہو، تو اس میں شک نہیں کہ یہ نفاقِ محض ہے، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے، اور یہ کبیرہ ترین گناہوں میں سے ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یہ بات کہے مثلاً اس بارے میں حدیث وارِدہ ہوئی ہے، تو وہ اس کو بیان کرے، یا اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے، اور وہ اس کا جواب دے، یا اسی طرح سے اہلِ بدعت اس مسئلے کو اچھالیں، اور نصوص میں وارد شدہ موقف کی تکذیب کریں، یا جو شخص ان نصوص کے مطابق موقف کا قائل ہو، اس کی شان میں طعن و تشنیع کریں، جیسا کہ سیوطی نے اس مسئلے میں طرزِ عمل اختیار کیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا ذکر کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز، بلکہ بعض اوقات اس کی تصریح واجب ہو جاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے ہی خود اس بات کا سوال کرنے والے کے جواب میں ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ قاضی عیاض نے اس نکتے کی وضاحت فرمائی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مستنداً،فلم يرد أنّ الله أحيا على يديه أحداً، والله أعلم.

قال السيوطى: "وقال الحافظ فتح الدين بن سيد الناس فى سيرته بعد ذكر قصة الأحياء : والأحاديث الواردة فى التعذيب وذكر بعض أهل العلم فى الجمع بين هذه الروايات ما حاصله :أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يزل راقياً فى المقامات السنية صاعداً فى الدرجات العلية إلى أن قبض الله روحه الطاهرة إليه وأزلفه بماخصه به لديه من الكرامة حين القدوم عليه، فمن الجائز أن تكون هذه درجة حصلت له بعد أن لم تكن،وأن يكون الأحياء والإيمان متأخرا عن تلك الأحاديث فلا تعارض"

قلت:من الجائز ومن الممكن وربما ولعل، هذه عبارات يجوز النطق بها فى وجه النصوص الصّحيحة القطعية ثبوتاً ودلالة ، فكيف يجوز هذا القول اعتماداً على نص مكذوب موضوع وضعه الدجاجلة؟!(نقض مسالك السيوطى فى والدى المصطفى ، ص ۲۳۶ الى ۲۴۹، نقض المسلك الثالث،الناشر:دار الامام مالك،أبو ظبى ، الطبعة: 2006م، ۱۴۲۷هـ)

سلفِ صالحین اور ائمۂ اہلُ السنۃ کا یہی طریقہ تھا، جنہوں نے ان نصوص کو روایت کیا، اور ان کو نقل کیا، اور ان کی تصدیق کی۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان نصوص کو اپنی زبان سے بیان فرمایا ہے، اور ان کو آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا ہے، اور انہوں نے ان کو اپنی زبان سے ادا کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ کسی کے لیے وہ بات کہنا جائز نہیں، جو میں نے کہی، بلکہ صحابۂ کرام نے اس بات کو زبان سے ادا کیا، اور انہوں نے اس کو نقل کیا، اور اگر کسی کے لیے یہ بات کہنا جائز نہ ہوتا، تو نہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نقل کرتے، اور نہ ان کی طرف سے آگے، ان میں سے کسی بات کو نقل کیا جاتا، اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی سے بھی اس قول کی ممانعت منقول نہیں، اور کیا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو عظیم سمجھنے والا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی بات کی اتباع کرنے والا، اس کے علاوہ کوئی اور بات کہہ سکتا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہی ہو۔

قرآن وسنت کی یہ نصوص اس پہلے دن سے موجود ہیں، جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام فرمایا تھا، اور اس امت پر تا قیامت باقی رہیں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ شعراء کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ''وانذر عشیرتک الاقربین ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عام وخاص قریش کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ اے قریش کے گروہ! تم اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، میں تمہارے لیے، اللہ کے مقابلے میں کسی ضرر و نفع کا مالک نہیں، بنی عبدِ مناف، بنی قصی اور بنی عبدالمطلب وغیرہ کو بھی الگ الگ خطاب کر کے یہی فرمایا۔

اور ایمان کا معاملہ، اللہ کا عطیہ ہے، اور ہدایت، اللہ کی ملکیت ہے، جس کا نبی مالک نہیں کہ جس کو چاہے دے دے، اور جس سے چاہے روک لے، اور اگر نبی ان میں سے کسی چیز کا اختیار رکھتا، تو وہ اپنے چچا ابوطالب کے لیے اس میں بخل سے کام نہ لیتا، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ ''إنک لا تھدی من أحببت ولکن اللہ یھدی من یشاء، و ھو اعلم بالمھتدین''

اللہ اکبر! کہاں ہیں سیوطی اور ان کے مقلد، جو اس آیت کا جواب دے پائیں، پس کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کے مومن ہونے کو پسند کرنے سے اللہ کے ارادہ ومشیت کے بغیر یہ اختیار حاصل تھا؟ اس کا جواب مذکورہ آیت میں موجود ہے۔

اور کیا ایمان اور ہدایت اور جنت میں داخلے کا معاملہ قرابت داری پر مبنی ہے؟ اللہ کی قسم! ایسا نہیں، اور اگر ایسا ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابت دار ایمان لے آتے، جبکہ آپ کے بعض قرابت داروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خاص سورہ لہب نازل فرمائی ہے، اور ابولہب آپ کے چچا تھے۔

اسی وجہ سے اللہ کے دین میں کوئی تعلق اور نسب دخیل نہیں ہے، بلکہ اس کا دارومدار ،حق، ایمان اور تقویٰ پر ہے۔

جہاں تک متکلف صوفیاء اور رافضہ اور ان کے مثل لوگوں کا معاملہ ہے، تو ان کا تعلق اشخاص اور اولیاء سے ہوتا ہے، جو ان کے لیے ایسی چیزوں کا تصور قائم کرتے ہیں کہ جن کا ثبوت ، اللہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن نہیں ہوتا، جس کا کم ازکم درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام، ان کے والدین کو جنت میں داخل کرکے فرمائے، اور ان کو اللہ تعالیٰ ہر وعید سے مستثنیٰ قرار دے دے، تو ایسی صورت میں اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں، جس کو اختیار کرنے

پر سیوطی مجبور ہوئے کہ پہلے کافر اور مشرک اجداد کو جنت میں داخل کرنے کا حکم لگایا، پھر اس بات کو تسلیم کر لیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین فطرت پر فوت ہوئے، اور یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد، جن کے متعلق آیات نازل ہوئیں، اور ان کے متعلق صریح نصوص وارد ہیں، ان کے حقیقی معنیٰ کو بھی بدل دیا گیا، اور ہر راستے سے تلبیس اختیار کی گئی، اور ان کو جنتی قرار دے دیا گیا، جس کے نتیجے میں وہ مسلک بھی منہدم ہو گیا، جس میں توحید پر فوت ہونے کا قول کیا گیا تھا۔

اور اس تفصیل سے ''سہیلی'' کے اس قول کی بھی حقیقت معلوم ہو گئی، جس میں مُردوں کو برا بھلا کہہ کر، زندوں کو تکلیف پہنچانے سے منع کیے جانے والی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سورہ احزاب میں مذکور اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ ''إن الذين يؤذون اللّٰه و رسولهٗ لعنهم اللّٰه في الدنيا و الآخرة وأعدلم عذاباً مهينا'' [1]

اور ابنِ عربی کے متعلق نقل کردہ قول کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی، جس میں اس بات

---

[1] یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں فوت شدہ کے نیک اور بد ہونے کا ذکر آیا ہے۔

حدثنا آدم، حدثنا شعبة، حدثنا عبد العزيز بن صهيب، قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه، يقول: مروا بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: وجبت ثم مروا بأخرى فأثنوا عليها شرا، فقال: وجبت فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ما وجبت؟ قال: هذا أثنيتم عليه خيرا، فوجبت له الجنة، وهذا أثنيتم عليه شرا، فوجبت له النار، أنتم شهداء الله في الأرض (صحيح البخاري، رقم الحديث ١٣٦٧)

جن کے پیشِ نظر محدثین نے فرمایا کہ فوت شدہ آدمی کے ضرورت کے وقت خیر، یا شر کا ذکر کرنا، غیبت میں داخل نہیں۔

وأما جانب الشر فظاهر الأحاديث أنه كذلك لكن إنما يقع ذلك في حق من غلب شره على خيره وقد وقع في رواية النضر المشار إليها أولا في آخر حديث أنس إن لله ملائكة تنطق على ألسنة بني آدم بما في المرء من الخير والشر واستدل به على جواز ذكر المرء بما فيه من خير أو شر للحاجة ولا يكون ذلك من الغيبة (فتح الباري لابنِ حجر، ج٣ص ٢٣١، كتاب الجنائز، قوله باب ثناء الناس على الميت)

سے غفلت اختیار کی گئی ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے متعلق یہ بات فرمائی ہے۔

پھر سیوطی نے فرمایا کہ بعض علماء پانچویں قول کی طرف گئے ہیں، جو کہ ''توقف و سکوت'' کا قول ہے، شیخ تاج الدین فاکہانی نے فرمایا کہ اللہ آپ کے والدین کی حالت کو زیادہ جانتا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ کیا اس چیز کے بارے میں ''توقف وسکوت'' جائز ہے، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہو؟ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معنیٰ کیا ہوں گے؟ (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں آپ کی تمام لائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرنا داخل ہے)

اور کیا جنت کے وجود اور جہنم کے وجود اور عرش اور پل صراط اور مہدی اور نزولِ عیسیٰ اور عذابِ قبر وغیرہ کے ان تمام معاملات میں سکوت جائز ہے، جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہے؟

اگر شبہ کیا جائے کہ یہ باتیں تو صحیح نصوص میں آئی ہیں، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اسی طریقہ سے آپ کے والدین کے متعلق بھی ذکر صحیح نصوص میں آیا ہے، اس پر اگر شبہ کیا جائے کہ ہم ان چیزوں میں توقف اختیار کریں گے، جن کے متعلق متعارض نصوص وارد ہیں، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اگر مومن کے لیے ان چیزوں میں توقف جائز ہوتا، جو صحیح اور ثابت ہیں، محض جھوٹی اور منگھڑت، متعارض باتوں کے پائے جانے کی وجہ سے، تو مومن کے لیے یہ بات بھی یقیناً جائز ہوتی کہ وہ بہت سی اسلامی شریعت کی باتوں سے توقف اختیار کرلیں، اور جب بھی کوئی باطل پرست کسی سنت، یا آیت، یا حکم کو باطل کرنے کا ارادہ کرے، خواہ وہ جھوٹا اور مخترع ہو، اور اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف کرے، تو اس سے اہلِ باطل کا مقصود حاصل ہو جاتا، اور کیا اللہ کے دشمنوں کو ہم سے توقف کے طلب کرنے کا زیادہ حق حاصل ہے، بنسبت ان باتوں کے قبول کرنے کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؟

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، اس مسلک میں کتنی سنگین کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، یہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں، بلکہ جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اس میں تو شک اور تردد کے تصور کی بھی گنجائش نہیں ہوتی، چہ جائیکہ کسی شرعی مسئلہ میں توقف سے بڑھ کر بغیر علم کے کوئی قول کیا جائے، تو اللہ کی قسم تلبیس کا منتہیٰ یہی ہے، بلکہ اس جیسے مسئلہ میں کبھی بھی توقف اختیار کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس سلسلہ میں نصوصِ صریحہ، صحت کی حد تک پہنچ چکی ہیں، اور ان کے مقابل نصوص کا ضعف کے درجہ پر بھی پہنچنا مشکل ہے، چہ جائیکہ ان کو صحیح کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا جائے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ باجی نے مؤطا کی شرح میں فرمایا کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ کسی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فعلِ مباح، یا غیر مباح کے ذریعے ایذا پہنچانا جائز نہیں۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا ہمارے زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں، کیونکہ ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فعلِ مباح، یا غیر مباح کے ذریعے ایذاء پہنچانا جائز نہیں، لیکن کیا اس بات کو بعینہٖ کسی تحریف کے بغیر کہنا، اور اس پر ایمان لانا، اور اس کی تصدیق کرنا، اور ان نصوص کو ذکر کرنا بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے میں داخل ہے، جو بات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو؟ اللہ کی قسم ہرگز ایسا نہیں۔

سیوطی کہتے ہیں کہ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل

کے واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس میں عمر بن عبدالعزیز کے اس کو تنبیہ کرنے کا ذکر ہے۔
میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز کے غصے کا سبب اس کا غیر محل میں ذکر کرنا تھا، یعنی انبیاء کے ذکر کے موقع پر ایسی بات کا ذکر کرنا، جیسا کہ کسی کو گناہ پر ملامت کی جائے، تو وہ جواب میں کہے کہ ''**قد عصیٰ آدم**'' ظاہر ہے کہ اس حالت میں منع ہی کیا جائے گا، پس اس واقعہ سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق اس چیز کا انکار سمجھ لینا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، یہ درست نہیں، اس لیے کہ اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہوتا، تو پھر عمر بن عبدالعزیز اس کو سخت سزا دیئے بغیر نہ چھوڑتے، کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنا، سزا اور تعزیر کا سبب ہے، پس جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر اس طرح کی تہمت لگائی جاتی، تو اس کے شدید اور عظیم تر ہونے میں کوئی شک نہیں تھا، پھر اس کو عمر بن عبدالعزیز سزا کے بغیر کیسے چھوڑ دیتے، اور اس کو معزول کرنے پر کیسے اکتفاء کرتے۔
پس اگر اس واقعہ کو دلیل مانا جائے، تو درحقیقت یہ خود سیوطی کے خلاف ایسی دلیل ہے، جس کو وہ سمجھ ہی نہیں پائے۔
سیوطی کہتے ہیں کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے والدین، یا ان میں سے کسی کو عشاء کی نماز میں آواز دیتے ہوئے پالوں، اور میں اس وقت سورہ فاتحہ کی قرائت کر رہا ہوں، تو میں اس کا ضرور جواب دوں، بیہقی نے فرمایا کہ اس روایت کا ''یاسین بن معاذ'' راوی ضعیف ہے۔
میں کہتا ہوں کہ بیہقی سے سیوطی نے اسی طرح نقل کیا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ''یاسین بن معاذ'' پر امام بخاری، نسائی، ابنِ جنید، ابنِ حبان، ابوداؤد وغیرہ نے سخت جرح کی ہے، جس کی وجہ سے اگر یہ حدیث موضوع ومن گھڑت نہ ہو، تو

شدید منکر ہونے میں تو شک نہیں۔ [1]

پھر اس حدیث کا ہمارے زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا، زیادہ سے زیادہ اس سے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ثبوت ہوتا ہے، اور علماء کا والدین سے حسنِ سلوک کے وجوب پر اتفاق ہے، اگرچہ وہ مشرک ہوں، جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ لقمان میں ارشاد ہے کہ ''**وإن جاهداک علی أن تشرک بی ما لیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا**''

پھر سیوطی نے ''فائدہ'' کے ذیل میں ہشام بن عاصم اسلمی کی ایک روایت نقل کی ہے۔

لیکن اس روایت کی سند بھی مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ شدید منکر ہے۔

پھر سیوطی نے ایک اور ''فائدہ'' کے ذیل میں ابنِ قدامہ حنبلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر زنا وغیرہ کی تہمت لگائی، تو وہ قتل کیا جائے گا، مسلمان ہو، یا کافر ہو''

---

[1] یہی وجہ ہے کہ خود علامہ سیوطی نے بھی ''اللآلی المصنوعة'' میں مذکورہ بالا حدیث کو موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے، اور بھی حضرات نے اس حدیث پر یہی حکم لگایا ہے۔

(أخبرنا) أبو الحسن علی بن أحمد الموحد أنبأنا هناد بن أهیم النسفی حدثنا الحسن عفیف بن محمد الخطیب حدثنا أبو بکر محمد بن أحمد بن حبیب حدثنا یحیی بن أبی طالب حدثنا زید بن الحباب حدثنا یاسین بن معاذ حدثنا عبد الله بن قرین عن طلق عن علی قال سمعت رسول الله یقول لو أدرکت والدی أو أحدهما وأتانی فی الصلاة صلاة العشاء وقد قرأت فیها فاتحة الکتاب ینادی یا محمد لأجیبه لبیک

موضوع آفته یاسین (قلت) أخرجه البیهقی والله أعلم(اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة،لجلال الدین السُّیوطی، ج۲،ص ۲۵۰، کتاب الادب والزهد)

"لو أدرکت والدی أو أحدهما وأنا فی الصلاة صلاة العشا وقد قرأت فیها فاتحة الکتاب ینادی یا محمد لأجبته لبیک "موضوع قلت أخرجه البیهقی، وفی الوجیز هو حدیث طلق عن علی رضی الله عنه وفیه یس بن معاذ یروی الموضوعات قلت قال البیهقی ضعیف(تذکرة الموضوعات،لطاهر الفتنی الهندی،ص ۲۰۲،باب بر الوالدین والأخ الکبیر والأقارب والجار والصدقة للوالدین والدعاء لهما الخ)

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں، کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک میں تنقیص کرنا پایا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی شرافت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی سفاحت اور بدکاری کی آمیزش نہیں ہوئی۔

لیکن یہ جزئیات جن کو سیوطی یہاں پر لائے ہیں، ان کا مسئلہ ہٰذا سے کوئی قریبی، بلکہ کوئی بعیدی بھی تعلق نہیں، کیونکہ اس سے کسی کے مومن ہونے نہ ہونے اور ناجی ہونے نہ ہونے کا تعلق نہیں۔

اپنے مضمون کے آخر میں سیوطی نے چند اشعار پر مشتمل ایک نظم بھی ذکر کی ہے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ حق کا درجہ، شعر اور نظم سے کہیں زیادہ ہے، باطل، باطل ہی ہے، اس کو مزین قول اور خوبصورت نظم کا خول چڑھا کر تبدیل نہیں کیا جا سکتا، اور شرعی مسائل میں حق وہی ہے، جو نصوصِ صحیحہ وصریحہ میں آ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے موقع پر ہی فرمایا کہ ''**والشعراء يتبعهم الغاوٗن**''

پس سیوطی کے پیش کردہ یہ تینوں مسالک باہم متناقض ہیں، جو ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اور ہم ان سب مسالک کا بطلان، دلائل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں، اور اس کے مقابلے میں جو حق قول ہے، وہ بھی بیان کر چکے ہیں۔

"نسأل الله تعالى أن يعفو عنا وعنه وأن يهب إساء ته هذه إلى إحسانه وفضله، وصلّى الله على نبينا محمّد وعلى آله وصحبه وسلّم"

انتهٰى. [1]

---

[1] قال السيوطي: "خاتمة: وجمعٌ من العلماء لم تقو عندهم هذه المسالك فأبقوا حديثي مسلم ونحوهما على ظاهرهما من غيرعدول عنها بدعوى نسخ ولاغيره ومع ذلک قالوا لايجوز لأحد أن يذكرذلک".

قلت: هذا مذهب جماهير العلماء بل هو محل اتفاق السلفّ رحمهم الله يقلل منه السيوطي فينسبه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

موصوف مذکور کے انداز سے کسی کو اختلاف ممکن ہے، شاید اُن کے انداز میں کسی کو شدت محسوس ہو، جو علمی دنیا میں کوئی عجیب امر نہیں، تاہم اس کی وجہ سے کسی کی علمی و تحقیقی اور حق و صواب رائے کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى جمع مجهول من العلماء، وعلى العموم فإنّ مذهب السلف التصديق بكلّ ماقاله سواء احتملته عقولنا أم لا، وسواءً وافق أهوائنا وأمنياتناأم لا، فكمانصدق أنّ أبابكر وسائرالعشرة رضى الله عنهم وآسيا زوجة فرعون وكل من أخبر عنهم بأنهّم فى الجنة وأنّ عمرو بن لحى وأبا لهب وأبا جهل وسائر من أخبر عنه أنهّم فى النار نصدق كذلك بأنّ أبويه ماتاعلى الكفروأنهّمافى النّار.

أمّا أنّ هؤلاء العلماء قالوا: لايجوز لأحد أن يقول ذلك فالأمر فيه تفصيل.

فأمّا أن يقوله الشخص بلا سبب، وأن يكرره فرحاً به أو يعرّض به تنقصاً أو ينال منهما فلا شكّ أنّ ذلك هو النفاق محضاً لأّن ذلك يؤذى النبّى وأذيته من أكبر الكبائر،وقد نهى أن يؤذى الأحياء بسب الأموات ولو كانوا أهلاً ل لذلك فكيف به فدى عرضه نفسى و أهلى و مالى.

أمّا إذا قال الرجل ذلك لسبب، كأن يرِد الحديث فيبينه ، أو يُسأل عنه فيجيب، وكذلك إذا رفع المبتدعة عقيرتهم مكذبين بذلك أو طاعنين فيمن يقول به كما يفعل السيوطى هنا فحينئذ يجوزبل ربمّا يجب التصريح بذلك، لأن النبى هو الّذى ذكر ذلك جوابا على السّؤال،قال القاضى عياض: "الوجه السابع أن يذكر مايجوزعلى النبى أويختلف فى جوازه عليه، وما يطرأ من الأمور البشرية به،وتمكن إضافتها إليه، أويذكر ماامتحن به،وصبر فى ذات الله على شدته من مقاساة أعدائه،وأذاهم له ، و معرفة ، ابتداء حاله و سيرته ، و ما لقيه من بؤس زمنه ، و مر عليه من معاناة عيشه،كل ذلك على طريق الرواية، ومذاكرة العلم، ومعرفة ماصحت منه العصمة للأنبياء، ومايجوزعليهم فهذا فن خارج عن هذه الفنون الستة، إذليس فيه غمص و لانقص، ولاإزراء ولا استخفاف، لافى ظاهر اللفظ ولا فى مقصد اللافظ".

وكذلك فإنّ نصرته وتصديق سنتّه والذّبّ عنها والرد على من يقدح فيها ويحرّف معانيها أولى من السكوت، لأنهّ يتأذّى من عدم تصديقه وعدم قبول ماجاء به أكثر وأعظم من أن يُقال عن والديه أنهّما كافرين.

وهذا هو منهج السّلف الصّالح وأئمة السّنة الّذين رووا هذه النصوص وتناقلوها وصدقوا بماجاء فيها.

ثمّ إنّ النبّى وهو الّذى تكلّم بهذه النصّوص وسمعها منه أصحابه وأدّوها لم يقل فى نص منها إنّه لايجوز لأحد أن يقول بماقلته، بل إنّ الصّحابة أدّوهاونقلوها ولو كان لايجوز لأحد أن يقول ذلك لما نقلوها أولنقُل عنهم شيء من ذلك، والواقع أنّه لم يُنقل عن أحدمنهم المنع من القول بما قاله وهل يجرؤ مؤمن بالله تعالى وبرسوله موقّرٌ لسنته متبع لما جاء به أن يقول غيرذلك؟!

إنّ هذه النصوص ستبقى نبراساً خالداً على ملّته الّتى أُرسل بها والّتى أفصح بها من أوّل يوم فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نووی کے ساتھ ''فتحُ الملهم'' کی عبارت شامل نہ کرنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''آپ اپنی عبارات میں مسلم شریف کی حدیث کی تشریح میں علامہ نووی رحمہ اللہ کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحدیث المشهور عن أبی هریرة قال: " لما نزلت "وأنذر عشیرتک الأقربین" (الشعراء: ٢١٤) جمع رسول الله قریشاً فخصّ وعمّ فقال :یا معشر: قریش أنقذوا أنفسکم من النار فإنی لا أملک لکم من الله ضًرا ولانفعا، یامعشربنی عبد مناف أنقذوا أنفسکم من النار فإنی لا أملک لکم من الله ضرا ولا نفعا ، یا معشر بنی قصی أنقذوا أنفسکم من النار فإنی لا أملک لکم ضًرا ولانفعاً، یامعشر بنی عبد المطلب أنقذوا أنفسکم من النار فإنی لا أملک لکم ضًرا ولا نفعا یًا فاطمة بنت محمد أنقذی نفسک من النار فإنی لاأملک لک ضرا ٍو لانفعاً إن لک رحما سأبلها ببلالها " فهو لایملک لغیره ولالنفسه ضرا ولا نفعاً.

وأمرُ الإیمان منحة من الله والهدایة ملک لله لا یملک النبیّ أن یهبها لأحد أو یمنعها من أحد ولو کان یملک شیئاً من ذلک لجعل عمّه أباطالب یؤمن، وقد قال الله له :"إنک لا تهدی من أحببت ولکن الله یهدی من یشاء، و هو اعلم بالمهتدین"

الله أکبر، أین السیوطی ومن یقلدّه مِن هذه الآیة، فمهما أحب النبیّ أن یؤمن والداه فهل ذلک ممکن بمجرد إرادته له؟ الجواب فی الآیة.

وهل أمر الإیمان والهدایة ودخول الجنان بالقرابة؟ اللهم لا، ولو کان ذلک لآمن قرابته کلهم، بل قد أنزل فی بعض قرابته سورة خاصة هی سورة أبی لهب وهوعمه.

ولهذا لا محاباة ولا نسب فی دین الله بل هو الحق والإیمان والتقوی .

أمّا الصوفیة والرافضة وأشباههم فتعلّقهم بالشخوص والأولیاء صوّرَ لهم أنّه لا یمکن أن یکون جاء النبی عند الله أقلّ من أن یکرمه بإدخال أبویه الجنة، وأن یستثنیهما الله من کلّ وعید، فلا تعجب حین اضطر السیوطی أن یدخل الکفرة والمشرکین من أجداده الجنة حتی یسلم له أن أبویه ماتا علی الفطرة، حتیّ والد إبراهیم علیه السّلام الّذی نزلت فیه الآیات وجاء فیه النصوص الصریحة حرفها وبدل معانیها ولبسّ بکلّ سبیل وأدخله الجنة حتی لاینخرم علیه المسلک الثانی وهو أنهّما ماتاعلی التوحید نسأل الله أن یلهمنا الرشد.

وبهذا کله تعرف مافی قول السهیلی فی الروض الأنف بعد إیراده حدیث مسلم: ولیس لنا نحن أن نقول ذلک فی أبویه لقوله: "لاتؤذوا الأحیاء بسب الأموات" وقال تعالی : "إن الذین یؤذون الله و رسولهٗ لعنهم الله فی الدنیا و الآخرة وأعدلم عذاباً مهینا" (الاحزاب، ۵۷) الآیة.

وقول القاضی أبو بکر بن العربی أحد أئمة المالکیة وقد سئل عن رجل قال أن أبا النبی فی النار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کلام پیش فرماتے رہے، لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی ''فتح الملھم'' کو متن میں جگہ بھی نہ دی کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس مقام پر کیا کلام کیا؟''۔انتہٰی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأجاب بأن من قال ذلک فھو ملعون لقوله تعالی: ''إن الذین یؤذون الله و رسولهٗ لعنھم الله فی الدنیا والآخرة و أعدلھم عذابا مھینا''، قال: ولاأذی أعظم من أن یقال عن أبیه إنه فی النار''. فإن ھذا جواب غافلٍ عن أنّ الّذی قال عن أبیه إنه فی النار ھونفسه.

قال السیوطی: ومن العلماء من ذھب إلی قول خامس وھو الوقف، قال الشیخ تاج الدین الفاکھانی فی کتابه الفجر المنیر: الله أعلم بحال أبویه''.

قلت:ھل یجوز الوقف فی شیء أخبر به؟ ومامعنی الإیمان به إذن؟

ھل یجوز الوقف فی وجود الجنة والنار وفی العرش والصراط والمھدی ونزول عیسی بن مریم وعذاب القبر وغیر ذلک مما أخبر به؟

فإن قیل تلک جاء فیھا نصوص صحیحة قلنا وکذلک والدیه، فإن قیل إنما نتوقف لما جاء مما یعارضھا ، قلت :لو جاز لمؤمن أن یتوقف فیما صح وثبت لمجرد وجود أخبار مکذوبة وموضوعة تعارضھا:لجاز التوقف عن کثیر من شرائع الإسلام،وکان کلمّا أراد مبطل أن یبطل سنة أو آیة أو حکماً کذب واخترع نصا وًنسبه للنبیّ فیحصل علی غایة ما یرید ، وھل یطلب أعداء الله منا أکثر من أن نتوقف فی قبول ما یجیء به؟

انظر رعاک الله ما فی ھذا المسلک من المزلق العظیم والخطر الجسیم ، أن یصور الشک والتردد فی الإیمان بما جاء به صلی الله علیه وسلم، علی أنه توقف فی مسألة شرعیة ورعا عن القول بلاعلم،فھذا والله منتھی التلبیس،بل الوقف فی مثل ھذه المسألة لایجوز أبدا لأنه قد صحت النصوص الصریحة وما یقابلھا لا یرتقی للضعف فضلا عن أن یکون ندا لما صحّ،والله المستعان.

قال السیوطی: '' وقال الباجی فی شرح الموطأ قال بعض العلماء:إنه لایجوز أن یؤذی النبی صلی الله علیه وسلم بفعل مباح ولاغیره ....''

قلت:لاعلاقة لھذا الکلام بمسألتنا فإنّنا نتفق علی أنّه لا یجوزأن یُؤذی النبی صلی الله علیه وسلم بأی فعل مباح أوغیرمباح،لکن ھل یدخل فی الأذی له ، أن نقول بما قاله ونؤمن بما جاء عنه ونصدقه ونمر النصوص کما جائت بالقبول والتصدیق دون تحریف؟ اللھم لا.

قال السیوطی: '' واخرج ابن عساکرفی تاریخه من طریق یحیی بن عبد الملک بن أبی غنیة قال : حدثنا نوفل بن الفرات وکان عاملا لعمر بن عبد العزیز قال کان رجل من کتاب الشام مأمونا عندھم استعمل رجلا علی کورة الشام وکان أبوه یزن بالمنانیة فبلغ ذلک عمربن عبد العزیز فقال ما حملک علی أن تستعمل رجلاعلی کورة من کور المسلمین کان أبوه یزن بالمنانیة قال: أصلح الله أمیرالمؤمنین وماعلی،کان أبوالنبی صلی اله علیه وسلم مشرکا فقال عمر:آہ ثم سکت ثم رفع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کلام :

اول تو سوال یہ ہے کہ کیا ہر مصنف ومتکلم پرآنجناب کی مرضی ومنشاء کی اتباع ضروری ہے؟ نیز کسی بھی حدیث کی تشریح میں تمام حوالہ جات کا اندراج ،اور احاطہ ضروری ہے، بالخصوص جوتشریح اس کے نزدیک راجح بھی نہ ہو؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رأسه فقال :أأقطع لسانه أأقطع يده ورجله أأضرب عنقه،ثم قال: لاتلى لى شيئا مابقيت "

قلت: لم أجده وقد اشار إليه القاضى عياض فى الشفا، وذكر هناك أنّ سبب غضب عمر هو ذكر هذا فى غيرموضعه،وهذاموضع خلاف بين العلماء أعنى ذكره فى موضع التأسى بالأنبياء، كمن يقول إذا ليم على المعصية،قدعصى آدم،ونحومقولة هذا الوالى، والأحوط المنع لأن ذكر هذا لايسلم من الغض على جانب النبوة مع أن فى النصوص مندوحة عن الاستشهاد بمثل هذا ، لكن ليس فيه أن سبب إنكار عمر هو إنكاره كون والده صلى الله عليه وسلم ، فى النار إذ لو كان يرى ذلک ما تركه دون عقوبة ، فإن اتهام أى مسلم بأنه كافر موجب للعقوبة والتعزير فكيف لو كان هذا المتهم هو والد نبينا صلى الله عليه وسلم ، لاشکّ أن هذا يكون أعظم فكيف يتركه دون عقوبة وإنما فقط يعزله عن عمله؟!.

فهذافى الحقيقة لوثبت دليل على السيوطى من حيث لم يشعر.

قال السيوطى : " حديث متعلق بهما قال البيهقى فى شعب الإيمان أخبرنا أبوالحسين بن بشران أنا أبوجعفر الرزاز ثنا يحيى بن جعفر أنا زيدبن الحباب أنا يس بن معاذ ثنا عبد الله بن قريد عن طلق بن على قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لوأدركت والدى أوأحدهما وأنا فى صلاة العشاء وقدقرأت فيها بفاتحة الكتاب تنادى يا محمد لأجبتها لبيک" قال البيهقى:يس بن معاذضعيف".

قلت: هكذا نقل عن البيهقى ، وهو تساهل منه رحمه الله ، وإلا فياسين هذا قال يحيى بن معين : ليس حديثه بشىء ، وقال البخارى : منكر الحديث ، وقال النسائى وابن الجنيد : متروک وقال ابن حبان : يروى الموضوعات ..وقال أبو داود : كان يذهب إلى الإرجاء، وهو متروک الحديث ضعيف، وهوبيع الزيت أعلم منه بالعلم، فمثل هذاحديثه منكرجداً إن لم يكن موضوعاً.

ثمّ إنّه لا علاقة لهذا الخبر بمسألتنا البتة ، فغاية ما فيه وجوب بر الوالدين ، وقد اتفق العلماء على وجوب برهما ولو كانا مشركين وهذا نص القرآن،قال تعالى: " وإن جاهداک على أن تشرک بى ما ليس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدنيا معروفا" (لقمان: ۱۵)

قال السيوطى : "فائدة :قال الأزرقى فى تاريخ مكة حدثنا محمد بن يحيى عن عبد العزيز بن عمران عن هشام بن عاصم الأسلمى قال: لماخرجت قريش إلى النبى صلى الله عليه وسلم فى غزوة أحد فنزلوا بالأبواء قالت هند ابنة عتبة لأبى سفيان بن حرب: لو بحثتم قبر آمنة أم محمد فإنه بالأبواء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اگر کسی کا کلام مستقل نہ ہو، بلکہ اس نے کسی کتاب سے صرف نقل کر دیا ہو، اور اس مصنف نے اس کلام کو مناسب مقام پر منقول عنہ کتاب سے نقل کر کے اس پر کلام بھی کر دیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن أسر أحدكم افتديتم به كل إنسان بأرب من آرابها ،فذكر ذلك أبو سفيان لقريش فقالت قريش: لا تفتح علينا هذا الباب إذا تبحث بنوبكر موتانا''

قلت :ذكره الأزرقي في الحديث عن مقابر مكة ومنها مقبرة أبي دب، قال : حد ثني أبوالوليد حدثني محمد بن يحيى عن عبدالعزيز بن عمران عن هشام بن عاصم الأسلمي ، وعبدالعزيز بن أبي ثابت عمران بن عبدالعزيز بن عمر بن عبدالرحمن بن عوف قال ابن معين : ليس بثقة ، إنما كان صاحب شعر ، وقال أبو حاتم : متروك الحديث، منكر الحديث جدا، وترك حديثه ابو زرعة، فالخبر إذن منكر جداً، كما أنّه مرسلٌ لأنّ عاصم هذا لم يدرك زمن معركة أحد فإنّه من طبقة متأخرة ذكره ابن سعدفي الطبقات.

قال السيوطي :'' فائدة: قال الإمام موفق الدين بن قدامه الحنبلي في المقنع ومن قذف أم النبي صلى الله عليه وسلم قتل مسلماً كان أو كافرا''.

قلت: بلاشكّ، فإنهّ قدح في نسبه صلى الله عليه وسلم ، وقد أجمع المسلمون على شرف نسبه وأنه عليه الصلاة والسلام لم يخالط نسبه سفاح من آدم إلى عصره ، وقد ثبتت النصوص بذلك، فمن قذف أمّه فقد اجتمعت فيه المهالك ولايصدر ذلك من مسلم البتة.

لكن هذه الفروع التي أتى بها السيوطي لا علاقة لها بالمسألة من قريب ولا من بعيد فهذا الحكم لايتعلق بكونها مؤمنة أم لا،ولا بكونها ناجية أم لا.

قال السيوطي: ''وقدسُئلت أن أنظم في هذه المسالة أبياتا أُختم بها هذاالتأليف'' ثم ذكر أبياتا لخص بها ما ذكره من مسالك في ثنايا الرسالة.

قلت: السيوطي رحمه الله وعفا عنه شاعر، ولكن الحق فوق ذلك بكثير، فالباطل باطل ولايغير من واقعه زخرف القول وبديع النظم،والحق في المسائل الشرعية هوما جاء ت به النصوص الصحيحة الصريحة ، وصدق الله إذ قال :'' والشعراء يتبعهم الغاوٗن'' (الشعراء: ۲۲۴)

ومن العجب قوله في نهايتها:

هذي مسالك لوتفردبعضها لكفي فكيف بها إذا تتألف

فإنّ المسالك الثلاثة متناقضة:فأوّلها أنهّما من أهل الفترة الذين يُمتحنون يوم القيامة ، وثانيها أنهّما ماتا على الفطرة والتوحيد،فكيف يجتمعان؟ وثالثهم الأنّ الله أحياهما فآمنا ، فانظر كيف تتألف هذه المسالك المتناقضة فالحق ،إن كان منها حق . في أحدهافقط،على أننا بينا بحمد الله بطلان هذه المسالك، ومن ثمّ بطلان ما يُبنى عليها ، نسأل الله تعالى أن يعفوعنا وعنه وأن يهب إساء ته هذه إلى إحسانه وفضله، وصلّى الله على نبينا محمّد وعلى آله وصحبه وسلّم(نقض مسالك السيوطي في والدي المصطفى ، ص ۲۵۰ الیٰ ۲۶۰، نقض المسلك الثالث،الناشر:دار الامام مالك،أبو ظبي ، الطبعة: 2006م، ۱۴۲۷ھ)

ہو، تو پھر کسی کا یہ الزام عائد کرنا کہ اس کو جگہ بھی نہ دی، اس کی حقیقت سے کتنی موافقت ہے؟ اور کیا اس الزام تراشی پر آخرت میں سوال نہ ہوگا؟

اور ہم باحوالہ دوسری جگہ ذکر کر چکے ہیں کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ''**فتحُ الملهم**'' میں یہ بات امام نووی کے بعد علامہ شامی سے نقل کی ہے۔

نیز ہم نے الحمدللہ علامہ شامی کی مکمل عبارت کو نقل بھی کیا ہے، اور اس پر کلام بھی کیا ہے۔

پس یہ بات بھی آنجناب کے بے جا، بلکہ بے تکے منجملہ الزامات کے قبیل سے ہے، جس کی ذرا بھی وقعت نہیں، گو آنجناب اپنی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے اس کو نہایت وقیع کیوں نہ سمجھیں۔

اگر پھر بھی تسلی نہ ہو، تو علامہ شبیر احمد عثمانی، اور امام نووی (المتوفیٰ: 676ھ) سے بھی پہلے کے شارحِ مسلم، قاضی عیاض (المتوفیٰ: 544ھ) کی ''**اکمالُ المعلم**'' کی مندرجہ ذیل عبارت کو ملاحظہ کر لینا چاہیے:

استئذانه -عليه السلام -في زيارة قبر أمه والإذن في ذلک، دليل على جواز زيارة القبور، وصلة الآباء المشركين، اذا كان هذا بعد الموت ففي الحياة أحق، وكأنه قصد -عليه السلام- قوة الموعظة والذكرى؛ بمشاهدته قبرها ورؤيته مصرعها، وشكر الله على ما من به عليه من الإسلام، الذي حرمته، وخص قبرها لمكانها منه، ويدل مقصده قوله آخر الحديث :(فزوروا القبور، فإنها تذكر الموت)وقوله :(فبكى وأبكى) : بكاؤه -عليه السلام -على ما فاتها من لحاق أيامه والإيمان به(اكمال المعلم بفوائد مسلم، ج۳ص ۴۵۲، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل في زيارة قبر أمه)

مذکورہ عبارت میں صاف تصریح ہے کہ:

''بكاؤه عليه السلام على ما فاتها من لحاق أيامه والإيمان به''

اورحسین بن محمود مظہری حنفی (المتوفی:727ھ) کی ''المفاتيح شرحُ المصابيح '' کی مندرجہ ذیل عبارت کو بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

وقال أبو هريرة -رضى الله عنه :-زار النبى -صلى الله عليه وسلم -قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال" :استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت."

قوله " :وأبكى من حوله"؛ يعنى :حتى بكى الذين معه لكثرة بكائه، هذا يدل على أن البكاء جائز.

قوله" :فلم يؤذن لى "وإنما لم يأذن الله تعالى له فى أن يستغفر لأمه؛ لأنها كانت كافرة، والاستغفار للكافر والكافرة لا يجوز؛ لأن الله تعالى لن يغفر لهم أبدا (المفاتيح فى شرح المصابيح ،ج٢ص٤٦٧، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

مذکورہ عبارت میں بھی تصریح ہے کہ:

''إنما لم يأذن الله تعالى له فى أن يستغفر لأمه؛ لأنها كانت كافرة، والاستغفار للكافر والكافرة لا يجوز؛ لأن الله تعالى لن يغفر لهم أبدا''

اورابنِ ملک حنفی (المتوفی:854ھ) کی ''شرح المصابيح '' کا درجِ ذیل حوالہ بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

وقال أبو هريرة -رضى الله عنه :-زار النبى على قبر أمه فبكى

وأبكى من حوله، فقال " :استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت."

"وقال أبو هريرة :زار النبى -عليه الصلاة والسلام -قبر أمه :" مع أنها كافرة؛ تعليما منه للأمة حقوق الوالدين والأقارب؛ فإنه لم يترك قضاء حقها مع كفرها".فبكى وأبكى من حوله"؛ أى :حتى بكى الذين معه من كثرة بكائه .وهذا يدل على جواز البكاء عند حضور المقابر.

"فقال :استأذنت ربى فى أن أستغفر لها، فلم يأذن لى"؛ لأنها كانت كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز؛ لأن ا للّٰه تعالى لن يغفر لهم أبدا.

"واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور؛ فإنها "؛ أى :القبور "تذكر الموت"(شرح مصابيح السنة للإمام البغوى، ج۲،ص۳۸۸، كتاب الجنائز، ۳۸۹،باب زيارة القبور)

مذکورہ عبارت میں بھی یہ تصریح ہے کہ:

''أنها كانت كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز؛ لأن ا للّٰه تعالى لن يغفر لهم أبدا''

اور ملا علی قاری حنفی (المتوفیٰ:1014ھ) کی ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں مذکور اس تشریح کو بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

(فقال :استأذنت ربى فى أن أستغفر فلم يؤذن لى) قال ابن الملك :لأنها كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز، لأن اللّٰه لن

يغفر لهم أبدا......

وأغرب ابن حجر حيث قال: ولعل حكمة عدم الإذن في الاستغفار لها إتمام النعمة عليه بإحيائها له بعد ذلك حتى تصير من أكابر المؤمنين، أو الإمهال إلى إحيائها لتؤمن به فتستحق الاستغفار الكامل حينئذ اهـ.

وفيه أن قبل الإيمان لا تستحق الاستغفار مطلقا.

ثم الجمهور على أن والديه – صلى اللّٰه عليه وسلم – ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما ورد في حقهما، وأما قول ابن حجر: وحديث إحيائهما حتى آمنا به ثم توفيا حديث صحيح، وممن صححه الإمام القرطبي، والحافظ ابن ناصر الدين، فعلى تقدير صحته لا يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم مع أن الحفاظ طعنوا فيه، ومنعوا جوازه أيضا بأن إيمان اليأس غير مقبول إجماعا كما يدل عليه الكتاب والسنة، وبأن الإيمان المطلوب من المكلف إنما هو الإيمان الغيبي، وقد قال تعالى(ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه)وهذا الحديث الصحيح صريح أيضا في رد ما تشبث به بعضهم بأنهما كانا من أهل الفترة، ولا عذاب عليهما مع اختلاف في المسألة(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۵۶، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

مذکورہ عبارت میں بھی تصریح ہے کہ:

''لأنها كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز، لأن اللّٰه لن يغفر لهم أبدا''

اور محمد عبدالغنی مجددی حنفی (المتوفی: 1296 ہجری) کی ''سنن ابنِ ماجہ'' کی شرح ''انجاح الحاجة'' کی اس عبارت کو بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

فسأل عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان أباہ مع ھذہ الأوصاف الجمیلة أین مدخلہ أی فی الجنة أم فی النار فأجابہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بأنہ فی النار ثم فسرہ ورفع حزنہ بأن المشرک لا ینفعہ شیء من الصدقات والمبرات .

وأما والدا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ففیھما أقوال:

المتقدمون بأجمعھم علی أنھما ماتا علی الکفر وھو مروی عن أبی حنیفة وتمسکوا بحدیث الباب وغیرہ.

وبعض المتأخرین اثبتوا اسلامھما.

فتارة یقولون انھما احییا وأسلما.

وھذا القول واہ. حیث ردہ القرآن والأحادیث الصحیحة. قال اللّٰہ تعالی :فلما رأوا بأسنا قالوا آمنا باللّٰہ وحدہ وکفرنا بما کنا بہ مشرکین فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا .

وقال تعالی: ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی إذا حضر أحدھم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وھم کفار.

وأما حدیث ذھبت بقبر أمی فسألت ان یحییھا الخ رواہ الخطیب عن عائشة مرفوعا ورواہ بن شاھین عنھا.

قال بن الباجی ھو موضوع وفی إسنادہ محمد بن زیاد النقاش لیس بثقة وأحمد بن یحیی البیرمی ومحمد بن یحیی البیرمی مجھولان.

وقد أطال فی اللالی الکلام علی هذا الحدیث وقال الصواب الحکم علیه بالضعف لا بالوضع.

وحدیث شفعت فی هؤلاء النضر أمی وأبی وعمی أبی طالب وأخی من الرضاعة یعنی بن السعدیة رواه الخطیب عن بن عباس مرفوعا وقال باطل ذکره الشوکانی.

وتارة بأن أهل الفترة ما کانوا مشرکین ولا یخفی سخافة هذا القول.

وقد صنف الحافظ السیوطی رسالة مختصرة فی هذا الباب.

قلت والقول الثالث السکوت فی هذا البحث فإن الکلام فیه ربما یطول فیخل بحضرة النبوة بما هو أهل لذلک صلوات اللّٰه وسلامه علیه.

وتأول حدیث الباب من قال بإسلامهما بأن المراد من أبیه أبی طالب عمه.

والحدیث الأول بأنها ماتت معصومة فلا تحتاج الی الاستغفار کما ان الصبی لا یستغفر له (إنجاح الحاجة، لمحمد عبد الغنی المجددی الحنفی، ص۱۱۳، أبواب إقامة الصلوات والسنة فیها، باب ما جاء فی التقلیس، مشمولة: شرح ابنِ ماجه)

مذکورہ عبارت میں بھی یہ تصریح ہے کہ:

'' المتقدمون بأجمعهم علی أنهما ماتا علی الکفر وهو مروی عن أبی حنیفة''

تو کیا اس طرح کا الزام صاحبِ فتح الملہم (المتوفیٰ: 1369ھ) پر قائم کرنا درست قرار پا سکتا

ہے کہ انہوں نے اپنے سے قبل کے مذکورہ تمام محدثین وشارحین کی عبارات کو متن میں جگہ کیوں نہ دی، تاکہ معلوم ہوتا کہ علامہ شامی جیسے متاخرین سے قبل اس جیسے اہم مسئلہ پر مذکورہ متقدمین وسلف نے اس مقام پر کیا کلام کیا؟

ظاہر ہے کہ اگر اس طرح کا الزام مذکورہ، اوران جیسے حضرات پر قائم کرنا، درست قرار نہیں پاسکتا، تو پھر کیا اس طرح کے تمام الزامات رَوار کھنے کے لیے ہم جیسے معاصر غریب لوگ ہی آپ جیسے معترضین وملزِمین کو سستا شکار کرنے کے لئے نظر آتے ہیں؟

علامہ سیوطی اور امام بیہقی کے مقام ومرتبہ پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اگر آپ کو ناگوار نہ ہو، اور کوئی سائل سوال کردے کہ آپ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اورامام بیہقی رحمہ اللہ کے مقام ومرتبہ کو تو تول رہے ہیں۔

کیا آپ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مقام ومرتبہ کے ہیں؟

اگر اس حدیث پر گزرتے ہوئے، اس مسئلہ کی حساسیت کو انہوں نے پیشِ نظر رکھا، اور احتیاط کا درس دیا، تو آپ نے اس پہلو کو نظر انداز کیوں کیا؟ کیا آپ کا علم ان سے زیادہ ہے، کیا آپ کا تقویٰ ان سے زیادہ ہے؟ کیا آپ کی احتیاط ان سے زیادہ ہے؟ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اورامام بیہقی رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ ناپا جارہا ہے''۔انتھٰی۔

کلام:

اس موقع پر پہلی بات تو یہ ہے کہ بندہ کو الحمد للہ یہ بات سننے اورخود سے اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرہ برابر بھی ناگواری نہیں کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ اوران کا تقویٰ وطہارت، بندہ سے نہایت بلندتر ہے، اور بالواسطہ ان جیسے حضرات ہی

کے فیضانِ علمی کی روشنی سے بندہ جیسے بہت سے حضرات فیض یاب ہورہے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے کسی بڑے سے اس طرح کے مسئلوں میں اختلاف کی وجہ سے نہ تو اس بڑے کا مقام ومرتبہ کم ہوجاتا، اور نہ ہی چھوٹے کا مقام ومرتبہ بلند ہوجاتا۔

آخر امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر اور بعد کے بہت سے اہلِ علم حضرات بھی اپنے بڑوں سے چھوٹے ہی تھے، تو کیا ان کا چھوٹا ہونا، اختلاف کے لیے مانع ہوگیا، یا اختلاف کی وجہ سے چھوٹوں کا مقام ومرتبہ بڑوں سے بلند ہونا لازم آ گیا؟

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قلب میں اکابر کی محبت وعظمت اور ان کے علمی وعملی بلند مقام کی وقعت کے باوجود مسائلِ شرعیہ میں دلائل کے پیشِ نظر ان سے اختلافِ رائے واجب ہے (رسالہ ''صبحِ صادق'' مشمولہ احسن الفتاویٰ جلد۲ صفحہ۱۹۰)

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے رمضان میں نفل کی جماعت پر ایک مفصل فتویٰ تحریر کیا، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف فرمایا، اور اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصویب فرمائی، اس فتوے میں چونکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف کیا گیا تھا، اس لیے اپنے فتوے کے آخر میں حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا کہ:

الحمدللہ! جماعتِ دیوبند کی خصوصیت اور انہی بزرگوں کی تعلیم وتلقین نے ہمیں یہ صراطِ مستقیم دکھائی کہ مسائلِ شرعیہ میں آزادانہ اظہارِ رائے ترکِ ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہارِ خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لیے بنامِ خدا تعالیٰ جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھ پر واضح ہوا، وہ لکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا

ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ ترکِ ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھیں۔آمین۔

(فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ ۵۵، ۵٦، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعت: جولائی 1996ء)

اور اس موقع پر دوسری بات یہ ہے کہ بندہ نے علامہ سیوطی اور امام بیہقی رحمہما اللہ کے مقام و مرتبہ کو تولنے اور ناپنے کا کام ہرگز نہ کیا، بلکہ شیخ ناصرُ الدین البانی کی عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے، شیخ ناصرالدین البانی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے جو کچھ کہا، اس کے ذیل میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

''اور علامہ سیوطی اور علامہ بیہقی کے درمیان فرق پر غور کر لینا چاہیے کہ علامہ بیہقی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے، جس کی دلیل میں انہوں نے صحیح مسلم کی حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کو پیش کیا (لیکن ان کے بہت بعد نویں صدی کے آخر میں علامہ سیوطی نے اس کے برعکس حکم لگایا، جن کا علمِ حدیث میں مقام و مرتبہ امام بیہقی سے زیادہ نہیں)''۔

(علمی و تحقیقی رسائل: ج۱۲، ص ۲٦۸)

شیخ ناصرالدین البانی نے یہ بات اس وجہ سے کہی ہے کہ علامہ سیوطی عفا اللہ عنہ فرطِ محبت میں ایک نا قابلِ اعتبار حدیث کی طرف مائل ہو گئے، اور مسلم کی صحیح حدیث سے اعراض کیا، اور اس پر ضعف کا حکم لگا دیا، اور امام بیہقی نے محبت اور جذبات پر ایمان اور تصدیق کو مقدم رکھا۔ اس صورتِ حال میں علامہ سیوطی اور امام بیہقی کے درمیان اس فرق میں تامل کر لینا چاہئے۔[1]

ملا علی قاری نے بھی شیخ جلال الدین سیوطی کے اس طرزِ عمل پر سخت تعجب کا اظہار کیا ہے۔

(أدلة معتقد أبي حنيفة في أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۸۵، الرد على السيوطى)

---

[1] وتأمل الفرق بينه وبين الحافظ البيهقى الذى قدم الإيمان والتصديق على العاطفة والهوى (سلسلة الأحاديث الصحيحة، ج٦ ١٨٢١، تحت رقم الحديث ٢٥٩٢)

ظاہر ہے کہ علمِ حدیث کے اعتبار سے علامہ سیوطی کے مقابلہ میں امام بیہقی کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے، جن کی وفات 458 ہجری میں ہوئی، اور علامہ سیوطی کی وفات 911 ہجری میں ہوئی، اور علامہ سیوطی سے قبل صحیح مسلم کی اس حدیث پر ضعف کا مذکورہ حکم نہ امام بیہقی کی طرف سے لگایا گیا، نہ کسی اور قابلِ ذکر محدث کی طرف سے لگایا گیا۔

اس لیے کسی کی طرف سے اس مسئلہ میں امام بیہقی اور علامہ سیوطی کے موقف میں تقابل کے وقت اگر توضیح کے لیے صرف اتنی بات ذکر کردی جائے کہ ''امام بیہقی کے بہت بعد نویں صدی کے آخر میں علامہ سیوطی نے اس کے برعکس حکم لگایا، جن کا علمِ حدیث میں مقام ومرتبہ امام بیہقی سے زیادہ نہیں'' تو اس میں کون سی برائی ہے؟

کیونکہ امام بیہقی کا شمار علمِ حدیث میں ''امام'' کی حیثیت سے ہوتا ہے، اور ان کے مقابلہ میں علامہ سیوطی کا شمار علمِ حدیث میں ''امام'' کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام ابوبکر بیہقی، جن کا پورا نام ''احمد بن حسن بن علی بن موسیٰ'' ہے، ان کی وفات 458ھ ہے، جنہوں نے احادیث کے باب میں ''السنن الکبیر، السنن الصغیر، السنن والآثار، دلائلُ النبوۃ، شعب الایمان'' جیسی کتبِ احادیث کو تالیف کیا ہے۔

امام بیہقی کو اپنے زمانے کا حافظُ الحدیث اور امام حاکم کے کبارِ اصحاب میں شمار کیا گیا ہے، اور انہوں نے جلیلُ القدر محدثین سے احادیث کی سماعت کی ہے۔

ان کے علمِ حدیث میں شیوخ کی تعداد، سو (100) سے زائد بتلائی جاتی ہے، اور ان سے بڑے بڑے محدثین نے احادیث کی سماعت کی ہے۔

امام بیہقی نے اکثر مسائل میں امام شافعی کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اور امام شافعی کے مذہب کو دلائل کے ساتھ منقح کیا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ امام بیہقی کا امام شافعی کے مذہب پر یہ عظیم احسان ہے۔

(تاریخ الإسلام وَوَفیات المشاهیر وَالأعلام، للذهبی، ج۱۰، ص۹۵، و ۹۶، الطبقة السادسة والأربعون، تحت رقم الترجمة ۱۹۴)

جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی کا تعلق بھی امام شافعی کے مذہب سے ہے، لیکن وہ امام بیہقی (المتوفیٰ: 458ھ) سے بہت بعد کے لوگوں میں شامل ہیں، جن کی وفات 911ھ ہے۔

اور علامہ سیوطی کا شمار اگرچہ کثیرُا لتصانیف لوگوں میں ہوتا ہے، لیکن ان کے رطب ویابس ہر طرح کی باتوں کو جمع کرنے کی وجہ سے، بعض اہلِ علم حضرات نے ان کو ''حاطبُ اللیل ''اور''ساحبُ الذیل '' تک کہہ دیا ہے، جیسا کہ محبُّ الدین دمشقی (المتوفیٰ: 1111ھ) نے ''خلاصةُ الاثر ''میں ذکر کیا ہے۔ [1]

علامہ سیوطی نے ''الجامعُ الصغیر ''میں احادیث کی اسنادی حیثیت پر جو اشارات قائم کیے ہیں، بعد کے متعدد محققین نے ان پر استدراک کیا ہے، ان سب سے اتفاق نہیں کیا۔

چنانچہ امام مناوی اور علامہ غماری اور علامہ آلوسی وغیرہ نے، علامہ سیوطی کے احادیث کی اسنادی حیثیت کے فیصلوں کے بارے میں کلام کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے علامہ سیوطی کو احادیث کی تصحیح اور تضعیف دونوں ابواب میں ہی متساہل شمار کیا ہے۔ [2]

---

[1] قال العلامة عبد الله بن عمر بامخرمة ويقرب عندى أن المجدد للمائة العاشرة القاضى زكريا الشهرة الانتفاع به وتصانيفه واحتياج غالب الناس اليها لا سيما فيما يتعلق بالفقه وتحرير المذهب بخلاف كتب السيوطى فانها وان كانت كثيرة فليست بهذه المثابة على أن كثيرا منها مجرد جمع بلا تحرير وأكثرها فى الحديث من غير تميز الطيب من غيره بل كأنه حاطب ليل وساحب ذيل والله تعالى يرحم الجميع ويعيد علينا من بركاتهم(خلاصة الأثر فى أعيان القرن الحادى عشر، ج٣، ص ٣٤٦،٣٤٧، حرف الميم)

[2] تساهل السيوطى:

أما بالنسبة لتصحيحات السيوطى ورموزه فى الجامع الصغير، فإن من اطلع على النسخ خطية للجامع الصغير، وجد اختلافا كبيرا بين النسخ الخطية مع بعضها بعضا، وبين النسخ الخطية والمطبوع، ولو قارنت بين النسخ المحققة والمطبوعة؛ لوجدت اختلافا أيضا فى رموز التصحيح والتضعيف، مما يدلک على أن هذه الرموز إما أن تكون من غير السيوطى إلا بعضها فمن وضع السيوطى وهذا فيما اتفقت عليه النسخ، أو جزم المناوى فى شرحه أنها من رمز السيوطى -أو أن يكون النساخ للجامع الصغير قد تصرفوا فى الرموز، فسبق نظرهم إلى حديث، فوضعوا رمزه لحديث آخر و ..و ..الخ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ آنجناب کو علامہ ابنِ جوزی کا متشدد ہونا تو نظر آتا ہے، لیکن علامہ سیوطی کا متساہل ہونا نظر نہیں آتا، بطورِ خاص علامہ سیوطی سے جو زیرِ بحث مسئلے میں تساہل کا صدور ہوا ہے، اور وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثـم إن الـمـقـصـد من الجامع الصغير أن ينفع الخطباء والوعاظ والفقهاء ، ومعلوم عند المحدثين أن الاستـدلال بالحديث الضعيف -فـى فضائل الأعمال-جـائز، ووجود بعض الأحاديث الموضوعة أو الضعيفة جدا لا ينزل من مقام الكتاب ولا صاحبه شيئا، إذ أنها قليلة مقابل عدد الأحاديث الموجودة فـى الجامع الصغير ولا تشكل -نسبيا -شيـئا، فقد استدرک ابن الجوزى على مسند الإمام أحمد -رحمه الله -أحاديث رآها موضوعة، وتتبعه ابن حجر والسيوطى، ولم يضر ذلک المسند شيئا؛ لأن الأحاديث المستدركة عليه قليلة جدا -والله أعلم.

قال المناوى فى تعقباته على السيوطى فى شرحه للجامع الصغير ... " :(40 /1)وقد أكثر المؤلف فى هذا (الجامع الصغير) من الأحاديث الضعيفة."

وقال" :عـلى أنه كان ينبغى له -أى المؤلف -أن يـعـقب كل حديث بالإشارة بحاله بلفظ صحيح أو حسـن أو ضعيف فى كل حديث، فلو فعل ذلک؛ كان أنفع وأصنع، ولم يزد الكتاب بها إلا وريقات لا يطول بها."

وأمـا مـا يـوجـد فى بعض النسخ من الرمز إلى الصحيح والحسن والضعيف بصورة رأس صاد وحاء وضـاد، فـلا يـنـبـغى الوثوق به لغلبة تحريف النساخ على أنه وقع له ذلک فى بعض دون بعض -كما رأيتـه بخطه -فـكـان الـمـتـعين ذكر كتابة صحيح أو حسن أو ضعيف فى كل حديث .قـال الحافظ الـعـلائـى عـلـى مـن ذكر حديثا اشتمل سنده على من فيه ضعف أن يوضح حاله خروجا عن عهدته، وبراء ة من ضعفه .انتهى.

وقـال الـغـمـارى فـى الـمـغير على الأحاديث الموضوعة فى الجامع الصغير عن السيوطى" :ومنها أحـاديـث لـم يـظـن هـو أنهـا مـوضوعة؛ لأنه متساهل فى ذلک غاية التساهل، فلا يكاد يحكم على حـديـث بـالـوضـع إلا إذا دعتـه الـضـرورة إلى ذلک وما عدا ذلک فإنه يتساهل فى إيراد الحديث الموضوع، بل وفى الاحتجاج به أيضا."

وقال الألوسى رحمه الله تعالى فى كتابه "غاية الأمانى"(51 /1) ناقلا عن الشيخ بدر الدين الحلبى فى كتابه "الإرشاد والتعليم:"

وفى تنوير الحوالک لجلال الدين السيوطى، الذى رد به على منكرى رؤيته -صلى الله عليه وسلم -بـعـد وفـاته فى اليقظة طرف من ذلک (أى من القصص التى فيها التقاء بعض الناس بالنبى -صلى الله عليه وسلم -بـعـد موته)، وكل ما أتى به لا دليل فيه، وأطال الكلام فى ذلک ثم قال :وقد ذكر عـن الـسـلـف والـخلف وهلم جرا ممن كانوا رأوه فى النوم، فرأوه بعد ذلک فى اليقظة، وسألوه عن أشياء كانوا منها متشوشين، فأخبرهم بتفريجها، ونص لهم على الوجوه التى منها فرجها، فجاء الأمر كذلک بلا زيادة ولا نقص، انتهى المراد منه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محققین نے دلائل کے ساتھ واضح کردیا ہے، اس کی طرف ادنیٰ توجہ نہیں کی گئی، اور آنجناب صرف اس جملے کو بھی ''رائی کا پہاڑ'' بنا کر پیش کرتے ہیں کہ ''علامہ سیوطی کا علمِ حدیث میں مقام ومرتبہ امام بیہقی سے زیادہ نہیں''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وليت شعرى لم كان عثمان يطلب شاهدين من كل من أتاه بآية يشهدان على أنها من القرآن، وهلا رأى النبى -صلى الله عليه وسلم -يقظة وسأله عن تلك الآية، وهو -وسائر الصحابة -أحق ممن ذكر بهذه الفضيلة.

وقد وقع بينهم من الاختلاف ما لم يره أحد منهم ويدفع إشكاله!

والسيوطى رحمه الله كان فيما ألفه من الكتب حاطب ليل، فى كل كتاب له مذهب ومشرب، وما أتى به فى كتابه هذا لا يعول عليه، كما سيرد عليك مردودا وذكر الشيخ الألبانى فى كتابه "تمام المنة "ص.29 :أن السيوطى معروف بتساهله فى التصحيح والتضعيف، فالأحاديث التى صححها أو حسنها، وفيها قسم كبير قد ردها عليه الشارح المناوى، وهى تبلغ المئات، إن لم نقل أكثر من ذلك، وكذلك وقع فيه أحاديث كثيرة موضوعة، مع أنه قال فى مقدمته :وصنته عما تفرد به وضاع أو كذاب، وقد تتبعتها بصورة سريعة، وهى تبلغ الألف -تزيد قليلا أو تنقص كذلك- وأرجو أن أوفق لإعادة النظر فيها وإجراء قلم التحقيق عليها، وإخراجها للناس .ومن الغريب أن قسما غير قليل فيها شهد السيوطى نفسه بوضعها فى غير هذا الكتاب، فهذا كله يجعل الثقة به ضيقة، نسأل الله العصمة، ثم يسر الله -تبارك وتعالى -فجعلت "الجامع الصغير وزياداته" المسمى بـ "الفتح الكبير فى ضم الزيادة إلى الجامع الصغير "قسمين" :صحيح الجامع "... و"ضعيف الجامع " ...وعدد أحاديث "صحيح الجامع "(6469) حديث والموضوع منها (980) حديث على وجه التقريب وهو مطبوع -كالصحيح والحمد لله تعالى.-

وقال أبو الحسنات، محمد عبد الحى اللكنوى (ت 1304 :هـ)" : أما السيوطى :فهو الحافظ المطلع الجماع المنقطع النظير، وهو أوسع العلماء الأجلة الذين ذكرتهم، تساهلا فى إيراد الحديث الضعيف، والتالف، والموضوع وشبهه فى كتبه ورسائله .وإن كان قد عزم -رحمه الله تعالى -أن يصون كتابه الخير " :الجامع الصغير من حديث البشير النذير "عن الحديث الموضوع حيث قال فى فاتحته ... " :وصنته عما تفرد به وضاع أو كذاب ."فإن هذا العزم لم يتم له الوفاء به، فقد وقع منه فى" :الجامع الصغير "نفسه -وفى غيره من كتبه أيضا -أحاديث كثيرة هى من الحديث الموضوع، كما نبه عليها شراحه، كالشيخ المناوى فى شرحه " :فيض القدير شرح الجامع الصغير."

وأضاف اللكنوى" :والأحاديث الموضوعة التى وقعت للحافظ السيوطى -رحمه الله -فى "الجامع الصغير "كثيرة غير قليلة كما سيأتى بيان عددهاوبعضها قد حكم السيوطى نفسه بوضعه فى كتابه : "ذيل اللآلىء ."ونبه اللكنوى إلى عيب قائل فى مؤلف" :الجامع الصغير "بقوله (ص 127)" :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خود علامہ سیوطی نے بھی فترت کے زمانہ میں فوت ہونے کی وجہ سے ناجی ہونے کے قول کو سب سے پہلے ''یحییٰ بن محمد مناوی'' (المتوفیٰ 871ھ) سے سننے کا اعتراف کیا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما ما يوجد فى بعض النسخ من الرمز إلى "الصحيح"، و"الحسن"، و"الضعيف"، بصورة رأس: (ص)، و (ح)، و (ض :(فلا ينبغى الوثوق به، لغلبة تحريف النساخ." !

وقد عد الغمارى عدد الأحاديث الموضوعة المتبادرة الوضع؛ فبلغت عنده 456رواية، بدون تقص .قال المعلق" :وهى أكثر من ذلك بكثير لمن رام الاستقصاء بشروط النقد الموضوعى الصارم المتعددة التخصصات، على ما دأبنا على انتهاجه فى غير ما مؤلف من مؤلفاتنا فى مثل هذه الموضوعات"

لذلك يجب عدم الاعتماد على الرموز التى يوردها السيوطى فى كتابه "الجامع الصغير "أو أقواله -عامة -فى الموضوع للعوار الذى يعتريها من هذين الجانبين :جانب الحكم على الأخبار، وجانب تصحيفات النساخ وتحريفاتهم .وإيرادنا لها إنما هو استئناس لنحكم عليها -نحن -بما تستحقه فعلا.

فالسيوطى إذن :له منهج يستقل به مخالف لمنهج الأئمة المتقدمين المعتدلين، فحينما يرى حديثا فيه ضعف شديد -وهو الذى فيه راو متروك، وما إلى ذلك -يقول :يمكن أن يرتفع ضعفه بتعدد طرقه، وهذا منهج السيوطى وقد صرح به فى ألفيته وفى "التدريب."لهذا تداولته أيدى العلماء والطلاب فى كل زمان ومكان، على اختلاف درجاتهم، وتباين مشاربهم، وتباعد اختصاصاتهم، فلا يكاد يستغنى عنه المحدث، فضلا عن الفقيه والخطيب والأديب.

إلا أن المؤلف ذكر فيه من الأحاديث الضعيفة والمنكرة بل الموضوعة والباطلة، فلذلك كان لا بد لأهل العلم أن يتداركوا إشاعة تلك الأحاديث على الناس، ولهذا كان كتاب "الجامع الصغير" بحاجة إلى العناية ببيان درجات الأحاديث؛ لأن ثقة الجماهير وتداولهم للكتاب جعلهم يعتمدون على رمز السيوطى فى آخر الحديث بما يستحقه من صحة أو حسن أو ضعف؛ لأن الرموز المشار إليها لا يجوز الاعتماد عليها؛ لأنها قد طرأ عليها التحريف والتغيير من النساخ أو الطباع، وقد ترك المؤلف كثيرا من الأحاديث بدون رموز (مقدمة:التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ، ج ا ،ص ۱۲۸ الٰی ۱۳۲ ،لمحمد إسحاق آل إبراهيم،الرياض -حى الريان،المملكة العربية السعودية)

ل مسالک الحنفا فی والدی المصطفی.

بسم الله الرحمن الرحيم.الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى.

مسألة :الحكم فى أبوى النبى صلى الله عليه وسلم أنهما ناجيان وليسا فى النار، صرح بذلك جمع من العلماء، ولهم فى تقرير ذلك مسالك :المسلك الأول :أنهما ماتا قبل البعثة، ولا تعذيب قبلها؛ لقوله تعالى :" وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا "وقد أطبقت أئمتنا الأشاعرة من أهل الكلام والأصول والشافعية من الفقهاء على أن من مات ولم تبلغه الدعوة يموت ناجيا، وأنه لا يقاتل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر مذکورہ فرقِ مراتب پر آنجناب، یا کسی اور کو تعجب ہو، تو اسے بھی کسی دوسرے کے سامنے اپنے اکابر کا تقابل کر کے، اثر انداز ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

رہی جناب کی طرف سے اس موقع پر بندہ کے لیے یہ ملامت کہ اگر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر گزرتے ہوئے، اس مسئلہ کی حساسیت کو پیشِ نظر رکھا، اور احتیاط کا درس دیا، تو آپ نے اس پہلو کو نظر انداز کیوں کیا؟ کیا آپ کا علم ان سے زیادہ ہے، کیا آپ کا تقویٰ ان سے زیادہ ہے؟ کیا آپ کی احتیاط ان سے زیادہ ہے؟

تو جناب کی اس ملامت کا بندہ پر کوئی اثر نہ ہوا، کیونکہ بندہ یہ پہلے ہی ذکر چکا ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے علمی مقام اور تقوے کو بندہ اپنے سے بلند تر سمجھتا ہے۔

جہاں تک مسئلہ کی حساسیت کا تعلق ہے، تو اس کا احساس بندہ کو بحمد اللہ بخوبی ہے، اور یہ بھی علم ہے کہ شریعت کی طرف سے تو یہ مسئلہ صاف صاف طے شدہ تھا، بعض اہلِ علم حضرات کے تسامحات اور مزید براں ''العوام کالانعام'' کے جذبات نے اس مسئلہ کو زیادہ حساس بنادیا، اور اس میں غلو پیدا کر دیا، جس کو دور کرنا ضروری ہے۔

اور رہا احتیاط کے درس کا معاملہ؟ تو اس درس کے متعلق پہلے ہی ذکر کیا جاچکا کہ قرآن وسنت اور معتبر احادیث میں جس بات کا ذکر آ گیا، وہ احتیاط کے ہرگز منافی نہیں، البتہ اس میں ایسا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حتی یدعی إلی الإسلام، وأنه إذا قتل یضمن بالدیة والکفارة، نص علیه الإمام الشافعی رضی الله عنه وسائر الأصحاب، بل زاد بعض الأصحاب وقال :إنه یجب فی قتله القصاص، ولکن الصحیح خلافه؛ لأنه لیس بمسلم حقیقی، وشرط القصاص المکافأة، وقد علل بعض الفقهاء کونه إذا مات لا یعذب بأنه علی أصل الفطرة، ولم یقع منه عناد، ولا جاءه رسول فکذبه، وهذا المسلک أول ما سمعته فی هذا المقام الذی نحن فیه من شیخنا شیخ الإسلام شرف الدین المناوی فإنه سئل عن والد النبی صلی الله علیه وسلم هل هو فی النار؟ فزأر فی السائل زأرة شدیدة، فقال له السائل :هل ثبت إسلامه؟ فقال :إنه مات فی الفترة، ولا تعذیب قبل البعثة .ونقله سبط ابن الجوزی فی کتاب "مرآة الزمان "عن جماعة، فإنه حکی کلام جده علی حدیث إحیاء أمه صلی الله علیه وسلم، ثم قال ما نصه :وقال قوم :قد قال الله تعالی:" وما کنا معذبین حتی نبعث رسول" والدعوة لم تبلغ أباه وأمه، فما ذنبهما، وجزم به الآبی فی "شرح مسلم "، وسأذکر عبارته(الحاوی للفتاوی، ج۲، ص۲۴۵،مسالک الحنفا فی والدی المصطفی)

انداز اختیار کرنا، درست نہیں، جس سے نبی کی تنقیص لازم آتی ہو، اور یہ بھی باحوالہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ''ابوین النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے کفر کے حکم سے نبی کی تنقیص لازم نہیں آتی۔ اس حیثیت سے اس کو احتیاط کے خلاف سمجھنا درست نہیں، اور اگر کوئی اس کو احتیاط کے خلاف سمجھتا ہے، تو یہ اس کی اجتہادی فکر کا نتیجہ ہے، جس کے جس طرح صواب ہونے کا احتمال ہے، اسی طرح خطاء ہونے کا بھی احتمال ہے، اور نصوص سے اس کے اجتہادی خطاء ہونے کی تائید ہوتی ہے، ورنہ تو نصوص میں ''حکمِ کفر'' کا ذکر نہ کیا جاتا۔

پھر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس بات کو علامہ شامی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، خود سے کوئی حکم نہیں لگایا، اور علامہ شامی کی اس عبارت پر کلام دوسرے موقع پر ہم نے خود ہی کر دیا ہے۔

پس جس موقف کو ہم قرآن وسنت اور جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی طرف سے بیان کردہ دلائل کی اتباع میں راجح ہی نہیں سمجھتے، اس کو ہمارے اوپر حجت بنا کر پیش کرنا، کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

اور اگر پھر بھی جناب کو یہ بات تسلیم نہ ہو، تو ہمیں حق ہوگا کہ ہم علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ شامی رحمہما اللہ سے پہلے کے اکابر، محدثین ومجتہدین اور مفسرین وفقہائے کرام کی رائے پیش کر کے، آپ سے یہی سوال کریں کہ اس حدیث پر گزرتے ہوئے، اس مسئلہ کی حساسیت کو انہوں نے کیوں پیشِ نظر نہیں رکھا، اور احتیاط کا درس کیوں نہیں دیا، اور انہوں نے اس پہلو کو نظر انداز کیوں کیا؟ کیا بعد کے حضرات کا علم، یا اُن کا تقویٰ پہلے حضرات سے زیادہ ہے؟ کیا بعد کے حضرات کی احتیاط ان سے زیادہ ہے؟

اس مسئلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کی رائے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ بھی ملحوظِ خاطر رکھتے کہ

اس مقام پر علامہ صاحب رحمہ اللہ کس احتیاط کی تلقین کر رہے ہیں؟

یقیناً ان کی رائے، ان کی شرح، ان کا بیان حرزِ جان بنانے والا، اور امت کے حق میں اتحاد و اتفاق کی فضا برقرار رکھنے والا، نیز افتراق، انتشار سے محفوظ راستہ کی نشاندہی تھی، اے کاش! تھوڑے لمحات کے لیے آپ غور کر لیتے، یا آئندہ غور و خوض کا موقع مل جائے، تو امتِ محمدیہ پر شفقت ہوگی'' ۔انتہٰی۔

کلام :

ہم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت، اور ان کے اور اپنے مقام ومرتبہ کے متعلق، متعدد مرتبہ صاف صاف کلام کر چکے ہیں۔

لیکن چونکہ جناب کو اپنے مطلب کی بات علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی طرف سے نقل کردہ، ایک عبارت میں نظر آتی ہے، اس لیے آپ اس کا بار بار اعادہ کرتے ہیں، اور دوسروں کے سامنے یہ تأثر قائم کرنا چاہتے ہیں کہ بندہ ان اکابر کے طرزِ عمل سے ہٹا ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی آپ کی طرف سے اس خیانت کا بھی ارتکاب ہوتا ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر مشائخِ دیوبند اور جلیل القدر متقدمین کا اس بارے میں کیا موقف اور طرز رہا ہے؟

اگر آپ کو کسی بزرگ کا طرزِ عمل پسند ہونے کی وجہ سے وہ حرزِ جان بنانے والا اور امت کے حق میں اتحاد و اتفاق کی فضا برقرار رکھنے والا، اور افتراق و انتشار سے محفوظ راستہ دکھائی دیتا ہے، تو ضروری نہیں کہ سب اسی ایک راستہ پر چلیں، اور اسی ایک راستہ کے بارے میں مذکورہ موقف کو اختیار کریں، بلکہ ان کو یہی اوصاف دوسرے طرزِ عمل میں بیان کرنے کا بھی حق ہوسکتا ہے، جس کے راجح و مرجوح ہونے کے فیصلہ کے لیے پھر قرآن وسنت اور اہلُ السنۃ و الجماعۃ کے اصل موقف کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور اس کی بنیاد پر اس کا فیصلہ بھی نہایت آسان ہوگا، جس کی طرف آپ متوجہ ہونے کے لیے آمادہ نہیں، بلکہ مختلف حیلے و بہانے کر کے، اس سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

اس مسئلہ میں علامہ آلوسی کے موقف پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت مولانا محمود آلوسی رحمہ اللہ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

واستدل فی الآیة علی الایمان ابویه صلی اللّٰه علیه وسلم کما ذهب الیه کثیر من أجلة اهل السنة و أنا اخشی الکفر علی ما یقول فیهما رضی اللّٰه عنهما علی رغم انف علِیّ القاری و أضر به بضد ذالک الا أنی لا اقول بحجیة الآیة علی هذا المطلب (روح المعانی: پ ۱۹/ ۱۳۸)

سورہ عبس کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

ولا ینبغی أن یلتفت الیها کما لا یخفیٰ والذی أدین اللّٰه تعالٰی به نجاة ابویه صلی اللّٰه علیه وسلم، و قد ألفت رسائل فی ذالک رغما لأنف علِیّ القاری ومن وافقه......الخ (روح المعانی: سورہ عبس، پ: ۳۰)''. انتھٰی.

کلام:

علامہ آلوسی (المتوفیٰ 1270ھ) نے اپنی تفسیر ''روحُ المعانی'' میں اس مسئلہ کے متعلق جو کلام فرمایا ہے، وہ علامہ سیوطی سے مختلف نہیں۔

لیکن جناب کو جس کے نام سے بھی اپنی خواہش کے مطابق بات ملتی ہے، اس کو نمایاں انداز میں ذکر کر کے ریت کی عمارت قائم کرنے کی بے سود کوشش کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

چنانچہ علامہ آلوسی نے ایک مقام پر آزر کے ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے کی نفی اور چچا ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں کسی بھی کافر کے نہ ہونے کا حکم

لگایا ہے، جس کے وہی انتہائی کمزور دلائل نقل کیے ہیں، جو علامہ سیوطی اور ان کے اس مسئلہ میں ہم خیال حضرات نے ذکر کیے ہیں، اور محققین ان کے مسکت جوابات دے چکے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: ''روحُ المعانی للآلوسی'' ج۴ص ۱۸۴، ۱۸۵، سورۃ الانعام)

اور ایک مقام پر ''روحُ المعانی'' میں ہی تمام آباءِ انبیاء کے مہدی و موحد ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ''روحُ المعانی للآلوسی'' ج۴ص ۲۰۴، سورۃ الانعام)

ایک اور مقام پر ''روحُ المعانی'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حدیث ذکر کر کے خود اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کے مابین مشہور نزاع ہے۔

(ملاحظہ ہو: ''روحُ المعانی للآلوسی'' ج۶ص ۳۳، سورۃ التوبۃ)

جبکہ ہم متقدمین سے باحوالہ نقل کر چکے کہ صحیح و حسن درجہ کی احادیث سے اس مسئلہ میں جو کچھ ثابت ہے، اہل السنۃ کا اصل مسلک وہی ہے، اور احیائے ابوین کا ذکر تو کسی بھی باسند روایت میں نہیں، اور جس روایت میں احیائے ام کا ذکر ہے، وہ سند کے اعتبار سے صحیح احادیث کے مقابلہ میں ناقابلِ اعتبار ہے۔

ایک مقام پر ''روحُ المعانی'' میں ''بالساجدین'' سے ''مؤمنین'' کا مراد ہونا، اور ''اصلابِ طاهرین'' کی روایت سے ایمانِ ابوین پر استدلال کیا گیا ہے، اور ملا علی قاری پر اس مسئلے کے متعلق سخت نکیر کی گئی ہے۔

(ملاحظہ ہو: ''روحُ المعانی للآلوسی'' ج۱۰ ص ۱۳۴، ۱۳۵، سورۃ الشعراء)

نیز علامہ آلوسی نے سورہ عبس میں اس مسئلے پر ملا علی قاری کے برخلاف، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کی نجات، بلکہ تمام آباء کے ناجی ہونے کا عقیدہ ذکر کیا ہے، اور اسی کے ساتھ سورہ عبس کی آیتِ فرار کے ضمن میں ابنِ عباس اور حسن سے مروی روایات کے بارے میں فرمایا کہ دونوں روایات ناقابلِ التفات ہیں۔

(ملاحظہ ہو: ''روحُ المعانی للآلوسی'' ج۱۵ ص ۲۵۱، ۲۵۲، سورۃ عبس)

چونکہ علامہ آلوسی کے مستدلات بھی، علامہ سیوطی وغیرہ سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ ان ہی سے ماخوذ ہیں، جن پر مدلل انداز میں کلام دوسرے مقامات پر کیا جاچکا ہے۔

اور ہم نے پہلے شیخ نضال کے حوالے سے تحریر کیا تھا کہ:

پس انتہائی تعجب ہے اس شخص پر جو ملا علی قاری کے اوپر نکیر کرتا ہے، اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے ملاعلی قاری کی ناک رگڑنا چاہتا ہے، حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ خود جلیلُ القدر ہستیوں کے کلام پر مطلع نہیں ہوا، اور ان جیسے (ملاعلی قاری پر نکیر کرنے والے) لوگوں کے ذمہ تھا کہ وہ علم کے شہروں کی جستجو کرتے، اور علم کے شہروں اور سمندروں کی چھان بین کرتے کہ کیا کوئی ان کے چھٹکارے کا راستہ ہے؟ لیکن افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اس قسم کے لوگوں نے جو جوابات دیے ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آباء واجداد کے نسب کی شرافت اور ان کی شان کے بلند ہونے کی خبر دیتے ہیں، اور ان جیسے لوگوں کی بحث کا ثمرہ اور کھیتی کا بیج اور ان کے فیصلوں کے نتائج صرف ملاعلی قاری کو رگڑا دینا ہے، یہاں تک کہ ملاعلی قاری کی شان میں ان کی طعن وتشنیع بہت زیادہ آگے بڑھ گئی، جو اِن کی کم علمی اور قلتِ مطالعہ کا نتیجہ ہے، (ورنہ اگر ملاعلی قاری پر نکیر و اعتراض کرنے والے لوگ، دیگر جلیلُ القدر متقدمین کی تصریحات ملاحظہ کر لیتے ،تو ایسی جرأت ہرگز نہ کرتے)۔

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲ص۴۵۵،۴۵۶)

نیز ہم نے اپنے سابق مضمون میں ہی ایک مقام پر شیخ نضال کے حوالے سے ہی نقل کیا تھا کہ:

''اور اس تفصیل سے علامہ آلوسی کی یہ تاویل بھی باطل قرار پاتی ہے، جو انہوں نے اپنی تفسیر میں فرمائی ہے کہ رازی کا یہ قول قلتِ اطلاع سے ناشی ہے (ملاحظہ ہو''روح المعانی للآلوسی'')

اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے واضح کر چکے ہیں کہ وہ کون ہے کہ جو مطلع نہیں ہوا (آیا کہ امام رازی، یا خود علامہ آلوسی اور علامہ سیوطی وغیرہ)''

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۵۲۹)

لیکن شاید جناب کو ہمارا نقل کردہ مدلل ومفصل کلام ہم عصری، اور اپنی خواہش کے خلاف ہونے کے باعث بہت ہلکا، اور اس کے برعکس علامہ آلوسی کا کلام بہت بھاری نظر آتا ہے۔

جہاں تک علامہ آلوسی کا سورہ عبس کے ضمن میں ھابیل کے قابیل سے، اور نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے سے، اور لوط علیہ السلام کے اپنی بیوی سے، اور ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد سے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ سے، فرار اختیار کرنے کی روایات پر مذکورہ کلام کا تعلق ہے، تو یہ روایات حضرت حسن، اور قتادہ، وغیرہ سے مروی ہیں۔

چنانچہ ابونعیم اصبہانی (المتوفیٰ: 430ھ) نے حضرت قتادہ سے اس طرح کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ [1]

اور ابواسحاق احمد بن محمد ثعلبی (المتوفیٰ: 427ھ) نے ''الکشف والبیان'' میں حضرت حسن، اور حضرت قتادہ کی روایات کو نقل کیا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا خيثمة بن سليمان فى كتب إلي، وحدثنى عنه عمر بن أحمد بن عثمان قال: ثنا عمر بن عمرو الحنفي، قال: ثنا أبي قال: ثنا خليد بن دعلج، عن قتادة، فى قوله:"يوم يفر المرء من أخيه وأمه وأبيه وصاحبته وبنيه"قال:"من أخيه"هابيل من قابيل،"وأمه وأبيه"نبينا عليه الصلاة والسلام من أمه، وإبراهيم من أبيه،"وصاحبته وبنيه"قالوا: لوط من صاحبته ونوح من بنيه (حلية الاولياء لابى نعيم، ج٢ ص ٣٤١، فمن الطبقة الأولى من التابعين، تحت ترجمة "قتادة بن دعامة ومنهم الحافظ الرغاب الواعظ الرهاب")

[2] وأخبرني ابن فنجويه قال :حدثنا مخلد قال :حدثنا ابن علوية قال :حدثنا إسماعيل بن عيسى قال :حدثنا إسحاق بن بشر قال :أخبرني شيخ لنا عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن الحسن قال :أول من يفر يوم القيامة من أبيه إبراهيم وأول من يفر من أمه إبراهيم وأول من يفر من ابنه نوح، وأول من يفر من أخيه هابيل بن آدم، وأول من يفر من صاحبته نوح ثم لوط، ثم تلا هذه الآية يوم يفر المرء من أخيه وقال يروون أن هذه الآية نزلت فيهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورابنِ عساکر(المتوفیٰ:571ھ) نے حضرت قتادہ سے، انہوں نے حضرت حسن سے، اس طرح کی روایت ذکر کی ہے، تاہم اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا ذکر نہیں۔ [1]

اورابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ''تنویر المقباس ''میں بھی اس بات کا ذکر ہے، وہ الگ بات ہے کہ اس تفسیر کی ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی کیا حیثیت ہے۔ [2]

ان روایات کا مفسرین نے بھی حسبِ معمول اپنی تفاسیر میں سورہ عبس کی مذکورہ آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اوران کی تردید نہیں کی۔

چنانچہ امام بغوی شافعی (المتوفیٰ:510ھ) نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے اس روایت کو ذکر کیاہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وأخبرنا أبو بكر محمد بن أحمد بن عبدوس قال :أخبرنا أبو بكر بن محمد بن حمدون بن خالد قال :حدثنا أبو حنيفة محمد بن عمرو قال: حدثنا أبى قال :حدثنا خليد بن دعلج عن قتادة فى قول الله سبحانه يوم يفر المرء من أخيه قال :يفر هابيل من قابيل وأمه وأبيه، قال :يفر النبى صلى الله عليه وسلم من أمه وإبراهيم من أبيه وصاحبته وبنيه، قال :لوط من صاحبته ونوح من ابنه(الكشف والبيان عن تفسير القرآن، ج١٠، ص١٣٤، ١٣٥، سورة عبس)

[1] أنبأنا أبو الفضائل الحسن بن الحسن وأبو تراب حيدرة بن أحمد وأبو الحسن على بن بركات قالوا أخبرنا أبو بكر الخطيب أخبرنا أبو الحسن بن رزقوية أنا عثمان بن أحمد الدقاق وأحمد بن سندى الحداد قالا أخبرنا الحسن بن على حدثنا إسماعيل بن عيسى حدثنا أبو حذيفة إسحاق بن بشر أخبرنى شيخ لنا عن سعيد بن أبى عروبة عن قتادة عن الحسن قال إن أول من يفر يوم القيامة من أبيه إبراهيم وأول من يفر من أمه إبراهيم وأول من يفر من ابنه نوح وأول من يفر من أخيه هابيل بن آدم وأول من يفر من صاحبته لوط ونوح وتلا هذه الآية "يوم يفر المرء من أخيه وأمه وأبيه وصاحبته وبنيه" فيرون أن هذه الآية نزلت فيهم والله أعلم (تاريخ دمشق لابنِ عساكر، ج٦٤ ص٨، حرف الهاء، تحت ترجمة :هابيل بن آدم صلى الله عليه وسلم)

[2] ''وصاحبته''ويفر من زوجته' 'وبنيه''ويفر من بنيه ويقال يفر هابيل من قابيل ومحمد صلى الله عليه وسلم من أمه آمنة وإبراهيم من أبيه ولوطا من زوجته واعلة ونوح من ابنه كنعان(تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، ص٥٠٢، سورة عبس)

[3] حكى عن قتادة قال فى هذه الآية: (يفر المرء من أخيه) ، قال: يفر هابيل من قابيل، ويفر النبى صلى الله عليه وسلم من أمه، وإبراهيم عليه السلام من أبيه، ولوط عليه السلام من صاحبته ونوح عليه السلام من ابنه(تفسير البغوى، ج٥ص٢١٢، سورة عبس)

اور امام قرطبی (المتوفیٰ: 671ھ) نے اپنی تفسیرِ قرطبی میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور اس کو ''فرارِ تبرؤ'' سے تعبیر کیا ہے۔ [1]

نیز ابواللیث سمرقندی (المتوفیٰ: 373ھ) نے بھی اس روایت کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ [2]

اور امام خازن (المتوفیٰ: 741ھ) نے بھی اس آیت کے ضمن میں ایک قول یہی نقل کیا ہے۔ [3]

اور ابوالسعود عمادی (المتوفیٰ: 982ھ) نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ [4]

اور ابوالمظفر سمعانی (المتوفیٰ: 489ھ) نے بھی اس آیت کے ضمن میں ایک قول یہی ذکر کیا ہے۔ [5]

---

[1] وذكر الضحاك عن ابن عباس قال: يفر قابيل من أخيه هابيل، ويفر النبي صلى الله عليه وسلم من أمه، وإبراهيم عليه السلام من أبيه، ونوح عليه السلام من ابنه، ولوط من امرأته، وآدم من سوأة بنيه .وقال الحسن: أول من يفر يوم القيامة من، أبيه: إبراهيم، وأول من يفر من ابنه نوح، وأول من يفر من امرأته لوط .قال: فيرون أن هذه الآية نزلت فيهم وهذا فرار التبرؤ(تفسير القرطبي، ج ۱۹ ص ۲۲۵، سورة عبس)

[2] وقال شهر بن حوشب يوم يفر المرء من أخيه يعني: هو هابيل يفر من أخيه قابيل وأمه وأبيه يعني: محمدا صلى الله عليه وسلم من أمه وأبيه وإبراهيم من أبيه وصاحبته يعني: لوط– عليه السلام– من امرأته وبنيه يعني: نوح– عليه السلام– من ابنه(تفسير السمرقندى، ج۳ص ۵۴۹، سورة عبس)

[3] وقيل أول من يفر هابيل من أخيه قابيل، والنبي صلى الله عليه وسلم من أمه وإبراهيم عليه الصلاة والسلام من أبيه ولوط من صاحبته ونوح من ابنه(تفسير الخازن،ج۴،ص ۳۹۶، سورة عبس)

[4] وأما الفرار حذار من مطالبتهم أو بغضا لهم كما يروى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أنه يفر قابيل من أخيه هابيل ويفر النبي صلى النبي صلى الله عليه وسلم من أمه ويفر إبراهيم عليه السلام من أبيه ونوح عليه السلام من ابنه ولوط عليه السلام من امرأته فليس من قبيل هذا الفرار(تفسير أبى السعود،ج۹،ص ۱۱۳،سورة عبس)

[5] قيل :يفر لئلا يروا الهوان الذى ينزل فيه، وقيل :يفر منهم ضجرا لعظم ما هو فيه، وفي بعض التفاسير :أن قوله :(من أخيه) قابيل من هابيل.
وقوله :(وأمه) هو الرسول من أمه.
وقوله :(وأبيه) هو إبراهيم -صلوات الله عليه -من أبيه.
وقوله :(وصاحبته) هو لوط -عليه السلام -من زوجته.
وقوله :(وبنيه) هو آدم -عليه السلام -من بنيه المفسدين، وقيل :هو نوح -عليه السلام -من ابنه(تفسير القرآن = تفسير السمعاني، ج٦،ص ۱٦۲،سورة عبس)

اورابوحفص ابنِ عادل حنبلی (المتوفٰی: 775ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس روایت کو منسوب کر کے نقل کیا ہے۔ [1]

اور نظام الدین نیشاپوری (المتوفٰی: 850ھ) نے بھی مذکورہ آیت کے ضمن میں ایک قول یہی ذکر کیا ہے۔ [2]

اور جمال الدین ابن الجوزی (المتوفٰی: 597ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت حسن کی طرف منسوب اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ [3]

البتہ بعض مفسرین نے مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بجائے، چچا کا ذکر کیا ہے۔ [4]

اب جبکہ علامہ آلوسی سے قبل ان بڑی تعداد میں جلیلُ القدر مفسرین سورہ عبس کی مذکورہ آیت کے ذیل میں اس روایت، یا قول کو ذکر کر رہے ہیں، اور اس کی تردید نہیں فرمارہے، تو ان کے مقابلے میں علامہ آلوسی کی تردید فرمانا، زیادہ اہمیت کا حامل نہیں، بلکہ جلیلُ القدر مفسرین کا یہ طرزِ عمل، اہلُ السنۃ کے موقف کی تائید اور علامہ آلوسی کے موقف کی تردید کی ایک مستقل دلیل ہے۔

پھر اگر مذکورہ روایت کو اپنی جگہ برقرار رکھا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے

---

[1] وذكر الضحاك عن ابن عباس، قال: يفر قابيل من أخيه هابيل، ويفر النبى من أمه، ويفر إبراهيم من أبيه، ونوح من ابنه، ولوط من امرأته، وآدم من سوئة بنيه (تفسير اللباب لابنِ عادل، ج٢٠ ص١٧١، سورة عبس)

[2] وقيل: أول من يفر من أخيه هابيل، ومن أبويه إبراهيم، ومن صاحبته نوح ولوط، ومن ابنه نوح .والأنسب عندى أن يكون الفار قابيل (تفسير النيسابورى، ج٦ ص٤٤٩، سورة عبس)

[3] قال الحسن: أول من يفر من أخيه هابيل، ومن أمه وأبيه إبراهيم، ومن صاحبته نوح ولوط، ومن ابنه نوح .وقال قتادة: يفر هابيل من قابيل، والنبى صلى الله عليه وسلم من أمه، وإبراهيم من أبيه، ولوط من صاحبته، ونوح من ابنه (زاد المسير فى علم التفسير، ج٤ ص٤٠٣، سورة عبس)

[4] قوله عز وجل: يوم يفر المرء من أخيه .هابيل من قابيل، وسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من عمه، وإبراهيم من أبيه، ولوط عليه السلام من امرأته، ونوح من ولده (تفسير التسترى، ص١٨٧، سورة عبس)

بجائے، چچا کا ذکر کر دیا جائے، تو شاید اس روایت کے مضمون کا علامہ آلوسی بھی انکار نہ فرمائیں، لیکن چونکہ وہ ''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کے والد ہونے کا انکار کرتے ہیں، اس لیے وہ اس میں یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ والد سے مراد چچا ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں جن افراد کا ذکر ہے، ان سب کا کفر مختلف نصوص اور معتبر روایات سے ثابت ہے، اس لیے بحیثیتِ کفر اور بحیثیت فرادِ تبرؤ ، اس روایت میں کسی فرد کے استثناء کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

علامہ آلوسی چونکہ تمام آباءِ انبیاء کے مومن وموحد ہونے کے قائل ہیں، اس لیے ان کو مذکورہ روایت قابلِ تعجب نظر آئی، حالانکہ متقدمین اہل السنۃ کے نزدیک تمام آباءِ انبیاء کے مومن وموحد ہونے کا قول ہی قابلِ تعجب اور اہلِ روافض کا ہے، جو نصوص کے موافق نہیں۔

اس کے علاوہ محمد رشید رضا حسینی (المتوفیٰ:1354ھ) نے ''تفسیرُ المنار'' میں علامہ آلوسی (المتوفیٰ:1270ھ) کے مذکورہ کلام اور ان کے مستدلات کا رد کیا ہے۔

ذیل میں اس موقع پر ''تفسیرُ المنار'' میں ذکر کردہ بحث کا خلاصہ ومفہوم بیان کیا جاتا ہے:

''بعض لوگوں نے ''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ ہونے، اور چچا ہونے پر استدلال کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تمام آباءِ انبیاء کافر نہیں تھے، اور ابراہیم علیہ السلام نے ''آزر'' کو سخت جفا والے الفاظ سے خطاب کیا تھا، جو نبیوں کی شان نہیں۔

اور امام رازی نے اس قول کو شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور شیعہ کے مقابلے میں، اشاعرہ اور تمام اہل السنۃ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ ''آزر'' ابراہیم علیہ السلام کے والد اور کافر تھے، اور انہوں نے اہلِ سنت کے مقابلے میں شیعہ کے قول کی تردید کی ہے۔

لیکن علامہ آلوسی نے یہ فرمادیا کہ اہلِ سنت کے جمِ غفیر کے نزدیک ''آزر'' ابراہیم کے والد نہیں تھے، اور علامہ آلوسی نے یہ دعویٰ کردیا کہ آبـاءُ النبـی میں کوئی بھی سرے سے کافر نہیں تھا، جس کی دلیل میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ''**لـم أزل أنقل مـن أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات** ''اور علامہ آلوسی نے یہ بھی فرمادیا کہ اہلِ سنت نے اس موضوع پر رسائل تحریر کیے ہیں، اور یہ بھی کہہ دیا کہ امام رازی نے جو اس کو شیعہ کا قول قرار دیا ہے، تو یہ قلتِ تتبع سے ناشی ہے۔

پھر علامہ آلوسی نے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ دلائل سیوطی کے بعض رسائل سے اخذ کیے ہیں، جن میں سیوطی نے ''رائی کو پہاڑ'' بنا کر پیش کیا ہے، اور مہمل اور منکر آثار کو ان صحیح احادیث پر ترجیح دی ہے، جو صریح آیات سے مؤید ہیں، اور علامہ آلوسی نے اپنے اس قول ''**وألـفـوا فـی هـذا المطلب الرسائل** '' سے ان ہی رسائل کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں علامہ آلوسی نے یہ اعتماد کیا کہ وہ جو دعویٰ کررہے ہیں، وہ اہلُ السنۃ کی موافقت ہے۔

لیکن علامہ آلوسی جیسے نقاد سے اس سخت ترین تسامح کا واقع ہونا، تعجب خیز بات ہے، جس میں وہ اس خواہش کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں، جو ان کے دل میں پائی جاتی تھی، اور وہ اُن دلائل کی طرف میلان ہے، جو انبیائے کرام کے آباء واجداد کی نجات پر دلالت کرتے ہیں۔

انہوں نے یہ سمجھا کہ انبیائے کرام سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اصول کی نجات سے بھی محبت کی جائے۔

لیکن جب یہ بات ثابت ہوجائے کہ ان میں سے بعض نے کفر پر اصرار کیا، اور اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ ہمارے لیے محکم ذکر کو بیان کرے، اور اپنے رسول کو اس کے والد کی **عـاقبت فی النار** سے مطلع کرے، پھر وہ نبی اپنی امت

کو کمالِ توحید کی وجہ سے اس کی خبر دے، تو کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا تقاضا یہ نہیں ہوگا کہ اس پر ایمان لایا جائے، اور اس کو اسی حیثیت سے بیان کیا جائے؟ یا پھر ان کی محبت تحریف اور تاویل اور نسبِ رسول کی تعظیم میں مبالغہ قرار پائے گی، اور اس چیز کو زیادہ اہمیت دینا پایا جائے گا کہ اللہ کے نزدیک کرامت کا مستحق نبیوں کے نسب کے زیادہ قریب ہونا ہے، اور ان اہلِ مذاہب کے قول کو ترجیح دینا پایا جائے گا، جنہوں نے آخرت میں مخلوق کی نجات اور سعادت کے لیے اپنے نبیوں کی وجاہت اور ان کی شخصی تاثیر کو بہت اہم قرار دے دیا ہے، اور ان کی اتباع کرنے، اور ان کے لائے ہوئے اصولِ ایمان، اور فضائلِ اعمال سے ہدایت پانے کو، اہم قرار نہیں دیا، جس کا اس آیت میں ذکر ہے ''ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين''۔

البتہ دلوں میں یہ چیز کھوٹ پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے متعلق جو فیصلہ فرمادیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کسی بت پرست اور مشرک وکافر کے بارے میں جس مآل وانجام سے آگاہ فرمادیا ہے، اور اس کا صحیح احادیث میں ذکر آ گیا ہے، اس کو قبول نہ کیا جائے، اور محبت وعقیدت کی بنیاد پر اس فیصلے کا انکار کیا جائے، یا اس میں تاویلات کر کے محض محبت وعقیدت کی بنیاد پر قیاس آرائیاں کی جائیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ''آزر'' کے متعلق، قرآن مجید میں بھی جابجا تصریح آئی ہے، اور احادیث میں بھی تصریح آئی ہے، یہاں تک کہ صحیح بخاری میں بھی اس سلسلے میں احادیث وارِد ہوئی ہیں، اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور والدہ کے متعلق بھی، الگ الگ صحیح احادیث میں فیصلہ آچکا ہے۔

لیکن ان سب کو نظر انداز کر کے دور دراز کے استدلالات واستنباطات کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی نے، علامہ سیوطی وغیرہ کی اتباع میں جو ’’لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات‘‘ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کے ایمان پر، حضرت آدم علیہ السلام تک، استدلال کیا ہے، وہ حدیث سند کے اعتبار سے کسی کام کی نہیں، اور اگر اس کو کسی درجے میں معتبر بھی مانا جائے، تو اس سے آباء النبی کا ایمان ہرگز ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے نسب کا پاکیزہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس غیر معتبر حدیث سے ایسے معنیٰ پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے، جو معنیٰ، صحیح احادیث کے مخالف ومتعارض ہوں؟

جہاں تک ’’وتقلبك في الساجدين‘‘ کے ذریعے استدلال کا تعلق ہے، تو اس سے بھی ایسے معنیٰ پر استدلال کرنا درست نہیں، جو صحیح احادیث کے مخالف ہو، اور اس ضمن میں جو بعض روایات کو بیان کیا جاتا ہے، وہ سند اور متن کے اعتبار سے درست نہیں۔

حضرت ابراہیم کے والد کے کافر اور ’’آزر‘‘ کے والد ہونے کا ثبوت، تو قرآن وسنت سے واضح ہے، اور کسی لفظ کو اس کی حقیقت سے پھیر کر مجازی معنیٰ پر محمول کرنا، اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس کی کوئی معتبر دلیل نہ ہو، اور یہاں کوئی معتبر دلیل نہیں پائی جاتی، اور اس سلسلے میں جو دلائل ذکر کیے جاتے ہیں، ان کا حال آپ کو معلوم ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور والدہ کے متعلق بھی فیصلہ صحیح احادیث میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے، یہ احادیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں، اور بعض دیگر محدثین نے بھی معتبر سند کے ساتھ ان کو روایت کیا ہے۔

اور امام نووی اور قاضی عیاض اور دیگر جلیلُ القدر محدثین اور احادیث کے شارحین نے بھی ان احادیث کی شرح میں اہلِ سنت کے موقف کو واضح کر دیا ہے، جس

کے بعد شبہ اور بے جا تاویلات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ''ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی '' کے ضمن میں اس طرح کے آثار مروی ہیں، اسی کے ساتھ ابوطالب کے متعلق بھی مذکورہ آیت کے شانِ نزول کا ذکر، روایات میں آیا ہے، لیکن اس آیت کے شانِ نزول کو ابوطالب کے لیے مختص سمجھا جاتا ہے، اور دوسرے واقعات کے متعلق شانِ نزول کی نفی کی جاتی ہے، حالانکہ اس نفی کی کوئی وجہ نہیں، اور اس پر جو شبہ کیا جاتا ہے، اس کا علامہ ابنِ حجر وغیرہ نے معقول جواب دے دیا ہے۔

اور علامہ سیوطی کی عجیب وغریب رائے میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی زیارتِ قبر کی احادیث کے بارے میں یہ گمان کرلیا ہے کہ ان احادیث کو نہ تو اصحابِ صحاح نے روایت کیا، اور نہ اصحابِ سنن نے، حالانکہ اولاً تو صحیح مسلم نے ان احادیث کو روایت کیا ہے، دوسرے کسی حدیث کا مخصوص کتاب میں موجود ہونا، اس کے حجت اور صحیح ہونے کے لیے ضروری نہیں۔

پھر علامہ سیوطی نے ''ان ابی واباک فی النار '' میں یہ دور دراز کی تاویل کی کہ ''أب'' سے مراد، آپ کے چچا ابوطالب کو لے لیا، اور یہ غور نہیں کیا کہ ابوطالب نے وفات کے وقت عبدالمطلب کے دین پر فوت ہونے کا اقرار کیا تھا، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے شرک وکفر پر فوت ہونا قرار دیا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ عبدالمطلب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں داخل ہیں۔

جبکہ علامہ سیوطی تمام آباء واجداد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اور کبھی علامہ سیوطی یہ گمان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق احادیث منسوخ ہوچکی ہیں، لیکن شریعت کے اتنے بڑے اصول کو بھول جاتے ہیں کہ ''اخبار'' میں ''نسخ'' جاری نہیں ہوا کرتا، اور حیرت یہ ہے کہ انہوں نے اس اصول کا خود ہی ''الاتقان'' میں ذکر بھی کیا ہے، اور ''ان ابی و اباک فی النار'' والی حدیث کے پورے الفاظ میں غور کیا جائے، تو پھر سوال کرنے والے کا جو سوال، اس حدیث میں مذکور ہے، وہ بھی اپنے والد کے متعلق ہے، اگر چچا کے متعلق ہوتا، تو چچا کا سوال کیا جاتا، اور جواب میں بھی یہی کہا جاتا کہ ''ان عمی وعمک فی النار''

اس طرح کی وجوہات کے پیشِ نظر مذکورہ اقوال تردید کے علاوہ کسی اور چیز کے لائق نہیں، اور مناسب یہ تھا کہ علامہ سیوطی کے قول کو تعجب اور رَد کے طور پر ذکر کیا جاتا، دراں حالیکہ بعض علماء نے رد بھی کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بہت سے لوگ دھوکہ کھا گئے، اور انہوں نے احیاءِ ابوین کی موضوع، یا ایسی ضعیف حدیث کو مستدل بنالیا، جو قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے معارض ومخالف ہے۔

علامہ سیوطی نے ایک رائے یہ بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہلِ فترۃ میں داخل ہیں، حالانکہ جن افراد کے اہلِ نار ہونے کی تصریح نصوص میں وارد ہوگئی، ان کو اہلِ فترۃ میں داخل مان کر ناجی قرار دینا بھی درست نہیں، اور اہلِ امتحان میں داخل مان کر، کامیاب قرار دینے کے بھی کوئی معنیٰ نہیں۔

جو حضرات ضعیف اور منکر روایات سے آباء النبی کے ایمان کے اثبات پر، استدلال کرتے ہیں، وہ بہت بعید ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت سی آیات اور صحیح وصریح احادیث میں تاویل کرتے ہیں، حالانکہ اس طرح کی روایات کی وجہ سے صحیح احادیث اور قرآنی آیات میں تاویلات کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور وہ

شریعت کے اس اہم حکم اور حکمت سے غافل ہو جاتے ہیں کہ قرآن وسنت میں جو مختلف نبیوں کے اقرباء کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان کی تصریح فرمائی گئی ہے، کہیں کسی کے والد کے متعلق، کہیں کسی کے بیٹے کے متعلق، کہیں کسی کی بیوی کے متعلق، اور کہیں کسی کے چچا کے متعلق، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ''ابولہب'' کے متعلق، ایک پوری سورت نازل کر دی گئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید اور ایمان کی اصل بنیاد کو واضح کیا جائے، اور شرک اور بت پرستی کو اس سے ممتاز کیا جائے، اور یہ بتلایا جائے کہ نجات کا مدار توحید و ایمان پر ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی شخص کسی کے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں، اور ہدایت دینا بھی کسی کے اختیار میں نہیں، انبیاء علیہم السلام کا کام تو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے، اگر وہ اس پیغام کو قبول نہ کریں، تو وہ نجات کے مستحق نہیں، اگرچہ کسی نبی کے عزیز و قریب، اور اہلِ محبت میں سے کیوں نہ ہوں۔

جبکہ اسلام کے مقابلے میں بت پرستوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اپنے درمیان مخلوق کو واسطہ بناتے ہیں، اور انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں، اور محض نسب اور محبت، یا دنیاوی تعلق کی بنیاد پر نجات کو کافی سمجھتے ہیں، اور ان کو اللہ کے نزدیک اپنا شفیع اور اولیاء سمجھتے ہیں، جس کا قرآن وسنت میں جا بجا ذکر آیا ہے۔

پس قرآن وسنت میں انبیاء علیہم السلام کے اقرباء اور نسبی رشتہ داروں کے متعلق، جس بنیاد پر تصریحات کی گئی تھیں، ان میں تاویلات کر کے، اسلام کی اس اہم بنیاد اور حکمت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسی قسم کی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ ''لن تنفعكم أرحامكم ولا أولادكم يوم القيامة يفصل بينكم ... '' اور نوح علیہ السلام کے بیٹے

کا بھی ذکر کیا گیا، اور بیٹے سے تعلق کی بنیاد پر جو حضرت نوح علیہ السلام نے درخواست کی، اس پر سخت تنبیہ بھی کی گئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والداور والدہ کا بھی الگ الگ اور مستقل طور پر احادیث میں ذکر کیا گیا۔

لیکن ان سب چیزوں کو نظر انداز کر کے تمام آباء واجداد کے ناجی ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے، اور صحیح وصریح نصوص میں تاویلات کر کے کمزور ترین دلائل سے سہارا حاصل کیا جاتا ہے۔

دراں حالیکہ اس امت کو غلو سے منع کر دیا گیا تھا۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جن افراد واشخاص کے کفر کا قرآن وسنت میں ذکر کر دیا گیا ہے، قرآن وسنت کی اتباع میں، ان کے کفر کا ذکر کرنا، اور اس سلسلے میں سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلام اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کا ذکر کرنا، اور ان کے مقابلے میں مخالفین کے عقیدے کی تردید کرنا، بلاشبہ جائز ہے، اور اس میں اسلام کے اہم اصول اور حکمت کی تبلیغ اور شرک و بت پرستی کی بنیاد کی تردید پائی جاتی ہے، لیکن اس مسئلے کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے نسب کا ادب واحترام ضروری ہے، خواہ وہ مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والداور والدہ کے متعلق ہو، یا آپ کے چچا ابوطالب اور ابولہب وغیرہ کے متعلق ہو، تاہم نسب میں کفر کا ہونا، تنقیص کا باعث نہیں، ورنہ تو آپ کے چچا کے کفر کا ہونا بھی تنقیص کا باعث شمار ہوتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سید آلوسی عفا اللہ تعالیٰ عنہ نے ابراہیم علیہ السلام کے والد کے ایمان کے قول کو ائمۂ اہلِ سنت کے ایک جمِ غفیر کی طرف جو منسوب کیا ہے، تو یہ مہمل بات ہے، اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اصل مذہب وہی ہے، جس پر صحابہ وعلمائے تابعین اور ائمۂ حدیث وفقہ اور ان کے متبعین کا سوادِ اعظم ہے، جو

کتاب وسنت کی نصوص کو مضبوط پکڑتے ہیں، جن میں نہ کسی تحریف کے قائل ہیں، اور نہ کسی بے جا تکلف کے قائل ہیں، اور نہ کسی ایسی نئی رائے کے قائل ہیں، جس کو اہلِ اھواء ایجاد کرتے ہیں، جن میں مشہور فقہاء داخل ہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام داؤد وغیرہ، لیکن ان کی طرف منسوب لوگوں میں بعض معتزلہ اور مرجئہ وغیرہ لوگ بھی داخل ہوگئے ہیں، جو اہلِ سنت کے علاوہ دیگر اقوال کو مذکورہ فقہاء کی طرف منسوب کردیتے ہیں، اور اس سے بہت سے لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں، اس لیے اس قسم کے مسائل میں اصل مراجع سے تحقیق ضروری ہے، اور کسی کے محض دعویٰ کو کافی سمجھنا، غلط فہمی کا باعث ہے''۔

(ملاحظہ ہو: تفسیر المنار لمحمد رشید رضا، ج۷ص۴۴۸ الیٰ ۴۲۱، سورۃ الانعام)

اس مسئلہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے موقف پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تفسیرِ مظہری میں لکھتے ہیں:

و قد صنف سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی اثبات ایمان آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اجمالا، تفصیلا کتابا و ذکر فیہ مالہ و ما علیہ ولخصت منہ رسالۃ فلیرجع الیھا (تفسیر مظہری: پ۱۹، سورۃ شعراء)

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ ''**تقدیس والدی المصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی لکھا ہے''۔انتھیٰ۔

کلام:

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1225ھ) نے جو کچھ اس سلسلے میں فرمایا

ہے،اس کی بنیاد بھی علامہ سیوطی کا کلام ہی ہے۔

جس کی تصریح انہوں نے''التفسیرُ المظھری''میں جابجا فرمائی ہے۔ [1]

یہاں تک کہ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے امام رازی کے موقف کو بھی، ان کی اصل تفسیر سے نقل کرنے کے بجائے، علامہ سیوطی کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس میں خود علامہ سیوطی سے سخت تسامح ہوا ہے، اور یہ تسامح ان سے نقل کرنے میں صاحبِ تفسیرِ مظہری کو بھی ہوا۔ [2]

اس لیے ہم تفسیرِ مظہری کے موقف کو مستقل قرار دینے کے بجائے، علامہ سیوطی کی اتباع والا

---

[1] وقد صنف الشيخ الاجل جلال الدين السيوطى رضى الله عنه فى اثبات اسلام اباء النبى صلى الله عليه وسلم رسائل وأخذت من تلك الرسائل رسالة فذكرت فيها ما يثبت إسلامهم ويفيد اجوبة شافية لما يدل على خلافه فلله الحمد(التفسير المظهرى،ج ١، ص ١٢٠، ١٢١، سورة البقرة)

[2] قال الرازى انه كان عما لابراهيم ولم يكن أبوه وقد سبقه الى هذا القول جماعة من السلف قال الزرقانى فى شرح المواهب ان دليل كون آزر عما لابراهيم ما قد صرح به الشهاب الهيثمى بان اهل الكتابين والتاريخ اجمعوا ان آزر عم ابراهيم كما قال الرازى.

وقال السيوطى روينا بالأسانيد عن ابن عباس ومجاهد وابن جرير والسدى انهم قالوا ليس آزر أبا لابراهيم انما هو ابراهيم بن تارخ .

وقال السيوطى وقفت على اثر فى تفسير ابن المنذر صرح فيه بانه عمه وفى القاموس آزر اسم عم ابراهيم عليه السلام واما أبوه فانه تارخ بالخاء المهملة وقيل بالمعجمة او هما واحد ويؤيد القول بانه لم يكن أبا له عليه السلام ما ذكرنا فى سورة البقرة فى تفسير قوله تعالى ولا تسال عن اصحاب الجحيم انه صح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا حتى بعثت من القرن الذى كنت فيه رواه البخارى .

وقد صنف السيوطى فى اثبات اسلام اباء النبى صلى الله عليه وسلم الى آدم عليه السلام رسائل والله اعلم لكن قال محمد بن إسحاق والضحاك والكلبى ان آزر اسم ابى ابراهيم واسمه تارخ ايضا مثل إسرائيل ويعقوب وقال مقاتل ابن حبان آزر لقب لابى ابراهيم واسمه تارخ قال سليمان التيمى هو سب وعيب ومعناه فى كلامهم المعوج وقيل معناه الشيخ الهرم بالفارسية وعلى هذا عدم انصرافه لانه اسم أعجمى حمل على موازنه والاول أصح وقال سعيد ابن المسيب ومجاهد آزر اسم صنم لقب به لانه كان يعبده او اطلق عليه بحذف المضاف يعنى عبد آزر(التفسير المظهرى، ج٣،ص ٢٥٦، ٢٥٧،سورة الانعام)

وقد صنف السيوطى رحمه الله فى اثبات ايمان اباء النبى صلى الله عليه وسلم اجمالا وتفصيلا كتابا وذكر فيه ما له وما عليه ولخصلت منه رسالة فليرجع إليها(التفسير المظهرى،ج٧،ص ٩٠، سورة الشعراء)

موقف ہی سمجھتے ہیں، اور جب اس سلسلے میں علامہ سیوطی اپنے تسامحات کی وجہ سے قابلِ اتباع نہیں، تو ان کی اتباع کرنے والے صاحبِ تفسیرِ مظہری کیسے قابلِ اتباع ہو سکتے ہیں؟

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حوالہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا واقعہ:

ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں شام کے ایک علاقے میں ایسے آدمی کو عامل بنادیا، جس کا باپ ''منانیۃ'' کی عورتوں سے زنا کیا کرتا تھا، یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی، تو انہوں نے اس شخص کو فرمایا کہ تجھے اس بات پر کس چیز نے ابھارا کہ تو نے ایک ایسے آدمی کو مسلمان کے علاقہ میں سے ایک علاقہ میں عامل بنادیا، جس کا باپ ''منانیۃ'' کے ساتھ زنا کرتا ہے، اس شخص نے جواب میں کہا کہ:

أصلح الله أمير المومنين وما على ما كان أبوه كان أبو النبى (صلى الله عليه وسلم) مشركا''.

''اللہ امیر المومنین کی اصلاح فرمائے، میرے اوپر اس میں کیا حرج ہے، اس کے باپ میں کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ بھی تو مشرک تھے''۔

اس شخص کو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''آہ'' پھر اپنی گردن جھکالی، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میں اس کی زبان کو کاٹ دوں، کیا میں اس کی گردن اڑادوں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ ''**أقد جعلت هذا عدلا للنبى صلى الله عليه وسلم**'' کیا تو نے اس (عامل بنائے گئے) آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرار دے دیا'' جب تک تو زندہ رہے، مجھ سے کوئی کلام مت کرنا۔

ایک دوسری روایت جو ابنِ عساکر نے نقل فرمائی ہے:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد سے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص جو کہ ہمارا عامل ہے، کا باپ ''زندیق'' تھا، تو سلیمان بن سعد نے کہا کہ ''وما یضرک یا أمیر المومنین کان أبو النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کافراً فما ضرہ''۔

اے امیر المومنین! اس میں آپ کو کوئی ضرر نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی تو کافر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کیا ضرر پہنچا''۔

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شدید غصے میں آ گئے، اور فرمایا کہ:

''ماوجدت لہ مثلاً الا النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) فعزلہ''.

تجھ کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہی پیش کرنے کو ملی ہے، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد کو معزول کر دیا۔

اگر سوچا جائے، تو دوسرا نتیجہ بھی نکلتا ہے:

جب ایک حقیقت تھی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سزا کیوں دی؟ بقول آپ کے حقیقت کے باوجود ناراض ہو رہے ہیں، تو اپنے زمانے میں وہ اس پر دلائل قائم کر دیتے، آخر اس مسئلہ میں کوئی راز پنہاں تھا، تبھی تو ناراض ہوئے؟ اگر یہ بات کہنا جرم یا بے ادبی نہ تھی، تو ان کو سزا کیوں دی گئی، لہٰذا آپ بھی غور کر لیتے؟''۔انتھیٰ۔

کلام:

اس مسئلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ناراض ہونے کا کوئی بھی راز پنہاں نہ تھا، سب کچھ عیاں تھا، بعض حضرات نے غلط رنگ دے کر اس عیاں کو، غیر عیاں کرنے کی کوشش کی تھی، جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہونے لگی۔

ہم نے اسی بتکلف پنہاں کئے گئے راز کو دوبارہ اصل حالت کے مطابق عیاں ہونے کے پہلو کی طرف متوجہ کیا تھا، لیکن جناب پھر اس کی اصل حالت کو پنہاں کرانا چاہتے ہیں؟

ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مذکورہ روایات کو خود ہی درج کر کے ان پر باحوالہ کلام بھی کر دیا تھا، لیکن افسوس کہ جناب، یا تو ''کبوتر کے بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنے'' کی مثال کا مظاہرہ کرتے ہیں، یا بندہ کے مضمون سے ہی سرقہ کر کے ''جس تھالی میں کھاتے ہیں، اسی میں چھید کرنے'' پر عمل پیرا ہوتے ہیں، جو جناب کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے بعید نہیں۔

ہم نے لکھا تھا کہ:

ابنِ عساکر نے ''تاریخِ دمشق'' میں معتبر سند کے ساتھ ''نوفل بن فرات'' سے روایت کیا ہے کہ:

''ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں شام کے ایک علاقے میں ایسے آدمی کو عامل بنا دیا، جس کا باپ ''منانية'' کی عورتوں سے زنا کیا کرتا تھا، یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی، تو انہوں نے اس شخص کو فرمایا کہ تجھے اس بات پر کس چیز نے ابھارا کہ تو نے ایک ایسے آدمی کو مسلمانوں کے علاقہ میں سے ایک علاقہ میں عامل بنا دیا، جس کا باپ ''منانية'' کے ساتھ زنا کرتا ہے، اس شخص نے جواب میں کہا کہ:

''أصلح الله أمير المؤمنين وما على ما كان أبوه كان أبو النبى (صلى الله عليه وسلم) مشركا''

''اللہ امیر المومنین کی اصلاح فرمائے، میرے اوپر اس میں کیا حرج ہے، اس کے باپ میں کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ بھی تو مشرک تھے''

اس شخص کو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''آہ'' پھر اپنی گردن جھکالی، پھر سر اٹھا کر

فرمایا کہ کیا میں اس کی زبان کو کاٹ دوں، کیا میں اس کے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹ دوں، کیا میں اس کی گردن اڑا دوں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ:

" أقد جعلت هٰذا عدلا للنبی صلی الله علیه وسلم "

''کیا تو نے اس (عامل بنائے گئے) آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرار دے دیا''

جب تک تو زندہ رہے، مجھ سے کوئی کلام مت کرنا''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے مشرک ہونے کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرمایا کہ:

" أقد جعلت هٰذا عدلا للنبی صلی الله علیه وسلم "

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو مذکورہ شخص کے اس طرزِ عمل سے اختلاف ہوا کہ اس نے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو مثال میں پیش کیا، جس کے نتیجہ میں اس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر لا کھڑا کیا۔

اور ظاہر ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ طرزِ عمل اختیار کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تحقیر کے طور پر کوئی بات ذکر کرنا، یا اس بات کو تمثیل بنالینا ہرگز جائز نہیں۔

جہاں تک کسی حکم کی تحقیق کا تعلق ہے، تو وہ الگ معاملہ ہے۔

اس کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابنِ عساکر ہی نے ایک معتبر سند کے ساتھ یہ واقعہ اس طرح روایت کیا ہے کہ:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد سے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص، جو کہ ہمارا عامل ہے، کا باپ ''زندیق'' تھا، تو سلیمان بن

سعد نے کہا کہ:

"وما يضرک يا أمير المؤمنين كان أبو النبى (صلى الله عليه وسلم) كافرا فما ضره"

''اے امیر المومنین! اس میں آپ کو کوئی ضرر نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی تو کافر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کیا ضرر پہنچا''

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شدید غصہ میں آ گئے، اور فرمایا کہ:

"ما وجدت له مثلا إلا النبى (صلى الله عليه وسلم) فعزله"

''تجھ کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہی پیش کرنے کو ملی ہے، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد کو معزول کر دیا''

مذکورہ روایت کا علامہ صفدی نے بھی ''الوافی بالوفیات'' میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ روایت میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے کافر ہونے کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کو مذکورہ موقع پر تمثیل کے طور پر پیش کرنے سے منع فرمایا۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرحُ الشفا'' میں مذکورہ واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

(فقال جعلت هذا مثلا فعزله وقال لا تكتب لى أبدا) وهذا يوافق ما قال إمامنا فى الفقه الأكبر أن والدى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم ماتا على الكفر وقد كتبت فى هذه المسألة رسالة مستقلة ودفعت فيها ما ذكره السيوطى من الأدلة على خلاف ذلک فى رسائله الثلاث (شرح الشفا للملا على القارى، ج۲ ص۴۴۷، القسم الرابع، الباب الاول، فصل :أن لا يقصد نقصا ولا يذكر عيبا ولا سبا لكنه ينزع إلى آخره)

ترجمہ: تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تو نے اس کو مثال بنالیا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس شخص کو معزول کردیا، اور فرمایا کہ تو ہمارے لیے کبھی نہیں لکھے گا (ملا علی قاری رحمہ اللہ، مذکورہ واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) اور یہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ) ہمارے امام ابوحنیفہ کے اس قول کے موافق ہے، جوانہوں نے ''الفقهُ الاکبر'' میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، اور میں نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں میں نے سیوطی کے ان دلائل کا جواب دیا ہے، جوانہوں نے اپنے تین رسالوں میں اس کے خلاف (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مومن وموحد وغیرہ ہونے کے متعلق) ذکر کیے ہیں (شرحُ الشفا)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مذکورہ روایات سے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے، جو صحیح احادیث میں مذکور ہے۔

اگرچہ بعض حضرات نے فرطِ محبت، یا غلط فہمی کی بنیاد پر ان روایات کو صحیح احادیث اور جمہور کے موقف کے خلاف سمجھ لیا۔

لیکن ان روایات سے ایک اہم اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کسی بری تمثیل وغیرہ کے طور پر ذکر کرنا جائز نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

مذکورہ احادیث وروایات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ کفر فوت ہونے، ان کے عذابِ جہنم میں مبتلا ہونے، اور ان کے لیے استغفار وشفاعت کے ناجائز ہونے کے متعلق کسی ایک حدیث پر جو تفرد کا الزام عائد کیا جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں ایک نہیں، کئی

احادیث وروایات مروی ہیں، جو جمہور متقدمین اہلِ علم کے موقف کی تائید کرتی ہیں، بلکہ بعض حضرات نے متقدمین کے اس پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث وروایات کے موجود ہونے کی وجہ سے متقدمین کے اجماع کا امکان بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اگرچہ بعض متاخرین کا اس میں اختلاف کیوں نہ ہو'' (علمی وتحقیقی رسائل ج۱۲،ص۳۵۱تا۳۵۶)

ہم نے حجت تمام کرنے کی غرض سے مذکورہ کلام کا اعادہ کردیا ہے، تاہم جناب جیسے جامدین سے خیر کی توقع مشکل ہی نظر آتی ہے۔

چند تاریخی حقائق کی حقیقت وحیثیت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''چند تاریخی حقائق:

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر کے بارے میں کچھ تاریخی حقائق بھی پیشِ نظر رکھیں:

''جب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب قربانی سے بچ گئے، تو والد گرامی قدر نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف کی صاحب زادی آمنہ بی بی جو قریش کے تمام خاندان میں ممتاز تھیں، سے شادی کردی، شادی کے کچھ عرصہ کے بعد آپ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے، واپسی پر مدینہ پہنچے، تو بیمار ہوگئے، بالآخر اسی بیماری میں انتقال ہوگیا، اور مدینہ طیبہ میں دفن ہوئے (طبقاتِ ابن سعد، عنوان عبدالمطلب)

آپ کی قبر مدینہ منورہ میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی، گزشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجدِ نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی

قبر اکھاڑی، تو میت صحیح سالم تھی، آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی بھی قبریں تھیں، ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں، ان میتوں کو جنت البقیع میں سپردخاک کردیا گیا، جنوری 1978ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی تھی (تاریخ مکۃ المکرّمہ، جلد اول، ص ۱۸۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب زید مجدہٗ نے بھی اس پر تھوڑا اشارہ کیا۔

''حضرت عبداللہ ایک ماہ کی بیماری کے بعد وفات پاچکے تھے، اور انہیں نابغہ جعدی کے احاطے میں دفن کردیا۔

(البداية و النهاية، ۳/۳۸۲، دار الهجر، الكامل فى التاريخ، ۱/۲۱۷، ۲۱۳)

مولانا حاشیہ دے کر مزید لکھتے ہیں:

''راقم نے بعض ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت عبداللہ کی قبر کئی سال پہلے مسجدِ نبوی شریف کی توسیع کے دوران میں دریافت ہوئی تھی، مگر عوام کے فتنے میں پڑ جانے کے خوف سے قبر کے مقام کو مخفی رکھا گیا (واللہ اعلم) (تاریخ امتِ مسلمہ، ۱/۱۳۱)''۔

انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلہ میں جناب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ قرآن وسنت اور جمہور امت کے مقابلہ میں ''چند تاریخی حقائق'' کی کیا حقیقت ہے؟ اور جناب کے اس شوق اور تقاضے کی کیا حیثیت ہے، جو قرآن وسنت اور جمہور امت کے صریح حوالہ جات کے سامنے ہوتے ہوئے، تاریخ کی ان باتوں کی طرف رجوع پر جناب کو متوجہ کرتا ہے کہ جن کی بنیاد پر نہ کسی کے اسلام کو ثابت کیا جاسکتا، نہ کسی کے کفر کو۔

کیا کسی کا محض مدینہ منورہ میں مدفون ہوجانا، اس کی نجات کے لئے کافی ہے، بالخصوص، جس

کے کفر کا فیصلہ، صحیح احادیث میں کر دیا گیا ہو، جبکہ مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی فضیلت کے لئے ایمان شرط ہے، اگر ایسا ہوتا، تو عبداللہ بن ابی کی نجات بھی ہو جاتی، جس کا جنازہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا، کفن بھی اپنے کرتہ مبارک کا دیا، اور مدفون بھی مدینہ میں ہوا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ مدینہ طیبہ کے بنی نجار کے ہی علاقہ میں، مدفون بعض لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر میں مبتلا دیکھا، جو شرک اور جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہو گئے تھے۔

چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ، عَلٰى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ، إِذْ حَادَتْ بِهِ فَكَادَتْ تُلْقِيهِ، وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ -قَالَ: كَذَا كَانَ يَقُوْلُ الْجُرَيْرِيُّ -فَقَالَ: مَنْ يَّعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا، قَالَ: فَمَتٰى مَاتَ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: مَاتُوْا فِي الْإِشْرَاكِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَلَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوْا، لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٨٦٧ "٦٧" كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''بنو نجار'' کے احاطہ میں ایک خچر پر سوار تھے، اور ہم

---

[1] من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت فإني أشفع لمن يموت بها .(حم ت هـ حب) عن ابن عمر (صح)."

(من استطاع أن) يكون .(بالمدينة) مقيما حتى يدركه الموت .(فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها) زيادة على الشفاعة لغيره من أهل الإيمان لأنه يكون للميت بها حق الجوار، قال السمهودى فيه بشرى للساكنين بها بالموت على الإسلام لاختصاص الشفاعة بالمسلمين وكفى بها مزية(التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ،للصنعانى، ج١٠، ص٨٣، تحت رقم الحديث ٨٣٨٥، حرف الميم)

بھی آپ کے ساتھ تھے، اچانک وہ بِدک گیا، اور قریب تھا کہ آپ کو گرا دے، اور وہاں پر چھ، یا پانچ، یا چار قبریں تھیں، جریری راوی نے اسی طرح بیان کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ان قبر والوں کو پہچانتا ہے؟ تو ایک آدمی نے کہا کہ میں پہچانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ کب فوت ہوئے تھے؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ شرک کرنے کی حالت میں فوت ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑتے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ وہ تمہیں اس عذابِ قبر کو سنا دیتا، جس کو میں سنتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اللہ کے ذریعہ، عذابِ جہنم سے پناہ طلب کرو (مسلم)

مذکورہ روایت میں شرک کی حالت میں فوت ہونے کا ذکر ہے، اور کئی دوسری روایات میں جاہلیت کے زمانے میں فوت ہونے کا ذکر ہے، دونوں میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جاہلیت کا زمانہ، دراصل شرک کا زمانہ ہی تھا۔

چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ، فِيْهِ أَقْبُرٌ، وَهُوَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ، فَحَادَتْ بِهٖ، وَكَادَتْ أَنْ تُلْقِيَهٗ، فَقَالَ: مَنْ يَّعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَوْمٌ هَلَكُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوْا، لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢١٦٥٨) [1]

ترجمہ: ہم مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي نضرة -وهو المنذر بن مالك بن قِطُعة -فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

ساتھ تھے، جس میں قبریں تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے، پس وہ خچر بدکنے لگا، اور قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرادے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ان قبر والوں کو پہچانتا ہے؟ تو ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ لوگ جاہلیت میں فوت ہوگئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑتے، تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ وہ تمہیں قبر کے عذاب کو سنادے (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عذابِ قبر سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا) (مسند احمد)

اور حضرت اُمّ مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حَوَائِطِ بَنِي النَّجَّارِ، فِيْهِ قُبُوْرٌ مِنْهُمْ، قَدْ مُوِّتُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَسَمِعَهُمْ وَهُمْ يُعَذَّبُوْنَ، فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُوْلُ: اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمْ لَيُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٧٠٤٤)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میں ’’بنو نجار‘‘ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھی، جس میں ان لوگوں کی قبریں تھیں، جو جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہوگئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عذاب دیے جاتے ہوئے سنا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل گئے، اور فرمایا کہ تم اللہ کے ذریعہ، عذابِ قبر سے پناہ طلب کرو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا واقعی اُن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسنادٌ رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي سفيان وهو طلحة بن نافع الواسطي -فمن رجال مسلم، وهو صدوق لا بأس به(حاشية مسند احمد)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک !اس طرح سے عذاب دیا جاتا ہے کہ جس کو جانور سنتے ہیں (مسند احمد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ نَخْلًا لِبَنِي النَّجَّارِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فَفَزِعَ، فَقَالَ: مَنْ أَصْحَابُ هٰذِهِ الْقُبُوْرِ؟ قَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ: نَاسٌ مَاتُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٣٤٤٧) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ ''بنو نجار'' کے باغ میں داخل ہوئے، وہاں کچھ آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنیں، تو گھبرا گئے اور فرمایا کہ یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کچھ لوگوں کی قبریں ہیں، جو زمانۂ جاہلیت میں مرگئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ مانگو قبر کے عذاب سے، اور جہنم کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے (مسند احمد)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ يَمْشِيَانِ بِالْبَقِيْعِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا بِلَالُ، هَلْ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ؟ قَالَ: لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَسْمَعُهُ، قَالَ: أَلَا تَسْمَعُ أَهْلَ هٰذِهِ الْقُبُوْرِ يُعَذَّبُوْنَ؟ يَعْنِيْ قُبُوْرَ الْجَاهِلِيَّةِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٣٧١٩) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ''بقیع'' کے قریب

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوى كسابقه (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل فليح (حاشية مسند احمد)

سے گزر رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال! کیا آپ وہ آواز سن رہے ہیں، جو میں سن رہا ہوں؟ حضرت بلال نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں تو اس آواز کو نہیں سن رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان قبر والوں کے عذاب دیئے جانے کو نہیں سن رہے؟ یعنی جاہلیت میں فوت ہونے والوں کی قبروں کے عذاب کو (مسند احمد)

اس روایت کو امام حاکم نے بھی اپنی ”مستدرک“ میں روایت کیا ہے، اور اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، جس کی علامہ ذہبی نے بھی موافقت کی ہے۔ [1]

اس روایت میں ”بنونجار“ کے بجائے ”بقیع“ کا ذکر ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ مؤرخین کے مطابق عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی، اور بنی نجار کے ”دارُ النابغہ“ میں تدفین ہوئی، ایک قول ”دار الحارث عدوی“ میں تدفین کا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا أبو بكر بن إسحاق الفقيه، أنبأ علي بن الحسين بن الجنيد، ثنا المعافى بن سليمان الحراني، ثنا فليح بن سليمان، حدثني هلال بن علي – وهو ابن أبي ميمونة – عن أنس بن مالک، قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وبلال يمشيان بالبقيع، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا بلال هل تسمع ما أسمع؟ قال: لا والله يا رسول الله ما أسمعه، قال: ألا تسمع أهل القبور يعذبون (مستدرک حاکم، رقم الحديث ١١٨)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه بهذا اللفظ، إنما اتفقا على حديث شعبة عن قتادة، عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لولا أن تدافنوا لسألت الله عنه أن يسمعكم عذاب القبر.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

[2] ولد عبد الله بن عبد المطلب قبل الفيل بخمس وعشرين سنة وكان أبوه يحبه لأنه كان أحسن أولاده وأعفهم بعثه أبوه يمتار له فمر بيثرب فمات بها ولرسول الله -صلى الله عليه وسلم -شهران وقيل كان حملا ودفن في دار الحارث بن إبراهيم بن سراقة العدوي وهم أخوال عبد المطلب وقيل في دار النابغة ببني النجار وتركته خمسة أجمال وجارية حبشية اسمها بركة وكنيتها أم أيمن وهي حاضنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم(تاريخ ابن الوردي، ج ١، ص ٩٣، مولد النبي - صلى الله عليه وسلم - وشرف نسبه الطاهر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق ایک قول مکہ ومدینہ کے درمیان ''مقامِ ابواء'' میں فوت ہونے کا ہے۔ [1]

علامہ ذہبی (المتوفی: 748ھ) نے عبداللہ بن عبدالمطلب کے بنونجار کے ''دار النابغة'' میں دفن ہونے کا ذکر کیا ہے۔ [2]

عزُ الدین ابن الاثیر (المتوفی: 630ھ) نے بھی ''الكامل فى التاريخ'' میں اسی قول کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لا خلاف فی اسمه أنه عبد الله، قال الواقدی :ولد عبد الله فی أيام كسرى أنو شروان لأربعة وعشرين سنة خلت من ملكه، وكنيته أبو أحمد، واختلفوا فی زمان موته، فقيل :إنه مات ورسول الله، صلى الله عليه وسلم، حاملة به أمه .وقال عامة المؤرخين :إنه مات قبل ولادته بشهر أو بشهرين، وقال مقاتل :بعد ولادته بثمانية وعشرين شهرا، وقيل :بعد ولادته بسبعة أشهر، وقال الواقدی :وأثبت الأقاويل عندنا أنه مات ورسول الله، صلى الله عليه وسلم، حمل، وكانت وفاته بالمدينة فی دار النابغة عند أخواله من بنی النجار، ويقال :إنه دفن فی دار الحارث بن إبراهيم بن سراقة العدوی وهو من أخوال عبد المطلب، وكان أبوه عبد المطلب بعثه يمتار له تمرا من المدينة، وقيل :إنه خرج فی تجارة إلى الشام فی عير لقريش، فمرض بالمدينة شهرا ومات، وقال الواقدی: وتوفی عبد الله وهو ابن خمس وعشرين سنة، وقيل :ابن ثلاثين سنة، وترك أم أيمن وكانت تحضن رسول الله، صلى الله عليه وسلم(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج١٦، ص١٠٣، كتاب المناقب، باب مبعث النبی صلى الله عليه وسلم)

[1] ومات أبوه عبد الله ورسول الله صلى الله عليه وسلم قد أتى له ثمانية وعشرون شهرا وقيل وهو حمل وقيل وله شهران وقيل سبعة وقال بعضهم مات ابوه فی دار النابغة وقيل بالأبواء بين مكة والمدينة(الوافی بالوفيات،للصفدی،ج١،ص٦٣،باب محمد،محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم سيدنا ومولانا وحبيبنا نبی الرحمة وهادی الأمة)

[2] وتوفی عبد الله أبوه، وللنبی -صلى الله عليه وسلم- ثمانية وعشرون شهرا .وقيل :أقل من ذلک .وقيل :وهو حمل .توفی بالمدينة غريبا، وكان قدمها ليمتار تمرا، وقيل :بل مر بها مريضا راجعا من الشام، فروى محمد بن كعب القرظی وغيره :أن عبد الله بن عبد المطلب خرج إلى الشام إلى غزة فی عير تحمل تجارات، فلما قفلوا مروا بالمدينة وعبد الله مريض فقال :أتخلف عند أخوالی بنی عدی بن النجار، فأقام عندهم مريضا مدة شهر، فبلغ ذلک عبد المطلب، فبعث إليه الحارث وهو أكبر ولده؛ فوجده قد مات؛ ودفن فی دار النابغة أحد بنی النجار؛ والنبی -صلى الله عليه وسلم -يومئذ حمل، على الصحيح.

وعاش عبد الله خمسا وعشرين سنة .قال الواقدی :وذلک أثبت الأقاويل فی سنه ووفاته(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبی ،ج١ ،ص٤٩٩،الترجمة النبوية،وفاة والده)

نقل کیا ہے۔ [1]

اور جناب نے جو ''ابنِ سعد'' (المتوفیٰ: 230ھ) کی ''الطبقات'' کا حوالہ ذکر کیا ہے، اس میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ:

''عبداللہ بن عبدالمطلب کی تدفین ''دارُ النابغة'' میں ہوئی، جو بنی نجار کے ایک شخص کا احاطہ تھا'' ۔انتہیٰ۔ [2]

اور حافظ ابنِ کثیر (المتوفیٰ: 774ھ) نے بھی ''البداية و النهاية'' میں اسی بات کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ آنجناب نے خود بھی نقل کیا ہے۔ [3]

---

[1] وقيل :بل كان فى الشام، فأقبل فى عير قريش، فنزل بالمدينة وهو مريض فتوفى بها، ودفن فى دار النابغة الجعدى، وله خمس وعشرون سنة، وقيل :ثمان وعشرون سنة، وتوفى قبل أن يولد رسول الله -صلى الله عليه وسلم(الكامل فى التاريخ، ج ١ ،ص ٢١٣ ،نسب رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر بعض أخبار آبائه وأجداده)

[2] قال :أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمى، أخبرنا موسى بن عبيدة الربذى عن محمد بن كعب قال :وحدثنا سعيد بن أبى زيد عن أيوب ابن عبد الرحمن بن أبى صعصعة قالا :خرج عبد الله بن عبد المطلب إلى الشأم إلى غزة فى عير من عيرات قريش يحملون تجارات، ففرغوا من تجاراتهم ثم انصرفوا، فمروا بالمدينة وعبد الله بن عبد المطلب يومئذ مريض، فقال :أنا أتخلف عند أخوالى بنى عدى بن النجار، فأقام عندهم مريضاً شهراً، ومضى أصحابه فقدموا مكة، فسألهم عبد المطلب عن عبد الله فقالوا :خلفناه عند أخواله بنى عدى بن النجار وهو مريض، فبعث إليه عبد المطلب أكبر ولده الحارث فوجده قد توفى ودفن فى دار النابغة، وهو رجل من بنى عدى بن النجار، فى الدار التى إذا دخلتها فالدويرة عن يسارك، وأخبره أخواله بمرضه، وبقيامهم عليه، وما ولوا من أمره، وأنهم قبروه، فرجع إلى أبيه فأخبره، فوجد عليه عبد المطلب وإخوته وأخواته وجداً شديداً؛ ورسول الله، صلى الله عليه وسلم، يومئذ حمل، ولعبد الله يوم توفى خمس وعشرون سنة. قال محمد بن عمر الواقدى :هذا هو أثبت الأقاويل والرواية فى وفاة عبد الله بن عبد المطلب وسنة عندنا(الطبقات الكبرى،لمحمد بن سعد، ج ١ ،ص ٩٩ ،ذكر وفاة عبد الله بن عبد المطلب)

[3] قال محمد بن سعد حدثنا محمد بن عمر -هو الواقدى -حدثنا موسى بن عبيدة اليزيدى. وحدثنا سعيد بن أبى زيد عن أيوب بن عبد الرحمن بن أبى صعصعة.

قال :خرج عبد الله بن عبد المطلب إلى الشام إلى غزة فى عير من عيران قريش يحملونه تجارات، ففرغوا من تجاراتهم ثم انصرفوا فمروا بالمدينة وعبد الله بن عبد المطلب يومئذ مريض، فقال أتخلف عند أخوالى بنى عدى بن النجار، فأقام عندهم مريضا شهرا ومضى أصحابه فقدموا مكة فسألهم عبد المطلب عن ابنه عبد الله فقالوا خلفناه عند أخواله بنى عدى بن النجار وهو مريض. فبعث إليه عبد المطلب أكبر ولده الحارث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر آنجناب ذرا سا آگے بڑھنے کی زحمت فرما کر حافظ ابنِ کثیر ہی کی ''البــــــداية و النهاية'' کی مندرجہ ذیل عبارت کو بھی ملاحظہ فرما لیتے، تو صحیح نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہوتا۔

حافظ ابنِ کثیر (المتوفیٰ: 774ھ) ''البداية و النهاية'' میں فرماتے ہیں کہ:

وروى مسلم عن أبى بكر بن أبى شيبة عن محمد بن عبيد عن يزيد بن كيسان عن أبى حازم عن أبى هريرة قال :زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله ثم قال " :استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى واستأذنته فى الاستغفار لها فلم يأذن لى، فزوروا القبور تذكركم الموت ."

وروى مسلم عن أبى بكر بن أبى شيبة عن عفان عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس أن رجلا قال :يا رسول الله أين أبى؟ قال: "فى النار "فلما قفا دعاه فقال " :إن أبى وأباك فى النار."............

والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية خلافا لفرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب على ما سيأتى فى وفاة أبى طالب.

وقد قال البيهقى -بعد روايته هذه الأحاديث فى كتابه دلائل النبوة :وكيف لا يكون أبواه وجده عليه الصلاة والسلام بهذه الصفة فى الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن، حتى ماتوا ولم يدينوا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فوجده قد توفى ودفن فى دار النابغة فرجع إلى أبيه فأخبره، فوجد عليه عبد المطلب وإخوته وأخواته وجدا شديدا، ورسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ حمل.

ولعبد الله بن عبد المطلب يوم توفى خمس وعشرون سنة(البداية والنهاية، ج۲، ص ۳۲۲، كتاب سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم،صفة مولده الشريف عليه الصلاة والسلام)

دين عيسى بن مريم عليه السلام.

وكفرهم لا يقدح في نسبه عليه الصلاة والسلام لأن أنكحة الكفار صحيحة. ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد ولا مفارقتهن إذا كان مثله يجوز في الإسلام وبالله التوفيق. انتهى كلامه.

قلت: وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافي الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون في العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا في تفسيرنا عند قوله تعالى: (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة ولله الحمد والمنة.

وأما الحديث الذي ذكره السهيلي وذكر أن في إسناده مجهولين إلى ابن أبي الزناد عن عروة عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما وآمنا به.

فإنه حديث منكر جدا. وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى. لكن الذي ثبت في الصحيح يعارضه والله أعلم (البداية والنهاية لابنِ كثير، ج۲، ص ۳۴۱ الیٰ ۳۴۳، کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اور مسلم نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، انہوں نے محمد بن عبید سے، انہوں نے یزید بن کیسان سے، انہوں نے ابوحازم سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، جس پر آپ کو رونا آ گیا، اور آپ کے اردگرد لوگوں کو بھی رونا آ گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت حاصل ہوگئی، اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، لیکن اس کی مجھے اجازت حاصل نہیں ہوئی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، جو تمہیں موت کو یاد دلائے گی۔

اور مسلم ہی نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، انہوں نے عفان سے، انہوں نے حماد بن سلمہ سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کہاں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں، پھر جب وہ پیٹھ پھرا کر جانے لگا، تو اس کو بلایا، اور فرمایا کہ میرے والد اور تمہارے والد جہنم میں ہیں۔............

اور مقصود یہ ہے کہ عبدالمطلب اس مذہب پر فوت ہوئے، جو جاہلیت کا دِین تھا، شیعہ فرقے کا اُن کے بارے میں، اور ان کے بیٹے ابوطالب کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ عنقریب ابوطالب کی وفات کے ذیل میں آئے گا۔

اور امام بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائلُ النبوۃ'' میں ان احادیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا آخرت میں اس صفت پر کیونکر نہیں ہوں گے، دراں حالیکہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی عبادت کرتے رہے، اور انہوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کو قبول نہیں کیا۔

لیکن ان کا کفر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ردوقدح کا باعث نہیں بنتا، کیونکہ کفار کا نکاح صحیح ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ صحابۂ کرام اپنی بیویوں کے ہمراہ

اسلام لائے، لیکن ان کے تجدیدِ نکاح کو لازم نہیں کیا گیا، اور نہ ان کی بیویوں کو ان سے جدا کیا گیا، کیونکہ اس کے مثل، اسلام میں بھی جائز ہے، اور اللہ ہی کے ذریعے توفیق حاصل ہوتی ہے، امام بیہقی کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور دادا عبدالمطلب کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ اہلِ نار میں سے ہیں، یہ اس حدیث کے منافی نہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ اہلِ فترۃ اور اطفال اور مجانین اور گونگوں کو قیامت کے دن امتحان میں مبتلا کیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ’’وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا‘‘ کے ضمن میں سند اور متن کے ساتھ تفصیل بیان کردی ہے، جن میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو اہلِ اجابت ہوں گے، اور وہ بھی ہوں گے، جو اہلِ اجابت نہیں ہوں گے، پس یہ لوگ (یعنی ابوین النبی اور جد النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان افراد میں داخل ہوں گے، جو اہلِ اجابت نہیں ہوں گے، لہٰذا ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے ’’وللّٰہ الحمد والمنۃ‘‘

اور رہی وہ حدیث جس کو سہیلی نے ذکر کیا ہے، اور سہیلی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کی سند میں ابنِ ابی الزناد کی سند تک، مجہول راوی ہیں، جو حضرت عروہ اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے، اپنے والدین کے زندہ کرنے کا سوال کیا، تو اللہ نے ان کو زندہ کردیا، اور وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

تو یہ حدیث شدید منکر ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے یہ بات ممکن ہے، لیکن صحیح حدیث میں جو بات ثابت ہے، وہ اس کے مخالف ہے، واللہ اعلم (البدایۃ والنہایۃ)

مشہور قول بھی یہی ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی تدفین بنونجار کے ''دارُالنابغة'' میں ہوئی، علامہ ابنِ جوزی (المتوفیٰ: 597ھ) نے ''المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک'' میں اپنی سند کے ساتھ بعض مرفوع روایات میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

اوراس کے بعد متصل ہی آمنہ بنتِ وہب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] أخبرنا محمد بن عبد الباقي قال :أخبرنا أبو محمد الجوهري قال :أخبرنا أبو عمر بن حيوية قال :أخبرنا أحمد بن معروف الخشاب قال :أخبرنا الحارث بن أبي أسامة قال :حدثنا محمد بن سعد قال :أخبرنا محمد بن عمرو قال :أخبرنا محمد بن عبد الله، عن الزهري قال:

وأخبرنا محمد بن صالح، عن عاصم، عن عمرو بن قتادة قالوا :حدثنا عبد الرحمن بن عبد العزيز عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم قال:حدثنا هاشم بن عاصم الأسلمي عن أبيه عن ابن عباس خل حديث بعضهم في بعض -قالوا:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أمه آمنة بنت وهب، فلما بلغ ست سنين خرجت به إلى أخواله بني عدي بن النجار بالمدينة تزورهم به، ومعه أم أيمن حاضنته ، وهم على بعيرين ، فنزلت به في دار النابغة فأقامت به عندهم شهرا، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر أمورا في مقامه ذلک، فلما نظر إلى أطم بني عدي بن النجار (وعرفه) قال :كنت ألاعب أنيسة جارية من الأنصار على هذه الأطام، وكنت مع غلمان من أخوالي نطير طائرا كان يقع عليه، ونظر إلى الدار فقال :هاهنا نزلت بي أمي، وفي هذه الدار قبر أبي عبد الله بن عبد المطلب وأحسنت العوم في [بئر]بني عدي بن النجار وكان قوم من اليهود يختلفون ينظرون إليه .قالت أم أيمن: فسمعت أحدهم يقول: هو نبي هذه الأمة، وهذه دار هجرته، فوعيت ذلک [كله]من كلامه، ثم رجعت به أمه إلى مكة، فلما كانوا بالأبواء توفيت أمه آمنة بنت وهب، فقبرها هنالک، فرجعت به أم أيمن إلى مكة، وكانت تحضنه مع أمه، ثم بعد أن ماتت.

فلما مر رسول الله صلى الله عليه وسلم في عمرة الحديبية بالأبواء قال: إن الله قد أذن لمحمد في زيارة [قبر]أمه فأتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فأصلحه وبكى عنده وبكى المسلمون لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم .فقيل له: فقال: أدركتني رحمة رحمتها فبكيت .

قال محمد بن سعد: وأخبرنا قبيصة بن عقبة قال: حدثنا سفيان بن سعيد الثوري، عن علقمة بن مرثد، عن ابن بريدة، عن أبيه قال:لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة أتى جذم قبر أمه فجلس إليه وجلس الناس حوله، فجعل كهيئة المخاطب، ثم قام وهو يبكي، فاستقبله عمر .وكان من أجرأ الناس عليه، فقال: بأبي أنت وأمي يا رسول الله! ما الذي أبكاک؟ قال: هذا قبر أمي، سألت ربي الزيارة فأذن لي، وسألته الاستغفار فلم يأذن لي، فذكرتها فوقفت فبكيت فلم ير [يوما] أكثر باكيا من يومئذ .قال ابن سعد: هذا غلط ليس قبرها بمكة إنما قبرها بالأبواء.

أنبأنا عبد الوهاب بن المبارک قال: أخبرنا عاصم بن الحسين قال: أخبرنا أبو الحسن بن بشران

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز علامہ ابنِ جوزی (المتوفیٰ: 597ھ) نے ''المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک'' میں ہی اپنی سند کے ساتھ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو بھی ذکر کیا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے، اور اس پر اللہ کی طرف سے تنبیہ ہونے، اور اس پر آیت نازل ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ مورخین کے نزدیک جس طرح عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنتِ وہب کی وفات اور تدفین کے مقام کا مسئلہ مخفی نہ تھا، اسی طرح ان کے عدمِ ایمان کا مسئلہ بھی مخفی نہ تھا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال: أخبرنا ابن السماک قال: حدثنا ابن البراء قال: حدثني الحسين بن جابر – وكان من المجاورين بمكة: أنه رفع إلى المأمون أن السيل يدخل قبر أم رسول الله صلى الله عليه وسلم لموضع معروف هناک، فأمر المأمون بإحكامه.

قال ابن البراء: وقد وصف لي وأنا بمكة موضعه، فيجوز أن تكون توفيت بالأبواء ثم حملت إلى مكة فدفنت بها(المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک، ج۲،ص ۲۷۱ الیٰ ۲۷۳،باب ذکر نبینا محمد صلی اللہ علیه وسلم وکرمه،ذکر الحوادث فی سنة ست من مولده صلی اللہ علیه وسلم)

[1] وفي هذه الغزاة جاز على قبر أمه صلى الله عليه وسلم:

أخبرنا ابن ناصر، قال: أخبرنا علي بن محمد العلاف، قال: أخبرنا علي بن أحمد الحمامي، قال: أخبرنا أبو بكر محمد بن الحسين الحريري، قال: أخبرنا موسى بن إسحاق الأنصاري، قال: أخبرنا أبو إبراهيم الترجماني، قال: حدثنا المشمعل بن ملحان، عن صالح بن حيان، عن ابن بريدة، عن أبيه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم إذ وقف على عسفان، فنظر يمينا وشمالا فأبصر قبر أمه آمنة فورد الماء، فتوضأ ثم صلى ركعتين فلم يفاجئنا إلا ببكائه، فبكينا لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم (ثم انصرف إلينا فقال: ما الذي أبكاكم؟ قالوا: بكيت فبكينا يا رسول الله) وقال وما ظننتم؟ قالوا: ظننا أن العذاب نازل علينا، قال: لم يكن من ذلک شيء، قالوا: فظننا أن أمتک كلفوا من الأعمال ما لا يطيقون، قال: لم يكن من ذلک شيء، ولكني مررت بقبر أمي، فصليت ركعتين ثم استأذنت ربي أن أستغفر لها فنهيت فبكيت ثم عدت فصليت ركعتين، واستأذنت ربي أن أستغفر لها، فزجرت زجرا، فعلا بكائي ثم دعى براحلته فركبها فما سارت إلا هينة حتى قامت الناقة بثقل الوحي، فأنزل الله تعالى: ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين إلى آخر الآيتين، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أشهدكم أني بريء من آمنة كما تبرأ إبراهيم من أبيه(المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک، ج۳،ص ۲۵۰، ۲۵۱،ذکر ما جری فی السنة الأولى من زمان النبوة،غزاة بنی لحیان)

انہوں نے دونوں مسئلوں کو اپنے اپنے مقام پر ذکر فرمایا، اور انہوں نے مدینہ منورہ میں تدفین کو ایمان کے لیے مستلزم نہیں سمجھا، اور نہ ہی مدینہ منورہ میں تدفین سے ان کے ایمان پر استدلال فرمایا۔

پس جلیل القدر مورخینِ اسلام کے تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے، بلکہ ان ہی کے چند حوالہ جات کو نقل کر کے، اور بعض حوالہ جات کو چھپا کر اور مخفی رکھ کر ان کے مقابلے میں مخترع اجتہاد واستنباط کرنا، اور اس پر ''تاریخی حقائق'' کا عنوان قائم کرنا، ایک دانش منداور ہوش مند انسان کے نزدیک قابلِ تعجب اور قابلِ حیرت امر ہی ہوسکتا ہے۔

اور اگر جناب کی طرف سے پیش کیا گیا یہ استدلال واستنباط درست ہوتا، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بنی نجار'' ہی میں جو متعدد افراد کو ''مبتلافی القبور'' دیکھا، جس کا صحیح احادیث میں ذکر موجود ہے، یہ کیونکر ممکن تھا؟

پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی فوت شدہ کے متعلق ''فی النار'' ہونے کا حکم لگانے سے ''مبتلافی القبور'' ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر بالفرض مدینہ منورہ میں تدفین کو ہی باعثِ فضیلت سمجھا جائے، تو راجح قول کے مطابق آمنہ بنتِ وہب کی تدفین یہاں نہیں ہوئی، جبکہ دعویٰ دونوں کے ناجی ہونے کا کیا جاتا ہے۔

نیز قبر کا دریافت اور مرجعِ خلائق، ہونا، ایمان کو مستلزم نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی والدہ کی قبر کی زیارت کی، اللہ نے اس کی اجازت دی، لیکن شفاعت ودعائے مغفرت کی اجازت نہ ملی، پس اُن کی قبور کی زیارت میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہوگی، لیکن ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ ہوگی، بلکہ ممانعت کا جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، وہ حکم امت کے لیے بھی ہوگا، اسی وجہ سے بعض روایات کے پیشِ نظر اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مومنین کو بھی

''ولو کانوا اولی قربیٰ'' ہونے کے ساتھ، یہی حکم دیا گیا۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کا سورہ توبہ میں ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۱۳)

جہاں تک بعض مقالہ نگاروں کی طرف سے میتوں کے صحیح سالم اور محفوظ نکلنے کے دعوے کا تعلق ہے، تو جناب کی طرف سے جو حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں، ان میں عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ، بعض صحابۂ کرام کا بھی ذکر ہے۔

لیکن اس موقع پر سوال یہ ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن عبدالمطلب، اور صحابۂ کرام کی میتوں کی تعیین وتشخیص کا کیا ثبوت تھا، کیا 1978ء میں موقع پر شناخت کرنے والوں میں کوئی ایسا ثقہ فرد موجود تھا، جو اِن امور کی شناخت کرسکتا تھا، اور اگر کسی نے ایسا دعویٰ کیا، تو اس دعوے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اور سب کچھ ثابت ہونے کے بعد ''قطع نظر موجودہ عوامی دنیا کے دعووں کے'' یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی میت کا صحیح سالم اور محفوظ نکلنا، یا محفوظ ہونا، ایمان کے لیے کافی وافی ثبوت ہے؟ بالخصوص، ایسے فرد کے متعلق جس کا صحیح احادیث میں صریح فیصلہ بھی آ گیا ہو، کیا کسی مجتہد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس طرح کا استنباط کرکے، دیگر معتبر نصوص اور صحیح احادیث کو نظر انداز کرے؟

پھر آنجناب نے ''تاریخ مكة المكرمة'' کے حوالے سے جو مسجدِ نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث، اکھاڑی گئی قبروں کی میتوں کو 1978ء میں جنت البقیع میں سپردِ خاک کیے جانے کا ذکر کیا ہے، اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی میت کی بھی جنتُ البقیع میں منتقلی کی گئی تھی، یا نہیں؟

اگر جواب نفی میں ہو، تو پھر اس فرق کی وجہ ظاہر کرنی چاہیے، اور اگر جواب اثبات میں ہو، تو

پھر مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کے حوالے سے، جناب نے کئی سال پہلے مسجدِ نبوی شریف کی توسیع کے دوران قبر کے دریافت ہونے اور عوام کے فتنے میں پڑ جانے کے خوف سے قبر کے مقام کو مخفی رکھنے کا جو ذکر کیا ہے، یہ اس کے برخلاف ہوا۔

نیز مخفی رکھنے سے ''مرجعِ خلائق'' ہونے کا بھی تعارض لازم آئے گا، کیونکہ مخفی مقام کا ''مرجعِ خلائق'' ہونا مشکل ہے۔

غرضیکہ آنجناب اور آپ کے اخوان صاحبان کے مذکورہ اجتہادات کی نصوص کے پیشِ نظر ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں، پھر ان امور پر ''تاریخی حقائق'' کی ملمع سازی کر کے ''منصوصی حقائق'' کو نظر انداز، بلکہ ان کی خلاف ورزی کرنا، اور بھی زیادہ قابلِ مذمت ہے۔

اور قرآن وسنت کی نصوص کے ساتھ ساتھ، دراصل ''تاریخی حقائق'' سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے، جو جمہور مجتہدین ومحققین کا ہے۔

اب اگر آنجناب نہ سہی، کوئی دوسرا منصِف ہمارے پیش کردہ ''تاریخی حقائق'' کا، جناب کے پیش کردہ تاریخی حقائق سے تقابل کرے، تو وہ یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ:

''ہم الزام اُن کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا''

ابو مطیع بلخی کے نسخہ کی عبارت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

آپ کا ان علماء پر نقد جو آپ کے فکری ہم نوا نہیں:

(1) ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی (م ۱۹۸ھ) کے نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں (ابتداء ہی سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے)''۔ انتہٰی۔

کلام:

سب سے پہلے تو یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ ابو مطیع بلخی کا شمار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ

میں ہوتا ہے، اگرچہ بعض محدثین نے احادیث کی اسناد کے باب میں ان پر کلام کیا ہے، بعض نے ان کی طرف مرجئہ ہونے کی نسبت بھی کی ہے۔ [1]

---

[1] أبو مطيع البلخي، هو الحكم بن عبد الله الفقيه (الوفاة200-191هـ)
صاحب كتاب "الفقه الأكبر."
تفقه بأبي حنيفة وروى عنه، وعن :ابن عون، وهشام بن حسان، وعبيد الله بن عمر، وعبد الرحمن بن حرملة، وأبي الأشهب جعفر العطاردي، وإبراهيم بن طهمان، والحسن بن دينار، وطبقتهم.
وتفقه به أهل خراسان، وولي قضاء بلخ، وكان بصيرا بالرأي، حافظا للمسائل، كان ابن المبارك يعظمه ويجله.
روى عنه :أحمد بن منيع، وأيوب بن الحسن الفقيه، وعتيق بن محمد، وعلي بن الحسين الذهلي، ونصر بن زياد، والخراسانيون.
وقدم بغداد مرات.
قال محمد بن الفضيل البلخي :سمعت حاتما السقطي قال :سمعت ابن المبارك يقول :أبو مطيع له المنة على جميع أهل الدنيا.
قلت :حاتم لا يعرف، وما اعتقد في ابن المبارك أنه يطلق مثل هذه العبارة.
قال محمد بن فضيل البلخي :وقال حاتم :قال مالك بن أنس لرجل :من أين أنت؟ قال :من بلخ.
قال :قاضيكم أبو مطيع إنه قام مقام الأنبياء .
قال محمد بن الفضيل :سمعت عبد الله بن محمد العابد يقول :جاء كتاب؛ يعني من الخلافة، وفيه لولي العهد :(وآتيناه الحكم صبيا) ليقرأ على الناس .فسمع أبو مطيع فدخل على الوالي، فقال :بلغ من خطر الدنيا أنا نكفر بسببها .وكرر هذا مرارا حتى أبكى الأمير وقال له :إني معك، ولكن لا أجترء بالكلام، فتكلم وكن مني آمنا .وكان أبو مطيع قاضيا، فذهب وذهب أبو معاذ متقلدا سيفا، وآخر يوم الجمعة، فارتقى أبو مطيع المنبر فحمد الله وأثنى عليه، ثم أخذ لحيته وبكى، وقال :يا معشر المسلمين، بلغ من خطر الدنيا أن نجر إلى الكفر؟ من قال (وآتيناه الحكم صبيا) لغير يحيى بن زكريا فهو كافر .قال :فرج أهل المسجد بالبكاء ، وهرب اللذان أتيا بالكتاب.
وعن النضر بن شميل، قال أبو مطيع :نزل الإيمان والإسلام في القرآن على وجهين، وهو عندي على وجه واحد .فقلت له :فممن ترى الغلط؛ منك، أو من الرسول عليه السلام، أو من جبريل، أو من الله؟ فبقي باهتا.
وقد كان أبو مطيع فيما نقل الخطيب من رؤوس المرجئة.
قال عبد الله بن أحمد :سألت أبي عن أبي مطيع، فقال :لا ينبغي أن يروى عنه، ذكروا عنه أنه كان يقول :الجنة والنار خلقتا وستفنيان، وهذا كلام جهم.
وقال ابن معين :هو ضعيف.
وقال أبو داود :تركوا حديثه، كان جهميا.
قلت :وممن روى عنه محمد بن القاسم البلخي، وخلاد بن أسلم الصفار، ومحمد بن يزيد السلمي.
ومات سنة تسع وتسعين ومائة، وله أربع وثمانون سنة(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبي، ج۴،ص۱۰۹۷ الیٰ ۱۰۹۸،حرف الحاء ، تحت رقم الترجمة ۷۲)

اس کے بعد عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف، عقائد کے حوالے سے ایک رسالہ تو ''الفقهُ الاکبر '' وہ منسوب ہے، جو ''حماد بن ابی حنیفہ'' کی روایت پر مبنی ہے۔

اوردوسرا رسالہ ''ابومطیع بلخی'' کی روایت پر مبنی ہے، جس کو ''الفقهُ الاکبر '' بھی کہا جاتا ہے، اور ''الفقهُ الابسط'' بھی کہا جاتا ہے۔ [1]

''حماد بن ابی حنیفہ'' کی روایت سے جو رسالہ ''الفقهُ الاکبر '' کے نام سے منسوب ہے، وہ دین کے اصول پر مبنی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات، اور ایمان، اور تقدیر، اور نبوت، اور آخرت وغیرہ کے عقائد سے متعلق، کلام کیا گیا ہے۔

اس رسالے کی بہت سے اہلِ علم حضرات نے شروحات کی ہیں، جن میں ملاعلی قاری کی مفصل شرح بھی ہے۔ [2]

---

[1] المبحث الثالث :دراسة موجزة لمؤلفاته فی أصول الدين

ينسب إلى الإمام أبی حنيفة الكتب التالية:

1۔ الفقه الأكبر برواية حماد بن أبی حنيفة.

2۔ الفقه الأكبر برواية أبی مطيع البلخی، ويسمى بالفقه الأبسط.

3۔ العالم والمتعلم برواية أبی مقاتل السمرقندی.

4۔ رسالة الإمام أبی حنيفة إلى عثمان البتی برواية أبی يوسف.

5۔ الوصية برواية أبی يوسف.

وإليک التعريف بكل كتاب، مع بيان نسبته إلى مؤلفه لنستخرج منه النتيجة، وهل هی صحيحة النسبة إلى أبی حنيفة، أمن هی باطلة غير صحيحة(أصول الدين عند الإمام أبی حنيفة،لمحمد بن عبد الرحمن الخميس،ص۵ ۱ ۱، ۶ ۱ ۱،الباب الاول، الفصل الاول ترجمة الإمام ابی حنيفة، المبحث الثالث)

[2] 1۔ الفقه الأكبر برواية حماد بن أبی حنيفة:

وهی رسالة تشتمل على أصول الدين، كمسائل الصفات والإيمان والقدر والنبوة والمعاد، بعبارة سهلة وجيزة، من غير أدلة تفصيلية إلا فی موضعين:

الأول فی صفة الكلام؛ حيث استدل بقوله تعالى :(وكلم الله موسى تكليما)سورة النساء: الآية164.

والثانی فی بيان أن صفاته ليست مثل صفات المخلوقين، فاستدل بقوله تعالى :(ليس كمثله شیء وهو السميع البصير)سورة الشورى :الآية11.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض نسخوں کے مطابق اس رسالے کی سند ان حضرات پر مشتمل ہے:

(1) نصر بن یحییٰ بلخی، بعض نے نُصیر بن یحییٰ بلخی کہا ہے (2) محمد بن مقاتل (3) عصام بن یوسف (4) حماد بن ابی حنیفہ (5) امام ابوحنیفہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونالت هذه الرسالة شهرة واسعة، وتصدى لشرحها غير واحد من أهل العلم، حتى بلغ عدد شروحها خمسة عشر شرحا 1، لا زال كثير منها مخطوطا ما عدا شرحي على القارى والمغيساوى فهما مطبوعان.

من ذكر هذا المؤلف من المصنفين:

1۔ ابن النديم فى الفهرست ص256.

2۔ البغدادى فى الفرق بين الفرق ص220، وأصول الدين ص308.

3۔ أبو المظفر الإسفراييني فى كتاب التبصير فى الدين ص113-114.

4۔ على بن محمد البزدوى فى كتاب أصول البزدوى كما فى كشف الأسرار فى شرح أصول البزدوى1/7,8.

5۔ ابن تيمية فى مجموع الفتاوى 5/46.

6۔ ابن القيم فى اجتماع الجيوش الإسلامية ص138.

7۔ الذهبى فى المشتبه 1/137.

8۔ ابن أبى العز فى شرح العقيدة الطحاوية ص3.

9۔ إسماعيل البغدادى فى هداية العارفين 2/495.

10۔ الحاجى خليفة فى كشف الظنون 2/1287.

11۔ محمود شكرى الألوسى فى غاية الأمانى 1/448.

(أصول الدين عند الإمام أبى حنيفة،لمحمد بن عبد الرحمن الخميس،ص ١١٦، ١١٧،الباب الاول، الفصل الاول ترجمة الإمام ابى حنيفة، المبحث الثالث)

[1] دراسة إسناد هذا المؤلف:

وقفت على إسناد هذا المؤلف فى نسخة خطية محفوظة ضمن المجموعة رقم 234 بمكتبة شيخ الإسلام عارف حكمت بالمدينة المنورة، وهى من رواية نصر بن يحيى، عن ابن مقاتل، عن عصام بن يوسف، عن حماد بن أبى حنيفة، عن أبيه .وإليك التعريف بهم.

1۔ نصر بن يحيى :هو نصر بن يحيى البلخى، تفقه على أبى سليمان الجوزجانى، وروى عنه أبو غياث البلخى .مات سنة 268هـ .

2۔ محمد بن مقاتل :هو محمد بن مقاتل الرازى كان من أصحاب الرأى مقدما فى الفقه، روى عن سفيان بن عيينة ووكيع وسلم بن الفضل، وروى عنه محمد بن أيوب وحمد بن حكيم الترمذى والحسين بن أحمد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''ابومطیع بلخی'' کی روایت سے جو رسالہ ''الفقہُ الاکبر '' یا ''الفقہُ الابسط '' کے نام سے منسوب ہے، اس کے مضامین پہلے رسالے سے مختلف ہیں۔ [1]

بعض نسخوں کے مطابق، اس رسالے کی سند ان حضرات پر مشتمل ہے:

(1) ابوبکر کاسانی (2) علاء الدین سمرقندی (3) ابومعین نسفی (4) ابوعبداللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال عنه الذهبى فى المغنى" :ضعيف"، وفى الميزان" :تكلم فيه ولم يترك ."مات سنة 248هـ .

3۔ عصام بن يوسف :هو عصام بن يوسف البلخى ، روى عن سفيان وشعبة، وحدث عنه عبد الصمد بن سليمان وغيره، قال عنه ابن سعد" :كان عندهم ضعيفا فى الحديث"، وقال ابن عدى فى الكامل" :روى عن الثورى وعن غيره أحاديث لا يتابع عليها"، وقال الخليلى" :هو صدوق ."مات سنة 215هـ .

4۔ حماد بن أبى حنيفة :هو حماد بن أبى حنيفة النعمان بن ثابت الكوفى، قال عنه ابن خلكان" :إنه كان على مذهب أبيه وإنه كان صالحا خيرا "، وذكره ابن أبى حاتم فى الجرح والتعديل، ولم يذكر فيه جرحا، وذكره ابن عدى فى الكامل، فقال عنه" :لا أعلم له رواية مستوية ."وقال عنه الذهبى فى الميزان" :ضعفه ابن عدى وغيره من قبل حفظه "مات سنة 176هـ .

(أصول الدين عند الإمام أبى حنيفة،لمحمد بن عبد الرحمن الخميس،ص ١١٧، ١١٨،الباب الاول، الفصل الاول ترجمة الإمام ابى حنيفة، المبحث الثالث)

[1] 2۔ الفقه الأكبر برواية أبى مطيع البلخى:

وهو رسالة يجيب فيها الإمام أبو حنيفة، عن أسئلة تلميذه مطيع البلخى، وهى مغايرة تماما لرواية حماد بن أبى حنيفة، حيث إن هذه الرسالة عبارة عن أجوبة مفصلة لأسئلة أبى مطيع، بخلاف رواية حماد بن أبى حنيفة فهى عبارة عن عرض مجمل وسهل لمسائل أصول الدين، والآراء التى تحتويها هذه الرسالة لا تختلف غالبا عن الآراء الموجودة فى رسائله الأخرى المنسوبة إليه، غير أنه أسهب فى مسائل القضاء والقدر وبعض مسائل الإيمان، ويظهر ۔ والله اعلم ۔ أنها ليست من تأليف الإمام مباشرة، بل من تأليف تلميذه أبى مطيع البلخى، جمع فيها أمالى الإمام وأقواله.

لذا يقول الذهبى عن أبى مطيع البلخى" :صاحب كتاب الفقه الأكبر "، فهذه إشارة منه إلى أن الكتاب ليس من تأليف الإمام رحمه الله تعالى، وإنما هو من تأليف أبى مطيع البلخى.

وكذا قال اللكنوى" :أبو مطيع البلخى صاحب أبى حنيفة، وصاحب كتاب الفقه الأكبر. "

(أصول الدين عند الإمام أبى حنيفة،لمحمد بن عبد الرحمن الخميس،ص ١١٩، ١٢٠،الباب الاول، الفصل الاول ترجمة الإمام ابى حنيفة، المبحث الثالث)

حسین بن علی (5) ابو مالک نصران بن نصر ختلی (6) ابوالحسن علی بن احمد فارس (7) ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی (8) امام ابوحنیفہ۔ ؎

؎ دراسة إسناد هذا المؤلف:

وقفت على إسناد هذا المؤلف فى نسخة خطية محفوظة بدار الكتب ضمن المجموعة 64-215 وهى من رواية الشيخ أبى بكر الكاسانى، عن العلاء السمرقندى، عن أبى المعين النسفى، عن أبى عبد الله الحسين بن على المعروف بالفضل، عن أبى مالك نصران بن نصر الختلى ، عن أبى الحسن على بن أحمد الفارس، عن نصر بن يحيى، عن أبى مطيع الحكم بن عبد الله البلخى، عن الإمام أبى حنيفة.

وإليك التعريف برجال إسناد هذه النسخة:

1 ـ أبو بكر الكاسانى :هو أبو بكر بن مسعود بن أحمد علاء الدين الكاسانى، صاحب كتاب بدائع الصنائع، تفقه على علاء الدين محمد السمرقندى، وتزوج ابنته فاطمة الفقيهة، من أجل أنه شرح كتاب التحفة للسمرقندى، وسماه البدائع، فجعله مهرا لابنته، وله من التصانيف كتاب السلطان المبين فى أصول الدين .مات سنة 587هـ .

2 ـ العلاء السمرقندى :هو محمد بن أحمد بن أبى أحمد علاء الدين السمرقندى، تفقه على أبى المعين ميمون المكحولى، وعلى أبى اليسر البزدوى، وتفقه عليه أبو بكر بن مسعود الكاسانى وغيره، ولم أقف على تاريخ وفاته .

3 ـ أبو المعين النسفى :هو ميمون بن محمد بن محمد معتمد بن مكحول بن أبى الفضل أبو المعين النسفى المكحولى، صاحب كتاب تبصرة الأدلة، والتمهيد لقواعد التوحيد .مات سنة 508هـ .

4 ـ أبو عبد الله الحسين بن على :هو الحسين بن على الألمعى الكاشغرى الواعظ .قال عنه الذهبى" :متهم بالكذب"، وقال السمعانى" :شيخ فاضل واعظ ولكن أكثر رواياته وأحاديثه مناكير واسمه الحسين، غير أنه عرف بالفضل، صنّف التصانيف الكثيرة فى الحديث، لعلها تربو على المائة والعشرين مصنفا وعامتها مناكير، روى الحديث عن أبى عبد الله محمد بن على الصورى ومحمد بن محمد الغيلان، وحدث عنه محمد بن محمود الشجاعى .مات بعد سنة 484هـ"

5 ـ أبو مالك نصران بن نصر الختلى :ذكره الذهبى فى المشتبه، وقال عنه" :أبو مالك نصران بن نصر الختلى، روى الفقه الأكبر عن على بن الحسين الغزّال وعنه أبو عبد الله الحسين الكاشغرى."

6 ـ أبو الحسن على بن أحمد الفارس :لم أقف على ترجمته.

7 ـ نصر بن يحيى :تقدم التعريف به فى ص117.

8 ـ أبو مطيع البلخى :هو الحكم بن عبد الله بن مسلم أبو مطيع البلخى الخراسانى ، صاحب أبى حنيفة رحمه الله تعالى، روى عن هشام بن حسان وابن عون، وروى عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات کا ذکر ''ابو مطیع بلخی'' کی روایت سے جو رسالہ ''الفقهُ الاکبر'' یا ''الفقهُ الابسط'' کے نام سے ہے، اس میں نہیں ہے، بلکہ ''حماد بن ابی حنیفہ'' کی روایت سے جو رسالہ ''الفقهُ الاکبر'' کے نام سے منسوب ہے، اس میں اس کا ذکر موجود ہے، اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ان دونوں رسائل کے بہت سے مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں، کیونکہ یہ دونوں رسائل مستقل اور الگ الگ رسائل شمار ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے جن حضرات نے مذکورہ رسائل کی شروحات لکھیں، ان کی شروحات میں بھی یہ فرق ملحوظ ہے۔

پس جس طرح بہت سے دوسرے مسائل ایک رسالے میں موجود ہیں، اور دوسرے رسالے میں موجود نہیں، اسی طرح اگر اس مسئلے کا ابو مطیع بلخی کی روایت والے رسالے میں ذکر نہ ہو، اور حماد بن ابی حنیفہ کی روایت والے رسالے میں ذکر موجود ہو، تو ایسی صورت میں آنجناب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحمد بن منيع وخلاد بن أسلم الصفار .مات سنة 199هـ.

قال عنه ابن معين " :ليس بشيء ."وقال أحمد بن حنبل " :لا ينبغي أن يروى عنه شيء "، وقال أبو داود" :تركوا حديثه وكان جهميا"، وقال أبو حاتم " :كان مرجئا ضعيف الحديث، وضعفه البخاري والنسائي "، وقال ابن حبان" :كان من رؤساء المرجئة ممن يبغض السنن ومنتحليها"، وقال ابن عدى" :هو بيّن الضعف عامة ما يرويه لا يتابع عليه، وقال الذهبي، وابن حجر" :كان ابن المبارك يعظّمه ويجلّه لدينه وعلمه"

قلت :فقوله لدينه أي لعبادته وزهده، وأما قوله" :لعلمه "فالظاهر أنه يعني فقهه، وإلا فأهل العلم متفقون على أنه لا يحتج به في الرواية لكونه متهما، بل كذبه أبو حاتم، وتتابع أهل العلم على تضعيفه، فمثله لا يعتمد عليه، لذا لم أعرج على كتابه إلا حيث خالف بدعته في التجهم والإرجاء ، أو أجد شاهدا لكلامه في سائر كتب أبي حنيفة، أو بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب أبي حنيفة وصاحبيه للطحاوي فأورده استئناسا واستشهادا(أصول الدين عند الإمام أبي حنيفة،لمحمد بن عبد الرحمن الخميس،ص ١٢٠ ،الى ١٢٣ ،الباب الاول، الفصل الاول ترجمة الإمام ابى حنيفة، المبحث الثالث))

کے اس الزام کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ:

''ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں''

مسئلہ ھٰذا پر امام کلاباذی کا موقف

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

(2) علامہ قلاباذی رحمہ اللہ (۳۸۰ھ) کے استدلال سے آپ متفق نہیں ہیں (تحقیقی رسائل:۱۲/۲۴۱)''۔انتھٰی۔

کلام:

ہم نے امام کلاباذی کے متعلق تحریر کیا تھا کہ یہ چوتھی صدی کے صوفیاء کے جلیل القدر ائمہ میں سے بڑے امام اور حنفی فقیہ کا کلام ہے، کیونکہ امام کلاباذی کی وفات تین سو اسی ہجری میں ہوئی، اور وہ مشہور کتاب ''التعرف لمذهب اهل التصوف'' کے مصنف ہیں، جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ''لو لا التعرف لما عرف التصوف'' یعنی اگر ''کتابُ التعرف'' نہ ہوتی، تو تصوف کی معرفت حاصل نہ ہوتی۔

محدثین واہلِ علم حضرات نے امام کلاباذی کی زبردست تحسین وتوثیق فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] الكلاباذى أبو نصر أحمد بن محمد بن الحسين *

الإمام، الحافظ الأوحد، أبو نصر أحمد بن محمد بن الحسين بن الحسن بن على بن رستم البخارى، الكلاباذى.

وكلاباذ :محلة من بخارى.

ولد :فى سنة ثلاث وعشرين وثلاث مائة.

وسمع من :الهيثم بن كليب الشاشى، وعلى بن محتاج، وأبى جعفر محمد بن محمد البغدادى الجمال، وعبد المؤمن بن خلف النسفى، ومحمد بن محمود بن عنبر، وعبد الله بن محمد بن يعقوب الحارثى، وطبقتهم.

روى عنه :الدارقطنى مع تقدمه فى كتاب (المدبج)، والحاكم،وجعفر بن محمد المستغفرى، وآخرون.

قال المستغفرى :هو أحفظ من بما وراء النهر اليوم فيما أعلم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن جناب نے حسبِ معمول نہ تو مذکورہ جلیلُ القدر امام کے موقف کو صحیح طرح ملاحظہ کیا، اور نہ ہی ان کے نام تک کو پہچانا ''کلاباذی'' کے بجائے ''قلاباذی'' لکھ چھوڑا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحاكم :أبو نصر الكلاباذى الكاتب من الحفاظ، حسن الفهم والمعرفة، عارف (بصحيح البخارى) ، كتب بما وراء النهر وخراسان وبالعراق، ووجدت شيخنا أبا الحسن الدارقطنى قد رضى فهمه ومعرفته، وهو متقن ثبت.

توفى :فى جمادى الآخرة سنة ثمان وتسعين وثلاث مائة.

قال :ولم يخلف بما وراء النهر مثله .

قلت :له مصنف فى معرفة رجال (صحيح) البخارى .

وقال السلفى :أخبرنا بكتاب (الإرشاد فى معرفة رجال البخارى) خالد بن عبد الواحد التاجر بأصبهان، أخبرنا عبد الملك بن الحسن بن سياوش الكازرونى عن مؤلفه أبى نصر .

أخبرنا الحسن بن على، أخبرنا جعفر المالكى، أنبأنا السلفى،

أخبرنا حمد بن عمر، أخبرنا يوسف بن الحسين، أخبرنا أحمد بن محمد بن الحسين الحافظ، حدثنا أحمد بن نصر البخارى، حدثنا الحسين بن محمد بن القمى، حدثنا عبد الرحيم بن حبيب البغدادى، حدثنا بقية بن الوليد، سمعت الأوزاعى يقول : لبس الصوف فى السفر سنة وفى الحضر بدعة .

أخبرنا جماعة إذنا عن محمود بن أحمد الفقيه البخارى، أخبرنا الحسن بن منصور قاضى خان، أخبرنا الحسن بن على بن عبد العزيز إملاء ، حدثنا عمى محمود -قال قاضى خان :هو جدى - حدثنا عمر بن منصور الحافظ إملاء ، حدثنا أبو نصر الكلاباذى الحافظ، حدثنا أبو جعفر محمد بن محمد، حدثنا يحيى بن عثمان بن صالح، حدثنا إسماعيل بن إسحاق الأنصارى، حدثنا مسعر، حدثنا عطية، عن أبى سعيد قال:

قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(من طلب العلم صلت عليه الملائكة -) ، الحديث .

الحافظ أحمد بن محمد بن ماما :سمعت أبا نصر أحمد بن محمد الكلاباذى يقول:

كنت أعرف حلية الصحابة وصفتهم، كأنى أنظر إليهم، فلما اشتغلت بالكتابة للسلطان، ذهب ذلك عنى(سير أعلام النبلاء ،للذهبى، ج۱۷، ص۹۴ الىٰ ۹۶، تحت رقم الترجمة ۵۸)

أحمد بن محمد بن الحسين الحافظ، أبو نصر الكلاباذى، (المتوفى:398هـ)

وكلاباذ محلة من بخارى.

سمع :الهيثم بن كليب الشاشى، وعلى بن محتاج، وأبا جعفر محمد بن محمد البغدادى، وعبد المؤمن بن خلف النسفى، ومحمد بن محمود بن عنبر، وجماعة.

قال جعفر المستغفرى بعد أن روى عنه :هو أحفظ من بما وراء النهر اليوم فيما أعلم، ومات فى جمادى الآخرة عن خمس وسبعين سنة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اتنا بڑا بہتان باندھ دیا کہ ''ان کے استدلال سے میں متفق نہیں ہوں''

اب بندہ ان کی زبان میں ان کے کلام کو نقل کر کے جناب سے سوال کرے گا، کہ ان کے استدلال سے کون متفق نہیں؟

بندہ نے امام کلاباذی کے کلام کو نقل کرنے بعد لکھا تھا کہ:

مذکورہ حدیث کے مطابق امام کلاباذی کی مندرجہ بالا توجیہ کی ضرورت اُس وقت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحاكم أبو عبد الله :أبو نصر الكلاباذى الكاتب من الحفاظ، حسن الفهم والمعرفة، عارف " بصحيح "البخارى، وكتب بما وراء النهر وبخراسان والعراق، ووجدت شيخنا أبا الحسن الدارقطنى قد رضى فهمه ومعرفته، وهو متقن ثبت.

توفي في جمادى الآخرة، ولم يخلف بما وراء النهر مثله.

قلت :روى عنه الدارقطنى فى كتاب "المدبج "، والحاكم .وله مصنف مشهور فى أسماء رجال " صحيح "البخارى وتراجمهم، وحديثه عزيز الوقوع(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبى، ج۸،ص ۷۸۴،۷۸۵، تحت رقم الترجمة ۲۴۲)

أحمد بن محمد بن الحسين بن الحسن بن على، أبو نصر، المعروف بالكلاباذى :

من أهل بخارى .سمع الهيثم بن كليب الشاشى، وعبد المؤمن بن خلف النسفى، وأبا جعفر محمد بن محمد البغدادى، ومحمد بن أحمد بن خنب، وعبد الله بن محمد بن يعقوب الحارثى، وغيرهم . وكان ثقة حافظا، ورد بغداد وحدث بها فى حياة أبى الحسن الدارقطنى، وكان أبو الحسن يثنى عليه، وروى عنه فى كتاب المدبج حديثا.

وذكر لى القاضى أبو العلاء الواسطى أن أبا نصر الكلاباذى توفى ببخارى فى ليلة السبت الثالث والعشرين من جمادى الآخرة سنة ثمان وتسعين وثلاثمائة.

ثم أخبرنا أبو الوليد الحسن بن محمد الدربندى، أخبرنا أبو عبد الله محمد بن أحمد بن سليمان الحافظ ببخارى قال :توفى أبو نصر أحمد بن محمد بن الحسين ابن الحسن بن على الكلاباذى . ليلة الأحد لأربع بقين من جمادى الآخرة سنة ثمان وتسعين وثلاثمائة(تاريخ بغداد، للخطيب البغدادى، ج۵،ص ۲۰۱، تحت رقم الترجمة ۲۶۵۰)

الكلاباذى الحافظ الإمام أبو نصر أحمد بن محمد بن الحسين البخارى.

سمع الهيثم بن كليب الشاشى ومنه جعفر المستغفرى

وهو أحفظ من كان بما وراء النهر فى زمانه قال الحاكم من الحفاظ حسن المعرفة والفهم متقن ثبت لم يخلف مثله بما وراء النهر

حدث ببغداد فى حياة الدارقطنى وكان يثنى عليه مات فى جمادى الآخرة سنة ثمان وتسعين وثلاثمائة عن خمس وثمانين سنة(طبقات الحفاظ،لجلال الدين السيوطى،ص ۴۰۷،الطبقة الثالثة عشرة، تحت رقم الترجمة ۹۲۱)

پیش آئے گی، جبکہ مذکورہ حدیث کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا جائے۔

اور ہم نے جہاں تک غور کیا، مذکورہ حدیث کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند کی توثیق پر اطمینان حاصل نہیں ہوسکا۔

(علمی و تحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۲۴۳)

بندہ نے یہ بات امام کلاباذی کے اس کلام کے ذیل میں ذکر کی تھی کہ:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کی حالت کا علم ہوگیا تھا، جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے والد کی حالت کا علم ہوگیا تھا، لیکن آپ نے اپنے والدین کے حق کو (استغفار کر کے) ادا کرنا چاہا، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا، پس آپ استغفار کرنے سے رُک گئے۔

(علمی و تحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۲۴۲)

اب بغور ملاحظہ فرمالیں کہ امام کلاباذی تو صاف فرمارہے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کی حالت کا علم ہوگیا تھا، جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے والد کی حالت کا علم ہوگیا تھا''

اور ظاہر ہے کہ یہ علم ان کے کفر کا تھا، جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے والد کے کفر کا علم تھا۔

''لیکن آپ نے اپنے والدین کے حق کو (استغفار کر کے) ادا کرنا چاہا، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا، پس آپ استغفار کرنے سے رُک گئے''۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کلاباذی کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت:

'' مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى''

کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کے کفر کی بناء پر استغفار سے منع فرمادیا تھا، اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے استغفار کرنے سے رُک گئے تھے۔ [1]

لیکن آنجناب کو ان ہی امور سے سخت اختلاف ہے، اور آنجناب جب کسی کا مؤمن ہونا ثابت کریں گے، تو اس کے نتیجہ میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشاد کی خلاف ورزی بھی لازم آئے گی۔

کیا آنجناب مذکورہ گفتگو کو با ہوش وحواس ملاحظہ فرمانے اور امام کلاباذی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 380ھ) کے استدلال سے متفق نہ ہونے کے بعد ''سینہ زوری اور دیدہ دلیری'' کرتے ہوئے اپنے سابق الفاظ میں یہ الزام عائد کرنے کی جرأت کریں گے کہ:

''امام کلاباذی رحمہ اللہ (۳۸۰ھ) کے استدلال سے آپ متفق نہیں ہیں''

---

[1] حدثنا محمد بن إسحاق الخزاعی، قال :ح سعید بن مسعود المروی قال :ح إسحاق بن منصور السلوی، وعبد السلام بن حرب، عن یزید بن عبد الرحمن، عن المنهال، عن عبد الرحمن بن الحارث، عن أبی هریرة، إن شاء الله رضی الله عنه قال: قیل :یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فهل أنت شافع لأبویک؟ قال :إنی لشافع لهما، أعطیت، أو منعت، وما أرجو لهما النجاة عن النار بالکلیة.

قال الشیخ الإمام المصنف رحمه الله :یجوز أن یکون أراد النبی صلی الله علیه وسلم بقوله إنی لشافع لهما فی الدنیا.

وذلک قبل أن ینهاه الله تعالی عن الاستغفار لهما بقوله :(ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی) الآیة .وهذا کما استغفر إبراهیم علیه السلام لأبیه بقوله :(واغفر لأبی إنه کان من الضالین)

وقوله :وما أرجو لهما ؛ لأن استغفاره لهما کان بعد موتهما، فلم یرج لهما إذا ماتا علی غیر الإسلام، واستغفر لهما رقة علیهما، وفی بعض النسخ رأفة، وقضاء لحقهما ، إذ لم یدرکهما، فیحسن معاملتهما، ویصاحبهما فی الدنیا معروفا، وکان استغفار إبراهیم علیه السلام لأبیه فی حیاته لموعدة وعدها إیاه بقوله :(سأستغفر لک ربی إنه کان بی حفیا) ، فلما مات تبین أنه عدو لله، تبرأ منه؛ لأنه مات علی شرکه لم یتب منه تبرأ منه، وترک الاستغفار له، والنبی علیه السلام علم من أبویه ما علم إبراهیم علیه الصلاة والسلام من أبیه، غیر أنه أراد قضاء حقهما، فنهاه الله تعالی عنه، فانتهی، والله الموفق(بحر الفوائد المشهور بمعانی الأخبار للکلاباذی،ص ۱۳۹، حدیث آخر)

''الفقهُ الاکبر'' کی عبارت کے الحاقی ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

(3) فقہ اکبر کے حوالے سے جو علماء اس عبارت کے الحاقی ہونے کے قائل ہیں، جیسے شیخ الاسلام البیجوری رحمہ اللہ (۸۲۵ھ) علامہ کوثری رحمہ اللہ (۱۳۷۱ھ) وغیرہ، ان کی بات بھی قابلِ قبول نہیں ہے''۔ انتھٰی۔

کلام:

کیا آنجناب کو صرف اعتراض کرنے کا ہی زیادہ شوق ہے، اس کی دلیل بیان کرنے کی کوئی ذمہ داری آنجناب پر عائد نہیں ہوتی، اور کیا دعویٰ کرنے والے کے ذمہ، دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا، یا پھر آنجناب نے خود کو ایسا مطاع سمجھا ہوا ہے کہ جس کا دعویٰ دلیل کے بغیر، بلکہ دلیل کے خلاف ہو کر بھی معتبر ہوا کرے، اور دوسرے کی بات مؤثر دلیل کے ہوتے ہوئے بھی معتبر نہ ہوا کرے؟

ہم نے جو کچھ تحریر کیا، ساتھ ہی اس کی دلیل بھی تحریر کر دی۔

شیخ بیجوری کے ''شیخ الاسلام'' اور ان کے اس مسئلے پر موقف کا ذکر تو آگے آتا ہے۔

اور ہم شیخ بیجوری کے مقابلے میں کئی ''شیخ الاسلام'' حضرات کے جو حوالہ جات اپنے مضمون میں نقل کر چکے ہیں، ان کے شیخ الاسلام ہونے میں کون سی کمی باقی رہ گئی، جن کے شیخ الاسلام ہونے کا ذکر جناب کی زبان تک پر بھی نہیں آتا، اور اس کے برعکس آنجناب خود سے جن کو چاہیں ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔

اور جہاں تک علامہ کوثری کی بات کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق ہم شیخ فاضل نضال آلہ رشی کردی کا یہ کلام ذکر کر چکے ہیں کہ:

وأما قول العلامة الكوثرى رحمه الله تعالىٰ بأن عبارة الامام ابى حنيفة رضى الله عنه تكون حينئذٍ ركيكة ولو كانت صحيحة لقال: "ووالدا رسولِ الله وعمهٔ أبو طالب ماتوا على الكفر" :

فالجواب ما قد فتح الله به على الفقير من وجهين:

الأول: أن أبا حنيفة رضى الله عنه تأدب مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حق والديه فقال: "ماتا على الكفر"، ولم يقل: ماتا كافرين، لان المصدر انما يدل على الحدث دون فاعلهٖ، بخلاف اسم الفاعل حيث يدل على الحدث وفاعلهٖ.

الثانى: أن أبا طالب لما أبىٰ أن يسلم صح اطلاق القول فيه: انه كافر، لآبائه الاسلام، وأما والداه صلى الله عليه وسلم فلم يابيا كما فعل ابوطالب، لانهما لم يدركاه صلى الله عليه وسلم، لكنهما ماتا على ما كانا عليه فى الجاهلية، فحين زاد أبو طالب الإباء فوق الإشراك صح الفرق بينهٔ و بين والديه صلى الله عليه وسلم، وهذا عندى هو الذى جعل الامام أبا حنيفة -والله تعالىٰ أعلم- يفصل بين والدى رسول الله وبين عمه أبى طالب، وهما وجهان وجيهان لا ينكرهما منصف، ولا يوجد دليل يدل على ايمانهما قبل الموت فيقال ماتا عليه، بل الأدلة المستفيضة دالةٌ على خلافهٖ، بل قال الإمام الرازى، والحافظ ابن كثير، والعلامة ابو حيان، والنيسابورى: إن القول بإيمان آبائهٖ صلى الله عليه وسلم قول الرافضة ("تفسير الرازى": ۵۳۷/۲۴، و "البحر المحيط" لأبى حيان: ۱۹۸/۸، و "غرائب القرآن" للنيسابورى: ۲۸۸/۵)

ترجمہ: جہاں تک علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی (الفقہ الاکبر میں مذکور) عبارت اس صورت میں رکیک ہے، اور اگر صحیح ہوتی، تو یوں فرماتے کہ:

''ووالدا رسول اللّٰہ وعمۂ ابو طالب ماتوا علی الکفر''

تو اس فقیر پر اللہ نے اس کا جواب دوطرح سے کھولا ہے، ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے والدین کے حق میں ادب کا لحاظ کیا، چنانچہ یہ فرمایا کہ ''ماتا علی الکفر'' اور یہ نہیں فرمایا کہ ''ماتا کافرَین''، کیونکہ مصدر، دراصل فعل کے حدوث پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ فاعل پر، بخلاف اسمِ فاعل کے کہ وہ فعل کے حدوث اور فاعل دونوں پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابوطالب نے جب اسلام لانے سے انکار کردیا، تو ان کے متعلق یہ قول کرنا صحیح ہوگیا کہ وہ کافر تھے، کیونکہ انہوں نے اسلام لانے سے انکار کیا، اور جہاں تک آپ کے والدین کا تعلق ہے، تو انہوں نے اسلام لانے سے انکار نہیں کیا، جس طرح سے ابوطالب نے انکار کیا، کیونکہ آپ کے والدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی نبوت) کو نہیں پایا، بلکہ وہ جاہلیت کے زمانے میں فوت ہوگئے، پس جب ابوطالب نے شرک سے بڑھ کر انکار کا بھی ارتکاب کیا، تو ابوطالب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے درمیان فرق صحیح ہوگیا، اور میرے نزدیک اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے چچا ابوطالب کے درمیان فرق کرکے حکم بیان فرمایا، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

اور یہ دونوں وجوہات ایسی ہیں، جن کا کوئی منصِف (یعنی انصاف پسند) انکار نہیں

کرسکتا، اور کوئی دلیل ایسی نہیں پائی جاتی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر ان کی موت سے قبل دلالت کرے، اور یہ کہا جائے کہ وہ ایمان پر فوت ہوئے، بلکہ دلائلِ مستفیضہ اس کے خلاف پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ امام رازی اور حافظ ابنِ کثیر اور علامہ ابوحیان اور نیسابوری نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کے ایمان کا قول دراصل روافض کا قول ہے (ملاحظہ ہو’’ تفسیر الرازی والبحر المحیط لأبی حیان و غرائب القرآن للنیسابوری‘‘)

(علمی و تحقیقی رسائل، ج ۱۲ص ۵۲۸،۵۲۹)

’’الفقهُ الاکبر‘‘ کی عبارت کی معتدل شرح پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

’’اور جو حضرات اس عبارت کو فقہ اکبر کی عبارت مان کر اس کی شرح کرتے ہوئے، اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کی شرح سے آپ کو اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ علامہ بہاؤالدین نے اپنی شرح ’’القول الفیصل‘‘ میں لکھا ہے (تحقیقی رسائل:۱۲/۳۸۴)

آپ کو علامہ بہاؤالدین رحمہ اللہ (۹۵۶ھ) کی تشریح سے اتفاق نہیں ہے، آپ طے کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ کو قطعی بنانا ہے‘‘۔انتھیٰ۔

کلام:

بندہ نے کیا طے کرنا ہے؟ بندہ تو اس سلسلے میں اپنا طرزِ عمل پہلے ہی پیش کر چکا ہے، جس پر جناب کو اطمینان نہیں، جو کہ درجِ ذیل ہے:

اس مضمون کی تحقیق سے پہلے اگرچہ بندہ کا اپنا موقف وہ نہیں تھا، جو زیرِ نظر تحقیق

کے بعد قائم ہوا، اور بحمد اللہ تعالیٰ، بندہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران اپنے آپ کو خالی الذہن کر لیتا ہے، اور بندہ کو خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تحقیق کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا، پھر تحقیق کے نتیجہ میں جو رائے بھی دلائل کی رُو سے حق وصواب یا راجح معلوم ہوتی ہے، بندہ اس کو اختیار کرنے اور اپنی سابقہ کسی غیر تحقیقی، یا تقلیدی، یا سابق تحقیق پر مبنی رائے کو ترک کر دینے میں الحمد للہ تعالیٰ کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ بندہ کو اس طرزِ عمل پر قائم رہنے اور مزید ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے دوران بندہ نے مختلف اہلِ علم حضرات کی تحریرات وتالیفات اور رسائل وجرائد میں مذکور مضامین کو ملاحظہ کیا، دورانِ تحقیق بندہ نے ان سے استفادہ کیا، لیکن دلائل کی رُو سے بعض اہلِ علم حضرات، بالخصوص جن کا تعلق متاخرین سے ہے، ان کے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباواجداد اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ''آزر'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اس سے بڑھ کر زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ تمام لوگوں کو مومن یا ناجی قرار دینے اور غیر مومن یا غیر ناجی ہونے کی نفی کے یک طرفہ جذباتی اور روایتی موقف سے اتفاق نہ ہو سکا، بلکہ نصوصِ کثیرہ اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے ان کے موقف میں جابجا کمزوری اور ان کی تاویلات وتوجیہات میں تسامح کا احساس ہوا (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۱۳۸)

اور جناب پہلے سے بندہ کے طے نہ کرنے پر اعتراض کر آئے، اور اس طرزِ عمل کے نتائج پر بندہ کو یہ وارننگ دے آئے ہیں کہ:

''آپ کی یہ بات نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے''

اور یہاں اس کے برعکس جناب یہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ طے کر چکے ہیں''

اور پھر ساتھ ہی یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ بندہ اس مسئلہ کو قطعی بنانا طے کر چکا ہے۔

جبکہ جناب کا مذکورہ طرزِ عمل یہ تاثر ظاہر کرتا ہے کہ جناب خود تا حال کسی مسئلہ کے قطعی ہونے سے بھی واقف نہیں، اور جناب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی ''قطعی مسئلہ'' کو ''غیر قطعی مسئلہ'' اور ''غیر قطعی مسئلہ'' کو ''قطعی مسئلہ'' بنانے کا، مجھے اختیار ہی حاصل نہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جناب، جس شارح کو اعتدال کا راستہ اختیار کرنے والا قرار دینا چاہتے ہیں، کیا اس کے طے کرنے کا آپ کو حق حاصل ہے، یا پھر اس کا فیصلہ دلائلِ شرعیہ سے ہونا چاہئے؟

اور ہم اس تشریح کا اعتدال کے موافق نہ ہونا، دلیل سے بیان کر چکے، لیکن چونکہ جناب خود ہی سے پہلے بلا دلیل، بلکہ خلافِ دلیل کچھ اور طے کئے بیٹھے ہیں، اور ہم کو بھی دلائلِ شرعیہ کو نظر انداز کروا کر اپنا ہم نوا بنانا چاہتے ہیں، اس لئے ''چور مچائے شور'' والی مثال قائم کرنا چاہتے ہیں، اور جو الزام خود پر عائد ہونا تھا، پہلے ہی اس سے بچنے کا سامان اکھٹا کرنا چاہتے ہیں۔

ہم نے اپنے مضمون میں تحریر کیا تھا کہ:

> محمد بن بهاءُ الدين (المتوفٰی:956ہجری) نے ''القول الفيصل شرح الفقه الأكبر '' میں پہلے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''الفقه الأكبر '' کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ:
>
> ''قال رضى الله عنه ووالدا رسول الله صلى اللّٰهُ تعالىٰ عليهِ وسلمَ ماتَا كافرين، وابوطالب عم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مات كافراً''
>
> ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

والدین کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے''

جس میں انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی''الفقه الأكبر'' کی مذکورہ عبارت کے درست ہونے کو تسلیم کیا ہے، اور اس عبارت کے الحاقی ہونے کا الزام عائد نہیں کیا۔

لیکن پھر اس کے بعد **محیُ الدين محمد بن بهاءُ الدين** نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر حکمی کفر کا حکم لگانے اور حقیقی کفر کا حکم نہ لگانے کی تاویل کرتے ہوئے کفر اور ایمان کو امرِ باطن قرار دیا، جس پر اللہ کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا، سوائے ظاہری علامات کے، اور ظاہری علامات کا بعض اوقات مدلولات سے مختلف ہونا بیان کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے دوسرے کے ایمان یا کفر کی حالت میں فوت ہونے کی حقیقت پر مطلع ہونے کا کوئی راستہ نہیں، البتہ شریعت نے ظاہری علامات پر ایمان یا کفر کا حکم لگا دیا ہے۔ اس لیے ایمان اور کفر کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی اور دوسرے حکمی۔

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حکمی کافر ہونے میں تو شبہ نہیں، لیکن حقیقی کافر ہونے کے لیے نص کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، اور یہاں ایسی کوئی نص نہیں پائی جاتی جو یقین کو ثابت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث اخبارِ آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں، البتہ بعض کے نزدیک عمل کو واجب کرتی ہیں۔

خاص طور پر جب کہ اشرف الخلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ ابوۃ وامومۃ بھی اس کے مقابلے میں آجائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فروع کو کفر کی ناپاکی

سے پاک قرار دے دیا ہے، جیسا کہ (سورہ احزاب میں) ارشاد ہے:

'' انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ''

مذکورہ آیت میں جمہور کے نزدیک ''رجس '' سے کفر مراد ہے، اور اہلِ بیت سے بنو ہاشم کے وہ افراد مراد ہیں جن پر زکاۃ حرام ہے، پس اس طرح کی امثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی طہارت کے ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو

''إن أبی و اباک فی النار ''

مروی ہے، وہ مخاطب کی تطییبِ قلب کے طور پر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر حال میں سچ بولتے ہیں، تو آپ کے والد کا جہنم میں ہونا، یہ بھی سچا قول ہے، اگرچہ دوسرے کی تطییبِ قلب کے لیے کہا ہو؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس کا امکان ہے کہ یہ تعریض ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ سے مراد، حسرت والی آگ ہو، تو اس سے نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب لازم آئے گا، اور نہ والد کا کافر ہونا لازم آئے گا، اور اگر غیر حسرت والی آگ ہی کو تسلیم کیا جائے، تو آگ میں داخل ہونا، کفر کو مستلزم نہیں۔

اس کے بعد محمد بن بہاء الدین نے فرمایا کہ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حدیث کا تعلق ہے، تو یہ بھی خبرِ واحد ہے، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی، اور یہ بات بھی یقینی نہیں کہ جو استغفار سے منع کیا گیا، وہ شرک کی وجہ سے ہو۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا حقیقی کافر ہونا قطعی نہیں، اور امام ابو حنیفہ

رحمہ اللہ علیہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں کفر سے مراد ''کفرِ حکمی'' ہے۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے کفر کے بارے میں احادیث مستفیض ہیں، لہٰذا ان کے کفرِ حقیقی کو تسلیم کر لینے میں شبہ نہ ہوگا (محمد بن بہاء الدین کا کلام ختم ہوا)

محی الدین محمد بہاء الدین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''الفقه الاکبر'' میں مذکورہ عبارت کی جو تاویل کی ہے، اور اس تاویل کو کسی قدر قابلِ قبول بنانے کے لیے جو دوسری تاویلات کی ہیں، نصوص اور جمہور اہلِ علم حضرات کی تصریحات کے پیشِ نظر، محققین کو ان تاویلات سے اتفاق نہیں۔

کیونکہ اولاً تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو ''الفقه الاکبر'' میں حکم بیان کیا، اور دیگر متقدمین، جمہور نے بھی تصریح کی، اس سے کفرِ حقیقی کو بیان کرنا مقصود ہے، کفرِ حکمی کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس متعین شخص کے کفر کا ذکر معتبر نصوص میں آ جائے، بالخصوص جبکہ اس کے لیے شفاعت و استغفار کرنے کی بھی اللہ کی طرف سے ممانعت ہو جائے، اور اس کی علت ''شرک کی حالت میں فوت ہونے'' کا بھی نص میں ذکر ہو، اور عذابِ نار کا بھی ذکر ہو، اس کے حقیقی کفر ہونے میں کونسی چیز مانع رہ جاتی ہے، جس کے متعلق خود محمد بہاء الدین اعتراف کر رہے ہیں کہ اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا مطلع ہونا ممکن نہیں، اور یہ اطلاع، اللہ ہی کی طرف سے ہے۔لقولہٖ تعالیٰ: ”وما ینطق عن الھویٰ. ان ھو الا وحی یوحٰی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چونکہ احادیث کے تناظر میں یہ مسئلہ بیان کیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مراد بھی یہی کفر ہوگا۔

پھر اس کے بعد محمد بہاء الدین کا یہ فرمانا کہ:

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کو ثابت کرنے والی احادیث اخبارِ آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں، بلکہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کے پختہ عقیدہ کا ثبوت مشکل ہے‘‘۔

تو اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ اگرچہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اخبارِ آحاد کا عقائد کے باب میں اعتبار نہیں ہوتا، لیکن دیگر بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک اخبارِ آحاد عقائد کے باب میں بھی معتبر ہیں، جس طرح احکام میں معتبر ہیں۔

تاہم اخبارِ آحاد، چونکہ ظنی الثبوت ہوتی ہیں، اس لیے ان سے ثابت شدہ عقائد اس درجہ کے نہیں ہوتے کہ ان کا انکار کفر قرار دیا جائے۔

لیکن جس طرح صحیح خبرِ واحد سے ثابت شدہ حکمِ شرعی پر عقدِ قلب کے اعتبار سے عقیدہ کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح عقیدہ سے متعلق حکم پر بھی عقیدہ کا ہونا ضروری ہوگا۔

چنانچہ اسلام کے بہت سے عقائد اس طرح کے ہیں کہ وہ اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں، اور ان کو اہلُ السنۃ والجماعۃ قبول وتسلیم کرتے ہیں، مگر دوسرے فرقے، مثلاً معتزلہ، ان کا انکار کرتے ہیں، وہ الگ بات ہے کہ ان کا انکار کفر نہیں، اسی لیے معتزلہ وغیرہ فرقوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا، ورنہ تو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے بے شمار عقائد کا غیر معتبر ہونا قرار پائے گا، اور اس سے بہت بڑے فتنہ وفساد کا باب کھل جائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق وارد احادیث

وروایات اتنی زیادہ ہیں کہ وہ عام خبرِ واحد سے اوپر درجے کی ہیں۔

نیز بعض احادیث و روایات آیاتِ مفسرہ کے طور پر وارد ہوئی ہیں، جس طرح ابوطالب کے متعلق بھی اسی نوعیت کی آیاتِ مفسرہ کے طور پر احادیث آئی ہیں۔

نیز ان احادیث وروایات کو اصولی اعتبار سے دیگر نصوص سے اور تلقی بالقبول سے بھی اعتضاد حاصل ہے، چنانچہ اس پر جمہور متقدمین بلکہ بعض حضرات کے بقول اس پر متقدمین کا اجماع ہے، اور اس طرح سے ثابت شدہ حکم کی قوت عام خبرِ واحد سے زیادہ ہوتی ہے۔

نیز اس حکم کا تعلق آخرت سے ہے، جس کے عقدِ قلب کے لیے خبرِ واحد بھی کافی ہے، چنانچہ جو حضرات عقائد کے باب میں خبرِ واحد کو حجت نہیں سمجھتے، وہ بھی اس طرح کے حکم کے لیے خبرِ واحد سے عقدِ قلب کو ثابت مانتے ہیں۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے شرک کے ارتکاب کے ساتھ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پالینے کے باوجود، ایمان لانے سے انکار کیا، اس لیے ابوطالب کے کفر کا مسئلہ زیادہ نمایاں ہوا، جیسا کہ ''البدر الانور ''شرح'' الفقہ الاکبر'' کے حوالہ سے آتا ہے۔

رہا ان نصوص کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ ابوۃ واُمومۃ کا ہونا، تو محققین کے نزدیک یہ بات بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ یہ بات محققین نے مدلل انداز میں منقح فرمادی ہے کہ ابوۃ وامومۃ میں کفر وشرک کا وجود، نبوت کی شرافت و کرامت کے ہرگز منافی نہیں، البتہ نسب کا طاہر و پاکیزہ نہ ہونا، اس کے منافی ہے، مگر وہ اس سے بالکل جدا مسئلہ ہے، جس کے طاہر و پاکیزہ ہونے میں شبہ نہیں، اور اس سلسلہ میں جو احادیث وروایات معتبر اسناد کے ساتھ ثابت ہیں، وہ بھی شرفِ نسب اور کرامتِ نسب کو ثابت کرتی ہیں، نہ کہ نسب کے کفر وشرک سے

پاک ہونے کو، جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر کر دیا گیا۔

رہی سورہ احزاب کی اہلِ بیت کے رجس سے پاک ہونے سے متعلق آیت، تو اس میں اگر عقائد اور ذنوب کی رجس سے طہارت کو بھی مراد لیا جائے، تو بھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر و شرک پر فوت ہونے والے اصول اور ان کے حواشی مثلاً ابولہب، ابوجہل، ابوطالب وغیرہ اہلُ السنۃ میں سے کسی کے نزدیک بھی داخل نہیں۔

لہٰذا محققین کے نزدیک مذکورہ اخبارِ آحاد کے مقابلہ میں اس قسم کی شرافت اور نصوص کا تقابل درست نہیں، اور بہاؤالدین کی طرف سے پیش کردہ باقی تاویلات کا جواب بھی محققین نے واضح فرما دیا ہے، جس میں حدیث ''إن أبی و أباک فی النار'' کی تاویل کا جواب بھی مذکور ہے، اور احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کے ایمان سے محروم اور اس کی پاداش میں عقاب ہونے پر رونا اور غمگین ہونا مصرّح ہے، جس سے بہاءالدین کی بیان کردہ تاویل مرجوح قرار پاتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لہٰذا جن نصوص میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کا ثبوت ہے، اور ان سے جن اہلِ علم حضرات نے استدلال کرتے ہوئے کفر پر فوت ہونے کا حکم لگایا ہے، وہ محققین کے نزدیک حقیقی کفر پر محمول ہیں، اور ان میں حقیقی کفر کی نفی کی تاویل کرکے حکمی کفر کی توجیہ سے اتفاق مشکل ہے۔ واللہ اعلم۔

(علمی وتحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۳۸۴ تا ۳۹۴)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ محمد بن بہاؤالدین کا سورہ احزاب کی آیت میں ''رجس'' سے جمہور کے نزدیک کفر کے مراد ہونے، اور اہلِ بیت سے بنو ہاشم کے وہ افراد مراد ہونے کا حکم لگانا کہ جن پر زکاۃ حرام ہے، یہ دونوں باتیں بھی دراصل محلِ نظر ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی جس آیت میں اہلِ بیت کے ''رجس'' سے پاک کرنے کے ارادے کا ذکر فرمایا ہے، وہ آیت دراصل ازواجِ مطہرات کے متعلق ہے۔

چنانچہ وہ مکمل آیت مندرجہ ذیل ہے:

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورة الاحزاب، رقم الآيات ٣٢ و ٣٣)

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو، اور (غیر محارم سے) نرم (لہجہ میں) بات نہ کرو، کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور بات قاعدہ کے مطابق کرو۔

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور تم زیب وزینت کا اظہار نہ کرو، پہلے جاہلیت میں زیب وزینت کے اظہار کی طرح، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، بس اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہلِ بیت ناپاکی (کا میل کچیل) دور کردے، اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے (سورہ احزاب)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو خطاب کر کے، آگے انہیں اہلِ بیت قرار دیا ہے، جس سے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک یہی راجح ہے، جبکہ اہلِ تشیع کے نزدیک ''اہلِ بیت'' کے مفہوم میں ازواجِ مطہرات داخل نہیں۔ [1]

---

[1] وهذه الأحاديث ونحوها لا تدل على تخصيص الحكم بهؤلاء الاربعة رضى الله عنهم ويأباه ما قبل الاية وما بعدها ويأباه العرف واللغة لان الأصل فى استعمال اهل البيت لغة النساء واما الأولاد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب جبکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک، مذکورہ آیت کا اولین مصداق ازواجِ مطہرات ہیں، تو محمد بن بہاؤالدین کے مذکورہ دعویٰ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ آیت کی رو سے جمہور کے نزدیک ازواجِ مطہرات کے لیے بھی زکاۃ حرام ہو، جبکہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک یہ بات درست نہیں۔

کیونکہ اکثر فقہائے کرام نے ازواجِ مطہرات کے لئے زکاۃ وصدقات کو جائز قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وغيرهم فانها يطلق عليهم تبعا لان لهم بيوتا متغائرة غالبا وقد قال الله تعالى حكاية عن قول الملائكة لسارة امرأة ابراهيم عليه السلام أتعجبين من أمر الله رحمت الله وبركاته عليكم أهل البيت والحق ما ذكرنا ان الاية يعم جميع اهل البيت وان كان سوق الكلام للنساء(تفسير المظهرى، ج٧ص ٣٤٠، سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ٣٣)

والذى يظهر من الآية أنها عامة فى جميع أهل البيت من الأزواج وغيرهم .وإنما قال ":ويطهركم" لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليا وحسنا وحسينا كان فيهم، وإذا اجتمع المذكر والمؤنث غلب المذكر، فاقتضت الآية أن الزوجات من أهل البيت، لأن الآية فيهن، والمخاطبة لهن يدل عليه سياق الكلام .والله أعلم (تفسير القرطبى ،ج١٤ ص١٨٣ ،سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ٣٣)

[2] وقد نقل بن بطال أنهن أى الأزواج لا يدخلن فى ذلك باتفاق الفقهاء وفيه نظر فقد ذكر بن قدامة أن الخلال أخرج من طريق بن أبى مليكة عن عائشة قالت إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة قال وهذا يدل على تحريمها قلت وإسناده إلى عائشة حسن وأخرجه بن أبى شيبة أيضا وهذا لا يقدح فيما نقله بن بطال وروى أصحاب السنن وصححه الترمذى وبن حبان وغيره عن أبى رافع مرفوعا إنا لا تحل لنا الصدقة وأن موالى القوم من أنفسهم وبه قال أحمد وأبو حنيفة وبعض المالكية كابن الماجشون وهو الصحيح عند الشافعية .

وقال الجمهور يجوز لهم لأنهم ليسوا منهم حقيقة ولذلك لم يعوضوا بخمس الخمس(فتح البارى لابنِ حجر، ج٣ص ٣٥٦، كتاب الزكاة، قوله باب الصدقة على موالى أزواج النبى صلى الله عليه وسلم)

وفيه إشارة إلى أن أزواج النبى صلى الله عليه وسلم لا تحرم عليهن الصدقة كما حرمت عليه لأن عائشة قبلت هدية بريرة وأم عطية مع علمها بأنها كانت صدقة عليهما وظنت استمرار الحكم بذلك عليها ولهذا لم تقدمها للنبى صلى الله عليه وسلم لعلمها أنه لا تحل له الصدقة وأقرها صلى الله عليه وسلم على ذلك الفهم ولكنه بين لها أن حكم الصدقة فيها قد تحول فحلت له صلى الله عليه وسلم أيضا (فتح البارى لابنِ حجر، ج٥ص ٢٠٥، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها،قوله باب قبول الهدية)

فهذا السند محتج به ، ولا تظهر ثمرة هذا الحكم بعد وفات ازواجه عليه الصلاة والسلام، اما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں ''رجس'' سے مراد، صرف ''کفر'' نہیں، بلکہ وہ تمام اشیاء مراد ہیں، جو بنو آدم کے لیے ''رجس'' کا باعث بنتی ہیں، جن میں درجہ بدرجہ تمام گناہ داخل ہیں، جس کی تائید خود اس آیت کے اگلے حصے سے ہوتی ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ ''ویطھرکم تطھیرا''۔

بلکہ کفر کے بجائے اس کا عام مفہوم مراد لینا، زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ تمام ازواجِ مطہرات، تو کفر سے پاک وصاف تھیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تحقیق المسئلة فی نفسها فالذی یجمع به بین نقل اتفاق الفقهاء ، وحدیث عائشة ان یقال یحل الصدقة لهن ، کما قال الفقهاء ویکون الحرمة اجتهادا من عائشة مستندة الیٰ قوله علیه السلام: ولا لآل محمد. رواه مسلم وعممت معنی الآل الشامل للازواج، ولعل مستند اتفاق الفقهاء الاحادیث التی ورد بلفظ " بنی هاشم" ففهموا انه تفسیر للآل وایضا اکله صلی الله علیه وسلم لحما تصدق به علی بریرة مولاة عائشة من غیر تفتیش منه انها واجبة ام غیر واجبة ، یدل ظاهرا علی حل مطلق الصدقة للازواج، فان مولاة الازواج کالازواج، واللّٰہ اعلم(اعلاء السنن، ج۹ ص ۹۴، ۹۵، کتاب الزکاة، من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز، من منشورات ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی، الطبعة الثالثة ۱۴۱۵ھ)

[1] حدثنا محمد، قال :حدثنا الفریابی، قال :حدثنا سفیان، عن عاصم، عن الشعبی، قال ": التائب من الذنب کمن لا ذنب له،" إن الله یحب التوابین ویحب المتطهرین "فإذا أحب الله عز وجل عبدا لم یضره ذنبه "فهذا أمثل التأویل المروی فی ذلک عن عطاء وذهب أهل التأویل فی التطهیر الذی فی هذا الحدیث إلی أن جعلوه کقول الله عز وجل :"إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهرکم تطهیرا" فإنما ذلک عند جمیعهم علی التطهیر من الذنوب، ومن سائر الأشیاء التی تدنس بنی آدم ولما اختلفوا فی هذا التأویل الذی ذکرنا هذا الاختلاف، طلبنا الوجه فیه من کتاب الله عز وجل، فوجدنا الله عز وجل قد قال فی کتابه : "رجال یحبون أن یتطهروا "(أحکام القرآن الکریم،للطحاوی، ج ۱،ص ۱۳۱ ، کتاب الطهارات،تأویل قول الله تعالی:إن الله یحب التوابین ویحب المتطهرین)

قوله تعالی إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت قیل هو الشک وقیل العذاب وقیل الإثم قال الأزهری الرجس اسم لکل مستقذر من عمل(شرح صحیح للنووی،ج۱۵ ،ص۱۹۵ ،کتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم،باب من فضائل الحسن والحسین رضی الله عنهما)

قوله :(عنکم الرجس) استعار للذنوب الرجس، وللتقوی الطهر، لأن المقترف للمقبحات ملوث بها ویتدنس کما یتلوث بدنه بالأرجاس، وأما المحسنات فالغرض منها نقی مصون کالثوب الطاهر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز اگر مذکورہ آیت میں ''رجس'' سے مراد کفر کو لیا جائے، اور اہلِ بیت سے بنو ہاشم کو مراد لیا جائے، تو قیامت تک آنے والے تمام آلِ بنی ہاشم کا مسلمان ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست اور واقع کے مطابق نہیں۔ ل

اور تیسری بات یہ ہے کہ ''رجس'' سے کفر اور گناہ، جو بھی چیز مراد لی جائے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ اللہ تم سے ''رجس'' دور کرنے کو چاہتا، اور پسند کرتا ہے، جیسا کہ دوسری آیات میں بھی اس طرح کے الفاظ ہیں، مثلاً ''یرید اللّٰہ بکم الیسر'' پس جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرے گا، تو وہ اللہ کی اس چاہت اور پسند کے مطابق ''رجس'' کو اپنے سے دور کر لے گا، اور جو ایسا نہیں کرے گا، وہ ''رجس'' کو اپنے سے دور نہیں کرے گا۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفي هذه الاستعارة ما ينفر أولي الألباب عما كرهه اله لعباده وينهاهم عنه ويرغبهم فيما رضيه لهم وأمرهم به(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج١٢، ص٣٩٠٠، كتاب المناقب،باب مناقب أهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم)

"إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس"أى الإثم وكل ما يستقذر مروءة " أهل البيت" نصب على النداء أو المدح، وفيه دليل على أن نساء النبى -صلى الله عليه وسلم -من أهل بيته أيضا، لأنه مسبوق بقوله: "يا نساء النبى لستن كأحد من النساء" وملحوق بقوله: "واذكرن ما يتلى فى بيوتكن' 'فضمير الجميع إما للتعظيم أو لتغليب ذكور أهل البيت على ما يستفاد من الحديث.

"ويطهركم تطهيرا' 'من التلوث بالأرجاس والأدناس المبتلى بها أكثر الناس .قال الطيبى :استعار للذنب الرجس، وللتقوى الطهر، لأن غرض المقترف للمقبحات أن يتلوث بها ويتدنس كما يتلوث بدنه بالأرجاس، وأما المحسنات فالغرض منها نقى مصون كالثوب الطاهر، وفى هذه الاستعارة ما ينفر أولي الألباب عما كره الله لعباده، وينهاهم عنه ويرغبهم فيما رضيه لهم وأمره به(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٩،ص ٣٩٦٢،كتاب المناقب والفضائل ،باب مناقب أهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم رضى الله عنهم)

لو أريد بها الإرادة التي يتحقق عندها الفعل لكان كل من أهل البيت إلى يوم القيامة محفوظا من كل ذنب والمشاهد خلافه(روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم،ج١١،ص١٩٨، سورة الاحزاب)

۲ (إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا) والمعنى أنه أمركم بما يذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا فمن أطاع أمره كان مطهرا قد أذهب عنه الرجس بخلاف من عصاه(مجموع الفتاوى لابن تيمية،ج١١،ص٢٦٧، كتاب التصوف،فصل فى الفرق بين الارادة والامر والقضاء)

اس کے برخلاف اہلِ بیت کے عمل واختیار کے بغیر اُن کے ہر طرح سے پاک وصاف ہونے کا قول تو بنیادی طور پر اہلِ تشیع کا ہے۔ [1]

[1] وأما آية الطهارة فليس فيها إخبار بطهارة أهل البيت وذهاب الرجس عنهم، وإنما فيها الأمر لهم بما يوجب طهارتهم وذهاب الرجس عنهم .فإن قوله : ''إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا''كقوله تعالى : ''ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم'' وقوله: ''يريد الله ليبين لكم ويهديكم سنن الذين من قبلكم ويتوب عليكم والله عليم حكيم -والله يريد أن يتوب عليكم ويريد الذين يتبعون الشهوات أن تميلوا ميلا عظيما -يريد الله أن يخفف عنكم وخلق الإنسان ضعيفا''

فالإرادة هنا متضمنة للأمر والمحبة والرضا ، وليست هي المشيئة المستلزمة لوقوع المراد، فإنه لو كان كذلك لكان قد طهر كل من أراد الله طهارته .وهذا على قول هؤلاء القدرية الشيعة أوجه، فإن عندهم أن الله يريد ما لا يكون، ويكون ما لا يريد.

فقوله: ''إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا '' إذا كان هذا بفعل المأمور وترك المحظور، كان ذلك متعلقا بإرادتهم وأفعالهم، فإن فعلوا ما أمروا به طهروا وإلا فلا(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية، ج۴،ص ۲۱،الفصل الثانى فى أن مذهب الإمامية واجب الاتباع،الجواب على قول الرافضى إن الإمامية أخذوا مذهبهم عن أهل البيت)

وأما قوله " :ولكان أهل البيت الذين طهرهم الله فى كتابه مرتكبين ما لا يجوز ."

فيقال له :أولا إن الله تعالى لم يخبر أنه طهر جميع أهل البيت وأذهب عنهم الرجس، فإن هذا كذب على الله .كيف ونحن نعلم أن فى بنى هاشم من ليس بمطهر من الذنوب، ولا أذهب عنهم الرجس، لا سيما عند الرافضة، فإن عندهم كل من كان من بنى هاشم يحب أبا بكر وعمر -رضى الله عنهما -فليس بمطهر، والآية إنما قال فيها: ''إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت''وقد تقدم أن هذا مثل قوله: ''ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون''

وقوله :''يريد الله ليبين لكم ويهديكم سنن الذين من قبلكم ويتوب عليكم'' ونحو ذلك مما فيه بيان أن الله يحب ذلك لكم ويرضاه لكم ويأمركم به، فمن فعله حصل له هذا المراد المحبوب المرضى ، ومن لم يفعله لم يحصل له ذلك.

وقد بسط هذا فى غير هذا الموضع، وبين أن هذا ألزم لهؤلاء الرافضة القدرية ;فإن عندهم (أن) إرادة الله بمعنى أمره، لا بمعنى أنه يفعل ما أراد، فلا يلزم إذا أراد الله تطهير أحد أن يكون ذلك قد تطهر، ولا يجوز عندهم أن يطهر الله أحدا ، (بل من أراد الله تطهيره، فإن شاء طهر نفسه، وإن شاء لم يطهرها)، ولا يقدر الله عندهم على تطهير أحد(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية، ج۴،ص ۲۵۹، ۲۶۰،الفصل الثانى فى أن مذهب الإمامية واجب الاتباع، كلام الرافضى على منع فاطمة من إرث فدك)

نیز اہلِ بیت کے مفہوم میں بنو ہاشم، بشمول ابُ النبی وجدُّ النبی سب کو داخل مانا جائے، اور ''رجس'' سے مراد، کفر ہو، تو اس سے لازم آئے گا کہ ابو طالب اور ابو جہل وغیرہ کو بھی اس کے مصداق میں داخل مانا جائے، اور یہ دوسری نصوص سے متعارض ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگا، اسی طرح دوسری نصوص سے متعارض ہونے کی وجہ سے اس کے مصداق میں ابوین کو داخل ماننا بھی درست نہ ہوگا۔

پس آنجناب کا علامہ بہاؤالدین کے متعلق اس مسئلے میں، اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کا دعویٰ کرنا، اور ہماری طرف اس اعتدال کے راستے پر گامزن نہ ہونے کا الزام عائد کرنا، خود ہی صریح در صریح بے اعتدالی میں داخل ہے۔

مسئلہ ھٰذا پر امام طحاوی کا موقف

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

(4) امام طحاوی رحمہ اللہ کا کلام ایک آیت کے تحت پیش کیا، اس میں بھی قطعی طور پر عقیدہ تو ثابت نہیں ہوتا؟'' ۔انتھٰی۔

کلام :

امام طحاوی رحمہ اللہ کے کلام پر جناب کے اس الزام سے کوئی بھی اثر نہیں پڑتا کہ ''اس میں بھی قطعی طور پر عقیدہ تو ثابت نہیں ہوتا'' کیونکہ نہ تو ہر قابلِ قبول عقیدہ کا قطعی ہونا ضروری ہے، اور نہ ہی امام طحاوی رحمہ اللہ، یا ہم نے اس عقیدہ کے قطعی ہونے کا حکم لگایا۔

بلکہ ہم اس مسئلہ کے فی الجملہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد، جس طرح قطعی ہیں، اسی طرح بعض عقائد ظنی بھی ہیں، جن میں اجتہاد واختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اور ان عقائد سے، یا تو غیر اہلُ السنۃ کو اختلاف ہوتا ہے، یا اہلُ السنۃ کے بعض اہلِ علم حضرات کو بھی اختلاف ہوجاتا ہے، پھر اس

میں بھی راجح و مرجوح، اور صواب و خطاء ہونے کے اعتبار سے کلام کی گنجائش ہوتی ہے۔

اب ہم مزید وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ:

''اہلُ السنۃ کا روافض سے اس باب میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ روافض کے نزدیک ''آبــاءُ الـنبــی '' کا موحّد ہونا ضروری ہے، اور اہلُ السنۃ کے نزدیک ضروری نہیں، لہٰذا جن ''آبـاءُ الـنبی '' کا غیر موحّد ہونا، اہلُ السنۃ کے جن دلائل کے ساتھ ثابت ہو، تو ان کا غیر موحّد ہونا، اپنے حسبِ دلائل ہی ثابت ہوگا۔

اہلُ السنۃ کے نزدیک ''ابوین النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا غیر موحّد ہونا ظنی دلائل سے ثابت ہے، تو یہ عقیدہ بھی ظنی درجہ کا ہوگا، اور اس سے اختلاف کرنے والا، دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوگا، البتہ اگر کوئی اہلِ سنت محقق، اپنے اجتہاد کی بناء پر اس سے اختلاف کرے گا، تو وہ عنداللہ معذور ہوگا، لیکن جو اس کی اجتہادی خطاء پر مطلع ہوگا، اس کے لیے اس محقق کی شان میں زبان درازی اور طعن وتشنیع سے گریز کرتے ہوئے، اس کی اتباع وتقلید کرنا، رَوا نہ ہوگا''۔ انتہٰی۔ [1]

[1] وأما خبر الواحد فهو ما لم يوجد فيه شروط المتواتر سواء كان الراوى له واحدا أو أكثر واختلف فى حكمه فالذى عليه جماهير المسلمين من الصحابة والتابعين فمن بعدهم من المحدثين والفقهاء وأصحاب الأصول أن خبر الواحد الثقة حجة من حجج الشرع يلزم العمل بها ويفيد الظن ولا يفيد العلم وأن وجوب العمل به عرفناه بالشرع لا بالعقل وذهبت القدرية والرافضة وبعض أهل الظاهر إلى أنه لا يجب العمل به ثم منهم من يقول منع من العمل به دليل العقل ومنهم من يقول منع دليل الشرع وذهبت طائفة إلى أنه يجب العمل به من جهة دليل العقل وقال الجبائى من المعتزلة لا يجب العمل إلا بما رواه اثنان عن اثنين وقال غيره لا يجب العمل إلا بما رواه أربعة عن أربعة وذهبت طائفة من أهل الحديث إلى أنه يوجب العلم وقال بعضهم يوجب العلم الظاهر دون الباطن وذهب بعض المحدثين إلى أن الآحاد التى فى صحيح البخارى أو صحيح مسلم تفيد العلم دون غيرها من الآحاد وقد قدمنا هذا القول وإبطاله فى الفصول وهذه الأقاويل كلها سوى قول الجمهور باطلة وإبطال من قال لا حجة فيه ظاهر فلم تزل كتب النبى صلى الله عليه وسلم وآحاد رسله يعمل بها ويلزمهم النبى صلى الله عليه وسلم العمل بذلك واستمر على ذلك الخلفاء الراشدون فمن بعدهم ولم تزل الخلفاء الراشدون وسائر الصحابة فمن بعدهم من السلف والخلف على امتثال خبر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جناب جو بات کو ادھر ادھر گھما کر کرنے کی رَوش پر عمل پیرا ہیں، اور دینی مسائل میں امانت و دیانت کی نزاکت و اہمیت کو نہیں سمجھتے، وہ کوئی قابلِ تحسین رَوش نہیں۔

اس لیے ہم اس موقع پر آنجناب کے وساوس واوہام کے مقابلہ میں اپنے اس مضمون کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں، جس پر جناب ''چیں بہ جبیں'' ہیں۔

ہم نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ:

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ(سورة التوبة، رقم الآيات،١١٢)

ترجمہ: نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں (سورہ توبہ)

اس آیت میں مشرکین کے لیے استغفار سے منع کیا گیا ہے، اور مذکورہ آیت کے شانِ نزول کے متعلق مختلف احادیث وروایات وارِد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض احادیث وروایات کے مطابق مذکورہ آیت ''ابوطالب'' کے استغفار کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الواحد إذا أخبرهم بسنة وقضائهم به ورجوعهم إليه فى القضاء والفتيا ونقضهم به ما حكموا به على خلافه وطلبهم خبر الواحد عند عدم الحجة ممن هو عنده واحتجاجهم بذلك على من خالفهم وانقياد المخالف لذلك وهذا كله معروف لاشك فى شيء منه والعقل لا يحيل العمل بخبر الواحد وقد جاء الشرع بوجوب العمل به فوجب المصير إليه وأما من قال يوجب العلم فهو مكابر للحس وكيف يحصل العلم واحتمال الغلط والوهم والكذب وغير ذلك متطرق إليه والله أعلم(شرح النووى على مسلم، ج ١، ص ١٣١، ١٣٢، باب صحة الاحتجاج بالحديث المعنعن إذا أمكن لقاء المعنعنين ولم يكن فيهم مدلس)

استغفار کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

اس سلسلے میں امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 321ہجری) فرماتے ہیں کہ:

قد یجوز أن یکون نزول ما قد تلونا بعد أن کان جمیع ما ذکرنا من سبب أبی طالب، ومن سبب علی رضی اللّٰہ عنہ فیما کان سمعہ من المستغفر لأبویہ، ومن زیارۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبر أمہ , ومن سؤال ربہ عز وجل عند ذلک الإذن لہ فی الاستغفار لہا، فکان نزول ما تلونا جوابا عن ذلک کلہ (شرح مشکل الآثار للطحاوی، ج٦ص٢٨٥، تحت رقم الحدیث ٢٤٨٧، باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الاستغفار للمشرکین من نہی أو إباحۃ)

ترجمہ: جو آیت ہم نے تلاوت کی، اس کا نزول اُن تمام واقعات کے بعد ممکن ہے، جو ہم نے ذکر کیے، یعنی ابوطالب کے فوت ہونے کے بعد ان کے لیے استغفار کے موقع پر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سبب سے، جب انہوں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے اور رب تعالیٰ عزوجل سے اس موقع پر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنے کی صورت میں، پس ان سب کے نزول کے متعلق ہمارا جواب وہی ہوگا، جو ہم نے ذکر کیا (شرح مشکل الآثار)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کے لیے بھی تسلیم کرلیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بحالتِ شرک فوت ہونے کی تائید ہوتی ہے، اور بعد میں زندہ کیا جانا، کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں، جیسا کہ گزرا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا، اس کی تائید بہت سے مفسرین

سے ہوتی ہے، جنہوں نے اس موقع پر اپنی تفاسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، یا والدہ کے واقعے کو بھی اس آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا ہے، اور انہوں نے اس موقع پر اس کی تردید نہیں کی (علمی وتحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۵۳۸، تا ۵۴۰)

پھر بھی اگر آنجناب ”چیں بہ جبیں“ سے باز نہ آئیں گے، تو امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس باب سے متعلق مکمل عبارت کو بغور ملاحظہ کرنے کے بعد شاید آپ کہیں کے نہ رہیں۔

کیونکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشرکین کے استغفار کی ممانعت والی آیات کے شانِ نزول کو جن تمام واقعات کے بعد ممکن ہونے کا حکم لگایا ہے، تو اس کے ساتھ ہی اپنی سند کے ساتھ متعلقہ واقعات کے متعلق شانِ نزول کی احادیث وروایات کو نقل بھی کیا ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے پہلے تو ”مشرکین کے لیے استغفار کی نہی اور ممانعت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات کی مشکل کا باب قائم فرمایا ہے“۔

جس کے بعد امام طحاوی نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں مشرک والدین کے لیے استغفار کرنے، اور اس پر ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے لیے استغفار کرنے کے واقعہ سے استدلال کا ذکر ہے، اور اس موقع پر سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہونے کا ذکر ہے کہ ”وما کان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه“۔

پھر اس کے بعد امام طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں اسی طرح ایک شخص کے اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرنے اور اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے لیے استغفار کرنے کے واقعہ سے استدلال کرنے کا ذکر ہے، جس کے بعد سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہونے کا ذکر ہے کہ ”ما کان للنبي والذين آمنوا أن

یستغفروا للمشرکین“۔

جس کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرک والدین کے لے استغفار کے انکار کا ذکر ہے، اور اس پر قرآن مجید کی مذکورہ آیات کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔

لیکن مذکورہ حدیث میں یہ بات واضح نہیں کہ اس آدمی کے والدین، ان کے لیے استغفار کرنے کے وقت زندہ تھے، یا فوت ہو چکے تھے، البتہ مذکورہ دو آیتوں میں سے ایک میں ایسی بات مذکور ہے کہ جو اس کے واقف ہونے کو ثابت کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے استغفار سے منع اس وقت کیا ہے، جب ان کا اصحابُ الجحیم میں ہونا، واضح ہو جائے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اصحابُ الجحیم ظاہر ہونے سے قبل استغفار کا حکم اس کے برخلاف ہے، اور اس سے اس وقت تک استغفار کی اباحت معلوم ہوتی ہے، جب تک ان کے ایمان کی امید ہو، اور ان کے ایمان کی امید ختم ہونے کے بعد، ان کے لیے استغفار کی حرمت معلوم ہوتی ہے، اور یہ بات ان کی وفات کے بعد ہی پائی جاتی ہے، جس کی تائید حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جس میں ان سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے فوت ہونے تک، ان کے لیے استغفار کرتے رہے، پھر جب وہ فوت ہو گئے، اور یہ واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے برائت ظاہر کی، پس وہ اس آیت کے نازل ہونے تک استغفار کرتے رہے، پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی، تو اپنے فوت شدہ لوگوں کے لیے استغفار سے رُک گئے، اور ان کو مرنے سے پہلے زندوں کے لیے استغفار سے منع نہیں کیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی یہ آیت نازل فرمائی کہ ”وما

کان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه‘‘۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک وہ حیات تھے، ان کے لیے استغفار کیا، اور جب وہ فوت ہوگئے، تو استغفار سے رک گئے، پس اس سے اسی تاویل کی تائید ہوئی، جو ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں ذکر کی۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات کا سببِ نزول اس کے علاوہ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورہ توبہ کی مذکورہ آیت، اور سورہ قصص کی یہ آیت کہ ’’**إنک لا تهدی من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء** ‘‘ابوطالب کے فوت ہونے کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے لیے استغفار کرنے کا ارادہ کرنے کے موقع پر نازل ہوئی۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ ہم قبرستان پہنچے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ٹھہرنے کا حکم دیا، تو ہم بیٹھ گئے، پھر قبروں سے گزرتے ہوئے، ایک قبر کے پاس تشریف لے گئے، پھر وہاں تشریف فرما ہوکر طویل مناجات کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روتے ہوئے کھڑے ہوئے، تو ہم کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے رونا آ گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے، پھر آپ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو کس بات کی وجہ سے رونا آیا؟ جس سے ہمیں بھی رونا آ گیا، اور ہم گھبرا گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، پھر ہماری طرف

متوجہ ہوئے، اور ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں میرے رونے کی وجہ سے گھبراہٹ لاحق ہوگئی ہے؟
ہم نے عرض کیا کہ بے شک اللہ کے رسول۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو جس قبر پر مناجات کرتے ہوئے دیکھا، وہ آمنہ بنتِ وہب کی قبر ہے، اور میں نے اپنے رب عزوجل سے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، تو مجھے میرے رب عزوجل نے اجازت نہیں دی، اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''**ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين** '' آخر آیت تک، اور یہ آیت بھی نازل ہوئی کہ ''**وما كان استغفار إبراهيم لأبيه**''۔
پس مجھے وہ رنج لاحق ہوا، جو اولاد کو والدین کے لیے لاحق ہوتا ہے، پس اسی وجہ سے مجھے رونا آیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے سبب سے وہ آیات نازل ہوئیں، جو ہم نے تلاوت کیں۔
تاہم یہ بات ممکن ہے کہ جو آیات ہم نے تلاوت کیں، اس کا نزول اُن تمام واقعات کے بعد ہوا ہو، جو ہم نے ذکر کیے، یعنی ابوطالب کے فوت ہونے کے بعد ان کے لیے استغفار کے موقع پر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سبب سے، جب انہوں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے اور رب تعالیٰ عزوجل سے اس موقع پر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنے کی صورت میں، پس ان سب کے نزول کے متعلق ہمارا جواب وہی ہوگا، جو ہم نے ذکر کیا (یعنی ان کے **اصحابُ الجحیم** ظاہر ہونے کے بعد)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے زندوں کے لیے استغفار کی اباحت مروی ہے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما دیجیے، کیونکہ وہ لاعلم ہیں۔

پس اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی لاعلم قوم کے لیے استغفار کرنے کا ذکر ہے، جب کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں کی تھی۔

اور اسی باب میں وہ روایت بھی داخل ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، تو مجھے اس کی اجازت نہیں ملی، اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت حاصل ہوگئی، اور ہم اللہ عزوجل سے ہی توفیق کا سوال کرتے ہیں'' ۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الاستغفار للمشركين من نهى أو إباحة.

حدثنا إبراهيم بن مرزوق، قال :حدثنا أبو عامر العقدى، عن سفيان، عن أبى إسحاق، عن أبى الخليل، عن على رضى الله عنه قال :سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان، فقلت :أتستغفر لأبويك وهما مشركان؟ قال :ألم يستغفر إبراهيم لأبيه؟ فذكرت ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم، فنزلت: ''وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه''

وحدثنا يزيد بن سنان، قال :حدثنا محمد بن كثير العبدى، قال :أنبأنا سفيان، ثم ذكر بإسناده مثله.

وحدثنا فهد بن سليمان، قال :حدثنا أبو نعيم، قال :حدثنا سفيان، عن أبى إسحاق، عن أبى الخليل، عن على رضى الله عنه قال :سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان ,فقلت :أتستغفر لأبويك وهما مشركان؟ فقال :ألم يستغفر إبراهيم صلى الله عليه وسلم لأبيه؟ قال :فذكرت ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم، فقال: ''ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين''

قال أبو جعفر :ففيما روينا من هذا الحديث إنكار على رضى الله عنه على الرجل المذكور فيه استغفاره لأبويه وهما مشركان ,وذكر على ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم، ونزول ما ذكر نزوله من القرآن فى ذلك، أو تلاوته عليه ما تلاه عليه من القرآن فى ذلك.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس امام طحاوی رحمہ اللہ تو قرآن مجید کی مذکورہ آیات کے شانِ نزول کو احادیث وروایات کی وجہ سے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ''ابوطالب'' کے لیے تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے بھی تسلیم کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں واردشدہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولم يبين لنا في هذا الحديث أن أبوى ذلك الرجل كانا حيين أو أنهما كانا ميتين عند استغفاره لهما، غير أن إحدى الآيتين المذكورتين فيه معنى يوجب الوقوف عليه، وهو قوله عز وجل الذى نهى به عن الاستغفار لهم : ''من بعد ما بين لهم أنهم أصحاب الجحيم '' فكان في ذلك ما قد دل على أن الاستغفار لهم قبل أن يتبين لهم أنهم أصحاب الجحيم بخلاف ذلك، وفي ذلك ما يبيح الاستغفار لهم ما كان الإيمان مرجوا منهم، ومحرما عنهم بعد أن يؤيس منهم منه ,وذلك لا يكون إلا بعد موتهم .وقد روى عن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما ما قد دل على هذا المعنى.

كما قد حدثنا ابن أبي داود قال أبو جعفر :كذا في كتابي، والصواب ابن أبي مريم قال :حدثنا الفريابي قال :حدثنا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال " :لم يزل إبراهيم صلى الله عليه وسلم يستغفر لأبيه حتى مات، فلما مات تبين له أنه عدو لله فتبرأ منه "

وكما حدثنا محمد بن الحجاج الحضرمي، وعلى بن عبد الرحمن بن محمد بن المغيرة الكوفي، قالا :حدثنا عبد الله بن صالح، قال :حدثني معاوية بن صالح، عن على بن أبي طلحة، عن ابن عباس، قوله عز وجل :''ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم''

فكانوا يستغفرون لهم حتى نزلت هذه الآية، فلما نزلت أمسكوا عن الاستغفار لأمواتهم، ولم ينههم أن يستغفروا للأحياء حتى يموتوا.

ثم أنزل الله عز وجل :''وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه''

يعني استغفر له ما كان حيا، فلما مات أمسك عن الاستغفار له "فكان في ذلك ما قد دل على ما قد ذكرنا مما تأولنا عليه حديث على رضى الله عنه، وقد شد ذلك من قول الله عز وجل حكاية عن نبيه إبراهيم صلى الله عليه وسلم :''واغفر لأبي إنه كان من الضالين'' واحتملنا حديث على بن أبي طلحة عن ابن عباس رضى الله عنهما وإن كان لم يلقه؛ لأنه عند أهل العلم بالأسانيد إنما أخذ الكتاب الذى فيه هذه الأحاديث عن مجاهد، وعن عكرمة.

وقد روى أن سبب نزول ما تلونا في حديث على رضى الله عنه كان لغير المعنى الذى ذكرنا نزول ما قد كان من أجله.

كما قد حدثنا فهد بن سليمان، قال :حدثنا أبو اليمان الحكم بن نافع البهراني، قال :أخبرنا شعيب بن أبي حمزة، عن الزهري، قال :أخبرني سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال :لما حضرت أبا طالب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث وروایات کو بھی تسلیم کرتے ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کا ذکر ہے، اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوفاة جاء ه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل، وعبد الله بن أبى أمية بن المغيرة، فقال النبى صلى الله عليه وسلم لأبى طالب " :أى عم، قل لا إله إلا الله كلمة أشهد لک بها عند الله ."فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبى أمية :أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل النبى صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعيدانه بتلک المقالة، حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول :لا إله إلا الله، فقال النبى صلى الله عليه وسلم " :أما والله لأستغفرن لک ما لم أنه عنک، فأنزل الله عز وجل :"ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى" وأنزل فى أبى طالب :"إنک لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء"

وكما قد حدثنا محمد بن أحمد بن جعفر، وعبيد بن رجال، قالا :حدثنا أحمد بن صالح، قال: حدثنا ابن وهب، قال :أخبرنى يونس، عن ابن شهاب، قال :أخبرنى سعيد بن المسيب، عن أبيه، ثم ذكر مثله.

وكما حدثنا مصعب بن إبراهيم الزبيرى، قال :حدثنا أبى، قال :حدثنا الدراوردى، قال :حدثنا محمد بن عبد الله بن مسلم، عن عمه، عن سعيد بن المسيب أن أبا طالب، لما حضرته الوفاة، ثم ذكر مثله، ولم يجاوز به سعيد بن المسيب .فكان فى هذا الحديث أن الله عز وجل إنما أنزل النهى عن الاستغفار للمشركين لسبب ما كان من أبى طالب، وأن ذلک كان من بعد موته على ما مات عليه، وقد روى أن سبب نزولها كان فى خلاف ذلک.

كما حدثنا أحمد بن داود بن موسى، قال :حدثنى حرملة بن يحيى قال :أنبأنا عبد الله بن وهب، قال :أخبرنى ابن جريج، عن أيوب بن هانء، عن مسروق بن الأجدع، عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يوما وخرجنا معه حتى انتهينا إلى المقابر، فأمرنا فجلسنا، ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها، فجلس فناجاه طويلا، ثم ارتفع نحيب رسول الله صلى الله عليه وسلم باكيا، فبكينا لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم إن النبى صلى الله عليه وسلم أقبل إلينا، فتلقاه عمر بن الخطاب رضى الله عنه، فقال :ما الذى أبكاک يا رسول الله، فقد أبكانا وأفزعنا؟ فأخذ بيد عمر ,ثم أقبل إلينا فأتيناه ,فقال " :أفزعكم بكائى؟ "قلنا :نعم يا رسول الله .فقال " :إن القبر الذى رأيتمونى أناجى قبر آمنة بنت وهب، وإنى استأذنت ربى عز وجل فى الاستغفار لها فلم يأذن لى، ونزل على :"ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين" حتى تنقضى الآية، "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه" فأخذنى ما يأخذ الولد للوالدين من الرقة، فذلک الذى أبكانى ."

فالله أعلم بالسبب الذى كان فيه نزول ما قد تلونا، غير أنه قد يجوز أن يكون نزول ما قد تلونا بعد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بحالتِ کفر فوت ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، اور ان سب کے بحالتِ کفر فوت ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، جس کے بعد مذکورہ افراد کے لیے استغفار کرنے کو قرآن وسنت کی رُو سے جائز نہیں سمجھتے، اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا درمیان میں کوئی ذکر نہیں۔

جبکہ اس کے برعکس آنجناب اس عقیدہ کو ثابت، یا اس قول کی اتباع کرنا چاہتے ہیں، جس کی رُو سے نہ تو ابراہیم علیہ السلام کے والد کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور آزر سے مراد، ان کے چچا ہیں، اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور اگر اس حالت میں فوت ہوئے تھے، تو دوبارہ زندہ ہوکر اسلام قبول کرا دیا گیا تھا، اس لیے ان کے لیے استغفار کرنا جائز ہے، دراں حالیکہ اس کا ثبوت کسی مستند حدیث سے نہیں ملتا، اور اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے، اس کی سند کا حال جلیلُ القدر محدثین کے حوالہ سے ذکر کیا جاچکا ہے۔

البتہ آنجناب کو مذکورہ آیت کا صرف ایک شانِ نزول پختہ اور اَزبر یاد ہے، جو کہ نبی صلی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن كان جميع ما ذكرنا من سبب أبي طالب، ومن سبب علي رضي الله عنه فيما كان سمعه من المستغفر لأبويه، ومن زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه ,ومن سؤال ربه عز وجل عند ذلک الإذن له في الاستغفار لها، فكان نزول ما تلونا جوابا عن ذلک كله .

وقد روي عنه صلى الله عليه وسلم في إباحة الاستغفار لأحيائهم.

ما قد حدثنا محمد بن علي بن داود قال :حدثنا إبراهيم بن حمزة الزبيري، وإبراهيم بن المنذر الحزامي قالا :حدثنا محمد بن فليح، عن موسى بن عقبة، عن الزهري، عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون.

.ففي هذا الحديث استغفاره صلى الله عليه وسلم لقومه الذين لا يعلمون، وهم الذين لم يؤمنوا به ولم يصدقوه .وقد روي عنه صلى الله عليه وسلم مما يدخل في هذا الباب.

ما قد حدثنا علي بن عبد الرحمن، قال :حدثنا يحيى بن معين، قال :حدثنا مروان بن معاوية، قال: حدثنا يزيد بن كيسان، عن أبي حازم، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :استأذنت ربي عز وجل أن أستغفر لوالدتي فلم يأذن لي، واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لي ."والله عز وجل نسأله التوفيق(شرح مشكل الآثار، ج٦،ص ٢٧٩،الٰی ص٢٨٧ ،باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الاستغفار للمشركين من نهي أو إباحة)

علیہ وسلم چچا ابو طالب کے متعلق ہے۔

اب مذکورہ تفصیل کی روشنی میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے کلام کو پیشِ نظر رکھ کر جناب خود ہی غور فرما سکتے ہیں کہ مذکورہ آیات کی احادیث و روایات میں وارد شدہ تفسیر سے، آنجناب کے خیالات کتنی مطابقت رکھتے ہیں؟

جس کے بعد جناب کی مذکورہ ''چیں بہ جبیں'' کی حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوئے بغیر رہنا مشکل ہے۔

علامہ حلبی کے قول کے نو ایجاد ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

(5) علامہ حلبی رحمہ اللہ (۹۴۵ھ) کا (ناجی ہونے کے قول کو) نو ایجاد قول قرار دینا، حالانکہ ان کا اپنا قول ہی نو ایجاد ہے، کیونکہ ان سے قبل ان احادیث و روایات پر کلام ہوتا آیا ہے''۔انتھٰی۔

کلام:

بندہ نے اس موقع پر یہ تحریر کیا تھا کہ:

''ملا علی قاری کے دور سے پہلے، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی (المتوفٰی:945ہجری) جو سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ کی جامع مسجد میں امام وخطیب تھے، اور فقہ حنفی میں امتیازی مقام رکھتے تھے، فقہ حنفی میں ان کی ایک کتاب ''**ملتقی الابحر**'' اور دوسری کتاب ''**شرح منیة المصلی**'' ہے، جس کا نام ''**المتملی فی شرح منیة المصلی**'' ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی تالیفات ہیں، انہوں نے ایک رسالہ ''**رسالة فی حق ابوی الرسول ﷺ**'' کے نام سے تالیف کیا ہے۔

یہ رسالہ نایاب ہونے کی وجہ سے موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات کی

نظروں سے اوجھل ہے، ہم نے جدوجہد کر کے اس رسالہ کو ''مصر'' کے مطبوعہ نسخہ کی شکل میں حاصل کیا۔

یہ پورا رسالہ ذیل میں ترجمہ سمیت ذکر کیا جاتا ہے، جس کے حواشی بندہ محمد رضوان نے درج کیے ہیں'' (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۵۷۰)

اور علامہ ابراہیم بن محمد حلبی کی جس عبارت پر آنجناب واویلا مچا رہے ہیں، وہ ترجمہ سمیت مندرجہ ذیل ہے:

''فقد بلغني ان بعض الناس ابتدع قولا خالف فيه : الكتاب والسنة واجماع الامة بان زعم أن آباء النبي صلى الله عليه وسلم وأجداده الى آدم ليس فيهم كافر و أنه يشنع على من اعتقد خلاف ذالک ، ويقول : ان من اعتقد خلافه يستوجب ضرب العنق ، ويقول : ان من اعتقد خلافه يستوجب ضرب العنق ، وأن آباء النبي وأجداده أفضل من أبي بكر و عمر''.

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگوں نے ایک ایسے قول کو ایجاد کیا ہے، جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے، وہ یہ کہ ان کا گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک، میں کوئی کافر نہیں تھا، اور وہ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کی شان میں طعن وتشنیع کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا، تو وہ گردن زدنی کا مستحق ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، ابوبکر وعمر سے بھی افضل ہیں''۔

مذکورہ عبارت کے حاشیہ میں بندہ نے تحریر کیا تھا کہ:

''علامہ ابراہیم حلبی جو کہ 945 ہجری میں فوت ہوئے، انہوں نے اپنے زمانے میں، اس قول کو اسلام میں نو ایجاد قول قرار دیا تھا، جس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کے آباء واجداد، سب مومن وموحد تھے، اور اس زمانے میں اس قول کی مخالفت کرنے والوں پر طعن وتشنیع اور اس پر سخت نکیر کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اور پھر یہ سلسلہ ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

اور علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کی وفات 911 ہجری میں ہوئی، جس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ حلبی نے، جلال الدین سیوطی وغیرہ کی طرف سے اس قسم کا موقف سامنے آنے پر بروقت اس کی تردید کی تھی'' (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۵۸۲)

علامہ ابراہیم حلبی نے اپنے زمانہ میں جس قول کے نوایجاد ہونے کا حکم لگایا ہے، اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مذکورہ قول اور اس کی مخالفت کرنے والوں پر طعن وتشنیع اور اس پر سخت نکیر کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اسی کو انہوں نے نوایجاد قول قرار دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں اس قول کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے یہاں نیا نیا ایجاد شدہ سمجھا تھا، اسی لیے انہوں نے یہ بات فرمائی۔

جہاں تک احادیث وروایات پر کلام ہوتے آنے کا تعلق ہے، تو اس کلام کی حقیقت بھی پیچھے اصل محدثین کے حوالہ سے ذکر کی جاچکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق تشدد پر مشتمل یہ قول اس سے پہلے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے یہاں معروف نہ تھا، البتہ اہلِ تشیّع واہلِ روافض کے یہاں اس کا وجود تھا، اور اسی بنیاد پر آج تک اہلِ تشیع واہلِ روافض ''اہلِ بیت'' کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 728ھ) کے حوالہ سے گزرا۔

اب بنظرِ انصاف غور کیا جاسکتا ہے کہ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی (المتوفیٰ: 945 ہجری) سے پہلے، علامہ ابنِ تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) بھی مذکورہ قول کو اہلِ روافض کا قرار دے کر، اس کی تردید فرمارہے ہیں، اور اس سے پہلے ہم متعدد متقدمین کے صریح حوالہ جات ذکر کرچکے

ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مذکورہ قول اہلُ السنۃ کے یہاں معروف نہیں تھا، بلکہ اس قول کی شہرت اہلِ روافض کے متعلق ہی پائی جاتی تھی، اسی وجہ سے ان کے پورے قول اور اس کی بنیاد کو سامنے رکھ کر تردید کی جاتی تھی، بعد میں اس کے صرف ایک پہلو کو بعض اہلُ السنۃ کے یہاں شہرت ملی، اور اس کی پوری بنیاد اور تفصیل کو ملاحظہ نہیں کیا گیا۔

لہٰذا علامہ حلبی کے قول کو نوایجاد قرار دینا، دراصل اہلُ السنۃ کے قول کو نوایجاد قرار دینا کہلائے گا۔

جبکہ آنجناب بغیر سوچے سمجھے، جذبات میں آ کر، ایسے الزامات قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں، جن کی زَد میں خود اہلُ السنۃ آ جاتے ہیں، اور اس کو آپ اپنی خام خیالی کے باعث، اہلُ السنۃ کی خیر خواہی خیال کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں شیخ بیجوری کے موقف پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ان سے قبل علامہ بیجوری رحمہ اللہ (۸۲۵ھ) فقہ اکبر کی عبارت کو مدسوس قرار دے چکے ہیں''۔انتھٰی۔

کلام :

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ''بیجوری'' جن کا پورا نام ''ابراہیم بن محمد بن احمد شافعی بیجوری'' ہے، ان کی وفات 1277ھ ہے۔

جبکہ جناب نے ان کی وفات 825ھ تحریر کی ہے۔ [1]

---

[1] البیجوری (أو الباجوری)(1198-1277ھـ)

هـو إبـراهیم بن محمد أحمد الباجوری شیخ الجامع الأزهر .فقیه شافعی .ولد فی الباجور (أو هی البیجور) إحدی قری المنوفیة بمصر، وتعلم فی الأزهر.

مـن مؤلفاته :(التـحـفة الـخیـریة علی الفوائد الشنشوریة فی الفرائض) و(تحفة المرید علی جوهرة التوحید) ؛ وحاشیة علی شرح ابن قاسم.

(مـعجم المؤلفین 1/249؛ ومـعجم المطبوعات ص 507؛ وإیـضاح المكنون 1/244(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج ۱، ص ۳۴۴، مادة''تراجم الفقهاء'')

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شیخ بیجوری دراصل شافعی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور یہ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی (المتوفیٰ: 945 ہجری) اور ملا علی قاری حنفی (المتوفیٰ: 1014 ہجری) سے بعد کی شخصیت ہیں، لہٰذا ''بیجوری'' کے متعلق علامہ ابراہیم حلبی، یا ملا علی قاری سے قبل ہونے کا دعویٰ کرنا، خلافِ واقعہ ہے، ان کے آگے آنے والے حوالہ میں ملا علی قاری کا ذکر موجود ہے، تو وہ ان سے پہلے کیسے ہو سکتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کسی عبارت کے متعلق بعد کے ایک شافعی عالم کے مقابلے میں، مذکورہ محققینِ حنفیہ کی تصریح زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بالخصوص جبکہ اس کی تائید صریح وصحیح احادیث، اور متقدمین اہل السنۃ کے حوالہ جات وعبارات سے بھی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ شیخ بیجوری کے متعلق بعض غیر معتدل افکار بھی ان کی کتب میں مذکور ہیں، جن کی محققین نے تردید کی ہے۔

چنانچہ محمود شکری آلوسی (المتوفیٰ: 1342 ہجری) نے اپنی تالیف ''غـایة الأمـانی فی الرد علی النبهانی'' میں شیخ ابراہیم بیجوری کے بعض غلط افکار کی تردید کی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(الشيـخ البيـجـورى) وأشهـر من السابقين شيخ الإسلام إبراهيم البيجورى .ولـد فى قرية البيجور بـمـديرية المنوفية سنة 1198 (1784م) وطـلـب الـعـلـوم فى الأزهر مدة وتتلمذ للشيخين محمد الفضالى وحسن القويسنى وغيرهما حتى نبغ بين طلبة الأزهر وتفرغ للتأليف فوضع كتباً عديدة فى التـوحيد والفقه والمنطق والتصريف والبيان واشتغل بالتدريس ثم انتهت إليه رئاسة الأزهر .قيل إن صـاحـب الـدولة الـخـديوى عباس باشا كان يحضر دروسه فى الأزهر .وكـانـت وفاته سنة 1277 (1860م) (تاريخ الآداب العربية فى القرن التاسع عشر والربع الأول من القرن العشرين، لرزق الله بـن يـوسف بن عبد المسيح بن يعقوب شيخو "المتوفى: 1346 هـ" ،ص۸۷، الآداب الإسلامية فى هذا الطور "1850-1870")

[1] ومـن وقف عـلـى كـتـاب مـناقب الأربعة المعبودين بمصر –وهم البدوى والرفاعي والدسوقى ورابـعهم فيما أظن أبو العلاء– فقد وقف على ساحل كفرهم، وعرف صفة إفكهم .وبلغنا عن بعض الثقـات أن جـمـاعة مـن الـمـدعين للعلم بزبيد كانوا يقرؤون صحيح البخارى فإذا فرغوا منه –إما أحيانا أو مطلقا– ذهبوا إلى قبر الجبيرتى أو غيره، فوقفوا عاكفين –ما شاء الله– وعليهم السكينة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر شیخ بیجوری کے اس مسئلہ پر مکمل کلام کو ملاحظہ کیا جائے، تو اس میں اور بھی متعدد تسامحات پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ شیخ بیجوری نے ''تحفة المريد شرح جوهرة التوحيد'' میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

''انسانوں میں مکلّف وہ بالغ، عاقل کہلاتا ہے، جسے سلیمُ الحواس ہونے کی حالت میں دعوت پہنچے۔

اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، جو سمجھدار بچے کو محض عقل کی وجہ سے ایمان کا مکلّف قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک مکلّف ہونے کے لیے عقلِ محض کافی ہے۔

اور جو شخص دور دراز پہاڑی علاقہ میں پلے بڑھے، تو وہ (شافعیہ کے) اصح قول کے مطابق مکلّف نہیں، برخلاف حنفیہ کے، جو وجوبِ معرفت کا مکلّف ہونے کے لیے عقل کے وجود کو کافی قرار دیتے ہیں، اگرچہ اس کو دعوت نہ پہنچے، پس اس بناء پر مذہبِ حق یہ ہے کہ اہلِ فترت جو رسولوں کے زمانوں کے درمیان ہوں، یا اس رسول کے زمانہ میں ہوں، جس کی طرف اس رسول کو نہیں بھیجا گیا، تو وہ ناجی ہوں گے، اگرچہ وہ تبدیل اور تغییر کر دیں، اور بتوں کی عبادت کیوں نہ کریں۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے، جس میں ابو النبی کے معذب ہونے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والوقار، وضرب من الخضوع لنازل الحفرة، قال من نقله: فالله أعلم أهو شيء وجدوه في صحيح البخاري أو غيره أو ما هو؟ قال: ورأيت في حاشية الشيخ إبراهيم البيجوري على السنوسية نقلا عن الدردير– فيما أظن– عن الشعراني أن الله وكل بقبر كل ولي ملكا يقضي حاجة من سأل ذلك الولي!

فقف هنا وانظر ما آل إليه شركهم وإفكهم، فأين هذا من قوله تعالى: "وإذا سألك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان"وقوله:"ادعوا ربكم تضرعا وخفية"وقوله:"فإذا فرغت فانصب، وإلى ربك فارغب"وقوله تعالى :"أمن يجيب المضطر إذا دعاه"وقوله تعالى :"وقال ربكم ادعوني أستجب لكم"الآية (غاية الأماني في الرد على النبهاني،ج ا ص ۱۴۴، الكلام على قول النبهاني أن الوهابية مبتدعة غير أن ضررهم دون من قبلهم)

ذکر ہے، تو وہ خبرِ آحاد ہیں، جو قطعی آیت'' وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا'' کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

اور جب آپ کو یہ بات معلوم ہوچکی کہ اہلِ فترت، راجح قول کے مطابق''ناجی'' ہیں، تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ''ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی ''ناجی'' ہیں، کیونکہ وہ اہلِ فترت میں داخل ہیں، بلکہ تمام''آباء النبی''اور ''امھات النبی''ناجی ہیں، اوران پر ایمان کا حکم لگایا جائے گا، جن میں کفر اور رجس اور ایسا کوئی عیب اور کوئی چیز داخل نہیں ہوئی، جس پر جاہلیت کے لوگ تھے، اوراس پر عقلی دلائل بھی قائم ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول کہ''وتقلبک فی الساجدین''اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ''لم أزل أنتقل من الأصلاب الطاھرات الی الارحام الزاکیات''اس کے علاوہ دیگر احادیث جو تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔

جہاں تک آزر کا تعلق ہے، تو وہ ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، اوران کو''والد'' اس لیے پکارا کہ عرب کی عادت چچا کو والد کے نام کے ساتھ پکارنے کی تھی۔

اور جہاں تک''الفقہ الاکبر''میں امام ابوحنیفہ سے مروی اس بات کا تعلق ہے کہ مصطفیٰ کے والدین کفر پر فوت ہوئے، تو یہ مدسوس ہے، اورامام ابوحنیفہ اس سے بری ہیں کہ وہ مصطفیٰ کے والدین کے بارے میں یہ بات کہیں، اور ملّا علی قاری نے اس بارے میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے کہ انہوں نے شنیع کلمہ کہا ہے۔

پس حق بات یہی ہے کہ ہم اللہ سے اس عقیدہ کے ساتھ ملاقات کریں کہ''ابوی النبی''ناجی ہیں، بلکہ یہاں تک بھی کہا گیا ہے کہ ان کو زندہ کرکے ایمان قبول کرنے کی توفیق دی گئی، پھران کو وفات دے دی گئی، اس حدیث کی وجہ سے جو

عروہ سے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔
سہیلی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حسبِ مشیت اپنے فضل کو خاص کرنا اور نبی کے اکرام کی خاطر حسبِ مشیت انعام کرنے کا حق ہے، بعض نے اس کے متعلق ایک شعر بھی کہا ہے، اور شاید یہ حدیث اہلِ طریقت کے نزدیک کشف کے طریقہ پر صحیح ہے، جیسا کہ اس کی طرف بعض نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔
اور جلال الدین سیوطی نے ان کی نجات کے متعلق کئی تالیفات فرمائی ہیں''۔
انتہیٰ۔ [1]

---

[1] " فالمكلف هو : البالغ العاقل الذى بلغته الدعوة سليم الحواس ، وهذا فى الانس ، وأما الجن فهم مكلفون من أصل الخلقة فلا يتوقف تكليفهم على البلوغ ، وخرج بالبالغ الصبى فليس مكلفا ، فمن مات قبل البلوغ فهو ناجٍ ولو من أولاد الكفار ولا يعاقب على كفر ولا غيره ، خلافاً للحنفية حيث قالوا بتكليف الصبى العاقل بالايمان لوجود العقل وهو كافٍ عندهم ، فان اعتقد الايمان أو الكفر فأمره ظاهر ، وان لم يعتقد واحدا منهما كان من أهل النار لوجوب الايمان عليه بمجرد العقل ، وخرج بالعاقل المجنون فليس بمكلف ، وكذا السكران غير المتعدى بخلاف المتعدى لكن محل ذالك ان بلغ مجنونا أو سكران واستمر على ذالك حتىٰ مات ، بخلاف ما لو بلغ عاقلا ثم جن أو سكر و كان غير مؤمن و مات كذالك فهو غير ناجٍ ، وخرج بالذى بلغته الدعوة ، من لم تبلغه ، بأن نشأ فى شاهق جبل ، فليس بمكلف على الأصح ، خلافاً لمن قال بأنه مكلف لوجود العقل الكافى فى وجوب المعرفة عندهم وان لم تبلغه الدعوة ، وعلى اشتراط بلوغ الدعوة فهل يكفى بلوغ دعوة أى نبى ولو سيدنا آدم ، لأن التوحيد ليس أمرا خاصا بهذه الأمة ، أو لا بد من بلوغ دعوة الرسول الذى أرسل اليه ؟ والتحقيق كما نقله العلامة الملوى عن الأبى فى شرح مسلم خلافاً للنووى : أنه لا بد من بلوغ دعوة الرسول الذى أرسل اليه ، فالمذهب الحق أن أهل الفترة ـ بفتح الفاء ـ وهم من كانوا بين أزمنة الرسل أو فى زمن الرسول الذى لم يرسل اليهم ناجون وان بدلوا وغيروا وعبدوا الأصنام .
فان قيل : كيف هذا مع أن النبى صلى الله عليه وسلم أخبر بأن جماعة من أهل الفترة فى النار كامرىء القيس وحاتم الطائى و بعض آباء الصحابة فان بعض الصحابة سأله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب فقال : أين أبى؟ فقال :"فى النار" أجيب بأن أحاديثهم أحاديث آحاد ، وهى لا تعارض القطعى وهو قول تعالىٰ : "وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا " (الاسراء : الآية : ١٥) وبأنه يجوز أن يكون تعذيب من صح تعذيبه منهم لأمر يختص به يعلمه الله تعالىٰ ورسوله ، وخرج بسليم الحواس:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مذکورہ عبارت میں کس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف قول کو ترجیح دے کر اہلِ جاہلیت کو، اہلِ فترت میں داخل مانا گیا، اوران سب کو ہی ''ناجی'' قرار دیا گیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غيره ، ولهذا قال بعض أئمة الشافعية : لو خلق الله انسانا أعمى أصم سقط عنه وجوب النظر والتكليف ، وهو صحيح كما فى شرح المصنف .

تنبيه: اذا علمت أن اهل الفترة ناجون على الراجح علمت أن أبويه صلى الله عليه وسلم ناجيان لكونهما من أهل الفترة، بل جميع آبائه صلى الله عليه وسلم و أمهاته ناجون و محكوم بايمانهم لم يدخلهم كفر ولا رجس ولا عيب ولا شيئ كما كان عليه الجاهلية بأدلة عقلية، كقوله تعالىٰ: "وتقلبك فى الساجدين" (الشعراء: الآية ٢١٩) و قوله صلى الله عليه وسلم: "لم أزل أنتقل من الأصلاب الطاهرات الى الارحام الزاكيات" و غير ذلک من الأحاديث البالغة مبلغ التواتر. واما آزر فكان عم ابراهيم، وانما دعاه بالاب ، لان عادة العرب تدعو العم بالاب.

و أما ما نقل عن أبى حنيفة فى الفقه الأكبر من أن والدى المصطفىٰ ماتا على الكفر فمدسوس عليه، و حاشاه أن يقول فى والدى المصطفىٰ ذلک، و غلط منلا على قارئ يغفر الله لهٗ فى كلمة شنيعة قالها.

و من العجائب ما نسب لهٗ مع ذلک من ايمان فرعون، فالحق الذى نلقى الله عليه أن أبويه صلى الله عليه وسلم ناجيان، على أنهٗ قيل انه تعالىٰ أحياهما حتى آمنا به ثم أماتهما، لحديث ورد فى ذلک: وهو ما روى عن عروة عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربهٗ أن يحيى له أبويه فأحياهما فأمنا به ثم أماتهما. قال السهيلى: والله قادر علىٰ كل شيء، له أن يخص نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته اهـ.

و قد أنشد بعضهم فقال:

حبا الله النبى مزيد فضل ... على فضل و كان به رؤوفا

فأحيىٰ أمه و كذا أباه ... لإيمان به فضلاً منيفا

فسلم فالقديم بذا قدير ... وإن كان الحديث به ضعيفا

ولعل هذا الحديث صحّ عند أهل الحقيقة بطريق الكشف، كما أشار اليه بعضهم بقوله:

أيقنت أن أبا النبى وأمه ... أحياهما الرب الكريم البارى

حتى لهٗ شهدا بصدق رسالة ... صدق فتلک كرامة المختار

هذا الحديث و من يقول بضعفه ... فهو الضعيف عن الحقيقة عارى

و قد ألف الجلال السيوطى فيما يتعلق بنجاتهما مؤلفات كثيرة.

(تحفة المريد شرح جوهرة التوحيد، ص٣٧ الىٰ ٣٩، التكلف وشروطه وبيان انه لا حكم قبل الشرع، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ ، 2004م)

کیا اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وہ ترجمانی درست کہلائے گی، جو ایک شافعی عالم کی شافعی اصولوں کے مطابق ہے، یا وہ ترجمانی درست کہلائے گی، جو حنفی علماء کی حنفی اصولوں کے مطابق ہے؟

علاوہ ازیں اہلِ جاہلیت کو، اہلِ فترت میں داخل مان کر، ان کو دعوتِ رسل سے محروم اور اس کے نتیجہ میں معذور قرار دینا نہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے، اور نہ ہی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے، کیونکہ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ جاہلیت کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور مزید براں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی بالواسطہ دعوت پہنچ چکی تھی، جس کے متعلق بے شمار نصوص وارد ہیں، جن کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ''اہلِ فترت و جاہلیت کا حکم'' میں ذکر کردی ہے۔

لہٰذا اہلِ جاہلیت کو ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا '' اور اس جیسی آیات کی قطعیت میں داخل مان کر، اس سلسلہ میں واردشدہ اخبارِ آحاد کا معارضہ سمجھنا ہی درست نہیں، اور جب معارضہ نہ رہا، تو خبر آحاد پر عمل اپنی جگہ برقرار رہا۔

نیز شیخ بیجوری نے جو باقی دلائل ذکر کیے ہیں، وہ کوئی نئے دلائل نہیں ہیں، بلکہ وہی دلائل ہیں، جو علامہ سیوطی وغیرہ نے ذکر کیے ہیں، شیخ بیجوری نے بھی خود علامہ سیوطی کا حوالہ ذکر کردیا ہے، اور پیچھے باحوالہ ان دلائل کے متعلق گزر چکا ہے کہ بنیادی طور پر یہ دلائل اہلِ روافض کے پیش کردہ ہیں، جن کو علامہ سیوطی نے اہلُ السنۃ کا سمجھ کر ذکر کردیا ہے، اور ان کی نسبت امام رازی کی طرف کردی ہے، جب کہ امام رازی نے ان دلائل کو اہلِ تشیع کی طرف سے ذکر کیا ہے، اور ان کی خود ہی تردید بھی کی ہے۔

اور جہاں تک ''احیائے ابوین'' سے متعلق حدیث کا تعلق ہے، تو اس کا ناقابلِ اعتبار ہونا محدثین کی تصریحات کی روشنی میں گزر چکا ہے، جس کے پیشِ نظر نصوصِ قرآنی بھی اپنی جگہ

درست ہیں، اور صحیح احادیث بھی اپنی جگہ درست ہیں، خود یہ حدیث ہی نا قابلِ اعتبار ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شعر، یا اشعار غیر معتبر و غیر مستند دلائل، یا غیر معتبر حدیث پر مبنی ہوں، ان کی حیثیت اور زیادہ کمزور ہے، کیونکہ شعر، یا اشعار اس طرح کے دینی مسائل میں قرآن و سنت کی نصوص کے مقابلہ میں نا قابلِ اعتبار ہیں۔

اور جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''الفقہُ الاکبر'' کی عبارت کو مدسوس قرار دینے کا تعلق ہے، تو اس کو مدسوس قرار دینے کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے، کیونکہ یہ عبارت نہ نصوص کے خلاف ہے، اور نہ ہی متقدمین اہلُ السنۃ والجماعۃ کی تصریحات کے خلاف ہے، بلکہ ان کے موافق ہے، اور اس عبارت کو کوئی دوسرا جامہ پہنانا ہی دراصل نصوص اور متقدمین اہلُ السنۃ کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ ابوعمرو بن محمد نے بھی ''**ملاحظات علی البیجوری فی شرح جوھرۃ التوحید**'' میں اس مسئلہ میں شیخ بیجوری کے کلام کی تردید کی ہے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

''بیجوری نے جو کشف کے طریقہ پر اس حدیث کے صحیح ہونے کا گمان ظاہر کیا ہے، یہ محدثین اور علمِ حدیث کے اصولوں کے خلاف ہے، کیا بیجوری کے نزدیک ان کی طرف سے احادیث کی اسنادی تحقیق اور جدوجہد اور اس سلسلہ میں بیان کردہ اصولوں کی کوئی حیثیت نہیں، اس طرح تو ہر ایک اپنے کشف کی ذریعہ سے کسی بھی حدیث کو حجت بنا کر پیش کرسکتا ہے، جس سے صحیح اور غیر صحیح اور معتبر و غیر معتبر اور مستند و غیر مستند احادیث کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

جب کوئی حدیث محدثین کے اصولوں کے مطابق درست نہ ہو، تو پھر اس کو کس راستہ سے آئی ہوئی قرار دیا جاسکتا ہے، ایسی صورت میں اس بات میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے وسوسہ ہے، جس کو

کشفِ صحیح سمجھ لیا گیا ہے''۔انتھٰی۔ ۱

اورشیخ عمر بن محمود نے اپنی تالیف''الردُّ الأثری المفید علی البیجوری فی شرح

---

۱ یقول البیجوری:

ولعل هذا الحديث "حـديـث إحيـاء والـدى النبى صلى الله عليه وسلم وإيمانهما ثم موتهما "صح عند أهل الحقيقة بطريق الكشف (الجوهرة :30)

يـا لـضيعة جهود علماء الحديث وتعبهم فى البحث عن الأسانيد وتجميعها، ويا لضيعة جهودهم فى تـحقيق هذه الأسانيد .لـمـاذا أضـاعـوا أعـمـارهم؟ ولماذا شقوا على أنفسهم إذا كانت هذه العلوم والضوابط لا معنى لها عند البيجورى؟

يجلس الصوفى فى خلوة له مستغرقاً فى وحدة الوجود، وبالكشف يخبرنا صحيح الحديث وضعيفه "كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا"

أهـذا هـو العلم، أهكذا هو الإسلام الذى فهمه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضى الله عنهم .أهذا هو إسلام التابعين وأئمة المسلمين .أهذه هى عقائد المسلمين التى يعلمهما البيجورى فى شرحه للجوهرة؟

والـذى يـجب على أن لا أكتمه عن حقيقة الكشف بعد ذلك وأنه ضلال فى ضلال؛ بل هو الجنون بعينه.

أقـول:إن الكشف هو عبارة عن أمور فى نفس الشخص يظن أنها موجدة فى الأعيان فيجزم بوقوعها وأنهـا حـقـيـقـة قـائـمـة، ولا يستـطـيـع نـفيها عنده أحد مهما تجمعت لديه الأدلة الأخرى على ضلال اعتـقـاده، لوحدة الوجود وحصول بعض المشاهدات لديه كادعائه أنه يرى الله وأن الله يكلمه وأنه يـجـلـس مع الرسول صلى الله عليه وسلم ويتلقى منه العلم ويصلى الفرائض ورائه وهى فى الحقيقة تـصـورات ذهـنية داخلية وخيالات نفسية شيطانية ليس لها واقع صحيح وليست من هدى الكتاب والسنة ولا هى سبيل المؤمنين.

أى نستـطيـع أن نقول إن الكشف هو خيال جنونى داخلى يدعى الصوفى أنه به يحصل له علم اليقين فـى مسائل الاعتقاد وفى كثير من المسائل الشرعية وغيرها وهذا شرع من الدين لم يأذن به الله ولا رسوله.

فنسأل الله العفو والعافية.

وقال شيخ الإسلام رحمه الله تعالى:

وعامة هؤلاء إذا خوطبوا ببيان فساد قولهم قالوا من جنس قول النصارى هذا أمر فوق العقل، ويقول بـعضهم ما كان يقول التلمسانى لشيخ أهل الوحدة يقول: يثبت عندنا فى الكشف ما يناقض صريح العقل (الجواب الصحيح: 92 /2)

فإذا لم تكن من صحيح النقل ولا من صريح العقل؛ فمن أين جائت؟

لاشک أنها من الشيطان والهوى(ملاحظات على البيجورى فى شرح جوهرة التوحيد، ص ۶۱، الیٰ ۶۳، الكشف عند البيجورى وطرف من وحدة الوجود)

جوھرۃ التوحید ''میں بھی شیخ بیجوری کے مذکورہ کلام کی تردید کی ہے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

''اگر بیجوری کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب صحیح طریقہ پر ہوتا، تو کیا ہی بہتر تھا، جس کا راستہ نصوص کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنا ہے، اور نصوص کے مطابق عقیدہ بنانے میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمالِ ادب پایا جاتا ہے، اور دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اپنی رائے اور ھواء کی بنیاد پر غور وخوض کرنا، جائز نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں نص اور صحیح حدیث کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ یہ قول بھی نا قابلِ التفات ہے کہ احادیثِ آحاد کو عقائد میں نہیں لیا جائے گا، یہ قول اس مسئلہ میں سلف کے نزدیک حق کے خلاف ہے۔

کیونکہ سلف کے نزدیک احادیثِ آحاد بھی علم اور عمل کا فائدہ دیتی ہیں، پس جس طریقہ سے ان کو احکام میں قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے، تو اسی طرح عقائد میں بھی قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

اور بیجوری کا اہلِ فترت کو راجح قول کے مطابق ناجی قرار دے کر ''ابوی النبی'' بلکہ تمام ''آباءُ النبی'' و ''امھاتُ النبی'' کو اس میں داخل ماننا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قول احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے۔

جن میں سے بعض احادیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں، اور ان احادیثِ صحیحہ کو بیجوری کے قول کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا۔

اور جہاں تک بیجوری کے اہلِ فترت میں داخل مان کر ناجی قرار دینے کی دلیل کا تعلق ہے، تو کسی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایسے قواعد اور اصول قائم کرے، جو نصوص کے مخالف ہوں، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ،

اتباع کا زیادہ مستحق ہے، اور ہم نے اس سلسلہ میں جو نصوص ذکر کیں، ان پر ایمان لانا، اور ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر ''غیر ناجی'' ہونے کا حکم لگانے میں سوئے ادب کا معاملہ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اصل ادب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کرنے میں ہے، اور جس چیز کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہو، اس کا اعتقاد رکھنے میں ہے۔

اور اس کی خلاف ورزی ہی دراصل سوئے ادب میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ کا سورہ حجرات میں ارشاد ہے کہ ''یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''۔

نیز ''ابوی النبی'' کے نجات کے قول میں قواعدِ اعتقاد میں سے ایک صریح قاعدہ کو منہدم کرنا بھی پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کی پہلی شرط ایمان ہے، اور یہ شرط مذکورہ صورت میں احادیثِ صحیحہ کی رُو سے مفقود ہے، پھر اس صریح قاعدہ کو نظر انداز کرنے کے لیے کون سا راستہ ہے؟

اس کے علاوہ بیجوری اور ان جیسے لوگوں کا یہ اعتقاد آباء و امہات کی طرف سے تمام اصولوں کے لیے ہے، جس کی رُو سے ابو طالب جس دین پر فوت ہوئے، اس کا حق ہونا، اور اس کا باعثِ نجات ہونا بھی لازم آتا ہے۔

اور امام نووی اور دوسرے علماء کے اس مسئلہ میں صریح اقوال پائے جاتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت میں سے جو لوگ بت پرستی پر قائم تھے، وہ اہلِ نار میں سے ہیں، اور یہ دعوت پہنچنے سے قبل مؤاخذہ نہیں، کیونکہ ان کو حضرت ابراہیم وغیرہ کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

اور یہ بات بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل

مشرکینِ عرب، ان اہلِ فترت میں شامل نہیں، جو رسول کی بعثت سے قبل مستحقِ عذاب نہ ہوں''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] مما يقرره الباجورى هو أن والدى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى الجنة، وأن الله أحياهما فدعاهما رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم فأمنا ثم ماتا.

و كم تمنينا أن يكون أدب البيجورى مع رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم على وجهه الصحيح، و هو إعمال نصوصه و الأدب مع العقيدة فى تقرير نصوصها هو كمال الأدب مع رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم، و هذه المسألة هى ككل مسائل العقيدة التى لا يجوز الخوض فيها من قبل الرأى والهوى، بل لا بد من النص والأثر الصحيح.

و قبل أن نخوض بذكر النصوص علينا أن لا نلتفت لقول البيجورى أن حديث الآحاد لا يؤخذ به فى العقائد، فقد قدمنا وجه الحق عند السلف فى هذه المسألة، وهو أن حديث الآحاد يفيد العلم والعمل فكما أنهٗ يؤخذ به فى الأحكام فكذلك العقائد هى أولىٰ به.

يقول البيجورى: إذا علمت أن أهل الفترة ناجون على الراجح علمت أن أبويه صلى اللّٰه عليه وسلم ناجيان لكونهما من أهل الفترة، بل جميع آبائه صلى اللّٰه عليه وسلم و أمهاته ناجون و محكوم بإيمانهم لم يدخلهم كفر ولا رجس و لا عيب ولا شىء مما كان عليه الجاهلية. (الجوهرة ص ٢٩)

و قال كذلك: و حديث أن بعض الصحابة سأله صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يخطب فقال: أين أبى؟ فقال: فى النار. أجيب بأن أحاديثهم أحاديث آحاد. (الجوهرة ص ٢٩)

و قال: والحق الذى نلقى الله عليه أن أبويه صلى اللّٰه عليه وسلم ناجيان. (الجوهرة ص ٣٠)

اما مناقشة البيجورى فى تصحيح حديث احياء ابوى النبى صلى الله عليه وسلم بطريق الكشف، فهذه مسئلة اخرى، افردنا لها بابا خاصا فى كتابنا.

والآن دعونا من مخاريق البيجورى و أمثاله و من ظلمات رأيه إلى نور حديث رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم ليكشف لنا الحقيقة واضحة جلية.

(1)...... عن أنس رضى الله عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله أين أبى؟ قال فى النار. فلما قضى دعاه فقال: إن أبى و أباك فى النار. (رواه مسلم ١/٢٠٣)

حديث صحيح صريح فى مقام فى مقام والد رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم و أين هو. والسؤال الآن هل البيجورى و أمثاله أكثر أدبا من رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم مع والديه؟ أم أنه يتألى على الله سبحانهٗ و تعالىٰ فيما ليس له علم؟ فى أى مقام وصفوا أنفسهم لن يخرجوا من مخالفة صريحة لنص الهدى من قول رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم هذا بالنسبة لوالده فما الأمر بالنسبة لأمه:.

(2)......عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: زار النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قبر أمه فبكى و أبكى من حوله فقال: استأذنت ربى فى أن استغفر لها فلما يؤذن لى و استأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر بالآخرة. (رواه مسلم، كتاب الجنائز، حديث ١٠٨)

(3)......عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة جاء ه رسول الله صلى اللّٰه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہم نے اپنے مضمون میں پہلے بھی شیخ بیجوری کی عبارت کا معقول اور مدلل جواب تحریر کر دیا تھا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیہ وسلم، فوجدہ عندہ أبا جھل وعبداللہ بن أبی أمیة بن المغیرة. فقال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یا عم، قل لا إلٰہ إلا اللہ کلمة أشھد لک بھا عند اللہ. فقال أبو جھل وعبداللہ بن أبی أمیة: یا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب ؟ فلم یزل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعرضھا علیہ ویعید لہ تلک المقالة حتیٰ قال أبو طالب آخر ما کلمھم : ھو علی ملة عبد المطلب ، وأبی أن یقول لا آلہ الا اللّٰہ . فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : أما واللّٰہ لأستغفرن لک ما لم أنہ عنک . فأنزل اللّٰہ عز وجل "ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لھم أنھم أصحاب الجحیم" (۹ ، التوبة ، الآیة ۱۱۳) وأنزل اللّٰہ تعالیٰ فی أبی طالب فقال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : "إنک لا تھدی من أحببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو أعلم بالمھتدین "(۲۸ ، القصص ، آیة ۵۶)(مسلم ۱، ۲۴)

ھٰذان حدیثان صحیحان فیھما الحکم الصحیح فی مقام أم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، وأین ھی . ففی حدیث أبی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ استئذان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی أن یستغر لھا فلم یؤذن لہ ، وحدیث المسیَّب یبین من ھم الذین نھی اللّٰہ تعالیٰ أن یستغفرلھم : (انھم المشرکون) (ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی)اذاً أم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مشرکة وماتت علیٰ ذالک ، ولیس لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن یستغفرلھا ، والمشرک لیس لہ مقام فی الآخرة الا النار .

وبکاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیہ اشارة لتأکید ھٰذا المعنی الصریح فی مقامھا ، وأما زیارة قبرھا ، فزیارة قبور المشرکین معلوم أنھا جائزة عند عامة أھل الفقہ ، لأن زیارتھم انما ھی تحصیل لعلة الزیارة وھی : (فانھا تذکر بالآخرة) وان کان زیارة قبور المؤمنین انما ھی تحصیل لفائدة أخری وھی الدعاء والاستغفار لھم کما کان یفعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم عند زیارتہ لأھل البقیع رضوان اللّٰہ علیھم أجمعین.

أما احتجاجہ (البیجوری) بأن أبوی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ناجیان لأنھما أھل فترة ، فلیس لأحد أن یقعد القواعد ویؤصل الأصول لیصادم بھا النصوص ، فھدی رسول اللّٰہ أحق الاتباع ، والنصوص التی رأیناھا صریحة فی أمرھما یجب الایمان بھا والاعتقاد بما فیھا ، وقد یقول قائل : أن الحکم بأن أبوی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی النار انما فیہ سوء أدب مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والجواب علی ھذا من وجوہ :

۱۔ ان الأدب مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو اتباع أمرہ ، واعتقاد ما أخبر بہ ، وسوء الأدب ھو اجتناب ھدیہ و مصادمة قولہ : "یاأیھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ " (الحجرات : ۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ ہم اپنی تالیف میں شیخ فاضل نضال آلہ رشی کردی کی ''البدر الانور شرح الفقہ الاکبر'' کے حوالے سے جو عبارت نقل کر چکے ہیں، اس میں اس کا مفصل جواب موجود ہے۔

(ملاحظہ ہو: علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۵۲۶)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۲۔ ان القول بنجاة والدى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم هو هدم صريح لقاعدة من قواعد الاعتقاد ، وهو أن الايمان هو الشرط الأول لدخول الجنة وغير ذالک انما هو من تلبيس الشياطين ، فمجرد النسبة العرقية لوالدى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ، وانها هى مفتاح للجنة ، تقوّل على اللّٰه بغير علم ، وهدم لقاعدة الاعتقاد التى قدمنا .

۳۔ لقد جر هذا الاعتقاد البيجورى وأمثاله الى الحكم بنجاة كل أصول النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أبويه وما على من أجداده من جهة أمه وأبيه ، ولذالک قال : (بل جميع آبائه صلى اللّٰه عليه وسلم وأمهاته ناجون ومحكوم بايمانهم) ولو رجعنا الى حديث المسيَّب السابق ، لرأينا فساد هذا القول وضلاله فما الذى جعل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يشدد على أبى طالب فى طلب اسلامه عندما قال له المشركون : (أترغب عن ملة عبد المطلب ؟) فلو كان عبد المطلب (وهو جد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم) مؤمناً لسكت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعلم أن المشركين انما يطلبون ما يطلب ، ولكنه لم يزل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعرض التوحيد على أبى طالب ويعيد له مقالته بقوله : (قل لا آله الا اللّٰه) فدل أن ملة عبد المطلب هى غير ملة أهل لا آله الا اللّٰه .

وكذالک أين مقام أبى طالب بعد موته وقد ختم حياته بقوله : (هو على ملة عبد المطلب) قال العباس بن عبد المطلب رضى اللّٰه عنه للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم : (ما أغنيت عن عمک فانه كان يحوطک ويغضب لک) قال : (هو فى ضحضاح من نار ، ولو لا أنا لكان فى الدرک الأسفل من النار) متفق عليه(اللؤلؤ والمرجان ۲ ، ۱۲۵)

اذاً فمن مات على ملة جد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فهو فى الدرک الأسفل من النار فأين جد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ؟

وتأكيداً لما قدمنا ، فان أقوال العلماء طافحة بهذه المسألة مبينة لها قال النووى (۱ ، ۱۱۴) فى شرحه على صحيح مسلم : فيه (حديث أبى فى النار) أن من مات على الكفر فهو فى النار ولا تنفعه قرابة المقربين وفيه أن من مات من أهل الفترة على ما كانت عليه العرب من عبادة الأوثان فهو من أهل النار وليس هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة فان هؤلاء كانت قد بلغتهم دعوة ابراهيم وغيره من الأنبياء صلوات اللّٰه تعالىٰ وسلامه عليهم (ا.هـ)

ومما فيه صراحة لما قدمنا من أن مشركى العرب قبل بعثة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ليسوا من أهل الفترة المشمولين بالعفو الآلهى الصريح فى قوله تعالىٰ : '' وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا '' (الاسراء ۱۵) قوله صلى اللّٰه عليه وسلم فى الحديث الصحيح : (أربعة يحتجون يوم القيامة : رجل أصم لا يسمع شيئا ، ورجل أحمق ، ورجل هرم ، ورجل مات فى فترة ، فأما الأصم فيقول : رب لقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیا مذکورہ تفصیل کے بعد بھی کوئی اہلِ عقل واہلِ عدل، امام ابوحنیفہ، علامہ حلبی، ملا علی قاری اور دیگر متقدمین کے فیصلہ کے مقابلہ میں بیجوری کے قول کو، راجح قرار دینے کی جرائت کرسکتا ہے؟ جن کا قول تعارضات و التباسات اور بمقابلۂ حدیث، کشفِ فاسد سے مرکب ہے۔

مذکورہ تفصیل سے آنجناب کی طرف سے بیجوری کے فقہ اکبر کی عبارت کو مدسوس قرار دینے کے ساتھ، بیجوری اور خود جناب کے دیگر مدسوسات کا بھی جواب معلوم ہوگیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاء الاسلام وما أسمع شيئا . وأما الأحمق فيقول : رب قد جاء الاسلام وما أعقل شيئا ، والصبيان يحذفوني بالبعر . وأما الهرم فيقول : رب لقد جاء الاسلام وما أعقل شيئا . وأما الذى مات فى الفترة فيقول : رب ما أتانى لک رسول .

فيأخذ مواثيقهم ليطيعنه ، فيرسل اليهم : أن ادخلوا النار فوالذى نفس محمد بيده لو دخلوها لكانت عليهم بردا وسلاما (رواه أحمد فى مسنده وابن حبان)

قال أحمد : حدثنا على بن عبد الله حدثنا معاذ بن هشام حدثنا أبى عن قتادة عن الأحنف بن قيس عن الأسود بن سريع به .

وبالاسناد عن قتادة عن الحسن عن أبى رافع عن أبى هريرة ومثله غير أنه قال فى آخره : (فمن دخلها كانت عليه بردا وسلاما ، ومن لم يدخلها سحب اليها)

قال ابن كثير : وكذا رواه اسحاق راهوية عم معاذ بن هشام ورواه البيهقى فى كتاب الاعتقاد من حديث أحمد بن اسحاق عن على بن عبد الله المدينى به وقال : هذا اسناد صحيح .

أقول مما يدل صراحه : على ما قدمنا : أن مشركى العرب قبل بعثة النبى صلى الله عليه وسلم ليسوا مشمولين بالعفو الآلهى . حديث أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم مر بنخل لبنى النجار فسمع صوتاً فقال : ما هذا . قالوا : قبر رجل دفن فى الجاهلية ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لو لا أن تدافنوا لدعوت الله عز وجل أن يسمعكم من عذاب القبر ما أسمعنى .(رواه أحمد ، ٣ ، ١٠٣ ـ ٢٠١ ، وهو من ثلاثياته وعلىٰ شرط الشيخين)

فهذا الحديث يدل صراحة على عذاب قوم دفنوا قبل النبى صلى الله عليه وسلم فى الجاهلية فلو كانوا من أهل الفترة التى بينها حديث الأسود بن سريع لكانوا من الناجيين ويشهد له حديث زيد بن ثابت عند مسلم(شرح النووى ، ٨ ، ١٦٠ ـ ١٦١)(الرد الأثرى المفيد على البيجورى فى شرح جوهرة التوحيد لعمر بن محمود ابوعمرو،ص٨٦الىٰ ٩١، البيجورى ووالدى النبى صلى الله عليه وسلم ، الناشر: دارالراية ، الرياض، السعودية، الطبعةُ الاولىٰ:١٤٠٩هـ ، ١٩٨٩م)

اس مسئلہ میں ابنِ عربی کے موقف پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ابن عربی رحمہ اللہ بھی اس مسئلہ پر سخت کلام کر چکے''۔انتہیٰ۔

کلام:

آنجناب کو نصوصِ صریحہ وصحیحہ کے مقابلہ میں جامد اور اندھی تقلید کا بہت ہی زیادہ شوق ہے، جس سے کسی لمحہ کے لیے آنجناب جدائیگی برداشت کرنے کے لیے تیار آمادہ نہیں، اسی لیے ہر جگہ اپنے مخصوص تقلیدی وجامد موقف کے لیے ہر طرح کا سہارا حاصل کرنے کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔

کیا آنجناب نے اس سلسلہ میں ابنِ عربی کے اصل موقف کی تحقیق کی زحمت فرمائی ہے؟

ہم نے اس سلسلہ میں پہلے اجمالی طور پر یہ ذکر کر دیا تھا کہ:

''اسی وجہ سے ابنِ عربی نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنے والے کو ملعون قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اگر یہ ان سے ثابت اور مطلق ہو، اور اس کی بنا صرف کافر قرار دینا ہو، تو محققین کو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور متقدمین کے قول کی رُو سے ابنِ عربی کے اس قول سے اتفاق نہیں''۔

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۶۲۳)

مزید تفصیل مذکورہ تالیف کے ص 672 تا 676 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

لیکن آنجناب کو مذکورہ بالا بات سے اطمینان حاصل نہ ہوا، اور کھود کرید کر کے، اپنے لیے اسی طرح مشکل کا سامان کیا، جس طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے قاتل کو دریافت کرنے کے لیے ذبح کیے جانے والی گائے کے متعلق کھود کرید کر کے، اپنے لیے مشکل کا سامان کیا تھا۔

اس لیے اب ہم کہتے ہیں کہ اولاً تو ابنِ عربی کی ہر بات کسی پر حجت نہیں، یہی وجہ ہے کہ ابنِ عربی کے اور بھی کئی اقوال کو محققین نے عجائب وغرائب میں شمار کیا ہے۔ [1]

پس بر سبیلِ ثبوت اگر ابنِ عربی کے دوسرے عجائب وغرائب کی طرح اس قول کو بھی نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے عجائب وغرائب میں شمار کیا جائے، تو اس میں کون سی عجیب وغریب بات ہے؟

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابنِ عربی کے نام سے ایک تو قاضی محمد بن عبداللہ ابوبکر بن عربی معافری اشبیلی مالکی ہیں، جن کی وفات 543ھ ہے۔

مذکورہ قول ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

اور ابنِ عربی کے نام سے ایک شخصیت دوسری ہے، جن کو شیخ محی الدین ابنِ عربی کہا جاتا ہے،

---

[1] (الحمى حظ المؤمن من النار يوم القيامة) أى أنها تسهل عليه الورود حتى لا يشعر به أصلا >فائدة <قال المصنف: مما ينفع تعليقه للحمى السمك الرعد وعظمة جناح الديك اليمنى والطويل العنق من الجراد وورد أن من كانت له حمى يوم كتب له براءة من النار وخرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه وستر عليه الستار

(ابن أبى الدنيا) أبو بكر القرشى (عن عثمان) بن عفان ورواه عنه أيضا العقيلى فى الضعفاء باللفظ المزبور ولهذا الحديث طرق متعددة متكثرة لا تخفى على من له أدنى ممارسة للحديث.

ومن العجائب قول ابن العربى فى شرح الترمذى قد قال بعض الغافلين إن الحمى حظ المؤمن من النار وهو مستثنى من هذا قال: وهذا غفلة عظيمة لا بد لكل أحد من الصراط فتلفح النار قوما وتقف دون آخرين والكل وارد عليها إلى هنا كلامه(فيض القدير للمناوى، ج۳ص ۴۲۱، تحت رقم الحديث ۳۸۴۷، حرف الحاء)

(فى أمتى خسف ومسخ وقذف) بالحجارة من جهة السماء استشكل هذا الحديث ابن مردويه عن جابر مرفوعا دعوت الله أن يرفع عن أمتى أربعا فرفع عنهم شيئين وأبى أن يرفع عنهم اثنين دعوت الله أن يرفع عنهم الرجم من السماء والخسف من الأرض وأن لا يلبسهم شيعا ولا يذيق بعضهم بأس بعض فرفع عنهم الخسف والرجم وأبى أن يرفع الآخرين وأجيب أن الإجابة مقيدة بزمن مخصوص وهو وجود الصحابة والقرون الفاضلة وأما بعد فيجوز وقوعه وبأن المراد أن لا يقع لجمعهم بل لأفراد منهم غير مقيد بزمن.

>تنبيه <من الغريب قول ابن العربى الممسوخ حيوانا مأكولا لا يحرم أكله لأن كونه آدميا قد زال حكمه ولم يبق له أثر أصلا وقال الحافظ ابن حجر: وحل أكل الآدمى إذا مسخ حيوانا مأكولا لم أره فى كتب فقهائنا(فيض القدير للمناوى، ج۴ص ۴۵۴،تحت رقم الحديث ۵۹۴۵، حرف الفاء)

اور ان کا پورا نام محمد بن علی بن محمد حاتمی طائی اندلسی ہے، ان کی وفات 636ھ ہے۔ [1]

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''رد المحتار'' میں ابنِ عربی کی طرف فرعون کی نجات کا قول منسوب کر کے اس کی تردید کی ہے، جس سے مراد یہی مؤخر الذکر محی الدین ابنِ عربی ہیں۔ [2]

اور ہم نے پہلے اپنی تالیف میں مذکورہ دونوں شخصیات میں سے متعین شخصیت کا قول ہونے کی تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے، ان کے درمیان تفریق نہیں کی تھی، جس کی وجہ سے فرعون کی نجات کے قول کو مطلق ابنِ عربی کی طرف منسوب کر دیا تھا۔

اب تحقیق کے بعد مذکورہ وضاحت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابنِ عربی کی طرف مذکورہ سخت کلام کی علامہ سیوطی نے اپنے رسائل میں نسبت کی ہے، لیکن انہوں نے ابنِ عربی کے کسی مضمون کا حوالہ ذکر نہیں کیا۔

بلکہ انہوں نے ''کمالُ الدین شمنی'' کے حوالہ سے اس بات کو نقل کیا ہے۔ [3]

---

[1] مطلب في حال الشيخ الأكبر سيدى محيى الدين ابن عربى نفعنا الله تعالى به (قوله للشيخ محيى الدين بن العربى) هو محمد بن على بن محمد الحاتمى الطائى الأندلسى العارف الكبير ابن عربى، ويقال ابن العربى .ولد سنة 560ومات فى ربيع سنة 636ودفن بالصالحية .وحسبك قول زروق وغيره من الفحول ذاكرين بعض فضله، هو أعرف بكل فن من أهله، وإذا أطلق الشيخ الأكبر فى عرف القوم فهو المراد، وتمامه فى ط عن طبقات المناوى(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص۲۳۸، كتاب الجهاد،باب المرتد)

[2] ولذا أجمعوا على كفر فرعون كما رواه الترمذى فى تفسيره فى سورة يونس وإن خالف فى ذلك الإمام العارف المحقق سيدى محيى الدين بن عربى فى كتابه الفتوحات(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص۲۳۱، كتاب الجهاد،باب المرتد)

[3] خاتمة: نقلت من مجموع بخط الشيخ كمال الدين الشمنى، والد شيخنا الامام تقىّ الدين رحمهما الله تعالىٰ ما نصه:

"سئل القاضى أبو بكر بن العربى عن رجل قال :ان آبا النبىّ صلّى الله عليه وسلم فى النار؟

فأجاب بأنه ملعون ،لان الله تعالى قال :"ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والآخرة وأعدّ لهم عذابا مهينا"

قال: ولا اذى أعظم من أن يقال عن أبيه:انه فى النار انتهى بلفظه(الدرج المنيفة فى ان ابوى النبى صلى الله عليه وسلم فى الجنة، ص ۱۳۱ ،مشموله: رسائل الإمام الحافظ جلال الدين السيوطى فى نجاة والدى النبى صلى الله عليه وسلم ، تشرف بخدمتها: حسين محمد على شكرى، الناشر: دارالكتب العلمية ، بيروت، لبنان)

جبکہ کمال الدین شُمنی کی وفات 821 ہجری بتلائی جاتی ہے۔ ۱؎

اور ابنِ عربی کی وفات 543 ہجری ہے، تو اتنے طویل عرصہ کی سند کا ثبوت کیا ہوگا؟

حسین بن محمد بکری (المتوفیٰ: 966 ہجری) نے بھی ''تاریخُ الخمیس'' میں ابنِ عربی کے قول کو، علامہ سیوطی کے حوالہ سے ہی نقل کیا ہے۔ ۲؎

نیز حطاب رعینی مالکی (المتوفیٰ: 954ھ) نے بھی ''مواهبُ الجلیل فی شرح مختصر خلیل'' میں ابنِ عربی کے قول کو علامہ سیوطی کے حوالے سے ہی نقل کیا ہے۔ ۳؎

تیسری بات یہ ہے کہ خود قاضی ابوبکر ابنِ عربی مالکی (المتوفیٰ: 543 ہجری) کی اپنی تصریحات سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے، جو مذکورہ کلام کے قاضی ابوبکر ابنِ عربی کا ہونے میں تردد کا باعث بنتا ہے۔

چنانچہ ابوبکر ابنِ عربی نے اپنی تالیف ''احکام القرآن'' میں سورہ توبہ کی آیت ''ما کان

۱؎ الشمُنّی :محمد بن محمد بن حسن، الشیخ الإمام کمال الدین التمیمی الداری الإسکندری القاهری المالکی، له مؤلفات منها :شرح نخبة ابن حجر ونظمها .توفی سنة 821(دیوان الإسلام،لشمس الدین أبی المعالی محمد بن عبد الرحمن بن الغزی "المتوفی 1167 :هـ" ج۳،ص ۱۶۰، حرف الشین،الفصل الرابع فی الأنساب)

۲؎ قال السیوطی نقلت من مجموع بخط الشیخ کمال الدین السبکی والد الشیخ الامام تقیّ الدین ما نصه سئل القاضی أبو بکر بن العربی عن رجل قال ان آباء النبیّ صلّی الله علیه وسلم فی النار فأجاب بأنه ملعون لان الله تعالی قال ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة وأعدّ لهم عذابا مهینا ولا اذی أعظم من أن یقال عن أبیه فی النار انتهی بلفظه(تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس، ج۱،ص۲۳۸،الرکن الاوّل فی الحوادث من عام ولادته الی زمان نبوّته،الباب الاوّل فی الحوادث من عام ولادته الی السنة الحادیة عشر من تاریخ ولادته،احیاء أبویه صلّی الله علیه وسلم)

۳؎ (مسألة رجل قال إن أبا النبی فی النار)

مسألة .قال الشیخ جلال الدین السیوطی فی مسالک الحنفا فی والدی المصطفی قال نقلت من مجموع بخط الشیخ کمال الدین الشیمی والد شیخنا الشیخ تقی الدین ما نصه سئل القاضی أبو بکر بن العربی عن رجل قال إن أبا النبی -صلی الله علیه وسلم -فی النار فأجاب بأنه ملعون لأن الله تعالی قال "إن الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة وأعد لهم عذابا مهینا" قال ولا أذی أعظم من أن یقال فی أبیه أنه فی النار انتهی بلفظه والله أعلم(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، ج۶،ص۲۸۷،باب الردة)

للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین'' کے ذیل میں فرمایا کہ:

''اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق پہلی حدیث حضرت مسیّب کی ابوطالب کی وفات کے متعلق وارد ہوئی ہے۔

اور دوسری حدیث اسی سلسلہ میں عمرو بن دینار کی وارد ہوئی ہے۔

اور تیسری حدیث یہ وارد ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی اجازت حاصل ہوگئی، اور ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی اجازت حاصل نہیں ہوئی، جس پر اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ رونا آیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تپتی ہوئی دھوپ میں اس امید پر کھڑے رہے کہ ان کے لیے استغفار کی اجازت حاصل ہوجائے، جس پر سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی ''ما کان للنبی''۔

چوتھی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی وارد ہوئی ہے کہ بعض صحابۂ کرام نے اپنے آباء کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور پانچویں حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وارد ہوئی ہے کہ ایک شخص نے اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ آخری روایت دوسری روایات کے مقابلہ میں ضعیف تر ہے۔

اور اس آیت کے شانِ نزول میں مذکورہ تمام روایات کا احتمال ہے''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] (الآیة الثانیة والأربعون قوله تعالی ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین)
" ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لهم أنهم أصحاب الجحیم ،وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه فلما تبین له أنه عدو لله تبرأ منه إن إبراهیم لأواه حلیم"
فیها ست مسائل:
المسألة الأولی :فی سبب نزولها :الأولی :ثبت فی الصحیح عن سعید بن المسیب عن أبیه قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ عربی نے مذکورہ آیت کے متعلق مندرجہ بالا تمام روایات کو شانِ نزول کے ضمن میں ذکر کردیا ہے، اوران میں سے کسی شانِ نزول کی تردید نہیں فرمائی، بلکہ ان سب روایات کے محتمل ہونے کا حکم لگادیا ہے۔

جن میں زیرِ بحث مسئلہ والی حدیث بھی داخل ہے۔

اگرابنِ عربی کے نزدیک یہ چیز باعثِ لعنت عمل ہوتی، تو وہ اس کا خود کیوں ذکر فرماتے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لما حضر أبا طالب الوفاة دخل عليه النبی -صلى الله عليه وسلم -وعنده أبو جهل، وعبد الله بن أبی أمية فقال :يا عم؛ قل لا إله إلا الله كلمة أحاج لک بها عند الله .فقال له أبو جهل، وعبد الله بن أبی أمية :أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزالا يكلمانه حتى قال آخر شیء تكلم به :أنا على ملة عبد المطلب .فقال النبی -صلى الله عليه وسلم :-لأستغفرن لک ما لم أنه عنک .فنزلت:"ما كان للنبی والذين آمنوا"ونزلت:"إنک لا تهدی من أحببت"

الثانی :روى عن عمرو بن دينار أن النبی -صلى الله عليه وسلم -قال :استغفر إبراهيم لأبيه، وهو مشرک، فلا أزال أستغفر لأبی طالب حتى ينهانی عنه ربی .فقال أصحابه :لنستغفرن لآبائنا كما استغفر النبی لعمه، فأنزل الله:"ما كان للنبی والذين آمنوا"إلٰی"تبرأ منه"

الثالثة :روی أن النبی -صلى الله عليه وسلم -لما أتى مكة أتى رضما من حجارة أو رسما أو قبرا، فجلس إليه، ثم قام مستغفرا .فقال :إنی استأذنت ربی فی زيارة قبر أمی، فأذن لی، واستأذنته فی الاستغفار لها، فلم يأذن لی فما رئی باكيا أكثر من يومئذ.

وروی أنه وقف عند قبرها حتى سخنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها، حتى نزلت :"ما كان للنبی"إلی قوله" تبرأ منه"

الرابعة :روى ابن عباس أن رجالا من أصحاب النبی -صلى الله عليه وسلم -قالوا له :يا رسول الله؛ إن من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الأرحام، أفلا نستغفر لهم؟ فأنزل الله:"ما كان للنبی"

الخامسة :روى عن علی قال :سمعت رجلا يستغفر لأبويه، فقلت :تستغفر لهما، وهما مشركان؟ فقال :أولم يستغفر إبراهيم لأبيه، فذكرته لرسول الله -صلى الله عليه وسلم -فنزلت:"ما كان للنبی" وهذه أضعف الروايات.

المسألة الثانية: قوله تعالى "ما كان للنبی والذين آمنوا" دليل على أحد أمرين: إما أن تكون الرواية الثانية صحيحة، فنهی الله النبی والمؤمنين.

وإما أن تكون الرواية الأولى هی الصحيحة ويخبر به عما فعل النبی، وينهی المؤمنون أن يفعلوا مثله، تأكيدا للخبر؛ وسائر الروايات محتملات(أحكام القرآن،للقاضی محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربی ،ج۲،ص ۵۹۱، ۵۹۲، سورة التوبة، الآية الثانية والأربعون قوله تعالى ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين،مسألة طلب المغفرة للمشركين)

اس کے علاوہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے ہی''مؤطا مالک'' کی شرح''المسالک'' میں فرمایا کہ:

''زیارتِ قبور ممنوع نہیں ہے، اور اس سے آخرت کے یاد کرنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ آمنہ کی قبر کی ہزاروں کے مجمع میں زیارت کی، حالانکہ وہ کافر تھیں''۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں بھی ابنِ عربی نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو کافر قرار دیا ہے۔

اگر ان کے نزدیک ایسا کہنا باعثِ لعنت عمل ہوتا، تو کیا وہ خود ہی اپنے تئیں اپنے آپ کو ملعون قرار دلوانا گوارا فرماتے؟

اور چوتھی بات یہ ہے کہ احمد بن یحیٰ ونشریسی (المتوفیٰ: 914ہجری) نے''المعیار المعرب و الجامع المغرب''میں اس مسئلہ کے متعلق، قاضی ابوبکر بن عربی کی طرف سے ایک سوال اور اس کا تفصیلی جواب نقل کیا ہے، جس سے ابوبکر بن عربی کے کلام کا دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے، جس سے علامہ سیوطی کے بیان کردہ مطلب سے دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ اس میں قاضی ابوبکر بن عربی سے جمہور اہل السنہ والے موقف کا مدلل ثبوت موجود ہے، جس کی علامہ سیوطی تردید فرمانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ احمد بن یحیٰ ونشریسی نے اس سلسلے میں جو ابنِ عربی سے کیا گیا سوال نقل کیا ہے، اس

---

[1] وهل زيارة القبور واجبة، أم مسنونة، أم مندوب إليها، أم منهى عنها؟

قال الإمام الحافظ :هـذا باب عظيم من ناسخ الحديث ومنسوخه، فيه الأثر الصحيح بالإذن فيه بعد المنع منه.

فـأمـا السكـنـى فـممنوع منه ومكروه، ولما مات الحسن بن على ضربت امرأته عليه قبة وجلست عنده سنة، ثم رفعت، فسمعوا صائحا يقول :ألا هل وجدوا ما عملوا .

وليس لـزيـارتهـا فـائـدة، وليس يحضرنى فى هذه العاجلة إلا ما قال النبى -صـلـى الله عليه وسلم ":-فإنها تذكر الآخرة.

ولـذلـک زار قبر أمه آمنة فى ألف مقنع ، وهى كافرة؛ لأن الآخرة تذكر الكافر كما تذكر المؤمن، كـل أحـد عـلـى صـفـتـه(الـمسـالِک فى شرح موطأ مالک، ج٣،ص ٥٦٦،٥٦٧، كتاب الجنائز، الوقوف للجنائز والصلاة على المقابر،المسألة الخامسة)

میں ایک مسجد کے امام کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو ابوجہل کے مثل، اور دونوں کو برابر کہتا ہے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر لعنت بھیجتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ ان پر لعنت بھیجنا واجب ہے، کیونکہ وہ شرک کی حالت میں فوت ہوئے، اور اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتا ہے کہ ''إن الذین کفروا وماتوا وھم کفارٌ أولٓئک علیھم لعنة اللہ والملائکة والناس أجمعین ''تو سوال یہ ہے کہ کیا اس امام مسجد کا یہ طرز عمل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر اس طرح لعنت بھیجنا جائز ہے؟

اس سوال کا ابوبکر ابن عربی نے جو تفصیلی جواب تحریر کیا، اس میں فرمایا کہ:

''لاعن والد النبی صلی اللہ علیه وسلم ملعون علی لسان النبی صلی اللہ علیه وسلم، إذ قد بلغنا عن ربنا أنه قال ''إن الذین یؤذون اللہ ورسوله لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرة الآیة ''وھو مناقض للتعزیر والتوقیر الواجب له، ولا یجوز ذلک مع المسلمین غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم لما فیه من الأذایة لھم التی ھی معصیة، فکیف فی جانب النبی صلی اللہ علیه وسلم، الذی ھو کفر''

یعنی ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر لعنت کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملعون ہے، کیونکہ ہمیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ قول پہنچا ہے کہ ''إن الذین یؤذون اللّٰہ ورسوله لعنھم اللّٰہ فی الدنیا والآخرة ''آخر آیت تک، اور ایسا شخص، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعظیم اور توقیر کو توڑنے والا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واجب ہے، اور یہ بات تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی جائز نہیں (یعنی کسی مسلمان کے والد پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، خواہ اس کا والد کافر کیوں نہ ہو) کیونکہ اس طرزِ عمل میں گناہ

والی اذیت کا پہنچانا پایا جاتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا، کیونکر جائز ہوگا، جو کہ کفر ہے''

پھر ابوبکر ابنِ عربی نے فرمایا کہ:

"فكيف يؤذى النبى صلى الله عليه وسلم أو يجترء فى الشرع بلعن أبيه ، والتخصيص بذلك له ، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم "أبى وأبوك فى النار ، وأمى وأمك فى النار" بيانا لحكم الله فى الدين ، وتفريقا بين المؤمنين والكافرين .

وليس لأحد أن يقول ذلك هجيراه فى جواره

فلا يجوز ذلك لما فيه من الأذاية والخزاية ، ففى رواية (لا تسبوا الأموات فانهم قد أفضوا الى ما قدموه) وفى رواية (لا تسبوا الأموات فتؤذوا الأحياء) ، وفيه كلام قد بيناه فى شرح الحديث ، من معظمه الأذاية التى أشرنا إليها ، وفى أبى النبى صلى الله عليه وسلم اعظم، وأنتم ترون حنانه صلى الله عليه وسلم على عمه أبى طالب ، واستلطافه به ، ودعاء الله تعالى فى التخفيف عنه ، لا يجوز لأحد لعنته لأنها منقصة للنبى صلى الله عليه وسلم فى عمِه فضلا عن أبيه و أمه"

''پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر لعنت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے، یا شریعت میں جرأت کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی تخصیص کرنے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

اور نبی صلی اللہ علہ وسلم نے جو یہ بات فرمائی کہ ''میرے اور تمہارے والد جہنم میں ہیں، اور میری اور تمہاری والدہ جہنم میں ہیں'' تو یہ بات دین کے مسئلے میں اللہ کا

حکم بیان کرنے اور مومن اور کافر میں فرق بیان کرنے لیے فرمائی۔
اور کسی کے لیے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار اور نسبت میں بطور عادت کے کہنا جائز نہیں۔
پس سوال میں جو بات مذکور ہے، وہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا، اور آپ کو رسوا کرنا پایا جاتا ہے۔
اور ایک حدیث میں ہے کہ ''تم مُردوں کو سب وشتم نہ کرو، کیونکہ وہ اپنے انجام تک پہنچ چکے ہیں'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''تم مُردوں کو سب وشتم کر کے، زندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ'' اور ہم نے اس حدیث کی شرح میں اس اذیت کی اہمیت کو بیان کر دیا ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے متعلق اذیت پہنچانا، زیادہ عظیم ہے۔
اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے متعلق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور لطافت کو، اور ان کے اللہ تعالیٰ سے عذاب میں تخفیف کی دعاء کو جانتے ہو۔
لیکن کسی کے لیے ابوطالب پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص پائی جاتی ہے، پس جب چچا کے متعلق یہ طرزِ عمل جائز نہیں، تو والدین کے متعلق کیسے جائز ہوگا؟''
پھر ابوبکر ابنِ عربی نے فرمایا کہ:

" والد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس کأبی جهل ، وإن کان کافرا ، لأن أبا جهل عدوٌّ مباین ، لمضایقته علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ولإذایته له ولأصحابه ، ولصده عن سبیل اللہ ، ولمحاربته للہ ولرسوله .

ووالد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فما زاد علی أن ظلم نفسہ ، ولا یسوی بینھما ، والکفر درجات ، کما أن الإسلام درجات ، وأعلی درجات الإسلام درجۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، وأسفل درجات الکفر درجۃ أبی جھل لعنہ اللّٰہ''

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد، اگرچہ کافر ہیں، لیکن ابوجہل کی طرح نہیں، کیونکہ ابوجہل واضح دشمن تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سختی کرتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے صحابۂ کرام کو اذیت پہنچاتا تھا، اور اللہ کے راستے سے روکتا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا تھا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے (کفر کا ارتکاب کرکے) اپنے اوپر ظلم کرنے کے علاوہ اور کوئی چیز زیادہ نہیں کی، لہٰذا ابوجہل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد میں برابری نہیں کی جاسکتی، کیونکہ کفر کے بھی مختلف درجات ہیں، جس طرح اسلام کے مختلف درجات ہیں، اسلام کے درجات میں اعلیٰ درجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور کفر کے درجات میں اسفل درجہ ابوجہل لعنہ اللہ کا ہے''۔

اور پھر ابوبکر ابنِ عربی نے اپنے جواب کے آخر میں فرمایا کہ:

''وأما قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم '' وأبوک فی النار '' فانما قال ذالک لرجل سألہ من أصحابہ عن أبیہ فقال لہ ذالک تسلیۃ وأدبا معہ لکن بین صلی اللّٰہ علیہ وسلم بذالک حکم اللّٰہ فیھما . لأن الخبر منہ لا یصح أن یقع علی خلاف مخبرہ واللّٰہ الموفق للصواب ، لا رب غیرہ ولا خیر الا خیرہ . انتھٰی''

''رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''وابوک فی النار'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے صحابۂ کرام میں سے اس آدمی کے سامنے بیان فرمائی، جس

نے اپنے والد کے متعلق سوال کیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حوصلہ دلانے، اور اس کو تعلیم دینے کے لیے، اس کے والد کے ساتھ اپنے والد کی معیت ذکر فرمائی، لیکن اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق، اللہ کے حکم کو بھی بیان فرمادیا، اس لیے کہ ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کا مخبر کے خلاف واقع ہونا صحیح نہیں (کیونکہ یہ مخبرِ صادق کی خبر ہے)'' [1]

---

[1] وسئل الإمام الحافظ القاضی أبو بکر بن العربی رحِمه الله:
ما تقول أعزک الله فی رجلین تنازعا الکلام:
فقال أحدهما : إن قریشا أفضل العرب لأن النبی صلی الله علیه وسلم بعث منهم .
وقال الآخر : بل قریش وسائر العرب سواء لأنهم کانوا مشرکین ، ولا فضل لقریش إلا من کان منهم مسلما ، أو مات علی الإسلام .
فقال له الرجل : وهل والد النبی صلی الله علیه وسلمَ مثل أبی جهل ؟
فقال : هما سواء ، وأطلق اللعنة علی والد النبی صلی الله علیه وسلم ، وقال إنها واجبة علیه إذ مات علی الشرک .
فقال : هل جاء بهذا أمر ؟
فقال : الأمر یخرج من قوله تعالی ''إن الذین کفروا وماتوا وهم کفارٌ أولئک علیهم لعنة الله والملائکة والناس أجمعین''
فبین لنا وجه الصواب فی هذا ، وهل یجوز له إطلاق اللعنة علیه ، وهو إمام مسجد ؟ وهل تجوز الصلاة ورائه أم لا ؟
مأجورا مشکورا إن شاء الله .
فأجاب رضی الله عنه بأن قال :
قرأنا سؤالک ، عصمنا الله وإیاک من الفتنة ، وأکرمنا بالعصمة من المحنة ، وهذا زمان تنطلق به الدویبة ، وتبسط فیه الألسنة ، حتی تتعدی إلی الأنبیاء المصطفین الأخیار ، ثم إلی المصطفی منهم صلی الله علیه وسلم ، وقد تضمن سؤالک خمسة معان :
الأول : أن قریشا أفضل العرب.
والجواب عنه : أن قریشا أفضل العرب والعجم وسائر الآدمیین ، قال صلی الله علیه وسلم ((إن الله اصطفی من ولد إبراهیم إسماعیل ، ومن ولد إسماعیل کنانة ، واصطفی من کنانة قریشًا ، واصطفی من قریشٍ بنی هاشمٍ ، واصطفانی من بنی هاشمٍ)) ، وقال صلی الله علیه وسلم (إن الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم فرقةً ، ثم جعلهم فرقتین فجعلنی من خیرهم فرقةً ، ثم جعلهم قبائل ، وجعلنی فی خیرهم قبیلةً ، ثم جعلهم بیوتًا فجعلنی فی خیرهم بیتًا وخیرهم بطناً) ، وقد بینا شرح هذه الأحادیث علی التفصیل فی شرح الترمذی .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس قاضی ابوبکر ابنِ عربی کی طرف جو بات منسوب کی جاتی ہے کہ شرعی حکم بیان کرنے کے ذیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر کا حکم بیان کرنا، اس لیے باعثِ لعنت عمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن السؤال الثانی : أن من كان منهم مسلما فهو خير ممن كان كافرا ، وغيرهم فی ذلک سواء ، ويفضلونهم فی غير ذلک بما يطول تعداده .

وعن السؤال الثالث : وهو والد النبی صلى الله عليه وسلم ، وبخٍ بخٍ إلى يوم النفخ ، إن لاعن والد النبی صلى الله عليه وسلم ملعون على لسان النبی صلى الله عليه وسلم ، إذ قد بلغنا عن ربنا أنه قال "إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنيا والآخرة الآية "وهو مناقض للتعزير والتوقير الواجب له ، ولا يجوز ذلک مع المسلمين غير النبی صلى الله عليه وسلم لما فيه من الأذاية لهم التی هی معصية ، فكيف فی جانب النبی صلى الله عليه وسلم ، الذی هو كفر ! ، وقد قال الله سبحانه مخبرا عن إبراهيم عليه السلام "ولا تخزنی يوم يبعثون "قال النبی صلى الله عليه وسلم : (إن إبراهيم عليه السلام يلقی أباه ، وعليه القترة ، فيقول يا رب ، وعدتنی لا تخزنی يوم يبعثون ، فيعود والد إبراهيم فی صورة ذيخ ، وهو المتولد بين الذئب والضبع ، حتى لا يرى الخلق والد إبراهيم يحمل إلى النار .

فكيف يؤذی النبی صلى الله عليه وسلم أو يجترء فی الشرع بلعن أبيه ، والتخصيص بذلک له ، وقد قال النبی صلى الله عليه وسلم (أبی وأبوک فی النار ، وأمی وأمک فی النار) بيانا لحكم الله فی الدين ، وتفريقا بين المؤمنين والكافرين .

وليس لأحد أن يقول ذلک هجيراه فی جواره .

فلا يجوز ذلک لما فيه من الأذاية والخزاية ، ففی رواية (لا تسبوا الأموات فانهم قد أفضوا الى ما قدموه) وفی رواية (لا تسبوا الأموات فتؤذوا الأحياء) ، وفيه كلام قد بيناه فی شرح الحديث ، من معظمه الأذاية التی أشرنا إليها ، وفی أبی النبی صلى الله عليه وسلم اعظم، وأنتم ترون حنانه صلى الله عليه وسلم على عمه أبی طالب ، واستلطافه به ، ودعاء الله تعالى فی التخفيف عنه ، لا يجوز لأحد لعنته لأنها منقصة للنبی صلى الله عليه وسلم فی عمه فضلا عن أبيه و أمه.

وعن السؤال الرابع : إن قول الله "أولئک عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين" أنه متناول لكل كافر كائن من كان ، بحال العموم ، ويقال على الخصوص فيمن ليست له ذمة ولا يمت بحرمة ، كلعن السارق وشارب الخمر على الجملة والعموم ، ولا يفعل ذلک على التعيين ، ففی صحيح الحديث أن رجلا كان يشرب الخمر على عهد النبی صلى الله عليه وسلم فيؤتى به إليه كثيرا فقال بعضهم : ما أكثر ما يؤتى به أخزاه الله ! ، فقال النبی صلى الله عليه وسلم (لا تكونوا أعواناً للشيطان على أخيكم)

وعن السؤال الخامس : والد النبی صلى الله عليه وسلم ليس كأبی جهل ، وإن كان كافرا ، لأن أبا جهل عدوٌ مباين ، لمضايقته على النبی صلى الله عليه وسلم ، ولإذايته له ولأصحابه ، ولصده عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی ہے، اس کا سراسر خلافِ واقعہ ہونا، خود ابنِ عربی کے مذکورہ بالا تفصیلی جواب سے معلوم ہو چکا، کیونکہ انہوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سبيل الله ، ولمحاربته لله ولرسوله ، ووالد النبى صلى الله عليه وسلم فما زاد على أن ظلم نفسه ، ولا يسوى بينهما ، والكفر درجات ، كما أن الإسلام درجات ، وأعلى درجات الإسلام درجة النبى صلى الله عليه وسلم ، وأسفل درجات الكفر درجة أبى جهل لعنه الله .أما الواجب على هذا القائل فهو الاستتابة ، ويؤدب أدبا وجيعا على استطالته ، وعلى أذايته النبى صلى الله عليه وسلم ، وعلى تأويل القرآن بغير علم ، ويعزل عن الإمامة عصمنا الله من الفتن بحول الله وقوته ، وأسبغ علينا عوارف نعمه ، وصلى الله على سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه وعلىٰ جميع النبيين ، والحمد لله رب العالمين ، والسلام.

وتقيد بعقب هذا الجواب بخط الفقيه العارف الضابط أبى عبد الله بن سعيد ما نصه : بوب البخارى رحمه الله من أحب أن لا يسب نسبه . حدثنا عثمان بن أبى شيبة قال ، حدثنا عبدة عن أبيه عن عائشة ، رضى الله عنها ، قالت : استأذن حسان النبى صلى الله عليه وسلم فى هجاء المشركين فقال فكيف بنسبى منهم فقال حسان لأسلنك منهم كما تسيل الشعرة من العجين .

قلت : وفى هذا دليل على أنه كان يتأذى ، صلى الله عليه وسلم ، بما يتأذى به البشر ، وقد لعن الله من آذى رسوله ، فلاعن والد النبى صلى الله عليه وسلم ملعون بنص القرآن ، ونسأل الله العصمة من الفتن بمنه انتهى .

انظر فى الصفح يمنته ، قال المحدث القاضى أبو محمد صالح بن عبد الملك الأوسى رحمه الله : لما علمت أن شيخى المذكور سئل عن هذا السؤال وأنه أجاب فيه وحملته عنه وشد عنى مع غيره فيما شد ، فلما كان بعد ذالك وجدته وكتبته ، وهو حسب ما كنت أعلم من أغراضه ومذاهبه فى حماية الشريعة وتنزيه النبوة الا أنه اختصر كثيرا ، وذالك والله أعلم لما اقتضته الحال عند ذالك مما كان يحسن أن يحتج به زائدا لما احتج به فى تحريم اذاية النبى ، صلى الله عليه وسلم : " وما كان لكم أن تؤذوا رسول الله ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبدا إن ذلكم كان عند الله عظيما" ويقول صلى الله عليه وسلم حين أراد على بن أبى طالب رضى الله عنه نكاح بنت أبى جهل : " انى لا أحرم حلالا ولا أحل حراما وان فاطمة بضعة منى يريبنى ما رابها ويؤذينى ما أذاها " فنبه بذالك صلى الله عليه وسلم أن اذاية فاطمة حرام ، وكذالك من أذاه فى أبويه . وقوله لا أحرم حلالا الى آخر الفصل . أى حكم الله لا يبدل فى الدنيا والآخرة ، وقوله فى ذالك الحديث : " والله لا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله عند رجل واحد أبدا " يعنى فى نكاح ، وكذالك لا يجمع مسلم بين لعنة عدو النبى صلى الله عليه وسلم ، وبين قريبه أبدا . وكان يحسن أيضا أن يحتج بقوله تعالىٰ : " قل لا أسئلكم عليه أجرا إلا المودة فى القربى " وأبوه أقرب قرابته والآية عموم لا يخصصها شىء فى طريق الاشفاق لمن مات منهم كافرا ، وفى طريق الثناء والفضل لمن مات مؤمنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے والدین کے متعلق شرعی حکم وہی بیان کیا ہے، جو جمہور اہل السنۃ کا ہم اختیار ونقل کرتے ہیں، البتہ ابنِ عربی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر لعنت بھیجنے، اور ان کو ابوجہل وغیرہ کے برابر سمجھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وما روى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال فى أحد قرابته مثل قوله لعلى رضى الله عنه ، ان الشيخ الضال أباك مات بداره ، سلمنا أن نقول ذالک عند روايتنا الحديث أو فى معنىٰ ذالک .

والذى عنده أنه لا يجتمع فى اللعنة بين من مات قبل أن يبعث النبى صلى الله عليه وسلم وبين من مات بعد بعثته كافرا أو مكذبا . وقد اختلف العلماء فيمن مات ولم تبلغه دعوة على قولين ، أحدهما أنه فى المشيئة ، يشهد له قوله تعالىٰ " وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا " وقوله تعالىٰ : " لأنذركم به " الىٰ قوله : " آلهة أخرىٰ " وقوله تعالىٰ : " يوم تقلب وجوههم فى النار " الىٰ قوله :" الرسولا " ولا خلاف أن شريعة عيسى عليه السلام ، كانت درست ولم يبق منها الا يسير فى حيز العدم على ما روى عن سليمان وغيره ، ووالد النبى صلى الله عليه وسلم ، مات وهو عليه السلام فى بطن أمه ، وهذا لا خلاف فيه والله أعلم . وأبو جهل لعنه الله ممن كذب و كفر وعاند وحارب وقاتل وآذى ولم تبق غاية من الاذاية الا فعلها حتى قتل علىٰ ذالک ، ولا خلاف فيه أيضا .

وفى الحديث أنه رئى صلى الله عليه وسلم فى يوم شديد الحر واقف على رصف من حجارة هى قبر أمه عامة يومه وهو يبكى بكاء رحمة أى تسيل دموعه ، ولا محالة أنه كان يدعو لها اشفاقا و تحننا .

وأما قول شيخى رضى الله عنه فى ذالک الرجل انه يعجل فى استتابته ويؤدب أدبا وجيعا فمعناه أنه يؤدب الآن معجلا على خرق الاجماع المذكور ، وما تضمنه القرآن المقطوع بأصله من تعزيره وتوقيره ، اللهم الا أن يطلق ذالک مستخفا بحرمة النبوة ويطلب المناظرة على ذالک ويصمم ألا يرجع فيقتل كفرا .

وأما والد النبى صلى الله عليه وسلم فبلغنا عنه أنه كان فى اعتقاده ما كان عليه قومه مع أنه كان شريفا فيهم ذا حسب يطلب المكارم والأمور التى كان قومه يطلبونها ويعظمونها من اطعام الطعام وصلة الرحم وغير ذالک .

وقد روى البزار قال حدثنا محمد بن عثمان ابن كرامة قال أخبرنا عبد اللّٰه قال أخبرنا اسرائيل عن عبد الأعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أن رجلا وقع فى أبى العباس كان فى الجاهلية ، فلطمه العباس ، فجاء قومه وقالوا واللّٰه لنلطمنه كما لطمه حتىٰ أخذو السلاح أو حتىٰ لبسوا السلاح ، فبلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ذالک فصعد المنبر ثم قال : " أيها الناس أى أهل الأرض تعلمونه أكرم على الله؟ قالوا: أنت قال: فإن العباس منى، وأنا منه لا تسبوا موتانا فتؤذوا أحيائنا فجاء القوم فقالوا: يا رسول الله نعوذ بالله من غضبک فاستغفر لنا.

فهذا الحديث قد أفصح فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحجة القاطعة وهذا بين فيما أردناه وانتحيناه من هذا الجمع .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح اگر کوئی کسی بھی موقع پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ذکر آ جانے پر اُن کی تکفیر کی عادت بنائے، تو اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

پس جہاں شرعی حکم بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے، اور ویسے ہی جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ذکر آئے، تو وہاں ان کے کفر کی بات کو بھی درمیان میں ذکر کرنے کی عادت بنالے، تو اس کی قباحت وشناعت سے کس مسلمان کو انکار ہوسکتا ہے۔

اور ہماری بحث اس صورت میں ہے، جبکہ ان کے کفر کا شرعی حکم معلوم کیا جائے۔

اور جب اللہ کی طرف سے ان کے کفر کا حکم بیان کر دیا گیا، لیکن اس حکم کو تسلیم نہ کیا جائے، بلکہ اس کا انکار کیا جائے، اور اس میں طرح طرح کی تاویلات کی جائیں، تو ایسی صورت میں اللہ کے اس حکم کو واضح کرنا، اور بے جا تاویلات کا جواب دینا، یہ خود شرعی ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر اللہ کی طرف سے بیان کردہ، اس حکم کا انکار نہ کیا جاتا، اور اس میں دور دراز کی تاویلات نہ کی جاتیں، جیسا کہ آنجناب بھی اس میں شریک ہیں، تو اس مسئلے پر طویل کلام کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی۔

اور ہم یہ پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اگر اس حکم کو نقل وبیان کرنے والا ملعون ہو، جو حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان کیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں نعوذ باللہ اس لعنت کی نسبت، خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف کرنا لازم آتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان تمام

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال البزار : لا نعلم روى هذا الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم إلا من هذا الوجه وبهذا الإسناد وإسناده حسن وعبد الأعلى رجل مشهور من أهل الكوفة ومن قبله ومن بعده ثقات .

وأما قول النبى صلى الله عليه وسلم " وأبوك فى النار " فانما قال ذالك لرجل سأله من أصحابه عن أبيه فقال له ذالك تسلية وأدبا معه لكن بين صلى الله عليه وسلم بذالك حكم الله فيهما لأن الخبر منه لا يصح أن يقع على خلاف مخبره والله الموفق للصواب ، لا رب غيره ولا خير الا خيره انتهى. (المعيار المعرب والجامع المغرب ،ج١٢ ،٢٥٧،ص٢٦٢، الخوض فى الحالة الدينية لأبوى النبى عليه السلام، الناشر: نشر وزراة الاوقاف والشؤون الاسلامية للملكة المغربية، الرباط، ودار الغرب الاسلامى، بيروت، لبنان، الطبعة ١٤٠١هـ، 1981م)

محدثین اور مجتہدین اور اہلِ علم کی طرف بھی کرنا لازم آتا ہے، جن سے نقل در نقل ہوتے ہوئے، یہ حکم ہم تک پہنچا، جس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ زیرِ بحث مسئلے میں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی بات کی تصدیق کرنے کو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء، اور گناہ کا باعث سمجھنا، درست نہیں، ورنہ تو اس کی نسبت متعدد محدثین اور سلفِ صالحین کی طرف بھی کرنا لازم آئے گا، اور ساتھ ہی قاضی ابوبکر ابنِ عربی کی طرف کرنا بھی لازم آئے گا۔ [1]

---

[1] الشبهة السادسة: القول بأن أبوى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى النار إيذاء له – صلى الله عليه وآله وسلم –.

الجواب: هذا القول تصديق لقوله – صلى الله عليه وآله وسلم –، وليس إيذاء له – صلى الله عليه وآله وسلم –.

وهل هؤلاء العلماء كانوا يقصدون إيذاء النبى – صلى الله عليه وآله وسلم –:

1۔ الإمام مسلم: حيث روى فى صحيحه حديث إن أبى وأباك فى النار.

2۔ الإمام أبو داود صاحب السنن: حيث روى نفس الحديث مع أحاديث أخرى وعنون عليها: باب فى ذرارى۔ أى أبناء۔ المشركين.

3۔ الإمام النسائى: حيث روى حديث أبى هريرة – رضى الله عنه – قال: زار النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال: استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت وعنون عليه الإمام النسائى: باب زيارة قبر المشرك.

4۔ الإمام ابن ماجة: حيث روى هو أيضا نفس الحديث وعنون عليه: باب ما جاء فى زيارة قبور المشركين.

5۔ الإمام النووى – رحمه الله –:وقد بوب فى شرحه لصحيح مسلم عند حديث إن أبى وأباك فى النار بقوله: باب: بيان أن من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تناله شفاعته، ولا تنفعه قرابة المقربين.وقال فى شرحه ما نقلناه قبل قليل.

وقال – رحمه الله – عند شرحه لحديث: استأذنت ربى أن أستنغفر لأمى فلم يأذن لى، واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لى:قال: فيه جواز زيارة المشركين فى الحياة وقبورهم بعد الوفاة؛ لأنه إذا جازت زيارتهم بعد الوفاة ففى الحياة أولى، وقد قال الله تعالى ''وصاحبهما فى الدنيا معروفا''، وفيه النهى عن الاستغفار للكفار، قال القاضى عياض – رحمه الله –: سبب زيارته قبرها أنه قصد قوة الموعظة والذكرى بمشاهدة قبرها؛ ويؤيده قوله – صلى الله عليه وآله وسلم – فى آخر الحديث: فزوروا القبور؛ فإنها تذكركم بالآخرة انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس مسئلہ میں حافظ ابنِ کثیر کے موقف پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''اس سے قبل علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ابوین شریفین والی حدیث کو ضعیف قرار دے چکے، مگر موضوع نہیں کہا ہے''۔ انتہٰی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الإمام النووی أیضا: قوله: فبکی وأبکی من حوله، قال القاضی: بکاؤه – صلی الله علیه وآله وسلم – علی ما فاتها من إدراک أیامه والإیمان به انتهی.

6۔ الإمام البیهقی: قال فی کتابه دلائل النبوة (192 /1، 193) بعد تخریجه لحدیث إن أبی وأباک فی النار: وکیف لا یکون أبواه وجده بهذه الصفة فی الآخرة، وکانوا یعبدون الوثن حتی ماتوا، ولم یدینوا دین عیسی ابن مریم – علیه السلام – انتهی.

وقال أیضا فی (سننه 190 :7): وأبواه کانا مشرکین بدلیل ما أخبرنا ...ثم ساق حدیث إن أبی وأباک فی النار.وقال فی (الدلائل 193 192 /1): وکفرهم لا یقدح فی نسب رسول الله – صلی الله علیه وآله وسلم –؛ لأن أنکحة الکفار صحیحة، ألا تراهم یسلمون مع زوجاتهم، فلا یلزمهم تجدید العقد، ولا مفارقتهن؛ إذ کان مثله یجوز فی الإسلام وبالله التوفیق انتهی .

7۔ الحافظ ابن کثیر: قال فی (سیرة الرسول): وإخباره – صلی الله علیه وآله وسلم – عن أبویه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ینافی الحدیث الوارد من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانین والصم یمتحنون فی العرصات یوم القیامة .لأنه سیکون منهم من یجیب، ومنهم من لا یجیب، فیکون هؤلاء۔ أی الذین أخبر عنهم النبی۔ من جملة من لا یجیب، فلا منافاة، ولله الحمد والمنة انتهی .وقدر رد – رحمه الله – علی حدیث أن الله أحیاهم ثم آمنوا بأنه حدیث منکر.وللاستزادة انظر (تفسیره وکتابه البدایة والنهایة).

8۔ الإمام ابن الجوزی: وقد ذکرنا کلامه قبل قلیل.

9۔ الإمام القرافی: قال فی (شرح تنقیح الفصول ص 297): إن قواعد العقائد کان الناس فی الجاهلیة مکلفین بها إجماعا .ولذلک انعقد الإجماع علی أن موتاهم فی النار یعذبون علی کفرهم، ولولا التکلیف لما عذبوا.

10۔ وقد بسط الکلام فی عدم نجاة والدی النبی – صلی الله علیه وآله وسلم – العلامة الحنفی الملا علی بن سلطان القارء فی (شرح الفقه الأکبر)، وفی رسالة مستقلة أسماها: (أدلة معتقد أبی حنیفة الأعظم فی أبوی الرسول علیه الصلاة والسلام) .وقد أثبت بذلک الکتاب تواتر الأدلة والأحادیث علی صحة معنی هذا الحدیث وعدم نجاة والدی الرسول – صلی الله علیه وآله وسلم – وقد نقل الإجماع علی تلک القضیة فقال فی (ص84): وأما الإجماع فقد اتفق السلف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کلام :

اول تو حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (المتوفٰی: 774ھ) نے احیائے ابوین کی مذکورہ روایت کو شدید غریب ومنکر اور ضعیف، اور اس سلسلے میں وارِد صحیح حدیث کے مخالف سب کچھ ہی قرار دے دیا ہے، اب اگر اس کو موضوع نہ بھی کہا جائے، بلکہ ضعیف کہا جائے، تو وہ ان کے نزدیک کیسے معتبر ہوسکتی ہے، اور ایسی صورت میں حافظ ابنِ کثیر کے کسی ایک مقام پر اس کے ضعیف کہنے کو اختیار کر لینا، اور باقی جرح اور کلام کو نظر انداز کر دینا، اور ان کی طرف اس طرح سے نسبت کر دینا کہ جیسا کہ وہ مذکورہ باب میں اس روایت کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، یہ کیونکر حقیقت کے مطابق ہوسکتا ہے؟

چنانچہ حافظ ابنِ کثیر کا یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والخلف من الصحابة والتابعين والأئمة الأربعة وسائر المجتهدين على ذلک، من غير إظهار خلاف لما هنالک .والخلاف من اللاحق لا يقدح فى الإجماع السابق، سواء يكون من جنس المخالف أو صنف الموافق.

وأخيرا لا بد أن يعلم أن المقصود من الموضوع هو بيان أن اتهام الصوفية لمن يقول بموت أبوى الرسول – صلى الله عليه وآله وسلم – على الكفر بأن بينهم وبين رسول الله – صلى الله عليه وآله وسلم – شيء أو أنهم يريدون نزع محبة محمد – صلى الله عليه وآله وسلم – من قلوب العامة ـ ما هو إلا تدليس وتلبيس على العامة، وأن هذا الاتهام فى الحقيقة متوجه لمن ذكرنا من العلماء لو التزم بذلک الصوفية(كشف شبهات الصوفية،لشحاتة محمد صقر،ص١٨٦ الٰى ١٨٨،رابع عشر :أبوا النبى -صلى الله عليه وآله وسلم ،الرد على الشبهات)

حديث إحياء أبويه – صلى الله عليه وآله وسلم –، بعض الناس من محبتهم للنبى – صلى الله عليه وآله وسلم – عندما يعرف حقيقة تاريخية من أن أبوى الرسول – صلى الله عليه وآله وسلم – ماتا على الكفر لا يعجبه، يقول: كيف؟ أبو الرسول – صلى الله عليه وآله وسلم – وأمه على الكفر؟! غير معقول! مستحيل! لا يمكن! إذا ما هو الحل؟ هذا الحديث: إحياء أبوى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – وعرض الإسلام عليهما فماتا بعد ذلک على الإسلام، هذا غير صحيح هذا، لماذا؟ نوح؛ على ماذا كان ولده؟ وإبراهيم؛ على ماذا كان أبوه؟ هل نفعه شيئا؟

إن هذا الدين لا يحابى أحدا، لا ينفع إلا الإيمان والعمل الصالح(دليل الواعظ إلى أدلة المواعظ ،لشحاتة محمد صقر، ج٢،ص١٥ ،من الآثار السيئة للأحاديث الضعيفة والموضوعة،إيقاع المسلم فى الشرک الصريح)

فإنه حديث منكر جداوإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى .لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه (السيرة النبوية،لا بن كثير،ص ٢٣٩،ذكر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبى ذؤيب السعدية)

ترجمہ: یہ حدیث شدید منکَر ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے، احیائے ابویہ، ممکن ہے، لیکن، اس سلسلہ میں جو صحیح حدیث وارِد ہوئی ہے، وہ اس کے مخالف ہے (السیرۃ النبویۃ)

یہی بات حافظ ابنِ کثیر نے ''البداية والنهاية ''میں بھی فرمائی ہے، بلکہ اس میں مزید بھی وضاحت فرمائی ہے، اور مذکورہ سیرت کی کتاب، دراصل اسی کتاب کا جزو ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية خلافا لفرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب على ما سيأتى فى وفاة أبى طالب.

وقد قال البيهقى -بعد روايته هذه الأحاديث فى كتابه دلائل النبوة :وكيف لا يكون أبواه وجده عليه الصلاة والسلام بهذه الصفة فى الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن، حتى ماتوا ولم يدينوا دين عيسى بن مريم عليه السلام.

وكفرهم لا يقدح فى نسبه عليه الصلاة والسلام لأن أنكحة الكفار صحيحة .ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد ولا مفارقتهن إذا كان مثله يجوز فى الإسلام وبالله التوفيق.انتهى كلامه.

قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب

بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا فى تفسيرنا عند قوله تعالى :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة ولله الحمد والمنة.

وأما الحديث الذى ذكره السهيلى وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد عن عروة عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به.

فإنه حديث منكر جدا.وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى. لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه والله أعلم(البداية والنهاية،لابن كثير، ج۲،ص ۳۴۲، ۳۴۳، كتاب سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم)

نیز حافظ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں ہی فرمایا کہ:

وأغرب منه وأشد نكارة ما رواه الخطيب البغدادى فى كتاب "السابق واللاحق "بسند مجهول، عن عائشة فى حديث فيه قصة أن الله أحيا أمه فآمنت ثم عادت.

وكذلك ما رواه السهيلى فى "الروض "بسند فيه جماعة مجهولون: أن الله أحيا له أباه وأمه فآمنا به .

وقد قال الحافظ ابن دحية: [هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع، قال الله تعالى: ''ولا الذين يموتون وهم كفار''

وقال أبو عبد اللّٰه القرطبی: إن مقتضی هذا الحديث . . .ورد علی ابن دحية] فی هذا الاستدلال بما حاصله: أن هذه حياة جديدة، كما رجعت الشمس بعد غيبوبتها فصلی علی العصر، قال الطحاوی: وهو [حديث] ثابت، يعنی: حديث الشمس.

قال القرطبی: فليس إحياؤهما يمتنع عقلا ولا شرعا، قال: وقد سمعت أن اللّٰه أحيا عمه أبا طالب، فآمن به .

قلت: وهذا كله متوقف علی صحة الحديث، فإذا صح فلا مانع منه واللّٰه أعلم (تفسیر ابنِ کثیر، ج۴ص۱۹۵، سورة التوبة)

اس کے علاوہ حافظ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک مقام پرفرمایا کہ:

وقرأ آخرون: ولا تسأل عن أصحاب الجحيم بفتح التاء علی النهی ، أی: لا تسأل عن حالهم، كما قال عبد الرزاق: أخبرنا الثوری عن موسی بن عبيدة عن محمد بن كعب القرظی، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ليت شعری ما فعل أبوای ليت شعری ما فعل أبوای ليت شعری ما فعل أبوای؟ فنزلت: ولا تسئل عن أصحاب الجحيم، فما ذكرهما حتی توفاه اللّٰه عز وجل.

ورواه ابن جرير عن أبی كريب عن وكيع عن موسی بن عبيدة، وقد تكلموا فيه عن محمد بن كعب بمثله.

وقد حكاه القرطبی، عن ابن عباس ومحمد بن كعب، قال القرطبی: وهذا كما يقال لا تسأل عن فلان، أی: قد بلغ فوق ما تحسب، وقد ذكرنا فی التذكرة أن اللّٰه أحيا له أبويه حتی آمنا به،

وأجبنا عن قوله: إن أبى وأباک فى النار .

قلت : والحديث المروى فى حياة أبويه عليه السلام، ليس فى شيء من الكتب الستة ولا غيرها، وإسناده ضعيف.

ثم قال ابن جرير: وحدثنى القاسم أخبرنا الحسين حدثنى حجاج عن ابن جريج، أخبرنى داود بن أبى عاصم، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم: أين أبواى ؟ فنزلت: إنا أرسلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن أصحاب الجحيم، وهذا مرسل كالذى قبله، وقد رد ابن جرير هذا القول المروى، عن محمد بن كعب وغيره فى ذلک، لاستحالة الشک من الرسول صلى الله عليه وسلم فى أمر أبويه، واختار القرائة الأولى.

وهذا الذى سلكه هاهنا فيه نظر، لاحتمال أن هذا كان فى حال استغفاره لأبويه، قبل أن يعلم أمرهما، فلما علم ذلک تبرأ منهما، وأخبر عنهما أنهما من أهل النار، كما ثبت هذا فى الصحيح، ولهذا أشباه كثيرة ونظائر ولا يلزم ما ذكر ابن جرير، والله أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج ا ص ۲۸۰، سورة البقرة)

مذکورہ عبارت میں حافظ ابنِ کثیر نے ''احیاءِ ابوین'' کی حدیث کے کتبِ ستہ، اور غیر کتبِ ستہ میں نہ ہونے، اور مزید براں اس کی سند کے ''ضعیف'' ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس کے مقابلے میں، صحیح حدیث میں اہلِ نار میں سے ہونے کے ذکر کی صراحت فرمائی ہے، جس کے ضمن میں حافظ ابنِ کثیر نے امام قرطبی کے قول کی بھی تردید فرمادی ہے۔

جبکہ اس سے پہلی عبارت میں بھی حافظ ابنِ کثیر ہی کے حوالہ سے یہ بھی گذر چکا ہے کہ اس سلسلہ میں جو صحیح حدیث وارِد ہوئی ہے، وہ ''احیاء'' والی حدیث کے مخالف ہے۔

پس حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کی اپنی مذکورہ تصریحات وحوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے باوجود بھی، اگر کوئی ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے گا، جو اِن کے مقصود کے خلاف ہوگی، تو وہ خلافِ واقعہ بات کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے، جس طرح آخرت میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا، اسی طرح حافظ ابنِ کثیر کے سامنے بھی جواب دہ ہوگا۔

کیا ان تصریحات وحوالہ جات کے ہوتے ہوئے آنجناب نے جو بات تحریر کی ہے، اور اس سے جو تأثر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں بیتِ عنکبوت سے زیادہ کی قوت بھی موجود ہے؟

دسویں صدی میں نیا قول ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''تو پھر یہ دسویں صدی میں نیا قول کیسے ہوا؟''۔ انتہٰی۔

کلام:

اول تو ہماری کسی عبارت کو باحوالہ نقل کرنا ضروری تھا کہ ہم نے کس قول کے متعلق ''دسویں صدی میں نیا قول'' ہونے کا دعویٰ کیا، اس طرح گول مول باتوں کو غلاظت میں ملا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنا، شرعی اعتبار سے بھی جائز نہیں۔

ہم نے علامہ حلبی کے کلام کے حاشیہ، اور شیخ ناصر الدین البانی کے کلام کی توضیح میں جو کچھ لکھا تھا، اس پر گفتگو الگ الگ مقام پر باحوالہ کی جاچکی ہے، جس سے آنجناب کے اس طرح کے الزامات کی قلعی کھل چکی ہے۔

اور اگر آنجناب کی اس بات سے حافظ ابنِ کثیر وغیرہ کا قول مراد ہو، تو ان کی طرف منسوب کردہ نسبت کا بھی پردہ چاک کیا جاچکا، جس کے بعد آنجناب کے پاس کہنے کے لئے زیادہ کچھ باقی نہیں بچا۔

باقی انسان کی زبان کی کٹ حجتی تو ایسی بے لگام ہے، جو بروزِ قیامت عنداللہ بھی اس وقت تک اپنا تماشا دکھائے گی، تا آنکہ اس کی زبان پر مہر نہ لگ جائے، یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ، باطل باتوں پر کٹ حجتی سے باز نہیں آتے، خواہ ان کے سامنے کتنے ہی واضح دلائل کیوں نہ قائم کر دیے جائیں۔

اگر آپ بھی ان جیسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہتے ہوں، تو آپ کی مرضی۔

مسئلہ ھٰذا کو علامہ سیوطی سے شہرت حاصل ہونے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کبھی آپ کی کتاب سے عیاں ہوتا ہے کہ ایک شافعی عالم (علامہ سیوطی رحمہ اللہ) کی کتاب کو شہرت ملی، لیکن ایک حنفی عالم (ملا علی قاری رحمہ اللہ) کی کتاب مستور رہی (مفہوم)''۔انتہٰی۔

کلام:

بندہ کی کتاب سے اگر آپ کو یہ عیاں ہوتا ہے کہ ایک شافعی عالم (علامہ سیوطی رحمہ اللہ) کی کتاب کو شہرت ملی، لیکن ایک حنفی عالم (ملا علی قاری رحمہ اللہ) کی کتاب مستور رہی''

تو پھر اس عیاں چیز کو جناب کیوں غیر عیاں سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں؟

پھر ہم آپ کی طرح بات کو گول مول کرنا پسند نہیں کرتے، ہم نے جو کچھ اس سلسلے میں لکھا تھا، وہ درجِ ذیل ہے:

''ملا علی قاری رحمہ اللہ کی وفات 1014 ہجری ہے، جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی کی وفات 911 ہجری ہے، جنہوں نے زور و شور کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناجی ہونے کے مسئلہ کو چلایا۔

اور ملا علی قاری نے مذکورہ عبارت میں دراصل علامہ سیوطی اور ان کے ہم نوا

حضرات کی تردید کی ہے، خود ملا علی قاری نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں بھی علامہ سیوطی پر رَد کیا ہے'' (علمی و تحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۳۸۳)

''علامہ ابراہیم حلبی جو کہ 945 ہجری میں فوت ہوئے، انہوں نے اپنے زمانے میں، اس قول کو اسلام میں نو ایجاد قول قرار دیا تھا، جس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد، سب مومن و موحد تھے، اور اس زمانے میں اس قول کی مخالفت کرنے والوں پر طعن و تشنیع اور اس پر سخت نکیر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اور پھر یہ سلسلہ ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھا، اور علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کی وفات 911 ہجری میں ہوئی، جس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ حلبی نے، جلال الدین سیوطی وغیرہ کی طرف سے اس قسم کا موقف سامنے آنے پر بروقت اس کی تردید کی تھی، لیکن افسوس کہ علامہ سیوطی کی تحقیق تو شائع و ذائع ہوئی، اور آج تک اس کا چرچا جاری ہے، لیکن ان کے مقابلہ میں ایک حنفی محقق کی تحقیق کو اس درجہ کی شہرت حاصل نہ ہوئی، ہم نے بھی علامہ حلبی کے اس رسالہ کا متعدد اہلِ علم حضرات کی تحریرات میں صرف ذکر ہی ملاحظہ کیا تھا، لیکن مطبوعہ شکل میں اس کو ملاحظہ کرنے میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی، تا آنکہ اب جا کر یہ رسالہ، مصر کا طبع شدہ موصول ہوا'' (علمی و تحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۵۸۲)

ہم نے الحمد للہ جو کچھ لکھا، وہ سوچ سمجھ کر لکھا، جس کے ثبوت و شواہد بھی موقع پر موجود ہیں، نہ جناب کی طرح بغیر سوچے سمجھے، لکھا، اور نہ جناب کی طرح سوچے سمجھے بغیر پڑھا، اور اس پر ہم اب بھی قائم ہیں، جناب کی طرف سے اس کے خلاف ثبوت و شواہد قائم اور فراہم کیے جاتے، تو بات آگے بڑھتی، صرف آپ کے دعوے کو نہ ہم دلیل سمجھتے، اور نہ اپنے اوپر حجت سمجھتے، آپ خود اپنے منہ میاں مٹھو بن کر ایسا سمجھتے ہوں، تو آپ جانیں ''لکم دینکم ولی دین''۔

شیخ ایاد احمد الغوج ''السیف المسلول علی من سب الرسول'' کے ضمیمہ ''الذیل علی السیف المسلول'' میں لکھتے ہیں کہ:

ومما یجدر ذکرهُ هنا أن المتأخرین من العلماء و قد أکثروا التصنیف فی هذه المسألة، و هی حکم والدَی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فصنف الحافظ السیوطی فیها رسائله السِّتَّ المشهورة، و هی مطبوعة، و صنف فیها الإمام المحدث محمد مرتضیٰ الزبیدی رسالتهٗ ''الانتصار لوالدی النبی المختار''، و کذلک صنف فیها مرعشی زاده، والبرزنجی، و ابن کمال باشا، وغیرهم.

ولعل فی کون أکثر التصانیف فی هذه المسألة من عمل المتأخرین إشارة الیٰ عدم شیوع هذه البدعة فی العهود الاولیٰ، واللّٰه تعالیٰ أعلم و أحکم (الذیل علی السیف المسلول علی من سب الرسول، ص ۵۸۶، الناشر: دارالفتح، عمان الاردن، الطبعة الاولیٰ: ۱۴۲۱ھ، 2000م)

ترجمہ: اور یہاں پر اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض متاخرین علماء نے اس مسئلہ کے بارے میں بہت زیادہ تصنیفات کی ہیں، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حکم کے متعلق، چنانچہ حافظ سیوطی نے اس مسئلے کے بارے میں چھ مشہور رسائل تصنیف کیے، جو کہ مطبوع ہیں، اور اس مسئلے کے بارے میں امام محدث مرتضیٰ زبیدی نے اپنا رسالہ ''الانتصار لوالدی النبی المختار'' کے نام سے تصنیف کیا، اور اسی طریقے سے اس مسئلے کے بارے میں ''مرعشی زادہ'' اور ''برزنجی'' اور ''ابنِ کمال باشا'' وغیرہ نے تصنیف کی۔

اور شاید اس مسئلے میں تصانیف کی کثرت کا متاخرین کے عمل میں سے ہونا، اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بدعت پہلے زمانوں میں شائع نہیں ہوئی تھی، **واللّٰہ تعالیٰ اعلم واحکم**(الذیل علیٰ السیف المسلول)

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین کی طرف سے اس مسئلے پر کوئی مستقل تصنیف وتالیف نہیں کی گئی تھی، اوراس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مسئلہ نصوص کی رُو سے متقدمین کے سامنے واضح تھا، متاخرین کو اس مسئلے میں تسامح ہوا، اور پھر اس تسامح کو ہی صحیح سمجھ لیا گیا۔

شیخ عبدالحق دہلوی (المتوفیٰ: 1052ھ) نے تو ''**لمعاتُ التنقیح**'' میں یہاں تک بھی تحریر فرمادیا کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، آدم علیہ السلام سے لے کر، عبداللہ بن عبدالمطلب تک، کفر اور شرک سے طاہر، مطہر تھے، نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ ''**خرجت من الأصلاب الطاهرة إلى الأرحام الطاهرات**'' اگرچہ اس روایت کو زنا وغیرہ کی طہارت پر بھی محمول کیا گیا ہے، جو جاہلیت کی عادت تھی، جیسا کہ ظاہری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں، لیکن میں نے دوسرے دلائل کی وجہ سے یہ بات تحریر کی ہے۔

اور آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام آباء واجداد کے توحید اور دینِ اسلام پر قائم رہنے کا علم اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ علمائے متاخرین کو عطا فرمایا ہے، اور متقدمین کے کلمات اکثر وبیشتر اس کے خلاف ہیں، اور اللہ، شیخ جلالُ الدین سیوطی کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس مسئلے میں متعدد رسائل تصنیف کیے، جس میں عمدہ دلائل قائم کیے''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] وأما آباؤه الكرام فكلهم من آدم إلى عبد الله أبيه طاهرون مطهرون من دنس الكفر ورجس الشرك لقوله –صلى الله عليه وسلم–: (خرجت من الأصلاب الطاهرة إلى الأرحام الطاهرات)، وإن حمل هذا على الطهارة عن الزنا والسفاح على ما كان من عادة الجاهلية، كما يدل عليه ظاهر الأحاديث فبدلائل أخر حررت وقررت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے ''لمعاتُ التنقیح'' میں ہی فرمایا کہ:

''بعض محقق علماء نے آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آدم علیہ السلام تک کافر ہونے کی نفی کی ہے، اور اسی وجہ سے ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ''چچا'' قرار دیا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

جبکہ ہم مدلل و مفصل طریقہ پر نقل کر چکے ہیں کہ اولاً تو مذکورہ حدیث، سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، دوسرے اس سے مراد نسب کی طہارت ہے، جس کا ظاہرِ احادیث کے موافق ہونا، شیخ دہلوی بھی تسلیم کررہے ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام تک، تمام آباء واجداد کے مومن وموحد ہونے، اور اس کی بنیاد پر ''آزر'' کے ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہونے کا قول بنیادی طور پر اہلُ السنۃ والجماعۃ کا ہے ہی نہیں، بلکہ اہلِ روافض کا ہے، اس لیے متقدمین اہلُ السنۃ کے کلام میں، حضرت آدم علیہ السلام تک، تمام آباء واجداد کے مومن وموحد ہونے کا قول کیسے ملے گا؟ اُن کا قول تو نصوص کے مطابق ہی ملے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولعمری أن هذا العلم -أعنی العلم بكون آباء النبی -صلى الله عليه وسلم- من لدن آدم إلى أن وجد كانوا على التوحيد ودين الإسلام- علم خص الله تعالى به العلماء المتأخرين، والمتقدمون ربما يلوح من كلماتهم خلاف ذلك، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، وجزى الله عنا الشيخ جلال الدين السيوطی شيخ شيوخنا فی الحديث خير الجزاء، فإنه صنف فيها رسائل متعددة، فأفاد وأجاد وأغنى عن المصباح بالإصباح، والله هو العليم الفتاح، وحاش لله أن يودع هذا النور الطاهر فی مواضع النجاسة والظلمة، ولقد جائت الروايات أنه كان -صلى الله عليه وسلم- فی صلب بعض آبائه يلبی بالحج، وكانوا يبشرون بقدومه ووجوده وأمثال ذلك كثيرة(لمعات التنقيح فی شرح مشكاة المصابيح، ج۹ ص۲۱۸، ۲۱۹، كتاب الفضائل والشمائل،باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله وسلامه عليه، الفصل الاول)

[1] والتحقيق أن آزر عم إبراهيم سمی أبا مجازا متعارفا، واسم أبيه تارخ، قاله بعض المحققين من العلماء الذين نفوا الكفر عن آباء نبينا -صلى الله عليه وسلم- إلى آدم عليه السلام، فعلى هذا ذكر آزر لبيان أن ليس المراد من الأب والده، ولعله كان اختلاط إبراهيم وألفته مع عمه هذا أكثر وأغلب من والده، وكان هو رئيس المشركين، ووقع مناظرته معه، فافهم(لمعات التنقيح فی شرح مشكاة المصابيح، ج۹ ص۲۳، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحشر، الفصل الاول)

اور علامہ سیوطی وغیرہ متاخرین کا تسامح، دلائل کے ساتھ دوسرے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے، اس لیے ان کی اتباع میں شیخ دہلوی نے جو بات فرمائی ہے، وہ بھی اسی تسامح کا نتیجہ ہے۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں متقدمین کے مقابلے میں، چند متاخرین کے پاس جو علم آیا، وہ تسامح کی وجہ سے اہلُ السنۃ کے بجائے، اہلِ روافض کا ہے، اور اس کی نسبت اہلُ السنۃ کی طرف تسامح در تسامح پر مبنی ہے۔

مسئلہ ھٰذا کے حنفیہ وشافعیہ میں اختلافی ہونے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کیا یہ مسئلہ احناف وشوافع کے درمیان اختلافی ہے، اگر ایسی بات نہیں، تو اس قسم کی بات لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس مسئلہ میں تو حنفی عالم، حنفی عالم سے اختلاف کر رہا ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ اور حضرت ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، حضرات، ملا علی القاری رحمہ اللہ سے متفق نہیں ہیں، جس کی وجہ سے آپ کو حواشی لکھنے پڑے کہ علامہ شامی سے موافقت نہیں ہوسکتی۔'' انتھٰی۔

کلام:

اس موقع پر پہلی بات تو جناب کے مذکورہ کلام کے جواب میں یہ ہے کہ ہم نے اپنے مضمون میں کہیں بھی یہ جہالت والی بات نہیں لکھی کہ یہ مسئلہ احناف وشوافع کے درمیان اختلافی ہے، بے شک یہ مسئلہ احناف وشوافع کے درمیان اختلافی ہرگز نہیں، بلکہ مالکیہ وحنابلہ کے درمیان بھی اختلافی نہیں، تمام جمہور اہل السنۃ، اور بعض حضرات کے بقول تمام متقدمین اہل السنۃ کے مابین اتفاقی ہے، اور اس مسئلہ میں بنیادی اختلاف ان سے روافض کا تھا، اسی وجہ سے متقدمین اہل السنۃ سے، بلاتفریق اس مسئلہ پر تصریحات موجود ہیں۔

بعد کے بعض متاخرین، تسامح کی بناء پر اس مسئلہ کو اہل السنۃ میں اختلافی سمجھ بیٹھے، اور روافض کے پیش کردہ بیشتر دلائل سے ہی استناد فرماتے رہے۔

جہاں تک ہماری طرف سے علامہ سیوطی کو شافعی، اور علامہ حلبی، اور ملا علی قاری وغیرہ کو حنفی لکھنے کا تعلق ہے، تو یہ بطور تعارف کے ہے، اور یہ بات بھی واضح کرنے کے لیے ہے کہ ہمارا بیان کردہ موقف متعدد محققینِ حنفیہ نے بھی مدلل انداز میں ذکر کیا ہے، جو حنفیہ کے نزدیک اجنبی قول نہیں۔

اور اس حد تک کسی کو حنفی، یا شافعی لکھنے میں حرج نہیں، جبکہ وہ حقیقت کے مطابق ہو، یہی وجہ ہے کہ ہم نے بعض دیگر علماء کے ناموں کے ساتھ مالکی و حنبلی بھی لکھا ہے، اور ہمارا یہ طرزِ عمل اس مضمون کے ساتھ خاص نہیں، دوسرے مضامین میں بھی یہ رنگ موجود ہے، لیکن جناب کو ان علمی باتوں سے کیا سروکار، جناب کو تو بہر صورت کہیں نہ کہیں سے اعتراض کا شوشہ چاہیے، تا کہ قلم چلانے، اور کاغذ سیاہ کرنے کا مقصد پورا ہو۔

اور الحمدللہ ہمیں ہرگز اس مسئلہ کو حنفیہ کی موافقت پیدا کرنے کے لیے شامی پر حواشی نہیں لکھنے پڑے، بلکہ حنفیہ کے موقف کی غلط فہمی، اور شامی کے تسامح کی وجہ سے حواشی لکھنے پڑے۔

بھلا جس مسئلہ پر جلیل القدر متقدمین، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ و حنابلہ، اور محدثین و مفسرین سب ہی کی تصریحات ہوں، اس کو ایسے کمزور حواشی کی کیا ضرورت، اور اس سے مسئلہ ھٰذا میں کتنا وزن بڑھ جائے گا۔

ایسے بیتِ عنکبوت کے سہاروں کی تو جناب کو ضرورت ہے، یہ جناب کو ہی مبارک ہوں۔

پھر علامہ شامی نے بھی اس مسئلہ کو حنفیت کی ترجمانی کے طور پر بیان نہیں فرمایا، نہ ہی اس پر اپنی فیصلہ کن رائے بیان فرمائی۔ [1]

---

[1] مطلب فی الکلام علی أبوی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- وأھل الفترة

ولا یقال: إن فیہ إساءة أدب لاقتضائہ کفر الأبوین الشریفین مع أن اللہ تعالی أحیاھما لہ وآمنا بہ کما ورد فی حدیث ضعیف. لأنا نقول: إن الحدیث أعم بدلیل روایة الطبرانی وأبی نعیم وابن عساکر خرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم إلی أن ولدنی أبی وأمی لم یصبنی من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک مقام پر تو علامہ شامی نے علامہ ابنِ حجر (المتوفیٰ :974ھ) کی زواجر کی عبارت کی تلخیص فرمائی۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سفاح الجاهلية شيء وإحياء الأبوين بعد موتهما لا ينافى كون النكاح كان فى زمن الكفر.
ولا ينافى أيضا ما قاله الإمام فى الفقه الأكبر من أن والديه -صلى الله عليه وسلم -ماتا على الكفر، ولا ما فى صحيح مسلم استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى وما فيه أيضا.
أن رجلا قال يا رسول الله أين أبى؟ قال :فى النار، فلما قفا دعاه إن أبى وأباك فى النار لإمكان أن يكون الإحياء بعد ذلك لأنه كان فى حجة الوداع، وكون الإيمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الموت فذاك فى غير الخصوصية التى أكرم الله بها نبيه -صلى الله عليه وسلم -وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا فى زمن الفترة مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجيا، أما الماتريدية، فإن مات قبل مضى مدة يمكنه فيها التأمل ولم يعتقد إيمانا ولا كفرا فلا عقاب عليه، بخلاف ما إذا اعتقد كفرا أو مات بعد المدة غير معتقد شيئا.
نعم البخاريون من الماتريدية وافقوا الأشاعرة، وحملوا قول الإمام لا عذر لأحد فى الجهل بخالقه على ما بعد البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير، لكن هذا فى غير من مات معتقدا للكفر، فقد صرح النووى والفخر الرازى بأن من مات قبل البعثة مشركا فهو فى النار، وعليه حمل بعض المالكية ما صح من الأحاديث فى تعذيب أهل الفترة بخلاف من لم يشرك منهم ولم يوجد بل بقى عمره فى غفلة من هذا كله ففيهم الخلاف، وبخلاف من اهتدى منهم بعقله كقس بن ساعدة وزيد بن عمرو بن نفيل فلا خلاف فى نجاتهم، وعلى هذا فالظن فى كرم الله تعالى أن يكون أبواه -صلى الله عليه وسلم -من أحد هذين القسمين، بل قيل إن آباءه -صلى الله عليه وسلم -كلهم موحدون لقوله تعالى ”وتقلبك فى الساجدين “ لكن رده أبو حيان فى تفسيره بأن قول الرافضة ومعنى الآية وترددك فى تصفح أحوال المتهجدين فافهم.
وبالجملة كما قال بعض المحققين :أنه لا ينبغى ذكر هذه المسألة إلا مع مزيد الأدب .وليست من المسائل التى يضر جهلها أو يسأل عنها فى القبر أو فى الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم، وسيأتى زيادة كلام فى هذه المسألة فى باب المرتد عند قوله وتوبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس(رد المحتار على الدر المختار، ج٣ص ١٨٤، ١٨٥، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر)

ل قال العلامة ابن حجر فى الزواجر :فإنا وإن كنا نعتقد جلالة قائله فهو مردود، فإن العصمة ليست إلا للأنبياء مع أنه نقل عن بعض كتبه أنه صرح فيها بأن فرعون مع هامان وقارون فى النار.
وإذا اختلف كلام إمام فيؤخذ بما يوافق الأدلة الظاهرة ويعرض عما خالفها ثم أطال فى بيان رده .
مطلب فى استثناء قوم يونس وذكر أيضا أنه يستثنى من إيمان اليأس قوم يونس -عليه السلام -، لقوله تعالى -”إلا قوم يونس“ الآية، بناء على أن الاستثناء متصل، وأن إيمانهم كان عند معاينة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی نے خود''الاعلام''میں فرمادیا کہ:

ولیس من تنقیص النسب ما وقع من الاختلاف فی إسلام أبویه کما لا یخفی(الإعلام بقواطع الإسلام ،ص ۱۸۰، تعلیق المؤلف علی احد کتب الاحناف فی هذا الباب وفیه زیادات)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عذاب الاستئصال، وهو قول بعض المفسرين بجعله كرامة وخصوصية لنبيهم فلا يقاس عليها . مطلب فی إحياء أبوی النبی -صلی الله عليه وسلم -بعد موتهما ألا ترى أن نبينا -صلى الله عليه وسلم -قد أكرمه الله تعالى بحياة أبويه له حتى آمنا به كما فی حديث صححه القرطبی وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما، فانتفعا بالإيمان بعد الموت على خلاف القاعدة إكراما لنبيه -صلى الله عليه وسلم -كما أحيا قتيل بنی إسرائيل ليخبر بقاتله .وكان عيسى -عليه السلام -يحيی الموتى، وكذلك نبينا -صلى الله عليه وسلم -أحيا الله تعالى على يديه جماعة من الموتى .وقد صح أن الله تعالى رد عليه -صلى الله عليه وسلم -الشمس بعد مغيبها حتى صلى علی كرم الله وجهه العصر، فكما أكرم بعود الشمس والوقت بعد فواته فكذلك أكرم بعود الحياة ووقت الإيمان بعد فواته .وما قيل إن قوله تعالى "ولا تسأل عن أصحاب الجحيم"نزل فيهما لم يصح وخبر مسلم أبی وأبوك فی النار "كان قبل علمه اهـ ملخصا وقدمنا تمام الكلام على ذلك فی باب نكاح الكافر(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص ۲۳۱، كتاب الجهاد، باب المرتد)

ألا ترى أن نبينا -صلى الله عليه وسلم -قد أكرمه الله بحياة أبويه له حتى آمنا به، كما جاء فی حديث صححه القرطبی، وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فنفعهما الله تعالى بالإيمان بعد الموت على خلاف القاعدة إكراما لنبيه -صلى الله عليه وسلم -والخصوصيات لا يقاس عليها، ونازع بعضهم فی خبر إحياء أبويه -صلى الله عليه وسلم -وأطال فيه بما رددته عليه فی الفتاوى، وقد قال القرطبی وابن دحية وغيرهما :لم تزل فضائله -صلى الله عليه وسلم -وخصائصه تتوالى وتتتابع إلى حين وفاته، فيكون هذا مما فضله الله تعالى به وأكرمه، وليس إحياؤهما، وإيمانهما به ممتنعا عقلا، ولا سمعا فقد أحيا قتيل بنی إسرائيل حتى أخبر بقاتله، وكان عيسى -عليه السلام -يحيی الموتى، وكذلك نبينا -صلى الله عليه وسلم -أحيا الله على يديه جماعة من الموتى، وحينئذ فأی مانع من إحيائهما بعد موتهما زيادة فی كرامته وفضيلته، وقد صح أن الله تعالى رد عليه -صلى الله عليه وسلم -الشمس بعد مغيبها حتى صلى علی كرم الله وجهه العصر، فكما أكرم بعود الشمس والوقت بعد فواته، فكذلك أكرم بعود الحياة ووقت الإيمان بعد فواته إكراما له أيضا، ولا ينافی ذلك قول بعض المفسرين إن "ولا تسأل عن أصحاب الجحيم"نزلت فی أبويه لأن ذلك أعنی سبب نزولها لم يصح فيه شیء ، وعلى التنزل فالمراد أصحاب الجحيم لولا كرامتك. وخبر مسلم :أبی وأبوك فی النار .إما كان قبل علمه أو قاله تطمينا، وإرشادا لذلك الأعرابی، فإنه تغير لما قال أبوك فی النار(الزواجر عن اقتراف الكبائر، ج ۱ ،ص ۵۴،الباب الأول)

جب یہ اختلاف، تنقیصِ نسب کا باعث نہیں، تو پھر اس کا چرچا کیوں کیا جاتا ہے۔

اور اگر پھر بھی کوئی اس موقف کو حنفیہ کے خلاف سمجھنے پر اصرار کرے، تو ہمیں حق ہوگا کہ علامہ شامی، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہما اللہ سے قبل کے حنفیہ کے حوالہ جات پیش کریں۔

چنانچہ شمس الأئمہ سرخسی (المتوفٰی: 483ھ) ''المبسوط'' میں فرماتے ہیں:

(ألا ترى) أنه -عليه الصلاة والسلام -قال قد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه، وكانت قد ماتت مشركة، وروى أنه زار قبرها في أربعمائة فارس فوقفوا بالبعد، ودنا هو من قبرها، فبكى حتى سمع نشيجه(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج۲۴،ص۱۰،كتاب الأشربة)

ترجمہ: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد کو اپنی ماں کی زیارتِ قبر کی اجازت حاصل ہوگئی، اور آپ کی والدہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوئی تھیں، اور یہ بات مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت چار سو گھڑ سوار لوگوں کی موجودگی میں کی تھی، جو دور ٹھہر گئے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر کے قریب تشریف لے گئے تھے، پھر آپ کو شدید رونا آیا تھا، جس کی سسکیوں کو سنا گیا تھا (المبسوط)

اور عبدالعزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین بخاری حنفی (المتوفٰی: 730ھ) ''كشف الأسرار شرح اصول البزدوی'' میں فرماتے ہیں:

ألا ترى أنه قال فقد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه وكانت مشركة وروى أنه زار قبرها في أربعمائة فارس فوقفوا بالبعد ودنا هو من قبرها فبكى حتى سمع نشيجه (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، ج۳،ص۱۸۶، باب تقسيم الناسخ ، نسخ السنة بالسنة)

ترجمہ: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد کو اپنی ماں کی زیارتِ قبر کی اجازت حاصل ہوگئی، اور آپ کی والدہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت

ہوئی تھیں، اور یہ بات مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت، چار سو گھڑسوار لوگوں کی موجودگی میں کی تھی، جو دور ٹھہر گئے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر کے قریب تشریف لے گئے تھے، پھر آپ کو شدید رونا آیا تھا، جس کی سسکیوں کو سنا گیا تھا (کشف الاسرار)

جب مذکورہ واقعہ کو کافر ومشرک کی قبر کی زیارت کے لیے مستدل بنایا گیا، تو اس سے مدعیٰ واضح ہو گیا۔

جمال الدین ابو محمد علی بن ابی یحییٰ انصاری منبجی حنفی (المتوفیٰ: 686ھ) نے بھی ''اللباب'' میں مذکورہ حدیث کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے، جس میں والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت پر سورہ توبہ کی اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے ''ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین'' [1]

اس کے علاوہ ابو المحاسن یوسف بن موسیٰ ملطی حنفی (المتوفیٰ: 803ھ) نے ''المعتصر من المختصر من مشکل الآثار'' میں سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے ذیل میں فرمایا کہ:

''حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے موقع پر آپ کے والدین حیات تھے، یا فوت ہو چکے تھے، اور راجح یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکے

---

[1] وأخرج الإمام أبو حاتم محمد بن حبان فی کتابه -المسند صحیح -بإسناده عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه " :أن رسول الله (صلی الله علیه وسلم) خرج یوما، فخرجنا معه حتی انتهینا إلی المقابر، فأمرنا فجلسنا، ثم تخطی القبور حتی انتهی إلی قبر منها فجلس إلیه، فناجاه طویلا، ثم رجع رسول الله (صلی الله علیه وسلم) باکیا، فبکینا لبکاء النبی (صلی الله علیه وسلم) ، ثم أقبل علینا فتلقاه عمر رضی الله عنه وقال :ما الذی أبکاک یا رسول الله؟ فقد أبکیتنا وأفزعتنا، فأخذ بید عمر ثم أقبل علینا فقال :أفزعکم بکائی، قلنا :نعم (یا رسول الله) ، قال :إن القبر الذی رأیتمونی أناجی قبر آمنة بنت وهب، وإنی سألت ربی عز وجل الاستغفار لها فلم یأذن لی، فنزل (علی) : (ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین) ، الآیة .فأخذنی ما یأخذ الولد للوالد من الرقة، فذلک الذی أبکانی، ألا وإنی کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فإنها تزهد (فی الدنیا) وترغب فی الآخرة(اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب، ج ۱، ص ۲۳۲، ۲۳۳،باب "یصل ثواب القرآن إلی المیت)

تھے، کیونکہ مشرک کے لیے زندہ ہونے کی حالت میں، استغفار اس کے ایمان کی امید کی بناء پر جائز ہے، جس کی تائید ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے ''مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ'' اور بعض روایات سے اس آیت کا ابوطالب کے متعلق نازل ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس آیت کے شانِ نزول میں مذکورہ تمام واقعات کے پائے جانے کا احتمال ہے''۔انتہٰی۔ [1]

جبکہ ہم اپنے مضمون میں علامہ حلبی اور ملا علی قاری (المتوفی:1014ھ) جیسے حنفیہ کے حوالہ جات پہلے ہی نقل کر چکے ہیں۔

اور ''مسند ابی حنیفة'' میں، شفاعت کی اجازت نہ ملنے کی جو حدیث، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہے، اس کو بھی نقل کر چکے ہیں، اور ساتھ ہی ملا علی قاری کی ''شرح مسند ابی حنیفة'' کی یہ عبارت بھی نقل کر چکے ہیں کہ:

---

[1] عن علی رضی الله عنه قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت: تستغفر لأبويك وهما مشركان؟ قال: أولم يستغفر إبراهيم عليه السلام لأبيه فذكرت للنبی صلی الله عليه وسلم فنزلت:"وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه"وفی رواية: فنزلت"ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين "لم يبين فی الحديث أن أبويه حيين كانا أو ميتين والظاهر أنهما كانا ميتين لجواز الاستغفار للمشرک ما دام حيا لرجاء الإيمان منه يدل عليه قوله تعالى: "ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين"إلى قوله: "من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم "ولا يتبين ذلک إلا بموتهم وعن ابن عباس لم يزل إبراهيم عليه السلام يستغفر لأبيه حتى مات فتبين له أنه عدو لله فتبرأ منه وقيل فی سبب نزول قوله تعالى: "ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين "الآية أن النبی صلى الله عليه وسلم لما دخل على عمه أبی طالب فقال له:" قل لا إله إلا الله أشهد لک بها عند الله "فقال له أبو جهل وعبد الله بن أبی أمية: أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فكان آخر ما كلمهم أنا على ملة عبد المطلب فقال:" أما والله لأستغفرن لک ما لم أنه عنک "فأنزل الله تعالى:"ما كان للنبی"الآية وأنزل فی أبی طالب"إنک لا تهدی من أحببت" الآية وقيل سبب نزولها استئذان النبی صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل فی الاستغفار لأمه آمنة فلم يأذن له والله أعلم بالسبب غير أنه يحتمل من هذه الأشياء أن يكون سببا فتنزل الآية جوابا عن جميعها ومما يدل على جواز الاستغفار للمشرک مادام حيا قوله صلى الله عليه وسلم:" اللهم اغفر لقومی فإنهم لا يعلمون "(المعتصر من المختصر من مشكل الآثار،ج ١،ص ١٢١، كتاب الجنائز،فی الاستغفار للمشرک)

(فأبی علی) أی لم یأذن ولم یقبل منی لقوله سبحانه :(إن اللّٰه لا یغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء) وهذا دلیل صریح فی أن أمه ماتت کافرة أنها فی النار داخلة مخلدة، وهو الذی اعتقده أبو حنیفة، وذکره فی فقهه الأکبر من أن والدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ماتا علی الکفر وعارضه السیوطی فی رسائل، وأتی ببعض الدلائل مما لیس تحتها شیء من الطائل، وقد جعلت رسالة مستقلة فی تحقیق هذه المسألة، وتدقیق ما یتعلق بها من الأدلة (شرح مسند أبی حنیفة، ج ۱، ص ۳۳۴،ذکر إسناده عن علقمة بن مرثد، زیارة القبور)

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے والدہ کی شفاعت سے منع فرمادیا، یعنی اس کی اجازت نہیں دی، اور اس کو قبول نہیں فرمایا، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ ''إن اللہ لا یغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء'' اور یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آپ کی والدہ، کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئیں ''أنها فی النار داخلة مخلدة'' اور یہی امام ابوحنیفہ کا عقیدہ ہے، جس کا انہوں نے ''الفقه الاکبر '' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور سیوطی نے چند رسائل میں اس کا معارضہ کیا ہے، اور بعض ایسے دلائل کو اختیار کیا ہے، جن کے تحت طویل دلائل کی کوئی معقول بات نہیں، اور میں نے اس مسئلے کی تحقیق، اور جو اس کے متعلقہ دلائل ہیں، کی تدقیق میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے (شرح مسند ابی حنیفہ)

جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حنفیہ کا خصوصیت کے ساتھ وہی موقف ہے، جو جمہور متقدمین کا ہے۔

ان حالات میں علامہ شامی کی طرف سے نقل کردہ، علامہ ابنِ حجر مکی شافعی وغیرہ کے کسی حوالے سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، بالخصوص جبکہ علامہ ابنِ حجر مکی شافعی، اور علامہ سیوطی کا قول خود، متقدمینِ شافعیہ اور جمہور کے بھی خلاف ہو۔

ایسی صورت میں جمہور متقدمین کا تخطئہ کسی طرح بھی رَوا نہیں۔

علامہ آلوسی کو غالی قرار دینے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کو کتاب میں غالی، یا غلو کرنے والا لکھا گیا، شاید ان کی اس عبارت کی وجہ سے:

''ولا ینبغی أن یلتفت الیھا کما لا یخفٰی والذی أدین اللہ تعالٰی بہ نجاۃ أبویہ ﷺ و قد ألفت رسائل فی ذالک رغما لأنف علِیّ القاری و من وافقہ ...... الخ'' (روح المعانی: سورہ عبس، پ ۳۰)

منفی، مثبت دونوں میں غلو سے بچنا چاہئے۔

اگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ مثبت رائے میں غالی قرار دیئے جا سکتے ہیں، تو منفی رائے میں چھ سو سے زیادہ صفحات لکھنے کی وجہ سے یہی الزام آپ کو دیا جائے، تو پھر بے جا ہوگا؟''۔انتہٰی۔

کلام:

اس موقع پر آنجناب کی ذمہ داری تھی کہ بندہ کی طرف سے بیان کردہ الفاظ کو نقل کیا جاتا، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ جیسے غالیوں کے ہوتے ہوئے کسی اور غالی کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، جو نہ غلو کی حقیقت سے واقف ہوں، اور نہ ہی ان میں کسی علمی مضمون کو کما حقہ سمجھنے کا سلیقہ ہو؟

بندہ نے ''البدرُ الانور شرح الفقہ الاکبر'' کی عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:

جہاں تک اہلُ السنۃ والجماعۃ مفسرین کا تعلق ہے، تو وہ تمام کے تمام جن کے سِرے پر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ''الساجدین'' سے مراد انبیاء ہیں یا صحابہ، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ مفسرین میں سے کسی نے بھی شیعہ والا قول اختیار نہیں کیا، البتہ صرف اس کو سیوطی نے بطور خطا کے نقل کیا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، یہاں تک کہ علامہ آلوسؔی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے قول میں مبالغہ کرنے والے ہیں، انہوں نے بھی اس بات کا انکار کیا ہے کہ اس مسئلہ پر مذکورہ آیت سے استدلال کیا جائے

(علمی وتحقیقی رسائل، ج ۱۲، ص ۵۲۲)

اور یہاں مثبت اور منفی کے بجائے، شرعی اصولوں پر ہی یہ فیصلہ ہوسکتا ہے، جو رائے، شرعی اصولوں کے مطابق ہو، وہ ہرگز غلو والی کہلائی جانے کی مستحق نہیں، اور ہم اپنے موقف کا شرعی اصولوں، اور صریح وصحیح احادیث کے مطابق ہونا، بیان کر چکے، اب ہماری آنجناب سے استدعا ہے کہ اپنے موقف کا شرعی اصولوں، اور صریح وصحیح احادیث کے مطابق ہونا، بیان کر دیں، اور ادھر ادھر کی باتوں سے اجتناب فرمائیں۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ متعدد علماء نے فرطِ محبت میں احادیثِ صحیحہ کے خلاف عقیدہ بنانے والوں کی طرف غلو کی نسبت کی ہے، جیسا کہ باحوالہ پہلے گذرا۔

علامہ ابنِ جوزی کی مماثلت، اور البانی سے شدت کا الزام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''جرح میں آپ کا انداز:

جرح میں آپ کا انداز علامہ جوزی رحمہ اللہ سے کم نہیں ہے، حتیٰ کہ البانی سے بھی سخت ہے کہ ایک حدیث کو البانی نے صحیح کہا ہے، آپ نے اسی حدیث کو ضعیف

قرار دیا، حالانکہ فضائل کی حدیث تھی، غالبًا حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ترمذی: ص ۹۵ کی حدیث ہے''۔انتھٰی۔

کلام :

آنجناب نے بندہ کی تالیفات میں ایسی جروحات کو ملاحظہ کیا ہوگا، جن میں بندہ کا انداز، علامہ ابنِ جوزی سے کم نہ ہونے، حتیٰ کہ البانی سے بھی سخت ہونے کو محسوس کیا ہوگا، لیکن جناب نے حسبِ عادت یہاں بھی نہ کوئی دلیل پیش فرمائی، نہ کوئی ثبوت۔

اور جناب نے ترمذی کی فضائل سے متعلق، جس حدیث کا ذکر فرمایا، وہ بھی ناقص ہے۔

بندہ نے جب اپنی تالیفات میں اس پہلو کی جستجو کی، تو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ترمذی کی ایک حدیث کی سند پر بندہ کو اپنی تالیف ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' میں کلام ملا، جو کہ درجِ ذیل ہے:

''صلاۃُ الحاجت کے بعد درود شریف اور مخصوص دعاء کی حدیث''

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کو کوئی ضرورت پیش آئے، تو وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت پڑھے، پھر اللہ کی حمد وثناء کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اور پھر یہ دعاء پڑھے کہ:

''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' [1]

---

[1] حدثنا علی بن عیسی بن یزید البغدادی قال :حدثنا عبد الله بن بکر السهمی، ح وحدثنا عبد الله بن منیر، عن عبد الله بن بکر، عن فائد بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگراس حدیث کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

(درود وسلام کے فضائل واحکام، ص۳۱۰، ۳۱۱، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

مذکورہ حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے، اور ترمذی میں موجود ہے، اور مذکورہ حدیث کی پوری سند بھی حاشیہ میں مذکور ہے، اور اس حدیث کو بندہ نے درود شریف کے موضوع سے متعلق ''صلاۃُ الحاجت کے بعد درود شریف اور مخصوص دعاء کی حدیث'' کا عنوان قائم کر کے نقل کیا ہے، اور ساتھ ہی بطور ثبوت کے حاشیہ میں اس کی سند پر کلام بھی باحوالہ مذکور ہے، جس میں امام ترمذی، علامہ ذہبی اور امام مزی کی ''تهذيب الكمال'' کی عبارات نقل کی گئی ہیں، جن کی روشنی میں بندہ نے یہ تحریر کیا ہے کہ ''اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أبي أوفى، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من كانت له إلى الله حاجة، أو إلى أحد من بني آدم فليتوضأ وليحسن الوضوء، ثم ليصل ركعتين، ثم ليثن على الله، وليصل على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم ليقل :لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، أسألك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والغنيمة من كل بر، والسلامة من كل إثم، لا تدع لي ذنبا إلا غفرته، ولا هما إلا فرجته، ولا حاجة هي لك رضا إلا قضيتها يا أرحم الراحمين (سنن الترمذي، رقم الحديث ۴۷۹)

[1] قال الترمذي:هذا حديث غريب وفي إسناده مقال،فائد بن عبد الرحمن يضعف في الحديث، وفائد هو أبو الورقاء (سنن الترمذي)

وقال الذهبي: حديث من كانت له حاجة فليتوضأ ويصلي ركعتين ويثني على الله ويصلي على نبيه وليقل لا إله إلا الله الحليم الكريم الحديث.

أخرجه الترمذي من حديث فائد عن ابن أبي أوفى وما هو بموضوع بل يحتمل(تلخيص كتاب الموضوعات ،للذَهَبي،ج۱،۱۹۰، رقم الحديث ۴۵۰)

وقال المزي: فائد بن عبد الرحمن الكوفي، أبو الورقاء العطار ....قال عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه :متروك الحديث .وقال عباس الدوري ، عن يحيى بن معين :ضعيف، ليس بثقة، وليس بشيء .وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم :سمعت أبي، وأبا زرعة يقولان :لا يشتغل به .

وقال أيضاُسمعت أبي سفيان يقول :فائد ذاهب الحديث، لا يكتب حديثه وكان عند مسلم بن إبراهيم عنه، وكان لا يحدث عنه .وكنا لا نسأله عنه، وأحاديثه عن ابن أبي أوفى بواطيل لا تكاد ترى لها أصلا كأنه لا يشبه حديث ابن أبي أوفى، ولو أن رجلا حلف أن عامة حديثه كذب لم يحنث.

وقال البخاري :منكر الحديث .وقال أبو داود :ليس بشيء .وقال الترمذي :يضعف في الحديث.

وقال النسائي :ليس بثقة.وقال في موضع آخر :متروك الحديث .وقال ابن حبان :لا يجوز الاحتجاج به (تهذيب الكمال ، ج۲۳ص۱۳۷ الیٰ ۱۴۰، رقم الترجمة ۴۷۰۴)

حدیث کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے''

اب اگر یہ حدیث سند کے لحاظ سے شدید ضعیف ہو، تو پھر فضائل کے باب میں اس کا اعتبار کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ فضائل کے باب میں کسی حدیث کا تحمل کرنے کے لیے، راجح قول کے مطابق جہاں دیگر شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، وہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی سند کا ضعف ''شدید'' نہ ہو۔ [1]

پھر آنجناب کا یہ الزام عائد کرنا کیسے درست قرار پاسکتا ہے کہ ''حالانکہ فضائل کی حدیث تھی'' البتہ اگر آنجناب کے نزدیک فضائل کے باب میں کسی حدیث کا تحمل کرنے کے لیے اس طرح کی شرط کا اعتبار نہ ہو، تو پھر آنجناب کا اختلاف، اس زیرِ بحث جزوی مسئلے میں ہونے کے بجائے، ایک اصول سے متعلق ہے، اگر آنجناب اپنے اس اصولی اختلاف کا ذکر کرتے، تو اس پر کلام کی ضرورت پیش آتی ''واذ لا، فلا''

جہاں تک اس حدیث پر ہماری طرف سے ''شدید ضعف'' کا حکم لگانے کا تعلق ہے، تو اس کی بنیاد مذکورہ حدیث کی سند میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' راوی کے پائے جانے پر ہے۔

یہ حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ ''سنن ابنِ ماجہ'' میں بھی ہے۔ [2]

---

[1] العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال:
قال العلماء: يجوز العمل بالحديث الضعيف بشروط، منها:
أ – أن لا يكون شديد الضعف، فإذا كان شديد الضعف ككون الراوى كذابا، أو فاحش الغلط، فلا يجوز العمل به.
ب – أن لا يتعلق بصفات الله تعالى ولا بأمر من أمور العقيدة، ولا بحكم من أحكام الشريعة من الحلال والحرام ونحوها.
ج – أن يندرج تحت أصل عام من أصول الشريعة .
د – أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص ١٦٠ و ١٦١، مادة"فضائل")

[2] حدثنا سويد بن سعيد، حدثنا أبو عاصم العباداني، عن فائد بن عبد الرحمن،عن عبد الله بن أبي أوفى الأسلمي، قال :خرج علينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فقال" :من كانت له حاجة إلى الله أو إلى أحد من خلقه، فليتوضأ وليصل ركعتين، ثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی سند کو شیخ شعیب ارنؤوط نے بھی ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے ''متروک ہونے کی وجہ سے ''شدید ضعیف'' قرار دیا ہے۔ [1]

امام بخاری نے ''التاریخُ الکبیر'' میں، ابنِ ابی اوفیٰ سے روایت کرنے والے ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کو ''منکرُ الحدیث'' قرار دیا ہے۔ [2]

نیز امام بخاری نے ہی ''التاریخُ الاوسط'' میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کی ابنِ ابی اوفیٰ سے مرویات کو ''مناکیر'' اور ''لایتابع فی حدیثه'' فرمایا ہے۔ [3]

اور ابنِ حبان نے ''المجروحین'' میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے متعلق فرمایا کہ ''یہ راوی مشاہیر سے، مناکیر کو روایت کرتا ہے، اور ابنِ ابی اوفیٰ سے ''معضل'' روایات کو بیان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ليقل :لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، اللهم إنى أسألك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والغنيمة من كل بر، والسلامة من كل إثم، أسألك ألا تدع لى ذنبا إلا غفرته، ولا هما إلا فرجته، ولا حاجة هى لك رضا إلا قضيتها لى، ثم ليسأل من أمر الدنيا والآخرة ما شاء ، فإنه يقدر(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٣٨٤ ، باب ما جاء فى صلاة الحاجة)

[1] إسناده ضعيف جدا، فائد بن عبد الرحمن متروك.

وأخرجه الترمذى (483) من طريقين عن فائد بن عبد الرحمن، بهذا الإسناد .وقال :هذا حديث غريب، وفى إسناده مقال، فائد بن عبد الرحمن يضعف فى الحديث، وفائد هو أبو الورقاء .

قوله " :موجبات رحمتك "قال المباركفورى :بكسر الجيم، أى :أسبابها .قال الطيبى :جمع موجبة، وهى الكلمة الموجبة لقائلها الجنة، وقال ابن الملك :يعنى الأفعال والأقوال والصفات التى تحصل رحمتك بسببها.

"وعزائم مغفرتك "قال السيوطى :أى :موجباتها، جمع عزيمة .وقال الطيبى :أى :أعمالا تتعزم وتتأكد بها مغفرتك(حاشية سنن ابن ماجه، تحت رقم الحديث ١٣٨٤)

[2] فائد بن عبد الرحمن العطار الكوفى أراه أبو الورقاء عن ابن أبى أوفى منكر الحديث(التاريخ الكبير،للبخارى، ج٧،ص ١٣٢ ،باب الفاء ، تحت رقم الترجمة ٥٩٦)

[3] كنية فائد بن عبد الرحمن العطار أبو الورقاء عن بن أبى أوفى كوفى لا يتابع فى حديثه (التاريخ الاوسط للبخارى، ج٢ص ٧٦، تحت رقم الترجمة ١٨٥٧)

فائد بن عبد الرحمن العطار أبو الورقاء عن بن أبى أوفى عنده مناكير (التاريخ الاوسط للبخارى، ج٢ص ١٤٢ ، تحت رقم الترجمة ٢٠٨٩)

کرتا ہے، جس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں'' [1]

اور ابنِ ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کو امام احمد بن حنبل سے ''متروکُ الحدیث'' ہونا، اور یحییٰ بن معین سے ''لیس بثقة'' اور ''لیس بشیئ'' ہونا نقل فرمایا، اور اپنے والد اور ابو زرعہ سے اس شخص کا ''مشغول بالحدیث'' نہ ہونا نقل کیا ہے، اور اپنے والد سے ''ذاھب الحدیث'' ہونا اور ''ان کی حدیث کو لکھے جانے کے قابل نہ ہونا'' اور ''ابنِ ابی اوفیٰ سے اس کی احادیث کا باطل ہونا، اور ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہونا'' اور ''اس کی روایت کا حدیث کے مشابہ نہ ہونا'' نقل کیا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی یہ حلف اٹھالے کہ اس کی اکثر احادیث جھوٹی ہیں، تو اس کی قسم کا نہ ٹوٹنا بھی نقل کیا ہے۔ [2]

اور علامہ ذہبی نے ''تاریخُ الاسلام'' میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے بارے میں امام احمد سے ''متروکُ الحدیث'' ہونا، اور ابو زرعہ سے ''مشغول بالحدیث نہ ہونا'' اور ابنِ معین سے ''لیس بثقة'' ہونا، اور ابو حاتم سے ''متھم'' ہونا، اور امام ابوداؤد سے ''لیس

---

[1] فائد بن عبد الرحمن العطار أبو الورقاء من أهل الكوفة يروى عن بن أبى أوفى روى عنه الكوفيون كان ممن يروى المناكير عن المشاهير ويأتى عن بن أبى أوفى بالمعضلات لا يجوز الاحتجاج به(المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين،لمحمد بن حبان، ج۲،ص۲۰۳،باب الفاء، تحت رقم الترجمة ۸۵۹)

[2] فائد بن عبد الرحمن أبو الورقاء العطارروى عن عبد الله بن ابى اوفى ومحمد بن المنكدر روى عنه حماد بن سلمة ومروان بن معاوية ومخلد بن يزيد ومكى بن إبراهيم سمعت أبى يقول ذلک، نا عبد الرحمن أنا عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل فيما كتب إلى قال سئل أبى عن فائد ابى الورقاء فقال متروک الحديث، نا عبد الرحمن قال قرء على العباس بن محمد الدورى قال سمعت يحيى بن معين يقول أبو الورقاء اسمه فائد ليس بثقة وليس بشء.

حدثنا عبد الرحمن قال سمعت ابى وابا زرعة يقولان فائد أبو الورقاء لا يشتغل به، سمعت ابى يقول فائد ذاهب الحديث لا يكتب حديثه وكان عند مسلم بن ابراهيم عنه فكان لا يحدث عنه وكنا لا نسأله عنه واحاديثه عن ابن ابى اوفى بواطيل لا تكاد ترى لها اصلا كأنه لا يشبه حديث ابن ابى اوفى ولو أن رجلا حلف ان عامة حديثه كذب لم يحنث(الجرح والتعديل، لابن أبى حاتم، ج۷،ص۸۳،۸۴،باب تسمية من روى عنه العلم ممن ابتداء حروف اسمه على الفاء ، تحت رقم الترجمة ۴۷۵)

بشيئ'' ہونا نقل کیا ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ حجر نے ''تقريبُ التهذيب ''میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے متعلق ''متروک ومتهم'' ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [2]

نیز علامہ ابنِ حجر نے ''تهـذيبُ التهذيب ''میں بھی ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے متعلق محدثین کی جروحات کو نقل کیا ہے، جن میں امام حاکم کی اس جرح کو بھی نقل کیا ہے کہ ''ليس بالقائم، روى عن بن أبي أوفى أحاديث موضوعة'' اور ابنِ عدی کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے کہ ''مع ضعفه يكتب حديثه'' [3]

---

[1] ت ق :فائد بن عبد الرحمن، أبو الورقاء الكوفي العطار (الوفاة: 160-151هـ)
عن :عبد الله بن أبي أوفى، وبلال بن أبي الدرداء ،
وعنه :حماد بن سلمة، وعيسى بن يونس، وعبد الله بن بكر، ومسلم بن إبراهيم، ومكي بن إبراهيم، ويزيد، والفريابي، وآخرون.
قال أحمد :متروك الحديث.
وقال أبو زرعة :لا يشتغل به.
وقال ابن معين :ليس بثقة.
واتهمه أبو حاتم.
وقال أبو داود :ليس بشيء (تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام، للذهبي، ج۴، ص ۱۸۲، ۱۸۳، تحت رقم الترجمة ۲۹۳)

[2] فائد ابن عبد الرحمن الكوفي أبو الورقاء العطار متروك اتهموه من صغار الخامسة بقي إلى حدود الستين ت ق (تقريب التهذيب لابنِ حجر ،ص ۴۴۴، تحت رقم الترجمة ۵۳۷۳)

[3] "ق ت -فائد "بن عبد الرحمن الكوفي أبو الورقاء العطار روى عن عبد الله بن أبي أوفى وبلال بن أبي الدرداء ومحمد بن المنكدر وغيرهم روى عنه عيسى بن يونس وحماد بن سلمة ومروان بن معاوية وأبو عاصم العباداني ومخلد بن يزيد وعبد الوهاب الخفاف وعبد الله بن كبر السهمي ومكي بن إبراهيم ومحمد بن يوسف الفريابي وآخرون قال عبد الله بن أحمد عن أبيه متروك الحديث وقال الدوري عن بن معين ضعيف ليس بثقة وليس بشيء وقال بن أبي حاتم سمعت أبي وأبا زرعة يقولان لا يشتغل به قال وسمعت أبي يقول فائد ذاهب الحديث لا يكتب حديثه وكان عند مسلم بن إبراهيم عنه وكان لا يحدث عنه كنا لا نسأله عنه وأحاديثه عن بن أبي أوفى بواطيل لا تكاد ترى لها أصلا كأنه لا يشبه حديث بن أبي أوفى ولو أن رجلا حلف أن عامة حديثه كذب لم يحنث وقال البخاري منكر الحديث وقال أبو داود ليس بشيء وقال الترمذي يضعف في الحديث وقال النسائي ليس بثقة وقال في موضع آخر متروك الحديث وقال بن حبان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام مزی کی ''تھذیبُ الکمال'' کا حوالہ، حاشیہ میں پہلے ہی نقل کیا جا چکا ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ جوزی نے بھی ''الضعفاء والمتروکون'' میں ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کے متعلق، امام احمد اور امام نسائی سے ''متروکُ الحدیث'' ہونا، اور یحییٰ بن معین سے ''لیس بثقة'' ہونا، اور رازی سے ''ذاھبُ الحدیث، لایکتب حدیثه'' ہونا، اور امام بخاری سے ''منکرُ الحدیث'' ہونا، اور ابوزرعہ سے ''مشغول بالحدیث'' نہ ہونا، اور ابنِ حبان سے ''لا یجوز الاحتجاج به'' ہونا نقل کیا ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لا یجوز الاحتجاج به قلت وقال المیمونی عن أحمد ترک الناس حدیثه وقال البخاری فی الأوسط لا یتابع فی حدیثه وذکره فی فصل من مات من خمسین ومائة إلی ستین ومائة وقال الحاکم أبو أحمد حدیثه لیس بالقائم وضعفه الساجی والعقیلی والدارقطنی وقال الحاکم روی عن بن أبی أوفی أحادیث موضوعة وقال بن عدی ومع ضعفه یکتب حدیثه(تهذیب التهذیب،لابن حجر العسقلانی ،ج۸،ص۲۵۵، ۲۵۶، باب الفاء،من اسمه فائد، تحت رقم الترجمة ۴۷۴)

[1] قال عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبیه :متروک الحدیث.

وقال عباس الدوری ، عن یحیی بن معین :ضعیف، لیس بثقة، ولیس بشیء .

وقال عبد الرحمن بن أبی حاتم :سمعت أبی، وأبا زرعة یقولان :لا یشتغل به .

وقال أیضا:سمعت أبی سفیان یقول :فائد ذاهب الحدیث، لا یکتب حدیثه وکان عند مسلم بن إبراهیم عنه، وکان لا یحدث عنه .وکنا لا نسأله عنه، وأحادیثه عن ابن أبی أوفی بواطیل لا تکاد تری لها أصلا کأنه لا یشبه حدیث ابن أبی أوفی، ولو أن رجلا حلف أن عامة حدیثه کذب لم یحنث.

وقال البخاری :منکر الحدیث .

وقال أبو داود :لیس بشیء .وقال الترمذی :یضعف فی الحدیث.

وقال النسائی :لیس بثقة.

وقال فی موضع آخر :متروک الحدیث.

وقال ابن حبان :لا یجوز الاحتجاج به.

روی له الترمذی، وابن ماجه(تهذیب الکمال فی أسماء الرجال،للمزی، ج۲۳،ص۱۳۸ الیٰ ۱۴۰، تحت ترجمة "فائد بن عبد الرحمن الکوفی، أبو الورقاء "باب الفاء)

[2] فائد بن عبد الرحمن أبو الورقاء الکوفی العطار یروی عن ابن أبی أوفی قال أحمد والنسائی متروک الحدیث وقال یحیی لیس بثقة وقال مرة ضعیف وکذلک الدارقطنی وقال الرازی ذاهب الحدیث لا یکتب حدیثه وقال البخاری منکر الحدیث وقال أبو زرعة لا یشتغل به وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج به(الضعفاء والمتروکون،لابن الجوزی، ج۳،ص۳،حرف الفاء ، تحت رقم الترجمة ۲۶۹۲، حرف الفاء)

اس کے علاوہ شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی ''فائد بن عبدالرحمٰن'' کی بعض احادیث کو شدید ضعیف، اور بعض کو موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: سلسلة الأحاديث الضعيفة، ج۵ص۶۷، رقم الحديث ۲۰۴۸، وسلسلة الأحاديث الضعيفة، ج۱۱ص۴۷۰، رقم الحديث ۵۲۹۸)

مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر، اہلِ عدل وانصاف پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جرح میں بندہ کا انداز، علامہ ابنِ جوزی سے کم نہ ہونے، اور البانی سے بھی سخت ہونے کے الزام میں کتنا وزن ہے؟

اب اگر آنجناب کے دعویٰ کے مطابق ترمذی میں مذکورہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو، ناصر الدین البانی نے صحیح کہا ہو، تو اس کا ثبوت آنجناب کے ذمہ ہے، اگر اس کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے، اور اس الزام سے توبہ بھی نہ کی، تو پھر آخرت میں اس کا بہتر فیصلہ ہو سکے گا، جس میں اس الزام کی جواب دہی کا مطالبہ، شیخ ناصر الدین البانی صاحب کی طرف سے بھی کیے جانے کا خطرہ لاحق ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ حدیث کی سند پر کلام ''صلاۃُ الحاجت کے بعد درود شریف اور مخصوص دعاء کی حدیث'' سے متعلق ہے، جیسا کہ اس کے عنوان سے واضح ہے، جہاں تک ''صلاۃُ الحاجت'' کا تعلق ہے، جسے اردو زبان میں نمازِ حاجت بھی کہا جاتا ہے، تو اس کے مستحب ہونے کے ہم بھی قائل ہیں، اور اس کا استحباب دوسرے دلائل سے ثابت ہے، جو مذکورہ حدیث پر موقوف نہیں، جس کی تفصیل ہم نے اپنے مستقل مضمون ''صلاۃُ الحاجۃ اور مصیبت وپریشانی کے وقت کی نماز'' میں ذکر کر دی ہے، اور یہ مضمون ہماری مفصل تالیف ''نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام'' میں شائع ہو چکا ہے۔

لہٰذا ترمذی کی مذکورہ حدیث کے شدید ضعیف ہونے کی وجہ سے ''صلاۃُ الحاجۃ'' کی نفی لازم نہیں آتی، اور جن اہلِ علم حضرات نے ایسا سمجھا ہے، ان سے ہمیں اتفاق نہیں۔

جہاں تک جناب کی طرف سے بندہ کے متعلق، علامہ ابنِ جوزی کی مماثلت اور البانی سے

زیادہ شدت کے الزام کا تعلق ہے، تو مذکورہ حدیث کے تناظر میں تو اس الزام کی حقیقت واضح ہو چکی۔

اس کے علاوہ کوئی دوسرا حوالہ پیش کیا جائے، تو اس پر کلام ہو سکتا ہے۔

نیز یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ علامہ ابنِ جوزی کا مقام بندہ سے بہت مقدم اور بلند ہے، ان کے ساتھ کسی بھی جہت سے، بندہ کی مماثلت کا دعویٰ ہی درست نہیں۔

ناصر الدین البانی صاحب کی علمِ حدیث کے باب میں جو خدمات ہیں، وہ بھی بندہ کے مقابلے میں بہت بلند تر ہیں۔

اگرچہ علمی نوعیت کے اختلافات کی انبیائے کرام کے علاوہ ہر جگہ گنجائش ہوتی ہے، اور علمی دنیا میں یہ کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔

علامہ ابنِ جوزی، جن کا پورا نام ''جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی'' ہے، اور ان کی وفات 597ھ ہے۔

اگرچہ اہلِ علم حضرات نے جرح میں ان کی ہر بات کو قبول نہیں کیا، لیکن اس کے باوجود ان کی رائے کو نظر انداز بھی نہیں کیا، اور جلیل القدر اہلِ علم حضرات نے ان کی رائے کو حسبِ موقع نقل کیا، ساتھ ہی متعدد اہلِ علم حضرات نے ان کی بعض کتب میں علمی کمزوریوں کا بھی ذکر کیا۔ [1]

---

[1] أبان بن يزيد (صح، خ، م، د) العطار، أبو يزيد البصرى، حافظ صدوق إمام.

روى الكديمى، وليس بمعتمد :سمعت عليا يقول :سمعت يحيى بن سعيد يقول :لا أروى عن أبان العطار.

وقال عباس :سمعت يحيى يقول :حديث محمود بن عمرو عن أسماء الذى يرويه أبان بن يزيد ليس بشء، إنما هو محمود عن أبى هريرة موقوف.

وقال ابن عدى فى ترجمة أبان :حدثنا ابن أبى سويد، حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا أبان، عن يحيى، عن محمود، عن أسماء، قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتا فى الجنة.

ومن غرائبه، عن قتادة، عن أبى مجلز، عن حذيفة :لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم من جلس وسط الحلقة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہم نے بھی بعض مواقع پر جہاں ضرورت محسوس ہوئی، علامہ ابنِ جوزی کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكن تابعه شعبة وصححه الترمذى.

ثم قال ابن عدى :هو حسن الحديث متماسک، يكتب حديثه، وعامتها مستقيمة، وأرجو أنه من أهل الصدق.

قلت :بل هو ثقة حجة، ناهيک أن أحمد بن حنبل ذكره فقال :كان ثبتا فى كل المشايخ.

وقال ابن معين والنسائى :ثقة.

وقد أورده أيضاً العلامة أبو الفرج ابن الجوزى فى الضعفاء ، ولم يذكر فيه أقوال من وثقه.

وهذا من عيوب كتابه يسرد الجرح، ويسكت عن التوثيق(ميزان الاعتدال فى نقد الرجال،للذهبى، ج ا ، ص ٦ ا ،حرف الألف، تحت رقم الترجمة ٢٠، حرف الالف)

المسألة الثالثة: الكتب المؤلفة فى تمييز الأحاديث الموضوعة.

اعلم أن الأحاديث الموضوعة فى أزمان أولئک الكذابين كانت كثيرة، ولكن الله نفى أكثرها بأئمة الهدى الذين سخرهم للذب عن دينه، ففضح بهم أمر الكذابين، وكشفوا عن حقيقة أمرهم، وأبطلوا ما جائوا به، ثم صنفت التصانيف الموثقة فى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، فعمد أصحابها إلى انتقاء الحديث فيها، متقين ما انكشف وظهر بطلانه ووضعه، وأكثروا تخريج أحاديث الثقات، وانعدم تارة وندر أخرى فيما خرجوه أحاديث الكذابين، خصوصاً تلک الكتب الأمهات المحتوية على تفاصيل السنن، والتى لا يكاد يخرج عنها من الحديث الصحيح إلا ما ندر.

فحين ترى مثلاً ما جاء عن الرجل الواحد من رئوس الكذب أنه وضع الآلاف من الحديث، فلا يغرنک هذا فتحسب له أثراً فى حفظ سنة النبى صلى الله عليه وسلم.

وذلک كقول الحاكم النيسابورى: " مُحمد بن تميم الفاريابى، قد وضَعَ على رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر من عشْرة آلافِ حديث، وهُو قريبٌ من الجوبارى "

قول ابن حبان فى (محمد بن يونس الكديمى): " يضع على الثقات الحديث وضعاً، ولعله قد وضع أكثر من ألف حديث "

فهذا وشبهه جميعاً مما لم يبق له وجود من رواية هؤلاء وأمثالهم إلا الشىء اليسير المتميز الذى تسلم منه أمهات السنة بفضل الله ونعمته، فله الحمد.

ولعل من حكمة بقاء ذلک اليسير أن يستدل به على كذب هؤلاء وفضيحتهم، وقد اعتنى ببيانه علماء الأمة، ولا يزالون.

ومن أشهر المؤلفات فيه كتاب "الموضوعات "لأبى الفرج ابن الجوزى.

وهو كتاب نافع، غير أنه انتقد فى مواطن منه، وعيب عليه فيه أمران أساسيان:

الأول: أنه أدخل فيه أحاديث لا تبلغ الوضع، بل الضعف، إنما هى من الحديث المقبول، وبعض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ ہم نے اپنی تالیف ''شوال اور عید الفطر کے فضائل و احکام'' میں ایک حدیث کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ:

''لیکن اولاً تو ابن جوزی جرح کے معاملے میں متشدد شمار کئے جاتے ہیں، جو جارح کی جرح کے معتبر ہونے کے لئے مانع ہے، دوسرے جن وجوہات کی بناء پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک فی کتب "السنن "و "مسند أحمد "، بل فیه حدیث هو فی "صحیح مسلم "

وأکثر من اجتهد فی تعقبه فی ذلک: جلال الدین السیوطی فی کتاب "اللآلء المصنوعة "، وکان قبله قد تعقبه العراقی وابن حجر فیما أورده فی "الموضوعات "من أحادیث "المسند ."

والتحقیق: أن زعم أن یکون شیء مما أورده ابن الجوزی فی "الموضوعات "مما هو من قسم المقبول، محل بحث فی أکثره، فقد یسلم فیه الحدیث بعد الحدیث، لکن أغلب ذلک مما اجتهد فی دفع الضعف عنه بتکلف لا یخفی علی من تأمله.

وإنما یصدق النقد لابن الجوزی فی أنه حکم علی ما ضمنه کتابه بالوضع، وفیه أحادیث کثیرة لا تهبط إلی ذلک القدر، بل هی من قسم الضعیف.

وعلة أوهام ابن الجوزی فی کثیر منها ناتجة عن التقلید لمن تقدمه کابن عدی والعقیلی وابن حبان، حیث یتابعهم فی إیراد أحادیث انتقدوها علی بعض الرواة، ربما لم یحکموا علیها بأکثر من النکارة، فیوردها ابن الجوزی علی أنها موضوعة.

والثانی: أنه بنی فی نقده علی إعماله الجرح غیر المحرر فی الراوی المختلف فیه، وأوهامه فی هذا کثیرة فی جمیع کتبه التی تعرض فیها لنقد الأحادیث أو الرجال، فإنه یذکر الجرح ویقصر فی التعدیل، أو یغفله جملة، وغایة أمر الراوی أن یکون ضعیفاً لا یتهم.

قال الذهبی وذکر قدر معرفة ابن الجوزی بنقد الحدیث: " أما الکلام علی صحیحه وسقیمه، فما له فیه ذوق المحدثین، ولا نقد الحفاظ المبرزین، فإنه کثیر الاحتجاج بالأحادیث الضعیفة، مع کونه کثیر السیاق لتلک الأحادیث فی الموضوعات، والتحقیق أنه لا ینبغی الاحتجاج بها، ولا ذکرها فی الموضوعات وربما ذکر فی الموضوعات أحادیث حساناً قویة، ونقلت من خط السیف أحمد بن المجد قال: صنف ابن الجوزی کتاب "الموضوعات "، فأصاب فی ذکره أحادیث شنیعة مخالفة للنقل والعقل .ومما لم یصب فیه إطلاقه الوضع علی أحادیث بکلام بعض الناس فی أحد رواتها، کقوله: فلان ضعیف، أو: لیس بالقوی، أو: لین، ولیس ذلک الحدیث مما یشهد القلب ببطلانه، ولا فیه مخالفة ولا معارضة لکتاب ولا سنة ولا إجماع، ولا حجة بأنه موضوع، سوی کلام ذلک الرجل فی راویه، وهذا عدوان ومجازفة "

قلت: نعم، أکثر ما فی کتاب "الموضوعات "من الحدیث الأحادیث الموضوعة.

قال ابن تیمیة: " الموضوع فی اصطلاح أبی الفرج: هو الذی قام دلیل علی أنه باطل، وإن کان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

انہوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے، وہ بھی واقعہ کے مطابق نہیں، چنانچہ اس حدیث میں ضحاک بن مزاحم ہیں، جن کو متعدد حضرات نے ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی مدلس بھی قرار دیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک مضر نہیں، اور ابنِ جوزی کا قاسم بن حکم کو مجہول قرار دینا بھی صحیح نہیں، کیونکہ ان کو متعدد حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، اور رہا علاء بن عمر کا معاملہ تو وہ اس روایت میں موجود نہیں ہیں۔

البتہ اس قسم کی دوسری روایت میں ہیں، جو اس وقت ہمارے زیرِ بحث نہیں۔......

بہرحال اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا ہے، اور موضوع کہنا مشکل ہے، اور اس حدیث کے مضامین کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، اور فضائل کے باب میں کسی قدر ضعف قابلِ تحمل ہوتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے“۔

(شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام، ص177و178، مطبوعہ: ادارہ غفران، طباعتِ سوم، جون 2011)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحدث به لم يتعمد الكذب، بل غلط فيه؛ ولهذا روى فى كتابه فى الموضوعات أحاديث كثيرة من هذا النوع، وقد نازعه طائفة من العلماء فى كثير مما ذكره، وقالوا: إنه ليس مما يقوم دليل على أنه باطل، بل بينوا ثبوت بعض ذلك، لكن الغالب على ما ذكره فى الموضوعات أنه باطل باتفاق العلماء "

وقبل ابن الجوزى وبعده كتب مفيدة فى معرفة الأحاديث الموضوعة، لكن ليس فيها ما استقصى، وكأن هذا مطمع غير ممكن من أجل حظ الاجتهاد، إذ ما يدخله التردد: هل هو موضوع، أم شديد الضعف واه، أم منكر، فى هذا الباب كثير.

وابن الجوزى ممن حاول الفصل بين الموضوع والواهى فى كتابين منفصلين، لكن عند غيره أشياء كثيرة مما يخالفه فيها فى أى القسمين تكون، أو هى خارجهما أصلاً.

كما أن من مظان معرفة الموضوعات أيضاً كتب الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ككتاب " المقاصد الحسنة "للسخاوى، لكن تنبه إلى كون هذه لم تقصد إلى الحديث الموضوع ومما لا أصل له، وإنما عنيت بالأحاديث المشتهرة على ألسنة الناس، وفيها الصحيح والحسن والضعف والموضوع(تحرير علوم الحديث،لعبد الله بن يوسف الجديع، ج ٢،ص١٠٦٧،الىٰ ١٠٦٩،الفصل الثانى،المبحث العاشر)

نیز ہم نے ''صلاۃُ التسبیح'' کے مضمون میں ایک حدیث کے تحت تحریر کیا ہے کہ:

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث، جس کو حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، سند کے لحاظ سے صحیح، یا کم از کم حسن درجے میں داخل ہے۔

بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح، یا حسن قرار دیا ہے۔

اور ''حدیثِ حسن'' کا درجہ ضعیف حدیث سے قوی اور صحیح سے کمزور ہوتا ہے، جبکہ صحیح حدیث کا درجہ حسن سے قوی ہوتا ہے۔

چنانچہ امام منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کئی سندوں سے اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور اُن میں حضرت عکرمہ کی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ والی یہ سند زیادہ اچھی ہے، اور محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے۔

اور علامہ ابنِ ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سند عمدہ ہے۔

اور ابنِ جوزی وغیرہ نے جو اس حدیث کو موضوع ومنگھڑت اور بے اصل قرار دیا ہے، بہت سے محدثین واہلِ علم حضرات نے اس کی تردید فرمائی ہے، اور اس پر کئے جانے والے شبہات کے معقول جوابات بیان فرمائے ہیں''۔

(نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام،ص۲۸۰تا۲۸۳،مطبوعہ:ادارہ غفران، راولپنڈی)

اسی طرح ہم نے بعض مواقع پر ناصرالدین البانی صاحب کی رائے سے بھی اختلاف کیا ہے، چنانچہ ہم نے تراویح سے متعلق اپنے مضمون میں ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ:

''تعجب ہے کہ البانی صاحب نے مبحوث فیہ حدیث کو شواہد کے ہوتے ہوئے ضعیف کہہ دیا، جس سے ہمیں اتفاق نہیں، پس اس روایت کو ضعیف قرار دینا درست نہیں'' (نمازِ تراویح کے فضائل واحکام،ص۹۳،مطبوعہ:ادارہ غفران، راولپنڈی)

نیز ماہنامہ ''التبلیغ'' میں بندہ کا درجِ ذیل مضمون شائع ہو چکا ہے:

''عرب کے علاقہ میں علمِ حدیث پر کام کرنے والی ایک علمی شخصیت ''ناصرُ الدین البانی'' کے نام سے گزری ہے، اب جو لوگ ناصر الدین البانی صاحب سے اختلاف کرتے ہیں، تو وہ ان کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف واظہار کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں، اور ان کی صرف کمزوریوں اور تسامحات کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اور اس کے برعکس، جو حضرات ان سے عقیدت رکھتے ہیں، وہ ان کی علمی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے اور ان کو پاکیزہ ومقدس ہستی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولانا رضا احمد خان بریلوی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور موجودہ دور کے ڈاکٹر ذاکر نائیک اور جاوید احمد غامدی صاحبان وغیرہ سے عقیدت ومحبت رکھنے اور نہ رکھنے والے طبقات کا بھی یہی حال ہے۔

لیکن عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اختلاف اپنی حدود میں رہنا چاہئے، کسی سے اختلاف کی بناء پر اس کی خدمات اور اچھے اوصاف کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے، بلکہ اچھے اوصاف کا اعتراف کرنا چاہیے اور عقیدت ومحبت کی بناء پر کسی کو نبیوں کی طرح پاکیزہ ومقدس ہستی ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بغض وعناد سے بچنے اور اپنی اصلاح وترقی کے درجات کو حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے''۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' راولپنڈی، ص۳۰، جلد 18 شمارہ 01، ستمبر 2020ء - محرم الحرام 1442ھ)

پس آنجناب کی طرف سے خلافِ حقیقت، جو الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ان کو اگر آنجناب اپنی اسی نوعیت کی منڈی تک محدود رکھیں، تو بہتر ہے۔

نازک مسئلہ پر ہاتھ ڈالنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''میرے حضرت! بڑے نازک مسئلہ میں آپ نے ہاتھ ڈالا ہے، خدا خیر کرے، اپنے بزرگوں پر اعتماد کیجیے، علمی اختلاف کو اسی حد تک رکھیے، اگر یہ باتیں عوام میں آ گئیں، تو کہیں ردائیں تار تار نہ ہو جائیں؟''۔انتھٰی۔

کلام:

شاید دوسرے پر اثر ڈالنے کے لیے بندہ کو''میرے حضرت'' سے خطاب کر دیا، ورنہ در حقیقت جس کو جناب اپنا حضرت تسلیم کرتے ہوں گے، ان کی بات سے تو بلا دلیل بھی اختلاف گوارا کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوں گے، جیسا کہ جناب دیگر حضرات کے، ملفوظات کے بلا دلیل حوالے دے کر، بندہ کی طرف سے قرآن وسنت کے دلائل کے ہوتے ہوئے، بلا دلیل، نہ صرف یہ کہ اپنے بزرگوں پر اعتماد کرنے، علمی اختلاف کو اسی حد تک رکھنے کی تلقین بھی فرما رہے ہیں، اور شدید اختلاف، اور ردِ عمل کا اظہار بھی فرما رہے ہیں، بلکہ میٹھے میٹھے انداز میں ڈرا، دھمکا بھی رہے ہیں۔

بندہ نے تو علمی اختلاف کو اسی کی حد میں رکھا ہے،، جس کے قرآن وسنت، جمہور اکابر اور بزرگوں کے حوالے، اور مضبوط دلائل بھی ساتھ ہی مذکور ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ سب آپ کو بلا دلیل حد سے متجاوز نظر آتا ہے، اس کا کسی دوسرے کے پاس کیا علاج ہے۔

پھر جب یہ باتیں عوام میں آئیں گی، تو جس قسم کا ردِ عمل، ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ، حسبِ موقعہ ہمارا جواب، اور ردِ عمل بھی قرآن وسنت، جمہور اکابر کی طرف سے بیان کردہ دلائل کے مطابق ہوگا، جس طرح جناب کی عامیانہ باتوں پر کلام ہو رہا ہے۔

قرآن وسنت نے ہر قسم کے فتنہ کے ردِ عمل پر روشنی ڈال دی ہے۔

اگر پھر بھی جناب کو تسلی نہ ہو، تو جناب اپنی پیش گوئی کر کے اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو گئے، بس۔

ناصر الدین البانی کی عبارت پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ایک خطرناک الارم:

ناصر البانی کے حوالے سے ایک باب یہ بھی کھلا کہ جو اِن احادیث کو (جو آپ کا مستدل ہیں) راجح قرار نہ دے، تو اس طرح انکارِ حدیث لازم آئے گا، انکارِ حدیث کی وجہ سے کفر لازم آئے گا''۔انتھٰی۔

کلام :

بندہ کے حوالے سے آنجناب پر تو نہ جانے کیا کیا نئے ابواب کھل رہے ہیں، بندہ کے حوالے سے خود یہ مسئلہ بھی آپ کے لئے نئے باب سے کم نہیں۔

اور آئندہ بھی نہ جانے کیا کیا ابواب کھلنے والے ہیں۔

لیکن ضروری نہیں کہ آنجناب، جس باب کا کھلنا سمجھیں، حقیقت سے بھی اس کا تعلق ہو۔

واقعی اب نوبت یہ آ چکی ہے کہ جو باب چودہ سو سال پہلے قرآن وسنت نے کھول دیا تھا، اور جس بات کا قرآن وسنت میں ذکر آ گیا تھا، آج اس کو بھی نیا باب کہا جانے لگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی بھی آج سے چودہ سو سال پہلے سنا دی تھی جو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت میں مذکور ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۱۴۶، كتاب الإيمان،باب بيان أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، وأنه يأرز بين المسجدين)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی ابتداء غریب (یعنی اجنبی ہونے) کی حالت میں ہوئی اور پھر ایسا وقت آئے گا کہ یہ (اسلام) ابتداء کی طرح غریب کی حالت میں ہوجائے گا (مسلم)

ہم نے اپنے مضمون میں ناصر الدین البانی کی جو عبارت نقل کی تھی، اس کو جناب نے صحیح سمجھا ہی نہیں، اسی لیے اس کو نئے باب سے تعبیر کیا، پہلے وہ عبارت ملاحظہ فرمالیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

اے مسلمان بھائی! یہ بات جان لینی چاہیے کہ آج کے زمانے میں اور آج سے پہلے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن میں ان صحیح احادیث کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، اور نہ ہی ان کی طرف سے اس بات کو ماننے پر آمادگی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر کفر کا حکم لگائیں، بلکہ اسلام کے مدعی بعض لوگ ان صحیح اور صریح احادیث اور ان کے واضح معنیٰ ہی کے ذکر کرنے پر شدید نکیر کرتے ہیں (یہاں تک کہ نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو ملعون تک قرار دیتے ہیں) جبکہ ہمارے گمان کے مطابق، ان لوگوں کا اس پر نکیر کرنا، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا انکار ہے، جنہوں نے خود اپنے والدین کے متعلق یہ حکم بیان فرمایا ہے (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین سے محبت یقیناً ان لوگوں سے زیادہ تھی) اور اگر وہ لوگ ان احادیث کا علم ہوتے ہوئے انکار کریں، تو کفر ہوگا، ورنہ کم از کم ان جلیل القدر محدثین پر بہتان ہوگا، جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا، اور ان احادیث کو صحیح قرار دیا، یہ طرزِ عمل اگر کفر نہ ہو، تو فسق اور گناہ ہونے میں تو شبہ نہیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کے دین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا سبب ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا علم حاصل کرنے اور ایمان لانے کا راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ اپنے دین کی بصیرت رکھنے والے مسلمانوں

پر مخفی نہیں (کیونکہ کسی کے باطنی ایمان یا کفر پر مطلع ہونے اور اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کا تعلق غیب سے ہے) پس جب کچھ لوگ ان احادیث کی اس لیے تصدیق نہیں کریں گے کہ وہ احادیث، ان لوگوں کی ترجیحات، ان کے ذوق اور ان کی خواہشات کے موافق نہ ہوں گی، اور لوگوں کا اس باب میں شدید اختلاف ہوگا (جیسا کہ اس مسئلہ میں شدید ہی اختلاف ہے) تو اس سے صحیح احادیث کو رَد کرنے کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا (علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۲، ص۲۸۴)

اور ناصر الدین البانی کی اصل عربی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

واعلم أيها الأخ المسلم أن بعض الناس اليوم وقبل اليوم لا استعداد عندهم لقبول هذه الأحاديث الصحيحة، وتبنى ما فيها من الحكم بالكفر على والدى الرسول صلى الله عليه وسلم، بل إن فيهم من يظن أنه من الدعاة إلى الإسلام ليستنكر أشد الاستنكار التعرض لذكر هذه الأحاديث ودلالتها الصريحة !

وفى اعتقادى أن هذا الاستنكار إنما ينصب منهم على النبى صلى الله عليه وسلم الذى قالها إن صدقوا بها .وهذا -كما هو ظاهر- كفر بواح، أو على الأقل :على الأئمة الذين رووها وصححوها، وهذا فسق أو كفر صراح، لأنه يلزم منه تشكيك المسلمين بدينهم، لأنه لا طريق لهم إلى معرفته والإيمان به، إلا من طريق نبيهم صلى الله عليه وسلم كما لا يخفى على كل مسلم بصير بدينه، فإذا لم يصدقوا بها لعدم موافقتها لعواطفهم وأذواقهم وأهوائهم -والناس فى ذلك مختلفون أشد الاختلاف- كان فى ذلك فتح باب عظيم جدا لرد الأحاديث الصحيحة (سلسلة الأحاديث الصحيحة، ج٦ص ١٨٠، تحت رقم الحديث ٢٥٩٢)

مذکورہ عبارت میں صحیح احادیث کی تصدیق کرنے کے باجود انکار پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے، بصورتِ دیگر اُن ائمۂ حدیث کا انکار کرنے پر، جنہوں نے اس کو روایت کیا، اور صحیح قرار دیا، فسق کا حکم لگایا گیا ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کے دین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا سبب ہے۔

البتہ جن اہلِ علم حضرات نے صحیح حدیث کو قبول کرتے ہوئے، اس میں کوئی تاویل وتوجیہ کی، ہمارا گمان یہ ہے کہ انہوں نے نیک نیتی اور فرطِ محبت کی بناء پر اپنے سامنے آنے والے دلائل کی رُو سے ایسا کیا، اس لیے اُن کی نہ تو تکفیر کی جائے گی اور نہ اُن کی تفسیق کی جائے گی، یہی حال بعد کے اُن اہلِ علم حضرات کا بھی ہے، جنہوں نے دوسرے اقوال کو راجح سمجھ کر نیک نیتی کے ساتھ صحیح احادیث میں مختلف تاویلات وتوجیہات کیں، یا دوسرے کی تاویلات وتوجیہات پر اعتماد کر کے، ان کو نقل واختیار کیا، تو ان حضرات کا اجتہادی تخطئہ تو کیا جائے گا، لیکن ان کی طرف منکرِ حدیث اور کفر کی نسبت ہرگز نہیں کی جائے گی۔

تاہم اس طرزِ عمل میں جو عوام کے لیے مفاسد ہیں، علمی کلام کرتے ہوئے اُن کا بھی ذکر کیا جائے گا، مثلاً کوئی بھی عامی شخص جب کسی صحیح حدیث کو اپنی خواہش کے خلاف پائے گا، تو اس کو رَد کر بیٹھے گا، اور اس میں ہر شخص اپنی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا، جس کی وجہ سے سخت اختلاف رونما ہو جائے گا، اور صحیح احادیث کے انکار، اور مسلمانوں کے دین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا راستہ کھل جائے گا، کیونکہ کسی غیبی چیز کا علم حاصل کرنے اور ایمان لانے کا ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کون سی بات صحیح سند کے ذریعہ پہنچتی ہے اور کون سی نہیں؟ جس پر اس حدیث کی تصدیق وتکذیب کا مدار ہے، اس کا ذریعہ محدثینِ کرام ہیں۔

چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنے مضمون ''سنیتِ حدیث اور مستشرقین کے بعض نظریات کی تردید'' میں فرماتے ہیں:

''اسناد: حدیث کی صحت کو پرکھنے کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ذریعہ ہے''۔

(فقہی مقالات، ج۷، ص۲۵۹، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز کراچی، اشاعتِ اول 2020ء)

فقہاء ومحدثین اور اہلِ علم حضرات نے، اس طرح کے مواقع پر کسی مجتہد وفقیہ، یا عالم کا قول، کسی حدیث کے خلاف ہونے اور انکارِ حدیث لازم آنے اور اس کا قول خطا پر مبنی ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس مجتہد وفقیہ، یا عالم کی طرف تکفیر وتفسیق کی نسبت نہیں کی، کیونکہ مجتہد وفقیہ سے حسنِ ظن کا تقاضا یہی ہے کہ اس نے جو کسی حدیث کے خلاف قول کیا، تو اس نے حدیث کے خلاف وانکار کا قصد نہیں کیا، بلکہ کسی دوسرے سبب سے ایسا قول کیا، مثلاً وہ حدیث اُس تک نہ پہنچی، یا اس کی سند پر اسے اطمینان حاصل نہ ہوا، یا اس کے مقابلے میں اس نے دوسری حدیث کو معتبر سمجھا وغیرہ وغیرہ۔

اہلِ علم حضرات کے کلام میں جا بجا اس طرح کی توجیہات اور تصریحات پائی جاتی ہیں۔ [1]

---

[1] وقد روى زياد عن مالك أن من اشترى ناقة أو شاة قد صراها البائع، فإنه إذا حلبها ردها ومكيلة ما حلب من اللبن تمرا أو قيمته، وهذا بعيد لا وجه له؛ لأنه مخالف للحديث(البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة، لمحمد بن أحمد بن رشد القرطبي، ج۷، ص ۳۵۲، كتاب جامع البيوع الثاني، مسألة :حكم بيع المصراة)

وقد خالف الحديث والجمهور في ذلك أبو حنيفة فقال :لا يجوز القود إلا بالسيف خاصة(المسالِك في شرح مُوَطَّأ مالك، للقاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المالكي، ج۷، ص۸۸، كتاب العقول، باب ما يجب في العمد)

ومن قال بقتله فقد خالف الحديث وأقوال المتقدمين(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج۱۴، ص۲۵۶، كتاب الجهاد والسير، باب الجاسوس)

وهذا خلاف للحديث ؛ لنصه على ثلاثة اصمع من تمر على ستة مساكن(إكمال المعلم شرح صحيح مسلم ،للقاضي عياض، ج۴، ص۲۱۳، كتاب الحج ،باب جواز حلق الراس للمحرم إلخ)

وهو قول شاذ، وهذا صوم يوم الشك، وهو خلاف للحديث .وقول أهل المدينة أولى؛ لنهيه -صلى الله عليه وسلم -أن يتقدم صوم رمضان؛ ولقول عكرمة وعمار :من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم(التوضيح لشرح الجامع الصحيح، لابن الملقن، ج۱۳، ص۱۰۵، كتاب الصوم، باب لا يتقدمن رمضان بصوم يوم ولا يومين)

وقال الزهري :لا تلبس العصب، وهو خلاف للحديث(شرح صحيح البخاري لابن بطال، ج۷، ص ۵۱۲، كتاب العدة، باب القسط للحادة عند الطهر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مولانا محمد زکریا صاحب کی عبارت پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''پھر غضب یہ کہ حاشیہ میں کسی دوسری بحث کے ضمن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت ''ماہنامہ البلاغ'' کے حوالے سے بھی پیش کی کہ انکارِ حدیث سے کفر لازم آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذا خلاف للحديث، ولا قياس مع النصوص (شرح صحيح البخارى، لابن بطال، ج٨، ص ٥٥٩، كتاب الديات،باب المعدن جبار، والبئر جبار)

وهذه الطرق الثلاثة سوى الأول غلط مخالف للحديث (المجموع شرح المهذب، ج٣، ص ٣٢٨، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى مسائل مهمة تتعلق بقراء ة الفاتحة وغيرها فى الصلاة)

(فظاهره) مخالف للحديث المذكور (المجموع شرح المهذب، ج٣،ص ٦٠٠، كتاب الصلاة،باب فى السلام،الفصل الثانى فى صفة السلام وأحكامه)

لكنه مخالف للحديث فى البداية للأم (النجم الوهاج فى شرح المنهاج،لكمال الدين، محمد بن موسى بن عيسى بن على الدَّمِيرى أبى البقاء الشافعى، ج٣،ص ٢٣٢، كتاب الزكاة،باب زكاة المعدن والركاز والتجارة)

قال الإسنوى مردود مخالف للحديث الصحيح وللمعروف فى المذهب وأطال فى بيانه (أسنى المطالب فى شرح روض الطالب،لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصارى، ج٣،ص ١٨٦، كتاب السير،الباب الاول، الطرف الثالث،فرع السلام للنساء)

وأيضا هو مخالف للحديث فإنه عام فيمن له حزب وغيره، فلله در المصنف حيث ترك التقييد (الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى،لأحمد بن غانم ،شهاب الدين المالكى، ج١ ،ص ٢٠٠، باب صفة العمل فى الصلوات المفروضة،وأقل الشفع)

وقد تقدم أن التحقيق خلافه ؛ لأنه مخالف للحديث (شرح مختصر خليل للخرشى، ج١ ،ص ١٧٠، باب الطهارة، فصل الغسل)

وهو مخالف للحديث الذى أخرجه أهل الصحيح (التوضيح فى شرح المختصر الفرعى ،لخليل بن إسحاق بن موسى، ضياء الدين الجندى المالكى، ج٢ ،ص ١٦٣، كتاب الصلاة،صلاة الجنائز)

وكلا القولين مخالف للحديث؛ لأنه قد ذكر فى الحديث ما تسقيه السماء والعيون (التبصرة،لعلى بن محمد الربعى، المعروف باللخمى، ج٣،ص ١٠٨٧، كتاب الزكاة الثانى،باب فى نصاب ما أخرجت الأرض،فصل فى قدر ما يخرج فى زكاة الحرث)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تو اب جن علماء کا سکوت، یا ابوین شریفین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ ہے، وہ اس کی زد میں آئیں گے، ان میں بعض تو اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے، تو کیا وہ انکارِ حدیث کے مرتکب ہوئے؟

یہ باتیں بھی قابلِ غور ہیں، یا پھر حکم کو واضح کیا جائے، تاکہ سب علماء پر عیاں ہو جائے......احتیاط کا پہلو بہت احوط واسلم ہے''۔انتہٰی۔

کلام :

آنجناب، حقیقت کو سمجھے بغیر خود ہی خواہ مخواہ غضب پر غضب، یعنی غصہ پر غصہ کیے جاتے ہیں، ہم نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی جو عبارت حاشیہ میں نقل کی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم لو صح السند لكان شاذاً؛ لأنه مخالف للحديث الصحيح الذى فيه أنه كان نبى بنى إسرائيل، وأنه فتح بيت المقدس، فكيف يقال :إنه فى سفينة فى البحر تموج به إلى يوم القيامة؟ !فلو صح السند واستقام مثل الشمس فإنه يكون شاذاً؛ لمخالفته للحديث الصحيح(شرح تفسير ابن كثير،لعبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن الراجحى "دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية"رقم الدرس ٦٢،ص ١١، سورة الكهف ،ذكر خبر يوشع بن نون بعد لقى الخضر)

أما دريت أن ابن الهمام كثيرا ما يرجح قول غير الأمام أبى حنيفة من أقوال تلامذته، إذا وافقتها الأخبار الصحاح، ويشير إلى ضعف قول أبى حنيفة إذا خنقته الأحاديث الصحاح، نعم لا يسبه ولا يشتمه، ولا يطعن عليه بأمر قبيح، ولا يتكلم فى حقه بالوصف الشنيع، وهذا هو عين الإنصاف، ويقابله التعصب والاعتساف، وهو أن يجمد على قول إمامه، وإن خالف الحديث الصريح، ولا يفتى بقول غيره وإن كان تلميذه، وإن وافق الحديث الصحيح(تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد،للإمام محمد عبد الحى اللكنوى،ص ٢٩٥ ،الباب الرابع:فى رد أقوال صاحب التبصرة المتفرقة الواقعة فيها نصرة لما مر منها فى شفاء العى الخ، مشمولة: مجموعة رسائل اللكنوى، المجلد السادس، الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، الباكستان،الطبعة الاولىٰ: ١٤١٩هـ)

وهذا القول هو الصحيح؛ لموافقته ظواهر الأحاديث وما خالف الحديث لا يعبأ به كائنا ما كان (المغنى لابنِ قدامة، ج٨،ص٧٥، كتاب اللعان،مسألة نفى الحمل فى التعانه)

(وراجع للتفصيل: إعلام الموقعين عن رب العالمين،لابن قيم الجوزية، ج٤، ص١٧٨، ١٧٩، تغيير الفتوى واختلافها،المثال السادس عشر بعد المائة المخارج من التحليل فى الطلاق،حكم أخذ المفتى أجرة أو هدية)

''اگر اسی طرح کے لوگوں کی ذرا سی بھی ہمنوائی کی جائے، تو فتنہ انکارِ حدیث کا دروازہ کھل جائے گا، اور کتبِ حدیث کی حیثیت اور وقعت ذہنوں سے کم ہوتی چلی جائے گی، آج کل بھی ایسے مصنفین پائے جاتے ہیں، جنہیں کوئی روایت کسی کتاب میں اپنے کسی مخصوص مسلک کے خلاف نظر آ جاتی ہے، تو اول تو اس کتاب کے مصنفین ہی کی خبر لیتے ہیں، پھر کتاب ہی کو یکسر غلط بنا دیتے ہیں، اور ان سب روایات کو بھی مجروح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو اس کتاب میں موجود ہوں، اگرچہ ان کی اسانید صحیح ہوں، ایسے ہی لوگوں کو سلف کی اصطلاح میں ''اہلِ ہویٰ'' کہا جاتا ہے، جن کا مقصود قرآن اور حدیث پر چلنا نہیں، بلکہ اپنا جو ایک مسلک طے کر لیا، اسی کے گرد گھومتے اور آیات اور احادیث کی تاویل اور تحریف کر کے اسی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، معتزلہ، روافض، خوارج اور نئے دور کے معتزلہ مزاج مفکرین اور مصلحین کا یہی حال ہے'' (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت خصوصی، جمادی الاخریٰ، تا شعبان 1399 ہجری، ص ۱۹، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مضمون ''حضرت مفتی صاحب کی کچھ باتیں'' از مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ)

مذکورہ عبارت بھی اسی پسِ منظر میں ذکر کی گئی ہے، جس کی توضیح وتشریح پیچھے ذکر کی جا چکی ہے۔

اور ہم واضح طور پر کہتے ہیں کہ حضرت شیخُ الحدیث رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی، وہ واقعہ کے مطابق فرمائی، جس کا ہم نے بھی مختلف لوگوں میں مشاہدہ کیا، اور زیرِ بحث مسئلہ میں بھی ہم نے بعض عوام، یا اہلِ ہویٰ کا یہی طریقہ ملاحظہ ومشاہدہ کیا۔

جہاں تک کسی مستند عالمِ دین کی علمی رائے کا تعلق ہے، تو اس کی توجیہات کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے، وہ اس کا مصداق نہیں۔

لیکن کوئی تالیف، یا مضمون جب تحریر کیا جاتا ہے، تو اس میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور متعدد

جہات سے کلام کیا جاتا ہے، تاکہ عوام اور اہلِ ہویٰ کے طرزِ عمل کی بھی نشاندہی ہو جائے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ:

''**سوال**:......اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے، جو حدیث سے انکار کرے؟

جواب:......اس مسئلہ میں چند احتمالات ہیں۔

(1)......اول یہ کہ تمام حدیثوں سے انکار کرے، یہ بعینہٖ کفر ہے۔

(2)......دوسرے یہ کہ حدیثِ متواتر سے انکار کرے، اور اس میں کچھ تاویل نہ کرے، یہ بھی کفر ہے؟

(3)......تیسرے یہ کہ حدیثِ صحیح سے، جو قسمِ آحاد سے ہے، انکار کرے، اور یہ انکار خواہشِ نفسانی سے ہو، اس وجہ سے کہ وہ حدیث طبیعت کے موافق نہ ہو، یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہو، یہ انکار گناہِ کبیرہ ہے، ایسا منکر بدعتی ہے، یعنی بدعتِ سیئہ کرتا ہے۔

(4)...... چوتھے یہ کہ اس وجہ سے کسی حدیث سے انکار کرے کہ اس کے خلاف کوئی دوسری قوی حدیث ہو، یا یہ کہ ناقل کے قول پر اس کو اعتماد نہ ہو، اس وجہ سے وہ شخص یہ سمجھتا ہو کہ فی الواقع یہ حدیث نہیں ہے، اور اس خیال سے اس کو اس حدیث سے انکار ہو، اور یہ انکار خواہشِ نفسانی سے نہ ہو، اور نہ کسی دنیوی غرض سے ہو، اور اپنے کلام کی سرسبزی بھی منظور نہ ہو، اور نہ کوئی دوسری غرضِ فاسد مقصود ہو، بلکہ اس وجہ سے اس کو انکار ہو کہ وہ حدیث اس کے گمان میں علمِ اصولِ حدیث کے قواعد کے خلاف ہو، یا کسی آیتِ قرآنی کے خلاف ہو، یا ایسی ہی کوئی اور مناسب وجہ انکار کی اس کے نزدیک ہو، تو ایسے انکار میں کچھ حرج نہیں'' (فتاویٰ عزیزی، ص۴۴۳، باب الفقہ، مسائلِ فقہ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع جدید 1412ہجری)

مذکورہ اور اس جیسے فتاویٰ میں حدیثِ صحیح کے انکار کی مختلف صورتوں پر الگ الگ کلام کیا گیا ہے۔

اصلاحی تعلق پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''درد مندانہ درخواست : مفتی صاحب! ''التبلیغ'' سے آپ کے اصلاحی پروگراموں کے بارے میں بھی علم ہوتا رہتا ہے، یقیناً جب آپ دوسرے عوام و خواص کی اصلاح کے خواہاں ہیں، تو آپ کا بھی کسی سے اصلاحی تعلق ہوگا، تو اس قسم کے مسائل پر قلم اٹھانے سے قبل ان مرشدین ہی سے مشورہ لے لیا جاتا، تو بہت مفید ہوتا، اور ہم انتشار سے بچ جاتے''۔ انتھٰی۔

کلام :

کیا یہ ضروری ہے کہ اگر کسی کو مرشد بنایا جائے، اور اس سے کسی چیز کے بارے میں مشورہ کیا جائے، تو اس کی نشر واشاعت بھی کی جایا کرے، اور پھر آپ جیسے کرم فرما حضرات ''جو اپنے موقف کے خلاف بڑے بڑے اسلاف، بلکہ قرآن وسنت کی نصوص کو بھی اہمیت دینے کے لئے آمادہ نہیں'' کے اعتراضات والزامات کا نشانہ، ان بزگواروں کو بھی بنوایا جایا کرے۔

آپ جیسے کرم فرما حضرات کی تسلی تو بظاہر، اس وقت تک ممکن نظر نہیں آتی، جب تک کسی سے اصلاحی تعلق قائم کرنے، اور مرشد بنانے سے پہلے، ان سے تعلق کے متعلق آپ جیسے کرم فرما حضرات سے کلین چٹ حاصل نہ کرلی جائے، ورنہ تو شاید ان مصلحین ومرشدین کے لئے بھی رشد وہدایت کا زور لگانے میں کوئی لمحہ فروگذاشت نہ ہونے دیں۔

پھر ایسے حالات میں اگر بندہ کسی کے مشورہ کا ذکر بھی کردیتا، تو کیا پھر آپ یہ کہنے پر رضامند ہوجاتے کہ ''بہت مفید ہوگیا، اور ہم انتشار سے بچ گئے''

اور کیا اگر اب آپ کے سامنے کسی ایسے مشورہ کا ثبوت پیش کردیا جائے، تو اب آپ یہ کہنے پر آمادہ ہوجائیں گے کہ ''بہت مفید ہوگیا، اور ہم انتشار سے بچ گئے''۔

اور کیا قرآن وسنت کی نصوص، اور جمہور سلف کے قول کی نشر واشاعت کے لیے بھی بزرگوں سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟

اور کیا سب جگہ دین کی تبلیغ واشاعت کا کام اسی اصول کے مطابق ہورہا ہے، یا جہاں اس اصول کے مطابق نہیں ہورہا، وہ غلط ہورہا ہے، یا یہ نرالا اصول وقانون بندہ ناچیز پر ہی لاگو ہوتا ہے؟

پھر کیا آپ اور ساری دنیا کے جا، بے جا انتشار وتوحش کی ذمہ داری بھی بندہ کے سر پر ہے، بالخصوص جو انتشار وتوحش، کمزور اقوال اور غیر معتبر آثار سے مانوس ہونے، اور پھر بعد میں قرآن وسنت کی معتبر ومستند، مگر غیر مانوس تعلیمات کو ملاحظہ کر کے پیدا ہوا ہو۔

اسی قسم کے انتشار کا حل اس آیت میں مذکور ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (سورہ آل عمران، رقم الآیة ۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی، جب تم آپس میں دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم الفت ڈال دی، پھر تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تا کہ تم ہدایت پاؤ (سورہ آلِ عمران)

کئی احادیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ [1]

---

[1] عن زيد بن أرقم قال: دخلنا عليه فقلنا له: لقد رأيت خيرا صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم وصليت خلفه فقال: نعم وإنه صلى الله عليه وسلم خطبنا فقال":

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے جو اللہ کی رسی سے اللہ ورسول کی اطاعت وغیرہ کا مراد ہونا بیان فرمایا ہے، یہ بھی اس کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اصولی انداز میں اللہ کے رسول کی اطاعت وغیرہ کا حکم بھی موجود ہے، جس سے سنت ہی مراد ہے۔

اس تفصیل سے یہ شائبہ ہوتا ہے کہ جناب بندہ پر اثر انداز ہونے کے لیے تنکوں تک کا سہارا حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، لیکن اگر آنجناب بندہ کی طرف سے نقل کردہ قرآنی آیات ، اور معتبر احادیث کے خلاف کوئی اسی درجہ کی دلیل پیش کر دیتے، تو آنجناب بندہ کو سرنگوں پاتے، اس کے بغیر ان شاء اللّٰہ تعالٰی، ثم ان شاء اللّٰہ تعالٰی جناب کو اپنے مقصد میں کامیابی کا حاصل ہونا مشکل ہے، خواہ آنجناب جیسے لاکھوں انسان جمع ہو کر زور آزمائی کیوں نہ کر کے دیکھ لیں۔

حدیث ''کلاب الحوأب'' پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''بعض ضدی طبیعت کے افراد نے ''حدیث کلاب حواب'' پر ناقدانہ کلام فرمایا، اور اسی حدیث کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہٗ اور دیگر علمائے کرام کے بارے میں بڑا نازیبا طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا۔
>
> ہمارے ایک مخلص دوست نے اس کا مدلل جواب لکھا، اور حضرت مفتی صاحب کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إنـي تـارک فيكم كتاب الله هو حبل الله من اتبعه كان على الهدى ومن تركه كان على الضلالة(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۲۳ ،كتاب العلم،ذكر إثبات الهدى لمن اتبع القرآن والضلالة لمن تركه)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابنِ حبان)

عن أبي وائل، قال :قال عبد الله " :إن هذا الصراط محتضر، تحضره الشياطين ينادون :يا عباد الله، هذا الطريق فاعتصموا بحبل الله، فإن حبل الله القرآن (سنن الدارمي، رقم الحديث ۳۳۶۰، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن)

خدمت میں وہ مضمون ارسال فرمایا، انہوں نے ملاحظہ فرمایا، جب اشاعت کی درخواست کی، تو منع فرمادیا کہ اس سے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں (میرے علم کے مطابق انہوں نے ابھی تک شائع نہیں کیا) یقیناً مرشدین موجود ہوں، تو ان سے مشاورت ہی کرلی جائے، یا اگر کوئی مخلص دوست مشورہ دے، تو اس کو قبول کرلیا جائے، تو اس سے علمی شان بلند ہوتی ہے، کم نہیں ہوتی، ہوائے نفس سے کون پاک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے، کبھی انسانی خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے اپنا جامہ ہی اتر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہوائے نفس کی غلامی سے بچائے (آمین)''۔انتھیٰ۔

کلام :

مذکورہ مسئلے کا تعلق چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہٗ سے ہے، انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا، وہ اپنی نظر میں حسبِ مصلحت درست ہی فرمایا ہوگا۔

لیکن ہمارے زیرِ بحث مسئلے کا ان کے مذکورہ طرزِ عمل سے تعلق نہیں۔

جہاں تک حدیث ''کلاب الحوأب'' کا تعلق ہے، تو اس کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے، جن میں امام احمد بھی شامل ہیں۔

چنانچہ مسند احمد میں قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أَقْبَلَتْ عَائِشَةُ بَلَغَتْ مِيَاهَ بَنِيْ عَامِرٍ لَيْلًا نَبَحَتِ الْكِلَابُ، قَالَتْ: أَيُّ مَاءٍ هٰذَا؟ قَالُوا: مَاءُ الْحَوْأَبِ قَالَتْ: مَا أَظُنُّنِيْ إِلَّا أَنِّي رَاجِعَةٌ فَقَالَ بَعْضُ مَنْ كَانَ مَعَهَا: بَلْ تَقْدَمِيْنَ فَيَرَاكِ الْمُسْلِمُوْنَ، فَيُصْلِحُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، قَالَتْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا ذَاتَ يَوْمٍ: كَيْفَ بِإِحْدَاكُنَّ تَنْبَحُ عَلَيْهَا كِلَابُ الْحَوْأَبِ؟ "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۲۵۴) [1]

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت بنو عامر کے چشموں کے قریب پہنچیں، تو وہاں کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کون سا چشمہ ہے؟ لوگوں نے بتایا مقامِ ''حــــــوأب'' کا چشمہ ہے، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اب میں یہیں سے واپس جاؤں گی، ان کے کسی ہمراہی نے کہا کہ آپ چلتی رہیں، مسلمان آپ کو دیکھیں گے، تو ہوسکتا ہے کہ اللہ ان کے درمیان صلح کروادے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک عورت کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی، جس پر مقامِ ''حـــوأب'' کے کتے بھونکیں گے (مسند احمد)

اس حدیث کو امام احمد نے ایک اور مقام پر بھی روایت کیا ہے۔ [1]

اس طرح کی حدیث اور اسناد سے بھی مروی ہے۔

اور محدثین واہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا محمد بن جعفر، قال: حدثنا شعبة، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن قيس بن أبي حازم، أن عائشة، قالت: لـمـا أتت على الحوأب سمعت نباح الكلاب، فقالت: ما أظنني إلا راجعة، إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لنا: " أيتكن تنبح عليها كلاب الحوأب؟ "، فـقـال لها الزبير: تـرجـعيـن عسى الله عز وجل أن يصلح بک بين الناس (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۶۵۴)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] قال الهيثمي:

وعن قيس بن أبي حازم أن عائشة لما نزلت على الحوأب سمعت نباح الكلاب، فقالت: ما أظنني إلا راجعة، سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول لنا " :أيتكن ينبح عليها كلاب الحوأب ."فقال لها الزبير :ترجعين، عسى الله أن يصلح بک بين الناس. رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، ورجال أحمد رجال الصحيح.

وعن ابن عباس قال :قال رسول الله -صـلى الله عليه وسلم- لنسائه " :ليت شعرى، أيتكـن صـاحبة الـجـمـل الأدبب، تخرج فينبحها كلاب حوأب، يقتل عن يمينها وعن يسارها قتلى كثير، ثم تنجو بعدما كادت ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قاضی ابوبکر ابن عربی نے جو اس حدیث کا انکار کیا ہے، تو اس کی امام قرطبی اور بعض دیگر اہلِ علم حضرات نے تردید کی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رواه البزار، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد ج۷،ص ۲۳۴،باب فیما کان فی الجمل وصفین وغیرهما)

قال ابوحذیفة نبیل منصور البصارة الکویتی:

حسن(أنِیسُ السَّاری تخریج احادیث فتح الباری،، ج۳،ص ۲۳۹۰، رقم الحدیث ۱۶۴۶،حرف الهمزة)

وقال ایضاً :

صحیح(أنِیسُ السَّاری تخریج احادیث فتح الباری،ج۶،ص ۴۰۸۲، رقم الحدیث ۲۸۴۱،حرف الهمزة)

[1] والعجب من القاضی أبی بکر بن العربی کیف أنکر هذا الحدیث فی کتبه.

منها فی کتاب العواصم من القواصم، وذکر أنه لا یوجد أصلا وأظهر لعلماء المحدثین بإنکاره غباوة وجهلا، وشهرة هذا الحدیث أوضح من فلق الصبح وأجلی(التذکرة بأحوال الموتی وأمور الآخرة للقرطبی''المتوفیٰ: ۶۷۱هـ''ص ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، باب ما جاء أن عثمان رضی الله عنه لما قتل سل سیف الفتنة)

وجملة القول أن الحدیث صحیح الإسناد، ولا إشکال فی متنه خلافا لظن الأستاذ الأفغانی، فإن غایة ما فیه أن عائشة رضی الله عنها لما علمت بالحوأب کان علیها أن ترجع، والحدیث یدل أنها لم ترجع !وهذا مما لا یلیق أن ینسب لأم المؤمنین.

وجوابنا علی ذلک أنه لیس کل ما یقع من الکمل یکون لائقا بهم، إذ لا عصمة إلا لله وحده.

والسنی لا ینبغی له أن یغالی فیمن یحترمه حتی یرفعه إلی مصاف الأئمة الشیعة المعصومین !ولا نشک أن خروج أم المؤمنین کان خطأ من أصله ولذلک همت بالرجوع حین علمت بتحقق نبؤة النبی صلی الله علیه وسلم عند الحوأب، ولکن الزبیر رضی الله عنه أقنعها بترک الرجوع بقوله " عسی الله أن یصلح بک بین الناس "ولا نشک أنه کان مخطئا فی ذلک أیضا.

والعقل یقطع بأنه لا مناص من القول بتخطئة إحدی الطائفتین المتقاتلتین اللتین وقع فیهما مئات القتلی ولا شک أن عائشة رضی الله عنها المخطئة لأسباب کثیرة وأدلة واضحة، ومنها ندمها علی خروجها، وذلک هو اللائق بفضلها وکمالها، وذلک مما یدل علی أن خطأها من الخطأ المغفور بل المأجور.

قال الإمام الزیلعی فی "نصب الرایة "(4/69-70): "وقد أظهرت عائشة الندم، کما أخرجه ابن عبد البر فی "کتاب الإستیعاب "عن ابن أبی عتیق وهو عبد الله بن محمد بن عبد الرحمن بن أبی بکر الصدیق قال: قالت عائشة لابن عمر :یا أبا عبد الرحمن ما منعک أن تنهانی عن مسیری؟ قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس سلسلے میں پائے جانے والے افراط وتفریط کی بھی نشان دہی کی ہے، اور روافض کے اعتراض کا بھی جواب دیا ہے۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رأيت رجلا غلب عليک -يعنى ابن الزبير -فقالت :أما والله لو نهيتنى ما خرجت انتهى ."

ولهذا الأثر طريق أخرى، فقال الذهبى فى "سير النبلاء "(79 - 78) ": وروى إسماعيل بن علية عن أبى سفيان بن العلاء المازنى عن ابن أبى عتيق قال: قالت عائشة :إذا مر ابن عمر فأرنيه، فلما مر بها قيل لها :هذا ابن عمر، فقالت :يا أبا عبد الرحمن ما منعک أن تنهانى عن مسيرى؟ قال :رأيت رجلا قد غلب عليک .يعنى ابن الزبير ."

وقال أيضا: "إسماعيل بن أبى خالد عن قيس قال :قالت عائشة وكانت تحدث نفسها أن تدفن فى بيتها، فقالت :إنى أحدثت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثا، ادفنونى مع أزواجه، فدفنت بالبقيع رضى الله عنها.

قلت :تعنى بالحدث مسيرها يوم الجمل، فإنها ندمت ندامة كلية، وتابت من ذلک.

على أنها ما فعلت ذلک إلا متأولة قاصدة للخير، كما اجتهد طلحة بن عبد الله والزبير بن العوام وجماعة من الكبار رضى الله عن الجميع ."

وأخرج البخارى فى صحيحه عن أبى وائل قال : ولما بعث على عمارا والحسن إلى الكوفة ليستنفرهم خطب عمار فقال :إنى لأعلم أنها زوجته فى الدنيا والآخرة، ولكن الله ابتلاكم لتتبعوه أو إياها ." يعنى عائشة.

وكانت خطبته قبل وقعة الجمل ليكفهم عن الخروج معها رضى الله عنها(سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها،تحت رقم الحديث ۴۷۴)

لے وأطال الكلام عليها ابن عبد الحكم فى فتوح مصر.

وماذا علينا إذا قلنا :"تلک أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسألون عما كانوا يعملون"وقد سبق لک ما فيه كفاية.

قال الناظم:

عائش ما نقول فى قتالک .... سلكت فى مسالک المهالک
أعرضت عن نبح كلاب الحوأب .... وفيه خالفت النبى العربى
وليس يأتى عذر الاجتهاد .... قبال تنصيص النبى الهادى
رضيت فى عثمان بالقتل وقد.................. طالبت بالثأر بغير مستند
لكنک زوجة خير البشر........................ ونحن يا أم على تحير
قد قيل تبت وعلى غمضا ....عن أمرک والأمر تابع الرضا
فسبک فى رأينا محرم ....لأجل عين ألف عين تكرم

أقول :غرض الناظم بهذه الأبيات الطعن على أم المؤمنين رضى الله تعالى عنها بما وقع فى القصة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اعتدال، رضائے الٰہی اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشهيرة، ولو كان له ولإخوانه فطنة وأدنى بصيرة لما تفوهوا بمثل هذا الكلام، بعد أن وقفوا على ما ذكر فى الأصل، مما يزيل الشبه والأوهام، ولكن قد استحوذ الشيطان على قلوبهم، فلا يعون ولا يسمعون، فإنا لله وإنا إليه راجعون.

وقد ذكرنا لك أصلا يندفع (به) ما أصروا عليه من الضلال، ويرفع من البين القيل والقال.

فإن من وقع منه القتال يوم الجمل كطلحة والزبير وأم المؤمنين عائشة رضى الله عنهم، كانوا محبين للأمير كرم الله تعالى وجهه، عارفين له فضله، كما أنه رضى الله عنه فى حقهم كذلك، وليس بين ذلك وبين القتال الواقع فى البين تناف؛ لأن القتال لم يكن مقصودا؛ بل وقع عن غير قصد، لمكر من قتلة عثمان رضى الله تعالى عنه الذين كانوا بعشائرهم فى عسكر الأمير، إذ غلب على ظنهم من خلوته بطلحة والزبير أنه سيسلمهم إلى أولياء عثمان.

فأطاروا من نيران غدرهم شرارا، ومكروا مكرا كبارا، فأوقعوا القتال بين الفريقين، فوقع ما وقع إن شاء وإن أبى أبو الحسنين .فكل من الفريقين كان معذورا ”وكان أمر الله قدرا مقدورا) . على أن القتال لو فرض كان قصدا، فهو لشبهة قوية عند المقاتل أوجبت عليه أن يقاتل، فهو بزعمه من الدين، ونصرة المسلمين وليس من الغى والاستهانة بالأمير فى شىء .

ومتى كان كذلك فهو لا ينافى المحبة، ولا يدنس رداء الصحبة .وقد صرح بعض العلماء أن شكوى الولد على أبيه لدين له عليه قادر على أدائه ومماطل فيه ليس من العقوق، ولا مخل بما للوالد من واجب الحقوق.

وإن أبى تعصبك هذا قلنا :إن القوم رضى الله تعالى عنهم كانوا من قبل ما وقع من المخلصين الأبرار، لكن لعدم العصمة وقع منهم ما غسلوه ببرد التوبة وثلج الاستغفار .ويأبى الله تعالى أن يذهب صحابى إلى ربه قبل أن يغسل بالتوبة والاستغفار درن ذنبه.

وبنحو هذا سبق لك الجواب عن أصحاب صفين من رؤساء الفرقة الباغية على على أمير المؤمنين والمتلوثة سيوفهم فى تلك الفتنة أقل قليل.

ولولا عريض الصحبة وعميق المحبة لدلع القلم لسانه الطويل، فقف عند مقدارك، فما أنت وإن بلغت الثريا إلا دون فعال أولئك.

وقوله :(أعرضت ...إلخ) أشبه شىء بنبح الكلاب، بعد ما ذكر فى الأصل من الجواب، وهو أن الثابت أنها لما علمت ذلك وتحققته من محمد بن طلحة همت بالرجوع، إلا أنها لم توافق عليه، ومع هذا شهد مروان بن الحكم مع ثمانين رجلاً من دهاقين تلك الناحية أن هذا المكان مكان آخر وليس بحوأب(صب العذاب على من سب الأصحاب لابى المعالى محمود شكرى الآلوسى،ص ۴۶۰ الٰی ۴۶۴، الناظم الذى نظم الأرجوزة يطعن فى ام المومنين عائشة رضى الله عنها)

''خون کے دھبوں سے خدا نے ہمارا دامن پاک رکھا ہے:

مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کو جہاں علم، تقویٰ کی دولت سے سرفراز فرمایا، وہاں افراط وتفریط سے بھی ان کا دامن بچائے رکھا، ان کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی مطلوب ہوتی تھی، اپنے جذبات کو قربان کر کے ملت کے لیے، جو کام بہتر ہوتا، اس کو کرتے تھے''۔ انتہٰی۔

کلام:

ہم نے بھی الحمد للہ وہی کام کیا، جو اُمت کے لئے بہتر سمجھا، اور وہ ہمارے نزدیک قرآن وسنت کی معتدل تعلیمات پر مبنی اور افراط وتفریط سے پاک ہے، اس سے بہتر بھلا کوئی اور کام ہوسکتا ہے۔

اگر آپ قرآن وسنت اور شرعی دلائل سے اس کا افراط وتفریط پر مبنی ہونا ثابت کر دیتے، تو پھر الگ بات تھی، لیکن جناب اس طرف تو رخ کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں، اور یہ پہلے خود لکھ آئے ہیں کہ پھر بھی جواب یہی ہو کہ دلائل ہیں؟ تو پھر آپ کسی چھپے ہوے غار سے کوئی نت نئے دلائل سامنے لائیں گے، تو ہی بات آگے بڑھے گی۔

خون خرابہ ہونے پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ غالباً 1948ء کا واقعہ ہے، جب دوقومی نظریہ کا آتش فشاں پھوٹا ہوا تھا، اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، میں نے ایک بیان دینا چاہا، بیان اپنی جگہ صحیح تھا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا تھا کہ اشتعال میں اضافہ ہو، اور کچھ خون خرابہ ہو جائے۔

حضرت مجاہدِ ملت (حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ تعالیٰ) سے تذکرہ

کیا، تو فرمایا:

''ہرگز نہیں! خون کے دھبوں سے خدا نے ہمارا دامن پاک رکھا ہے، آپ یہ دھبہ کیوں لگاتے ہیں'' (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری ایک سیاسی مطالعہ، ص ۱۲۷)

اگر مسئلہ ہٰذا کو اس تناظر میں بھی لے لیا جاتا ہے، تو پھر بھی بہت اچھا ہوتا کہ اپنے اوپر، اپنے اکابر پر کیوں طوفان اٹھانا چاہتے ہیں''۔ انتہٰی۔

کلام:

''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری ایک سیاسی مطالعہ'' ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری صاحب کی تصنیف ہے، اور یہ تصنیف ایک شخصیت کے سیاسی مطالعہ سے متعلق ہے، جبکہ ہمارے زیرِ بحث مسئلہ کا تعلق سیاسی مطالعہ سے نہیں، بلکہ شرعی و دینی مسئلہ سے ہے، جس کا ذکر قرآن وسنت اور مجتہدینِ اسلام ومحدثینِ اسلام اور مفسرینِ قرآن کی کتب میں موجود ہے، ان کا مطالعہ کرنے والا مسلمان، اس مسئلہ کا حکم مذکورہ مآخذ سے ہی معلوم کرسکتا ہے، اس کا حکم ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری صاحب کی مذکورہ تصنیف ''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری ایک سیاسی مطالعہ'' سے ہرگز معلوم نہیں کرسکتا، پھر اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے جناب کو ادھر ادھر کی غیر متعلقہ کتابوں کے مطالعہ کی کیا ضرورت تھی، جس سے جناب کے ذہن میں اس مسئلہ کے اندر انتشار وخلفشار پیدا ہوا، اور جناب کو قرآن وسنت اور جمہور امت سے بہت دور لے گیا۔

اور یہاں خون خرابہ، اور ذاتی جنگ، یا جہاد وقتال والی کوئی بات ہے ہی نہیں، بلکہ شرعی دلائل کی روشنی میں، ایک دین کا سنجیدہ، اور اہم مسئلہ زیرِ بحث ہے، البتہ اگر جناب نے اس کو خون خرابہ، اور ذاتی جنگ، یا جہاد وقتال والا مسئلہ بنا کر خون خرابہ کرنے، کرانے کی تیاری کر رکھی، یا کرا رکھی ہو، اور آپ کی فوجیں تیار ہوں، تو ہمیں اس کا علم نہیں۔

کیا قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور سلف کے موقف کو بیان ونقل کرنے والے کے خلاف

آپ خون خرابا کرنے کا ارادہ رکھتے، یا خون خرابے پر لوگوں کو اُکسانا چاہتے ہیں؟ اس کی وضاحت کی ضرورت تھی۔

اور اگر کوئی قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور سلف کے موقف کو بیان ونقل کرنے والے کے خلاف اس طرح کی حرکات کرے، تو اس میں کون فریق، حق پر، اور کون غیر حق پر کہلائے گا، اور اس کے نتیجے میں فوت ہونے والا کون سا شہید، اور کون سا ظالم وباغی کہلائے گا؟ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اور اگر جناب کو پھر بھی یہاں مذکورہ بالا غیر متعلقہ''دوقومی نظریہ'' کے حوالہ کو کارآمد بنانے کا زیادہ ہی شوق ہو، تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ نہایت اہم دوقومی نظریہ ہے، اسلام کا نظریہ ہے کہ کوئی بھی کافر نجات وجنت کا مستحق نہیں، خواہ اس کا تعلق کسی بھی عرب وعجم، اور بنو ہاشم وغیر بنی ہاشم قوم وقبیلہ سے ہو، وہ سب اس حیثیت سے ایک ہی قوم وملت ہیں، جبکہ ان کے مقابلہ میں مؤمن ہی نجات وجنت کا مستحق ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی عرب وعجم، اور بنو ہاشم وغیر بنی ہاشم قوم وقبیلہ سے ہو، وہ سب اس حیثیت سے ایک ہی قوم وملت ہیں۔

اور آپ اسی بنیاد کو نظرانداز کر کے کسی دوسرے تعلق پر بنیاد قائم کرانا چاہتے ہیں، جس میں آپ کے ساتھ، ہمارا اتحاد نہیں ہوسکتا، اور اگر آنجناب اس مسئلہ میں بھی قیامِ پاکستان کی تحریک جیسے مسئلہ کی طرح علماء کو تقسیم کر کے محاذ آرائی کے خواہاں ہوں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہرگز نہ ہوگا، کیونکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے۔

رحمتِ دوعالم ﷺ کی نسبت سے قلق اور غلو پر کلام

اس کے بعد جذبات کی موجوں اور لہروں میں لوٹ پوٹ ہو کر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''جنت میں سامنا کیسے؟:

مفتی صاحب! آپ مجھے بے ادب بھی سمجھیں گے، لیکن میں نسبتِ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجبور ہوں، اپنے اکابر علمائے دیوبند، موجودہ حالات، اور آپ کے بارے میں بھی دلی قلق ہے، اور آپ کے رفقاء کے بارے میں بھی فکر مند ہوں، ایک چنگاری خرمن کو جلانے کے لیے کافی ہوتی ہے، خدا کے لیے محفوظ راستہ اختیار کیجیے''۔انتھیٰ۔

کلام :

ہمیں اپنی بے ادبی کی فکر نہیں، اصل فکر اس شخص کو کرنے کی ضرورت ہے، جو نسبتِ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے عنوان سے ایسا موقف اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے، جس کی وجہ سے خود رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ حکم کا انکار لازم آئے، جیسا کہ آج کل ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جو مثلاً رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے، یا عالمُ الغیب، یا مختارِ کل نہ سمجھنے میں بے ادبی خیال کرتے ہیں۔

جہاں تک اکابر علمائے دیوبند کا تعلق ہے، تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری آپ کے سپرد نہیں کی گئی، ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کرنی ہے، اور اللہ ہی نے ہزاروں طوفانوں سے ان کو بچا کر رکھا ہے، اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رکھے گا، ان کو جس طرح آپ اپنے اکابر سمجھتے ہیں، ہم بھی سمجھتے ہیں، اور آپ ان سے کسی کی نسبت کو سلب کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔

اور جہاں تک آنجناب کی بندہ کے متعلق دلی قلق کا تعلق ہے، تو آپ کے اس دلی قلق کے آپ خود ذمہ دار ہیں، ایسا قلق کیوں پالا، جس کا شریعت حکم نہیں دیتی، کیا رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کا دلی قلق نہ ہوا تھا، اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیجیے کہ آپ کے دلی قلق کو، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی قلق سے کیا نسبت اور تعلق ہے، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے متعلق دلی قلق، کس وجہ سے ہوا، اور آپ کو دلی قلق، کس وجہ سے ہے؟ غور کرنے سے کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہ آئے گی،

بشرطیکہ اپنے جذبات کواللہ اوراس کے رسول کے تابع رکھیں،اورجس ذات پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کورحمتِ دوعالم ہی نہیں، رحمۃٌ للعالمین بنایا،اس کے فیصلہ کو''مِـن و عَـن'' قبول کریں،اور لیت ولعل سے کام نہ لیں،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس غلو سے بچیں،جس سے بچنے کاقرآن وسنت میں حکم ہے۔

اور ہم نے الحمدللہ جوموقف اختیارکیا،وہ کسی دنیا کی چنگاری سے اپنے خرمن کو بچانے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے آپ کوآخرت کی آگ سے بچانے کے لئے اختیارکیا، جواللہ اوراس کے رسول کی نظر میں محفوظ راستہ ہی ہے،اگرآپ اس کوغیرمحفوظ راستہ سمجھتے ہوں،تو ہمارے پاس اس کا حل نہیں۔

قاتلانِ حسین کے متعلق امام نخعی کے قول سے اجتہاد

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''حضرت امام نخعی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد پڑھا،تو آپ کے بارے میں طویل غور وفکر کرتا رہا،کاش!آپ بھی ایسا سوچ لیتے۔

حضرت امام نخعی رحمہ اللہ نے ایک موقع پرفرمایا:

''خدانخواستہ میں قاتلانِ حسین میں ہوتا،اور میری مغفرت کردی جاتی، نیز جنت میں داخل کیا جاتا،تب بھی مجھے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی'' (مجمع الزوائد،۹/۱۹۴)''۔انتہٰی۔

کلام :

امام نخعی رحمہ اللہ کے جس ارشاد کوآنجناب نے پڑھا،اور پھر بندہ کے بارے میں جناب نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کرطویل غوروفکر فرمایا،اورگہرائی میں جا کر جونتیجہ اخذ فرمایا،کاش! کہ آپ یہ جدو جہد مسئلہ ھٰذا کا نتیجہ اخذ کرنے کے لئے قرآن وسنت،اورخودامام نخعی کے قول

میں طویل غور وفکر کرنے پر صرف کر دیتے، تو اسی مسئلہ کا صحیح حل نکل آتا۔

خیر اب ایک مجتہد کا قیمتی وقت صرف ہو چکا، اس لئے اسے بھی ضائع ہونے سے بچانا ضروری ہے۔

جناب نے امام نخعی رحمہ اللہ کے جس ارشاد کو پڑھا، اور پھر بندہ کے بارے میں جناب نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر طویل غور وفکر فرمایا، وہ ارشاد درجِ ذیل ہے:

امام طبرانی نے محمد بن خالد ضبی سے روایت کیا ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَوْ كُنْتُ فِيمَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، ثُمَّ غُفِرَ لِيْ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، اسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَمُرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَنْظُرَ فِيْ وَجْهِيْ (المعجم الكبير، رقم الحديث ٢٨٢٩، ج٣ص ١١٢، باب الحاء)

ترجمہ: امام نخعی نے فرمایا کہ اگر میں ان افراد میں سے ہوتا، جنہوں نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، پھر میری مغفرت بھی ہو جاتی، پھر میں جنت میں داخل بھی کر دیا جاتا، تو بھی مجھے اس بات سے حیاء آتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزروں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے چہرے پر نظر ڈالیں (طبرانی)

علامہ ہیثمی نے مذکورہ روایت کے رجال کو ثقہ فرمایا ہے۔[1]

گویا کہ آنجناب کے طویل غور وفکر کے اجتہادِ خاص کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنجناب بندہ کو نعوذ باللہ، قاتلانِ حسین، جیسا مجرم سمجھ بیٹھے۔

جبکہ امام نخعی رحمہ اللہ نے کس پسِ منظر میں یہ بات فرمائی، اس کو تو اللہ جانے اور وہ خود جانیں، ہمیں اس پر کلام کرنا زیب نہیں دیتا۔

---

[1] رواه الطبراني، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١٤٧، باب مناقب الحسين بن علي عليهما السلام)

تاہم بندہ اس کا تصور و تحمل بھی نہیں کرسکتا کہ وہ ایسے بدبختوں میں شامل ہوتا، ایسا منظر پیش آنے سے قبل بندہ قاتلانِ حسین کے مقابلہ میں ''نواسۂ رسول، **سیدا شباب اهل الجنة**'' کا ادنیٰ چوکیدار ہونے کی حیثیت سے جان دے کر دنیا کو خیر باد کہہ دیتا، وہ لاکھ درجہ بہتر تھا۔ کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جنتیوں کا سردار ماننے والے کے لئے آپ کی قیادت وسیادت میں دخولِ جنت کا اس سے بہتر موقع کون سا ہوسکتا ہے۔

اور آنجناب نے مجمع الزوائد کے جس باب سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اسی باب میں مذکورہ روایت سے پہلے طبرانی ہی کے حوالے سے مندرجہ ذیل روایات بھی موجود ہیں:

وعن عمار الدهني قال :مر علي -رضي اللّٰه عنه -على كعب الأحبار، فقال :يقتل من ولد هذا الرجل رجل في عصابة، لا يجف عرق خيولهم حتى يردوا على محمد -صلى اللّٰه عليه وسلم -. فمر حسن، فقالوا :هذا يا أبا إسحاق؟ قال :لا .فمر حسين، فقالوا :هذا؟ قال :نعم.

رواه الطبرانی، ورجاله ثقات إلا أن عمارا لم يدرک القصة.

وعن الزبير بن بكار قال :ولد الحسين لخمس ليال خلون من شعبان، سنة أربع من الهجرة، وقتل يوم الجمعة يوم عاشوراء في المحرم سنة إحدى وستين، قتله سنان بن أبي أنس، وأجهز عليه خولي بن يزيد الأصبحي من حمير، وحز رأسه وأتى به عبيد اللّٰه بن زياد، فقال سنان :أوقر ركابي فضة وذهبا ...أنا قتلت الملك المحجبا قتلت خير الناس أما وأبا.

رواه الطبرانی، ورجاله ثقات.

وعن شهر بن حوشب قال :سمعت أم سلمة حين جاء نعي

الحسين بن على لعنت أهل العراق، وقالت :قتلوه قتلهم اللّٰه -عز وجل -غروه وذلوه ;لعنهم اللّٰه.

رواه الطبرانی، ورجاله موثقون.

وعـن أسلم المنقرى قال :دخـلت على الحجاج، فدخل سنان بن أبى أنس -قاتل الحسين -فإذا شيخ آدم فيه حناء ، طويل الأنف، في وجهه برش، فأوقف بحيال الحجاج، فنظر إليه الحجاج فقال : أنـت قتـلت الحسين؟ قال :نعم .قال :وكيف صـنـعت به؟ قال : دعمته بالرمح، وهبرته بالسيف هبرا .فقال له الحجاج :أما إنكما لن تجتمعا فى دار.

رواه الطبرانی، ورجاله ثقات.

وعن إبراهيم -يعنى النخعى -قال :لو كنت فيمن قتل الحسين، ثـم غـفـر لـى، ثم أدخلت الجنة -استـحييـت أن أمـر على النبى -صلى اللّٰه عليه وسلم -فينظر فى وجهى.

رواه الـطبـرانـى، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، كتاب المناقب،باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)

مذکورہ روایات میں سے پہلی روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جماعت کے گھوڑوں کا پسینہ اُس وقت تک خشک نہ ہونے کا ذکر ہے جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوجائیں۔

اور دوسری روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لوگوں میں سب سے بہترین والدین کے بیٹے کو شہید کرنے کا ذکر ہے۔

اور تیسری روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین پر (نام کی تعیین کے بغیر) اللہ کی

لعنت کا ذکر ہے۔

اور چوتھی روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے قاتل کے دارِ واحد میں جمع نہ ہونے کا ذکر ہے۔

اور پانچویں روایت وہی ہے جو آنجناب نے ''**مجمعُ الزوائد**'' کے مذکورہ باب کی دوسری تمام روایات کو نظر انداز کر کے اپنے نرالے اجتہاد کے لیے منتخب فرمائی ہے۔

کیا مذکورہ روایات کو ملاحظہ کرنے والا ادنیٰ مسلمان، نعوذ باللہ، قاتلانِ حسین میں شامل ہونے کا تصور کرسکتا ہے؟ جس کے آنجناب بندہ سے خواہش مند ہیں۔

پھر بھی اگر آنجناب اپنے مذکورہ بالا نرالے اجتہاد کے صواب ہونے کے بارے میں زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار ہوں، اور آنجناب اس طویل غور وفکر والے اجتہاد پر یہ امید لگائے بیٹھے ہوں کہ آخرت میں نہ صرف یہ کہ جناب کی تیز ترین بینائی کے سامنے مذکورہ بالا منظر ضرور پیش آ کر رہے گا، بلکہ اس کے ساتھ ہی، جناب کو اس عظیم اجتہاد پر دوہرے اجر وثواب کے اعزاز واکرام سے بھی نوازا جائے گا۔

تب بھی ایک مشکل یہ ہے کہ اس منظر کا نظارہ کرنے، اور مذکورہ اعزاز واکرام کو پانے کے لئے جناب کو ان تمام قرآن وسنت کی نصوص کا معقول جواب دینے کی ذمہ داری کو پورا کرنا پڑے گا، جو اس سلسلے میں بندہ کی مستدل ہیں، اور ساتھ ہی بندہ سے پہلے کے ان تمام متقدمین اہل السنۃ کے لئے بھی اسی نظارہ کا انتظار کرنا پڑے گا، جن کا اس مسئلہ میں بندہ متبع ہے۔

اسی کے ساتھ جناب جس احیائے ابوین کی حدیث کی وجہ سے صحیح احادیث ونصوص سے کنارہ کش ہیں، اس کی سند کی توثیق کو بھی ثابت کرنا پڑے گا ''**ودونہ خرط القتاد**''

اور اگر اہلِ جاہلیت کے فترۃ کے اصول پر اس مسئلہ میں ناجی ہونے کا عقیدہ رکھا، تو پھر ''**مجمع الزوائد**'' ہی کی مندرجہ ذیل احادیث وروایات کے جواب کا بھی دنیا سے

رخصت ہونے سے قبل انتظام کرنا پڑے گا:

باب فی أهل الجاهلية:

عن عبد اللّٰه بن مسعود عن النبی -صلى اللّٰه عليه وسلم -قال ": إن أول من سيب السوائب وعبد الأصنام :أبو خزاعة عمرو بن عامر، وإنی رأيته يجر أمعاء ه فی النار ."

رواه أحمد، وفيه إبراهيم الهجری، وهو ضعيف.

وعن ابن عباس قال :قال رسول ا للّٰه -صلى ا للّٰه عليه وسلم ": أول من غير دين إبراهيم عمرو بن لحی بن قمعة بن خندف أبو خزاعة ."

رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط، وفيه صالح مولى التوأمة، وضعفه بسبب اختلاطه، وابن أبی ذئب سمع منه قبل الاختلاط، وهذا من رواية ابن أبی ذئب عنه.

وعن علقمة قال :كنا جلوسا عند عائشة، فدخل أبو هريرة فقالت :أنت الذی تحدث أن امرأة عذبت فی هرة ربطتها، فلم تطعمها ولم تسقها؟ فقال :سمعته منه -يعنی النبی -صلى ا للّٰه عليه وسلم -فقالت :هل تدری ما كانت المرأة؟ إن المرأة مع ما فعلت كانت كافرة، وإن المؤمن أكرم على اللّٰه -عز وجل -من أن يعذبه فی هرة، فإذا حدثت عن رسول اللّٰه -صلى ا للّٰه عليه وسلم -فانظر كيف تحدث.

رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح.

وعن أبی رزين العقيلی عن عمه قال :قلت :يا رسول ا للّٰه، أين أمی؟ قال " :أمک فی النار ."قال :قلت :فأين من مضى من

أهلک؟ قال " :أما ترضى أن تكون أمک مع أمي.

رواه أحمد والطبراني في الكبير، ورجاله ثقات.

وعن بريدة قال :كنا مع النبي -صلى الله عليه وسلم -فنزل ونحن معه قريب من ألف راكب، فصلى ركعتين ثم أقبل علينا بوجهه وعيناه تذرفان، فقام إليه عمر بن الخطاب ففداه بالأم والأب يقول :يا رسول الله، مالک؟ قال " :إني سألت ربي -عز وجل -في الاستغفار لأمي، فلم يأذن لي، فدمعت عيناي رحمة لها من النار "

رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح ."

عن بريدة قال :كنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حتى إذا كنا بودان أو بالقبور سأل الشفاعة لأمه -أحسبه قال -: فضرب جبريل -صلى الله عليه وسلم -صدره، وقال :لا تستغفر لمن مات مشركا ."

رواه البزار، وقال :لم يروه بهذا الإسناد إلا محمد بن جابر عن سماک بن حرب .

قلت :ولم أر من ذكر محمد بن جابر هذا.

وعن ابن عباس أن النبي -صلى الله عليه وسلم -لما أقبل من غزوة تبوک واعتمر، فلما هبط من ثنية عسفان، أمر أصحابه أن يستسندوا إلى العقبة حتى أرجع إليكم، فذهب فنزل على قبر أمه، فناجى ربه طويلا، ثم إنه بكى فاشتد بكاؤه وبكى هؤلاء لبكائه، وقالوا :ما بكى نبي الله -صلى الله عليه وسلم -بهذا المكان إلا وقد حدث في أمته شيء لا يطيقه، فلما بكى هؤلاء ، قام فرجع

إليهم فقال " :ما يبكيكم؟ "قالوا :يا نبى الله، بكينا لبكائك، قلنا :لعله حدث فى أمتك شىء لا تطيقه، قال " :لا، وقد كان بعضه، ولكن نزلت على قبر، فدعوت الله أن يأذن لى فى شفاعته يوم القيامة، فأبى الله أن يأذن لى، فرحمتها وهى أمى فبكيت، ثم جاء نى جبريل عليه السلام فقال:"وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه'' فتبرأ من أمك كما تبرأ إبراهيم من أبيه، فرحمتها وهى أمى، فدعوت ربى أن يرفع عن أمتى أربعا فرفع عنهم اثنتين، وأبى أن يرفع عنهم اثنتين :دعوت ربى أن يرفع عنهم الرجم من السماء ، والغرق من الأرض، وأن لا يلبسهم شيعا، وأن لا يذيق بعضهم بأس بعض، فرفع عنهم الرجم من السماء ، والغرق من الأرض، وأبى الله أن ترفع عنهم اثنتان :القتل والهرج ."وإنما عدل إلى قبر أمه ;لأنها مدفونة تحت كذا وكذا، وكان عسفان لهم.

رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه أبو الدرداء وعبد الغفار بن المنيب عن إسحاق بن عبد الله، عن أبيه، عن عكرمة، ومن عدا عكرمة لم أعرفهم، ولم أر من ذكرهم.

وعن عمران بن الحصين أن أباه الحصين أتى النبى -صلى الله عليه وسلم -فقال :أرأيت رجلا كان يقرى الضيف ويصل الرحم مات قبلك، وهو أبوك؟ فقال :إن أبى وأباك وأنت فى النار " فمات حصين مشركا.

رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح.

وعن سعد -يعنى ابن أبى وقاص :-أن أعرابيا أتى النبى -صلى

اللّٰہ علیہ وسلم -فقال :یا رسول اللّٰہ أین أبی؟ قال " :فی النار "
قال :فأین أبوک؟ قال " :حیثما مررت بقبر کافر، فبشرہ بالنار .

رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر، وزاد :فأسلم الأعرابی، فقال :لقد کلفنی رسول اللّٰہ -صلی اللّٰہ علیہ وسلم -بعناء، ما مررت بقبر کافر إلا بشرتہ بالنار ."

ورجالہ رجال الصحیح.

وعن أبی سعید أن رسول اللّٰہ -صلی اللّٰہ علیہ وسلم -قال ":
لیأخذن رجل بید أبیہ یوم القیامۃ، فلیقطعنہ نارا، یرید أن یدخلہ الجنۃ، قال :فینادی أن الجنۃ لا یدخلہا مشرک، إن اللّٰہ قد حرم الجنۃ علی کل مشرک، قال :فیقول :أی رب، أبی .قال:
فیتحول فی صورۃ قبیحۃ وریح منتنۃ، فیترکہ "قال :وکان أصحاب رسول اللّٰہ یرون أنہ إبراہیم، ولم یزدہم رسول -صلی اللّٰہ علیہ وسلم -علی ذلک.

رواہ أبو یعلی والبزار، ورجالہما رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد، کتاب الأیمان،باب فی أہل الجاہلیۃ)

پھر ایک بڑی اور کٹھن مشکل آنجناب کو اسی مسئلہ میں اجتہاد کا واسطہ بنانے والے امام نخعی سے ان کی ہی مندرجہ ذیل روایت کی جواب دہی کی شکل میں بھی پیش آئے گی:

عن إبراہیم النخعی،أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج ہو وأصحابہ فی حجۃ الوداع إلی المقابر، فجعل یتخرق تلک القبور حتی جلس إلی قبر منہا، ثم قام وہو یبکی وقال: ہذا قبر أمی آمنۃ، وإنی استأذنت ربی أن أستغفر لہا فلم یأذن لی (تاریخ المدینۃ لابنِ شبۃ،ص ۱۱۹، قبر آمنۃ أم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

ترجمہ: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام حجۃ الوداع کے موقع پر قبرستان تشریف لے گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے درمیان سے گزر کر ایک قبر کے قریب بیٹھ گئے، پھر روتے ہوئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ یہ میری ماں آمنہ کی قبر ہے، اور میں نے اپنے رب سے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی (تاریخ المدینۃ)

حضرت امام نخعی رحمہ اللہ کے مذکورہ ارشاد کو ملاحظہ کرنے کے بعد، بندہ نے بھی آنجناب کے بارے میں غور وفکر کیا کہ کاش! آنجناب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روتے ہوئے کھڑے ہونے کی وجہ کو سوچ لیتے۔

خلاصہ یہ کہ آنجناب بندہ کو حضرت ابراہیم نخعی کی جس روایت کی بنیاد پر طویل غور وفکر والے اجتہاد کی وجہ سے، جس مقام پر پہنچانے کے خواہش مند ہیں، اس خواہش کی تکمیل کے لئے جناب کو کئی قسم کے امتحانات ومشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا، اور اس کے بغیر مذکورہ خواہش کی تکمیل کی توقع ''خیال است ومحال است وجنوں''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا، اور سوال ہونے کے ڈراوے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''آپ کی مغفرت بھی ہوجائے، جنت میں بھی چلے جائیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہوجائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرلیں:

''رضوان میاں! کعبہ بند تھا، حرم مکی سجدوں اور طواف کو ترس رہا تھا، حرم مدنی میں صلاۃ وسلام بند تھا، مسجدِ نبوی کی نمازوں، ریاض الجنۃ کی رونقوں پر پابندی عائد تھی، مساجد مقفل تھیں، میری اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی گستاخیاں ہورہی

تھیں، کیا اس وقت صرف یہی مسئلہ اتنا اہم تھا کہ میرے والدین کو کافر ثابت کرنے پر آپ نے چھ سو (۶۰۰) صفحات کی کتاب لکھ ڈالی؟؟'' ۔انتھٰی۔

کلام :

جناب نے بندہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہونے پر جس دریافت کی پیش گوئی کرنا چاہی، اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی، اور آپ کی پیش گوئی کسی پر حجت نہیں۔

اور بندہ کو یقین ہے کہ اول تو ان شاء اللہ تعالیٰ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ سوال ہرگز نہیں فرمائیں گے، کیونکہ ہم نے وہی موقف اپنایا، جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی بیان فرمایا ہوا ہے، اور ہم تک صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہے، اور بندہ اسی موقف کو اختیار کرنے کا مکلّف ہے، اسی لئے اہل السنۃ اس موقف پر مضبوطی سے قائم رہے، اور اس کو نقل فرماتے رہے، اور اس کے خلاف ضعیف اقوال کی نشان دہی بھی فرماتے رہے۔

ہم نے اسی موقف کو ثابت کرنے، اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات وشبہات کے ازالہ کے لئے تفصیلی کتاب کی ضرورت سمجھی، تو تفصیلی کتاب تحریر کردی گئی، لیکن ساری تفصیل وتشریح، اسی متن کے اردگرد دائر رہی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمایا ہوا ہے، پھر اس پر آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے۔

رہا گذشتہ عرصہ، کرونا (کووڈ 19) کی وبا، اور اس کے نتیجہ میں لاک ڈاؤن کے باعث حرمین شریفین، اور دیگر مختلف ممالک میں مساجد بند اور مقفل ہونے، اور کسی جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں ہونے کا مسئلہ، تو اس کی ذمہ داری بندہ کے سر نہیں تھوپی جاسکتی، اس کے ذمہ دار، اہلِ حل وعقد، اور وہ علماء واہلِ افتاء، یا اس کے مرتکب افراد ہیں، جنہوں نے ایسا کیا، یا انہوں نے فتاویٰ جات جاری فرمائے، ہم نے تو بحمد اللہ تعالیٰ ان حالات میں بھی شرعی وفقہی احکام سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہ لیا، اور متعلقہ مسائل وموضوعات پر رسائل تحریر کئے، یہاں تک کہ مساجد بند ہونے کی صورت

میں، گھروں اور دوسرے مقامات پر بھی فرض نماز باجماعت، اور جمعہ وعیدین کی نمازوں کے شعار کو قائم کرنے کی ممکنہ حد تک تبلیغ کا اہتمام کیا، جو اس وقت بھی ادارہ غفران کی ویب سائیٹ پر موجود ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں بعض مضامین علمی و تحقیقی رسائل جلد 16 میں شاملِ اشاعت ہیں، اور علمی و تحقیقی رسائل جلد 12 کی ترتیب، کویڈ 19 (Covid-19) کے مذکورہ حالات نمودار ہونے سے پہلے مکمل ہو چکی تھی، جس پر طبع شدہ تاریخ جناب کے پاس بھی محفوظ ہوگی، اور اس کو ملاحظہ کر کے جناب کو خود اس الزام کی حقیقت کا آخرت سے قبل دنیا میں ہی معلوم کرنا ممکن ہوگا۔

اس کے علاوہ بحمد اللہ تعالیٰ ''سابِ رسول کی سزا وتوبہ'' کے موضوع پر بھی تفصیلی کتاب تیار ہے، جبکہ ''شفاعۃ فی الآخرۃ'' سے متعلق بھی تفصیلی کتاب طبع ہو چکی ہے۔

اب ہم تو اللہ کریم ورحیم کے فضل وکرم سے اپنی ممکنہ حد تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فیض یاب ہونے کی ٹوٹی پھوٹی کوششوں میں مصروف ہیں، آنجناب کو بھی اپنے پیش کیے ہوئے اصول کے مطابق، جس کے جناب ہم سے زیادہ کے مکلّف ہیں، یہ غور فرمالینا چاہیے کہ:

> اگر آپ کی مغفرت بھی ہو جائے، جنت میں بھی چلے جائیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہو جائے، اور اللہ نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمالیں کہ:
>
> ''فلاں میاں! کعبہ بند تھا، حرم مکی سجدوں اور طواف کو ترس رہا تھا، حرم مدنی میں صلاۃ وسلام بند تھا، مسجدِ نبوی کی نمازوں، ریاض الجنۃ کی رونقوں پر پابندی عائد تھی، مساجد مقفل تھیں، میری اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی گستاخیاں ہو رہی تھیں، کیا اس وقت صرف یہی مسئلہ اتنا اہم تھا کہ میں نے اپنے والدین کے متعلق جو حکم بیان کیا تھا، اور تم تک معتبر سند کے ساتھ پہنچا تھا، اور اس کے برعکس غیر معتبر، بلکہ مخترع روایات کی تصدیق کرنے اور میری طرف ان کی نسبت کرنے سے میں

نے صاف طور پر منع بھی کر دیا تھا، اور اس پر اللہ کی طرف سے شدید عذاب سے آگاہ بھی کر دیا تھا، جس کے ضمن میں مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت کا حکم بھی تھا، اور آپ کے سامنے چھ سو (۶۰۰) صفحات پر مشتمل مفصل ومدلل کتاب بھی میاں رضوان کی تم نے بڑے شوق سے منگوالی تھی، اور اس کو ملاحظہ بھی کر لیا تھا، پھر بھی آپ نے اس کی تصدیق نہ کی، اور اس کو نظر انداز کرتے ہوئے، میری شان میں فرطِ محبت کا شکار ہو کر، اس پر بے جا شبہات واعتراضات اور الزامات عائد کرنا شروع کر دیئے اور اللہ اور میری طرف سے بیان کئے ہوئے، ایک شرعی حکم بیان کرنے والے کو بے ادب بے ادب کہنا شروع کر دیا، اور اس مسئلہ سے متعلق کوئی بھی قرآن وسنت کی معتبر دلیل پیش نہ کی اور ادھر ادھر کے قصوں اور مثالوں میں الجھے رہے، جبکہ مجھے اپنے والدین سے تعلق ونسبت تم سے زیادہ تھی، اور قرآن وسنت کی شکل میں تمہارے سامنے میری شان میں غلو، اور فرطِ محبت کی ممانعت وقباحت بھی تمہارے سامنے تھی، اور تم سے پہلے اسی بنیاد پر ہلاک ہو چکنے والوں کی خبر بھی تمہارے سامنے تھی، اور اس فرطِ محبت میں مبتلا، عیسائیوں، اور اہلِ اھواء کی شکل میں لاکھوں افراد بھی تمہارے سامنے تھے، جن کو تم بھی اسی اصول کی بناء پر غلط کہتے تھے۔

اور میں نے اپنے بزرگوں کے بارے میں احبار ورہبانوں کی طرح کا سلوک وبرتاؤ کرنے کی قباحت وشناعت بھی واضح کر دی تھی؟ ان سب باتوں کی تم نے ذرا بھی پرواہ واحساس نہ کیا؟

تو جواب میں کتنی دشواری پیش آسکتی ہے، اس کا جناب کو موجودہ فرطِ محبت اور اس کے جوش کی حالت میں اندازہ لگانا مشکل ہے۔

دشمنانِ صحابہ کے متعلق وسعتِ ظرفی کے الزام پر کلام

پھر مسئلہ کا رُخ دوسری طرف موڑتے ہوئے جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''ماہنامہ التبلیغ کا نیا کارنامہ:

ابھی ایک مسئلہ زیرِ غور تھا کہ ''ماہنامہ التبلیغ'' نے دل پر ایک اور چوٹ لگادی، بندہ اس بات کو سوچتے سوچتے تھک گیا کہ نامعلوم ہمارے حضرت مفتی صاحب کن مسائل کی تبلیغ پر شروع ہوگئے ہیں، عجب بات ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں منفی اسلوب، اور دشمنانِ دین وصحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قدر وسعت ظرفی: (جلد ۱۲ میں سارا زور اس پر صرف کیا گیا کہ ناجی ہونے کا قول روافض کا ہے)

اب انہیں بدبختوں کی وکالت کی جارہی ہے، اور ان کو مسلمان ثابت کرنے پر زور صرف ہورہا ہے''۔انتہٰی۔

کلام:

آنجناب جیسے محققین ومتخصصین کی طرف سے اہلِ تشیع کی علی الاطلاق تکفیر پر اتنا زور دیا جاتا ہے، اور اتنا سخت حکم بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی عامی مسلمان شخص غلطی سے بھی کسی شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھ لے، تو اس نمازِ جنازہ پڑھنے والے کا اپنا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس نے شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھ کر ایک کافر کے لیے استغفار کیا، اور اسے مسلمان سمجھا، اور کافر کے لیے استغفار کرنا، اور اسے مسلمان سمجھنا، اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان، دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اور اس کا نکاح بھی فاسد ہوجاتا ہے۔

خیر! آنجناب جیسے محققین ومتخصصین کے اس طرح کے فتاویٰ جات سے اتفاق واختلاف تو ایک الگ معاملہ ہے، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ آنجناب جیسے محققین ومتخصصین کسی کافر کے

مسلمان سمجھنے، اوراس کے لیے استغفار کرنے کو اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا بھی حکم صادر فرما دیتے ہیں۔

اب اگر آنجناب سے یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کفر نصوص سے ثابت ہے، اوران کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں، بعض روایات کے پیشِ نظر قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے استغفار کی ممانعت کی آیت کا شانِ نزول بھی یہی ہے۔

لیکن آنجناب مذکورہ نصوص کو نظر انداز کر کے، مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ان کے لیے استغفار بھی کیا جائے، اوران کی قبور پر جا کر فاتحہ خوانی بھی کی جائے۔

تو سوال یہ ہے کہ یہاں وہ سخت فتویٰ کہاں غائب ہو جاتا ہے، جو اسی اصول کی بناء پر پہلے مسئلہ میں آنجناب جیسے حضرات کی طرف سے جاری کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جس عقیدہ اوراس کے دلائل کی بنیاد اہلِ تشیع کے اصول پر تھی، آج اس کو اہلِ سنت کا اصول سمجھ لیا گیا ہے، اوراس عقیدہ اوراس کے متعلقہ دلائل کو اہلِ تشیع کے اصول پر متفرع ہونے کا اظہار کرنے والے کو اہلُ السنۃ کا مخالف سمجھا جاتا ہے، جبکہ وہ اس مسئلہ میں درحقیقت اہلُ السنۃ کا ترجمان ہے۔

اور دوسری طرف وہ اہلِ تشیع کی تکفیر وعدمِ تکفیر کے مسئلہ میں بھی جمہور اہلِ سنت کا ترجمان ہے، مگر اسے اس مسئلہ میں بھی اہلُ السنۃ کا ترجمان نہیں سمجھا جاتا۔

ایسی صورت میں کیا ہماری طرف ایک مسئلہ میں ''منفی اسلوب'' اوراسی نوعیت کے دوسرے مسئلہ میں ''وسعتِ ظرفی'' کا الزام عائد کرنا، درست قرار پا سکتا ہے؟

اگر کوئی منصف غور وفکر سے کام لے، تو اس الزام کا اصل مصداق آنجناب جیسے محققین ہی ٹھہرتے ہیں، لیکن وہ حسبِ عادت ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' والی روش پر برابر گامزن ہیں۔

جبکہ اس بات کا امکان بھی رَد نہیں کیا جا سکتا کہ اہلِ تشیع کی طرف سے ان کے بہت سے

عقائد اور افکار کو اہلُ السنۃ کی طرف منسوب کر کے شائع کیا جاتا ہے، جس سے بہت سے اہلُ السنۃ کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور اگر آنجناب کو اہلِ تشیع کی تکفیر سے متعلق اصل جمہور مجتہدین کی تحقیق کو ملاحظہ کرنے کا موقعہ حاصل ہو گیا، اور طبیعت میں عدل وانصاف قائم رکھا، تو انشاء اللہ تعالیٰ ''ماہنامہ التبلیغ کے نئے کارنامہ'' کے الزام کی حقیقت بھی بہت جلد فاش ہو جائے گی۔

اہلِ تشیع کے کفر پر جمہور کے اتفاق کی حیثیت پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''جن لوگوں کے کفر پر جمہور کا اتفاق تھا، ان کو مسلمان ثابت کیا جا رہا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وناموس پر کس قدر بے جگری سے قربانیاں دی گئیں، ان کو پسِ پشت ڈال کر اہلِ کفر کو اسلامی دہلیز میں شامل کرنے کی بے سود کوشش (الامان الحفیظ)''۔ انتہٰی۔

کلام:

نہ تو جناب نے جمہور کی تعریف فرمائی، اور نہ جمہور کے اتفاق کا کوئی مستند حوالہ پیش فرمایا، اور بڑی عجلت کے ساتھ بھاری بھرکم فتویٰ صادر فرما دیا، جس کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا آپ جیسے بے مایہ علمی لوگوں کے بس میں ازحد مشکل ہے۔

اگر جمہور کی صحیح تعریف ملاحظہ کرنے اور اس مسئلہ میں جمہور اہل السنہ کا اصل موقف ملاحظہ کرنے، اور ساتھ ہی تعصب سے نجات کی توفیق حاصل ہو جائے، تو یہاں بھی جناب کو جمہور کے اتفاق کا غلط پہاڑ اپڑھنے کی غلطی کا احساس ہو جائے گا، ورنہ اس غلطی کا احساس اس موقعہ پر تو ہو ہی جائے گا، جب واپسی کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

کیا جمہور اہل السنہ کی طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وناموس پر قربانیاں نہیں

دی گئیں، یا انہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرنے والے کو عاصی وگناہ گار، اہلِ اسلام میں شامل کر کے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وناموس پر دی گئی قربانیوں کو نعوذ باللہ تعالیٰ، پسِ پشت ڈال کر، اہلِ کفر کو اسلامی دہلیز میں شامل کرنے کی بے سود کوشش کی ، اور اس طرح ان قربانیوں کو اپنے ہی ہاتھوں رائے گاں کر ڈالا؟''**الامان الحفیظ**''۔

اگر تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق پر غور کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی، تو اس طرح کے توہمات وخیالات سے ان شاء اللہ تعالیٰ پردہ چاک ہونے میں دشواری پیش نہ آئے گی۔

بدکلام اور گستاخوں کے دفاع کے الزام پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے پڑوس میں بدکلامی کے واقعات اور آپ ان گستاخوں کے دفاع میں اپنے ماہنامہ ''التبلیغ'' میں مضمون رقم فرما رہے ہیں؟''۔

انتھٰی۔

کلام :

جناب کو جو بات عجیب لگ رہی ہے، اس کا بھی جمہور اہل السنۃ کے نزدیک عجیب ہونا، اس سے پہلے مسئلہ سے مختلف نہیں، ہمارے لئے عجیب بات یہ ہے کہ خواہ ابوین النبی کا مسئلہ ہو، یا تکفیرِ شیعہ کا مسئلہ، آج دونوں جگہ جمہور اہل السنۃ کے موقف پر تعجب کا اظہار کیا جانے لگا ہے، اور جمہور اہل السنۃ کے نزدیک جو موقف، قابلِ تعجب تھا، آج آپ جیسے افراط ، یا تفریط میں مبتلاء حضرات کی طرف سے، اسی کے ساتھ انسیت کا اظہار کیا جانے لگا۔

ہم نے الحمد للہ تعالیٰ دونوں جگہ جمہور اہل السنۃ کے موقف کو اپنایا، جس کی وجہ سے، اس کے مقابلہ میں جمہور اہل السنۃ کے موقف سے نامانوس، جناب جیسے حضرات کے تعجب کی بھی ہمارے نزدیک، بلکہ جمہور اہل السنۃ کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ بندہ نے اپنے ماہنامہ ”التبلیغ“ میں کس موقع پر گستاخوں کی گستاخی کے بے جا دفاع میں مضمون رقم کیا، اس کا باحوالہ ثبوت پیش کرنا چاہیے۔

کیا اگر کوئی شخص جمہور اہل السنۃ کے موقف کے مطابق سخت گناہ کا مرتکب تو ہو، اور اس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار وعاصی ہو گیا ہو، اور ہم نے جمہور اہل السنۃ کے موقف کی اتباع میں اس کو سخت گناہ گار وعاصی ہی قرار دیا ہو، لیکن اس کو صریح کافر، یا التزامِ کفر کا مرتکب قرار دینے میں اس احتیاط کو اختیار کیا ہو، جس کی نصوص کی روشنی میں فقہائے کرام نے تلقین کی ہو، اور آپ جیسے حضرات کو فقہائے کرام کے اس موقف سے اتفاق نہ ہو، تو اس صورت میں دوسرے پر اس عاصی وگستاخ کے دفاع کرنے کا الزام قائم کرنا درست قرار پا سکتا ہے؟

اگر ایسا الزام قائم کرنا درست ہو، تو پھر ان فقہائے کرام پر جناب کی طرف سے کون سا فتویٰ صادر ہوگا، جو صریح کافر، یا التزامِ کفر کا مرتکب قرار دینے میں اس احتیاط کو اختیار کرنے کی تلقین وتعلیم فرماتے رہے، اور لزومِ کفر والتزامِ کفر میں فرق بیان فرماتے رہے، اور اسی بنیاد پر سابِ صحابہ کو سخت عاصی وگناہ گار تو قرار دیتے رہے، لیکن صریح کافر، یا التزامِ کفر کا مرتکب قرار دینے سے اجتناب فرماتے رہے، کیا وہ سب بھی نعوذ باللہ تعالیٰ جناب عالی مقام کے فتویٰ مرام کے مطابق گستاخوں کا دفاع کرنے والے شمار ہوں گے؟

اگر نہیں، تو پھر ہم نے کون سے نرالے جرم کا ارتکاب کر دیا، جو ہمارے لیے نئے پیمانے تراش لیے گئے؟

”باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ“ کے حوالہ پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

”اگر آپ کے پاس حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم کا مرتب کردہ ”باقیات فتاویٰ رشیدیہ“ ہو، تو اس کے صفحہ ۱۹، اور ضمیمہ دوم صفحہ ۵۹۵ پر

شیعہ کا حکم ملاحظہ فرمالیں (کیونکہ آپ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا ہے)''۔انتھٰی۔

کلام :

ہم نے بحمداللہ تعالیٰ باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ کے مذکورہ حوالہ جات کو ملاحظہ کیا تھا۔

اسی لیے ہم نے حضرت مدنی کی تصریح کے بعد اپنے فتوے میں یہ تحریر کیا تھا کہ:

''حضرت مدنی کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت گنگوہی، نے ''انوارُ القلوب'' تحریر کرنے کے بعد روافض کی تکفیر سے احتیاط فرمائی تھی، جس سے حضرت گنگوہی کے، روافض کے بارے میں مختلف فتاویٰ میں عدمِ تکفیر کے فتوے کا، بعد کے زمانے سے متعلق ہونا راجح معلوم ہوتا ہے''۔

آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ ہم نے حضرت گنگوہی کے اس سلسلے میں دیگر فتاویٰ کی نفی ہرگز نہیں کی، بلکہ صاف طور پر اپنے اس رجحان کا اظہار کیا ہے کہ:

''حضرت مدنی کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت گنگوہی، نے ''انوارُ القلوب'' تحریر کرنے کے بعد روافض کی تکفیر سے احتیاط فرمائی تھی، جس سے حضرت گنگوہی کے، روافض کے بارے میں مختلف فتاویٰ میں عدمِ تکفیر کے فتوے کا، بعد کے زمانے سے متعلق ہونا راجح معلوم ہوتا ہے''۔

جب حضرت گنگوہی کے اس مسئلہ میں دیگر فتاویٰ کا ہونا ہمیں مسلم ہے، اور ان سے ہمیں انکار ہے ہی نہیں، تو پھر جناب کے پیش کردہ حوالہ جات سے ہماری بات میں کون سا تعارض لازم آتا ہے؟

اور اگر پھر بھی آنجناب کو حضرت گنگوہی کی ''باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ'' کے حوالہ پر اصرار ہو، تو اس کے جواب میں ہمیں بھی حق حاصل ہوگا کہ حضرت گنگوہی کے درجِ ذیل حوالہ جات پیش کریں:

''باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ'' میں ہے کہ:

اہلِ سنت و جماعت ''زن'' کو شیعہ ''مرد'' سے نکاح حرام ہے، جو ہو گیا، تو اولاد حلال ہوگی، شیعہ خاوند کے مال سے حج کرنا، اور کسی کو دینا بھی حلال ہے، کیونکہ بعضے علماء، شیعہ کو کافر نہیں کہتے، اور نکاح اس واسطے ہو جاتا ہے، اگرچہ برا ہے

(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۲۴۴، آٹھواں باب، کتاب النکاح والطلاق، جمع وترتیب: نورالحسن راشد کاندھلوی، مطبوعہ: دارالکتاب، لاہور، طبع دوم: اگست 2012ء)

''سوانحِ قاسمی'' کی دوسری جلد میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب، تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ ان کے (یعنی شیعوں کے):

''جہلا فاسق ہیں'' (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۸۶)

اور یہ بڑے پتے کی بات ہے کہ جاہل مسلمان، خواہ سنی ہو، یا شیعہ، مسلمان ہونے کی وجہ سے قرآن کو بہرحال، اللہ کی کتاب ہی مانتا ہے، اس غریب کو ان واہی تباہی قصوں سے کیا سروکار، جو شیعہ علماء کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں'' (سوانحِ قاسمی، ج ۲ ص ۶۳، بعنوان ''اہلِ تشیع کے بارے میں اصلاحی اقدامات'' شائع شدہ: دارالعلوم دیوبند ''نیشنل پرنٹنگ پریس، دیوبند'')

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ رشیدیہ میں ہی ہے کہ:

رافضی کے کفر میں اختلاف ہے، بعض علماء کافر کہتے ہیں، بعض نے اہلِ کتاب کا حکم دیا ہے، بعض نے مرتد کا، پس درصورت اہلِ کتاب ہونے کے، عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے، اور عکس اس کا ناجائز، اور بصورتِ ارتداد ہر طرح ناجائز ہوگا، اور جو اِن کو فاسق کہتے ہیں، ان کے نزدیک ہر طرح درست

ہے، مگر ترک بہر حال اولیٰ ہے۔ فقط۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (فتاویٰ رشیدیہ، مبوب بطرزِ جدید، صفحہ ۱۹۸، کتاب الایمان، ایمان اور کفر کے مسائل، مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

جو لوگ شیعہ کو کافر کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو اس کی نعش کو ویسے ہی کپڑے میں لپیٹ کر داب دینا چاہیے، اور جو لوگ فاسق کہتے ہیں، ان کے نزدیک ان کی تجہیز و تکفین حسبِ قاعدہ ہونا چاہیے، اور بندہ بھی ان کی تکفیر نہیں کرتا (فتاویٰ رشیدیہ، مبوب بطرزِ جدید، صفحہ ۱۹۸، کتاب الجنائز، ملفوظات، عنوان ''شیعہ کی تجہیز و تکفین ''سنی'' کیسے کریں'' مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہی ایک اور مقام پر ہے کہ:

جس کے نزدیک رافضی کافر ہے، وہ فتویٰ اول سے ہی بطلانِ نکاح کا دیتا ہے۔ اس میں اختیارِ زوجہ کا کیا اعتبار ہے؟ پس جب چاہے، علیٰحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے اور جو فاسق کہتے ہیں، ان کے نزدیک یہ امر ہرگز درست نہیں کہ نکاحِ اول صحیح ہو چکا ہے۔ اور بندہ اول مذہب رکھتا ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم** (فتاویٰ رشیدیہ، مبوب بطرزِ جدید، صفحہ ۴۶۶، کتاب النکاح، عنوان ''سنی عورت کا رافضی سے نکاح کرنے کا حکم'' مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

مذکورہ فتاویٰ میں اختلاف ظاہر ہے، اب حضرت مدنی کی مندرجہ ذیل شہادت کے پیشِ نظر:

فقہائے متاخرین بہت سی جزئیات پر تکفیر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں، اور اہلِ کلام کا مقالہ ہے ''**لا نکفر احدا من اھل البدعۃ ،ببدعۃ** '' اور ان کا اصول ہے کہ اگر کسی کے کلام میں سو (100) احتمالات ہیں، ننانوے (99) احتمالات، کفر کے نکلتے ہوں، اور ایک احتمال ایسا ہے، جس سے اس کا ایمان معلوم ہوتا ہے، تو اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے، اور احتمالِ ایمان کو ترجیح دینی چاہیے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز اپنے مکتوب ''انوارُ القلوب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''متقدمین اہلِ کلام کا ننانوے (99) احتمالات کو ذکر کرنا تحدیداً نہیں ہے، بلکہ تقریباً ہے، اگر ہزار احتمالات میں سے نوسوننانوے (999) احتمالات کفر کے ہوں، اور ایک احتمال ایمان کا ہو، تو اس کی بھی تکفیر نہ کرنی چاہیے، اس لیے وہ احتمالِ بلیغ عمل میں لاتے تھے''۔

میں نے خود حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جب سے میں نے مکتوب ''انوارُ القلوب'' لکھا ہے، اس وقت سے روافض کی تکفیر پر جرأت نہیں ہوتی، اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کے ایمان پر بھی تو جرأت نہیں ہوتی، تو (حضرت گنگوہی نے) فرمایا کہ نہ ہو، مگر تکفیر نہ ہونی چاہیے (فتاویٰ شیخ الاسلام، صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱، بعنوان ''تکفیر میں احتیاط لازم ہے'' جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور، اشاعتِ دوم: جولائی 2015ء)

اگر ہمارا رجحان اس طرف ہو کہ:

حضرت مدنی کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت گنگوہی، نے ''انوارُ القلوب'' تحریر کرنے کے بعد روافض کی تکفیر سے احتیاط فرمالی تھی، جس سے حضرت گنگوہی کے، روافض کے بارے میں مختلف فتاویٰ میں عدمِ تکفیر کے فتوے کا، بعد کے زمانے سے متعلق ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

اور مذکورہ مکتوب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کی طرف سے روافض کے ایمان پر جرأت نہ ہو، تو تکفیر پر بدرجۂ اولیٰ جرأت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ نصوص میں تکفیر نہ کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اور سو میں سے ننانوے، یا ہزار میں نوسوننانوے احتمالات، کفر کے، اور ایک احتمال، ایمان کا ہونے کی صورت میں تکفیر نہ کرنے کا تقاضا بھی یہی ہے، جیسا کہ خود حضرت مدنی نے مذکورہ مکتوب میں واضح فرمادیا''۔

تواس سے آنجناب کو کیا پریشانی لاحق ہے؟

اور اگر آنجناب کو کسی وجہ سے اس کے برعکس تکفیر کے فتوے کا، بعد کے زمانے سے متعلق ہونا راجح معلوم ہوتا ہو، تو یہ آپ کا رجحان ہوگا، نہ کہ ہمارا۔

پھر اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے؟

اور یہ تو صرف حضرت گنگوہی کے فتاویٰ جات وحوالہ جات کا معاملہ ہے۔

دیگر مجتہدین وفقہائے کرام کے فتاویٰ جات وحوالہ جات کا قضیہ اس سے جدا ہے، اور ایک طویل معاملہ ہے، جس سے راہِ فرار اختیار کرنے کی گنجائش بھی مشکل ہے۔

شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز وبعض دیگر علماء کے موقف پر کلام

جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''نیز آپ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بڑے مضمون شائع کرتے رہے ہیں، خود شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، نیز اس فن کے مجدد ومحقق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی فاروقی رحمہ اللہ کی کتب بھی ملاحظہ فرمالی جائیں۔

نیز حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ شہید کی ''شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم'' بھی بنظرِ عمیق پڑھ لی جاتی''۔انتہٰی۔

کلام:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اصل مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام کے حوالہ جات کو نظر انداز کرکے، صرف مندرجہ بالا چند حضرات کے نام پر کیوں اکتفاء کیا گیا؟ کیا اس مسئلہ پر سابق مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام اور بالخصوص حنفیہ نے کلام نہیں فرمایا؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے تلامذہ مثلاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی، اور

شاہ عبدالعزیز کے اس سلسلہ میں مکمل کلام کو، جمہور فقہاء ومحدثین کے موقف کے ساتھ، عدل وانصاف، یکسوئی اور گہرائی کے ساتھ ملاحظہ کرلیا جاتا، تو شاید جناب کو ان حضراتِ گرامی کا نام لکھنے کی آسانی سے ہمت نہ ہوتی، کسی کا نام لینا، اور اس کے مضامین ملاحظہ کرنا، اور پھر ان کی تحقیق کرنا، الگ الگ چیزیں ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب جناب نے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہما اللہ کا نام چھیڑ ہی دیا، تو پھر بندہ کو جواباً یہ واضح کرنے میں کوئی حجاب نہیں کہ بندہ نے الحمدللہ تعالیٰ مذکورہ بزرگواروں کی کتب کو ملاحظہ کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس مسئلہ کے متعلق مذکورہ بزرگواروں کے مقابلے میں جمہور فقہاء ومجتہدین کا موقف ہی راجح معلوم ہوا۔

اور یہ ضروری نہیں کہ جن صاحب کو کسی مسئلہ میں جناب مجدد ومحقق قرار دیں، وہ اس مسئلہ میں دوسروں کے نزدیک بھی مجدد ہوں، یا محقق تسلیم کرنے کے باوجود ان کی ہر تحقیق سے دوسرے متفق ہوں، ممکن ہے کہ دوسرے اس مسئلہ میں کسی دوسرے کو مجدد سمجھتے ہوں، یا دوسروں کی تحقیق کو راجح سمجھتے ہوں، جیسا کہ بہت سے دیگر مسائل میں بھی، یہ صورتِ حال پیش آجایا کرتی ہے، تو اس صورتِ حال میں اگر جناب کو دوسرے سے اختلاف ہوسکتا ہے، تو دوسرے کو بھی جناب سے اختلاف ہوسکتا ہے، بالخصوص جبکہ دوسرے کا اختلاف، جمہور فقہاء ومجتہدین کے موقف کی بنیاد پر ہو۔

ایسی حالت میں دوسرے کو اپنی رائے پر اصرار کرنے، یا بے جا الزامات قائم کرنے کا کیا مطلب؟

اسی لئے پہلے ہم نے نہایت احتیاط اور نرمی کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کردیا تھا، اور دوسرے موقف پر کلام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی، لیکن اب جناب نے جس طرح اس موقف پر ردِعمل کا اظہار فرمایا، اور دوسرے کو اپنے موقف کی طرف کھینچنے کی کوشش کی، تو پھر دوسرے کو

بھی اپنی حسبِ قدرت اس موقف کے دفاع کرنے کا حق حاصل ہے، جس کو وہ دلائل کی رو سے راجح سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ اس موقف پر وارد کیے جانے والے شبہات واعتراضات پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ چونکہ دینی اور شرعی ہے، اس لیے، اس میں تحقیق کی ذمہ داری کو پورا کرنا، اور دینی وشرعی اختلاف کی حدود کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، جس کی رعایت آج کل بہت سے علماء میں بھی کم ہی رہ گئی ہے۔

جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفیٰ: 1176ھ) کا تعلق ہے، تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجةُ اللّٰه البالغة'' میں ''روافض'' اور ''معتزلہ'' وغیرہ کو ''أهلُ الأهواء'' اور ''طوائفُ المبتدعين'' فرمایا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

والطبقة الرابعة .كتب قصد مصنفوها بعد قرون متطاولة جمع ما لم يوجد فى الطبقتين الأوليين وكانت فى المجاميع والمسانيد المختفية فنوهوا بأمرها، وكانت على ألسنة من لم يكتب حديثه المحدثون ككثير من الوعاظ المتشدقين وأهل الأهواء والضعفاء ، أو كانت من آثار الصحابة والتابعين، أو من أخبار بنى إسرائيل، أو من كلام الحكماء والوعاظ خلطها الرواة بحديث النبى صلى الله عليه وسلم سهوا أو عمدا، أو كانت من محتملات القرآن والحديث الصحيح، فرواها بالمعنى قوم صالحون لا يعرفون غوامض الرواية، فجعلوا المعانى أحاديث مرفوعة، أو كانت معانى مفهومة من إشارات الكتاب والسنة جعلوها أحاديث مستبدة برأسها عمدا، أو كانت جملا شتى فى أحاديث مختلفة جعلوها حديثا واحدا بنسق واحد، ومظنة هذه الأحاديث كتاب الضعفاء لابن حبان وكامل ابن عدى، وكتب الخطيب وأبى نعيم والجوزقانى وابن عساكر وابن النجار والديلمى، وكاد مسند الخوارزمى يكون من هذه الطبقة، وأصلح هذه الطبقة ما كان ضعيفا محتملا وأسوؤها ما كان موضوعا أو مقلوبا شديد النكارة .وهذه الطبقة مادة كتاب الموضوعات لابن الجوزى............فالاشتغال بجمعها أو الاستنباط منها نوع تعمق من المتأخرين .وإن شئت الحق فطوائف المبتدعين من الرافضة والمعتزلة وغيرهم يتمكنون بأدنى عناية أن يلخصوا منها شواهد مذاهبهم، فالانتصار بها غير صحيح فى معارك العلماء بالحديث، والله أعلم(حجة الله البالغة، ج ا ص ۲۳۳، ۲۳۴، المبحث السابع مبحث استنباط الشرائع من حديث النبى صلى الله عليه وسلم،باب طبقات كتب الحديث)

اورحضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُالجید'' میں ''امامیہ'' اور ''زیدیہ'' کو اہلِ بدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ولیس مذهب فی هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة اللهم لا مذهب الإمامية والزيدية وهم أهل البدعة (عقد الجید فی أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۱۳، المقدمة)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُالجید'' ہی میں ایک مقام پر ''خوارج'' اور ''شیعہ'' کو اہلِ بدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ومن لا تقبل شهادته من المبتدعة لا يصح تقليده القضاء وكذا تقليد من لا يقول بالإجماع كالخوارج أو بأخبار الآحاد كالقدرية أو بالقياس كالشيعة (عقد الجید فی أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۳۴، فصل فی العامی)

اب جناب کی ذمہ داری ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی مذکورہ تصریحات کے مقابلہ میں جمہور اہلُ السنۃ اور شاہ صاحب سے ''اہلِ بدعت واہلِ اھواء'' کا کافر ہونا، اور پھر اس کے نتیجہ میں ''اہل اھواء'' کے تمام بہتر (72) فرقوں کا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ثابت فرمادیں۔ [1]

[1] (الأهواء) : جمع هوى وهو ميل النفس إلى ما تشتهيه، والمراد هنا البدعة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ۱، ص ۲٦۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

و "البدعة "التی يعد بها الرجل من أهل الأهواء ما اشتهر عند أهل العلم بالسنة مخالفتها للكتاب والسنة؛ كبدعة الخوارج والروافض والقدرية والمرجئة(مجموع الفتاوى لابنِ تيمية، ج۳۵، ص ۴۱۴، باب الشهادات ، سئل عن الشهادة على العاصی والمبتدع، أتجوز بالاستفاضة والشهرة)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگر دِرشید قاضی ثناء اللہ پانی پتی خاص اہلِ تشیع سے متعلق اپنی تالیف ''السیف المسلول'' میں فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا آیات کے عموم میں کفار کے ساتھ ساتھ، وہ گروہ بھی آ جاتے ہیں، جن کے عقائد ان کے مشابہ ہیں، خوارج وروافض وغیرہ وغیرہ، یا یوں کہیں کہ روافض وخوراج کو قیاس کر کے (سورہ ھود کی) اس آیت:

"لا تتولوا قوما غضب الله عليهم"

کے حکم میں داخل کیا جائے گا، لہٰذا جو کام محبت کی زیادتی کا باعث بنتے ہیں، مثلاً سلام کہنا، ہدیے بھیجنا، ان کے ساتھ ہم نشینی کرنا، ان کے بیمار کی عیادت کرنا، وغیرہ، جائز نہیں ہیں، اوران کی اقتداء میں نماز پڑھنا، اوران کا جنازہ پڑھنا مکروہ ہے (السیف المسلول، ص۵۱۴، ساتواں مقالہ ''بعض اہم مسائل کی تحقیق'' بعنوان'' مبتدعین کے ساتھ دوستی حرام ہے''، ترجمہ: مولانا محمد رفیق اثری، ناشر: فاروقی کتب خانہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: 1979ء)

مذکورہ عبارت میں صاف طور پر، خوارج وروافض کو کفار نہیں کہا گیا، یہاں تک کہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو بھی صرف مکروہ بتلایا گیا ہے۔

اور مذکورہ تالیف میں ہی آگے موصوف مذکور فرماتے ہیں کہ:

اسی طرح رافضیہ، خارجیہ، عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے (ایضاً ص۵۱۵)

مذکورہ عبارت میں بھی خوارج وروافض کو ایک درجہ میں رکھ کر مذکورہ حکم ہی بیان کیا گیا ہے۔

نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ''تفسیرِ مظہری'' میں تکذیبِ تاویلی کو ''ھویٰ وبدعت'' کا نام دیا ہے، اوراس کی مثال میں روافض اور خوارج وغیرہ کے اقوال کا ذکر فرمایا ہے۔ [1]

لہٰذا عام کفار کی ''غیر تاویلی تکذیب'' اوراہلِ اھواء کی ''تاویلی تکذیب'' میں جو فرق ہے، وہ

---

[1] قلت والكبائر على ثلاثة مراتب، المرتبة الاولى وهى اكبر الكبائر الإشراک بالله ويلتحق به كل ما فيه تكذيب بما جاء به النبى صلى الله عليه وسلم وثبت بدليل قطعى اما تكذيبا صريحا، بلا تأويل ويسمى كفرا او بتأويل ويسمى هوى وبدعة كاقوال الروافض والخوارج والقدرية والمجسمة وأمثالهم(التفسير المظهرى،القسم الثانى من الجزء الثانى،ص ۹۰،سورة النساء ،تحت رقم الآية ۳۱)

اہلِ اھواء کی تکفیر کے لیے مانع ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب کی ''مالا بدمنہ'' کے آخر میں ''کلماتِ کفر'' کے ذیل میں ہے:

جن کے عقیدے اہلِ سنت والجماعت کے برخلاف ہیں، مثل روافض اور خوارج اور معتزلہ، اور غیر اِن کے جو فرقۂ باطلہ ہیں کہ دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں، ان کے کفر میں اختلاف ہے۔

''منتقی'' میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہتا ہوں میں (مالا بدمنہ، ص۱۰۹، باب کلمات الکفر، اردو ترجمہ: مولانا محمد نور الدین، ناشر: ایچ ایم سعید، کراچی)

ظاہر ہے کہ اس اختلاف سے، امام ابوحنیفہ، اور جمہور کے مقابلہ میں بعض اہلُ الحدیث کا اختلاف ہی مراد ہے، جس کی دلیل اہلُ السنۃ والجماعۃ کے برخلاف ''روافض، خوارج، معتزلہ'' وغیرہ، جیسے فرقِ باطلہ کا ذکر کرنا ہے۔

جہاں تک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا تعلق ہے، تو شیعہ وخوارج سب کے ہی متعلق ان کے بعض فتاویٰ وعبارات میں کفر کا حکم مذکور ہے، اور بعض میں اختلاف اور بعض میں عدمِ کفر، اور بعض میں دنیاوی واخروی احکام کے اعتبار سے فرق کا حکم مذکور ہے، اور کفر میں اختلاف کی صورت میں عدمِ کفر کو ترجیح حاصل ہونے پر فقہائے کرام کی تصریحات موجود ہیں، لیکن آنجناب کی طرف سے یہاں ایک ہی رخ پیش کیا گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ ''تحفۂ اثناء عشریہ'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''زیدیہ وروافض'' جو خود کو ''امامیہ'' کہتے ہیں، ان کی تکفیر میں اختلاف ہے''

(تحفۂ اثناء عشریہ، ص۴۰، باب ا ''شیعہ مذہب کی ابتداء، اور ان کا فرقوں میں بٹنا'' ترجمہ: مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری، ناشر: دارالاشاعت، کراچی، اشاعتِ اول)

اس عبارت میں صاف طور پر ''زیدیہ وروافض'' کی تکفیر میں اختلاف کا حکم مذکور ہے، اور ہمارے نزدیک اس اختلاف سے مراد جمہور کا غیر جمہور سے اختلاف ہے، جس میں ہم جمہور

کے قول کو راجح سمجھتے ہیں، اور تکفیر وعدمِ تکفیر کی صورت میں عدمِ تکفیر کو ترجیح دیتے ہیں۔
تو شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ ''تحفۂ اثناء عشریہ'' کے آخری باب میں خوارج کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

بغض وعداوت اور عناد کے جذبہ سے، جس نے آپ (یعنی علی رضی اللہ عنہ) سے لڑائی لڑی، وہ اہلِ سنت کے نزدیک بھی کافر ہیں، اس پر سب کا اجماع ہے، اور خوارج اور اہلِ نہروان کے بارے میں ان کی یہی رائے اور مسلک ہے، اور حدیث ''حربک حربی'' اسی قسم کے ''حرب'' پر محمول ہے، لیکن یہاں بھی ''لزومِ کفر'' ہے، ''التزامِ کفر'' نہیں، تو ان پر مرتد کا اطلاق نہیں ہوگا۔
اور ان کا غیر معقول شبہ، نصوصِ قطعیہ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ کے خلاف ہے، تو وہ ان کے عذر کا سبب نہیں بن سکتا، گویا اہلِ سنت کے نزدیک احکامِ اخروی میں خوارج کافر ہیں، ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت نہیں کرنی چاہیے، نہ نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔............

خلاصۂ کلام یہ کہ اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کافر کہنے والا، آپ کے جنتی ہونے سے انکاری، یا دینی اوصاف، علم، عدالت، زہد، تقویٰ کے اعتبار سے آپ کو خلافت کے لیے نااہل کہنے والا، اور آپ کی لیاقت کا منکر، کافر ہے، یہ بات خوارجِ نہروان کے متعلق، قطعی ثبوت کی حد تک پہنچنے کے سبب، ان کو کافر کہتے ہیں، اور جن کے بارے میں پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی، ان کو کافر نہیں کہتے۔

اہلِ سنت کے مذہب کی یہ وضاحت وتحقیق، ان کے اصول طے شدہ کے بھی مطابق ہے، کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ ضروریاتِ دین سے انکار کرنے والا کافر ہے، اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا ایمانی درجہ میں بلند ہونا، آپ کا جنتی ہونا، اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے لائق ہونا، نہ صرف احادیث سے، بلکہ آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہے، لہٰذا ان کا منکر کافر ہوگا، اور کم ظرفی، حبِ مال وجاہ، تاویلِ باطل، غلط فہمی، یا کسی کے بھڑکانے اور بہکانے کی وجہ سے، آپ سے لڑائی کفر نہیں، فسقِ عملی، یا اعتقادی ہے (تحفۂ اثناء عشریہ، ص ۷۴۸، ۷۴۹، باب ۱۲ ''تولّا اور تبرّا'' بعنوان ''مقدمہ نمبر ۶'' ترجمہ: مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری، ناشر: دارالاشاعت، کراچی، اشاعتِ اول)

مذکورہ عبارت میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے خوارج واہلِ نہروان کو دنیوی احکام کے بجائے احکامِ اخروی کے اعتبار سے کافر قرار دیا ہے، اور ان کے اس کفر کو ''لزومی'' قرار دیا ہے ''التزامی'' قرار نہیں دیا، جس پر ''علی العین کفر کا حکم'' لگتا ہے۔

اور اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے خوارج کی علی الاطلاق تکفیر نہیں کی، اور اخروی ودنیوی احکام میں فرق بیان کر دیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں مزید توضیح کرتے ہوئے روافض کے متعلق بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے، اور احکامِ دنیوی کے متعلق مزید تصریح فرمائی ہے، اور ان کے مسلمان ہونے، اور ان سے نکاح وتوارث کے جائز ہونے میں اختلافِ علماء کا اعتراف بھی فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ''فتاویٰ عزیزی'' میں ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی مذکورہ عبارت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

اب اس پر فتویٰ ہے اور اسی کو ترجیح ہے کہ یہ شیعہ بھی خوارج کے مانند احکامِ اخروی میں کافر ہیں۔

اور تحفۂ اثنا عشریہ کی عبارت کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ خوارج بالاتفاق احکامِ اخروی میں کافر ہیں۔

اور دنیوی احکام میں یہ احتمال ہے کہ خوارج بعض علمائے کرام کے نزدیک مسلمان

ہیں، حتیٰ کہ خوارج اور اہلِ حق میں باہم نکاح جائز ہے، ان میں ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے وارث ہو سکتے ہیں، ایسا ہی شیعہ کے بارے میں احکامِ اخروی میں اختلاف نہیں، صرف احکامِ دنیوی میں اختلاف ہے، تو فی الواقع شیعہ اور خوارج میں کچھ فرق نہیں (فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۱۰، بابُ العقائد، بعنوان: خوارج اور شیعہ میں مساوات کا وہم اور اس کا ازالہ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، طبعِ جدید: ۱۴۱۲ ہجری)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی مذکورہ بالا عبارات میں پہلی بات تو یہ ہے کہ خوارج اور اہلِ نہروان کے بارے میں اہلُ السنۃ کا مذہب، کافر ہونے کا بیان کیا گیا ہے، اور اس پر اُن کے اجماع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیعوں کا بھی یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ خوارج اور شیعوں جو کافر قرار دیا گیا، وہ احکامِ اخروی کے اعتبار سے قرار دیا گیا، اور اس اعتبار سے خوارج وروافض کا حکم یکساں بیان کیا گیا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ خوارج وشیعہ سے نکاح وتوارث جائز ہونے میں اختلاف کو تسلیم کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ خوارج وشیعہ دنیوی احکام میں بعض علمائے کرام کے نزدیک مسلمان ہیں، حتیٰ کہ خوارج اور اہلِ حق میں باہم نکاح جائز ہے، ان میں ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے وارث ہو سکتے ہیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ خوارج وشیعہ کے کفر کے قول کو ''لزومی کفر'' قرار دیا گیا ہے، ''التزامی کفر'' قرار نہیں دیا گیا، اور اسی پر ''علی العین کفر کا حکم'' لگتا ہے، بعض اوقات کوئی قول، کفر ہوتا ہے، اور اس کی تعیین کے بغیر قائل کو کافر کہا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود، اس قول کے متعین قائل پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

پس اس تفصیل کو نظر انداز کر کے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف روافض کے علی الاطلاق تکفیر کے قول کی نسبت کرنا، اور علی الاطلاق عدمِ تکفیر کی تغلیط اور اس کو بے اصل قرار

دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ [1]

اورسب سے اہم بات یہ ہے کہ خوارج واہلِ نہروان کو کافر قرار دینے، اوراس کی نسبت اہل

---

[1] ونصوص الأئمة بالتكفير والتفسيق ونحو ذلك لا يستلزم ثبوت موجبها فى حق المعين إلا إذا وجدت الشروط وانتفت الموانع(مجموع الفتاوى،ج١٠،ص٣٧٢، كتاب علم السلوك،ما سمى بدعة وثبت حسنة شرعا)

وسبب هذا التنازع تعارض الأدلة فإنهم يرون أدلة توجب إلحاق أحكام الكفر بهم.

ثم إنهم يرون من الأعيان الذين قالوا تلك المقالات من قام به من الإيمان ما يمتنع أن يكون كافرا .

فيتعارض عندهم الدليلان وحقيقة الأمر أنهم أصابهم فى ألفاظ العموم فى كلام الأئمة ما أصاب الأولين فى ألفاظ العموم فى نصوص الشارع كلما رأوهم قالوا :من قال كذا فهو كافر اعتقد المستمع أن هذا اللفظ شامل لكل من قاله ولم يتدبروا أن التكفير له شروط وموانع قد تنتفى فى حق المعين وأن تكفير المطلق لا يستلزم تكفير المعين إلا إذا وجدت الشروط وانتفت الموانع يبين هذا أن الإمام أحمد وعامة الأئمة :الذين أطلقوا هذه العمومات لم يكفروا أكثر من تكلم بهذا الكلام بعينه (مجموع الفتاوى،ج١٢،ص٤٨٧، ٤٨٨،كتاب القرآن كلام الله حقيقة،فصل فى تكفير أهل البدع والأهواء بناء على ما قاولوه، عدم تكفير من يفضلون عليا)

الأصل الثانى "أن التكفير العام -كالوعيد العام -يجب القول بإطلاقه وعمومه .وأما الحكم على المعين بأنه كافر أو مشهود له بالنار :فهذا يقف على الدليل المعين فإن الحكم يقف على ثبوت شروطه وانتفاء موانعه(مجموع الفتاوى،ج١٢،ص٤٩٨ ،كتاب القرآن كلام الله حقيقة،فصل فى تكفير أهل البدع والأهواء)

وأما تكفيرهم وتخليدهم :ففيه أيضا للعلماء قولان مشهوران :وهما روايتان عن أحمد .والقولان فى الخوارج والمارقين من الحرورية والرافضة ونحوهم .والصحيح أن هذه الأقوال التى يقولونها التى يعلم أنها مخالفة لما جاء به الرسول كفر وكذلك أفعالهم التى هى من جنس أفعال الكفار بالمسلمين هى كفر أيضا .وقد ذكرت دلائل ذلك فى غير هذا الموضع؛ لكن تكفير الواحد المعين منهم والحكم بتخليده فى النار موقوف على ثبوت شروط التكفير وانتفاء موانعه .فإنا نطلق القول بنصوص الوعد والوعيد والتكفير والتفسيق ولا نحكم للمعين بدخوله فى ذلك العام حتى يقوم فيه المقتضى الذى لا معارض له (مجموع الفتاوى،ج ٢٨،ص٥٠٠، ٥٠١،كتاب السياسة الشرعية، يل يكفرون ويخلدون فى النار؟)

تكفير المطلق لا يستلزم تكفير المعين(مجموع الفتاوى،ج٣٥،ص٩٩،كتاب قتال أهل البغى،باب حكم المرتد)

فهذه المقالات هى كفر لكن ثبوت التكفير فى حق الشخص المعين موقوف على قيام الحجة التى يكفر تاركها وإن أطلق القول بتكفير من يقول ذلك فهو مثل إطلاق القول بنصوص الوعيد مع أن ثبوت حكم الوعيد فى حق الشخص المعين موقوف على ثبوت شروطه وانتفاء موانعه ولهذا أطلق الأئمة القول بالتكفير مع أنهم لم يحكموا فى عين كل قائل بحكم الكفار(بغية المرتاد فى الرد على المتفلسفة والقرامطة والباطنية، ص٣٥٣، ٣٥٤، السلف فهموا حقيقة قول الجهمية)

السنۃ کی طرف کرنے، اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنے، اور اس کے نتیجہ میں ان کی نمازِ جنازہ کے ناجائز ہونے، اور اسی طرح ان کے لیے استغفار کے ممنوع ہونے کا قول، جمہور فقہاء ومحدثین کے مقابلہ میں صرف بعض اہلُ الحدیث حضرات کا ہے، جو کہ جمہور کے نزدیک مرجوح ہے۔

جمہور کے نزدیک ''خوارج واہلِ نہروان'' دائرۂ اسلام سے خارج نہیں، اُن پر اسلام کے احکام جاری ہوتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جمہور نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ [1]

اسی کے ساتھ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا مذکورہ بالا موقف ان اہلُ الحدیث حضرات کے بھی موافق نہیں، جو خوارج کو، احکامِ اخروی، ودنیوی میں مذکورہ فرق کئے بغیر کافر قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا اس تقسیم وتفریق کا محدثینِ عظام وفقہائے کرام سے حوالہ پیش کرنا ضروری ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ نے روافض سے متعلق اپنی معرکۃُ الآراء تالیف ''منھاجُ السنۃ'' میں اہلِ بدعت اور خوارج وروافض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وإذا لم يكونوا فى نفس الأمر كفارا لم يكونوا منافقين، فيكونون من المؤمنين، فيستغفر لهم ويترحم عليهم .وإذا قال المؤمن: "ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان"يقصد كل من

---

[1] وذهب أكثر أهل الأصول من أهل السنة إلى أن الخوارج فساق وأن حكم الإسلام يجرى عليهم لتلفظهم بالشهادتين ومواظبتهم على أركان الإسلام وإنما فسقوا بتكفيرهم المسلمين مستندين إلى تأويل فاسد وجرهم ذلك إلى استباحة دماء مخالفيهم وأموالهم والشهادة عليهم بالكفر والشرك وقال الخطابى أجمع علماء المسلمين على أن الخوارج مع ضلالتهم فرقة من فرق المسلمين وأجازوا مناكحتهم وأكل ذبائحهم وأنهم لا يكفرون ما داموا متمسكين بأصل الإسلام(فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۲ ص ۳۰۰، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم،قوله باب من ترك قتال الخوارج للتأليف ولئلا ينفر الناس عنه)

سبقـه مـن قرون الأمة بالإيمان، وإن كان قد أخطأ فى تأويل تأوله فخالف السنة.

أو أذنـب ذنبـا، فـإنـه من إخوانه الذين سبقوه بالإيمان، فيدخل فى الـعـمـوم، وإن كـان من الثنتين والسبعين فرقة، فإنه ما من فرقة إلا وفيهـا خـلـق كثيـر ليسـوا كـفـارا، بـل مؤمنين فيهم ضلال وذنب يستحقون به الوعيد، كما يستحقه عصاة المؤمنين.

والـنبى -صـلـى الله عـليه وسلم -لـم يـخـرجهم من الإسلام، بل جـعـلهـم من أمته، ولم يقل :إنهـم يـخـلـدون فى النار .فهذا أصل عـظيـم ينبغى مراعاته ;فـإن كثيـرا من المنتسبين إلى السنة فيهم بـدعة، مـن جنس بدع الرافضة والخوارج .وأصـحاب الرسول -صـلـى الله عـليه وسلم -عـلـى بـن أبـى طـالـب وغيره لم يكفروا الـخـوارج الـذيـن قـاتـلـوهـم، بـل أول مـا خرجوا عليـه وتـحيزوا بـحـروراء ، وخـرجوا عن الطاعة والجماعة، قال لهم على بن أبى طـالب رضى الله عنه :إن لـكـم عـلينا أن لا نمنعكم مساجدنا ولا حقكم من الفىء .ثـم أرسل إليهم ابن عباس فناظرهم فرجع نحو نـصـفهم، ثم قاتل الباقى وغلبهم، ومع هذا لم يسب لهم ذرية، ولا غـنـم لهـم مـالا، ولا سـار فيهـم سيـرـة الـصـحـابة فى المرتدين، كـمسيـلـمة الـكذاب وأمثاله، بل كانت سيرة على والصحابة فى الـخـوارج مـخـالفة لسيرة الصحابة فى أهل الردة، ولم ينكر أحد عـلـى عـلـى ذٰلک، فـعـلـم اتـفـاق الـصـحابة على أنهم لم يكونوا مرتدين عن دين الإسلام (منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،لا

بن تیمیة، ج۵، ص ۲۴۰، ۲۴۱، الفصل العاشر، فصل الله أمر بالاستغفار لأصحاب محمد فسبهم الرافضة)

ترجمہ: اور جب یہ اہلِ بدعت حقیقت میں کافر نہیں ہیں، تو یہ منافق بھی نہیں ہوں گے، بلکہ مومنین میں شمار ہوں گے، جن کے لیے استغفار بھی کیا جائے گا، اور ان کے لیے رحم کی دعاء بھی کی جائے گی، اور جب مومن یہ دعاء کرتا ہے کہ:

''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ''

تو وہ ہر زمانہ میں گزرے ہوئے مومن امتی کا ارادہ کرتا ہے، اگر چہ اس مومن نے کسی تاویل میں خطاء کی ہو، اور سنت کی مخالفت کی ہو، یا کوئی گناہ کیا ہو، کیونکہ وہ سب لوگ اس کے ان بھائیوں میں شامل ہوتے ہیں، جو ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں، اس لیے وہ اس عموم میں داخل ہوتے ہیں، اگر چہ وہ (غیر ناجی) بہتَّر (72) فرقوں سے تعلق رکھتے ہوں، اس لیے کہ ان فرقوں میں سے کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہے، جس میں خلقِ کثیر نہ ہو، اور وہ (بہتّر فرقے) کفار نہیں ہیں، بلکہ مومن ہیں، جن میں گمراہ لوگ بھی ہیں، اور گناہ گار بھی ہیں، جو اسی طرح کی وعید کے مستحق ہیں، جس طرح کی وعید کے گناہ گار مومنین مستحق ہوتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام سے خارج قرار نہیں دیا، بلکہ ان کو اپنے امتیوں میں شمار کیا، اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، پس یہ شریعت کا بہت بڑا قاعدہ ہے، جس کی رعایت ضروری ہے، کیونکہ بہت سے سنت کی طرف نسبت کرنے والے لوگوں میں ایسی بدعت کا وجود پایا جاتا ہے، جو کہ رافضیہ اور خوارج کی بدعت کی جنس سے تعلق رکھتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام، مثلاً حضرت علی بن ابی طالب اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان خوارج کو کافر قرار نہیں دیا، جنہوں نے ان سے قتال کیا، بلکہ شروع میں جن لوگوں

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ (جن کا شمار خلفائے راشدین، اور عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے) کے خلاف خروج کیا، اور حروراء میں قبضہ کیا اور وہ (خلیفۂ راشد کی) اطاعت اور جماعت سے خارج ہو گئے، تو ان کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم تمہیں اپنی مساجد سے منع نہ کریں، اور تمہارے مالِ فی ء کے حق سے منع نہ کریں، پھر ان کی طرف ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جنہوں نے ان سے مناظرہ کیا، جس کی بناء پر ان کے آدھے کے قریب لوگوں نے رجوع کرلیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی لوگوں سے قتال کیا، اور ان پر غلبہ حاصل کیا، لیکن اس کے باوجود ان کی اولاد کو قید نہیں کیا، اور نہ ان کے مال کو مالِ غنیمت بنایا، اور نہ ہی ان کے متعلق صحابہ کے اس طریقہ کو اختیار کیا، جو طریقہ صحابۂ کرام نے مرتدین کے بارے میں اختیار کیا، جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور ان کے مثل، بلکہ حضرت علی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ خوارج کے متعلق، صحابۂ کرام کے اس طریقہ کے خلاف ہے، جو انہوں نے مرتدین کے بارے میں اختیار کیا تھا، اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، جس سے صحابۂ کرام کا اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ وہ (خوارج) دینِ اسلام سے مرتد نہیں تھے

(منهاجُ السنة)

اس کے بعد کچھ آگے چل کر علامہ ابنِ تیمیہ نے ''منهاجُ السنة'' میں ہی فرمایا کہ:

ومما يدل على أن الصحابة لم يكفروا الخوارج أنهم كانوا يصلون خلفهم، وكان عبد الله بن عمر رضى الله عنه وغيره من الصحابة يصلون خلف نجدة الحرورى، وكانوا أيضا يحدثونهم ويفتونهم ويخاطبونهم، كما يخاطب المسلم المسلم، كما كان عبد الله بن عباس يجيب نجدة الحرورى لما أرسل إليه يسأله عن مسائل، وحديثه فى البخارى .

وكـمـا أجـاب نـافع بن الأزرق عن مسائل مشهورة ، وكـان نافع يناظره فى أشياء بالقرآن، كما يتناظر المسلمان.

ومـا زالـت سيرة المسلمين علىٰ هٰذا، ما جعلوهم مرتدين كالذين قـاتـلهم الصديق رضى الله عنه .هـذا مع أمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بقتالهم فى الأحاديث الصحيحة، وما روى من أنهم "شـر قتلـى تـحـت أديـم السـمـاء ، خير قتيل مـن قتـلوه "فى الحديث الذى رواه أبو أمامة، رواه الترمذى وغيره . أى أنهم شر عـلـى الـمسـلـمـيـن مـن غيـرهـم، فـإنهـم لـم يكن أحد شرا على المسلمين منهم :لا اليهود ولا النصارىٰ ;فإنهم كانوا مجتهدين فـى قتـل كـل مسـلـم لـم يـوافـقهـم، مستـحلين لدماء المسلمين وأمـوالهـم وقتـل أولادهـم، مكفرين لهم، وكانوا متدينين بذلك لعظم جهلهم وبدعتهم المضلة.

ومـع هـذا فـالـصـحـابة رضـى الله عنهم والتابعون لهم بإحسان لم يكفروهم، ولا جعلوهم مرتدين، ولا اعتدوا عليهم بقول ولا فعل، بل اتقوا الله فيهم، وساروا فيهم السيرة العادلة.

وهكذا سائر فرق أهل البدع والأهواء من الشيعة والمعتزلة ، وغيرهم. فمن كفر الثنتين والسبعين فرقة. كلهم فقد خالف الكتاب والسنة وإجـمـاع الـصـحابة والتابعين لهم بإحسان، مع أن حديث الثنتين والسبـعيـن فـرقة ليس فى الصحيحين، وقد ضعفه ابن حزم وغيره لـكـن حسـنـه غيره أو صححه، كما صححه الحاكم وغيره، وقد رواه أهل السنن، وروى من طرق .

وليس قوله " :ثنتان وسبعون فى النار وواحدة فى الجنة "بأعظم

من قوله تعالى :(إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما إنما يأكلون في بطونهم نارا وسيصلون سعيرا) وقوله :(ومن يفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصليه نارا وكان ذلک على الله يسيرا) وأمثال ذلک من النصوص الصريحة بدخول من فعل ذلک النار (منهاج السنة النبوية، ج۵ص۲۴۷ الی ۲۴۹، الفصل العاشر،فصل الله أمر بالاستغفار لأصحاب محمد فسبهم الرافضة)

ترجمہ: اوران ہی میں سے ایک دلیل جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ نے خوارج کو کافر قرار نہیں دیا، یہ ہے کہ صحابۂ کرام ان خوارج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، جیسے صحابۂ کرام نے ''نجدۃ حروری'' کے پیچھے نماز پڑھی، اور صحابۂ کرام، ان خوارج کو حدیث بیان کرتے تھے، اوران کو فتویٰ دیتے تھے، اوران سے اسی طرح خطاب کرتے تھے، جس طرح کہ مسلم، مسلم کو خطاب کرتا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ''نجدۃ حروری'' کو جواب دیا کرتے تھے، جب وہ آپ کی طرف مسائل معلوم کرنے کے لیے بھیجتا تھا، اوراس کی حدیث بخاری میں ہے۔ [1]

---

[1] نجدۃ بن عامر حنفی حروری کا شمار، خوارج کے رؤس میں ہوتا ہے، جو راہِ حق سے بھٹکا ہوا تھا۔

نجدة بن عامر الحروري .من رء وس الخوارج، زائغ عن الحق(ميزان الاعتدال ،للذهبي،ج۴،ص۲۴۵، رقم الترجمة ۹۰۱۳،حرف النون)

نجدة بن عامر الحنفي الحروري(الوفاة: 70-61هـ)من رؤوس الخوارج، مال عليه أصحاب ابن الزبير فقتلوه بالجمار .وقيل :اختلف عليه أصحابه فقتلوه في سنة تسع وستين(تاريخ الإسلام ،للذهبي،ج۲،ص۷۲۷، رقم الترجمة ۱۱۵،حرف النون)

(نجدة) : بفتح نون وسكون جيم رئيس الخوارج .وفي القاموس :نجدة بن عامر الحنفي خارجي (الحروري) : بفتح فضم نسبة إلى قرية بظاهر الكوفة نسبة الخوارج إليها ;لأنها كانت محل اجتماعهم حين خرجوا على علي رضي الله عنه(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۶،ص۲۵۷۱،كتاب الجهاد،باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

(نجدة) بن عامر الحروري من رؤوس الخوارج(بذل المجهود في حل سنن أبي داود، ج۹،ص۴۲۰، اول كتاب الجهاد،باب :في المرأة والعبد يحذيان من الغنيمة)

اور جس طرح نافع بن اَزرق نے مشہور مسائل کے متعلق جواب دیا، اور نافع اس سے قرآن کے متعلق بعض چیزوں کے بارے میں اس طرح مناظرہ کیا کرتے تھے، جیسا کہ دو مسلمان باہم مناظرہ کیا کرتے ہیں۔ [1]

اور مسلمانوں کی سیرت وروایت اسی پر برابر جاری رہی، جنہوں نے خوارج کو مرتد قرار نہیں دیا، ان لوگوں کی طرح، جن سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قتال کا بھی حکم دیا تھا، جس کا صحیح احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے، اور ان (خوارج) کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ وہ آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہوں گے، اور ان کو قتل کرنے والا بہترین قاتل ہوگا، اور وہ حدیث جس کو ابوامامہ نے روایت کیا ہے، اور اس کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، یہ ہے کہ ''ان (خوارج) کا شر مسلمانوں پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے، مسلمانوں پر ان کے مقابلے میں کسی کا شر

---

[1] نافع بن ازرق حروری کا شمار بھی ''ازراقہ خوارج'' کے راس میں ہوتا ہے۔

نافع بن الأزرق الحروری.

من رؤوس الخوارج.

ذکره الجوزجانی فی کتاب الضعفاء ,انتهی.

وكان نافع هذا من رؤوس الخوارج وإليه تنسب الطائفة الأزارقة وكان قد خرج في أواخر دولة يزيد بن معاوية(لسان الميزان،لابن حجر،ج٨،ص٢٤٦،٢٤٧، رقم الترجمة ٩٠٨٨،حرف النون)

والأزارقة أتباع نافع بن الأزرق(الاستذكار،لابن عبدالبر،ج٢،ص٤٩٨،كتاب القرآن،باب ما جاء في القرآن)

فارقتنا عصابة حرورية أضحت من الدين مارقه والأزارقة من الخوارج أصحاب نافع بن الأزرق وأتباعه والمعنى في هذا الحديث ومثله مما جاء عن النبي في ذلك عند جماعة أهل العلم المراد به عندهم القوم الذين خرجوا على علي بن أبي طالب يوم النهروان فهم أصل الخوارج(التمهيد لما في الموطأ ،لابن عبدالبر،ج٢٣،ص٣٢١،٣٢٢،الحديث السادس والثلاثون، باب الياء)

نافع بن الأزرق الذي صار بعد ذلك رأس الأزارقة من الخوارج، وكان يجالس ابن عباس بمكة ويسأله ويعارضه(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج١٩،ص١٥٠،كتاب تفسير القرآن،سورة حم السجدة)

بھی زیادہ نہیں، نہ یہود کا، اور نہ نصاریٰ کا'' کیونکہ وہ ہر مسلمان کو قتل کرنے میں اتنی جدوجہد کیا کرتے تھے، جتنی یہود ونصاریٰ نے بھی نہیں کی، اور مسلمانوں کے خونوں اور ان کے مالوں اور ان کی اولاد کے قتل، اور ان کو کافر قرار دینے کو حلال سمجھا کرتے تھے، اور اس کو دین کا حکم سمجھا کرتے تھے، اپنی جہالتِ عظیمہ اور بدعتِ ضلالہ کی وجہ سے۔

لیکن اس کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی نیک اعمال میں اتباع کرنے والے تابعین نے، ان (مذکورہ صفات کے حامل خوارج) کو کافر قرار نہیں دیا، اور نہ ہی ان کو مرتد قرار دیا، اور نہ ہی ان پر اپنے قول اور فعل سے زیادتی کی، بلکہ ان کے متعلق اللہ سے ڈرے، اور ان کے سلسلے میں عادلانہ سیرت کو اختیار کیا۔

اور اسی طریقے سے تمام اہلِ بدعت اور اہلِ اھواء فرقوں کا حکم ہے، خواہ وہ شیعہ ہوں، اور معتزلہ ہوں، یا ان کے علاوہ ہوں۔

پس جس نے بہتّر (72) فرقوں میں سے ہر فرقے کو کافر قرار دیا، تو اس نے کتاب وسنت اور اجماعِ صحابہ وتابعینِ کرام کی مخالفت کی، باوجودیکہ بہتّر (72) کی حدیث، صحیحین میں نہیں ہے، اور ابنِ حزم وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس کو حسن، یا صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ حاکم وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اصحابِ سنن نے اس کو روایت کیا ہے، اور یہ مختلف سندوں سے مروی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان میں سے بہتّر (72) فرقے جہنم میں ہوں گے، اور ایک جنت میں ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے عظیم تر نہیں ہے کہ ''إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا

وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ''اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی عظیم تر نہیں ہے کہ ''وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ''اور ان کے مثل ان صریح نصوص سے زیادہ عظیم نہیں ہے، جن میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے یہ عمل کیا، وہ جہنم میں داخل ہوگا (لہٰذا بہتّر ''72'' فرقوں کے لیے جہنم کی وعید سے ان کا کافر ہونا لازم نہیں آتا) (منهاجُ السنة)

علامہ ابنِ تیمیہ کا مذکورہ کلام، جمہور فقہاء ومحدثین، اور محققین کے موافق ہے، جن کے نزدیک ''خوارج واہلِ نہروان'' دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔ [1]

بعض نے تو اس پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

اسی وجہ سے خوارج کے سچا ہونے کی صورت میں ان کی روایت بھی قبول کی گئی ہے۔ [2]

جب خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ وتابعین نے اپنی تکفیر کرنے والے خوارجِ

---

[1] المذهب الصحيح المختار الذى قاله الأكثرون والمحققون أن الخوارج لا يكفرون كسائر أهل البدع (شرح النووى علٰى مسلم، ج۲، ص۵۰، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر)

ومذهب الشافعى وجماهير أصحابه العلماء أن الخوارج لا يكفرون وكذلك القدرية وجماهير المعتزلة وسائر أهل الأهواء قال الشافعى رحمه الله تعالى أقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية وهم طائفة من الرافضة يشهدون لموافقيهم فى المذهب بمجرد قولهم فرد شهادتهم لهذا لا لبدعتهم (شرح النووى علٰى مسلم، ج۷، ص۱۶۰، كتاب الزكاة، باب اعطاء المؤلفة ومن يخاف على ايمانه ان لم يعط)

قال سحنون فى الخوارج :إنما قوتلوا وقتلوا لبدعتهم ,وسماهم النبى صلى الله عليه وسلم مارقين. قال غيره :وقال :سمارا فى الفرق .قال سحنون :فلم يسمهم كفارا .وسن على بن أبى طالب رضى الله عنه قتالهم بما كان عنده من النبى صلى الله عليه وسلم من العلم فيهم ,فلم يكفرهم ولا سباهم ولا أخذ أموالهم ,فمواريثهم قائمة ,ولهم أحكام أهل الإسلام فى ذلك .وإنما قتلوا بالسنة وبما أحدثوا من البدعة ,فكان ذلك كحد يقام فيهم ,وليس قتلهم يوجب تكفيرهم ,كما لو يوجب قتل المحارب تكفيره ولا قتل المحصن تكفيره ,وأموالهم لهم ,ولهم حكم المسلمين فى أمهات الأولاد وعدد النساء والمدبرين والوصايا (النوادر والزيادات على ما فى المدونة من غيرها من الأمهات لأبى زيد القيروانى، ج۳، ص۸۷، كتاب الجهاد، فى قتال الخوارج والحكم على أموالهم)

[2] فالخوارج تقبل روايتهم، إن لم يثبت كذبهم، لأنهم ركبوا غلطا علميا (فيض البارى على صحيح البخارى للكشميرى، ج۶، ص۴۴، كتاب الطب، باب الشفاء فى ثلاث)

حروریہ واہلِ نہروان کی تکفیر نہیں کی، بلکہ صاف طور پر ان کو مومن کہا، تو پھر کسی دوسرے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تکفیر کرنے کی بنیاد پر خوارج کی تکفیر کرنے سے کیسے اتفاق کیا جاسکتا ہے؟ ؎

؎ قال الإمام محمد بن نصر المروزي " : وقد ولي علي رضي الله عنه قتال أهل البغي، وروى عن النبي -صلى الله عليه وسلم -فيهم ما روى، وسماهم مؤمنين، وحكم فيهم بأحكام المؤمنين. وكذلك عمار بن ياسر."

وقال محمد بن نصر أيضا " :حدثنا إسحاق بن راهويه، حدثنا يحيى بن آدم، عن مفضل بن مهلهل، عن الشيباني، عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب قال " :كنت عند علي حين فرغ من قتال أهل النهروان، فقيل له :أمشركون هم؟ قال :من الشرك فروا .فقيل :فمنافقون ؟ قال :المنافقون لا يذكرون الله إلا قليلا .قيل :فما هم؟ قال :قوم بغوا علينا فقاتلناهم."

وقال محمد بن نصر أيضا " :حدثنا إسحاق حدثنا وكيع، عن مسعر، عن عامر بن سفيان ، عن أبي وائل، قال :قال رجل :من دعي إلى البغلة الشهباء يوم قتل المشركون؟ فقال علي :من الشرك فروا .قال :المنافقون؟ قال :إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا .قال :فما هم؟ قال :قوم بغوا علينا فقاتلناهم فنصرنا عليهم.

قال :حدثنا إسحاق، حدثنا وكيع عن أبي خالدة ، عن حكيم بن جابر، قال :قالوا لعلي حين قتل أهل النهروان :أمشركون هم؟ قال :من الشرك فروا .قيل :فمنافقون؟ قال :المنافقون لا يذكرون الله إلا قليلا .قيل :فما هم؟ قال :قوم حاربونا فحاربناهم وقاتلونا فقاتلناهم .

قلت :الحديث الأول وهذا الحديث صريحان في أن عليا قال هذا القول في الخوارج الحرورية أهل النهروان، الذين استفاضت الأحاديث الصحيحة عن النبي -صلى الله عليه وسلم -في ذمهم والأمر بقتالهم، وهم يكفرون عثمان وعليا ومن تولاهما، فمن لم يكن معهم كان عندهم كافرا ودارهم دار كفر، فإنما دار الإسلام عندهم هي دارهم.

قال الأشعري وغيره " :أجمعت الخوارج على تكفير علي بن أبي طالب رضي الله عنه ." ومع هذا علي قاتلهم لما بدء وه بالقتال فقتلوا عبد الله بن خباب، وطلب علي منهم قاتله، فقالوا :كلنا قتله، وأغاروا على ماشية الناس . ولهذا قال فيهم " :قوم قاتلونا فقاتلناهم، وحاربونا فحاربناهم " وقال " :قوم بغوا علينا فقاتلناهم."

وقد اتفق الصحابة والعلماء بعدهم على قتال هؤلاء ;فإنهم بغاة على جميع المسلمين، سوى من وافقهم على مذهبهم، وهم يبدء ون المسلمين بالقتال، ولا يندفع شرهم إلا بالقتال ;فكانوا أضر على المسلمين من قطاع الطريق .فإن أولئك إنما مقصودهم المال، فلو أعطوه لم يقاتلوا، وإنما يتعرضون لبعض الناس وهؤلاء يقاتلون الناس على الدين حتى يرجعوا عما ثبت بالكتاب والسنة وإجماع الصحابة إلى ما ابتدعه هؤلاء بتأويلهم الباطل وفهمهم الفاسد للقرآن .ومع هذا فقد صرح علي رضي الله عنه بأنهم مؤمنون ليسوا كفارا ولا منافقين (منهاج السنة النبوية ، ج۵ص ۲۴۱ الٰی ۲۴۴، الفصل العاشر،فصل الله أمر بالاستغفار لأصحاب محمد فسبهم الرافضة)

حنفیہ نے بھی اس مسئلہ کی خوب وضاحت کی ہے، اور تکفیر کے قول کو جمہور مجتہدین کے مقابلہ میں ''غیر مجتہدین کا قول، و نا قابلِ اعتبار'' قرار دیا ہے۔

اور جمہور کے نزدیک خوارج سے قتال کا حکم محض ''دفعِ محاربة ''اور''رَد الی الحق '' کی وجہ سے ہے، نہ کہ کفر کی وجہ سے۔ [1]

باطل ، یا فاسد تاویل کر کے مسلمانوں سے محاربہ ومقابلہ کی صورت میں خوارج کو جمہور مجتہدین، و اکثر فقہائے کرام نے ''کفار'' کے بجائے ''بغاۃ'' میں داخل مانا ہے۔ [2]

---

[1] أسرى البغاة تعاملهم الشريعة الإسلامية معاملة خاصة، لأن قتالهم لمجرد دفعهم عن المحاربة، وردهم إلى الحق، لا لكفرهم .روى عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا ابن أم عبد ما حكم من بغى على أمتي؟ قال: فقلت: الله ورسوله أعلم .قال: لا يتبع مدبرهم، ولا يذفف على جريحهم، ولا يقتل أسيرهم، ولا يقسم فيؤهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۲۰۸، مادة ''أسرى'')

[2] وأكثر الفقهاء يرون أنهم بغاة، ولا يرون تكفيرهم، وذهبت طائفة من أهل الحديث إلى أنهم كفار مرتدون .وقال ابن المنذر: لا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم، وذكر ابن عبد البر أن الإمام عليا رضى الله عنه سئل عنهم: أكفار هم؟ قال: من الكفر فروا .قيل: فمنافقون؟ قال: إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا .قيل فما هم؟ قال: هم قوم أصابتهم فتنة، فعموا وصموا، وبغوا علينا، وقاتلوا فقاتلناهم .وقال لهم: لكم علينا ثلاث: لا نمنعكم مساجد الله أن تذكروا فيها اسم الله، ولا نبدؤكم بقتال، ولا نمنعكم الفيء ما دامت أيديكم معنا(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۸ص ۱۳۰، ۱۳۱، مادة '' بغاة '')

والخارجون عن طاعته اربعة اصناف :

أحدها : الخارجون بلا تأويل بمنعة ، وبلا منعة يأخذون أموال الناس ، ويقتلونهم ، ويخيفون الطريق ، وهم قطاع الطريق.

والثاني : قوم كذالک الا أنهم لا منعة لهم لكن لهم تأويل ، فحكمهم حكم قطاع الطريق ان قتلوا وصلبوا ، وان أخذوا مال المسلمين قطعت أيديهم وأرجلهم على ما عرف .

والثالث : قوم لهم منعة وحمية خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية يوجب قتله بتأويلهم ، وهؤلاء يسمون بالخوارج ، يستحلون دماء المسلمين و أموالهم ، ويسبون نسائهم ، ويكفرون أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وحكمهم عند جمهور أهل الفقهاء وجمهور الحديث حكم البغاة ، وعند مالک يستتابون ، فان تابوا والا قتلوا ، وذهب بعض أهل الحديث الى أنهم مرتدون ، لهم حكم المرتدين لقوله صلى الله عليه وسلم : ''يخرج قوم فى آخر الزمان '' الحديث ، وفيه '' فأين ما لقيتموهم فاقتلوهم فان فى قتلهم أجرا الى يوم القيامة '' وعن أبى أمامة : أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''خوارج وبغاۃ'' جواہلُ السنۃ سے لڑائی کرنے کے دوران قتل کردیئے جائیں، اُن کی نمازِ جنازہ کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رأى رؤوسا منصوبة على درج مسجد دمشق فقال : كلاب أهل النار كان هؤلاء مسلمين فصاروا كفارا ، قال ابن المنذر : ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم . وهذا يقتضى نقل اجماع الفقهاء وابن المنذر أعرف بمذاهب المجتهدين فما يقع فى كلام أهل المذاهب من تكفير كثير ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون ، بل من غيرهم ولا عبرة بغير الفقهاء .

والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا ، ولا يعارضه ما ورد فى الحديث من الأمر بقتلهم . فان القتل قد يكون دفعا للفساد لا للكفر . ولا قول أبى أمامة ، فانه انما سماهم كفارا ، لكونهم فعلوا ما يفعل الكفار بالمسلمين من القتل والقتال ، كما ورد فى الحديث : "سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر " يدل على ذالك لفظ الطبرانى فقال : كلاب النار ، ثلاثا شر قتلى تحت أديم السماء ، ومن قتلوه خير قتلى ، ثم استبكى ، قلت : يا أبا أمامة ! ما يبكيك ؟ قال : كانوا على ديننا ثم ذكر ما هم صائرون اليه غدا ، ثم قال : اختلفت اليهود على احدى وسبعين فرقة ، والنصارى على اثنتين وسبعين فرقة ، وتختلف هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقة ، اثنتان وسبعون فرقة فى النار ، وواحدة فى الجنة . فقلنا : أنعمتهم لنا . قال : السواد الأعظم ، رجاله ثقات ، رواه ابن ماجه والترمذى باختصار ، كذا فى "مجمع الزوائد " فتراه قد جعل الخوارج من فرق هذه الأمة ، وهذا هو ما عليه الفقهاء .

قال الحافظ فى "الفتح " : "قال الخطابى : أجمع علماء الاسلام على أن الخوارج مع ضلالتهم فرقة من فرق المسلمين ، وأجازوا مناكحتهم ، وأكل ذبائحهم ، وأنهم لا يكفرون ما داموا متمسكين بأصل الاسلام"

الرابع : قوم مسلمون خرجوا على امام العدول ولم يستبيحوا ما استباسحه الخوارج من دماء المسلمين وذراريهم ، وهم البغاة . قاله المحقق فى "الفتح القدير" .

قلت : ولهم صنف خامس ، وهو من خرج عن طاعة امام جائر أراد الغلبة على ماله أو نفسه أو أهله ، أو على أموال المسلمين وأنفسهم ، فهو معذور لا يحل قتاله وله أن يدفع عن نفسه وماله وأهله بقدر طاقته ، فقد أخرج الطبرى بسند صحيح عن عبد اللّٰه بن الحارث ، عن رجل من بنى نضر ، عن على رضى اللّٰه عنه ، وذكر الخوارج فقال : ان خالفوا امام عدلا فقاتلوهم وان خالفوا اماما جائرا ، فلا تقاتلوهم ، فان لهم مقالا ، وعلى ذالك يحمل ما وقع للامام حسين بن على رضى اللّٰه عنه ، ثم لأهل المدينة فى الحرة ثم لعبد الزبير ثم للقراء الذين خرجوا على الحجاج مع ابن الأشعث قاله الحافظ فى "الفتح " وهل يجوز الخروج على الامام الجائر؟ سيأتى حكمه ، ولكن لا يحل قتال من خرج عليه اذا كان خروجه للأمر بالمعروف ، والنهى عن المنكر ، واقامة دعائم الإسلام لا لطلب الملك والإمارة ، فافهم (اعلاء السنن ،ج ۱۱ ،ص ۵۴۳۵،و ۵۴۳۶،ابواب احکام البغاة،باب محاربة اهل البغى وامتناع الخروج على الإمام، اصناف الخارجين عن طاعة الامام)

اُن کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مومن ہیں، پھر ان فقہاء کے نزدیک خوارج کے لئے استغفار کی ممانعت کیسے ہوسکتی ہے؟ اور حنفیہ کے نزدیک ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ [1]

اور حنفیہ نے جو خوارج کے بحالتِ محاربہ، مارے جانے کی صورت میں ان کی نمازِ جنازہ سے منع فرمایا، تو خود حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اس کی وجہ ان کا کفر نہیں، بلکہ مسلمانوں سے محاربہ ومقابلہ کرنا ہے، تاکہ ان کی اہانت ہو، اور دوسرے لوگوں کو ان کے اس فعلِ بد سے زجر وتنبیہ اور نفرت ہو، جیسا کہ ڈاکووں کا معاملہ ہے کہ ان کا حنفیہ کے نزدیک جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، لیکن کوئی استغفار کرے، تو اس کی ممانعت نہیں، کیونکہ اس کا حکم تو جملہ مومنین کے لئے ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ کے کلام سے واضح طور پر معلوم ہوا۔ [2]

---

[1] أما قتلى البغاة، فمذهب المالكية والشافعية والحنابلة: أنهم يغسلون ويكفنون ويصلى عليهم، لعموم قوله صلى الله عليه وسلم: صلوا على من قال: لا إله إلا الله ولأنهم مسلمون لم يثبت لهم حكم الشهادة، فيغسلون ويصلى عليهم .ومثله الحنفية، سواء أكانت لهم فئة، أم لم تكن لهم فئة على الرأى الصحيح عندهم .وقد روى: أن عليا رضى الله عنه لم يصل على أهل حروراء، ولكنهم يغسلون ويكفنون ويدفنون .

ولم يفرق الجمهور بين الخوارج وغيرهم من البغاة فى حكم التغسيل والتكفين والصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۱۵۱، مادة "بغاة")

[2] هؤلاء لم يستحقوا القتل باعتقادهم، وإنما قاتلناهم على جهة الدفع عن قتالنا، وإلا فهم فى حكم سائر أهل ملتنا، وكانوا بمنزلة من استحق الرجم للزنى، أو القتل والصلب لقطع الطريق، أو استحق القتل قودًا، فلم يستحق بذلك غنيمة المال، وسبى الذرية، ولم يخرج بذلك من حكم أهل الملة فى سائر أحكامه، كذلك الخوارج.

مسألة: [صلاة الجنازة على المحاربين]

(ولا يصلى على من قتل منها) .

قال أبو بكر: وذلك لأن عليًا رضى الله عنه لم يصل على من قتل منهم.

وأيضًا: فإنهم لما قتلوا على وجه المباينة لأهل العدل بالمنعة التى حصلت لهم، أشبهوا فى هذا الوجه أهل الحرب، إذ كانوا قد صاروا حربًا لنا بالمنعة والخروج، فوجب أن لا نصلى عليهم كما لا نصلى على أهل الحرب.

وأيضًا: قال الله تعالى لنبيه عليه الصلاة والسلام: "وصلِ عليهم إن صلواتك سكن لهم"، وهؤلاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس طرح کے بعض لوگ ظاہر ہوئے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ چاق کرنے کا مکلّف نہ ہونے کا حکم بیان فرمایا اور وہ مسلمانوں سے محاربہ ومقاتلہ نہیں کر رہے تھے، جو ان کے قتل کا سبب ہے، بلکہ بعض نے ''ذو الخویصرۃ''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قتلوا على حال لا يجوز أن يعطوا الأمان عليها، فلا يجوز أن نصلى عليهم؛ لأن ذلك كالأمان لقوله تعالى:''إن صلواتك سكن لهم''(شرح مختصر الطحاوى للجصاص، ج٦ص ١٠٤، ١٠٥، كتاب قتال أهل البغى،صلاة الجنازة على المحاربين)

أما تفسير البغاة، فالبغاة هم الخوارج، وهم قوم من رأيهم أن كل ذنب كفر، كبيرة كانت أو صغيرة، يخرجون على إمام أهل العدل، ويستحلون القتال والدماء والأموال بهذا التأويل، ولهم منعة وقوة (بدائع الصنائع، ج٧ص ١٤٠، كتاب السير، فصل فى بيان أحكام البغاة)

ولا يصلى على البغاة وقطاع الطريق عندنا، وقال الشافعي: يصلى عليهم؛ لأنهم مسلمون قال الله تعالى''وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا''الآية فدخلوا تحت قول النبى – صلى الله عليه وسلم – صلوا على كل بر وفاجر .

(ولنا) ما روى عن على أنه لم يغسل أهل نهروان ولم يصل عليهم فقيل له: أكفار هم؟ فقال: لا ولكن هم إخواننا بغوا علينا أشار إلى ترك الغسل والصلاة عليهم إهانة لهم ليكون زجرا لغيرهم، وكان ذلك بمحضر من الصحابة – رضى الله عنهم –، ولم ينكر عليه أحد فيكون إجماعا وهو نظير المصلوب ترك على خشبته إهانة وزجرا لغيره كذا هذا، وإذا ثبت الحكم فى البغاة ثبت فى قطاع الطريق؛ لأنهم فى معناهم إذ هم يسعون فى الأرض بالفساد كالبغاة فكانوا فى استحقاق الإهانة مثلهم، وبه تبين أن البغاة ومن بمثلهم مخصوصون عن الحديث بإجماع الصحابة – رضى الله عنهم –، وكذلك الذى يقتل بالخنق كذا روى عن أبى حنيفة وقال أبو يوسف: وكذلك من يقتل على متاع يأخذه والمكاثرون فى المصر بالسلاح؛ لأنهم يسعون فى الأرض بالفساد فيلحقون بالبغاة والله أعلم(بدائع الصنائع، ج ا ص ٣١٢، كتاب الصلاة، فصل بيان فريضة صلاة الجنازة وكيفية فرضيتها)

وقتل الباغى فى هذه الحالة للسياسة أو لكسر شوكتهم فينزل منزلته لعود منفعته إلى العامة، وقال الشافعى: يغسلان ويصلى عليهما كيفما كان؛ لأنه مسلم قتل بحق فصار كمن قتل بالقصاص أو بالحد، ولنا أن عليا – رضى الله عنه – لم يصل على أصحاب النهروان، ولم يغسلهم فقيل له أكفار هم فقال أخواننا بغوا علينا فأشار إلى العلة، وهى البغى وعلى – رضى الله عنه – هو القدوة فى هذا الباب على ما يأتى بيانه فى السير إن شاء الله تعالى؛ ولأنه قتل ظالما لنفسه محاربا للمسلمين كالحربى فلا يغسل، ولا يصلى عليه عقوبة له وزجرا لغيره كالمصلوب يترك على الخشبة عقوبة له وزجرا لغيره(تبيين الحقائق، ج ا ص ٢٥٠،كتاب الصلاة، باب الشهيد)

نامی شخص کو ''خوارج'' کا سردار کہا ہے، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ پھر جب یہ سبب حضرت علی کے زمانہ میں ظاہر ہوا، تو اس کی بناء پر ان سے قتال کیا گیا۔ [1]

البتہ جو شخص بدعت کا اظہار کرے، اس پر حسبِ قدرت نکیر واجب ہے، اور فقہاء نے نکیر کا ایک طریقہ ''ہجران'' کا بیان فرمایا ہے، جس میں ترکِ شہادت، عیادت اور نمازِ جنازہ میں شرکت سے اجتناب کا مسئلہ بھی ہے، یہ چیزیں منکر پر نکیر کرنے میں ہجرانِ شرعی سے تعلق رکھتی ہیں، جن سے کفر کا حکم سمجھ لینا درست نہیں، اسی وجہ سے جہاں ''ہجران'' کے بجائے ''تالیف'' مفید ہو، وہاں اس کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] والذى يظهر أن المراد بالدين الإسلام كما فسرته الرواية الأخرى وخرج الكلام مخرج الزجر وأنهم بفعلهم ذلک يخرجون من الإسلام الكامل وزاد سعيد بن مسروق فى روايته يقتلون أهل الإسلام ويدعون أهل الأوثان وهو مما أخبر به صلى الله عليه وسلم من المغيبات فوقع كما قال قوله وأظنه قال لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل ثمود فى رواية سعيد بن مسروق لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل عاد ولم يتردد فيه وهو الراجح وقد استشكل قوله لئن أدركتهم لأقتلنهم مع أنه نهى خالدا عن قتل أصلهم وأجيب بأنه أراد إدراک خروجهم واعتراضهم المسلمين بالسيف ولم يكن ظهر ذلک فى زمانه وأول ما ظهر فى زمان على كما هو مشهور وقد سبقت الإشارة إلى ذلک فى علامات النبوة(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٨،ص ٦٩، كتاب المغازى،قوله باب بعث على بن أبى طالب وخالد بن الوليد إلى اليمن قبل حجة الوداع،الحديث الثالث حديث أبى سعيد)

فإن قيل :أو لم يقل فى إحدى الروايتين من هذا الحديث :(لئن أدركتهم لأقتلنهم) فكيف التوفيق بين القضيتين؟قلنا :إنما يحل قتلهم بإظهار الخلاف والمفارقة عن الجماعة وترک الطاعة بالخروج على الإمام، والتألب لقتال من خالفهم فى رأيهم، ولم يوجد ذلک يومئذ، وإنما وجد بعد النبى -صلى الله عليه وسلم -بسبع وعشرين سنة(الميسر فى شرح مصابيح السنة، ج٤، ص١٢٨٧، كتاب الفتن،باب علامات النبوة)

وقال الذهبى :ذو الخويصرة القائل، فقال :يا رسول الله إعدل، يقال هو :حرقوص بن زهير رأس الخوارج، قتل فى الخوارج يوم النهر(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج١٥ ،ص ٦٢، كتاب فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين)

[2] لم يكن فى كتبهم الأمهات كالصحاح، والسنن، والمسانيد الرواية عن المشهورين بالدعاء إلى البدع، وإن كان فيها الرواية عمن فيه نوع من بدعة كالخوارج، والشيعة، والمرجئة ، والقدرية، وذلک .لأنهم لم يدعوا الرواية عن هؤلاء للفسق كما يظنه بعضهم، ولكن من أظهر بدعته .وجب الإنكار عليه بخلاف من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا جملہ اہلُ السنۃ کے نزدیک، خوارج واہلِ نہروان کو کافر قرار دینا، خلافِ واقعہ اور تسامح پر مبنی ہے۔

جہاں تک شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب کی طرف سے تکفیر کی بیان کردہ وجوہات، مثلاً تکفیرِ علی، وسبِ شیخین اور بغضِ صحابہ وغیرہ کا تعلق ہے، تو یہ امور محققین کے نزدیک باعثِ ضلالت ضرور ہیں، لیکن باعثِ تکفیر نہیں، اور ان امور کا محققین پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔

ظاہر ہے کہ خوارج کے متعلق یہ امور، جمہور مجتہدین ومحدثین کے علم میں تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے خوارج کی تکفیر نہیں کی۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ وغیرہ نے اپنے فتاویٰ میں واضح کیا ہے کہ خوارج کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ حضرت علی اور دیگر صحابہ وتابعین اور مومنین سب پہلے سے کافر ہیں، بلکہ ان کو، کافر قرار دینا، اس بناء پر تھا کہ ان کے نزدیک، ترکِ واجب اور کبیرہ گناہ کا مرتکب، کافر ہے، اور خوارج کی نظر میں ان حضرات نے اللہ کے احکام کو توڑا تھا، جس کی وجہ سے وہ حضرات، خوارج کے نزدیک ''**العیاذ باللّٰہ** '' کافر ہو گئے تھے، اور خوارج کا یہ مذہب، کتاب وسنت کے دلائل کی رُو سے باطل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخفاها، وكتمها، وإذا وجب الإنكار عليه كان من ذلك أن يهجر حتى ينتهي عن إظهار بدعته، ومن هجره أن لا يؤخذ عنه العلم، ولا يستشهد.

وكذلك تنازع الفقهاء في الصلاة خلف أهل الأهواء، والفجور منهم من أطلق الإذن، ومنهم من أطلق المنع، والتحقيق أن الصلاة خلفهم لا ينهى عنها لبطلان صلاتهم في نفسها لكن لأنهم إذا أظهروا المنكر استحقوا أن يهجروا، وأن لا يقدموا في الصلاة على المسلمين، ومن هذا الباب ترك عيادتهم، وتشييع جنائزهم كل هذا من باب الهجر المشروع في إنكار المنكر للنهي عنه .

وإذا عرف أن هذا هو من باب العقوبات الشرعية علم أنه يختلف باختلاف الأحوال من قلة البدعة، وكثرتها، وظهور السنة، وخفائها، وأن المشروع قد يكون هو التأليف تارة، والهجران أخرى(منهاج السنة النبوية لابنِ تيمية، ج ا ص ٦٢، ٦٣ ، كلام عام عن الرافضة، الرافضة هم أكذب الطوائف)

لیکن مرتکبِ کبیرہ کو کافر قرار دینا، کیونکہ تاویل پر مبنی ہے، اگرچہ وہ تاویل باطل ہے، اس لیے جمہور کی طرف سے خوارج کی تکفیر نہیں کی گئی۔ ۱؎

۱؎ قتال الخوارج مما أمر به صلى الله عليه وسلم ولذلک اتفق على قتالهم الصحابة والأئمة . وهؤلاء الخوارج لهم أسماء يقال لهم: " الحرورية "لأنهم خرجوا بمكان يقال له حروراء ويقال لهم أهل النهروان: لأن عليا قاتلهم هناک ومن أصنافهم "الإباضية "أتباع عبد الله بن إباض و " الأزارقة "أتباع نافع بن الأزرق و "النجدات "أصحاب نجدة الحروری .وهم أول من كفر أهل القبلة بالذنوب بل بما يرونه هم من الذنوب واستحلوا دماء أهل القبلة بذلک فكانوا كما نعتهم النبى صلى الله عليه وسلم: "يقتلون أهل الإسلام ويدعون أهل الأوثان "وكفروا على بن أبى طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما وقتلوا على بن أبى طالب مستحلين لقتله قتله عبد الرحمن بن ملجم المرادى منهم وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فى العبادة لكن كانوا جهالا فارقوا السنة والجماعة؛ فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن أو كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات؛ فمن لم يكن كذلک فهو كافر؛ مخلد فى النار .ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک فقالوا: إن عثمان وعليا ونحوهما حكموا بغير ما أنزل الله وظلموا فصاروا كفارا . ومذهب هؤلاء باطل بدلائل كثيرة من الكتاب والسنة(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيمية، ج۷ص ۴۸۱، ۴۸۲، كتاب الإيمان الأوسط،الخوارج اول من كفر اهل القبلة بالذنوب)

وأهل السنة لا يبتدعون قولا ولا يكفرون من اجتهد فأخطأ وإن كان مخالفا لهم مستحلا لدمائهم كما لم تكفر الصحابة الخوارج مع تكفيرهم لعثمان وعلى ومن والاهما واستحلالهم لدماء المسلمين المخالفين لهم(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيمية، ج۹ ۱ ص ۲ ۱ ۲،كتاب أصول الفقه،هل يمكن كل واحد أن يعرف باجتهاده الحق فى مسألة فيها نزاع؟)

وهؤلاء أول من قاتلهم أمير المؤمنين على بن أبى طالب ومن معه من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قاتلهم بحرورا لما خرجوا عن السنة والجماعة واستحلوا دماء المسلمين وأموالهم؛ فإنهم قتلوا عبد الله بن خباب وأغاروا على ماشية المسلمين .فقام أمير المؤمنين على بن أبى طالب وخطب الناس وذكر الحديث وذكر أنهم قتلوا وأخذوا الأموال فاستحل قتالهم وفرح بقتلهم فرحا عظيما ولم يفعل فى خلافته أمرا عاما كان أعظم عنده من قتال الخوارج .وهم كانوا يكفرون جمهور المسلمين حتى كفروا عثمان وعليا .وكانوا يعملون بالقرآن فى زعمهم ولا يتبعون سنة رسول صلى الله عليه وسلم التى يظنون أنها تخالف القرآن .كما يفعله سائر أهل البدع -مع كثرة عبادتهم وورعهم(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيمية، ج۲۸،ص ۴۷۳، كتاب الفقه، السياسة الشرعية ، البدع شر الذنوب)

ولكن من شأن أهل البدع أنهم يبتدعون أقوالا يجعلونها واجبة فى الدين، بل يجعلونها من الإيمان الذى لا بد منه ويكفرون من خالفهم فيها، ويستحلون دمه كفعل الخوارج والجهمية والرافضة والمعتزلة وغيرهم .وأهل السنة لا يبتدعون قولا ولا يكفرون من اجتهد فأخطأ، وإن كان مخالفا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ ابنِ نجیم کی ''البحرُ الرائق'' میں ہے:

''خوارج اور بغاۃ کے بارے میں بعض فتاویٰ میں، جو تکفیر کا حکم مذکور ہے، وہ فقہائے مجتہدین سے منقول نہیں، اُن سے تو عدمِ تکفیر منقول ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اُن خوارج کے کفر کا بھی حکم نہیں لگایا، جو مسلمانوں کے خونوں کو حلال سمجھتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر سب وشتم کرتے ہیں، کیونکہ وہ تاویل اور شبہ کی وجہ سے ہے، اور غیر مجتہدین کے قول کا اعتبار نہیں۔

شیخ ابوالحسن اشعری سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، مختلف اشیاء میں ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ کے ساتھ اختلاف واقع ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لهم مكفرا لهم مستحلا لدمائهم، كما لم تكفر الصحابة الخوارج، مع تكفيرهم لعثمان وعلى ومن والاهما، واستحلالهم لدماء المسلمين المخالفين لهم(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،ج۵،ص۹۵،الفصل الثانى فى أن مذهب الإمامية واجب الاتباع،الكلام فى تصويب المجتهدين وتخطئتهم وتأثيمهم فى مسائل الفروع والأصول)

وشر من قاتلهم على هم الخوارج، ومع هذا فلم يحكم فيهم بحكم الكفار، بل حرم أموالهم وسبيهم، وكان يقول لهم قبل قتالهم :إن لكم علينا أن لا نمنعكم مساجدنا، ولا حقكم من فيئنا، ولما قتله ابن ملجم قال :إن عشت فأنا ولى دمى، ولم يجعله مرتدا بقتله .

وأما أهل الجمل فقد تواتر عنه أنه نهى (عن) أن يتبع مدبرهم، وأن يجهز على جريحهم، وأن يقتل أسيرهم، وأن تغنم أموالهم، وأن تسبى ذراريهم، فإن كان هؤلاء كفارا بهذه النصوص فعلى أول) من كذب بها فيلزمهم أن يكون على كافرا.

وكذلك أهل صفين كان يصلى على قتلاهم، ويقول :إخواننا بغوا علينا طهرهم السيف، ولو كانوا عنده كفارا لما صلى عليهم، ولا جعلهم إخوانه، ولا جعل السيف طهرا لهم.

وبالجملة نحن نعلم بالاضطرار من سيرة على رضى الله عنه أنه لم يكن يكفر الذين قاتلوه، بل ولا جمهور المسلمين، ولا الخلفاء الثلاثة، ولا الحسن، ولا الحسين كفروا أحدا من هؤلاء ، ولا على بن الحسين، ولا أبو جعفر، فإن كان هؤلاء كفارا، فأول من خالف النصوصَ علىٌّ وأهلُ بيتِه(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،ج۷،ص۴۰۵و۴۰۶،الفصل الثالث فى الأدلة الدالة على إمامة على رضى الله عنه بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم،المنهج الثالث عند الرافضى فى الأدلة المستندة إلى السنة على إمامة على رضى الله عنه،الثانى عشر أحاديث أخرى يستدل بها على إمامة على رضى الله عنه)

دوسرے کے بالمقابل فرقے بن گئے ہیں، لیکن اسلام ان سب کو جمع کرتا ہے، اور ان سب کو شامل ہے۔

پس تفریعاتِ مشائخ کے ضمن میں جو خوارج وغیرہ کے متعلق تکفیر کا حکم منقول ہے، اس کی نسبت مجتہدین کی طرف درست نہیں''۔انتہٰی۔ [1]

اور ''البحرُ الرائق'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

والحق أن ما صح عن المجتهد فهو على حقيقته وأما ما ثبت عن غيره فلا يفتى به فى مثل التكفير ولذا قال فى فتح القدير من باب البغاة أن الذى صح عن المجتهدين فى الخوارج عدم تكفيرهم ويقع فى كلام أهل المذهب تكفير كثير لكن ليس من كلام

---

[1] فالأولى ما ذكره هو فى باب البغاة أن هذه الفروع المنقولة فى الفتاوى من التكفير لم تنقل عن الفقهاء أى المجتهدين وإنما المنقول عنهم عدم تكفير من كان من قبلتنا حتى لم يحكموا بتكفير الخوارج الذين يستحلون دماء المسلمين وأموالهم وسب أصحاب رسول الله – صلى الله عليه وسلم – لكونه عن تأويل وشبهة ولا عبرة بغير المجتهدين اهـ.

وذكر فى المسايرة أن ظاهر قول الشافعي وأبى حنيفة أنه لا يكفر أحد منهم، وإن روى عن أبى حنيفة أنه قال لجهم اخرج عنى يا كافر حملا على التشبيه وهو مختار الرازى، وذكر فى شرحها للكمال بن أبى شريف أن عدم تكفيرهم هو المنقول عن جمهور المتكلمين والفقهاء فإن الشيخ أبا الحسن الأشعرى قال فى كتاب مقالات الإسلاميين اختلف المسلمون بعد نبيهم – صلى الله عليه وسلم – فى أشياء ضلل بعضهم بعضا وتبرأ بعضهم عن بعض فصاروا فرقا متباينين إلا أن الإسلام يجمعهم ويعمهم اهـ.

وقال الإمام الشافعى أقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية؛ لأنهم يشهدون بالزور لموافقيهم وما ذكره المصنف أنه ظاهر قول أبى حنيفة جزم بحكايته عنه الحاكم صاحب المختصر فى كتاب المنتقى وهو المعتمد اهـ.

فالحاصل أن المذهب عدم تكفير أحد من المخالفين فيما ليس من الأصول المعلومة من الدين ضرورة، ويدل عليه قبول شهادتهم إلا الخطابية ولم يفصلوا فى كتاب الشهادات فدل ذلك على أن هذه الفروع المنقولة من الخلاصة وغيرها بصريح التكفير لم تنقل عن أبى حنيفة وإنما هى من تفريعات المشايخ كألفاظ التكفير المنقولة فى الفتاوى والله سبحانه هو الموفق(البحرالرائق، ج ١ ص ٣٧١، كتاب الصلاة، باب الامامة، إمامة العبد والأعرابى والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا)

الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم ولا عبرة بغير الفقهاء(البحر الرائق، ج۵ص ۱۲۹، کتاب السیر، باب احکام المرتدین)

ترجمہ: اور حق بات وہی ہے، جو مجتہد سے صحیح طور پر ثابت ہو، پس وہ اپنی حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، اور جو بات غیر مجتہد سے ثابت ہو، تو اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، جیسا کہ تکفیر کے مسئلہ میں، اور اسی وجہ سے ''فتحُ القدیر'' کے ''بابُ البغاۃ'' میں فرمایا کہ مجتہدین سے خوارج کے متعلق جو بات صحت کے ساتھ ثابت ہے، وہ ان کے عدمِ کفر کی ہے، البتہ اہلِ مذہب کے کلام میں بہت زیادہ تکفیر کا قول پایا جاتا ہے، لیکن اس کا ان فقہاء کے کلام سے تعلق نہیں، جو مجتہدین ہیں، بلکہ اس کا غیر مجتہدین کے کلام سے تعلق ہے، اور فقہائے مجتہدین کے علاوہ کا اعتبار نہیں ہوا کرتا(البحرُ الرائق)

علامہ ابنِ عابدین شامی ''ردُّ المحتار'' میں فرماتے ہیں:

فلا وجه للقول بعدم قبول توبة من سب الشيخين بل لم يثبت ذلک عن أحد من الأئمة فيما أعلم اهـ ونقله عنه السيد أبو السعود الأزهری فی حاشية الأشباه ط .أقول :نعم نقل فی البزازية عن الخلاصة أن الرافضی إذا کان يسب الشيخين ويلعنهما فهو کافر، وإن کان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع .اهـ. وهذا لا يستلزم عدم قبول التوبة .علی أن الحکم عليه بالکفر مشکل، لما فی الاختيار اتفق الأئمة علی تضليل أهل البدع أجمع وتخطئتهم وسب أحد من الصحابة وبغضه لا يکون کفرا، لکن يضلل إلخ .وذکر فی فتح القدير أن الخوارج الذين يستحلون دماء المسلمين وأموالهم ويکفرون الصحابة حکمهم عند

جمهور الفقهاء وأهل الحديث حكم البغاة .وذهب بعض أهل الحديث إلى أنهم مرتدون .قال ابن المنذر :ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم، وهذا يقتضى نقل إجماع الفقهاء . وذكر فى المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع. وبعضهم يكفرون البعض، وهو من خالف ببدعته دليلا قطعيا ونسبه إلى أكثر أهل السنة، والنقل الأول أثبت وابن المنذر أعرف بنقل كلام المجتهدين.

نعم يقع فى كلام أهل المذهب تكفير كثير ولكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم، ولا عبرة بغير الفقهاء ، والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا اهـ ومما يزيد ذلك وضوحا ما صرحوا به فى كتبهم متونا وشروحا من قولهم :ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف وتقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية .وقال ابن ملك فى شرح المجمع :وترد شهادة من يظهر سب السلف لأنه يكون ظاهر الفسق، وتقبل من أهل الأهواء الجبر والقدر والرفض والخوارج والتشبيه والتعطيل .اهـ

وقال الزيلعى أو يظهر سب السلف يعنى الصالحين منهم وهم الصحابة والتابعون؛ لأن هذه الأشياء تدل على قصور عقله وقلة مروءته، ومن لم يمتنع عن مثلها لا يمتنع عن الكذب عادة، بخلاف ما لو كان يخفى السب اهـ.

ولم يعلل أحد لعدم قبول شهادتهم بالكفر كما ترى، نعم استثنوا الخطابية لأنهم يرون شهادة الزور لأشياعهم أو للحالف، وكذا

نص المحدثون على قبول رواية أهل الأهواء فهذا فيمن يسب عامة الصحابة ويكفرهم بناء على تأويل له فاسد.

فعلم أن ما ذكره في الخلاصة من أنه كافر قول ضعيف مخالف للمتون والشروح بل هو مخالف لإجماع الفقهاء كما سمعت.

وقد ألف العلامة منلا على القارى رسالة في الرد على الخلاصة، وبهذا تعلم قطعا أن ما عزى إلى الجوهرة من الكفر مع عدم قبول التوبة على فرض وجوده في الجوهرة باطل لا أصل له ولا يجوز العمل به، وقد مر أنه إذا كان في المسألة خلاف ولو رواية ضعيفة، فعلى المفتى أن يميل إلى عدم التكفير، فكيف يميل هنا إلى التكفير المخالف للإجماع فضلا عن ميله إلى قتله وإن تاب، وقد مر أيضا أن المذهب قبول توبة ساب الرسول -صلى الله عليه وسلم -فكيف ساب الشيخين .والعجب من صاحب البحر حيث تساهل غاية التساهل في الإفتاء بقتله مع قوله :وقد ألزمت نفسى أن لا أفتى بشيء من ألفاظ التكفير المذكورة في كتب الفتاوى.

نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة -رضى الله تعالٰى عنها -أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في على أو أن جبريل غلط في الوحى، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن، ولكن لو تاب تقبل توبته، هذا خلاصة ما حررناه في كتابنا تنبيه الولاة والحكام، وإن أردت الزيادة فارجع إليه واعتمد عليه ففيه الكفاية لذوى الدراية (ردالمحتار، ج۴ص ۲۳۶، ۲۳۷، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم فى حكم سب الشيخين)

ترجمہ: اور جب معاملہ اس طرح ہے، تو شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو سب وشتم کرنے والے کی توبہ کے قبول نہ ہونے کے قول کے معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ بات میرے علم کے مطابق ائمہ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں، اس بات کو جوہرہ سے ابوسعید ازہری نے اشباہ کے حاشیہ میں بھی نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بے شک بزازیہ میں خلاصہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ رافضی جب شیخین کو سب وشتم کرے، اوران پر لعنت کرے، تو وہ کافر ہے، اوراگران پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دے، تو پھر وہ بدعتی ہے۔

لیکن اس سے اولاً تو توبہ کا قبول نہ ہونا لازم نہیں آتا، دوسرے اس پر کفر کا حکم لگانا بھی مشکل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''الاختیار'' میں یہ بات مذکور ہے کہ ائمہ (مجتہدین) کا تمام اہلِ بدعت کے گمراہ ہونے اوران کے خطا کار ہونے پر اتفاق ہے، اور صحابۂ کرام میں سے کسی پر سبّ وشتم کرنا، اوران سے بغض رکھنا کفر نہیں، البتہ ایسا شخص گمراہ ہے، اور ''فتحُ القدیر'' میں یہ بات مذکور ہے کہ جو خوارج مسلمانوں کے خون اوران کے مالوں کو حلال سمجھتے ہیں، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیتے ہیں، تو جمہور فقہاء اور جمہور محدثین کے نزدیک ان کا حکم باغیوں کا ہے، اور بعض اہلِ حدیث اس طرف گئے ہیں کہ وہ مرتد ہیں، ابنِ منذر نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں کہ کسی نے ان بعض اہلِ حدیث کی، ان کو کافر قرار دینے کے قول میں موافقت کی ہو، اور یہ فقہاء کے اجماع کے نقل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور ''المحیط'' میں یہ بات مذکور ہے کہ بعض فقہاء نے اہلِ بدعت میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کی، البتہ بعض نے بعض اہلِ بدعت کی تکفیر کی ہے، اور وہ، وہ شخص ہے کہ جس نے اپنی بدعت کے ذریعہ سے دلیلِ قطعی کی مخالفت کی ہو،

پھر اس کی اکثر اہلِ سنت کی طرف نسبت کردی، لیکن پہلی نقل زیادہ ثابت ومضبوط ہے، اور ابنِ منذر مجتہدین کے کلام کی نقل سے زیادہ واقف ہیں۔

ہاں البتہ اہلِ مذہب کے کلام میں تکفیر کا قول بہت زیادہ واقع ہوا ہے، لیکن ان فقہاء کے کلام سے اس کا تعلق نہیں، جو کہ مجتہدین ہیں، بلکہ اس قول کا غیر مجتہدین کے کلام سے تعلق ہے، اور غیر فقہاء کے قول کا اعتبار نہیں، اور مجتہدین سے وہی منقول ہے، جو ہم نے ذکر کیا، جس کی مزید وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ فقہاء نے اپنی متون اور شروح پر مشتمل کتابوں میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا، جو علی الاعلان سلف پر سبّ وشتم کرتا ہو، اور خطابیہ کے علاوہ دیگر اہلِ ہواء کی گواہی کو قبول کیا جائے گا، اور ابنِ ملک نے **شرحُ المجمع** میں فرمایا کہ جو علی الاعلان سلف پر سبّ وشتم کرتا ہو، اس کی گواہی کو رَد کردیا جائے گا، کیونکہ یہ ظاہری فسق ہے، اور اہلِ ہواء اور جبریہ اور قدریہ اور رافضی اور خارجی اور اہلِ تشبیہ اور اہلِ تعطیل کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

اور زیلعی نے فرمایا کہ سلف پر سبّ وشتم کرنے سے مراد صالحین ہیں، جو کہ صحابہ اور تابعین ہیں، کیونکہ یہ چیزیں اس کی عقل کے قصور اور اس کی قلتِ مروّت پر دلالت کرتی ہیں، اور جو شخص ان جیسی چیزوں سے باز نہیں آتا، وہ عادتاً جھوٹ سے بھی باز نہیں آتا، برخلاف اس کے کہ اگر چھپ کر سبّ وشتم کرتا ہو۔

اور کسی نے بھی ان مذکورہ لوگوں کی گواہی قبول نہ ہونے کی علت میں کفر کا ذکر نہیں کیا، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، البتہ انہوں نے خطابیہ کو اس لیے مستثنیٰ کیا ہے کہ وہ اپنی جماعت، یا حلف اٹھانے والے کے لیے جھوٹی گواہی کے قائل ہیں (جس کی بناء پر ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، لیکن تکفیر پھر بھی نہیں کی جائے گی) اور اسی طریقہ سے محدثین نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اہلِ ہواء کی

روایت قبول کرلی جائے گی، اور یہ حکم اس شخص کو بھی شامل ہے، جو عام صحابہ پر سبّ وشتم کرتا ہے، اور فاسد تاویل کی بناء پر ان کی تکفیر کرتا ہے۔

پس مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خلاصہ میں جو کافر ہونے کا حکم مذکور ہے، وہ ضعیف قول ہے، جو متون اور شروح کے مخالف ہے، بلکہ وہ اجماعِ فقہاء کے بھی مخالف ہے، جیسا کہ آپ سن چکے ہیں۔

اور ملا علی قاری نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں خلاصہ پر رَد کیا ہے، اور اس تفصیل سے قطعی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ جوہرہ کی طرف جو کافر ہونے اور توبہ قبول نہ ہونے کی بات منسوب ہے، اگر جوہرہ میں اس کے وجود کو فرض بھی کرلیا جائے، تو یہ باطل ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف ہو، اگرچہ ضعیف روایت ہی کیوں نہ ہو، تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ عدمِ تکفیر کی طرف مائل ہو، پس یہاں اس تکفیر کی طرف مائل ہونا، کیونکر درست ہوسکتا ہے، جو اجماع کے مخالف ہے، اور مائل ہونے سے بڑھ کر اس کے تائب ہونے کی صورت میں بھی قتل کا حکم دیا جارہا ہو، اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ حنفیہ کا اصل مذہب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ وشتم کرنے والے کی توبہ کے قبول ہونے کا ہے، پس شیخین پر سبّ وشتم کرنے والے کی توبہ کیونکر قبول نہیں ہوگی، اور صاحبِ بحر پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کے قتل کرنے کا فتویٰ دینے میں انتہائی تساہل سے کام لیا، باوجودیکہ خود صاحبِ بحر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ میں کتبِ فتاویٰ میں مذکور الفاظِ تکفیر میں سے کسی پر فتویٰ نہیں دیتا۔

البتہ جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے، یا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھے،

یا جبریلِ امین کے وحی میں غلطی کرنے کا عقیدہ رکھے، یا اس جیسا کوئی صریح کفر اختیار کرے، جو قرآن کے مخالف ہو، تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن اگر وہ توبہ کرلے، تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی، یہ خلاصہ ہے اس تحریر کا جو ہم نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام '' میں ذکر کی ہے، اور آپ زیادہ تفصیل کے خواہش مند ہوں، تو اس کتاب کی طرف رجوع کرلیجیے، اور اس پر اعتماد کیجیے، جس میں عقل مند لوگوں کے لیے کفایت کا سامان ہے (ردُّ المحتار)

اس کے علاوہ علامہ حصکفی نے ''الدرُّ المختار '' میں فرمایا:

وخوارج وهم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية توجب قتاله بتأويلهم، ويستحلون دمائنا وأموالنا ويسبون نسائنا، ويكفرون أصحاب نبينا – صلى اللّٰه عليه وسلم –، وحكمهم حكم البغاة بإجماع الفقهاء كما حققه فى الفتح وإنما لم نكفرهم لكونه عن تأويل وإن كان باطلا، بخلاف المستحل بلا تأويل كما مر فى باب الإمامة (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۴ ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الجهاد، باب البغاة)

ترجمہ: اور خوارج وہ لوگ ہیں، جو طاقتور ہوتے ہیں، اور مسلمانوں کے حکمران کے خلاف تاویل کر کے خروج اختیار کرتے ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ باطل پر ہے، کفر، یا ایسی معصیت میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے ان کی تاویل کے مطابق اس کو قتل کرنا واجب ہوتا ہے، اور وہ ہمارے خونوں اور مالوں کو حلال سمجھتے ہیں، اور ہماری بیویوں کو قید کرتے ہیں، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں، اور ان کا حکم اجماعِ فقہاء کی رُو سے باغیوں کا حکم ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تحقیق بیان کی ہے، اور ہم نے ان کی تکفیر ''تاویل'' کی وجہ

سے نہیں کی، اگرچہ ان کی ''تاویل'' باطل ہے، بخلاف اس شخص کے، جو بغیر تاویل کے ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہو، جیسا کہ ''بابُ الامامة'' میں گزرا (الدر المختار)

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّالمحتار'' میں صاحبِ درمختار کے موقف کی تائید کی ہے، اور فرمایا کہ:

''جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک خوارج کا حکم باغیوں کا ہے، اور بعض محدثین نے ان کی تکفیر کی ہے، لیکن ابنِ منذر نے فرمایا کہ ہمارے علم کے مطابق ان اہلُ الحدیث کی کسی نے موافقت نہیں کی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے، لیکن ''المحیط'' میں یہ بات مذکور ہے کہ بعض فقہاء نے اہلِ بدعت میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی، اور بعض نے ان اہلِ بدعت کی تکفیر کی ہے، جن کی بدعت دلیلِ قطعی کے مخالف ہو، اور انہوں نے اس کی نسبت اکثر اہلُ السنۃ کی طرف کردی، لیکن ابنِ منذر کی بیان کردہ پہلی نقل زیادہ مضبوط ہے، البتہ بعض اہلِ مذہب کے کلام میں تکفیرِ کثیر واقع ہوئی ہے، لیکن اس کا ان فقہاء کے کلام سے تعلق نہیں، جو مجتہد ہیں، اور مجتہدین سے جو بات منقول ہے، وہ ہم ذکر کر چکے ہیں، اور ابنِ منذر، مجتہدین کے مذاہب کو نقل کرنے کی زیادہ معرفت رکھتے ہیں''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قوله: وبغاة) هم كما فى الفتح قوم مسلمون خرجوا على إمام العدل ولم يستبيحوا ما استباحه الخوارج من دماء المسلمين وسبى ذراريهم اهـ والمراد خرجوا بتأويل وإلا فهم قطاع كما علمت .وفى الاختيار: أهل البغى كل فئة لهم منعة يتغلبون ويجتمعون ويقاتلون أهل العدل بتأويل يقولون الحق معنا ويدعون الولاية .اهـ .(قوله: وخوارج وهم قوم إلخ) الظاهر أن المراد تعريف الخوارج الذين خرجوا على على – رضى الله تعالى عنه –؛ لأن مناط الفرق بينهم وبين البغاة هو استباحتهم دماء المسلمين وذراريهم بسبب الكفر إذ لا تسبى الذرارى ابتداء بدون كفر، لكن الظاهر من كلام الاختيار وغيره أن البغاة أعم، فالمراد بالبغاة ما يشمل الفريقين، ولذا فسر فى البدائع البغاة بالخوارج لبيان أنهم منهم وإن كان البغاة أعم، وهذا من حيث الاصطلاح، وإلا فالبغى والخروج متحققان فى كل من الفريقين على السوية، ولذا قال على – رضى الله تعالى عنه – فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابنِ منذر کے حوالہ سے تو ہمیں خوارج کی تکفیر کے متعلق، صرف بعض اہلُ الحدیث کی مخالفت کا مذکورہ حوالہ نہیں ملا، البتہ خوارج کا مال ''غنیمت'' بنا لینے کے بارے میں یہ بات ملی، ممکن ہے کہ اسی سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہو۔ [1]

ہاں امام ابنِ منذر کے علاوہ بعض دیگر حضرات نے خوارج کی عدمِ تکفیر پر ''اجماع'' کا حکم لگایا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخوارج: إخواننا بغوا علينا (قوله: لهم منعة) بفتح النون: أى عزة فى قومهم، فلا يقدر عليهم من يردهم مصباح (قوله: بتأويل) أى بدليل يؤولونه على خلاف ظاهره كما وقع للخوارج الذين خرجوا من عسكر على عليه بزعمهم أنه كفر هو ومن معه من الصحابة حيث حكم جماعة فى أمر الحرب الواقع بينه وبين معاوية وقالوا إن الحكم إلا لله، ومذهبهم أن مرتكب الكبيرة كافر؛ وأن التحكيم كبيرة لشبه قامت لهم استدلوا بها مذكورة مع ردها فى كتب العقائد .

(قوله: ويكفرون أصحاب نبينا – صلى الله عليه وسلم –) علمت أن هذا غير شرط فى مسمى الخوارج، بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا على – رضى الله تعالى عنه –، وإلا فيكفى فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه............ (قوله: كما حققه فى الفتح) حيث قال:وحكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة .وذهب بعض المحدثين إلى كفرهم .قال ابن المنذر: ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم، وهذا يقتضى نقل إجماع الفقهاء ..وقد ذكر فى المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع .وبعضهم يكفر من خالف منهم ببدعته دليلا قطعيا ونسبه إلى أكثر أهل السنة والنقل الأول أثبت نعم يقع فى كلام أهل مذهب تكفير كثير، لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم.مطلب لا عبرة بغير الفقهاء يعنى المجتهدين ولا عبرة بغير الفقهاء، والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا وابن المنذر أعرف بنقل مذاهب المجتهدين (رد المحتار، ج۴ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الجهاد، باب البغاة)

[1] قال أبو بكر :وفيه قول ثان "وهو أن أموالهم تغنم -يعنى الخوارج -هذا قول طائفة من أهل الحديث، ولا أعلم أحدا وافقهم على هذه المقالة(الإشراف على مذاهب العلماء ، ج۸،ص ۲۲۵ كتاب قتال اهل البغى،باب اختلاف أهل العلم فى أموال أهل البغى)

[2] قلت :الخوارج غير خارجين من الدائرة بالاتفاق، فيحمل الإسلام على الاستسلام الذى هو الانقياد والطاعة(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج ۱،ص ۲۵۶، كتاب الإيمان،باب أحب الدين إلى الله أدومه)

أجمع علماء المسلمين على أن الخوارج -على ضلالتهم -فرقة من فرق المسلمين، وأجازوا مناكحتهم وأكل ذبائحهم، وقبول شهادتهم، وسئل على رضى الله عنه عنهم فقيل :أكفار هم فقال: من الكفر فروا .فقيل :من هم؟ قال :قوم أصابتهم فتنة فعموا وصموا(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج۸،ص ۲۴۹۹، كتاب القصاص،باب قتل أهل الردة والسعادة بالفساد)

اور خوارج کی عدمِ تکفیر پر اجماع ثابت نہ ہو، تو بھی جمہور کے نزدیک، خوارج کی عدمِ تکفیر راجح ہے۔ [1]

شمس الائمہ سرخسی نے بھی ''المبسوط'' کے ''جنائز'' کے باب میں خوارج کے مومن ہونے کی تصریح کی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے دلیل پکڑی ہے۔ [2]

اسی طرح ''المحيطُ البرهاني'' میں بھی، خوارج واہلِ نہروان کی تکفیر نہیں کی گئی، اوران کو ''بغاۃ'' کا حکم دیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] وكلام الخطابي في حكاية الإجماع، وإن لم يسلم يفيد أن الراجح عدم كفرهم(حاشية العدوي على مختصر خليل للخرشي، ج٧ص١٧٦، باب الشهادة وأحكامها)

[2] (قال) ومن قتل من أهل العدل في محاربة أهل البغي فهو شهيد لا يغسل لأن المحاربة معهم مأمور بها قال الله تعالى "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله" فالمقتول في هذه المحاربة باذل نفسه لابتغاء مرضات الله كالمقتول في محاربة المشركين .ولما قاتل علي – رضي الله تعالى عنه – أهل النهروان لم يغسل من استشهد من أصحابه ولم يذكر في الكتاب أن من قتل من أهل البغي ماذا يصنع به .وروى المعلى عن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى أنه لا يغسل ولا يصلى عليه وقال الشافعي – رضي الله تعالى عنه –: يغسل ويصلى عليه لأنه مسلم قال الله تعالى "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا" الآية ،ولكنه مقتول بحق فهو كالمقتول رجما أو في قصاص.
(ولنا) حديث علي – رضي الله عنه – أنه لم يغسل أهل النهروان ولم يصل عليهم فقيل له: أكفار هم؟ قال: لا ولكنهم إخواننا بغوا علينا أشار إلى أن ترك الغسل والصلاة عليهم عقوبة لهم ليكون زجرا لغيرهم وهو نظير المصلوب يترك على خشبته عقوبة له وزجرا لغيره(المبسوط للسرخسي، ج٢ص٥٣، كتاب الصلاة، باب الشهيد)

[3] وكذلك الباغي إذا قتل لا يصلى عليه وهذا مذهبنا، وقال الشافعي رحمه الله: يصلى عليه؛ لأنه مؤمن قال الله تعالى:"وإن طآئفتان من المؤمنين اقتتلوا"إلا أنه مقتول بحق، فهو كالمقتول في رجم أو قصاص.
ولنا حديث علي رضي الله عنه: أنه لم يغسل أهل الخوارج يوم النهروان، ولم يصل عليهم، فقيل له: أهم كفار فقال: لا ولكنهم إخواننا بغوا علينا، أشار إلى أنه ترك الغسل والصلاة عليهم عقوبة وزجرا لغيرهم، وهو نظير المصلوب يترك على خشبته عقوبة وزجرا لغيرهم(المحيط البرهاني، ج٢ص١٦٧، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز)
وصلى على كل مسلم مات بعد الولادة لما تلونا من الكتاب، لا البغاة وقطاع الطريق، فإنه لا يصلى عليهم.
وقال الشافعي: يصلى عليهم؛ لأنهم مسلمون، وقال عليه السلام: صلوا على كل بر وفاجر .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' کی ''کتابُ الشھادات'' میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصحابِ اھواء کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے، اور اپنے تمام اصحاب کا یہی مذہب ہونا بیان کیا ہے، پھر اس کے مقابلہ میں ایک قول اصحابِ اھواء کی گواہی قبول نہ ہونے، اور ایک قول اہلِ اھواء کے متعلق تکفیر اور غیر تکفیر کی تفصیل کا نقل کیا ہے۔ [1]

نیز شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' ہی میں فرمایا کہ نصاریٰ سے اہلِ اھواء، اس لیے الگ حکم رکھتے ہیں کہ وہ سب رسولوں اور کتابوں کے اقرار پر متفق ہیں، اور ان کا اختلاف صرف کتابُ اللہ اور سنت کی تاویل میں ہے، جو آپس میں ملت کے اختلاف کا موجب نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولنا: أن الصلاة دعاء واستنزال الرحمة، ونص القرآن يشهد لقطاع الطريق بالخزى قال الله تعالى: "إنما جزآء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الارض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلف أو ينفوا من الارض ذلک لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الاخرة عذاب عظيم" وحلول الخزى به ينافى الدعاء له، وكذلک البغاة؛ لأنهم يسعون فى الأرض بالفساد وقطاع الطريق.

وروى عن على رضى الله عنه أنه لم يصل على قتلى نهروان وغيرهم من البغاة .

وكذلک الذى يقتل غيلة بالخنق هكذا روى عن أبى حنيفة رحمه الله، وقال أبو يوسف رحمه الله: وكذلک كل من يقتل على متاع يأخذه، والمكابرون فى المصر بالسلاح؛ لأنهم يسعون فى الأرض بالفساد، فكان حكمهم كحكم قطاع الطريق(المحيط البرهانى، ج٢ص ١٨٤، ١٨٥، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز)

[1] وقال أبو حنيفة وابن أبى ليلى رحمهما الله شهادة أصحاب الأهواء جائزة وهو مذهب جميع أصحابنا -رحمهم الله -.وقال الشافعى -رحمه الله -لا تقبل شهادة أهل الأهواء ومنهم من يفصل بين من يكفر فى هواه وبين من لا يكفر فى هواه؛ لأنهم فسقة ولا شهادة للفاسق والفسق من حيث الاعتقاد أغلظ من الفسق من حيث التعاطى(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج١٦، ص ١٣٢، كتاب الشهادات،باب من لا تجوز شهادته)

[2] فإن المسلمين يقرون برسالة محمد -صلى الله عليه وسلم -وبالقرآن فكانت ملتهم غير ملة النصارى وبه فارقوا أهل الأهواء ؛ لأنهم يتفقون على الإقرار بالرسل والكتب، وإنما الاختلاف بينهم فى تأويل الكتاب والسنة فلا يوجب ذلک اختلافا فى الملة فيما بينهم(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج٣٠،ص ٣٢،كتاب الفرائض،باب مواريث أهل الكفر)

جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور جملہ اصحابِ حنفیہ کے نزدیک اہلِ اھواء اور خوارج کی عدمِ تکفیر کا قول راجح ہے۔

اور ''الھدایة'' کی شرح ''العنایة'' اور ''البنایة'' میں ہے کہ اہلِ بدعت، دلیلِ قطعی سے ثابت شدہ حکم کا انکار کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی اس لیے تکفیر نہیں کی گئی کہ وہ دلیلِ قطعی، اہلُ السنۃ کی نظر میں ہے، لہٰذا اہلِ بدعت کی طرف سے اس دلیلِ قطعی کے انکار میں شبہ وتاویل موجود ہے۔ [1]

اور علامہ عبدالعلی بن محمد بن نظام الدین لکھنوی (المتوفیٰ: 1235ھ) نے ''مسلّم الثبوت'' کی شرح ''فواتحُ الرحموت'' میں اس مسئلہ کے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''روافض کی تکفیر نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ان کی گواہی بھی حنفیہ کے نزدیک مقبول ہے، سوائے خطابیہ کے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے اہلِ قبلہ کی عدمِ تکفیر کی تصریح کی ہے، باوجودیکہ روافض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی خلافت کے منکر ہیں، جس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ روافض کے گمان میں یہ نصِ قطعی کا انکار نہیں، اس لیے وہ کفر کا التزام کرنے والے نہیں، اور کفر کا التزام ہی، دراصل کفر ہے، نہ کہ کفر کا لزوم۔

پس روافض کی طرف سے ایسا شبہ پایا گیا ہے، جس میں ان کے گمان کے مطابق یہ چیز بھی داخل ہے کہ امیرُ المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ اور خوف کی وجہ سے بیعت کی تھی، ان کا یہ گمان بھی اگرچہ نفس الامر میں باطل ہے، لیکن وہ شبہ ان

---

[1] ألا ترى أن أهل البدع لم يكفروا بما منعوا مما دل عليه الدليل القطعي في نظر أهل السنة لتأويلهم(العناية شرح الهداية، ١،ص ١٩، كتاب الطهارات،فرائض الطهارة)

ألا ترى أن أهل البدع لا يكفرون بما منعوا ما دل عليه الدليل القطعي في نظر أهل السنة لتأويلهم(البناية شرح الهداية، ١،ص ١٧٤، كتاب الطهارات،فرائض الطهارة)

کی تکفیر کے لیے مانع ہے۔

اوراسی بناء پر خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی گئی، باوجودیکہ اجماعِ قطعی کا انکار کرتے ہیں، مثلاً امیرُ المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا انکار کرتے ہیں، اور ان کی طرف کفر کی نسبت کرتے ہیں، حالانکہ ان کا ایمان اوران کے فضائل سورج کی طرح ثابت ہیں، اوراس پر اجماعِ قطعی ہے، اوراسی طرح وہ مسلمانوں کے مال اوران کے خون کی عصمت کا انکار کرتے ہیں، اوران کے ساتھ قتل وغارت گری کو جائز سمجھتے ہیں، مگر امام محمد نے روایت کیا ہے کہ امیرُ المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا کرتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم کو مساجد سے منع نہیں کروں گا، جس میں تم اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرتے ہو، پس اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیجیے، اور محفوظ کر لیجیے'' ۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (مسئلة *انكار حكم الإجماع القطعي) وهو المنقول متواترا من غير استقرار خلاف سابق عليه (كفر عند أكثر الحنفية وطائفة) ممن عداهم لانه انكار لما ثبت قطعا أنه حكم الله تعالى (خلافا لطائفة) قالوا حجيته وان كان قطعيا لكنها نظرية فدخل فى حيز الاشكال من حيز الظهور كالبسملة

(ومن ههنا) أى من أجل أن انكار حكمه (اى حكم الإجماع القطعي) ليس كفرا (لم تكفر الروافض) مع كونهم منكرين لخلافة خليفة رسول الله صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم حقا، وقد انعقد عليه الإجماع من غير ارتياب.

وهذا بظاهره يدل على أن عدم تكفيرهم مخصوص بمن لا يرى انكار حكم الإجماع كفرا .

وأما عند من يرى انكاره كفرا فهم كافرون، وليس الأمر كذلك ،فان الصحيح عند الحنفية أنهم ليسوا بكفار ،حتى تقبل شهادتهم، إلا الخطابية، وقد نص الإمام على عدم تكفير أحد من أهل القبلة، والشيخ ابن الهمام وان كان ميله فى "فتح القدير" فى مسئلة امامة المبتدعة إلى التكفير ، لكن قال فى كتاب الخراج بعدم تكفيرهم.وما روى عن الامامين الهمامين أبى حنيفة والشافعي من عدم جواز الصلاة خلفهم فليس لكفرهم كما زعم هو ،بل لانهم ينكرون الجماعة والامامة ،فلا ينوون الصلاة لِلّٰه تعالى عند امامتهم ، وبفقدان النية تبطل صلاتهم ،فتبطل صلاة المقتدين ،ولأن بدعتهم لما اشتدت إلى إن وصلت قريبا إلى الكفر أورثت شبهة فى إيمانهم ،وقويت فمنع من الاقتداء بهم ،وحكم بفساد صلاة من اقتدى بهم. وفى "البحر الرائق" حقق بتفصيل بليغ أن تكفير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابنِ نظام الدین انصاری نے ''مسلّمُ الثبوت'' کی شرح ''فواتحُ الرحموت'' میں بھی فرمایا کہ:

الإجماع مطلقا فی القطعیة ، کالآیة والخبر المتواتر وأصله إن یکفر جاحده ،لانه انکار لحکم مقطوع ،إلا انه لا یکفر لعروض عارض ،وأشار إلیه بتقییده بقوله فی الأصل ، ولذا لم یکفر الروافض والخوارج (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲، ص۲۹۵، الکلام علی الاصول الاربعة، الاصل الثالث:الاجماع،مسئلة انکار حکم الإجماع القطعی، مطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الاولیٰ:1423ھ .2002ء)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الروافض لیس مذهبا لأئمتنا المتقدمین ،وانما ظهر فی أقوال المتأخرین ،فالوجه فی عدم تکفیرهم أن تدینهم أوقع فیما أوقع ،فهم انما وقعوا فیما وقعوا زعما منهم انه دین محمدی ،وإن کان زعمهم هذا باطلا بیقین غیر مشوب باحتمال ریب فیهم ،وما کذبوا محمدا صلی الله علیه وآله وأصحابه وسلم فی زعمهم فهم غیر ملتزمین الکفر. والتزام الکفر کفر دون لزومه .

وأما انکارهم المجمع علیه وان کان انکار جلی ونشأ من سفاهة لکن لیس إنکارا مع اعترافهم أنه مجمع علیه ،بل ینکرون کونه کذلک لشبهة نشأت لهم ،وان کانت باطلة فی نفس الأمر، وهی زعمهم أن أمیر المؤمنین علیا انما بایع تقیة وخوفا، وان کان هذا الزعم منهم باطلا مما یضحک به الصبیان ،وأمیر المؤمنین علی بریء عن نحو هذه التقیة الشنیعة ،والله هو بریء لا ریب فی أنه بریء.

فهذه الشبهة وان کانت شبهة شیطانیة وانما جرأهم علیها الوساوس الشیطانیة ،لکنها مانعة عن التکفیر ،وانما الکفر انکار المجمع مع اعترافه أنه مجمع علیه من غیر تأویل ،وهل هذا إلا کما اذا أنکر المنصوص بالنص القطعی بتأویل باطل ،وهو لیس کفرا ،کذا هذا ،ومن ههنا ظهر لک سر عدم تکفیر الخوارج مع أنهم ینکرون ما أجمع علیه قطعا من فضائل أمیر المؤمنین علی ،وینسبونه إلی الکفر مع إن ایمانه وفضائله ثابتة کالشمس ومجمع علیه اجماع قطعیا ،ومن انکار عصمة مال المسلمین ودمائهم ،ویجوزون قتلهم ونهبهم ،وقد روی الإمام محمد أن أمیر المؤمنین کان لا یمنعهم عن الصلاة فی المسجد ،وقال :أنا لا امنعکم عن المساجد تذکرون فیها اسم الله تعالی، فافهم واحفظ (وضروریات الدین) کالصوم والصلاة والزکاة والحج والجهاد وجوب الصلاة إلی الکعبة الشریفة (خارجة) عن هذا الاختلاف (اتفاقا) فانه کفر البتة اتفاقا (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲،ص۲۹۴،الکلام علی الاصول الاربعة، الاصل الثالث:الاجماع،مسئلة انکار حکم الإجماع القطعی، مطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الاولیٰ:1423ھ .2002ء)

ترجمہ: اجماع مطلقاً، قطعیت میں آیت اور خبرِ متواتر کی طرح ہوتا ہے، جس کا منکر دراصل، کافر ہوتا ہے، کیونکہ یہ حکمِ قطعی کا انکار ہے، لیکن اس کی ایک عارض کے پیش آنے کی وجہ سے، تکفیر نہیں کی جاتی، جس کی طرف ''فی الاصل'' کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے، اور اسی وجہ سے روافض اور خوارج کی تکفیر نہیں کی گئی (فواتح الرحموت)

مذکورہ حوالہ جات سے جمہور اور محققینِ حنفیہ کے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی طرف سے خوارج کے متعلق بیان کردہ تکفیر کی تعلیلات کا مرجوح ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ''فتاویٰ عزیزی'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

''شیعہ کے پیچھے نماز میں اقتداء کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کا عقیدہ اس درجے تک نہ پہنچا ہو کہ صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم اور امہات المؤمنین کو کافر جانتا ہو، بلکہ صرف ظلم اور غصب اور جور کے ذکر پر اکتفا کرتا ہو، تو ضرورت کی حالت میں اس کے پیچھے نماز میں اقتداء کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو بخاری اور مسلم میں وارد ہے اور مشکاۃ شریف میں موجود ہے، وہ روایت یہ ہے کہ:

''ان عَدِیّ بْنِ الْخِیَارِ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰی عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُورٌ فَقَالَ: إِنَّکَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِکَ مَا تَرٰی وَیُصَلِّیْ لَنَا إِمَام فِتْنَة وَنَتَحَرَّجُ: فَقَالَ: اَلصَّلَاةُ أَحْسَنَ مَا یَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاؤُوْا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَ تَهُمْ''

''یعنی عدی بن خیار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ محصور تھے، یعنی باغیوں نے آپ کا حصار کیا تھا، تو عدی بن خیار نے کہا کہ آپ عام طور پر سب لوگوں کے امام ہیں اور آپ پر جو تردد آیا ہے، وہ آپ پر ظاہر ہے اور ہم

لوگوں کے آگے فتنہ کا امام یعنی مفسد نماز پڑھاتا ہے، اور ہم لوگوں کو اس میں حرج معلوم ہوتا ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز لوگوں کے اعمال میں نہایت بہتر عمل ہے، تو جب لوگ نیک عمل کریں، تو تم بھی ان کے ساتھ نیک عمل کرو اور جب لوگ برا عمل کریں تو تم ان کی برائی سے پرہیز کرو''

یہ ترجمہ روایتِ مذکورہ کا ہے۔

لیکن شیعہ کے پیچھے نماز میں اقتداء کرنا بحالتِ ضرورت بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ارکانِ نماز اور واجباتِ وضو میں ہمارے مذہب کے موافق عمل کرے اور اس میں کچھ خلل نہ ہو، مثلاً وضو میں ہمارے مذہب کے موافق پاؤں دھوئے، ایسا نہ ہو کہ اپنے مذہب کے موافق پاؤں پر مسح کرے، ورنہ اس کے پیچھے نماز میں اقتداء کرنا جائز نہیں۔

البتہ مسائلِ اجتہادیہ کہ منصوصاتِ قطعیہ سے نہیں، اور علمائے کرام میں ان مسائل میں فرضیت اور وجوب کے بارے میں باہم اختلاف ہے، ایسے مسائل میں اگر خلل واقع ہو، تو اس میں مضائقہ نہیں (فتاویٰ عزیزی، ص:۳۸۹ و ۳۹۰، باب العقائد، بعنوان: اقتداء بالشیعہ کا مسئلہ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، طبعِ جدید: ۱۴۱۲ ہجری)

اس فتوے میں علی الاطلاق، روافض کی تکفیر نہیں کی گئی، لیکن مذکورہ فتوے میں صحابۂ کبار وغیرہ کے کافر جاننے والے کی تکفیر کی گئی ہے، اور اس سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب کی طرف سے خوارج کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا حکم لگانے پر تکفیر کا حکم لگایا جاچکا ہے۔

پس اس فتوے کی حیثیت بھی پہلے سے مختلف نہیں، جس کی بنیاد پر خوارج کا بھی کافر ہونا لازم آتا ہے، اور اس کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ یہ موقف جمہور کے برخلاف ہے۔

علاوہ ازیں جملہ اہلِ تشیع، صحابۂ کبار، وامہاتُ المومنین کی تکفیر نہیں کرتے، ان سے بعض امور

میں اختلاف الگ چیز ہے۔

اب اگر پھر بھی آنجناب جمہور صحابہ وتابعین اور فقہائے مجتہدین کے مقابلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کے کسی جگہ مذکور موقف کو راجح سمجھتے ہیں، اور خوارج کی تکفیر، اور پھر اس کے نتیجے میں روافض کی تکفیر کرتے ہیں، تو یہ آپ کا فعل ہے۔

ہم اس کے مقابلہ میں مذکورہ جمہور کے موقف کو راجح سمجھتے ہیں۔ [1]

جس کی مزید تفصیل ہم نے دوسری تالیف ''تکفیرِ شیعہ وروافض کی تحقیق'' میں ذکر کردی ہے، جس میں حدیث ''حربک حربی'' کے غیر معتبر ہونے کا ذکر بھی شامل ہے۔

اور حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی، نیز حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہما اللہ کو بہت سے شیعوں کی طرف سے کفریہ عقائد سے برائت، یا انکار کرنا بھی مسلم ہے، لیکن یہ حضرات اس کو تقیہ پر محمول کرنے کی وجہ سے قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

---

[1] الخوارج الذين يكفرون بالذنب، ويكفرون عثمان وعليا وطلحة والزبير، وكثيرا من الصحابة، ويستحلون دماء المسلمين، وأموالهم، إلا من خرج معهم، فظاهر قول الفقهاء من أصحابنا المتأخرين، أنهم بغاة، حكمهم حكمهم .وهذا قول أبي حنيفة، والشافعي، وجمهور الفقهاء ، وكثير من أهل الحديث .ومالك يرى استتابتهم، فإن تابوا، وإلا قتلوا على إفسادهم، لا على كفرهم.

وذهبت طائفة من أهل الحديث إلى أنهم كفار مرتدون، حكمهم حكم المرتدين............

وأكثر الفقهاء على أنهم بغاة، ولا يرون تكفيرهم، قال ابن المنذر :لا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم وجعلهم كالمرتدين .وقال ابن عبد البر، في الحديث الذي رويناه :قوله :يتمارى في الفوق .يدل على أنه لم يكفرهم؛ لأنهم علقوا من الإسلام بشيء ، بحيث يشك في خروجهم منه . وروى عن علي أنه لما قاتل أهل النهر قال لأصحابه :لا تبدء وهم بالقتال .وبعث إليهم :أقيدونا بعبد الله بن خباب .قالوا :كلنا قتله .فحينئذ استحل قتالهم؛ لإقرارهم على أنفسهم بما يوجب قتلهم.

وذكر ابن عبد البر، عن علي، -رضي الله عنه -أنه سئل عن أهل النهر، أكفار هم؟ قال :من الكفر فروا .قيل :فمنافقون؟ قال :إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا .قيل :فما هم؟ قال :هم قوم أصابتهم فتنة، فعموا فيها وصموا، وبغوا علينا، وقاتلونا فقاتلناهم .ولما جرحه ابن ملجم، قال للحسن :أحسنوا إساره، فإن عشت فأنا ولي دمي، وإن مت فضربة كضربتي .وهذا رأي عمر بن عبد العزيز فيهم، وكثير من العلماء(المغنى لابن قدامة، ج۸، ص ۵۲۴، الیٰ ۵۲۶، ملخصاً، كتاب قتال أهل البغي)

تاہم متعدد علمائے دیوبند، جن میں جلیل القدر اہلِ افتاء بھی شامل ہیں، وہ اس انکار و برائت کو عدمِ التزامِ کفر کے لیے مؤثر سمجھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

شیعوں میں اس قدر مختلف فرقے ہوئے ہیں اور ہیں کہ ہر ایک کے عقائد و خیالات کا احاطہ دشوار ہے، پھر ہر فرقے کی کتابیں مختلف خیالات و استدلالات سے پُر ہیں، اس لیے ہمارے اکابر نے بنظرِ احتیاط موجودہ شیعوں پر کوئی مستقل حکم کرنے سے اس وقت تک احتراز کیا ہے، جب تک اس کا خاص عقیدہ معلوم نہ ہو جاوے، خواہ تفصیلاً، یا یہ کہ ''میں ان تمام عقائد کا پابند ہوں، جو فلاں فرقے کی فلاں کتاب میں مذکور ہیں''۔

بغیر اس کے ہر شیعہ پر پچھلے شیعوں کی خرافات کو لازم کر دینا، یقیناً احتیاط کے خلاف ہے۔

شیعوں کی کتابوں میں تحریفِ قرآن کا عقیدہ بے شک مذکور ہے، مگر موجودہ ہر شیعہ پر بر بناءِ مذکور، یہ از خود لازم نہیں کیا جا سکتا، جب تک وہ اس کی تصریح نہ کرے۔

اور اگر وہ انکار کرتا ہے، خواہ تقیہ ہی سے سہی، تو ہمارے لیے چارہ نہیں کہ ہم اس کے قول و فعل کا اعتبار کریں، تقیہ و نفاق کا تعلق قلب سے ہے، اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

بناءً علیہ ہم تمام شیعوں پر حکم، کفر کا نہیں کر سکتے، ہاں جس کے متعلق تحقیق ہو جاوے کہ وہ تحریفِ قرآن کا قائل ہے، یا اور کسی امر کا ضروریاتِ دین اور قطعیات میں سے منکر ہے، تو اس کو کافر کہنے میں تامل نہیں۔

اب جو فرقہ ضروریاتِ دین کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہے، وہ فرقِ اسلامیہ سے خارج ہے، اور جو ایسا نہیں، وہ ان بہتّر (72) فرقوں میں داخل ہے، جس کا ذکر

حدیث میں ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/۲/۱۳۶۱ھ۔ (فتوی نمبر ۷۰/۳)

(امداد المفتیین جامع، جلد ا، ص ۵۶۳ و ۵۶۴، کتاب الایمان والعقائد، باب احکام الکفر، فصل فی الفرق الباطلة، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018ء)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ''فتاویٰ عثمانی'' کا حوالہ آگے آتا ہے۔

نیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اہلِ تشیع ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

شیعوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے متعدد فرقے ہیں، جن کے عقائد بھی الگ الگ ہیں، اس لیے علمائے اہلِ سنت کے فتاویٰ، ان کے بارے میں مختلف رہے ہیں، زیادہ تر اسلافِ امت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ''من حیث المجموع'' تمام شیعوں پر کوئی حکم نہیں لگاتے، بلکہ ان کے عقائد پر حکم لگاتے ہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے گا، وہ کافر ہے، مثلاً جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی تھی، تو وہ کافر ہے، یا جو یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے، وہ کافر ہے، یا جو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے، یا امُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے، تو یہ سب عقائد رکھنے والے کافر ہوں گے، اس لیے کہ یہ امور، قطعیت کے ساتھ قرآن کریم کے اندر آگئے ہیں۔

چونکہ یہ شیعہ فرقے پہلی صدی میں پیدا ہو چکے تھے، پھر رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے زیادہ ہو گئے، تو ان کا یہ مسئلہ ہر دور میں رہا ہے، اور ہر دور میں علمائے امت کا یہ طریقۂ کار رہا ہے کہ بجائے بحیثیتِ مجموعی، پورے فرقہ پر فتویٰ لگانے کے، عقائد پر فتویٰ لگایا جائے کہ ان میں سے جو یہ عقیدہ رکھے گا، وہ کافر ہوگا، لیکن یہ نہیں کہا کہ سارے شیعہ کافر ہیں، اسی بناء پر بخاری شریف میں شیعہ راویوں کی تعداد

بیسیوں ہیں، اور وہ بھی کٹر شیعہ ہیں، لیکن ان کے اوپر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا، اس واسطے کہ ان سے عقائدِ کفریہ ثابت نہیں ہوئے تھے۔

اور اصولِ حدیث کے اندر یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو، اور اس سے کوئی جھوٹ بھی ثابت نہ ہو، تو اس کی روایت قابلِ قبول ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاجُ السنة '' تالیف فرمائی، اور ردِ شیعہ میں اس سے بہتر شاید کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، لیکن ساری تردید اور سب کچھ کرنے کے بعد، بحیثیتِ مجموعی تمام شیعوں پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا، بلکہ یہ کہا کہ جو یہ عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے۔

ہمارے حضرات اکابرِ علمائے دیوبند کا بھی یہی طریقہ کار رہا ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، ان سب کے فتاویٰ موجود ہیں، جن میں انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ شیعہ اثنا عشری، لازمی تحریفِ قرآن کے قائل ہوتے ہیں، یعنی کوئی شیعہ اثنا عشری ایسا نہیں ہے، جو کہ تحریفِ قرآن کا قائل نہ ہو، اس لیے کہ ان کی کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے، اور ''اصولِ کافی'' میں تحریفِ قرآن کی روایتیں ہیں، اور ان کے جو دوسرے مآخذ ہیں، ان سب کے اندر تحریفِ قرآن کا عقیدہ موجود ہے، اور شیعہ اثنا عشری ان کتابوں کو مانتے ہیں، لہٰذا پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب شیعہ اثنا عشری کافر ہیں۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ (المتولد: 1877ء، 1293ھ، المتوفیٰ: 1962ء، 1381ھ) نے یہ بات سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ تحریر

فرمائی، اور پھر اسی بات کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے چلایا، اور اس کے نتیجہ کے طور پر یہ کہا کہ اب ہمیں اس میں احتیاط کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم فرقے پر حکم نہ لگائیں، بلکہ عقائد پر حکم لگائیں، کیونکہ اب یہ بات مکمل طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ تمام اثنا عشریہ، جن کتابوں کو مانتے ہیں، ان کتابوں میں تحریف موجود ہے، لہٰذا انہوں نے کہہ دیا کہ ہر شیعہ اثنا عشری کافر ہے۔

لیکن حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ نے جس زمانے کے اندر یہ بات تحریر فرمائی تھی، اور حضرات علمائے دیوبند کے پاس فتویٰ کے لیے بھیجی، تو بہت سے حضرات نے ان سے اتفاق کر کے اس فتویٰ پر دستخط فرما دیئے، لیکن بہت سے حضرات نے اس فتویٰ پر بعینہٖ دستخط نہیں فرمائے، بلکہ یہ بات لکھ دی کہ جو لوگ تحریف کے قائل ہیں، یا فلاں فلاں باتوں کے قائل ہیں، وہ کافر ہیں، گویا انہوں نے اسی موقف کو برقرار رکھا، جو شروع سے چلا آتا تھا، اور اپنے اوپر یہ ذمہ داری نہیں لی کہ ہم یہ کہیں کہ ہر شیعہ اثنا عشری ضرور، یہ عقائد رکھتا ہے (انعام الباری، ج۱ص۳۳۱تا۳۳۳، کتاب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء، کراچی)

اب اگر کوئی اس قسم کے فتاویٰ کو راجح سمجھے، تو اس پر بھی نکیر کرنا درست نہیں۔

اور اگر کوئی دلائل کے اعتبار سے کلام کر کے ترجیح کا انتخاب کرنا چاہے، تو پھر اس کے لئے بھی راستے کھلے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ترجیح کا مدار، جذبات و کیفیات کے بجائے دلائلِ شرعیہ پر رکھا جائے۔

قدیم شیعہ علماء کے حوالے نقل کرنے پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''آپ پرانے شیعہ علماء کی کتابوں کے حوالے نقل کر رہے ہیں، لیکن اس میں یہ

پہلو بھی قابلِ غور ہے۔

☆...... ہمارے علماء دفاعِ اسلام میں جب صلیبیوں کے سامنے سینہ سپر تھے، اگر عیسائیوں کو کچھ مواد ملا، تو اسی طبقہ کی کتب سے، جنہیں آپ مسلمان ثابت کررہے ہیں، جن کو عیسائیوں راہبوں نے اسلام کے خلاف بطورِ ہتھیار رودلائل استعمال کیا؟'' ۔انتھٰی۔

کلام :

جس بات کو جناب نے قابلِ غور فرمایا، اسی جہت سے ہمارا کہنا ہے کہ جب برصغیر میں انگریزوں کے دور میں شیعوں کے حوالے سے عیسائی راہبوں نے اسلام کے خلاف بطورِ ہتھیار رودلائل کے تحریفِ قرآن کے مسئلہ کو استعمال کیا، اسی وقت مولانا رحمتُ اللہ کیرانوی نے وہ حوالہ جات پیش فرمائے، جن کو آپ پرانے شیعہ علماء کی کتابوں کے حوالے قرار دے کر نظرانداز کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا رحمتُ اللہ کیرانوی کو ''حجۃُ الاسلام'' کا لقب ملا، اور وہ جنگ آزادی 1857ء میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی قیادت میں، انگریز کے خلاف جہاد میں شامل ہوئے اور شاملی کے بڑے معرکہ میں بھی شریک ہوئے، انگریز کی فتح کے بعد مولانا کیرانوی دیگر مجاہدین کی طرح ہجرت کر کے حجاز چلے گئے، حجاز سے سلطانِ ترکی کے بلانے پر قسطنطنیہ (حالیہ استنبول) گئے اور وہاں مسیحیوں سے مناظرے کیے، وہاں سے سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ کی درخواست پر اپنی معرکۃُ الآرا کتاب ''اظہارُ الحق'' تصنیف فرمائی، جسے آج تک عیسائیت کے ابطال میں معتبر کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں مولانا رحمتُ اللہ کیرانوی صاحب نے، ایک نیک خاتون بیگم صولتُ النساء کے فراہم کردہ عطیے سے ایک مدرسہ ''مدرسہ صولتیہ'' قائم کیا۔

اگر آنجناب ''اظہارُ الحق'' کے حوالہ کو اہمیت نہ دیں، تو اس سے فرق نہیں پڑتا، اور اس صورت

میں جناب کے مذکورہ اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں۔

تحریف شدہ قرآن کی اشاعت کے مسئلہ پر کلام

پھر جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''☆...... کیا انقلابِ ایران کے بعد تحریف شدہ قرآن پاکستان میں شائع اور تقسیم نہ ہوا تھا؟

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں ان پر پابندی لگائی گئی تھی، اب بھی کسی نہ کسی کے پاس اس کی کاپیاں موجود ہوں گی، آپ جیسے محقق سے یہ بات کیسے پوشیدہ ہے''۔انتھٰی۔

کلام:

شاید آنجناب کو شیعوں کے متعلق جمہور اہلُ السنہ کے موقف میں انقلاب لانے کے لئے، ہر مسئلہ میں ''انقلابِ ایران'' ہی کارفرما نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے آپ علی الاطلاق تمام اہلِ تشیع پر یکساں تکفیر کا حکم لگوانے کے خواہش مند ہوں، لیکن ہمارے نزدیک جمہور اہل السنہ کے موقف میں انقلاب لانے کے لئے، تاحال کوئی بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوا کہ جمہور اہل السنہ کے موقف کے اطلاق، یا تقیید و تعلیق میں ایسا انقلاب پیدا کردے کہ دنیا جہان کے کونے کونے میں بسنے والے مختلف فرقوں، اور مختلف افکار سے وابستہ لاکھوں اہلِ تشیع پر یکساں التزامِ کفر کا حکم عائد کردے، اور اس طرح ''کرے کوئی، بھرے کوئی'' کی کہاوت کو پورا کرے۔

علامۃ العراق محمود شکری آلوسی (المتوفٰی: 1342ھ) ''مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ'' میں ''جو شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کی تلخیص ہے'' فرماتے ہیں کہ میرے دادا صاحبِ ''تفسیر روح المعانی'' علامہ آلوسی نے ''نہج السلامۃ'' میں ''امامیہ'' کے فرقوں کی تعداد کے بعد

فرمایا کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ ''اثنا عشریہ'' کے نام سے جو اہلِ تشیع موجودہ زمانہ میں معروف ہیں، وہ بنیادی اعتقادات میں ''امامیہ'' کے بیشتر دوسرے فرقوں اور تمام شیعوں سے بہت سی چیزوں میں شر کے اعتبار سے ہلکے ہیں، جو، معتزلہ کے نقشِ قدم پر ہیں، اور خواجہ نصیر الدین متکلم کے قول کے پیروکار ہیں۔ [1]

اور خواجہ نصیر الدین طوسی (المتوفیٰ: 450ھ) قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کے منکر تھے۔ [2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے بیٹے نعمان بن محمد آلوسی بغدادی (المتوفیٰ: 1317ہجری) اپنی

---

[1] قال الجد (ای صاحب تفسیر روح المعانی)روّح الله روحَه فی کتابه (نهج السلامة) بعد عدِّه فرق الإمامية :ثـم اعـلـم أن الاثـنـی عشرية المعروفين اليوم على علاتهم فی الاعتقادات أهون شرا بـكثيـر مـن كثير من فرق الإمامية وسائر الشيعة، فهم فی معظم الاعتقاديات متطفلون على المعتزلة وقول الخواجة نصير الدين الطوسی المتكلم -عـلی ما نقله عنه تلميذه ابن المطهر الحلی - أنهم مخالفون لجميع الفرق فی ذلک مما يتعجب منه المطلع على اعتقاداتهم، وأعجب من ذلک جعله تـلـک الـمـخالفة دليلا على أنهم الفرقة الناجية(مختصر التحفة الاثنی عشرية،ص ٢٢،الباب الأول فـی ذكـر فـرق الشيـعـة وبيـان أحـوالهـم و كيـفـية حـدوثهم وتعداد مكائدهم،فرق الشيعة الإمامية ، الجعفرية)

[2] "وأمـا الـكـلام فـی زيـادتـه ونقصانه مما لا يليق به أيضاً؛ لأن الزيادة فيه مجمع على بطلانها، والـنـقـصـان مـنه ،فالظاهر أيضاً من مذهب المسلمين خلافه ،وهو الأليق بالصحيح من مذهبنا،وهو الـذی نـصـره الـمـرتـضـی، وهـو الظاهر فی الروايات غير انه رويت روايات كثيرة ،من جهة العامة والـخـاصـة ، بـنقصان كثير من آی القرآن، ونقل شیء منه من موضع إلی موضع، طريقها الآحاد التی لا تـوجـب عـلـمـاً ولا عـملا، والأولى الإعراض عنها، وترک التشاغل بها، لأنه يمكن تأويلها، ولو صـحـت لـمـا كـان ذلک طعناً على ما هو موجود بين الدفتين، فإن ذلک معلوم صحته ،لا يعترضه أحد من الأئمة ولا يدفعه.

ورواياتـنـا متـنـاصـرـة بـالحث على قراء ته والتمسک بما فيه ،ورد ما يرد من اختلاف الأخبار فی الفروع إليه .

وقـد روی عـن الـنبی صلى الله عليه وآله رواية لا يدفعها أحد ،أنه قال"إنی مخلف فيكم الثقلين، ما ان تـمـسـكـتـم بها لن تضلوا،كتاب الله وعترتی أهل بيتی، وإنهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض" وهـذا يـدل عـلـى أنـه مـوجـود فـی كـل عـصـر، لأنـه لا يـجوز أن يأمر بالتمسک بما لا تقدر على التـمـسـک بـه، كـمـا أن أهل البيت ،ومن يجب اتباع قوله حاصل فی كل وقت، وإذا كان الموجود بيـنـنـا مـجـمـعـاً عـلـى صحته ،فينبغی أن نتشاغل بتفسيره، وبيان معانيه وترک ما سواه (التبيان فی تـفـسيـر الـقـرآن، ج ١ ص ٣، مـقدمة المؤلف، فصل فی ذكر جمل لابد من معرفتها قبل الشروع فی تفسير القرآن للطوسی، الناشر: داراحياء التراث العربی، بيروت، لبنان)

تالیف ''الجوابُ الفسیح لما لفقۂ عبدالمسیح'' میں فرماتے ہیں:

''جس بات پر ''جمہور علمائے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ'' ہیں، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید تغییر اور تبدیل سے محفوظ ہے، اور جو قرآن مجید، آج کے دور میں موجود ہے، وہ وہی قرآن ہے، جو ''سیدِ ولدِ عدنان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' پر نازل کیا گیا تھا، نہ اس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے، اور نہ کمی ہوئی ہے، اور ان شیعہ میں سے جس نے اس کے خلاف گمان کیا، تو ''جمہور علمائے شیعہ امامیہ'' کے نزدیک، اس کا وہ قول مردود اور نا قابلِ قبول ہے'' ۔انتھٰی۔ [1]

جس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ''تکفیرِ شیعہ اور چند شبہات پر کلام'' میں ذکر کردی ہے۔

پھر اگر جنزل ضیاء الحق کے زمانے میں وہ تحریف شدہ قرآن واقعی شیعوں کی طرف سے تھا، اور اس میں قصداً وعمداً تحریف کی گئی تھی، تو یقیناً اس میں اس قسم کی تحریفات ہوں گی، جو شیعوں کے عقائد کی ترجمانی کرتی ہوں گی، اور جناب نے بھی ان کو ملاحظہ کیا ہوگا، ان کی وضاحت ونشاندہی کی ضرورت ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اسی زمانے میں اہلِ تشیع اور ایران کی طرف سے اس تحریف شدہ قرآن سے برائت ولاتعلقی کا بھی اعلان کیا گیا تھا، اور وہ اعلان بھی باقاعدہ، میڈیا کے ذریعہ شائع ہوا تھا۔

لیکن اس برائت ولاتعلقی کو جن اہلِ علم حضرات نے تقیہ پر محمول کرکے، نا قابلِ اعتبار قرار دیا، تو وہ ان اہلِ علم حضرات کا موقف ہے، جو اس طرح کے مواقع پر کسی بھی شیعہ کی طرف سے

---

[1] وأما ما عليه جمهور علماء الشيعة الإمامية الاثنى عشرية أن القرآن المجيدة محفوظ عن التغيير والتبديل، والموجود الآن هو الذى انزل على سيد ولد عدنان من غير زيادة ولا نقصان، واما من زعم منه غير هذا فقولهٔ مردود، غير مقبول عندهم ايضاً (الجوابُ الفسيح لما لفقۂ عبدالمسيح، المجلد الثانى، ص ١٣٤، كلام النصرانى فى كتابة القران بعد موت النبى، الفصل الثانى، مطبوعة: دار البيان العربى بالقاهرة، تاريخِ طبع: 1978ء)

کوئی غلط فکر سامنے آنے، اور دوسرے شیعوں کی طرف سے اس کی برائت ولاتعلقی اور انکار سامنے آنے کے باوجود، یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

لیکن ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ تقیہ کا تعلق دل کے ساتھ ہے، جس کا فیصلہ بروزِ آخرت اللہ کے سامنے ہوگا، ہم تو ظاہر کے مکلّف ہیں، اس اصول کی بنا پر جن اہلِ تشیع نے تحریف شدہ قرآن سے لاتعلقی اور برائت ظاہر کی، اگرچہ تقیہ کی طور پر ہی سہی، تو ہم دنیا کے ظاہری احکام کے اعتبار سے ان کو اس جرم میں شریک نہیں سمجھتے، جس کا مآل پھر وہی نکلے گا کہ جو شیعہ تحریفِ قرآن کا قائل ہو، وہ کافر ہے، اور جو اس کا قائل نہ ہو، اور اس کی طرف سے کوئی دوسرا صریح کفریہ ناقابلِ تاویل عقیدہ بھی ظاہر نہ ہو، تو اس پر التزامِ کفر کا حکم عائد نہ ہوگا۔

اور یہ وہی موقف ہے، جس کو ہم اپنے اس فتوے میں نقل کر چکے ہیں، جس پر جناب کی طرف سے الزامات قائم کیے جا رہے ہیں۔

تحریف شدہ قرآن شائع کرنے والوں کی فکر پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

> ''☆......جن کی اس وقت فکر کی جا رہی ہے، وہ تو وہی تحریف شدہ قرآن چھاپ چکے ہیں، شاید تلاش سے آپ کو مل جائے، اس مسئلہ میں بھی آپ عجلت سے کام لے رہے ہیں''۔انتہٰی۔

کلام:

ہمیں تو الحمد للہ درجہ بدرجہ اپنی بھی فکر ہے، اور آنجناب کی بھی فکر ہے، اور سنیوں کی بھی فکر ہے، اور شیعوں کی بھی، بلکہ غیر مسلموں کی بھی فکر ہے، لیکن ہر ایک کی فکر میں یہی پہلو پیشِ نظر ہے کہ سب کے سب ہدایت یافتہ ہو کر جہنم سے بچ جائیں، جنت کے مستحق ہو جائیں، اور بغیر سزا کے جنت میں داخل ہو جائیں، اور جنت کے بھی اعلیٰ درجات سے مستفید ہو جائیں۔

پھر ہماری مذکورہ اس فکر میں شریعتِ مطہرہ کے جو تقاضے ہیں، ان کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

جیسا کہ شریعتِ مطہرہ نے تکفیرِ مسلم میں نہایت احتیاط کا حکم دیا ہے، اور اسی کے ساتھ بہت سے گناہوں پر سخت وعیدوں کی بھی خبر دی ہے، تو اب خطاء کار مسلم کے حق میں دونوں امور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

اگر جناب کو اس کے برعکس تمام شیعوں کو کافر کہلوانے کی فکر ہو، تو ہمیں اپنی فکر کا ہم نوا بنانے کی توقع رکھنا بے جا ہے، کیونکہ ہم آپ کی اس فکر کے حامی ہو کر اپنی آخرت کی فکر سے بے فکر نہیں ہو سکتے۔

پھر ہم نے تحریف شدہ قرآن چھاپنے والوں کا نام لے کر کوئی حکم بیان نہیں کیا۔

اور جس بنیاد پر ہم نے تکفیر وعدمِ تکفیر کے حکم میں تفریق کی، وہ الحمدللہ تحریف شدہ قرآن چھاپنے والوں کو بھی شامل ہے، اور اس سے انکار و برائت کرنے والوں کو بھی شامل ہے، اور وہ حکم ہر جہت سے بحمداللہ تعالیٰ جامع مانع ہے، لیکن آنجناب کا جو دعویٰ ہے، اور آپ ہمیں بھی اسی دعوے کے اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں، اس میں ہمارے نزدیک زیادہ وزن نہیں، کیونکہ آپ ''سب کو ایک صف میں کھڑا'' کر کے، اور ''مان نہ مان میں تیرا مہمان'' کا مصداق بن کر سب پر عجلت سے یکساں حکم لگوانا چاہتے ہیں۔

اور گویا کہ آخرت کا حتمی فیصلہ بھی یہیں کرنا چاہتے ہیں۔

اور خود سے عجلت والا جرم کر کے اس کا الزام بھی دوسرے پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہم نے اس سلسلے میں بھی، اس سے پہلے مسئلہ کی طرح بحمداللہ تعالیٰ ہرگز عجلت سے کام نہ لیا، بلکہ چودہ سو سال سے تسلسل کے ساتھ چلے آ رہے، جمہور کے موقف کو ہی اختیار و نقل اور پیش کیا ہے، جو آپ جیسے عجلت پسندوں کو اس لیے عجلت والا محسوس ہوا کہ جناب کو چودہ سو سال سے تسلسل کے ساتھ چلے آ رہے، جمہور کے اصل موقف سے صحیح آگاہی تھی ہی نہیں۔

بس جو کچھ چند متاخرین و متخصصین سے سنا، اور پڑھا، جھٹ سے اسی کو جمہور کا موقف سمجھ لیا، جبکہ ہم نے ایسا کرنے کے بجائے، الحمدللہ قرآن وسنت کی روشنی میں جمہور کے موقف اوران کے بیان کردہ دلائل میں بھی تامل اور غور وفکر کیا، ایسی صورت میں ہماری طرف عجلت کے الزام کا کیا مطلب؟

اس موقع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درجِ ذیل کلام کو ملاحظہ کرنا، شاید جناب کے مذکورہ الزام کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے، وہ ''لمعاتُ التنقیح'' فرماتے ہیں کہ:

الصواب أن لا نتسارع إلى تكفير أهل الأهواء المتأولين؛ لأنهم لا يقصدون بذلك اختيار الكفر ولا يرضون به، وقد تمسكوا بالكتاب والسنة ويذلوا جهدهم فى إصابة الحق فأخطؤوا، والتكفير لا يطلق إلا بعد البيان الجلى، والفرق ما بين لزوم الكفر والتزامه، وهذا القول هو مذهب المحققين من علماء الأمة نظرا واحتياطا، وقد نهينا عن تكفير أهل القبلة ، وكل ما وقع فى شأنهم مما يدل على التكفير، فهو من باب الزجر والتشديد والمبالغة فى التضليل والمجاز والتمثيل(لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح، ج ۱، ص ۳۹۵، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر)

ترجمہ: درست بات یہ ہے کہ ہم اہلِ اہواء، متاولین کی تکفیر میں عجلت سے کام نہ لیں، کیونکہ وہ اس کے ذریعہ کفر کا ارادہ نہیں کرتے، اور نہ وہ کفر پر راضی ہوتے، اوروہ کتاب وسنت سے ہی تمسک کرتے ہیں، اوراپنی جہد کوحق کے پانے میں خرچ کرتے ہیں، اگرچہ وہ خطاء کا ارتکاب کرتے ہیں، اور تکفیر کا اطلاق بیانِ جلی کے بعد ہی کیا جاتا ہے، اور ''لزومِ کفر'' اور ''التزامِ کفر'' کے مابین فرق ہے، اور یہی قول علمائے امت کے محققین کا ہے، جو تحقیق واحتیاط پر مبنی ہے، اور

ہمیں اہلِ قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے، اور ہر وہ بات، جو ان کی شان میں تکفیر پر دلالت کرنے والی واقع ہوئی ہے، وہ زجر و تنبیہ، تشدید و تضلیل میں مبالغہ اور مجاز و تمثیل کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے (لمعات)

مولانا منظور نعمانی صاحب کے متفقہ فتویٰ پر کلام

اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''کیا حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کا تمام دنیا کے علماء سے لیا گیا فتویٰ، آپ کے پاس نہیں ہے؟''۔ انتہیٰ۔

کلام:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے مرتب کردہ یہ مضمون، ہمارے پاس موجود ہے، اور الحمد للہ تعالیٰ اس کو ملاحظہ و مطالعہ بھی کیا ہے۔

لیکن چند علماء کے کسی مجتہَد فیہ مسئلے میں اتفاق کر لینے کو نہ تو اجماع قرار دیا جا سکتا، اور نہ ہی اس کو جمہور کا قول قرار دیا جا سکتا، اور نہ ہی اس کو دوسرے علماء پر حجت قرار دیا جا سکتا، بالخصوص جبکہ اسی وقت اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے بھی موجود ہوں، اور اس سے قبل یہ مسئلہ مجتہدینِ عظام و فقہائے کرام کے زیرِ بحث بھی آیا ہو، اور بعد کے ان علماء کی یہ رائے جمہور مجتہدینِ عظام و فقہائے کرام کے موقف کے موافق بھی نہ ہو۔

چنانچہ جناب نے اپنی تحریر کے شروع میں علمی و تحقیقی رسائل کی جلد نمبر 5 کا جو حوالہ دیا ہے، اور یہ تحریر کیا ہے کہ:

''تحقیقی رسائل کی جلد نمبر ۵ پڑھ کر بے ساختہ آپ کے لیے دعائیں نکلیں، پھر کئی اور نسخے منگوا کر اپنے دوستوں کو متوجہ کیا، **الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ**، آپ نے حق ادا کر دیا، اور اپنے اکابر کا خوب دفاع کیا، نیز ان ہی کی تقلیدی رائے پر

مضبوط دلائل فراہم کیے، یقیناً بڑے خاصے کی چیز ہے''۔

اس جلد کے آخر میں مذکور مندرجہ ذیل عبارت بھی یقیناً، جناب نے خود اور آپ کے دوستوں نے ملاحظہ کی ہوگی:

''معلوم ہوا کہ آج کل کے علماء اگر مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کرلیں، تو اس کو اجماعِ شرعی نہ کہیں گے، کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا، جو کہ غیر معتبر ہے، پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱، ۴۸۲)

''جن علماء کے اتفاق کا ''انوارِ ساطعہ'' میں حوالہ دیا گیا ہے، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ان کے ہم عصر ہیں، اور ان کا فتویٰ ان کے خلاف ہے، لہٰذا یہ فتویٰ قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ خلاف عالمِ واحد بھی قادحِ اجماع ہے'' ملاحظہ ہو: براہینِ قاطعہ'' معلوم ہوا کہ جمہور علماء کا کسی مسئلہ میں اتفاق کرلینا، جبکہ ایک عالم محقق بھی ان کے خلاف ہو، حجت نہیں، اور شخصِ واحد کا قول بھی جمہور کے خلاف صحیح ہوسکتا ہے (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۹۷)

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۵ ص۷۴۴، ۷۴۵)

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی مندرجہ ذیل شہادت بھی ملاحظہ کر لینی چاہیے کہ:

بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ شیعہ اثنا عشری، لازمی تحریفِ قرآن کے قائل ہوتے ہیں، یعنی کوئی شیعہ اثنا عشری ایسا نہیں ہے، جو کہ تحریفِ قرآن کا قائل نہ ہو، اس لیے کہ ان کی کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے، اور ''اصولِ کافی'' میں تحریفِ قرآن کی روایتیں ہیں، اور ان کے جو دوسرے مآخذ ہیں، ان

سب کے اندر تحریفِ قرآن کا عقیدہ موجود ہے، اور شیعہ اثنا عشری ان کتابوں کو مانتے ہیں، لہٰذا پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب شیعہ اثنا عشری کافر ہیں۔

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ (المتولد: 1877ء، 1293ھ، المتوفیٰ: 1962ء، 1381ھ) نے یہ بات سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائی، اور پھر اسی بات کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے چلایا، اور اس کے نتیجہ کے طور پر یہ کہا کہ اب ہمیں اس میں احتیاط کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم فرقے پر حکم نہ لگائیں، بلکہ عقائد پر حکم لگائیں، کیونکہ اب یہ بات مکمل طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ تمام اثنا عشریہ، جن کتابوں کو مانتے ہیں، ان کتابوں میں تحریف موجود ہے، لہٰذا انہوں نے کہہ دیا کہ ہر شیعہ اثنا عشری کافر ہے۔

لیکن حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ نے جس زمانے کے اندر یہ بات تحریر فرمائی تھی، اور حضرات علمائے دیوبند کے پاس فتویٰ کے لیے بھیجی، تو بہت سے حضرات نے ان سے اتفاق کر کے اس فتویٰ پر دستخط فرما دیئے، لیکن بہت سے حضرات نے اس فتویٰ پر بعینہٖ دستخط نہیں فرمائے، بلکہ یہ بات لکھ دی کہ جو لوگ تحریف کے قائل ہیں، یا فلاں فلاں باتوں کے قائل ہیں، وہ کافر ہیں، گویا انہوں نے اسی موقف کو برقرار رکھا، جو شروع سے چلا آتا تھا، اور اپنے اوپر یہ ذمہ داری نہیں لی کہ ہم یہ کہیں کہ ہر شیعہ اثنا عشری ضرور، یہ عقائد رکھتا ہے (انعام الباری، ج۱ص۳۳۲،۳۳۳، کتاب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء، کراچی)

نیز اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ''فتاویٰ عثمانی'' میں درجِ ذیل استفتاء اور اس کا جواب بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے:

سوال:......مسئلہ یہ ہے کہ ''بینات'' والوں نے دو نمبر، روافض کے بارے میں شائع کیے ہیں، ٹائیٹل پر لکھا ہے کہ ''علماء کا متفقہ فیصلہ، یعنی شیعہ کافر ہے'' اس میں

ہندو پاک کے بڑے بڑے علماء کے دستخط موجود ہیں، آپ کے دستخط نظر سے نہیں گزرے، اور ہمارے ایک دوست کا کہنا یہ ہے کہ مولانا محمد رفیع صاحب کو شیعہ روافض کی تکفیر کے بارے میں تردد ہے۔

برائے مہربانی آپ اپنی رائے کا اظہار فرمائیں کہ کیا واقعی ایسا ہے کہ آپ شیعوں کو کافر نہیں سمجھتے۔ فقط۔ والسلام

آپ کا مخلص: احقر حافظ مشتاق احمد

جــــواب:...... جو ''شیعہ'' کفریہ عقائد رکھتے ہوں، مثلاً قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہوں، یا یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں، ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔

لیکن یہ بات کہ تمام شیعہ، یہ، یا اس قسم کے کافرانہ عقائد رکھتے ہیں، تحقیق سے ثابت نہیں ہوئی۔

اور کئی شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ''الکافی'' یا ''اصولُ الکافی'' وغیرہ میں جتنی باتیں لکھی ہیں، ہم ان سب کو درست نہیں سمجھتے۔

دوسری طرف کسی کو کافر قرار دینا، چونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے، اس لیے اس میں بے حد احتیاط ضروری ہے۔

اگر بالفرض کوئی تقیہ بھی کرے، تو وہ اپنے باطنی عقائد کی وجہ سے عنداللہ کافر ہوگا، لیکن فتویٰ اس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا۔

اسی لیے چودہ سو سال میں علمائے اہلِ سنت کی اکثریت شیعوں کو علی الاطلاق کافر کہنے کے بجائے، یہ کہتی آئی ہے کہ جو شیعہ ایسے کافرانہ عقائد رکھے، کافر ہے۔

اور یہی طریقہ بیشتر اکابر علمائے دیوبند کا رہا ہے۔

اور چونکہ جمہور علماء کے اس طریقے میں کوئی تبدیلی لانے کے لیے کافی دلائل محقق نہیں ہوئے، اس لیے دارالعلوم کراچی، مفتیِ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے وقت سے اکابر کے اسی طریقے کے مطابق فتویٰ دیتا آیا ہے کہ جو شیعہ اِن کافرانہ عقائد کا قائل ہو، وہ کافر ہے، مگر علی الاطلاق ہر شیعہ کو خواہ اس کے عقائد کیسے بھی ہوں، کافر قرار دینے سے جمہور علمائے امت کے مسلک کے مطابق احتیاط کی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیعوں کی گمراہی میں کوئی شبہ ہے، جن شیعوں کو کافر قرار دینے سے احتیاط کی گئی ہے، بلا شبہ وہ بھی سخت ضلالت وگمراہی میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان گمراہیوں سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

والسلام۔ ۱۴/۱/۱۴۱۲ھ

(فتاویٰ عثمانی، ج۱، ص۹۷، ۹۸، کتاب الایمان والعقائد، فصل فی الفرق والاحزاب الاسلامیة والباطلة والأشخاص المتعلقین بها، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن کراچی، سنِ طباعت: جولائی 2006ء)

اس کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ کے مقدمہ میں ''ایک ضروری وضاحت'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص کسی مذہبی فرقہ سے وابستہ ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس کے عقائد وہی ہیں، جو اس مذہب کی مستند کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اپنے مذہب سے جہالت وناواقفیت، یا اپنی ذاتی رائے کی بناء پر اس کے وہ عقائد نہ ہوں۔

اسی اصول کی بنا پر جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے، اس کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے

کہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتا ہے، اگرچہ ہماری بدبختی سے مسلمانوں میں بہت سے جاہل اور دین سے ناواقف ایسے لوگوں کا ہونا معلوم ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد اور ایمانیات سے بے خبر ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے پڑھے لکھے گمراہ بھی ہیں، جو مغربی تعلیم اور فلسفہ کے اثر سے آخرت اور جنت و دوزخ اور ملائکہ جیسی ایمانی حقیقتوں پر یقین نہیں رکھتے، لیکن جب تک کسی شخصیت کے بارہ میں تحقیق کے ساتھ ایسی بات معلوم نہ ہو، اس کو مسلمان ہی کہا اور سمجھا جائے گا۔

اس مسلمہ اصول کی بنا پر یہی سمجھا جاتا ہے، اور سمجھا جائے گا کہ جو شخص شیعہ اثناء عشری فرقہ سے وابستہ ہے، اس کے عقائد وہی ہیں، جو اس فرقہ کی مستند کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، اور انہیں عقائد کی بنا پر اس کے بارہ میں وہ شرعی فیصلہ کیا جائے گا، جو راقم سطور کے استفتاء کے جواب میں حضرات علماءِ کرام و اصحابِ فتویٰ نے کیا ہے۔

اگر بالفرض ان میں سے کسی فرد کے عقیدے وہ نہیں ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کے حق میں وہ فیصلہ نہیں ہوگا، لیکن ''اثناء عشری مذہب'' میں تقیہ چونکہ نہ صرف جائز بلکہ واجب اور ائمہ معصومین کی سنت و عبادت ہے (جیسا کہ خاص نمبر کے مقدمہ اور اس سے زیادہ تفصیل سے راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' میں لکھا جاچکا ہے) اس لیے اگر کوئی اثناء عشری شیعہ ان عقائد سے انکار کرے، جو موجبِ کفر ہیں، تو اس انکار کے بارہ میں شک و شبہ رہے گا، اور نکاح و ذبیحہ جیسے معاملات میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرتے ہوئے، پرہیز کیا جائے گا، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے، اس کے ساتھ اپنے علمِ محیط کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔

اس مرحلہ پر اپنے ناظرین کو یہ بتلا دینا بھی یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ استفتاء

میں شیعہ اثنا عشریہ کے جن تین عقیدوں کو پیش کیا گیا ہے جو ہمارے نزدیک قطعی طور پر موجبِ کفر ہیں، ان میں سے پہلا عقیدہ یعنی شیخین کا ایمان سے محروم اور منافق ہونے کی بنیاد پر (یا کم از کم ظالم وغاصب) اور فاسق ہونے کی وجہ سے، مخلد فی النار ہونا، ایسا عقیدہ ہے، جس پر ہمارے زمانے کے بھی شیعہ علماء اور مجتہدین کا اتفاق ہے، ان میں سے کسی کا انکار ہمارے علم میں نہیں۔

(بعض ''اثنا عشری'' علماء نے شیخین کے بارے میں اپنا عقیدہ یہی لکھا ہے کہ ''وہ ظالم، غاصب اور فاسق تھے'' لیکن ساتھ ہی انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک فاسق بھی کافروں کی طرح مخلد فی النار، یعنی نجات اور جنت سے محروم، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ حاشیہ)

اسی طرح تیسرے عقیدے امامت پر (جو بلا شبہ عقیدۂ ختمِ نبوت کی نفی کرتا ہے، جیسا کہ استفتاء میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے) سب کا اتفاق ہے۔

ہاں عقیدۂ تحریفِ قرآن سے ہمارے اس زمانہ کے اکثر شیعہ علماء انکار کرتے ہیں، لیکن چونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ قرآن کو مرتب اور جمع کرنے والے حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ان کا جو عقیدہ ہے اس کے ہوتے ہوئے قرآن مجید پر ایمان، بلکہ کسی درجہ کا اعتماد واعتبار ہونا بھی از روئے عقل ممکن نہیں، اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اس انکار کو تقیہ پر محمول کریں۔

جیسا کہ ان کے ایک عظیم محدث ومجتہد ومتکلم نعمتُ اللہ الجزائری نے تحریف سے انکار کرنے والے اپنے علمائے متقدمین شیخ صدوق وشریف مرتضٰی وطبرسی وغیرہ کے بارے میں صراحت سے لکھا ہے، ان کی کتاب ''الانوار النعمانية'' کی عبارت استفتاء میں درج کی جاچکی ہے۔ واللہ اعلم باحوال عبادہٖ وھو علیم بذات الصدور.

ایک تنقیح۔''شیعہ''اور''اثنا عشریہ''

شیعوں کے بہت سے فرقے تھے، ان کی تعداد قریباً ستر تک ذکر کی گئی ہے، ان میں سے اب بھی بہت سے ہیں، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بارے میں افراط وغلو اور حضرات خلفائے ثلاثہ سے بغض وعداوت اور لعن طعن ان سب فرقوں میں قدرِ مشترک ہے۔

ان میں بعض وہ بھی تھے، جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی انسانی شکل میں خدا ہیں، اور وہ بھی تھے جن کا عقیدہ تھا کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کو نبی بنانا چاہا تھا اور جبرئیل کو وحی لے کر انہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن وہ غلطی سے محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے۔

ہمارے بعض فقہاء اور اصحابِ فتاویٰ نے شیعوں کے ان عقیدوں کا بھی ذکر کیا ہے ،لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسے عقیدے رکھنے والے فرقے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں۔

اب شیعہ عام طور سے اثنا عشریہ ہی کو کہا جاتا ہے، جن کا دوسرا معروف نام''امامیہ'' بھی ہے، ان کے عقائد ونظریات راقم سطور کی کتاب''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت''میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں، ہمارے استفتاء اور فتاویٰ کا تعلق خاص اسی فرقہ سے ہے، شیعوں کے دوسرے فرقے اب اپنے مستقل ناموں سے معروف ہوگئے ہیں، مثلاً''اسماعیلیہ، نُصیریہ، زیدیہ''وغیرہ'' (خصوصی اشاعت، ماہنامہ''بینات'' کراچی، حصہ دوم، ص۳۲ تا ۳۴، طباعتِ سوم، ناشر: مکتبہ بینات، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تفصیلی عبارت سے جو باتیں معلوم ہوئیں، وہ بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ہم نے مختصر کلام بھی کیا ہے:

(1)...... حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ ''اگر شیعہ اثناء عشری فرقے سے وابستہ کسی فرد کے عقائد وہ نہیں ہیں، جو اس مذہب کی مستند کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، اور کوئی اثناء عشری شیعہ ان عقائد سے انکار کرے، جو موجبِ کفر ہیں، تو اس کے حق میں اُن عقائد کا فیصلہ نہیں ہوگا۔

لیکن ''اثناء عشری مذہب'' میں ''تقیہ'' کی وجہ سے اس کے انکار میں شک وشبہ رہے گا، جس کی وجہ سے نکاح وذبیحہ جیسے معاملات میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرتے ہوئے، پرہیز کیا جائے گا، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ جو علیم وخبیر ہے، اس کے ساتھ اپنے علمِ محیط کے مطابق معاملہ فرمائے گا''۔ انتہیٰ۔

مذکورہ عبارت میں ''شیعہ اثناء عشری'' سے وابستہ شخص کے کفریہ عقیدے کے انکار کی صورت میں ''تقیہ'' کی بناء پر اس کے نکاح وذبیحے جیسے معاملات میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرتے ہوئے پرہیز کا حکم لگایا گیا ہے۔

اور اس احتیاط کا حکم دیگر اکابر اور فقہاء کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس احتیاط سے اس پر ''التزامِ کفر'' کا حکم عائد کرنا لازم نہیں آتا، اسی وجہ سے اس کے باطنی اور اندرونی معاملے کو اللہ کے حوالے کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اس پر ''التزامِ کفر'' یا سیاستِ کافرانہ جاری کرنے کا حکم عائد کرنا، احتیاط کے خلاف ہے۔

یہ بات بھی فقہائے کرام کے بیان کردہ اصول کے موافق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ منافقین کے ساتھ بھی دورِ نبوت اور دورِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں دنیا کے احکام میں کافروں والا حکم عائد نہیں کیا گیا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ منافقین کے باطل مذہب کی بنیاد سراسر ''تقیہ'' پر ہی تھی، بلکہ وہ اس بنیاد کی وجہ سے ہی منافق تھے، اور ان کا ''تقیہ'' کسی گناہ ومعصیت کے عقیدے کے متعلق نہیں تھا، بلکہ ان کا ''تقیہ'' کفر کو چھپانے پر تھا، جس کی

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں جا بجا صراحت فرمائی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تو خاص اہلِ تشیع کے متعلق، اس بات کی صاف تصریح فرمائی ہے، چنانچہ وہ اپنے فتاویٰ میں ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

شیعوں میں اس قدر مختلف فرقے ہوئے ہیں اور ہیں کہ ہر ایک کے عقائد و خیالات کا احاطہ دشوار ہے، پھر ہر فرقے کی کتابیں مختلف خیالات واستدلالات سے پُر ہیں، اس لیے ہمارے اکابر نے بنظرِ احتیاط موجودہ شیعوں پر کوئی مستقل حکم کرنے سے اس وقت تک احتراز کیا ہے، جب تک اس کا خاص عقیدہ معلوم نہ ہو جاوے، خواہ تفصیلاً، یا یہ کہ ''میں ان تمام عقائد کا پابند ہوں، جو فلاں فرقے کی فلاں کتاب میں مذکور ہیں''۔

بغیر اس کے ہر شیعہ پر پچھلے شیعوں کی خرافات کو لازم کر دینا، یقیناً احتیاط کے خلاف ہے۔

شیعوں کی کتابوں میں تحریفِ قرآن کا عقیدہ بے شک مذکور ہے، مگر موجودہ ہر شیعہ پر بر بناءِ مذکور، یہ از خود لازم نہیں کیا جا سکتا، جب تک وہ اس کی تصریح نہ کرے۔

اور اگر وہ انکار کرتا ہے، خواہ تقیہ ہی سے سہی، تو ہمارے لیے چارہ نہیں کہ ہم اس کے قول و فعل کا اعتبار کریں، تقیہ و نفاق کا تعلق قلب سے ہے، اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

بناءً علیہ ہم تمام شیعوں پر حکم، کفر کا نہیں کر سکتے، ہاں جس کے متعلق تحقیق ہو جاوے کہ وہ تحریفِ قرآن کا قائل ہے، یا اور کسی امر کا ضروریاتِ دین اور قطعیات میں سے منکر ہے، تو اس کو کافر کہنے میں تامل نہیں۔

اب جو فرقہ ضروریاتِ دین کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہے، وہ فرقِ اسلامیہ سے خارج ہے، اور جو ایسا نہیں، وہ ان بہتّر (72) فرقوں میں داخل ہے، جس کا ذکر حدیث میں ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم دیو بند۔ ۱۶/۲/۱۳۶۱ھ۔ (فتویٰ نمبر ۳/۷۰)

(امداد المفتیین جامع، جلد ا، ص ۵۶۳ و ۵۶۴، کتاب الایمان و العقائد، باب احکام الکفر، فصل فی الفرق الباطلۃ، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی یہ تصریح، قرآن وسنت اور مفسرین ومحدثین اور مجتہدین وفقہائے کرام کی تصریحات کے موافق ہے۔

اس سلسلہ میں چند عبارات وحوالہ جات پیشِ خدمت ہیں۔

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَـاأَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ ا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْـقٰـى اِلَيْـكُمُ السَّلٰـمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا،تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ، كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ (سورة النساء، رقم الآية ۹۴)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے، جب چلو تم، اللہ کے راستے میں، تو تم تحقیق کرلیا کرو، اور نہ کہا کرو اس شخص کے لیے، جو تم پر سلام ڈالے کہ تو مومن نہیں، تلاش کرتے ہو تم، دنیاوی زندگی کے سامان کو، پس اللہ کے پاس بہت سا مالِ غنیمت ہے، اسی طریقے سے تم پہلے تھے (سورہ نساء)

”تفسیرُ الجلالین“ میں ہے کہ:

”سورہ نساء کی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی، جب کافروں کے لشکر میں سے ایک شخص نے، مسلمانوں کو سلام کیا، جو کہ اس کے مسلمان ہونے کی ظاہری علامت تھی، تو لوگوں نے کہا کہ اس نے ”تقیہ“ کے طور سلام کیا ہے، اور اس کو قتل کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو مومن نہ سمجھنے سے منع فرمایا“۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] ونـزل لما مر نفر من الصحابة برجل من بنى سليم وهو يسوق غنما فسلم عليهم فقالوا ما سلم عـلـيـنـا إلا تقية فقتلوه واستاقوا غنمه (يأيها الذين آمنوا إذا ضربتم) سـافـرتـم للجهاد (فى سبيل الله فتبينوا) وفى قراء ة فتثبتوا فى الموضعين (ولا تقولوا لمن ألقي إليكم السلام) بألف أو دونها أى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ:

''جو تم کو سلام کرے، اور تمہارے سامنے ایمان کو ظاہر کرے، تو تمہارے لیے اس سے غفلت اختیار کرنا، اور اس پر ''تصنع'' اور ''تقیہ'' کی تہمت لگانا، جائز نہیں، بلکہ اس کے ظاہر کا اعتبار کرنا ضروری ہے''۔انتھٰی۔ [1]

اور تفسیر ''روح المعانی'' میں ہے کہ:

''مطلب یہ ہے کہ جو تمہارے سامنے ایسی چیز کا اظہار کرے، جو اس کے ''اسلام'' پر دلالت کرتی ہو، تو تم یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں، اور تو نے قتل وغیرہ کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا ہے، بلکہ تم اس چیز کو قبول کرلو، جس کا اس نے اظہار کیا ہے، اور اس کے ساتھ اسی کے مطابق معاملہ کرو''۔انتھٰی۔ [2]

اور ابوبکر جصاص حنفی نے ''احکامُ القرآن'' میں فرمایا کہ:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام ظاہر کرنے والے کے ایمان کے صحیح ہونے، اور اس پر مسلمانوں والے احکام جاری ہونے کا حکم فرمایا ہے، اگرچہ باطن اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التحية أو الانقياد بكلمة الشهادة التى هى أمارة على الإسلام (لست مؤمنا) وإنما قلت هذا تقية لنفسك ومالك فقتلوه (تبتغون) تطلبون لذلك (عرض الحياة الدنيا) متاعها من الغنيمة (فعند الله مغانم كثيرة) تغنيكم عن قتل مثله لماله (كذلك كنتم من قبل) تعصم دماؤكم وأموالكم بمجرد قولكم الشهادة (فمن الله عليكم) بالاشتهار بالإيمان والاستقامة (فتبينوا) أن تقتلوا مؤمنا وافعلوا بالداخل فى الإسلام كما فعل بكم (إن الله كان بما تعملون خبيرا) فيجازيكم به(تفسير الجلالين،ص۱۱۸،سورة النساء،رقم الأية ۹۴)

[1] وقوله :فعند الله مغانم كثيرة أى خير مما رغبتم فيه عرض الحياة الدنيا الذى حملكم على قتل مثل هذا الذى ألقى إليكم السلام، وأظهر لكم الإيمان فتغافلتم عنه واتهمتموه بالمصانعة والتقية لتبتغوا عرض الحياة الدنيا، فما عند الله من الرزق الحلال خير لكم من مال هذا(تفسير ابن كثير، ج۲،ص ۳۴۰،سورة النساء،رقم الآية ۹۴)

[2] والمعنى لا تقولوا لمن أظهر لكم ما يدل على إسلامه:
لست مؤمنا وإنما فعلت ذلك خوف القتل بل اقبلوا منه ما أظهر وعاملوه بموجبه(روح المعانى،ج۳ص۱۱۴،سورة النساء،رقم الآية ۹۴)

غیب میں اس کے خلاف کیوں نہ ہو، اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ''زندیق'' کی توبہ قبول کرلی جائے گی، جب وہ اسلام کا اظہار کرے، اوراسی وجہ سے اسلام کا اظہار کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے سے منع فرمایا، اوراس کے ظاہری قول پر، اسلام کا حکم لگایا''۔انتہٰی۔ [1]

مفسرینِ عظام کے علاوہ محدثینِ عظام نے بھی احادیث کی شرح کرتے ہوئے، یہی بات بیان فرمائی ہے۔

دکتور شیخ سعید بن علی بن وہف قحطانی، اپنی تالیف ''قضيةُ التكفير بين أهل السنة وفرق الضلال فی ضوء الكتاب والسُّنَّة'' میں فرماتے ہیں کہ:

''کسی کو کافر قرار دینے کے، چند ضوابط وقواعد ہیں، جن کی معرفت ضروری ہے۔

کسی کو کافر قرار دینے کا پہلا ضابطہ وقاعدہ یہ ہے کہ ظاہر پر حکم لگایا جائے، اہلُ السنۃ کے نزدیک احکام، گمان اور وہم پر مبنی نہیں ہوتے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمایا کہ آپ نے ''لا الٰـــہ الا اللّٰـہ '' کہنے کے بعد بھی اس کو قتل کردیا، جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ اس نے اسلحہ کے خوف کی وجہ سے یہ جملہ کہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وهو معنى قوله تعالى ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلام لست مؤمنا فحكم الله تعالى بصحة إيمان من أظهر الإسلام وأمرنا بإجرائه على أحكام المسلمين وإن كان فى المغيب على خلافه وهذا مما يحتج به فى قبول توبة الزنديق متى أظهر الإسلام لأن الله تعالى لم يفرق بين الزنديق وغيره إذا أظهر الإسلام وهو يوجب أن من قال لا إله إلا الله محمد رسول الله أو قال إنى مسلم أنه يحكم له بحكم الإسلام لأن قوله تعالى لمن ألقى إليكم السلام إنما معناه لمن استسلم فأظهر الانقياد لما دعى إليه من الإسلام وإذا قرء السلام فهو إظهار تحية الإسلام وقد كان ذلك علما لمن أظهر به الدخول فى الإسلام.

وقال النبى صلى الله عليه وسلم للرجل الذى قتل الرجل الذى أسلمت والذى قال لا إله إلا الله قتلته بعد ما أسلم.

فحكم له بالإسلام بإظهار هذا القول(أحكام القرآن،لابى بكر الجصاص، ج۳، ص ۲۲۴ ،سورة النساء ،رقم الآية ۹۴)

نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا، تاکہ آپ جان لیتے کہ اس نے دل سے کہا تھا، یا نہیں۔

جس میں فقہ اور اصول کے اس مشہور قاعدہ کی دلیل ہے کہ''**أن الأحكام يعمل فيها بالظاهر، والله يتولى السرائر**''(یعنی''احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے، اور راز داریوں کا ذمہ دار اللہ ہے'')۔انتہٰی ۔ [1]

اور آج کل جو نکاح وذبیحے میں احتیاط کا حکم بیان کرنے اور''شیعہ اثناء عشری'' کے بجائے،

---

[1] إن التكفير له ضوابط لا بد من معرفتها، ومنها الضوابط الآتية:

١ ـ الحكم بالظاهر، فإن أهل السنة لا تكون أحكامهم مبنية على الظنون والأوهام؛ ولهذا قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لأسامة -رضى الله عنه -عندما قتل رجلا بعد أن قال لا إله إلا الله.أقال لا إله إلا الله وقتلته؟ قال :قلت يا رسول الله :إنما قالها خوفا من السلاح .قال :أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا؟ فما زال يكررها على حتى تمنيت أنى أسلمت يومئذ .

وهذا فيه دليل على القاعدة المعروفة فى الفقه والأصول أن الأحكام يعمل فيها بالظاهر، والله يتولى السرائر.

٢ ــ الاحتياط فى تكفير المعين؛ فإن مذهب أهل السنة وسط بين من يقول :لا نكفر من أهل القبلة أحدا، وبين من يكفر المسلم بكل ذنب دون النظر إلى توفر شروط التكفير، وانتفاء موانعه، فأهل السنة يقولون :من استحل ما هو معلوم من الدين بالضرورة كفر، ومن قال :القرآن مخلوق، أو إن الله لا يرى فى الآخرة كفر، لكن الشخص الذى قال مقالة الكفر، أو فعل فعل الكفر، لا يحكم بكفره حتى تتوفر شروط الكفر، وتنتفى موانعه فإذا توفرت الشروط وانتفت الموانع حكم بردته، فيستتاب فإن تاب وإلا قتل .

٣ ـ ما تقوم به الحجة :اتفق السلف على عدم تكفير المعين إلا بعد قيام الحجة، فلا بد من معرفة ما تقوم به الحجة، وما الفرق بين بلوغ الحجة وفهمها؟ وما الأدلة على ذلك؟ وهذا يحتاج إلى تفصيل وعناية دقيقة من طالب العلم لا يتسع المقام لذكرها هنا .

٤ ــ عدم التكفير بكل ذنب؛ ولهذا قال الطحاوى رحمه الله:ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله، والمراد لا يكفر بكل ذنب، فأهل السنة لا يكفرون المسلم الموحد المؤمن بالله واليوم الآخر بذنب يرتكبه :كالزنا، وشرب الخمر، وعقوق الوالدين، وأمثال ذلك، ما لم يستحل ذلك، فإن استحله كفر؛ لكونه بذلك مكذبا لله ولرسوله -صلى الله عليه وسلم -، خارجا عن دينه، أما إذا لم يستحل ذلك فإنه لا يكفر بل يكون ضعيف الإيمان، وله حكم ما تعاطاه من المعاصى فى التفسيق، وإقامة الحدود، وغير ذلك حسبما جاء فى الشرع المطهر(قضية التكفير بين أهل السنة وفرق الضلال فى ضوء الكتاب والسُّنّة، ص ٣٢،٣٣،الباب الأول: أصول وضوابط وموانع فى التكفير،الفصل الثالث ضوابط التكفير)

مطلق شیعہ کے کافر ہونے کا حکم بیان کیا جاتا ہے، وہ مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تصریح سے مطابقت نہیں رکھتا، بلکہ اُن اکابر وفقہاء کے قول اور فتوے سے بھی مطابقت نہیں رکھتا، جنہوں نے نکاح وذبیحے جیسے معاملات میں بھی احتیاط کا حکم دیا، اور تکفیر کرنے میں بھی احتیاط کا حکم دیا۔

(2)......حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے ''شیعہ اثناء عشری'' کے جن تین عقیدوں کو قطعی طور پر موجبِ کفر قرار دیا ہے، ان میں سے پہلا عقیدہ شیخین رضی اللہ عنہما کے ایمان سے محروم اور منافق، یا کم از کم ظالم وغاصب اور فاسق ہونے کی وجہ سے ''مخلد فی النار'' ہونا ہے''۔انتھٰی۔

مذکورہ عبارت میں ''شیعہ اثنا عشری'' کے موجبِ کفر ہونے کا عقیدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کو کافر، منافق، یا کم از کم ظالم وغاصب اور فاسق قرار دیتے ہیں۔

لیکن چونکہ شیخین کو غاصب وفاسق قرار دینا، جمہور فقہائے کرام کے نزدیک موجبِ کفر نہیں تھا، اس لیے شیعوں کے ایک دوسرے عقیدے کو ساتھ شامل کرکے، اس کے موجبِ کفر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک فاسق بھی کافروں کی طرح مخلد فی النار، شمار ہوتا ہے۔

حالانکہ اوّلاً تو خود جمہور فقہائے کرام نے شیخین کی تکفیر اور تفسیق کے اعتبار سے حکم میں فرق بیان کردیا ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے علم میں بعض شیعوں کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ان کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ''مخلد فی النار'' ہوتا ہے، لیکن تمام امامیہ کا اس پر اتفاق نہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منھاج السنة النبوية فی نقض کلام الشیعة'' میں، اصحابِ کبائر کے مخلد فی النار ہونے کا عقیدہ، شیعوں میں سے، زیدیہ کا بیان کیا ہے، اور امامیہ کے دو قول ہونے کا حکم لگایا ہے، اور بہت سے امامیہ کا یہ عقیدہ نہ

ہونے کی تصریح فرمائی ہے''۔ [1]

دوسرے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ''مذہب'' کا لازم ''مذہب'' نہیں کہلاتا، اور یہاں ''مذہب'' کے لازم کو ''مذہب'' قرار دے کر، کفر کا حکم لگایا جارہا ہے۔

تیسرے خوارج بھی مرتکبِ معصیت کی تکفیر کرتے ہیں، اور معتزلہ، مرتکبِ کبیرہ کے ''**مخلد فی النار**'' ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن جمہور فقہائے کرام نے ان کی تکفیر نہیں کی، پھر کیا وجہ ہے کہ اس عقیدے کی وجہ سے کسی دوسرے فرقے کی تکفیر کی جائے۔ [2]

---

[1] وأما قوله " :إن الله . يثيب المطيع ويعفو عن العاصي أو يعذبه. .
فهذا مذهب أهل السنة الخاصة، وسائر من انتسب إلى السنة والجماعة كالكلابية والكرامية والأشعرية والسالمية، وسائر فرق الأمة من المرجئة وغيرهم، والخلاف في ذلك مع . الخوارج والمعتزلة فإنهم يقولون بتخليد أهل الكبائر في النار.
وأما الشيعة فالزيدية منهم تقول . بقول المعتزلة في ذلك، والإمامية على قولين.
قال الأشعري وأجمعت . الزيدية أن أصحاب الكبائر كلهم معذبون في النار . خالدون فيها مخلدون أبدا، لا يخرجون منها ولا يغيبون عنها(منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية،لا بن محمد ابن تيمية، ج٢،ص ٣٠٢،٣٠٣،الفصل الثاني في أن مذهب الإمامية واجب الاتباع،التعليق على قوله يثيب المطيع ويعفو عن العاصي أو يعذبه)
وهذا مما يوافق عليه الإمامية، فإنهم لا يقولون بتخليد أهل الكبائر في النار فالفسق عندهم لا يحبط الحسنات كلهابخلاف من خالف في ذلك من الزيدية والمعتزلة والخوارج، الذين يقولون :إن الفسق يحبط الحسنات كلها ، ولو حبطت حسناته كلهالحبط إيمانه، ولو حبط إيمانه لكان كافرا مرتدا فوجب قتله(منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية،لا بن تيمية، ج٣،ص ٣٩٦، الفصل الثاني،وهذا مما يوافق عليه الإمامية،فصل تابع رد ابن تيمية على كلام ابن المطهر عن الإمامة عند أهل السنة)

[2] اختلف الناس فيمن عصى الله من أهل الشهادتين :فقالت المرجئة :لا تضر المعصية مع الإيمان، وقالت الخوارج :تضره بها ويكفر بها، وقالت المعتزلة :يخلد بها فاعل الكبيرة ولا يوصف بأنه مؤمن ولا كافر، لكن يوصف بأنه فاسق :وقالت الأشعرية :بل هو مؤمن وأن عذب، ولا بد من دخوله الجنة(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج١،ص ١٢٢، كتاب الإيمان،باب أمور الإيمان)
(استنباط الأحكام) : وهو على وجوه .الأول :أن آخر الحديث يدل على أن الله لا يجب عليه عقاب عاص، وإذا لم يجب عليه هذا لا يجب عليه ثواب مطيع أصلا، إذ لا قائل بالفصل .الثاني :أن معنى قوله :(فهو إلى الله) أى :حكمه من الأجر والعقاب مفوض إلى الله تعالى، وهذا يدل على أن من مات من أهل الكبائر قبل التوبة، إن شاء الله عفا عنه وأدخله الجنة أول مرة، وإن شاء عذبه في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا جو لوگ شیخین رضی اللہ عنہما کی تکفیر کے بجائے تفسیق کرتے ہیں، وہ سخت گناہ گار اور گمراہ تو ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم لگانا، راجح نہیں۔

چوتھے ''زیدیہ'' فرقہ بھی فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق، اہلِ تشیع میں داخل ہے، جو شیخین رضی اللہ عنہما کی تفسیق کا قائل نہیں، اس کو اس وجہ سے بھی کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [1]

(3)......حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ''شیعہ اثناء عشری'' کے کافر ہونے کا دوسرا عقیدہ ''امامت'' ہے، جو ختمِ نبوت کی نفی کرتا ہے''۔انتہٰی۔

ہم نے یہ بات تفصیل اور دلائل کے ساتھ، دوسرے مقام پر ذکر کردی ہے کہ ''شیعہ اثناء

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ النار ثم يدخله الجنة وهذا مذهب أهل السنة والجماعة، وقالت المعتزلة: صاحب الكبيرة إذا مات بغير التوبة لا يعفى عنه فيخلد فى النار، وهذا الحديث حجة عليهم، لأنهم يوجبون العقاب على الكبائر قبل التوبة وبعدها العفو عنها .الثالث :قال المازرى :فيه رد على الخوارج الذين يكفرون بالذنوب .الرابع :قال الطيبى :فيه إشارة إلى الكف عن الشهادة بالنار على أحد وبالجنة لأحد إلا من ورد النص فيه بعينه(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج ا ،ص ۱۵۹، كتاب الإيمان،باب، كذا وقع فى كل النسخ، وغالب الروايات بلا ترجمة)

هذه التأويلات تدفع قول الخوارج ومن وافقهم من الرافضة إن مرتكب الكبيرة كافر مخلد فى النار إذا مات من غير توبة وكذا قول المعتزلة إنه فاسق مخلد فى النار(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ۱۲،ص ۶۲، كتاب الحدود،قوله باب الزنا وشرب الخمر)

[1] والشيعة هم ثلاث درجات، شرها الغالية الذين يجعلون لعلى شيئا من الإلهية أو يصفونه بالنبوة، وكفر هؤلاء بين لكل مسلم يعرف الإسلام، وكفرهم من جنس كفر النصارى من هذا الوجه، وهم يشبهون اليهود من وجوه أخرى .

والدرجة الثانية :وهم الرافضة المعروفون، كالإمامية وغيرهم، الذين يعتقدون أن عليا هو الإمام الحق بعد النبى -صلى الله عليه وسلم -بنص جلى أو خفى وأنه ظلم ومنع حقه، ويبغضون أبا بكر وعمر ويشتمونهما، وهذا هو عند الأئمة سيما الرافضة وهو بغض أبى بكر وعمر وسبهما.

والدرجة الثالثة :المفضلة من الزيدية وغيرهم، الذين يفضلون عليا على أبى بكر وعمر، ولكن يعتقدون إمامتهما وعدالتهما ويتولونهما، فهذه الدرجة وإن كانت باطلة، فقد نسب إليها طوائف من أهل الفقه والعبادة، وليس أهلها قريبا ممن قبلهم بل هم إلى أهل السنة أقرب منهم إلى الرافضة؛ لأنهم ينازعون الرافضة فى إمامة الشيخين وعدلهما وموالاتهما، وينازعون أهل السنة فى فضلهما على على -والنزاع الأول أعظم، ولكن هم المرقاة التى تصعد منه الرافضة فهم لهم باب(الفتاوى الكبرىٰ لابن تيمية، ج۶، ص ۳۶۹، ۳۷۰، كتاب فى الرد على الطوائف الملحدة والزنادقة، أوجه الرد على المعارضين)

عشریٰ'' کے ''عقیدۂ امامت'' کی وجہ سے ختمِ نبوت کی نفی لازم آنے پر تکفیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ ''مذہب'' کا لازم ''مذہب'' نہیں کہلاتا۔

(4)......حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ''عقیدۂ تحریفِ قرآن سے ہمارے اس زمانہ کے اکثر شیعہ علماء انکار کرتے ہیں۔

لیکن قرآن کو مرتب اور جمع کرنے والے خلفائے ثلاثہ کے بارے میں، ان کا جو عقیدہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے قرآن مجید پر ایمان، بلکہ کسی درجہ کا اعتماد واعتبار ہونا بھی از روئے عقل ممکن نہیں، اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اس انکار کو تقیہ پر محمول کریں، جس کی تائید نعمتُ اللہ الجزائری کی کتاب ''الانوار النعمانیة'' کی عبارت سے ہوتی ہے'' ۔انتہیٰ۔

لیکن حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی پہلی بات کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جو لوگ کفریہ عقیدے کا انکار کریں، تو ''تقیہ'' کی وجہ سے، اُن کے نکاح وذبیحے جیسے معاملات میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرتے ہوئے پرہیز کا حکم لگایا جائے گا۔

لیکن دنیا میں ان پر ''التزامِ کفر'' یا سیاستِ کافرانہ جاری کرنے کا حکم عائد کرنا، احتیاط کے خلاف ہے۔

اور اصل زیرِ بحث مسئلہ ''التزامِ کفر'' سے ہی متعلق ہے، بالخصوص جبکہ مولانا منظور نعمانی صاحب نے اس نمبر والی عبارت میں بھی، اس بات کی تصریح کی ہے کہ ''اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اس انکار کو تقیہ پر محمول کریں''

اور ''تقیہ'' پر محمول کرنے کا زیادہ سے زیادہ تقاضا یہی ہوگا کہ آخرت کے اعتبار سے کافر قرار دیا جائے، جس کا فیصلہ بروزِ قیامت ہوجائے گا، لیکن دنیا میں اُن پر ''سیاستِ کافرانہ'' جاری کرنے کا حکم نہیں ہوگا۔

پس اہلِ تشیع میں سے جو لوگ تحریفِ قرآن کے عقیدے کا انکار کرتے ہیں، جیسا کہ مولانا نعمانی صاحب کی تصریح کے مطابق ''عقیدۂ تحریفِ قرآن سے ہمارے اس زمانہ کے اکثر شیعہ علماء انکار کرتے ہیں'' تو ان کی طرف تحریفِ قرآن کے عقیدے کی وجہ سے، کفر کا حکم لگانا، احتیاط کے خلاف ہوگا۔

جہاں تک قرآن کو مرتب اور جمع کرنے والے خلفائے ثلاثہ کے بارے میں شیعوں کے عقیدے کا تعلق ہے، تو قرآن کو مکمل طریقے پر جمع تو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کیا گیا تھا، جب شیخین رضی اللہ عنہما کا وصال ہو چکا تھا، اور اہلِ تشیع کو اصل اختلاف شیخین رضی اللہ عنہما سے ہی ہے، اور شیخین رضی اللہ عنہما کا درجہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے، جب شیخین رضی اللہ عنہما کی تفسیق کو بھی، جمہور فقہائے کرام نے کفر قرار نہیں دیا، تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفسیق کی وجہ سے کفر کا حکم لگانا، کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ورنہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیق، بلکہ تکفیر کرنے کی وجہ سے، خوارج پر بھی کفر کا حکم لگانا چاہیے، جو کہ جمہور کے خلاف ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

> ''جو غالی رافضی تمام صحابۂ کرام کی تکفیر کرتے ہیں، ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، لیکن ان غالی رافضیوں کے علاوہ دیگر رافضی اس مسلک کو اختیار نہیں کرتے، جہاں تک امامیہ اور بعض معتزلہ کا تعلق ہے، تو ان کا کہنا یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دوسرے حضرات کو مقدم کرنے میں خطاء کا ارتکاب کیا ہے، لیکن وہ کافر نہیں ہیں'' ۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال القاضي هذا الحديث مما تعلقت به الروافض والإمامية وسائر فرق الشيعة في أن الخلافة كانت حقا لعلي وأنه وصى له بها قال ثم اختلف هؤلاء فكفرت الروافض سائر الصحابة في تقديمهم غيره وزاد بعضهم فكفر عليا لأنه لم يقم في طلب حقه بزعمهم وهؤلاء أسخف مذهبا وأفسد عقلا من أن يرد قولهم أو يناظر وقال القاضي ولا شك في كفر من قال هذا لأن من كفر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(5)...... حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ ''شیعوں کے بہت سے فرقے تھے، جن کی تعداد تقریباً ستر تک ذکر کی گئی ہے، اور ان میں سے بہت سے فرقے اب بھی موجود ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں افراط وغلو، اور حضرات خلفائے ثلاثہ سے بغض وعداوت اور لعن طعن، ان سب فرقوں میں قدرِ مشترک ہے''۔انتہٰی۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مولانا منظور نعمانی صاحب کے نزدیک شیعوں کے بہت سے فرقے، اب بھی موجود ہیں، اور جن امور کو مولانا منظور نعمانی صاحب نے سب فرقوں میں قدرِ مشترک قرار دیا ہے، وہ مجمل کلام ہے، جس کی تفصیل وتنقیح کرتے ہوئے، جمہور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام نے حکم میں بھی تفریق بیان کی ہے، اور افراط وغلو، اور بغض وعداوت اور لعن طعن کی تشریح وتوضیح کو پیشِ نظر رکھ کر حکم بیان کیا ہے، لہٰذا ان امور کی وجہ سے، سب فرقوں پر یکساں حکم لگانا، درست نہیں، جیسا کہ جمہور فقہائے کرام نے بھی یکساں حکم نہیں لگایا۔

(6)...... حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ''شیعوں میں بعض فرقے وہ بھی تھے، جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی انسانی شکل میں خدا ہیں، اور بعض فرقے وہ بھی تھے، جن کا عقیدہ تھا کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کو نبی بنانا چاہا تھا اور جبریل کو وحی لے کر انہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن وہ غلطی سے محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے، بعض فقہاء اور اصحابِ فتاویٰ نے شیعوں کے ان عقیدوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأمة كلها والصدر الأول فقد أبطل نقل الشريعة وهدم الإسلام وأما من عدا هؤلاء الغلاة فإنهم لا يسلكون هذا المسلك فأما الإمامية وبعض المعتزلة فيقولون هم مخطئون فى تقديم غيره لا كفار (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۱۵، ص۱۷۴، كتاب فضائل الصحابة رضى الله عنهم، باب من فضائل على بن أبى طالب رضى الله عنه)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسے عقیدے رکھنے والے فرقے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں''۔انتھیٰ۔

شیعوں پر مذکورہ عقائد کی وجہ سے، متعدد فقہاء اور اصحابِ فتاویٰ نے کفر کا حکم لگایا ہے، لیکن خود مولانا منظور نعمانی صاحب اس بات کی تصریح فرما رہے ہیں کہ ''واقعہ یہ ہے کہ ایسے عقیدے رکھنے والے فرقے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں''

گویا کہ مولانا منظور نعمانی صاحب نے، شیعوں پر کفر کا حکم لگانے کی مذکورہ بالا وجوہات کو موجودہ دور کے شیعوں میں ہونے کی نفی فرمادی۔

اورانہوں نے اپنی تحقیق میں تکفیر کی دوسری وجوہات کو تلاش واختیار کیا، جیسا کہ ان کی عبارت سے واضح ہے۔

اب علامہ شامی کی مندرجہ ذیل عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں:

وبهذا ظهر أن الرافضى إن كان ممن يعتقد الألوهية فى على، أو أن جبريل غلط فى الوحى، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر كما أوضحته فى كتابى تنبيه الولاة والحكام عامة أحكام شاتم خير الأنام أو أحد الصحابة الكرام عليه وعليهم الصلاة والسلام(ردالمحتار، ج۳ص ۴۶، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ترجمہ: اوراس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ''رافضی'' اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ''الوھیت'' کا عقیدہ رکھتا ہو، یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جبریلِ امین نے وحی میں غلطی کی ہے، یا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبت کا انکار کرتا ہو، یا سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر (زنا کی) تہمت لگاتا ہو، تو وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے دین کی اُن ضروری

چیزوں کی مخالفت کی ہے، جو قطعی طور پر معلوم ہیں۔

برخلاف اس صورت کے کہ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہو، یا صحابہ پر سبّ وشتم کرتا ہو، تو وہ بدعتی ہے، کافر نہیں ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام علیٰ أحکام شاتم خیر الأنام'' میں اس کو واضح کردیا ہے (ردُّ المحتار)

(7)...... حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے ساتویں بات یہ معلوم ہوئی کہ ''اب شیعہ عام طور سے اثنا عشریہ ہی کو کہا جاتا ہے، جن کا دوسرا معروف نام ''امامیہ'' بھی ہے، ہمارے استفتاء اور فتاویٰ کا تعلق خاص اسی فرقہ سے ہے۔

اور شیعوں کے دوسرے فرقے اب اپنے مستقل ناموں سے معروف ہوگئے ہیں، مثلاً ''اسماعیلیہ، نُصیریہ، زیدیہ'' وغیرہ''۔انتھیٰ۔

پیچھے نمبر 5 میں مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی یہ بات گزر چکی ہے کہ شیعوں کے بہت سے فرقے اب بھی موجود ہیں۔

لیکن یہاں مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ ''اب شیعہ عام طور سے اثنا عشریہ ہی کو کہا جاتا ہے، جن کا دوسرا معروف نام ''امامیہ'' بھی ہے''

حالانکہ اوّلاً تو اب بھی ''اسماعیلیہ، نُصیریہ، زیدیہ'' وغیرہ، نام کے فرقے اہلِ تشیع ہی میں شمار ہوتے ہیں، اور جمہور فقہائے کرام نے بھی ان فرقوں کو اہلِ تشیع میں ہی شمار کیا ہے، اگر کسی جگہ کا عرف، اس سے مختلف ہو، تو وہ اس جگہ کا معاملہ ہوگا، لیکن شیعوں کی تکفیر جیسے اہم مسئلے کو اصولی انداز میں بیان کرتے وقت، اس فرق کو نظرانداز کرنا درست نہ ہوگا۔

اور ہم نے جہاں تک مشاہدہ کیا، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ دور میں عوام تو کیا، بہت سے خواص، یہاں تک کہ علماء کا بڑا طبقہ آج بھی ''امامیہ'' اور ''اثناء عشریہ'' کی حقیقت، اور نام تک

سے واقف نہیں، بلکہ وہ ''شیعہ، اہلِ تشیع، یا رافضی'' کے نام سے ہی معروف ہیں، اور ان کو ان ہی ناموں سے جانا، پہچانا جاتا ہے۔

دوسرے فقہائے کرام نے ''امامیہ'' بلکہ بعض نے ''اثناء عشریہ'' کے بھی متعدد فرقے بیان کیے ہیں، جن کے عقائد میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے تکفیر کا اصولی حکم بیان کرتے وقت، اس فرق کو نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا۔

تیسرے جب مولانا منظور نعمانی صاحب کے استفتاء اور فتاویٰ کا تعلق خاص اسی فرقہ سے ہے، تو حکم بیان کرتے وقت بھی اسی خاص فرقے کی قید لگانی چاہیے، جبکہ مولانا منظور نعمانی صاحب کے استفتاء اور فتاویٰ کی بنیاد پر علی الاطلاق، تمام اہلِ تشیع کی تکفیر کی جاتی ہے۔

اور سب سے اہم اور آخری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ ''اثناعشری'' کی طرف منسوب، جو لوگ کفریہ عقائد کا انکار، یا اُن سے برائت ظاہر کرتے ہیں، مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی تمام تر تفصیل کے باوجود اُن سے نکاح وذبیحے جیسے معاملات میں احتیاط کا حکم ہوگا، اور محض اس احتیاطی حکم کی وجہ سے تکفیر کا حکم لگانا درست نہیں، جس میں سو میں سے ایک احتمال اور ایک ضعیف روایت بھی مؤثر ہوا کرتی ہے۔

روافض کے مسئلے میں قدیم وجدید کی بحث پر کلام

پھر اس کے بعد جناب نے اپنے خط میں لکھا کہ:

''روافض کے مسئلہ میں بھی قدیم وجدید کی بحث نہ چھیڑیں، ورنہ خالی الذہن ہو کر مطالعہ کریں، اور نتائج کا انتظار کریں''۔ انتہٰی۔

کلام :......جس طرح جناب کو ابوین کے مسئلہ میں قدیم بحث سے بہت زیادہ وحشت تھی، بالآخر یہاں بھی حسبِ مزاج وہی جدید رنگ نکھر کر اور ابھر کر سامنے آیا۔

اگر آپ کی خواہش پر قدیم کی بحث کو چھیڑنے سے گریز کیا جا سکتا ہے، تو اگر آپ جیسا کوئی

دوسرا بھائی آ کر یہ خواہش ظاہر کرے فلاں مسئلہ میں قرآن وسنت کی یہ بحث نہ چھیڑیں، کیونکہ یہ پرانی بحث ہے۔

تو پھر ہمارے پاس پیچھے کیا بچارہ جائے گا۔

ہم نے الحمدللہ خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا، اور نتائج کا انتظار کیا، اسی سے یہ نتیجہ برآمد ہوا، جو ذکر کر دیا۔

اگر آپ بھی ایسا کرتے، تو بندہ کے ساتھ الجھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

روافض کے متعلق درجہ اختصاص کے محققین سے رجوع پر کلام

اور جناب نے اپنے خط کے بالکل آخر میں لکھا کہ:

''یا روافض کے بارے میں درجہ اختصاص رکھنے والے محققین سے رجوع کریں، تو بہت بہتر ہوگا''۔ انتہٰی۔

کلام:

موجودہ دور کے جن درجہ اختصاص رکھنے والے محققین کی طرف رجوع کا جناب مشورہ دینا چاہتے ہیں، ان کی تخصیصات وتحقیقات اور تدقیقات وتنقیحات، سب ہی سے الحمدللہ تعالیٰ آگاہ ہوتے رہنے کی سعادت حاصل رہی، اور اگر جناب کی نظر میں درجہ اختصاص رکھنے والے محققین کی خصوصیات کسی دوسرے رنگ کی ہوں، تو آپ کے علومِ عالیہ، اور شانِ عالی سے ان کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجہ اختصاص میں مزید ترقیات عطا فرمائے۔

ہمیں تو اس وقت اللہ کے فضل وکرم سے جن مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام کی طرف رجوع کی توفیق بحمداللہ تعالیٰ حاصل ہے، ان کے مقابلہ میں، مذکورہ درجہ اختصاص رکھنے والے محققین کا رنگ اور ذائقہ قابلِ رغبت محسوس نہ ہوا۔

اور اگر ابھی بھی جناب کے ذہن میں کچھ خلفشار وانتشار ہو، تو بندہ کی مندرجہ بالا تالیفات کو ملاحظہ فرمالیں:

(1)......تکفیرِ شیعہ اور چند شبہات پر کلام

(2)......تکفیرِ شیعہ وروافض کی تحقیق

آخر میں یہ بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ جس طرح آنجناب کے مذکورہ الزامات وتاویلات کی وجہ سے اب یہ مضمون سات سو صفحات سے بھی متجاوز ہوگیا، جبکہ جناب کو پہلے ہی کے چھ سو صفحات سے شکایت تھی، اسی طرح پہلا مضمون بھی آنجناب کے ہم نوا اور ہم مشرب کرم فرماؤں کے الزامات وتاویلات کی بدولت ہی اس مرحلہ تک پہنچا تھا، لہٰذا اس کی تفصیل وطوالت کا سبب بھی پہلے سبب سے مختلف نہیں۔

کما قال اللّٰہ تعالٰی:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (سورۃ الأنعام، رقم الآیۃ ۵۵)

وقال اللّٰہ تعالٰی:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الأعراف، رقم الآیۃ ۳۲)

وقال اللّٰہ تعالٰی:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورۃ الأعراف، رقم الآیۃ ۱۷۴)

وقال اللّٰہ تعالٰی:

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ یونس، رقم الآیۃ ۲۴)

وقال اللّٰہ تعالٰی:

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ (سورۃ الروم، رقم الآیۃ ۲۸)

خلاصۂ کلام

ماسبق میں جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

''شفاعة النبی لأبوی النبی'' میں ہم نے جو تفصیل ذکر کی تھی، اس پر کیے جانے والے اعتراضات وشبہات محض الزامی نوعیت کے ثابت ہوئے، جن میں کوئی وزن محسوس نہ ہوا، بلکہ ان شبہات و اعتراضات کے جائزہ و تحقیق کے دوران سابق موقف مزید مبرہن و منقح ہوا اور اس کا نہایت مضبوط موقف ہونا ثابت ہوا، اور ساتھ ہی ہمارے سابق مضمون پر وارد ہونے والے شبہات اور خیالات وتوہمات کا قلع قمع بھی ہوا۔

اور اسی طرح اہلِ تشیع کے متعلق جو موقف ہم نے اپنے مختصر فتوے میں اختیار کیا تھا، اور وہ ماہنامہ ''التبلیغ'' راولپنڈی، جلد 18 شمارہ 02، اکتوبر 2020ء - صفر المظفر 1442ھ، میں شائع ہوا تھا، ہم اسی کو راجح سمجھتے ہیں، اور اس پر کیے جانے والے شبہات واعتراضات سے ہمیں اتفاق نہیں، جس کی مزید تفصیل ہم نے اس موضوع پر دوسری مستقل تالیفات میں ذکر کر دی ہے، لہٰذا اس موقف پر وارد ہونے والے اس قسم کے اعتراضات و شبہات کی حیثیت بھی توہمات و خیالات سے زیادہ معلوم نہ ہوئی۔

اور اگر پھر بھی کسی کی طرف سے جمہور اہل السنۃ کے اصل موقف پر زبان درازی کی گئی، تو ان شاء اللہ تعالیٰ محققین کی طرف سے ان کی دندان شکن جوابات کے ذریعہ ضیافت کی جائے گی۔

اور پھر بھی کوئی پیچھے رہ کر زبان درازی کا مرتکب ہوگا، تو اس کا وہ عنداللہ حساب دینے کا پابند ہوگا اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اہلِ حق اور جمہور کے موقف کی قبولیت و

حقانیت میں، روڑے اٹکانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکے گا۔ [1]

فقط

واللّٰہ تعالٰی أعلم

محمد رضوان خان

26/جمادی الاخریٰ/1442ھ۔09/فروری/2021ء بروز منگل

نظرِ ثانی:

14/محرم الحرام/1444ھ۔13/اگست/2022ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

---

[1] اس مضمون کوتحریر کرنے کے کچھ عرصہ بعد ایک اورتحریر موصول ہوئی، جو بظاہر ان ہی صاحب کی معلوم ہوتی تھی، جنہوں نے مندرجہ بالا مضمون تحریر کیا تھا۔
اس دوسری تحریر کے مستقل جواب کی اگرچہ خاطر خواہ ضرورت نہ تھی، لیکن بعض وجوہات کی بناء پر اس کا جواب بھی ''ایک غالیانہ تحریر کا علمی محاسبہ'' کے عنوان سے تحریر کردیا گیا ہے، جو ایک مستقل مضمون ہے۔محمد رضوان۔

علمی و تحقیقی رسائل

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے کہ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۔وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (سورة التوبة، رقم الآيات، ۱۱۲، ۱۱۳)
''نہیں ہے حق حاصل نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں۔ اور نہیں تھا، استغفار، ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کردی (ابراہیم نے) ان سے۔'' (سورہ توبہ) (صفحہ نمبر 285)